جلد دوم

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم



السیرۃ النبویۃ

علامہ سید احمد بن زینی دحلان رحمۃ اللہ علیہ

السیرۃ النبویہ

جلد دوم

مصنّف

علامہ سید احمد بن زینی دحلان رحمۃ اللہ علیہ

مترجم

علامہ ذوالفقار علی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور کراچی پاکستان

نام کتاب	السیرۃ النبویہ (جلد دوم)
مصنف	علامہ سید احمد بن زینی دحلان رحمۃ اللہ علیہ
مترجم	علامہ ذوالفقار علی، فاضل دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ
زیر نگرانی	ادارہ ضیاء المصنفین، بھیرہ شریف
ناشر	محمد حفیظ البرکات شاہ
	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
سال اشاعت	فروری 2014ء
تعداد	ایک ہزار
کمپیوٹر کوڈ	ST61

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ 37221953 فیکس:۔ 042-37238010

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ 37247350۔ فیکس 042-37225085

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون:۔ 021-32212011-32630411۔ فیکس:۔ 021-32210212

e-mail:- info@zia-ul-quran.com

Website:- www.ziaulquran.com

فہرست مضامین

صلح حدیبیہ

سبب: حدیبیہ ایک کنویں کا نام تھا، جسے اس جگہ کے اعتبار سے حدیبیہ کہا جاتا تھا۔ بعض نے کہا ہے کہ حدیبیہ درخت کا نام تھا۔ اس بستی کا اکثر حصہ حرم میں شامل تھا۔ یہ مقام مکہ مکرمہ سے 9 میل دور تھا۔ حضور ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ آپ اور صحابہ کرام امن و آشتی کے ساتھ اپنے سروں کا حلق کرائے یا قصر کرائے بیت اللہ میں داخل ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ ذوالقعدہ کے مہینہ میں عازم سفر ہوئے۔ ہجرت کا چھٹا سال تھا۔ آپ عمرہ کا ارادہ کیے ہوئے تھے۔ جنگ کا ارادہ نہیں تھا۔ آپ کے ارد گرد اعرابی بھی آپ کے ساتھ عمرہ کرنے کی نیت سے روانہ ہوئے۔ آپ کو قریش کے متعلق خدشہ تھا کہ وہ کہیں آپ کے ساتھ جنگ نہ کرنے لگیں یا آپ کو بیت اللہ سے روک نہ دیں۔ بہت سے اعرابی رک گئے۔ مہاجرین و انصار آپ کے ہمراہ عازم سفر ہوئے۔ دیگر اہل عرب بھی آپ کے ساتھ آملے۔ آپ نے اپنے ساتھ قربانی کے جانور بھی لے لیے تاکہ لوگوں کو علم ہو جائے کہ آپ عمرہ کی نیت سے نکلے ہیں اور بیت اللہ کی تعظیم بجالانے کے لیے روانہ ہوئے ہیں۔ حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو معیت کا شرف ملا۔ مدینہ طیبہ پر حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر کیا۔ دوسری روایت کے مطابق حضرت ابورہم ام کلثوم بن حصین رضی اللہ عنہ کو نیابت کے فرائض سونپے یا یہ فرائض دونوں کے سپرد کیے۔ آپ کے ہمراہ 1400 صحابہ کرام تھے۔ دوسری روایت کے مطابق صحابہ کرام کی تعداد 1500 تھی۔ ایک اور روایت کے مطابق یہ تعداد 1300 تھی۔ اس اختلاف کو اس طرح ختم کیا جاسکتا ہے کہ صحابہ کرام کی تعداد 1400 سے زائد تھی۔ جس نے کہا ہے کہ یہ تعداد 1500 تھی اس نے ڈیڑھ ہزار کی تعداد کو پورا کرنے کے لیے کہا اور جس نے 1400 تعداد بیان کی ہے، اس نے 100 کم بتایا ہے۔ 1300 کی تعداد حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ یہ ممکن ہے کہ وہ اتنی ہی تعداد سے آگاہ ہوئے ہوں جبکہ دوسرا راوی اس سے مزید 200 کی تعداد سے آگاہ ہوا ہو۔ فقیہ کی زیادتی قبول کی جاتی ہے یا اس لیے ان صحابہ کرام کی تعداد 1300 ہو جو ابتداء میں آپ کے ساتھ مدینہ طیبہ سے نکلے ہوں۔ پھر دیگر صحابہ کرام آپ سے مل گئے ہوں یا پھر یہ تعداد ان پیروکاروں خادموں، خواتین اور بچوں پر مشتمل ہو جو ابھی تک بالغ نہ ہوئے ہوں۔ کوئی مسافر بھی آپ کے ساتھ جنگ کے ہتھیار لے کر نہ نکلا۔ بلکہ وہ مسافر کے ہتھیار لے کر نکلا۔ جب آپ ذوالحلیفہ پہنچے تو جانوروں کو قلادے پہنائے وہاں سے عمرہ کا احرام باندھا اور بنو خزاعہ کا ایک جاسوس آگے بھیجا۔ حضور ﷺ آگے عازم سفر ہوگئے۔ جب آپ غدیر الاشطاط پہنچے تو جاسوس آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے عرض کی "قریش نے آپ کے لیے ایک عظیم لشکر جمع کر رکھا ہے۔ وہ آپ کے ساتھ جنگ کریں گے۔ آپ کو بیت اللہ سے روکیں گے مکہ مکرمہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے"۔

دوسری روایت میں ہے کہ اس جاسوس نے آپ کے ساتھ عسفان میں ملاقات کی۔ اس نے عرض کی "یہ قریش ہیں انہوں نے آپ کی تشریف آوری کے متعلق سن لیا ہے۔ وہ شیر دار اونٹوں اور بچوں والی ماؤں کے ہمراہ نکل آئے ہیں۔ انہوں نے کھجور کی جلد پہن رکھی ہے۔ وہ ذوطویٰ کے مقام پر فروکش ہیں۔ انہوں نے رب تعالیٰ سے وعدہ کیا ہے کہ آپ مکہ مکرمہ میں

کبھی بھی داخل نہیں ہو سکیں گے"، یعنی قریش مکہ شیر دار اونٹنیاں اور بچے والی ماؤں کو اس لیے لے کر آئے ہیں کیونکہ ان کا ارادہ ہے کہ وہ طویل مدت قیام کریں گے اور راہ فرار اختیار نہیں کریں گے" دوسری روایت میں ہے، اس جاسوس نے گذارش کی "میں فلاں رات بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا، قریش مکہ اپنی اپنی مجالس میں تھے۔ جبکہ کوہ ابی قبیس کی بلندی سے ایک ہاتف نے یہ صدا دی:

هيوا لصاحبكم مثل صحابته سيرا اليه وكونوا معشراً كرماً

"اپنے صاحب کے لیے اس طرح تیاری کرو جس طرح کہ ان کے ساتھیوں نے تیاری کی ہے۔ ان کی طرف چلو اور معزز قبیلہ بن جاؤ"۔

طواف اور سعی کے بعد وہ یہ کہہ کر اہل مکہ کو جمع کرنے لگا:

شاهت وجوههم من معشر ثكل لا ينصرون اذ ماحاربوا صنماً

"ان کے چہرے برباد ہو جائیں، ان کا تعلق اس قبیلہ سے ہے جس میں مائیں اپنے بچوں پر روتی ہیں۔ جب وہ بت کے ساتھ جنگ کریں تو ان کی مدد نہیں کی جائے گی"۔

یہ صدا سن کر مکہ مکرمہ لرز اٹھا۔ انہوں نے یہ معاہدہ کیا ہے کہ اس سال آپ مکہ مکرمہ میں داخل نہیں ہو سکتے" تاجدار حرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" یہ ہاتف سلفعہ شیطان ہے، اسے عنقریب رب تعالیٰ برباد کر دے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ" ابھی تک وہ اسی حالت میں تھے کہ انہوں نے پہاڑ کی بلند چوٹی سے یہ صدا سنی:

شاهت وجوه رجال حالفوا صنما وخاب سعيهم ماقصرالیهما

"ان لوگوں کے چہرے برباد ہوں جنہوں نے بت کے ساتھ معاہدہ کیا ہے۔ ان کی کوشش رائیگاں گئی ان کی ہمتیں کتنی کوتاہ ہیں"۔

انی قتلت عدوالله سلفعة شیطان اصنامهم سحقاً لمن ظلم

"میں نے اللہ تعالیٰ کے دشمن سلفعہ کو قتل کر دیا ہے وہ ان کے بتوں کا شیطان تھا، جس نے ظلم کیا اس کیلئے ہلاکت ہو"۔

وقداتاهم رسول الله فی نفر وكلهم محرم لا يسفكون دما

"اللہ تعالیٰ کے رسول محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام کے ہمراہ ان کے ہاں جلوہ افروز ہو گئے ہیں، وہ سب حالت احرام میں ہیں۔ وہ خونریزی نہیں چاہتے"۔

مجلس مشاورت

آپ نے صحابہ کرام کو مشاورت کے لیے بلایا۔ آپ نے فرمایا "لوگو! مجھے مشورہ دو، تمہاری کیا رائے ہے؟ کیا میں ان کفار کے اہل وعیال کا ارادہ کروں جو ہمیں بیت اللہ سے روکنے کا ارادہ رکھتے ہیں، اگر وہ ہمارے سامنے آئیں تو رب تعالیٰ مشرکین کے سورماؤں کو کاٹ کر رکھ دے گا، ورنہ ہم انہیں اس حالت میں چھوڑیں گے کہ ان سے سب کچھ چھین لیا جا چکا ہو گا"۔

دوسری روایت کے مطابق آپ نے فرمایا "تمہاری کیا رائے ہے کہ ان مشرکین کی اس اولاد کی طرف رجحان رکھیں جو ان کی مدد کرتے ہیں، ہم انہیں پالیں گے اگر مشرکین بیٹھے رہے تو ان کی حالت یہ ہوگی کہ وہ محروم ہو جائیں گے۔ ان سے سب کچھ چھین لیا جائے گا۔ اگر وہ آ گئے تو وہ ایسی گردن ہوں گے جسے رب تعالیٰ کاٹ کر رکھ دے گا، یا تمہاری رائے یہ ہے کہ ہم بیت اللہ کا ہی قصد کریں جو ہمیں روکے اس کے ساتھ جنگ کریں" حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے بہتر جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مقدس گھر کے ارادہ سے عازم سفر ہوئے ہیں۔ آپ کسی کو قتل کرنے کے ارادہ سے نہیں نکلے۔ کسی سے جنگ کے ارادہ سے نہیں عازم سفر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت اللہ کا ہی عزم فرمائیں، جو ہمیں اس سے روکے گا ہم اس کے ساتھ جنگ کریں گے"۔

سرور دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ کا مبارک نام لے کر عازم سفر ہو جاؤ" روایت ہے کہ حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ نے اسی طرح کے جذبات عالیہ کا اظہار کیا جس طرح کے احساسات کا اظہار وہ مقام بدر پر کر چکے تھے۔ وہ عرض گذار ہوئے "بخدا! یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ہم آپ سے اس طرح نہیں کہیں گے جس طرح بنو اسرائیل نے اپنے نبی سے کہا تھا کہ تم جاؤ تمہارا رب جائے۔ دونوں لڑو ہم تو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔ بلکہ ہماری گذارش تو یہ ہے کہ آپ اور آپ کا رب تعالیٰ جائیں، جہاد کریں۔ ہم بھی آپ کے ہمراہ جہاد کریں گے" آپ نے فرمایا "رب تعالیٰ کا مبارک نام لے کر عازم سفر ہو جاؤ"۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں نے کسی شخص کو نہیں دیکھا جو اپنے ساتھیوں سے اس طرح مشاورت کرتا ہو جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام سے مشاورت کرتے تھے کیونکہ ارشاد ربانی ہے:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (آل عمران۔ 159) اور صلاح مشورہ کیجیے اُن سے اس کام میں۔

غیر معروف راستہ سے

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام عازم سفر ہو گئے۔ جب کچھ راستہ طے ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "خالد بن ولید غمیم کے مقام پر قریش کے گھڑ سوار دستہ کے ساتھ موجود ہے۔ اس کے ساتھ دو سو گھڑ سوار ہیں۔ مقدمۃ الجیش میں عکرمہ بن ابی جہل ہے۔ تم ذرا دائیں طرف ہٹ جاؤ" دوسری روایت کے مطابق آپ نے فرمایا "کون شخص ہمیں اس رستہ کے علاوہ کسی اور رستہ سے لے کر جائے گا جس پر قریش خیمہ زن ہیں۔ حضرت حمزہ بن عمرو اسلمی نے عرض کی "یا رسول اللہ! میں یہ سعادت حاصل کروں گا" وہ دشوار گزار رستہ سے لے چلے اور بڑی مشکل کے بعد انہیں اس گھاٹی سے لے کر باہر نکلے۔ پھر صحابہ کرام آسان رستہ پر آ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "یوں کہو" نستغفر واللہ ونتوب الیہ "صحابہ کرام نے اسی طرح کہا تو آپ نے فرمایا "یہی وہ پاکیزہ کلمہ ہے جسے بنی اسرائیل پر پیش کیا گیا مگر انہوں نے یہ پاکیزہ کلمہ نہ کہا"۔

دوسری روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا "حمض کے سامنے دائیں طرف چلو۔ مجاہدین اسلام اسی راستہ سے چلے، جب قریش کے گھڑ سوار دستے نے مسلمانوں کو دوسرے راستہ سے جاتے ہوئے دیکھا تو وہ اس رستہ سے ہٹ کر قریش کے ساتھ آ کر مل گئے۔ دوسری روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قسم! خالد کو مسلمانوں کے بارے علم تک نہ ہوا حتیٰ

کہ انہیں لشکر کے گردوغبار نے آلیا۔ قریش کا نذیر (ڈرانے والا) بھاگ کر قریش کی طرف چلا گیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ خالد اپنا گھڑسوار دستہ لے کر آگے بڑھے حتیٰ کہ انہوں نے حضور ﷺ اور صحابہ کرام کو دیکھ لیا۔ ان کے دستہ نے مسلمانوں اوران کے قبلہ کی سمت صف بندی کر لی۔ حضور ﷺ نے حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا، وہ اپنے گھڑسوار دستے کے ساتھ خالد کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔ صحابہ کرام نے صف بندی کر لی۔ نماز ظہر کا وقت قریب ہو گیا۔ حضور ﷺ نے صحابہ کرام کو نماز ظہر پڑھائی۔ خالد نے کہا ''مسلمان غفلت میں تھے۔ کاش کہ ہم ان پر حملہ کر دیتے اور کامران ہو جاتے۔ لیکن ابھی ایک اور نماز کا وقت ہو جائے گا، وہ نماز انہیں اپنی جانوں اور اولاد سے زیادہ پیاری ہے۔ حضرت جبرائیل امین نماز ظہر اور نماز عصر کے مابین یہ آیت طیبہ لے کر نازل ہوئے:

وَ اِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ (النساء:102)

''(اے حبیب) جب آپ ان میں موجود ہوں اور قائم کریں آپ ان کے لیے نماز تو چاہیے کہ کھڑا ہوا ایک گروہ ان سے آپ کے ساتھ''۔

نماز عصر کا وقت ہو گیا۔ دشمن قبلہ کی سمت تھا۔ حضور ﷺ نے صحابہ کرام کو صلوٰۃ الخوف پڑھائی۔ صحابہ کرام نے دو صفیں بنا لیں۔ آپ نے انہیں نماز پڑھائی۔ جب آپ نے سجدہ کیا تو ایک صف نے آپ کے ہمراہ سجدہ کیا، دوسری صف نے نگرانی کی۔ جب آپ اور دیگر سجدہ ریز صحابہ کرام اٹھے تو نگران صحابہ کرام نے سجدہ کیا۔ وہ آپ کے ساتھ مل گئے۔ دوسری رکعت میں پہلے نگران صحابہ کرام نے سجدہ کیا۔ دیگر صحابہ کرام نے نگرانی کی، جب آپ بیٹھ گئے تو نگران صحابہ کرام نے سجدہ کیا پھر دونوں صفوں نے تشہد پڑھا اور سلام پھیر دیا۔ عسفان کے مقام پر بھی اسی طرح نماز ادا کی گئی۔ پھر آپ عازم سفر ہو گئے۔ حتیٰ کہ آپ ثنیہ پہنچ گئے۔

اونٹنی بیٹھ گئی

جب آپ ثنیۃ المرار جلوہ افروز ہو گئے تو ناقہ قصواء بیٹھ گئی۔ لوگ کہنے لگے ''قصواء! بیٹھ گئی ہے، قصواء! بیٹھ گئی ہے''۔ حضور ﷺ نے فرمایا ''قصواء نہیں بیٹھی۔ نہ ہی اس کی یہ عادت ہے۔ بلکہ اسے اسی ذات والا نے روک دیا ہے جس نے ہاتھی کو روکا تھا''۔

یہ تشبیہ اس اعتبار سے بہت مناسب ہے کہ اس کیفیت میں صحابہ کرام مکہ مکرمہ میں داخل ہو جاتے اور قریش انہیں روک دیتے تو بہت زیادہ خونریزی ہوتی۔ اموال ہلاک ہو جاتے۔ جس طرح کہ اگر ہاتھی اور ہاتھی والوں کو مکہ مکرمہ میں داخل ہو جانے کی اجازت دی جاتی تو جان و مال کی بربادی ہوتی۔ لیکن یہ بات علم الٰہی میں تھی کہ صحابہ کرام اس وقت مکہ مکرمہ میں داخل نہیں ہو سکیں گے۔ کیونکہ عنقریب بہت سی مخلوق اسلام میں داخل ہو گی۔ ان کی پشتوں سے ایسی نسل نکلے گی جو اسلام لے آئی گی اور وہ راہ خدا میں جہاد کرے گی۔ مکہ مکرمہ میں ایسے اہل ایمان کی کثیر تعداد تھی جو کمزور تھے۔ اگر اس طرح صحابہ کرام مکہ مکرمہ میں داخل ہو جاتے تو ممکن ہے کہ ان اہل ایمان کو ارادہ کے بغیر اذیت پہنچ جاتی۔ ارشاد ربانی ہے:

وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَـُٔوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ

''اور اگر نہ ہوتے (مکہ میں) چند مسلمان مرد اور چند مسلمان عورتیں جن کو تم نہیں جانتے (اور یہ اندیشہ نہ ہوتا) کہ تم روندھ ڈالو گے انہیں، سو تمہیں پہنچے گی ان کی وجہ سے عار بے علمی کے باعث''۔ (الفتح: 25)

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''آج مجھ سے قریش جس بات کا مطالبہ کریں گے جس میں صلہ رحمی کا پہلو ہوگا تو میں انہیں ضرور عطا کروں گا۔ خواہ اس میں کتنی ہی مشقت ہو'' پھر آپ نے اونٹنی کو جھڑکا تو وہ حدیبیہ وادی کے دور کنارے پر بیٹھ گئی۔

آپ کے تیر کی برکت

آپ نے لوگوں کو نیچے اترنے کا حکم دیا۔ صحابہ کرام نے عرض کی ''یا رسول اللہ! اس وادی میں تو پانی کا نام ونشان نہیں'' اس میں ایک کنواں تھا جس میں تھوڑا سا پانی تھا۔ صحابہ کرام نے تھوڑا تھوڑا پانی نکالا۔ حتیٰ کہ انہوں نے سارا پانی نکال لیا۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیاس کی شکایت کی۔ آپ نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکالا۔ آپ نے وہ تیر اس کنویں میں گاڑھنے کا حکم دیا۔ حضرت ناجیہ بن الاعجم یا ناجیہ بن جندب یا عبادہ بن خالد یا خالد بن عبادہ یا حضرت براء بن عازب رضوان اللہ علیہم اجمعین کنویں کے نیچے اترے اور وہ تیر کنویں میں گاڑھ دیا۔ ممکن ہے ان سب نے تیر گاڑھنے میں تعاون کیا ہو۔ انہوں نے فرمایا ''اللہ کی قسم! پانی ابل کر نکلتا رہا، حتیٰ کہ وہ سیراب ہو کر باہر نکلے۔ دوسری روایت میں ہے ''پانی جوش سے باہر نکلتا رہا حتیٰ کہ صحابہ کرام نے کنویں کی منڈیر پر بیٹھ کر برتن بھر لیے''۔

امام بخاری نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کنویں کے کنارے پر بیٹھے۔ پھر ایک برتن منگوایا۔ اس میں کلی کی، دعا مانگی۔ پھر وہ پانی کنویں میں انڈیل دیا۔ پھر فرمایا ''اسے کچھ دیر کے لیے اسی طرح چھوڑ دو'' صحابہ کرام نے خود بھی سیر ہو کر پانی پیا، اپنے جانوروں کو بھی پلایا حتیٰ کہ وہ وہاں سے کوچ کر گئے''۔

امام بخاری کے علاوہ دیگر محدثین نے لکھا ہے ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ڈول میں وضوء کیا۔ پھر وہ پانی کنویں میں انڈیل دیا۔ ترکش سے تیر نکالا، وہ کنویں میں گاڑھ دیا۔ ان ساری روایات کو اس طرح جمع کرنا ممکن ہے کہ امکان ہے کہ شاید آپ نے یہ سارے افعال زیبا سرانجام دیے ہوں۔ امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''حدیبیہ کے روز لوگوں کو سخت پیاس لگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس چھاگل تھی، جس سے آپ وضوء فرماتے تھے۔ صحابہ کرام آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا ''تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ انہوں نے عرض کی ''یا رسول اللہ! ہمارے پاس اتنا پانی بھی نہیں جسے پی لیں یا وضو کریں، مگر وہی پانی ہے جو آپ کی چھاگل میں ہے'' آپ نے چھاگل پر اپنا دست اقدس رکھا۔ پانی آپ کی انگلیوں سے چشموں کی مانند نکلنے لگا۔ ہم نے خوب پانی پیا اور وضوء بھی کیا'' ابن حبان نے ان دونوں روایات کو اس طرح جمع کیا ہے کہ دو اوقات میں یہ دونوں معجزات رونما ہوئے۔ چھاگل والا معجزہ کنویں والے معجزہ سے قبل رونما ہوا تھا۔

امام احمد نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ کہ ''ایک شخص ایک برتن لے کر آیا جس میں کچھ پانی تھا۔ اس کے

علاوہ کسی اور کے پاس کوئی پانی نہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ پانی پیالہ میں ڈالا۔ پھر وضوء فرمایا۔ پھر پیالہ وہیں چھوڑ کر آپ واپس آ گئے۔ لوگوں نے پیالہ پر بھیڑ بنالی۔ آپ نے فرمایا ''ٹھہرو'' اپنا دست اقدس اس پیالے میں ڈالا، پھر فرمایا ''وضوء کرو'' میں نے پانی کے چشمے دیکھے جو آپ کی مقدس انگلیوں سے نکل رہے تھے'' حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں الفاظ کا اختلاف شاید راویوں کا تصرف ہو۔ بعض روایات میں ہے کہ صحابہ کرام نے وضو کیا، پانی پیا، اپنے جانوروں کو پانی پلایا، اپنے مشکیزے بھی بھر لیے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے عرض کی گئی ''آپ کی تعداد کتنی تھی؟'' انہوں نے فرمایا ''اگر ہماری تعداد ایک لاکھ بھی ہوتی، پھر بھی وہ پانی ہمیں کافی ہو جاتا۔ اس وقت ہماری تعداد 1400 تھی'' حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہیں مقام حدیبیہ میں بارش کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ واقعہ مذکورہ معجزات کے بعد رونما ہوا تھا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واضح معجزات ہیں۔ اس سے آپ کے اسلحہ کی برکت عیاں ہوتی ہے۔ اس چیز کی برکت آشکارا ہوتی ہے جس کی آپ کی طرف نسبت ہو جائے۔

سفارت

مسلمان اسی حالت پر تھے کہ ان کے پاس بدیل بن ورقاء بنوخزاعہ کے چند افراد کے ساتھ آیا۔ اس وقت اس نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ عام فتح مکہ کو یہ مشرف باسلام ہوا۔ بنوخزاعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے خلوص کا اظہار کرتے تھے۔ زمانۂ جاہلیت میں بنو ہاشم بنوخزاعہ کے حلیف تھے۔ اسلام میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حلیف رہے۔ بدیل نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی ''آپ مدینہ طیبہ سے دور آ گئے ہیں۔ آپ کے ہمراہ ہتھیار نہیں ہیں'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''ہم جنگ کے لیے نہیں آئے'' حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے گفتگو فرمائی تو بدیل نے کہا ''میں اور میری قوم قریش کے پاس سے نہیں آ رہے'' پھر کہا ''میں نے کعب بن لوئی اور عامر بن لوئی کو اس حالت میں چھوڑا ہے کہ انہوں نے حدیبیہ کے چشموں پر قبضہ کر لیا ہے۔ ان کے پاس شیر دار اونٹنیاں اور بچوں والی مائیں ہیں'' یعنی وہ شیر دار اونٹنیاں لے کر اس لیے نکلے ہیں تاکہ ان کے دودھ سے زاد راہ حاصل کریں۔ وہ واپس نہیں جائیں گے حتی کہ آپ کو روک دیں اور قریش اپنی اولاد اور بیویوں سمیت آئے ہیں تاکہ وہ یہاں طویل مدت قیام کر سکیں اور جنگ کی صورت میں وہ راہ فرار اختیار نہ کر سکیں۔ اس نے کعب بن لوئی اور عامر بن لوئی کو اس لیے مختص کیا کیونکہ اہل مکہ میں سے اکثر قریش کا نسب ان دونوں پر جمع ہوتا تھا۔ بقیہ قریش بنو سامہ بن لوئی اور بنو عوف بن لوئی تھے۔ انہیں قریش البطاح کہا جاتا تھا۔ ان میں سے کوئی بھی مکہ مکرمہ میں مقیم نہ تھا۔ اس طرح قریش الظواہر تھے۔ جو بنو تمیم بن غالب اور محارب بن فہر تھے۔ بدیل کے اس قول ''قریش نے سارے چشموں پر قبضہ کر لیا ہے'' کے متعلق حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ حدیبیہ میں بہت سے چشمے تھے۔ قریش نے پہلے پہنچ کر ان سب پر قبضہ کر لیا۔ اس لیے مسلمانوں کو پیاس کا سامنا کرنا پڑا۔ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے اس کی وضاحت بھی منقول ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدیل کو جواب ارشاد فرماتے ہوئے فرمایا ''ہم کسی کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے نہیں آئے۔ بلکہ ہم عمرہ کرنے کے لیے آئے ہیں۔ قریش کو جنگ نے کمزور کر دیا ہے۔ ان کی قوت ختم کر دی ہے۔ ان کے اموال ختم کر دیے ہیں، انہیں سخت نقصان دیا ہے۔

اگر وہ پسند کریں تو میں ان کے لیے ایک مدت متعین کر دیتا ہوں جس میں ہمارے مابین جنگ نہیں ہوگی۔ وہ میرے اور دیگر کفار کے راستے سے ہٹ جائیں گے۔ اگر رب تعالیٰ نے میرے دین کو غالب کر دیا۔ لوگ اس میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے میری اتباع کر لی تو قریش پسند کریں تو یہ دین اختیار کر لیں اور بصورت دیگر وہ مجھ سے نجات پالیں گے''۔

دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا ''اگر لوگ مجھ پر غالب آ گئے تو قریش چاہتے بھی یہی ہیں'' ایک اور روایت میں ہے کہ اگر انہوں نے اس طرح نہ کیا تو پھر اس وقت قریش کے پاس قوت ہوگی'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یقین واثق تھا کہ رب تعالیٰ آپ کی نصرت فرمائے گا اور آپ کو غالب فرمائے گا، مگر آپ نے یہ بات دشمن کے ساتھ از طریق تنزل کی، پھر آپ نے فرمایا ''اگر قریش انکار کر دیں تو مجھے اس ذات والا کی قسم جس کے دست تصرف میں میری جان ہے، میں ان کے ساتھ جہاد کرتا رہوں گا حتیٰ کہ میں وصال کر جاؤں یا تنہا رہ جاؤں'' اس سے آپ کی مراد یہ تھی کہ آپ ان کے ساتھ جہاد کرتے رہیں گے حتیٰ کہ آپ تنہا بھی جہاد کریں گے۔ جب آپ تنہا بھی جہاد کریں گے تو اتنے کثیر مسلمانوں کی موجودگی میں آپ جہاد کو کیسے ترک کر سکتے تھے۔ حتیٰ کہ اللہ رب العزت اپنے دین کو غالب کر دے۔ اس فرمان سے یہ بھی تصریح ملتی ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے حکم کے نفاذ، اس کے حکم کی تبلیغ، صلہ رحمی اور قرابت داروں کے ساتھ خلوص کا اظہار کرنے میں کتنے قوی اور ثابت قدم تھے''

بدیل نے کہا ''میں یہ بات قریش تک پہنچاؤں گا'' آپ نے اسے اجازت دے دی۔

امام زرقانی نے شرح المواہب الدنیہ میں لکھا ہے ''اس سے بعض معاہدہ کرنے والوں اور اہل ذمہ کو خیر خواہ سمجھنے کے جواز میں دلیل ملتی ہے۔ جب کہ قرائن ان کے خیر خواہ ہونے پر دلالت کریں۔ تجربہ اس امر کی گواہی دے کہ وہ اہل اسلام کو دیگر لوگوں پر ترجیح دیتے ہیں۔ خواہ ان کے دین میں وہ شامل نہ ہوں۔ اس سے یہ بھی جواز ملتا ہے کہ دشمنوں کے بعض سرداروں کو خیر خواہ سمجھنا جائز ہے جبکہ ان کے علاوہ دیگر مشرکین کے لیے قوت کا حصول مدعا ہو۔ اس کا تعلق کفار کے ساتھ دوستی اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے ساتھ پیار کرنے کے ساتھ نہیں، بلکہ یہ دشمن کو خادم بنانا'' ان کی قوت کو کم کرنا اور ان کی باہم خونریزی کرانے کے ساتھ اس کا تعلق ہے۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مشرکین سے مطلق مدد طلب کی جائے'' بدیل بن ورقاء اپنی قوم کے سردار تھے۔ یوم فتح مکہ کو انہوں نے مر الظہر ان کے مقام پر اسلام قبول کیا تھا۔ انہوں نے غزوۂ حنین میں شرکت کی۔ غزوۂ طائف اور تبوک میں بھی شرکت کی سعادت حاصل کی۔ دوسری روایت کے مطابق انہوں نے فتح مکہ سے قبل ہی اسلام قبول کر لیا تھا۔ ابن مندہ اور ابو نعیم کی روایت کے مطابق انہوں نے بہت عرصہ پہلے اسلام قبول کر لیا تھا۔ شاید وہ اپنا اسلام چھپائے ہوئے تھے۔ مگر پہلا قول مشہور ہے۔ خزاعہ ازد کا ایک قبیلہ ہے۔

پھر حضرت بدیل اپنے ساتھیوں کے ساتھ عازم سفر ہوئے حتیٰ کہ قریش کے پاس پہنچے۔ قریش کے بعض افراد نے کہا ''یہ بدیل اور ان کے ساتھی ہیں۔ یہ چاہتے ہیں کہ تم سے خبریں لیں۔ ان سے ایک حرف بھی نہ پوچھنا''۔ جب حضرت بدیل نے دیکھا کہ وہ ان سے معلومات نہیں لے رہے تو انہوں نے کہا ''ہم تمہارے اس شخص (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس سے ہو کر آئے ہیں۔ آپ ایسی بات کر رہے ہیں اگر تم پسند کرو تو ہم تمہیں وہ بات بتا دیتے ہیں'' دوسری روایت میں ہے، انہوں نے کہا ''ہم

محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس سے تمہارے پاس آئے ہیں۔ کیا تم پسند کرتے ہو کہ ہم تمہیں ان کے متعلق کچھ بتائیں'' ان کے بے وقوفوں نے کہا ''ہمیں اس کی ضرورت نہیں کہ تم ہمیں ان کے متعلق بتاؤ، بلکہ ہماری طرف سے انہیں پیغام دے دو کہ وہ اس سال مکہ مکرمہ میں داخل نہیں ہو سکتے حتیٰ کہ ہم میں سے ایک شخص بھی باقی نہ رہے''۔ ان میں سے صاحب رائے لوگوں نے کہا ''بتاؤ تم نے ان سے کیا سنا ہے؟ صحیح قول کے مطابق ابوسفیان اس وقت وہاں موجود نہ تھا، بلکہ کسی تجارتی سفر میں تھا۔ جس نے یہ کہا کہ ابوسفیان قریش کے ہمراہ تھا، اس نے غلطی کی ہے۔ عروہ بن مسعود ثقفی نے کہا ''بدیل کی بات سنو۔ اگر تمہیں پسند آئے تو قبول کر لینا ورنہ چھوڑ دینا'' صفوان بن امیہ اور حرث بن ہشام نے کہا ''ہمیں بتاؤ کہ تم نے کیا سنا اور کیا دیکھا ہے؟ بدیل نے جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا تھا وہ سب کچھ قریش کو بتا دیا۔ انہوں نے قریش کی طرف توجہ کی اور کہا ''تم محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بارے جلدی کر رہے ہو، وہ جنگ کے لیے نہیں آئے، بلکہ بیت اللہ کی زیارت کے لیے آئے ہیں'' قریش نے کہا ''اگر وہ جنگ کے لیے نہیں آئے، بیت اللہ کی زیارت کے لیے آئے ہیں۔ پھر بھی اس سال وہ زبردستی داخل نہیں ہو سکتے۔ ورنہ اہل عرب اس کے متعلق باتیں کریں گے۔ عروہ بن مسعود اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے اس وقت اسلام قبول نہ کیا تھا جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طائف سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ یہ ان دو افراد میں سے ایک تھا جس کے متعلق رب تعالیٰ نے فرمایا:

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ﴿٣١﴾ (الزخرف)

''اور کہنے لگے کیوں نہ اتارا گیا یہ قرآن کسی ایسے آدمی پر جو دو شہروں میں بڑا ہے''۔

ان میں سے ایک شخص ولید بن مغیرہ تھا۔ وہ مکہ مکرمہ میں تھا۔ وہ حالت کفر میں مرا۔ دوسرا شخص عروہ بن مسعود ثقفی تھا، یہ طائف میں تھا۔ دو بستیوں سے مراد طائف اور مکہ مکرمہ کے شہر ہیں۔ عروہ بن مسعود نے قریش سے کہا ''کیا تم والد کی طرح نہیں ہو جس طرح کہ باپ اپنے بیٹے پر شفقت کرتا ہے'' قریش مکہ نے کہا ''ہاں'' عروہ نے کہا ''کیا میں بچے کی مانند نہیں ہوں یعنی خیر خواہی اور خلوص میں'' قریش مکہ نے کہا ''ہاں'' بلکہ روایت ہے کہ عروہ کی ماں سبیعہ بنت عبد شمس تھی۔ عروہ نے یہ ارادہ کیا کہ اس کی ماں کا تعلق ان کے ساتھ ہے۔ مختصر یہ کہ عروہ نے کہا ''کیا تم مجھ پر تہمت لگا سکتے ہو؟ قریش مکہ نے کہا ''نہیں'' تم ہمارے نزدیک قابل تہمت نہیں ہو'' عروہ نے کہا ''کیا تم نہیں جانتے کہ اس نے اہل عکاظ کو تمہاری مدد کے لیے پکارا تھا جب انہوں نے جواب نہ دیا تو میں اپنے اہل خانہ، اولاد اور اطاعت گزاروں کے ہمراہ تمہارے پاس آ گیا تھا''۔ قریش مکہ نے کہا ''ہاں'' عروہ نے کہا ''اگر یہ شخص (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھلائی، اصلاح اور انصاف کی ایک بات بھی پیش کرے تو اسے فوراً قبول کر لینا۔ مجھے اجازت دو میں ان کے پاس جاؤں'' قریش نے کہا ''تم ضرور ان کے پاس جاؤ'' عروہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ آپ سے بدیل بن ورقاء کی طرح بات کرنے لگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے وہی جواب دیا جو آپ نے بدیل کو دیا تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا ''اگر قریش نے انکار کیا تو مجھے اس ذات کی قسم جس کے دست تصرف میں میری جان ہے۔ میں ان کے ساتھ جہاد کروں گا'' تو عروہ نے عرض کی ''محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! ذرا مجھے بتائیں اگر آپ نے اپنی قوم کو جڑ سے اکھیڑ پھینکا تو کیا آپ نے کسی ایک عربی سے بھی سنا ہے کہ اس نے آپ سے قبل اپنی قوم کو جڑ سے

اکھاڑ پھینکا ہو اور اگر غلبہ قریش کو ہوا تو میں ایسے مختلط چہرے دیکھ رہا ہوں جو آپ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے'' دوسری روایت میں ہے ''میں انہیں دیکھ رہا ہوں اگر آپ قریش سے معرکہ آزما ہوئے تو یہ آپ کو ان کے سپرد کر دیں گے اور آپ اسیر بن جائیں گے۔ اس سے زیادہ اذیت ناک چیز کون سی ہو سکتی ہے؟ عروہ نے یہ بات اس لیے کی کیونکہ وہ لشکر جو متفرق قبائل سے بنایا گیا ہو۔ اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا کہ وہ راہ فرار اختیار نہ کرے۔ بخلاف اس لشکر کے جسے ایک قبیلہ سے تشکیل دیا جائے۔ ایسا لشکر راہ فرار اختیار نہیں کرتا۔ عروہ کو کیا علم تھا کہ اسلام کا رشتہ قرابت کے رشتے سے زیادہ مضبوط ہے۔ بعد میں اس نے دیکھا کہ مسلمان اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کس طرح تعظیم کرتے ہیں تو اس کے لیے یہ عظیم حقیقت واضح ہو گئی۔

جب عروہ نے صحابہ کرام کے متعلق فرمایا کہ وہ بھاگ جائیں گے تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یارائے ضبط نہ رہا۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا ''تو لات کے چیتھڑے کو چومے! کیا ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے''۔ علماء فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عروہ کو برا بھلا کہنے میں انتہائی مبالغہ کیا۔ انہوں نے عروہ کے معبود کو از روئے حقارت ایک عورت کا مقام دیا۔ عرب اس طرح سب وشتم کرتے تھے۔ عروہ نے کہا ''محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہ کون ہے؟ کیونکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے، اس لیے وہ انہیں نہ پہچان سکا۔ ممکن ہے کہ اس نے پہچان لیا ہو، لیکن ان کا اس پر احسان ہو جس طرح کہ وہ خود عنقریب اقرار کرے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''یہ ابو بکر بن قحافہ ہیں'' عروہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ''اگر تمہارا مجھ پر وہ احسان نہ ہوتا جس کا میں نے ابھی تک بدلہ نہیں چکایا تو میں ضرور تمہیں جواب دیتا، لیکن یہ سب وشتم اس کا بدلہ ہے''۔

امام زہری نے کہا ''حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا احسان یہ تھا کہ عروہ نے دیت دینا تھی، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کی اعانت کی تھی۔ انہوں نے اسے دس جوان اونٹنیاں دی تھیں، جبکہ دوسرے لوگوں نے اسے صرف ایک یا دو اونٹنیاں دی تھیں۔ عروہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محو گفتگو ہوا۔ جب بھی وہ کوئی بات کرتا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ریش مبارک پکڑ لیتا، یہ اہل عرب کی عادت تھی۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ بن مسعود الثقفی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر اقدس پر تلوار لیے کھڑے تھے۔ آپ کی نگہبانی کر رہے تھے۔ یہ عروہ بن مسعود کے بھتیجے تھے۔ انہوں نے خود پہن رکھا تھا۔ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''جب حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے عروہ کو دیکھا تو اپنی زرہ پہنی، اپنے سر پر خود رکھا، تا کہ ان کے چچا عروہ کو پہچان نہ ہو سکے۔ اور نگرانی کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کھڑے ہو گئے۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں ''اس میں امیر کے سر پر تلوار لے کر کھڑے ہونے میں جواز ہے تا کہ نگرانی ہو سکے۔ جبکہ دشمن کی طرف سے خطرہ ہو۔ بیٹھے ہوئے شخص کے سر کے پاس کھڑے ہونے سے جو روکا گیا ہے اسے اس کے ساتھ کوئی معارضت نہیں۔ کیونکہ وہ ممانعت اس وقت ہے جب یہ قیام از روئے تعظیم و تکبر ہو'' جب حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے عروہ کا ہاتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ریش مبارک کی طرف بڑھتا ہوا دیکھا تو تلوار کے دستہ پر ہاتھ مارا اور عروہ سے کہا ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک ریش سے اپنا ہاتھ پیچھے لے جا۔ مشرک کے لیے جائز نہیں کہ وہ آپ کی ریش مبارک کو مس کرے'' عروہ نے کہا ''تم کتنے سخت اور غصیلے ہو''

اہل عرب کی یہ عادت تھی کہ وہ گفتگو کرتے وقت ہاتھ دوسرے شخص کی داڑھی تک لے جاتے تھے۔ بالخصوص شفقت کرتے وقت وہ اس طرح کرتے تھے۔ وہ اس سے صلہ رحمی اور نرمی کا ارادہ کرتے تھے۔ عموماً یہ عمل اس وقت کیا جاتا تھا جب گفتگو کرنے والا ہم پلہ ہو۔ ممکن ہے عروہ نے اپنی قوم میں اپنی عظمت کی وجہ سے یہ سمجھ لیا ہو کہ وہ حضور ﷺ کی مثل ہے۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ آپ کی مثل اور نظیر ہے ہی نہیں۔ اسے منع کرنا ضروری تھا۔ اس لیے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے اسے روکا۔ حضور ﷺ نے عروہ کو خود منع نہ کیا۔ اس کے اس فعل پر اس کا مواخذہ نہ کیا تا کہ اس کے ساتھ اور اس کی قوم کے ساتھ الفت کا اظہار ہو جائے''۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ بار بار عروہ کو منع کرتے رہے، جب کئی بار روکا تو عروہ نے سر اٹھایا اور پوچھا ''یہ کون ہے؟ دوسری روایت میں ہے کہ جب عروہ نے بار بار ریش مبارک کو ہاتھ لگایا تو حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے عروہ کے ہاتھ کو جھٹکا دیا۔ عروہ نے کہا ''کاش مجھے علم ہو جاتا کہ یہ کون ہے۔ آپ کے صحابہ کرام میں سے جس نے مجھے اذیت دی ہے۔ بخدا! میں نہیں جانتا کہ تم میں اس سے بڑھ کر ملامت کرنے والا کوئی اور ہوگا'' حضور ﷺ تبسم ریز ہوئے۔ عروہ نے پوچھا ''محمد عربی (ﷺ) یہ کون ہے؟ آپ نے فرمایا ''یہ تمہارا بھتیجا مغیرہ ہے'' دوسری روایت میں ہے ''یہ مغیرہ بن شعبہ ہے'' جب عروہ کو معلوم ہوا کہ یہ مغیرہ ہے جو اس کا بھتیجا ہے تو اس نے کہا ''تمہاری غلاظت دور کرنے میں میں نے کون سی کوشش نہیں کی'' دوسری روایت کے مطابق عروہ نے کہا ''بخدا! تمہاری غلاظت دھو کر میں نے ابھی تک اپنے ہاتھ صاف نہیں کیے، تم نے بنو ثقیف میں عداوت کی آگ بھڑکائی تھی'' ایک اور روایت کے مطابق عروہ نے کہا ''میں نے کل ہی تیری شرم گاہ صاف کی ہے'' ممکن ہے یہ اختلاف راویوں کے تصرف کی وجہ سے ہو یا عروہ نے یہ ساری باتیں کیں ہوں۔

اسلام سے پہلے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کے جس واقعہ کی طرف عروہ نے اشارہ کیا تھا، وہ یہ ہے کہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ زمانہ جاہلیت میں ثقیف میں سے بنو مالک کے تیرہ افراد کے ساتھ عازم سفر ہوئے۔ وہ مصر کے بادشاہ مقوقس کی طرف گئے۔ وہ کئی تحائف لے کر گئے۔ بادشاہ نے ان پر احسان کیا۔ عطیات دیے۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کو اس نے کم تحائف دیے کیونکہ یہ ان کے قبیلہ میں سے نہ تھے۔ بلکہ ان کے حلیف تھے۔ ان میں سے کسی نے ان کے ساتھ ہمدردی بھی نہ کی۔ جس سے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کو بڑی غیرت آئی۔ راستہ میں ان لوگوں نے شراب پی اور سو گئے۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے ان سب کو قتل کر دیا اور ان کے اموال لیے۔ پھر مدینہ طیبہ آ کر اسلام قبول کر لیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پوچھا ''ان مالکیوں نے کیا کیا جو تمہارے ساتھ تھے'' حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے کہا ''میں نے انہیں قتل کر دیا۔ ان کا سامان لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گیا ہوں تا کہ آپ احسان فرمائیں یا اپنی رائے کے مطابق تقسیم فرمائیں'' حضور ﷺ نے فرمایا ''میں تمہارا اسلام قبول کر لیتا ہوں، لیکن مال قبول نہیں کرتا کیونکہ یہ فریب سے چھینا گیا ہے، کیونکہ حالت امن میں کفار کا مال چھیننا درست نہیں کیونکہ کارواں کی رفاقت کا انحصار امانت پر ہوتا ہے جو اہل امانت کی طرف لوٹا دی جاتی ہے۔ خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر، حالت جنگ میں کفار کے اموال حلال ہوتے ہیں۔ شاید آپ نے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کے پاس ہی وہ سامان رہنے دیا کیونکہ امکان تھا کہ ان کی قوم اسلام قبول کر لیتی اور ان کے اموال انہیں واپس دے دیے جاتے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ نے ان کے ساتھ حربی کا

سا معاملہ کیا کیونکہ حربی کسی دوسرے کا مال تلف کردے تو وہ ضامن نہیں ہوتا (یہ امام شافعی کے دو اقوال میں سے ایک ہے) جب بنو ثقیف تک یہ خبر پہنچی کہ مغیرہ نے ان کے ساتھیوں کو قتل کر دیا ہے اور ان کے اموال لے لیے ہیں تو دونوں قبائل میں آتش جنگ شعلہ بار ہوگئی۔ عروہ بن مسعود نے کوشش کی حتیٰ کہ بنو مالک 13 افراد کی دیت لینے اور صلح پر راضی ہو گئے۔ یہ بھی قول ہے کہ عروہ بن مسعود حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کا چچا نہ تھا بلکہ ان کے والد کا چچا تھا۔ اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ اہل عرب باپ کے چچا کو چچا ہی سمجھتے تھے۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے حالت اسلام میں مختلف ادوار میں اسی یا تین سو یا ایک ہزار عورتوں سے شادیاں کیں۔

پھر عروہ بن مسعود بڑے غور سے صحابہ کرام کو دیکھنے لگا، اس نے داستان عشق بیان کرتے ہوئے کہا "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لعاب دہن پھینکتے، کوئی صحابی آگے بڑھ کر وہ لعاب مبارک اپنے ہاتھ پر اٹھا لیتا۔ وہ تبرک کے حصول کے لیے اپنے چہرے اور جسم پر مل لیتا۔ جب آپ کوئی حکم فرماتے تو ہر کوئی اسے بجالانے میں جلدی کرتا۔ جب آپ وضوء فرماتے تو ممکن ہے کہ وہ وضوء کا پانی حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے سے لڑ پڑتے۔ جب آپ محو تکلم ہوتے تو صحابہ کرام اپنی آوازیں پست کر لیتے، وہ تعظیم کے لیے نظر اٹھا کر آپ کو دیکھتے نہیں تھے۔ صحابہ کرام کے ان افعال حسنہ میں عروہ کے اس نظریہ کا رد تھا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ گویا کہ انہوں نے بزبانِ حال سے کہا "جس ہستی والا سے ہم اس طرح پیار کریں جس کی اس طرح تعظیم بجالائیں تو ہمارے متعلق کیسے گمان ہو سکتا ہے کہ ہم اسے چھوڑ جائیں گے اور اسے دشمن کے حوالے کر دیں گے، بلکہ صحابہ کرام کا محبت وعشق کا یہ تعلق اس سے بھی گہرا تھا۔ وہ دین الٰہی کی نصرت میں ان قبائل سے کہیں بڑھ کر تھے جو صرف صلہ رحمی کے لیے باہم اکٹھے ہوتے ہیں۔ عروہ اپنے ساتھیوں کے پاس آیا۔ اس نے کہا "اے میری قوم! بخدا! میں بادشاہوں کے درباروں میں گیا ہوں۔ میں قیصر، کسریٰ اور نجاشی کے ہاں گیا ہوں۔ بخدا! میں نے کسی کی عوام کو اپنے بادشاہ کی اس قدر تعظیم کرتے نہیں دیکھا جس طرح محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے صحابہ کرام ان کی تعظیم کرتے ہیں۔ بخدا! آپ لعاب دہن پھینکتے ہیں۔ کوئی صحابی آگے بڑھ کر اپنے ہاتھوں پر رکھ لیتا ہے، اسے اپنے چہرے اور جلد پر حصول برکت کے لیے مل لیتے ہیں۔ جب آپ کوئی حکم دیتے ہیں تو ان میں سے ہر ایک اسے بجالانے میں جلدی کرتا ہے۔ جب آپ وضوء کرتے ہیں تو وضو کا پانی حاصل کرنے میں وہ اتنی تگ و دو کرتے ہیں کہ ممکن ہے ان میں لڑائی ہو جائے۔ جب آپ محو تکلم ہوتے ہیں تو سارے اپنی آوازیں پست کر لیتے ہیں۔ جب صحابہ کرام کچھ عرض کرتے ہیں تو آپ کی تعظیم وتوقیر کے لیے اپنی آوازیں پست کر لیتے ہیں۔ صحابہ کرام آپ کی تعظیم کے لیے نظریں گاڑھ کر آپ کو دیکھتے نہیں ہیں۔ انہوں نے تمہیں بھلائی کی طرف دعوت دی ہے تم قبول کر لو۔ بخدا! میں نے ایسی عظیم قوم دیکھی ہے جو کبھی بھی آپ (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو دشمن کے حوالے نہیں کریں گے۔ یہ میری رائے ہے آگے تمہاری مرضی"۔

ایک اور روایت کے مطابق عروہ نے کہا "میری قوم! میں نے بادشاہوں کو دیکھا ہے، لیکن میں نے محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مانند کسی کو نہیں دیکھا۔ وہ بادشاہ نہیں ہیں۔ میں نے قربانی کے جانور بندھے ہوئے دیکھے ہیں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ

عنقریب تمہیں کسی مصیبت کا سامنا کرنا پڑے گا'' اس سے عیاں ہوتا ہے کہ عروہ کو فہم و فراست کی کتنی صلاحیتیں دی گئیں تھیں۔ اس نے دیکھ لیا کہ حضور ﷺ کی عزت و توقیر میں صحابہ کرام کس قدر مبالغہ کرتے ہیں۔ آپ کے احکام بجالانے میں کتنی جلدی کرتے ہیں۔ جو شخص کسی قول یا فعل سے آپ پر جفا کرے وہ کتنی سختی سے اس کا رد کرتے ہیں اور آپ کے تبرک کے حصول میں کتنے حریص ہیں'' عروہ اور اس کے ساتھی طائف آ گئے۔ بنو کنانہ کے ایک شخص حلیس بن علقمہ نے کہا یہ احابیش کا سردار تھا۔ احابیش سے مراد قریش کے علاوہ دیگر قبائل تھے جو باہم متحد ہو گئے تھے۔ اس نے کہا ''مجھے اجازت دو، میں نبی کریم ﷺ کے ہاں جاتا ہوں'' قریش نے کہا ''تم جا کر دیکھ لو' جب یہ حضور ﷺ اور صحابہ کرام کے قریب پہنچا تو حضور ﷺ نے حکم فرمایا ''یہ فلاں شخص ہے۔ یہ قوم قربانی کے جانوروں کی تعظیم کرتی ہے۔ قربانی کے جانور اس کے سامنے سے گزارو تاکہ انہیں دیکھ کر سبق سیکھے اور اسے علم ہو جائے کہ مسلمان جنگ کا ارادہ نہیں رکھتے۔ تاکہ یہ مسلمانوں کی مکہ مکرمہ میں داخلہ کے لیے مدد کرے'' صحابہ کرام نے قربانی کے جانور اس کے سامنے سے گزارے۔ صحابہ کرام خود تلبیہ پڑھنے لگے۔ جب حلیس نے یہ منظر دیکھا تو متعجب ہو کر کہنے لگا ''سبحان اللہ! ایسے لوگوں کو بیت اللہ کی زیارت سے نہیں روکنا چاہیے'' دوسری روایت میں ہے، اس نے کہا ''اگر رب تعالیٰ اللخم، جذام، کندہ اور حمیر کے قبائل کو حج کرنے سے روک دیتا تو عبدالمطلب کے فرزند دلبند کو ضرور روک دینا چاہیے تھا'' جب اس نے قربانی کے جانور دیکھے۔ وادی کی وسعتوں میں قلادوں سمیت انہیں اس کے سامنے سے گزارا گیا تو یہ حضور ﷺ کے پاس نہ آیا بلکہ وہ دور سے ہی پکار اٹھا ''قریش ہلاک ہوں۔ رب کعبہ کی قسم! مسلمان قوم عمرہ کی ادائیگی کے لیے آئی ہے''۔ حضور ﷺ نے فرمایا ''ہاں'' بنو کنانہ کے بھائی!۔

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ ممکن ہے کہ حضور ﷺ نے اسے دور سے ہی پکارا ہو، وہ قریب نہ آیا ہو۔ جب یہ اپنے ساتھیوں کے پاس آیا تو اس نے کہا ''میں نے قربانی کے جانور دیکھے ہیں، انہیں قلادے پہنائے گئے تھے۔ انہیں شعار کیا گیا تھا۔ میری یہ رائے نہیں کہ انہیں بیت اللہ الحرام کی زیارت سے روک دیا جائے'' قریش نے اسے کہا ''بیٹھ جاؤ! تو بدو ہے، تجھے کچھ علم نہیں ہے'' یہ سن کر حلیس کو غصہ آ گیا، اس نے کہا ''اے گروہ قریش! ہم تمہارے حلیف اس شرط پر نہیں بنے تھے نہ ہی تمہارے ساتھ اس پر معاہدہ کیا تھا کہ اس شخص کو روکا جائے جو بیت اللہ کی زیارت کے لیے آئے۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے دست تصرف میں حلیس کی جان ہے یا تو محمد عربی (ﷺ) اور ان کے صحابہ کرام کے رستے سے ہٹ جاؤ یا میں احابیش کو لے کر چلا جاتا ہوں'' قریش نے کہا ''حلیس! رکو حتی کہ ہم اپنے بارے کوئی فیصلہ کر لیں''۔

اس داستان میں یہ دلیل ہے کہ بہت سے مشرکین احرام اور حرم کی حرمات کی تعظیم کرتے تھے۔ اور جو بیت اللہ کی زیارت سے روکے اسے عجیب سمجھتے تھے۔ یہ دین ابراہیمی میں سے بقیہ چیزوں میں سے تھا۔ پھر قریش میں سے ایک شخص اٹھا، اسے مکرز بن حفص کہا جاتا تھا۔ مکرز کو ابن حبان کے علاوہ کسی اور نے صحابہ کرام میں شمار نہیں کیا۔ اس نے کہا ''مجھے اجازت دو، میں حضور ﷺ کی خدمت میں جاتا ہوں'' جب یہ حضور ﷺ کے قریب پہنچا تو حضور ﷺ نے فرمایا ''یہ مکرز ہے، یہ ایک فاجر شخص ہے'' دوسری روایت میں غادر کا لفظ ہے۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں ''میں تعجب میں تھا کہ حضور ﷺ نے اسے فاجر

کیوں کہا تھا حالانکہ حدیبیہ کے واقعہ میں اس سے کوئی خطاء سرزد نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ اس میں ایسی چیز ہے جو اس کے برعکس ہے۔ میں متعجب رہا حتیٰ کہ میں نے مغازی واقدی میں غزوۂ بدر کو پڑھا کہ عتبہ بن ربیعہ نے قریش سے کہا'' یہ مکہ مکرمہ سے کیسے نکل کر جائیں گے حالانکہ بنو کنانہ ہمارے پیچھے ہیں۔ ہمیں اپنی اولاد کے متعلق ان سے خطرہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حفص بن اخیف کا ایک خوبصورت بیٹا تھا، اسے بنو بکر بن کنانہ نے اپنے اس خون کے بدلہ میں مار دیا جو ان کا قریش میں تھا۔ قریش نے گفت وشنید سے صلح کرادی۔ پھر اس نے بنو بکر کے سردار عامر بن یزید کو دھوکہ سے قتل کر دیا۔ بنو کنانہ اس سے خطرہ محسوس کرنے لگے۔ اسی دوران غزوۂ بدر رونما ہو گیا۔ مکرز اپنے اس دھوکہ کی وجہ سے معروف تھا۔

امام واقدی نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ مکرز نے یہ بھی ارادہ کیا تھا کہ وہ حدیبیہ کے مقام پر مسلمانوں پر شب خون مارے۔ یہ پچاس افراد لے کر نکلا۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نگرانی پر مامور تھے۔ انہوں نے ان سب کو گرفتار کر لیا، مگر مکرز بچ نکلا۔ جب آپ نے فرمایا'' مکرز ایک فاجر یا غادر شخص ہے تو آپ نے یہی اشارہ فرمایا تھا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور گفتگو کرنے لگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہی بات کی جو بدیل اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ کی تھی۔ دوران گفتگو سہیل بن عمرو عامری آ گیا۔ یہ قریش کا خطیب تھا۔ فتح مکہ کے دن اس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ یہ جہاد کے دھنی تھے۔ حتیٰ کہ یرموک کی جنگ میں شہید ہو گئے۔ دوسرے قول کے مطابق انہوں نے طاعون عمواس میں شام میں وصال کیا تھا۔ یہ کہا کرتے تھے'' اللہ کی قسم! میں کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑوں گا جہاں مشرکین کے ساتھ کھڑا ہوا تھا مگر وہاں مسلمانوں کے شانہ بشانہ بھی کھڑا ہوں گا۔ میں نے مشرکین کے ساتھ جس جگہ بھی خرچ کیا تھا اسی جگہ مسلمانوں کے ساتھ بھی خرچ کروں گا۔ شاید یہ میرے ان گناہوں کا کفارہ بن سکے''۔

امام شافعی نے کہا ہے کہ حضرت سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ محمود الاسلام تھے۔ جب اہل مکہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کی خبر ملی تو وہ مضطرب ہو گئے۔ قریب تھا کہ وہ مرتد ہو جاتے۔ مدینہ طیبہ میں حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا اور انہیں ثابت قدم کیا۔ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ کے دانت توڑنے کا ارادہ کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا'' شاید یہ اس جگہ کھڑا ہو جہاں یہ تمہیں خوش کر دے'' یہ جگہ وہی تھی جہاں حضرت سہیل رضی اللہ عنہ نے اہل مکہ کے لیے خطبہ دیا تھا اور انہیں ثابت قدم کیا تھا۔ یہ آپ کی نبوت کی علامت ہے۔ ایک اور روایت کے مطابق ابھی مکرز بارگاہ نبوت میں ہی تھا کہ سہیل بن عمرو آ گئے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ مکرز واپس آ گیا۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات قریش کو بتائی اور اس کے بعد حلیس اور عروہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں گئے تھے۔ ان دونوں روایات کو اس طرح جمع کیا گیا ہے کہ مکرز واپس آ گیا تھا اور قریش کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات بتائی تھی پھر سہیل کے ساتھ دوبارہ آ گیا تھا، جب سہیل آپ کی خدمت میں آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا'' اب رب تعالیٰ نے تمہارا معاملہ آسان کر دیا ہے'' سہیل کے ساتھ خویطب بن عبدالعزیٰ بھی تھا۔

امام ابن اسحاق نے لکھا ہے'' قریش مکہ نے سہیل بن عمرو سے کہا'' اس شخص (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس جاؤ، صلح کرو، صلح میں یہ شرط ضرور شامل ہو کہ آپ اس سال واپس چلے جائیں۔ بخدا! لوگ باتیں نہ کریں کہ آپ ہمارے ہاں زبردستی داخل

ہوئے ہیں''۔ سہیل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں آتے دیکھا تو فرمایا ''قریش نے اس شخص کو بھیج کر صلح کا ارادہ کیا ہے'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر یہ دو زانو ہو کر بیٹھ گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے سامنے متربع حالت میں تشریف فرما ہو گئے۔ حضرات عباد بن بشر اور سلمہ بن اسلم رضی اللہ عنہما غرق آہن ہو کر آپ کے سر اقدس پر کھڑے تھے۔ صحابہ کرام آپ کے اردگرد حاضر خدمت تھے۔ گفتگو ہونے لگی۔ سہیل کی بات چیت طویل ہو گئی۔ حضرت عباد بن بشر نے اسے کہا ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آواز پست رکھو'' اس نے آواز پست کر لی۔ حتیٰ کہ صلح مکمل ہو گئی۔ یہ روایت تقاضا کرتی ہے کہ سہیل کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو بھیجنے سے قبل بھیجا گیا تھا۔ بہت سے اہل سیر کا یہ مؤقف بھی ہے۔ دیگر سیرت نگار کہتے ہیں ''پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو قریش کے پاس بھیجا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی سفارت

دوسرے سیرت نگار کہتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقام حدیبیہ میں نزولِ اجلال فرمایا تو آپ نے چاہا کہ قریش کی طرف پیغام بھیجیں کہ آپ عمرہ کی نیت سے آئے ہیں۔ قتال کی نیت سے نہیں آئے۔ آپ نے حضرت خراش بن امیہ رضی اللہ عنہ کو اپنے اونٹ پر بھیجا۔ عکرمہ بن ابی جہل نے اس کی کونچیں کاٹ دیں اور انہیں قتل کرنا چاہا، مگر احابیش نے انہیں روک دیا۔ حضرت خراش رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ساری صورت حال عرض کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا تا کہ آپ انہیں قریش کے پاس بھیجیں اور سرداران قریش کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام پہنچائیں۔ انہوں نے عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم مجھے اپنے بارے قریش سے خطرہ ہے۔ بنو عدی کا کوئی شخص مکہ مکرمہ میں نہیں جو میرا تحفظ کرے۔ قریش جانتے ہیں کہ مجھے ان سے کتنی عداوت ہے۔ لیکن میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس شخص کے بارے بتا دیتا ہوں جو مجھ سے زیادہ معزز ہے۔ یعنی عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ان کے چچا زاد ان کا تحفظ کریں گے'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو بلایا۔ ان سے ایک مکتوب گرامی لکھوایا کہ قریش مکہ کو بتائیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف بیت اللہ کی تعظیم اور اس کی زیارت کی غرض سے آئے ہیں''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ مکہ مکرمہ کے کمزور مسلمان مرد اور خواتین کے پاس جائیں اور انہیں فتح کی بشارت دیں۔ انہیں بتائیں کہ عنقریب رب تعالیٰ اپنے دین کو غالب کر دے گا حتیٰ کہ یہاں ایمان کو چھپانا نہیں پڑے گا'' حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ دس صحابہ کرام کے ساتھ مکہ مکرمہ آئے۔ ان صحابہ کرام کے نام نہیں لکھے گئے۔ مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے قبل حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ابان بن سعید بن العاص سے ملاقات کی۔ یہ حضرت عثمان کا چچا زاد بھائی تھا۔ اس نے آپ کو پناہ دی حتیٰ کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام پہنچا دیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سرداران قریش کے پاس آئے، انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام پہنچایا مگر سردار برابر تردید کرتے رہے۔ وہ کہتے رہے ''محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمارے ہاں کبھی نہیں آسکتے۔ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اس پیغام سے فارغ ہو گئے تو سرداروں نے انہیں کہا ''اگر آپ بیت اللہ کا طواف کرنا چاہتے ہیں تو کر لیں'' انہوں نے فرمایا ''میں اس وقت تک طواف نہیں کروں گا حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طواف کر لیں'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''میرا گمان نہیں کہ عثمان بیت اللہ کا طواف کریں جبکہ ہم محصور ہیں''۔ صحابہ کرام نے عرض کی ''یارسول

اللہ صلی اللہ علیک وسلم! وہ بیت اللہ طواف کیوں نہیں کریں گے حالانکہ وہ یہ سعادت حاصل کر سکتے ہیں'' آپ نے فرمایا ''میرا گمان یہ ہے کہ وہ بیت اللہ کا طواف نہیں کریں گے حتیٰ کہ ہم طواف کر لیں، خواہ ہم ایک سال ادھر ہی قیام پذیر رہیں'' جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ واپس آئے تو صحابہ کرام نے ان سے پوچھا ''کیا تم نے طواف کر لیا ہے؟ انہوں نے فرمایا ''مجھے اس ذات کی قسم! جس کے دست تصرف میں میری جان ہے اگر میں اسی حالت میں ایک سال بھی رہتا پھر بھی میں اس وقت تک طواف نہ کرتا حتیٰ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طواف کر لیتے''۔

بیعت رضوان

قریش مکہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو تین روز تک اپنے ہاں روکے رکھا۔ لوگوں میں یہ خبر پھیل گئی کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھیوں کو شہید کر دیا گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک یہ خبر پہنچی تو فرمایا ''ہم عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا بدلہ ضرور لیں گے''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو بیعت کی طرف بلایا۔ آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیعت کے لیے بلائیں۔ حضرت مسلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''ہم نے آپ کے دست اقدس پر اس بات پر بیعت کی کہ ہم راہ فرار اختیار نہیں کریں گے بلاکہ یا فتح وکامرانی یا شہادت کا تاج زرنگار'' دوسری روایت میں ہے ''ہم نے موت پر آپ کی بیعت کی۔ درحقیقت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید نہیں کیا گیا تھا بلکہ صرف یہ خبر عام ہوئی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی طرف سے بھی بیعت کی، یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے اشارہ تھا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ شہید نہیں ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف اس خبر کے پھیل جانے کی وجہ سے بیعت لی تاکہ یہ بلند اقبال جماعت ثابت قدم اور قوی رہے۔ آپ نے دایاں دست اقدس بائیں دست اقدس پر رکھا اور یہ التجاء کی ''مولا! یہ عثمان کی طرف سے ہے۔ وہ تیرے اور تیرے رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ضروری کام کے لیے گئے ہیں'' دوسری روایت میں ہے ''عثمان اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب لبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ضروری کام کے لیے گئے ہیں۔ میں ان کی طرف سے بیعت کرتا ہوں'' پھر آپ نے اپنا دایاں دست شفا بخش بائیں ہاتھ مبارک پر رکھ دیا۔ کیونکہ آپ کو علم تھا کہ ان کے قتل کی افواہ غلط ہے۔ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ آئے تو انہوں نے یہ فضیلت حاصل کرنے کے لیے خود بھی بیعت کی۔ صاحب الہمزیہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے طواف نہ کرنے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت کرنے کے متعلق یہ اشعار لکھے ہیں:

وابی ان یطوف بالبیت اذلم یدن منہ الی النبی فناء
فجزتہ منہ بیعۃ رضوان ید من نبیہ بیضاء
ادب عندہ تضاعفت الاعمال بالترک حبذا الادباءُ

''حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بیت اللہ کا طواف کرنے سے انکار کر دیا جب تک بیت اللہ کا صحن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب نہ ہو جائے اور آپ طواف نہ کر لیں۔ ان کی طرف سے بیعت رضوان میں ان کے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ید بیضاء ہی کافی ہو گیا۔ ان کے نزدیک ادب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ تھا کہ بعض اوقات ترک کرنے سے اعمال دوچند ہو جاتے ہیں،

یہ کتنے اچھے صاحب ادب تھے"۔

روایت ہے کہ قریش نے عبداللہ بن ابی کی طرف پیغام بھیجا کہ اگر تم پسند کرو تو بیت اللہ کا طواف کر سکتے ہو۔ اس کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا "میرے باپ! میں تجھے یاد دلاتا ہوں کہ تو ہمیں ہر جگہ رسواء کرتا ہے۔ کیا تو طواف کرلے گا جبکہ ابھی تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف نہیں کیا ہوگا" اس وقت عبداللہ بن ابی نے انکار کر دیا۔ اس نے کہا "میں طواف نہیں کروں گا حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طواف کرلیں" یہ بیعت رضوان سمر (ببول) کے درخت کے نیچے ہوئی تھی۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ (الفتح: 18)

"یقیناً راضی ہو گیا اللہ تعالیٰ ان مومنوں سے جب وہ بیعت کر رہے تھے آپ کی اس درخت کے نیچے"۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جس نے اس مبارک درخت کے نیچے بیعت کرلی وہ آگ میں نہیں جائے گا" یہ سعادت 1400 صحابہ کرام نے حاصل کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے اہل بدر اور اہل حدیبیہ کو معاف کر دیا ہے"۔ جس ہستی نے سب سے قبل دست مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بیعت کی سعادت حاصل کی۔ وہ حضرت سنان بن سنان الاسدی رضی اللہ عنہ تھے۔ دوسری روایت کے مطابق یہ حضرت ابو سنان رضی اللہ عنہ تھے جو حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے۔ جب انہوں نے بیعت کی تو عرض کی "میں اس بات پر بیعت کرتا ہوں جو کچھ آپ کے دل میں ہے" آپ نے فرمایا "میرے قلب اطہر میں کیا ہے؟ انہوں نے عرض کی "میں آپ کے سامنے اپنی تلوار سے شمشیر زنی کرتا ہوں گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ آپ کو غلبہ عطا کر دے یا میں شہید ہو جاؤں" سارے صحابہ کرام عرض گزار ہوئے "ہم اس بات پر بیعت کرتے ہیں جس پر حضرت سنان رضی اللہ عنہ نے بیعت کی ہے"۔ دوسرے قول کے مطابق سب سے پہلے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کی بیعت کی۔ تیسرے موقف کے مطابق سب سے پہلے یہ سعادت عظمیٰ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے حاصل کی۔ یہ بھی روایت ہے کہ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے تین بار بیعت کرنے کی سعادت حاصل کی۔ ❶ سب سے پہلے ❷ صحابہ کرام کے وسط میں ❸ صحابہ کرام کے بعد۔ جب انہوں نے دوسری اور تیسری بار بیعت کی تو عرض کی "میں نے بیعت کرلی ہے" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تم نے بیعت کرلی ہے" آپ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کی شجاعت اور ثابت قدمی میں شہرت کی وجہ سے ان کی بیعت کو مؤکد کرنا چاہتے تھے۔ یہ بھی روایت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے دو بار بیعت کی۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان:

لَا تُحِلُّوْا شَعَآىِٕرَ اللّٰهِ وَ لَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَ لَا الْهَدْیَ وَ لَا الْقَلَآىِٕدَ وَ لَاۤ آٰمِّیْنَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رِضْوَانًا ؕ وَ اِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ؕ وَ لَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (المائدہ: 2)

"بے حرمتی نہ کرو اللہ (تعالیٰ) کی نشانیوں کی اور نہ عزت والے مہینے کی اور نہ حرم کو بھیجی ہوئی قربانیوں کی اور نہ جن کے گلے میں پٹے ڈالے گئے ہیں اور نہ (بے حرمتی کرو) جو قصد کیے ہوئے ہیں بیت حرام کا، طلب کرتے ہیں اپنے رب کا فضل اور (اس کی) رضا اور جب احرام کھول چکو تو شکار کر سکتے ہو اور ہرگز نہ اکسائے تمہیں کسی

قوم کا بغض بوجہ اس کے کہ انہوں نے روکا تھا تمہیں مسجد حرام سے"۔

کے نزول کے متعلق روایت ہے کہ جب مسلمانوں کو بیت اللہ کا طواف کرنے سے حدیبیہ سے ہی روک دیا گیا تو ان کے پاس سے مشرکین کا ایک گروہ گزرا جو عمرہ کا ارادہ کیے ہوئے تھا۔ مسلمانوں نے کہا "ہم انہیں روک دیتے ہیں جس طرح کہ ان کے ساتھیوں نے ہمیں روک دیا ہے یعنی تم ان عمرہ کرنے والوں کو نہ روکو، اگرچہ ان کے ساتھیوں نے تمہیں روک دیا ہے۔

حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگہبانی پر مامور تھے۔ قریش نے چالیس یا پچاس افراد بھیجے، ان میں مکرز بھی شامل تھا جس کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "یہ ایک فاجر یا غادر شخص ہے" تا کہ یہ افراد مسلمانوں کے ارد گرد چکر لگائیں۔ شاید وہ کسی کو گرفتار کرلیں یا مسلمانوں کو غافل دیکھ کر ان پر حملہ آور ہو جائیں۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے مکرز کے علاوہ سب کو گرفتار کرلیا اور انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کردیا۔ انہیں محبوس کردیا گیا جب قریش کو اپنے ساتھیوں کے بارے علم ہوا تو ان میں سے کچھ افراد آئے۔ انہوں نے مسلمانوں پر تیر اندازی اور سنگ باری شروع کردی۔ ایک تیر سے حضرت ابن رسیم رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔ مسلمانوں نے ان میں سے بھی بارہ افراد گرفتار کرلیے۔

صلح نامہ

جب قریش مکہ نے اس بیعت کے متعلق سنا تو بہت خوفزدہ ہو گئے۔ اہل رائے نے انہیں اس شرط پر صلح کرنے کا مشورہ دیا کہ آپ اس بار واپس چلے جائیں آئندہ سال آئیں۔ مکہ مکرمہ میں تین روز قیام کریں۔ آپ کے پاس صرف مسافر کا اسلحہ ہو۔ تلواریں نیام میں، تیر ترکش میں رہیں" قریش نے سہیل بن عمرو عامری کو بھیجا۔ اس کے ہمراہ خویطب بن عبدالعزیٰ بھی تھا۔ دوسری روایت کے مطابق اس کے ہمراہ قریش کی ایک جماعت تھی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ سہیل کو دوبار بھیجا گیا، ایک دفعہ وہ آیا۔ پھر قریش کے پاس گیا، پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب سہیل آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "قریش نے اس شخص کو دوسری بار بھیجا ہے وہ صلح کا ارادہ کیے ہوئے ہیں"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سہیل کے مابین طویل گفتگو ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے فرمایا "تم ہمارے اور بیت اللہ کے مابین ہٹ کیوں نہیں جاتے تا کہ ہم بیت اللہ کا طواف کریں"، سہیل نے کہا "تا کہ اہل عرب باتیں نہ کریں کہ ہمیں شدت اور مجبوری نے آلیا ہے، بلکہ آپ آئندہ سال تشریف لائیں" پھر جنگ نہ کرنے پر صلح ہوگئی۔ "یہ کہ مسلمانوں اور قریش کے مابین دس سال تک جنگ نہیں ہوگی۔ وہ امن سے رہیں گے۔ آپ اس سال واپس چلے جائیں، آئندہ سال آئیں اہل مکہ آپ کے لیے تین ایام کے لیے مکہ مکرمہ خالی کردیں گے۔ مسلمان صرف تلواریں لے کر آئیں گے وہ بھی نیاموں میں ہوں گی۔ سہیل نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کئی شرائط طے کیں۔ ان میں سے ایک شرط یہ بھی تھی "ہماری طرف سے آپ کے پاس جو شخص بھی جائے گا خواہ وہ آپ کے دین پر ہی ہو آپ اسے واپس کردیں گے" دوسرا قول یہ ہے کہ اس نے یہ شرط اس وقت لگائی جب صلح نامہ لکھا جا رہا تھا، جب صلح مکمل ہوگئی صرف صلح نامہ لکھنا باقی رہ گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ جلدی سے اٹھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے ان سے کہا "کیا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے رسول برحق نہیں" انہوں نے فرمایا "ہاں! حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا "کیا ہم مسلمان نہیں ہیں" انہوں نے فرمایا "ہاں" حضرت

عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا "پھر ہم اپنے دین میں یہ مذموم شرط کیوں قبول کریں" حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا "عمر! آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی رکاب کو لازم پکڑلو" دوسری روایت میں ہے، انہوں نے فرمایا "عمر! بلاشبہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے رسول محترم ہیں۔ آپ اپنے رب کی نافرمانی نہیں کرتے، وہی آپ کا مددگار رہے۔ آپ کی رکاب کو تھام لو"۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور اس طرح عرض کی "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میں اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول (مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوں، میں اس کے حکم کی مخالفت نہیں کروں گا۔ وہ مجھے ضائع نہیں فرمائے گا" پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت اوس بن خوالہ رضی اللہ عنہ کو یاد فرمایا اور انہیں صلح نامہ لکھنے کا حکم دیا۔ سہیل بن عمرو نے کہا "یہ صلح نامہ صرف آپ کے چچازاد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ یا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ لکھیں گے۔ بعض روایات کے مطابق اس وقت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ واپس آچکے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ صلح نام لکھنے کا حکم فرمایا۔ آپ نے فرمایا "لکھو! بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سہیل نے کہا "میں رحمٰن اور رحیم کو نہیں جانتا بلکہ باسمك اللهم لکھیں۔ کیونکہ قریش یہی لکھتے تھے۔ مسلمانوں نے کہا "باسمك اللهم نہیں بلکہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ہی لکھا جائے گا" مسلمان پرجوش ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں خاموش کرایا۔ فرمایا "یہ لکھو باسمك اللهم" پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "لکھو" یہ وہ شرائط ہیں جن پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سہیل بن عمرو نے صلح کی ہے۔ سہیل نے کہا "اگر میں مان جاتا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو پھر آپ کے ساتھ جنگ نہ کرتا۔ آپ کو بیت اللہ سے نہ روکتا، بلکہ آپ اپنا اور اپنے والد گرامی کا نام لکھیں گے۔ دوسری روایت میں ہے، سہیل نے کہا "اگر میں جان لیتا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو آپ کی مخالفت نہ کرتا۔ آپ کی اتباع کرتا، کیا آپ اپنے اسم گرامی اور والد ماجد کے نام سے اعراض کر رہے ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا "رسول اللہ کے الفاظ مٹا دو" حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی "یہ الفاظ مٹانے کی جرأت مجھ میں نہیں" یا انہوں نے عرض کی "میں یہ الفاظ کبھی نہیں مٹاؤں گا" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "یہ کاغذ مجھے پکڑاؤ" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رسول اللہ کے الفاظ مٹا دئے، پھر فرمایا "لکھو یہ وہ شرائط ہیں جن پر (جانِ عالم) محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور سہیل بن عمرو نے صلح کی ہے" آپ نے فرمایا "میں اللہ تعالیٰ کا رسول (مکرم) ہوں، خواہ تم مجھے جھٹلاؤ۔ میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بھی ہوں" حضرت علی رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ انہوں نے محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) لکھنے پر ہی اصرار کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "یہ لکھو" ایک وقت آئے گا تم بھی ایسے حالات سے ہی دوچار ہو گے۔ اس وقت آپ مجبور ہوں گے" یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ اور آپ کی نبوت کی ایک نشانی ہے۔ یہ اس صلح کی طرف اشارہ تھا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین ہونا تھی۔ یہ صلح جنگ صفین کے بعد ہوئی۔ ایک سال تک کے لیے ان کے مابین مصالحت ہوئی جب کاتب نے لکھا کہ یہ وہ شرائط ہیں جن پر امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور معاویہ بن سفیان رضی اللہ عنہ کے مابین صلح ہوئی تو حضرت عمرو بن العاص نے کہا۔ یہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے فیصلہ کرنے والوں میں سے ایک تھے۔ انہوں نے کہا "امیر المومنین نہ لکھو"۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی طرف یہی پیغام بھیجا کہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نہیں لکھنا۔ میں نے انہیں امیر المومنین تسلیم نہیں کیا۔ اگر میں اقرار کر

لوں کہ وہ امیر المومنین ہیں پھر ان کے ساتھ جنگ کروں تو میں بہت برا آدمی ہوں بلکہ یہ لکھو "علی بن ابی طالب" "امیر المومنین کے الفاظ مٹا دیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے کہا "امیر المومنین! امارۃ المومنین کے الفاظ نہ مٹائیں۔ اگر آپ نے یہ الفاظ مٹا دیے، پھر دوبارہ آپ کے پاس کبھی نہ آسکیں گے" مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی بات نہ سنی، کاتب سے فرمایا "یہ الفاظ مٹا دو" پھر آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ الفاظ یاد آ گئے جو آپ نے انہیں فرمایا تھا "علی! تم بھی ایسے ہی حالات سے دوچار ہوں گے" اس وقت آپ مجبور ہوں گے" حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اللہ اکبر! یہ حالات بھی اسی طرح کے حالات ہیں۔ اللہ کی قسم! میں حدیبیہ کے روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے صلح نامہ لکھ رہا تھا۔ جب کفار نے کہا تھا "آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول نہیں ہیں نہ ہی ہم یہ گواہی دیتے ہیں۔ اپنا نام محمد بن عبداللہ (فداہ روحی) لکھیں" حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کہا "سبحان اللہ! آپ ہمیں کفار کے ساتھ تشبیہ دے رہے ہیں" ان کے مابین جھگڑا ہونے لگا حتیٰ کہ یہ صلح نامہ امیر المومنین کے الفاظ کے بغیر ہی لکھا گیا۔ اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان سچ ثابت ہو گیا۔

جب حدیبیہ کے روز حضرت علی نے اصرار کیا کہ وہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہی لکھیں گے تو بعض مسلمانوں نے بھی ان کی موافقت کی۔ ان میں حضرات اسید بن حضیر، سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور کہا کہ وہ صرف محمد رسول اللہ ہی لکھیں گے، ورنہ ان کے اور ہمارے مابین تلوار فیصلہ کرے گی۔ مسلمان شور کرنے لگے، ان کی آواز بلند ہو گئی۔ انہوں نے کہا "ہم دین میں یہ ذلت قبول نہیں کریں گے" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں پرسکون کرنے لگے۔ اپنے دست اقدس سے خاموش رہنے کا ارشارہ کرنے لگے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ محمد بن عبداللہ لکھیں۔ انہوں نے محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) لکھ دیا۔ دوسری روایت کے مطابق آپ نے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا، انہوں نے آپ کا اسم گرامی لکھ دیا۔ مگر تحقیق شدہ بات یہ ہے کہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اس صلح نامہ کا ایک اور نسخہ لکھا تھا۔ کیونکہ سہیل نے کہا تھا "اس صلح نامہ کی ایک کاپی میرے پاس بھی ہو" حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اسی طرح کا ایک صلح نامہ اور بھی لکھ دیا تاکہ ایک کاپی مسلمانوں کے پاس بھی رہے۔

بعض روایات میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دست اقدس سے صلح نامہ لیا۔ بعض علماء نے ظاہر قول سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صلح نامہ کو اپنے دست اقدس سے لکھا۔ یہ آپ کا معجزہ ہے کیونکہ آپ پڑھے لکھے ہوئے نہ تھے۔ یہ قول ابو الولید الباجی المالکی نے کیا ہے۔ مگر اس وقت کے علمائے اندلس نے ان کی سخت گرفت کی ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ یہ مؤقف قرآن مجید کے مخالف ہے۔ انہوں نے ان علماء کے ساتھ مناظرہ کیا اور ان پر غالب آ گئے۔ انہوں نے کہا "یہ نظریہ قرآن کے مخالف نہیں ہے۔ وہ نفی ورود قرآن سے پہلے کے ساتھ مقید ہے۔ اور آپ کے امی ثابت ہو جانے سے پہلے کے ساتھ مقید ہے۔ جب قرآن پاک کا نزول ہوا اور آپ کا اُمّی ہونا ثابت ہو گیا تو پھر یہ کتابت آپ کا معجزہ شمار ہو گی۔ کوئی مانع نہیں کہ آپ کی کتابت معلم کے بغیر ہو۔ یہ آپ کا ایک اور معجزہ ہے۔ اس طرح آپ امی ہونے سے بھی نہیں نکل سکیں گے" البتہ جمہور علماء کرام کا مؤقف یہ ہے کہ وہ روایات جن میں یہ ذکر ہے کہ آپ نے صلح نامہ

اپنے ہاتھ میں لیا اور لکھا۔ اسے مجاز پر محمول کیا جائے گا یعنی آپ نے کاتب سے لکھوایا۔ علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس امر کے ساتھ موافقت کر لی کہ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کو نہ لکھا جائے بلکہ باسمک اللّٰھم لکھا جائے۔ اسی طرح آپ نے محمد رسول اللہ کی جگہ محمد بن عبداللہ (فداہ روحی) لکھنے پر موافقت کر لی۔ اس میں ایک اہم مصلحت پنہاں تھی جو اس صلح سے حاصل ہونے والی تھی۔ جس سے رب تعالیٰ نے اپنے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آگاہ کر دیا تھا۔ مگر وہ مسلمانوں سے مخفی تھی، حتیٰ کہ وہ شور وغل کرنے لگے۔ پوری قوم میں سے سوائے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اور کوئی بھی اس پر راضی نہ تھا۔ اس سے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بلند مقام کا بھی علم ہوتا ہے۔ ممکن ہے رب تعالیٰ نے ان کے دل پر کشف فرما دیا ہو۔ اس صلح پر مرتب ہونے والے بعض اسرار سے آگاہ کر دیا ہو۔ جس طرح رب تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آگاہ فرما دیا تھا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس کے حقدار بھی تھے۔ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جو چیز بھی رب تعالیٰ نے میرے قلب منیر میں ڈالی، میں نے اسے حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کے دل میں ڈال دیا''۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''فتح حدیبیہ سے بڑھ کر اور بڑی کوئی فتح نہ تھی۔ لیکن مسلمانوں کی رائے اس سے قاصر رہی کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے رب العالمین کے مابین اسرار کو سمجھ سکیں۔ بندے جلدی کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ بندوں کی طرح جلدی نہیں کرتا حتیٰ کہ امور اس طرح ہو جائیں جس طرح وہ چاہتا ہے۔ میں نے حضرت سہیل بن عمرو کو حجۃ الوداع میں دیکھا، وہ منحر کے پاس کھڑے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قربانی آپ کے قریب کر رہے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دست مبارک سے قربانی کے جانور ذبح فرما رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نائی کو بلایا، سر اقدس کا حلق کرایا۔ میں حضرت سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھ رہا تھا، وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موئے مبارک اٹھا کر اپنی آنکھوں سے لگا رہے تھے۔ اس وقت مجھے حدیبیہ کا روز یاد آ گیا جب یہی سہیل بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ لکھنے سے اور محمد رسول اللہ لکھنے سے روک رہا تھا۔ اس وقت میں نے رب تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کی جس نے سہیل کو اسلام کی طرف ہدایت دی۔ اس کے ساتھ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ، نہ لکھنے میں حرج بھی کوئی نہ تھا۔ اسی طرح ''رسول اللہ'' نہ لکھنے میں بھی نقصان کوئی نہ تھا بلکہ اس میں بہت بڑی مصلحت تھی۔ برائی تو اس وقت ہوتی جب یہ مشرکین ایسی چیز لکھنے کے لیے کہتے جو حلال نہ ہوتی''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لکھا ''اس پر محمد بن عبداللہ (فداہ روحی) نے صلح کی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اس شرط پر کہ یہ قریش ہمارے اور بیت اللہ کے درمیان حائل نہیں ہوں گے حتیٰ کہ ہم اس کا طواف کر لیں'' اس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ اظہار فرمانا چاہتے تھے کہ آپ نے پہلے سہیل کے ساتھ کیا گفتگو کی ہے، تاکہ مسلمانوں کو علم ہو جائے کہ آپ نے اس صلح میں مسلمانوں کے لیے انتہائی سعی فرمائی ہے۔ سہیل نے کہا ''بخدا! ہم آپ کو بیت اللہ کا طواف نہیں کرنے دیں گے، ورنہ اہل عرب باتیں کریں گے کہ آپ زبردستی داخل ہو گئے ہیں۔ بلکہ آپ آئندہ سال طواف کریں گے''۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ بھی لکھ دیا۔ سہیل نے کہا ''یہ شرط بھی ہے کہ ہم میں سے جو شخص آپ کے پاس جائے گا آپ اسے ہمیں لوٹا دیں گے، اگرچہ وہ آپ کے دین پر ہی ہو۔ آپ کے پیروکاروں میں سے جو قریش کے پاس آ گیا قریش اسے واپس نہیں کریں گے''۔

امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''قریش نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اس شرط پر صلح کی ہے کہ تمہارا جو شخص ہمارے پاس آگیا، ہم اسے نہیں لوٹائیں گے۔ لیکن جو ہمارا شخص تمہارے پاس جائے گا تم اسے واپس بھیج دو گے'' صحابہ کرام نے عرض کی ''یا رسول اللہ! کیا یہ لکھ لیں؟ آپ نے فرمایا ''ہاں! جو ہم میں سے قریش کی طرف جائے گا اللہ تعالیٰ اسے دور کردے گا، جو ان میں سے ہماری طرف آئے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے کشائش اور آسودگی پیدا فرمادے گا''۔

امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ جو شرائط سہیل نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے طے کیں ان میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ جو شخص بھی ہم میں سے آپ کے پاس جائے گا خواہ آپ کے دین پر ہی ہو، آپ اس کے اور ہمارے راستہ سے ہٹ جائیں گے'' مسلمانوں نے اس شرط کو پسند نہ کیا۔ وہ غصہ میں آگئے۔ مگر سہیل نے یہ شرط تبدیل کرنے سے انکار کردیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی شرط لکھوائی۔ مسلمانوں نے تعجب کرتے ہوئے کہا ''سبحان اللہ! اس شخص کو کیسے لوٹایا جائے گا۔ حالانکہ وہ مسلمان ہو کر آئے گا۔ حضرات عمر فاروق، اسید بن حضیر، سعد بن عبادہ، سہل بن حنیف رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی یہی بات کی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''یا رسول اللہ! کیا آپ اس بات پر راضی ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبسم فرمایا اور فرمایا ''جو ہم میں سے ان کے پاس جائے گا رب تعالیٰ اسے دور کردے گا، جو ان میں سے ہمارے پاس آئے گا ہم اسے واپس کردیں گے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے آسودگی اور کوئی سبیل پیدا فرمادے گا''۔ اس صلح نامہ میں ایک شرط وہ بھی تھی جسے امام بخاری نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ مسلمان مکہ مکرمہ میں صرف تلوار کے ساتھ آئیں گے، وہ بھی نیام میں ہوگی، نیز یہ کہ اگر اہل مکہ میں سے کوئی آپ کی اتباع کرنا چاہے تو وہ مکہ مکرمہ سے نہیں جائے گا۔ اگر صحابہ کرام میں سے کوئی مکہ مکرمہ میں اقامت اختیار کرنا چاہے تو اسے روکا نہیں جائے گا۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے ''صلح میں یہ شرط بھی شامل تھی کہ پہلے جو اسباب حرب گزر چکے ہیں ان پر مؤاخذہ نہیں ہوگا۔ اب نہ تو شمشیر زنی ہوگی، نہ ہی زرہیں پہنی جائیں گی، نہ چوری اور نہ ہی خیانت ہو گی۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ہر دو فریق سراً اور اعلانیۃً نفوس اور اموال کے متعلق ایک دوسرے سے محفوظ ہوں گے۔ نیز یہ شرط بھی شامل تھی کہ جو قبیلہ محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے معاہدہ کرنا چاہے وہ آپ سے معاہدہ کرے، جو قریش کے ساتھ معاہدہ کرنا چاہے وہ قریش کے ساتھ معاہدہ کرلے۔ بنو خزاعہ جلدی سے اٹھے، انہوں نے کہا ''ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ معاہدہ کریں گے''۔ اس طرح بنو بکر اٹھے اور انہوں نے کہا ''ہم قریش کے ساتھ معاہدہ کرلیتے ہیں'' یہ شرط بھی شامل تھی کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس سال واپس چلے جائیں گے، مکہ مکرمہ میں داخل نہیں ہوں گے، اگلے سال مسافر کا اسلحہ ہوگا۔ تلواریں نیام میں ہوں گی اور فریقین کے مابین دس سال تک جنگ نہ ہوگی۔ ایک اور روایت میں چار سال کا ذکر ہے۔ لوگ امن سے رہیں گے''۔

اگر کہا جائے کہ اس میں کیا حکمت کارفرما ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سہیل کے ساتھ ان شرائط پر صلح کی جن میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ جو شخص بھی مسلمان ہو کر مدینہ طیبہ جائے گا، مسلمان اسے واپس کردیں گے؟ امام نووی نے علماء کرام سے اس کا جواب یہ نقل کیا ہے ''اس صلح میں جو مصلحت مخفی تھی اس کے ان گنت ثمرات اور بے شمار فوائد تھے، جن سے صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی آگاہ تھے۔ صحابہ کرام سے وہ مخفی تھی''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشرکین کی شرائط کے مطابق صلح کی۔ صلح سے قبل وہ

مسلمانوں کے ساتھ مل نہیں سکتے تھے۔نہ ہی وہ حضور ﷺ کے امور سے آگاہ ہو سکتے تھے کہ وہ کیسے ہیں؟ نہ ہی وہ کسی ایسے فرد کے پاس آسکتے تھے جو آپ کے امور کو تفصیل سے جانتا ہو۔ جب یہ صلح مکمل ہوگئی تو مشرکین مسلمانوں کے ساتھ ملنے لگے۔ وہ مدینہ طیبہ آنے لگے۔ مسلمان مکہ مکرمہ جانے لگے۔ وہ اپنے رشتہ داروں اور دوستوں سے ملاقات کرنے لگے۔ مشرکین نے ان سے آپ کے معجزات، احوال، علامات نبوت، حسن سیرت اور اخلاق کریمانہ کے متعلق سنا۔ خود بھی بہت سے امور کا مشاہدہ کیا۔ ان کے نفوس ایمان کی طرف راغب ہو گئے۔ حتیٰ کہ فتح مکہ سے قبل بہت سے لوگ ایمان لے آئے۔ صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے مابین جلیل القدر ہستیوں مثلاً حضرت خالد بن ولید اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما نے اسلام قبول کر لیا۔ جنہوں نے اسلام قبول نہ کیا ان کا میلان اسلام کی طرف ہو گیا، فتح مکہ کے روز ان سب نے اسلام قبول کر لیا۔ کیونکہ وہ میلان پہلے ہی رکھتے تھے۔ اہل عرب اپنے اسلام کو قریش کے اسلام کے ساتھ ملاتے تھے کیونکہ وہ انہیں قوی اور صاحب رائے سمجھتے تھے۔ وہ کہتے تھے" کسی شخص کے بارے اس کی قوم سب سے بہتر جانتی ہے" جب قریش اسلام لے آئے تو سارے عرب نے اسلام قبول کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ ۝۱ وَ رَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝۲ (النصر)

"جب اللہ کی مدد آپہنچے اور فتح (نصیب ہو جائے) اور آپ دیکھ لیں لوگوں کو کہ وہ داخل ہو رہے ہیں اللہ کے دین میں فوج در فوج"۔

اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ جب اللہ رب العزت اپنے محبوب کریم ﷺ کی ان دشمنوں کے خلاف مدد کرے گا تو لوگ گروہ در گروہ دین متین میں شامل ہونے لگیں گے۔ پھر اسی طرح ہوا۔ فتح مکہ کے بعد لوگ اکناف عالم سے آنے لگے۔ یہ صلح ہی فتح مکہ کا سبب بنی۔ حکمت بالغہ سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محترم ﷺ ہی آگاہ ہیں۔ مسلمانوں کو بیت اللہ سے روک دینا بظاہر مسلمانوں کی مغلوبیت نظر آتی ہے، لیکن در حقیقت یہی مسلمانوں کے لیے عزت اور غلبہ ہے۔ مشرکین نے اپنے لیے عزت کا ارادہ کیا مگر رب تعالیٰ نے انہیں ذلیل کر دیا۔ انہوں نے غلبہ کا عزم کیا لیکن رب تعالیٰ نے انہیں مغلوب کر دیا۔

"وللہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین واللہ غالب علی امرہ ولکن اکثر الناس لا یعلمون وللہ الحمد والمنۃ علی ما انعم بہ وتفضل"۔

حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ کی اسیری

امام بخاری نے لکھا ہے کہ شروط طے کرتے وقت جبکہ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ ابھی صلح نامہ لکھا جا رہا تھا کہ حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ آگئے۔ ان کا نام عاص بن سہیل بن عمرو تھا۔ انہوں نے مکہ مکرمہ میں ہی اسلام قبول کر لیا تھا۔ ان کے باپ نے انہیں محبوس کر رکھا تھا اور ہجرت سے روک رکھا تھا۔ انہیں زنجیروں سے جکڑ رکھا تھا۔ جب انہوں نے سنا کہ حضور ﷺ اور صحابہ کرام مکہ مکرمہ میں ہیں تو یہ کسی نہ کسی طرح قید خانہ سے نکل آئے۔ پہاڑی رستہ اختیار کیا اور مسلمانوں کے پاس آکر گر پڑے۔ انہیں دیکھ کر مسلمانوں نے بڑی فرحت وانبساط کا اظہار کیا۔ سہیل نے اپنے فرزند دلبند کو دیکھا تو ان کی طرف گیا۔

ان کے چہرے پر شدید ضربیں لگانے لگا، حتیٰ کہ مسلمانوں کے دل ان کے لیے نرم ہو گئے۔ مسلمان بھی رونے لگے۔ حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ نے وہ کپڑے اکٹھے کیے جو وہ پہنے ہوئے تھے۔ انہیں اپنے سینہ پر رکھ دیا۔ سہیل نے کہا "محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہ پہلی چیز ہے جس پر میں آپ کو حکم بناتا ہوں کہ آپ میرا بیٹا واپس کر دیں" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ابھی تک ہم صلح نامہ کی کتابت سے فارغ نہیں ہوئے" سہیل نے کہا "پھر میں کسی چیز پر کبھی صلح نہیں کروں گا" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اسے اجازت دے دے" سہیل نے کہا "میں کبھی بھی اسے اجازت نہیں دوں گا" آپ نے فرمایا "اسے اجازت دے دو" اس نے کہا "ہرگز نہیں" مکرز اور حویطب نے کہا "ہم اسے اجازت دیتے ہیں" انہوں نے حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ کو پکڑا اور انہیں خیمہ میں داخل کر دیا۔ مگر سہیل نے ان کی اجازت تسلیم نہ کی۔ ایک قول یہ ہے کہ ان دونوں نے اس لیے اجازت دی تھی تاکہ ان کا باپ انہیں اذیت نہ دے، وہ اپنے باپ کی اطاعت کرنے لگیں۔ یہی مکرز کا وہ گناہ تھا جسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذکر کیا تھا، یہی اس کا نفاق تھا، اس کا ظاہر اس کے باطن کے خلاف تھا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں: پھر سہیل نے کہا "محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کے آنے سے قبل آپ کے اور میرے مابین صلح مکمل ہو چکی تھی" آپ نے فرمایا "تو نے سچ کہا ہے" سہیل برابر اصرار کرنے لگا تاکہ آپ حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ کو واپس کر دیں۔ جب حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ کا عزم مصمم دیکھا تو انہوں نے کہا "اے گروہ مسلمین! کیا مجھے مشرکین کی طرف لوٹا دیا جائے گا، حالانکہ میں مسلمان ہو کر آیا ہوں۔ کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ مجھے کیسے حالات کا سامنا ہے؟ انہیں راہ خدا میں شدید اذیتیں دی گئیں۔ دوسری روایت کے مطابق حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ نے باآواز بلند کہا "اے مسلمانوں کے گروہ! کیا مجھے مشرکین کی طرف واپس لوٹا دیا جائے گا۔ وہ مجھے دین کے بارے فتنہ میں مبتلاء کر دیں گے" یہ سن کر صحابہ کرام کے دلوں میں مزید رقت پیدا ہو گئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "صبر کرو، حصول ثواب کی امید رکھو، ہم دھوکہ نہیں دیتے، تمہارے آنے سے قبل صلح مکمل ہو چکی تھی۔ میں نے تمہارے باپ سے کہا ہے کہ تم سے رویہ نرم رکھے۔ مگر اس نے انکار کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اور تمہارے ساتھ دیگر کمزور مسلمانوں کے لیے آسائش اور کشادگی پیدا فرما دے گا"۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فوراً اٹھے اور حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ کے پہلو میں گئے، انہوں نے کہا "ابوجندل صبر کرو، یہ مشرک ہیں، ان کا خون کتے کے خون کی طرح ہے" وہ ان کے قریب تلوار کرتے رہے۔ انہوں نے فرمایا "مجھے امید تھی کہ وہ تلوار پکڑ لیں گے اور اس کے ساتھ اپنے باپ کا کام تمام کر دیں گے" وہ کہنے لگے "ایک شخص اپنے باپ کو قتل کر سکتا ہے بخدا! ہم نے اپنے آباء کو پایا، انہیں راہ خدا میں قتل کر دیا۔ حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ نے کہا "آپ میرے باپ کو قتل کیوں نہیں کر دیتے؟ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا "ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے اور کسی اور کے قتل سے منع کیا ہے" حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ نے کہا "آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرنے کے مجھ سے زیادہ مستحق نہیں ہیں" شاید حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ کے لیے ان کے والد کو قتل کرنا جائز سمجھا۔ کیونکہ اس کا ارادہ تھا وہ انہیں دین سے برگشتہ کر دے۔ اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا "ابوجندل! صبر کرو اور حصول ثواب کی امید رکھو" پھر حضرت ابوجندل مکرز اور حویطب کی پناہ میں مکہ مکرمہ واپس آ گئے۔ اور ان کے والد کی

طرف سے ان کا دفاع کیا۔ اس داستان کے آخر میں آئے گا کہ صلح کے زمانہ میں حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ مکہ معظمہ سے بھاگ گئے تھے۔ ان کے ہمراہ کمزور مسلمانوں کی ایک جماعت بھی تھی۔ وہ حضرت ابوبصیر کے ساتھ مل گئے۔ انہوں نے قریش کے تجارتی کارواں کا راستہ تنگ کر دیا، حتیٰ کہ قریش نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف لکھا ''ہم آپ کو صلہ رحمی کا واسطہ دیتے ہیں کہ آپ انہیں اپنے ہاں بلالیں۔ سہیل بن عمرو کے ایک اور فرزند بھی تھے۔ جن کا نام حضرت عبداللہ بن سہیل رضی اللہ عنہ تھا۔ وہ اسلام کے آغاز میں ہی مسلمان ہو گئے تھے مگر اپنا اسلام چھپائے ہوئے تھے۔ یہ غزوۂ بدر میں مشرکین کے ساتھ نکلے۔ میدان بدر میں پہنچ کر چپکے سے نکل کر صحابہ کرام میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے غزوۂ بدر اور سارے غزوات میں شرکت کی۔ حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ کا نام عاص تھا۔ انہوں نے فتح مکہ میں شرکت کی، پھر قریش نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو بھیج دیا۔ اس سے اسی موقف کی تائید ہوتی ہے کہ بیعت رضوان صلح سے پہلے تھی۔ اسی وجہ سے قریش صلح کرنے پر راضی ہو گئے۔ مواہب میں ایسا تذکرہ ہے جس سے عیاں ہوتا ہے کہ بیعت صلح کے بعد ہوئی تھی۔ وہ مکتوب گرامی جسے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ لے کر آ گئے تھے۔ وہ اس صلح کو شامل تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سہیل کے مابین ہوئی تھی۔ قریش نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سہیل کو محبوس کر دیا۔

علامہ حلبی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں ''اس بات میں جو کچھ ہے وہ کسی سے مخفی نہیں ہے'' جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صلح سے فارغ ہوئے تو صحابہ کرام میں سے بعض کو اس پر گواہ بنایا۔ آپ نے مسلمانوں کی طرف حضرات ابوبکر، عمر، عثمان، علی، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، ابوعبیدہ بن جراح اور محمد بن مسلمہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو گواہ بنایا جبکہ مشرکین کی طرف سے حویطب بن عبدالعزیٰ، مکرز بن حفص کو بطور گواہ مقرر فرمایا۔ یہ صلح ہونے تک بہت سے مسلمانوں نے توقف کیا، وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جاتے رہے اور عرض کرتے رہے کہ آپ یہ شرائط تسلیم نہ کریں۔ بالخصوص حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کئی بار آئے اور گزارش کی۔ انہوں نے عرض کی ''کیا آپ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی نہیں'' آپ نے فرمایا ''ہاں'' انہوں نے عرض کی ''کیا ہم حق پر اور ہمارا دشمن باطل پر نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا ''ہاں'' انہوں نے عرض کی ''کیا ہمارے مقتول (شہداء) جنت میں اور ان کے مقتول آگ میں نہیں ہیں'' آپ نے فرمایا ''ہاں'' پھر اپنے دین میں ہم یہ کمزوری کیوں قبول کریں۔ واپس کیوں لوٹ چلیں۔ جبکہ ابھی تک رب تعالیٰ نے ہمارے مابین فیصلہ نہیں فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ میں اس کی نافرمانی نہیں کروں گا، وہی میرا مددگار ہے'' میں نے عرض کی ''کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں فرمایا نہیں تھا کہ ہم عنقریب بیت اللہ جائیں گے اور اس کا طواف کریں گے''، یعنی وہ خواب جسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''ہاں'' صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا میں نے یہ بتایا تھا کہ ہم اسی سال بیت اللہ کا طواف کریں گے؟ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''نہیں'' آپ نے فرمایا ''تم بیت اللہ آؤ گے اور اس کا طواف کرو گے'' کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں دیکھا ہے کہ وہ مسجد حرام میں داخل ہوں گے اور بیت اللہ کا طواف کریں گے۔ آپ نے ان کے ساتھ وعدہ کیا جب صحابہ کرام نے یہ صلح دیکھی تو انہیں عظیم امر کا سامنا کرنا پڑا۔ حتیٰ کہ قریب تھا کہ وہ ہلاک ہو جاتے۔ ان پر یہ بات بڑی گراں گزری۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''مجھے اس کی وجہ سے عظیم امر کا

سامنا کرنا پڑا۔ میں نے حضور ﷺ سے اتنی بحث کی کہ پہلے اتنی بحث نہیں کی تھی۔ مجھے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے کہا ''ابن خطاب! آپ سن نہیں رہے کہ حضور ﷺ کیا فرما رہے ہیں؟ شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرو''، میں اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھنے لگا۔

بزار نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''دین پر اپنی رائے فدا کر دو۔ میں حضور ﷺ کے امر کو اپنی رائے سے رد کرتا رہا۔ آپ راضی تھے۔ مگر میں برابر انکار کرتا رہا حتیٰ کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''عمر! تم دیکھ رہے ہو کہ میں راضی ہوں اور تم انکار کر رہے ہو'' دوسری روایت میں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''ابن خطاب! میں رب تعالیٰ کا رسول ہوں وہ مجھے ضائع نہیں کرے گا'' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حالت غصہ میں واپس آ گئے۔ ان سے صبر نہ ہو سکا حتیٰ کہ وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ ان سے کہا ''ابوبکر! کیا آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی نہیں ہیں؟ انہوں نے کہا ''ہاں'' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا ''کیا ہم حق پر اور ہمارا دشمن باطل پر نہیں ہے'' انہوں نے کہا ''ہاں'' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا ''پھر ہم دین میں یہ کمزوری کیوں قبول کریں؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا ''ارے شخص! آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول محترم ہیں۔ وہ اپنے رب تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کریں گے۔ آپ کی رکاب کو لازم پکڑ لو۔ آپ کا دامن نہ چھوڑو۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! آپ ﷺ حق پر ہیں'' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا ''کیا آپ ﷺ نے بیان نہیں فرمایا کہ ہم عنقریب بیت اللہ جائیں گے۔ اس کا طواف کریں گے''۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''ہاں! کیا آپ ﷺ نے یہ فرمایا تھا کہ ہم اسی سال جائیں گے'' میں نے کہا ''نہیں'' حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''تم ضرور مکہ مکرمہ جاؤ گے اور بیت اللہ کا طواف کرو گے'' انہوں نے وہی جواب دیا جو حضور ﷺ جواب ارشاد فرما چکے تھے۔

اس روایت سے یہ صراحت بھی ملتی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پہلے حضور ﷺ کی خدمت میں گئے۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ جبکہ پہلے صحیح روایت گزر چکی ہے کہ وہ پہلے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ ان دونوں روایات کو اس طرح جمع کرنا جائز ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بار بار آتے رہے۔ وہ پہلے اور بعد میں کئی بار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بالکل وہی جواب دیا جو حضور ﷺ نے جواب ارشاد فرمایا تھا۔ اس سے عیاں ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ علم کے اعتبار سے صحابہ کرام سے اکمل تھے۔ وہ سب سے زیادہ حضور ﷺ کے احوال کو جاننے والے تھے۔ امور دین سے سب سے زیادہ آشنا تھے۔ امر الٰہی کے ساتھ ان کی موافقت سب سے زیادہ شدید تھی۔ یہ ایسے عظیم دلائل ہیں جو آپ کے فضل، علم، عرفان، رسوخ اور ہر چیز میں دوسروں سے فزوں تر ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

بعض روایات میں ہے کہ مسلمانوں نے اس صلح کو بہت عجیب سمجھا۔ ان کی رائے وہی تھی جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی رائے تھی۔ وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے سے موافقت نہیں رکھتے تھے۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا قلب انور بالکل حضور ﷺ کے قلب اطہر پر تھا۔ پہلے ابن دغنہ کے واقعہ میں گزر چکا ہے کہ اس نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے وہی

اوصاف بیان کیے تھے جو خوبیاں حضرت ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیان کیں تھیں۔ مثلاً صلہ رحمی، مساکین کا بوجھ اٹھانا، حق کے امور کی مدد کرنا وغیرہ۔ جب ابتداء میں صفات کی مشابہت تھی تو یہ مشابہت انتہاء تک برقرار رہی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی علمی جلالت اور قدر و شرف کی وجہ سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد یا پہلے صرف ان کے پاس ہی آئے۔ کسی اور کے پاس نہیں گئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی ناراضگی دین کی نصرت میں قوت اور کافروں کی ذلت و رسوائی کی وجہ سے ظاہر کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے سوال کیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ سوال اور کلام دین میں کسی شک یا تردد کی وجہ سے نہ تھا۔ حاشا وکلا۔

ابن اسحاق کی روایت کے مطابق جب حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کہا ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رکاب کو لازم پکڑو''۔ تو انہوں نے کہا ''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رب تعالیٰ کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ ان کا سوال صرف اس لیے تھا کہ وہ مصلحت ان کے لیے آشکارا ہو جائے۔ آپ کافروں کو ذلیل کرنے اور اسلام کے غلبہ کے لیے ابھارتے تھے۔ ان کی عادت یہی تھی۔ دین کی نصرت میں ان کی قوت اور کفار کو ذلیل کرنے کے لیے ان کی طاقت سب پر عیاں تھی۔ اس میں یہ دلیل بھی ہے کہ علم میں بحث کرنا جائز ہے حتیٰ کہ معنیٰ ظاہر ہو جائے۔

امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اس گفتگو کی وجہ سے میں لگا تار اعمال حسنہ کرتا رہا'' ابن اسحاق نے لکھا ہے۔ حضرت عمر فاروق نے فرمایا ''میں لگا تار صدقہ دیتا رہا، روزہ رکھتا رہا، نماز پڑھتا رہا، غلام آزاد کرتا رہا۔ کیونکہ مجھے اس کلام کی وجہ سے خطرہ تھا جو میں نے اس روز کیا تھا حتیٰ کہ مجھے میں بھلائی کی امید پیدا ہوگئی''۔

علامہ واحدی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اس کے لیے میں غلام آزاد کرتا رہا۔ میں ہمیشہ روزہ رکھتا رہا'' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ اعمال صالحہ اس لیے سرانجام دیے کیونکہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کو ماننے میں جلدی کرنے میں توقف کیا۔ اگرچہ آپ سے جو کچھ صادر ہوا تھا آپ اس میں معذور تھے۔ بلکہ ماجور تھے۔ کیونکہ آپ مجتہد تھے۔ آپ نے توقف اس لیے کیا تھا تا کہ آپ کے لیے حکمت آشکارا ہو جائے۔ آپ کا شبہ زائل ہو جائے''۔

احرام سے فراغت

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صلح اور گواہ بنانے سے فارغ ہوئے۔ سہیل بن عمرو کی طرف سے فارغ ہوئے تو قربانی کے جانوروں کی طرف گئے۔ انہیں ذبح کیا۔ ان جانوروں میں ابوجہل کا وہ اونٹ بھی تھا جو مسلمانوں کو غزوۂ بدر میں مال غنیمت میں ملا تھا۔ اس کی نکیل چاندی یا سونے کی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بھی قربانی کے جانوروں میں شامل کر لیا تھا۔ تا کہ یہ مشرکین کے لیے غیظ و غضب کا سبب بن سکے۔ یہ اونٹ حدیبیہ سے بھاگ گیا تھا۔ مکہ مکرمہ میں داخل ہو گیا تھا۔ یہ ابوجہل کے گھر کے پاس چلا گیا تھا۔ حضرت عمرو بن غنمہ انصاری رضی اللہ عنہ اس کے تعاقب میں نکلے۔ مکہ معظمہ کے بے وقوفوں نے اسے دینے سے انکار کر دیا۔ حتیٰ کہ سہیل بن عمرو نے کہا ''یہ اونٹ واپس کر دو''۔ قریش مکہ نے گراں قدر کپڑے دے کر اس اونٹ کو بچانا چاہا۔ حضور

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اگر ہم نے قربانی کے جانوروں میں اسے شمار نہ کیا ہوتا تو ضرور واپس کر دیتے۔ دوسری روایت میں ہے کہ سہیل بن عمرو نے قریش سے کہا "اگر اس اونٹ کو بچانا چاہتے ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک سو اونٹ پیش کرو۔ اگر وہ قبول کر لیں تو یہ اونٹ اپنے پاس رکھ لو ورنہ اسے چھوڑ دو۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک سو اونٹ پیش کیے۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکار کر دیا۔ فرمایا "اگر اس اونٹ کو قربانی کے جانوروں میں شمار نہ کیا ہوتا تو میں ایک سو اونٹ قبول کر لیتا"۔ کفار مکہ نے وہ اونٹ واپس کر دیا۔ آپ نے اسے ذبح کر دیا۔ اس کا گوشت تقسیم کیا۔ دیگر جانوروں کا گوشت بھی ان فقراء میں تقسیم کر دیا جو حدیبیہ میں حاضر ہوئے تھے۔

دوسری روایت کے مطابق آپ نے بنو اسلم کے ایک شخص کے ساتھ بیس اونٹ مکہ مکرمہ بھیجے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ نے صلح نامہ کی کتابت کے بعد صحابہ کرام کو تین بار نحر اور حلق کا حکم دیا۔ مگر ان میں سے کوئی بھی نہ اٹھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شدید غصہ کی حالت میں حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے۔ آپ لیٹ گئے۔ انہوں نے عرض کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ خیریت سے تو ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کی اس حالت کا ذکر کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا "مسلمان ہلاک ہو گئے۔ میں نے انہیں قربانی کرنے اور حلق کرانے کا حکم دیا۔ مگر انہوں نے نہ کیا" دوسری روایت کے الفاظ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ام سلمہ! تعجب ہے کیا تم لوگوں کو نہیں دیکھ رہیں۔ میں انہیں ایک کام کا حکم دیتا ہوں۔ مگر وہ اسے بجا نہیں لاتے۔ میں نے انہیں کہا "قربانی کرو، حلق کرو اور احرام کھول دو۔ مگر ان میں سے کسی ایک نے بھی مجھے جواب نہ دیا۔ وہ میری بات سنتے ہیں مگر میرے چہرے کی طرف دیکھتے ہیں" انہوں نے عرض کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ انہیں ملامت نہ فرمائیں۔ انہیں ایک عظیم امر کا سامنا ہے۔ اس صلح اور فتح کے بغیر انہیں واپس جانا گراں لگ رہا ہے" پھر انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشورہ دیتے ہوئے عرض کی "آپ خیمہ سے باہر تشریف لے جائیں، کسی سے ہم کلام نہ ہوں، اپنی قربانی ذبح کریں۔ سر اقدس کا حلق کرائیں" آپ نے اس طرح کیا۔ اپنا نیزہ لیا، قربانی کے جانور کی طرف گئے، اپنی آواز مبارک یوں بلند فرمائی۔ بسم اللہ واللہ اکبر" پھر وہ نیزہ اپنے جانور کو مار دیا۔ پھر حضرت خراش خزاعی رضی اللہ عنہ کو بلایا۔ اپنے سر اقدس کا حلق کرایا اور اپنے موئے مبارک درخت پر رکھ دیے۔ لوگ ان گیسوئے پاک کے حصول کے لیے ان کے ارد گرد منڈلانے لگے۔ ان میں سے کچھ حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے حاصل کر لیے، وہ ان زلفانِ معنبر کو دھو کر وہ پانی مریض کو پلاتیں تو وہ مریض شفاء یاب ہو جاتا۔ آپ نے مقام حدیبیہ میں ستر جانور ذبح فرمائے۔ جب لوگوں نے آپ کو دیکھا کہ آپ نے قربانی کر لی ہے۔ حلق کرا لیا ہے۔ وہ بھی اٹھے۔ انہوں نے قربانیاں کیں اور حلق کرائے۔ وہ ایک دوسرے کا حلق کرنے لگے۔ قریب تھا کہ وہ اژدہام اور آپ کی اقتداء کرنے میں جلدی کی وجہ سے باہم لڑنے لگتے۔ انہوں نے یہ قربانیاں مقام حدیبیہ میں کیں تھیں۔ امام مالک کے مؤقف کے مطابق یہ جگہ حرم میں شامل ہے۔ جبکہ امام شافعی کے نظریہ کے مطابق اس کا کچھ حصہ حرم اور کچھ حصہ حل میں شامل ہے۔ ایک اور روایت کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قربانی کرنے کا حکم دیا۔ مسلمان قربانی کے جانور حرم کی طرف لے گئے۔ مشرکین مکہ ان کی طرف آئے اور انہیں وہیں روک دیا۔ آپ نے اسی جگہ قربانی

کرنے کا حکم دے دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب قربانی کے جانوروں کو بیت اللہ سے روک دیا گیا تو وہ اس طرح بیت اللہ کے مشتاق ہوئے جس طرح وہ اپنی اولاد کے مشتاق ہوتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی جگہ قربانی کر دی اور یہ مقام حدیبیہ ہی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اکثر قربانیاں یہاں کیں۔ ابن سعد نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے جو روایت کی ہے وہ اس کے منافی نہیں ہے۔ انہوں نے فرمایا ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو اسلم کے ایک شخص کے ہمراہ بیس اونٹ مکہ مکرمہ بھیجے تاکہ انہیں مروہ کے پاس ذبح کریں۔ اللہ تعالیٰ نے آندھی بھیجی۔ اس نے ان کے بال اٹھائے اور انہیں حرم میں پھینک دیا، حالانکہ مشرکین انہیں حرم میں داخل ہونے سے روک رہے تھے۔ مسلمان اپنے عمرہ کی قبولیت کی وجہ سے ایک دوسرے کو مبارکیں دینے لگے۔

امام زرقانی نے تحریر کیا ''اس سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک بال نہیں۔ کیونکہ وہ تو صحابہ کرام نے حاصل کر لیے تھے۔ ممکن ہے کہ انہوں نے آپ کے اکثر موئے مبارک حاصل کر لیے ہوں۔ بقیہ ہوا نے حرم میں بکھیر دیے ہوں۔ بعض صحابہ کرام نے حلق کرایا۔ بعض نے قصر کرایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''رب تعالیٰ حلق کرانے والوں پر رحم کرے'' صحابہ کرام نے عرض کی ''قصر کرانے والوں پر بھی'' آپ نے پھر فرمایا ''رب تعالیٰ حلق کرانے والوں پر رحم کرے'' صحابہ کرام نے عرض کی ''قصر کرانے والوں پر بھی'' آپ نے فرمایا ''قصر کرانے والوں پر بھی وہ رحم کرے'' ایک روایت کے مطابق آپ نے چوتھی بار اس طرح فرمایا۔ صحابہ کرام نے امر کے بعد توقف کیا۔ کیونکہ ان کا گمان تھا کہ یہ امر استحباب کے لیے ہے یا انہیں امید تھی کہ صلح کو ختم کرنے کے لیے وحی کا نزول ہو یا انہوں نے سمجھا ہو کہ یہ ان کے لیے تخصیص ہے جن کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سال مکہ مکرمہ جانے کا اذن دیا تھا۔ تاکہ ان کی قربانیاں مکمل ہوں۔ یہ بات ان میں پھیل گئی۔ کیونکہ یہ نسخ کے وقوع کا زمانہ تھا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ صورت حال نے انہیں مبہوت کر دیا ہو۔ ممکن ہے کہ وہ غور و فکر میں مستغرق ہوں۔ کیونکہ انہیں اپنی اہانت کا احساس ہو رہا تھا۔ کیونکہ ان کے پاس اتنی قوت تھی کہ وہ طاقت کے ساتھ غلبہ پا سکتے تھے یا یہ کہ مطلق امر فوراً کام کرنے کا تقاضا نہیں کرتا۔ ان احتمالات کا جمع ہونا بھی بعید از امکان نہیں، یا انہوں نے سمجھا ہو کہ آپ نے انہیں احرام کھول دینے کا حکم ان کے حق میں رخصت پر عمل کرتے ہوئے دیا ہو اور آپ خود عزیمت پر عمل کرتے ہوئے حالت احرام میں ہی ہوں۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حرام کھول دینے کی طرف اشارہ کیا ہو تاکہ یہ احتمال ختم ہو جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی طرح کیا۔ جب انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل دیکھا تو آپ کے حکم پر عمل پیرا ہونے میں جلدی کی۔ جبکہ اب کوئی انتہاء باقی نہ رہی ہو جس کے وہ منتظر ہوں۔ اس کی مثال فتح مکہ میں موجود ہے۔ جب آپ نے انہیں روزہ افطار کرنے کا حکم دیا۔ مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ آپ نے پانی نوش فرمایا تو انہوں نے بھی پانی پی لیا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے آپ نے مشاورت کی۔ اس سے مشاورت کی فضیلت عیاں ہوتی ہے۔ فاضلہ خاتون کے مشورہ کی فضیلت آشکارہ ہوتی ہے۔ اس سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت اور عقل و دانائی کی صلاحیتوں کا بھی علم ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ امام الحرمین نے فرمایا ''ہم کسی عورت کو نہیں جانتے جس نے کسی رائے کا اظہار کیا ہو اور وہ درست ہو سوائے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے''۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ بعض علماء نے حضرت شعیب علیہ السلام کی نور نظر کا حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے بارے مشورہ کا ذکر کر کے حضرت امام الحرمین کے قول کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ جب انہوں نے والد گرامی سے کہا تھا ''والد محترم! حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اجرت پر رکھ لیں جسے آپ اجرت پر رکھیں بہترین وہ ہے جو قوی اور امین ہو''۔

بیعت رضوان کی فضیلت

بیعت رضوان سے ان صحابہ کرام کی فضیلت بھی آشکارا ہوتی ہے جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت کی تھی۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ (الفتح:18)

''یقیناً راضی ہو گیا اللہ تعالیٰ ان مومنوں سے جب وہ بیعت کر رہے تھے آپ کی اس درخت کے نیچے''۔

صحیح بخاری میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیبیہ کے روز فرمایا ''تم روئے زمین میں سے بہترین ہو'' امام مسلم وغیرہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے ''وہ آگ میں نہیں جائے گا جس نے غزوۂ بدر اور بیعت رضوان میں شرکت کی'' امام احمد نے حسن سند کے ساتھ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''ہم حدیبیہ کے مقام پر تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''رات کے وقت آگ نہ جلاؤ'' اس کے بعد فرمایا ''آگ جلاؤ اور کھانا تیار کرو۔ تمہارے بعد کوئی قوم تمہارے مُد اور صاع کو نہیں پہنچ سکے گی'' امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا ''جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کرنے کی سعادت حاصل کی ان میں کوئی بھی آگ میں نہیں جائے گا''۔

بعض رافضیوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر قدح کی ہے کہ وہ اس بیعت میں شریک نہ ہوئے تھے۔ جس طرح انہوں نے غزوۂ بدر میں شرکت نہیں کی تھی۔ ان کو جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ بیعت ہوئی ہی ان کے لیے تھی۔ جب کہ ان کی شہادت کی افواہ پھیل گئی۔ یہ بیعت اس لیے ہوئی تھی کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی طرف سے بیعت کی تھی۔ آپ نے فرمایا ''یہ عثمان کی طرف سے بیعت ہے'' پھر ایک دست اقدس کو دوسرے دست اقدس پر رکھ دیا۔ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ واپس آئے تو انہیں بیعت بھی کیا جس طرح کہ پہلے گزر چکا ہے۔ انہیں بیعت رضوان سے خارج کرنا فحش خطا ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں شرکت نہ کر سکے۔ یہ بھی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم تھا۔ کیونکہ آپ کی لخت جگر حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بیمار تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو اصحاب بدر میں شمار کیا۔ اور مال غنیمت میں سے ان کا حصہ بھی نکالا۔ آپ کو بدری صحابہ کرام میں شمار کیا جاتا ہے۔ انہیں ان صحابہ کرام میں شمار نہ کرنا بڑی لغزش ہے۔ آپ نے جو یہ فرمایا ہے کہ درخت کے نیچے بیعت کرنے والوں میں سے کوئی بھی آتش جہنم میں نہیں جائے گا تو اس میں صحابہ کرام کے لیے جنت کی بشارت ہے۔ عشرہ مبشرہ سے مراد یہ ہے کہ ایک حدیث طیبہ میں ہی ان دس صحابہ کرام کے نام ذکر کیے گئے جنہیں جنت کی بشارت سنائی گئی۔ مثلاً ''ابوبکر فی الجنة۔۔۔ الخ'' ابن عبد البر نے کہا ہے کہ کوئی غزوہ بھی غزوۂ بدر کے ہم پلہ نہیں ہو سکتا سوائے حدیبیہ کے، کیونکہ اس میں بیعت رضوان ہوئی تھی۔ دیگر علماء نے

فرمایا ہے کہ غزوۂ احد حدیبیہ سے فاضل ہے۔ یہ غزوہ فضیلت میں غزوۂ بدر کے ساتھ ملتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقام حدیبیہ میں دس سے زائد روز قیام فرمایا۔ بعض نے لکھا ہے کہ آپ نے بیس روز قیام کیا۔ بعض نے لکھا ہے کہ اس سارے غزوہ میں 1½ (ڈیڑھ ماہ) صرف ہوا۔ پھر آپ مدینہ طیبہ تشریف لے آئے۔ صحابہ کرام کے دلوں میں فتح نہ ہونے کی وجہ سے اضطراب تھا۔ اس فتح میں انہیں کوئی شک وشبہ نہ تھا۔ اللہ رب العزت نے مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ کے مابین کراع الغمیم کے مقام پر سورۃ الفتح نازل فرمائی۔ ابن اسحاق کے قول کے مطابق یہ سورت ضجنان کے مقام پر نازل ہوئی۔

امام بخاری نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "مجھے حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "آج مجھ پر ایسی سورت نازل ہوئی جو مجھے ہر اس چیز سے پیاری ہے جس پر سورج طلوع ہوتا ہے"۔ پھر آپ نے تلاوت فرمائی: اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ﴿۱﴾

فتح سے مراد کیا ہے؟ اس میں صحابہ کرام کا اختلاف ہے۔ حضرات ابن عباس، انس، براء بن عازب رضی اللہ عنہم نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد فتح حدیبیہ اور وقوع صلح ہے۔ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ لغت میں فتح سے مراد بند چیز کو کھولنا ہے۔ صلح بند تھی حتیٰ کہ رب تعالیٰ نے اسے کھول دیا۔ اس فتح کا سبب مسلمانوں کو بیت اللہ سے روکنا ہے۔ ظاہراً اس میں مسلمانوں کی مغلوبیت نظر آتی ہے۔ لیکن درحقیقت یہ ان کے لیے عزت ہے۔ امن کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے سے ملنے لگے۔ مسلمانوں نے مشرکین کو قرآن پاک سنایا۔ مطمئن ہو کر ان کے ساتھ بحث ومباحثہ کیا۔ حالانکہ پہلے وہ مشرکین کے ساتھ صرف چھپ کر ہی گفتگو کر سکتے تھے۔ جو اسلام کو چھپاتا تھا وہ اس کا اظہار کرنے لگا۔ مشرکین نے عزت کا ارادہ کیا۔ لیکن وہ رسواء ہو گئے۔ وہ غلبہ کا ارادہ کیے ہوئے تھے۔ لیکن وہ مغلوب ہو گئے۔ منافقین کا گمان تھا کہ اب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل ایمان اپنے اہل خانہ کی طرف کبھی بھی واپس نہ آسکیں گے۔ بلکہ سارے شہید کر دیے جائیں گے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ فتح سے مراد فتح مکہ ہے۔ حدیبیہ سے واپسی پر اس سورت کا نزول ہوا۔ اس کے وقوع کے تحقیق کی وجہ سے اسے ماضی سے تعبیر کیا۔ اس میں جو فتح مکہ کی عظمت اور رفعت ہے وہ سب پر آشکارا ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے اہل مکہ کے متعلق آپ کے لیے ایک واضح فیصلہ کر دیا ہے کہ آپ اور آپ کے صحابہ کرام فتح کے ساتھ مکہ مکرمہ میں داخل ہوں گے۔ صحیح میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "تم فتح سے مراد فتح مکہ لیتے ہو۔ وہ بھی فتح ہے۔ مگر ہم اس فتح سے مراد بیعت رضوان لیتے ہیں"۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں "اس فتح سے کون سی فتح مراد ہے؟ اس میں قدیم زمانہ سے اختلاف چلا آرہا ہے۔ تحقیق یہ ہے کہ یہ اختلاف آیات کے معنی مراد میں ہے" اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ﴿۱﴾ "میں فتح سے مراد صلح حدیبیہ ہے کیونکہ صلح کے بعد امن قائم ہو گیا۔ مشرکین کے ساتھ جنگ کا خاتمہ ہوا جو اسلام قبول کرتے ہوئے ڈرتا تھا اس کے لیے امن کا پیغام ملا۔ مدینہ طیبہ جانا اس کے لیے آسان ہو گیا۔ فتح کا یہ عمل تسلسل سے جاری رہا حتیٰ کہ مکہ مکرمہ فتح ہو گیا۔ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۱۸﴾ سے مراد فتح خیبر ہے۔ اسی غزوہ میں مسلمانوں کو بہت زیادہ مال غنیمت ملا تھا۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً

یَاْخُذُوْنَهَا۔

امام احمد، ابوداؤد اور امام حاکم نے حضرت مجمع بن جاریہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا "ہم نے حدیبیہ میں شرکت کی۔ جب ہم واپس لوٹے تو ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کراع الغمیم کے مقام پر کھڑے ہوئے دیکھا۔ لوگ جمع ہو چکے تھے۔ آپ انہیں سورۃ الفتح پڑھ کر سنا رہے تھے۔ ایک شخص نے عرض کی "یارسول اللہ! کیا یہ فتح ہے؟ آپ نے فرمایا "مجھے اس ذات کریمانہ کی قسم جس کے دست تصرف میں میری جان ہے۔ یہ فتح ہے"۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نازل ہوئے تو عرض کی "یارسول اللہ! ہم آپ کو مبارکباد پیش کرتے ہیں" حضرت جبرائیل امین نے مبارکباد پیش کی تو دوسرے لوگ بھی مبارکباد عرض کرنے لگے۔ حضرت موسیٰ بن عقبہ، امام زہری اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے فرمایا "ہم صلح حدیبیہ سے واپس آرہے تھے۔ ایک شخص نے کہا "یہ فتح تو نہیں۔ ہمیں بیت اللہ سے روک دیا گیا"۔ ہمارے جانوروں کو روک دیا گیا۔ آپ اپنے دو صحابہ کے پاس تشریف فرما تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس شخص کی بات پہنچ گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اس نے کتنی بری بات کی ہے۔ بلکہ یہ اعظم الفتح ہے۔ مشرکین راضی ہو گئے ہیں کہ وہ تمہیں اپنی ہتھیلی کے ساتھ اپنے شہروں سے دور کردیں۔ تمہارے ساتھ صلح کا ارادہ کریں۔ امان میں تمہاری طرف رغبت کریں۔ انہوں نے تمہاری طرف سے وہ چیز دیکھی جو انہیں سخت ناپسند تھی۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان پر فتح دی۔ تمہیں صحیح وسالم اور اجر وثواب دے کر واپس لوٹایا۔ یہ سب فتوح سے بڑھ کر فتح ہے۔ کیا تمہیں غزوۂ احد کا روز بھول گیا ہے۔ جبکہ تم بھاگتے جارہے تھے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھتے تھے۔ میں تمہیں پیچھے سے بلا رہا تھا۔ کیا تم غزوۂ خندق کو بھول چکے ہو۔ جب دشمن تمہارے اوپر اور تمہارے نیچے سے آگئے۔ آنکھیں چندھیا گئیں تھیں۔ دل حلقوم تک پہنچ گئے تھے۔ تم رب تعالیٰ کے متعلق طرح طرح کے گمان کرنے لگے تھے"، مسلمانوں نے عرض کی "اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچ کہا ہے۔ اللہ کی قسم! یا نبی اللہ! یہ سب فتحوں سے عظیم فتح ہے۔ جس طرح آپ نے غور وفکر کیا ہے۔ ہم نے اس طرح سوچ وبچار نہیں کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ رب العزت کا سب سے زیادہ عرفان رکھتے ہیں اور اس کے امر کو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔

حضرت سعید بن منصور نے صحیح سند کے ساتھ امام شعبی سے روایت کیا ہے کہ اس سے پہلے ایسی کوئی فتح نہیں جو اس فتح سے عظیم ہو۔ جب بھی لوگ ملے، باہم قتال ہوا۔ جب یہ صلح ہوئی تو مشرکین مکہ کے ساتھ جنگ ختم ہوگئی۔ لوگ ایک دوسرے سے ملنے لگے۔ وہ گفتگو میں ایک دوسرے سے شرکت کرنے لگے۔ ہر صاحب دانش اور ذو عقل شخص ان دو سالوں میں دائرۂ اسلام میں داخل ہوگیا۔ ان دو سالوں میں اتنے زیادہ لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے جتنے اس سے قبل سارے عرصہ میں داخل ہوئے تھے یا اس سے زائد لوگوں نے اسلام کا اجالا پالیا۔ جب آپ صلح حدیبیہ کے لیے تشریف لائے تو آپ کے ہمراہ چودہ سو صحابہ کرام تھے۔ جب دو سال بعد فتح مکہ کے لیے تشریف لے گئے تو آپ کے ہمراہ دس ہزار کا لشکر جرار تھا۔ صلح حدیبیہ فتح مکہ کی پیش روتھی۔ جس کے بعد لوگ فوج درفوج دین اسلام میں داخل ہونے لگے۔ صلح حدیبیہ فتح مکہ کا مقدمہ تھا۔ اس کو فتح اس لیے کہا گیا ہے کیونکہ مقدمہ کا ظہور ظہور ہی ہوتا ہے۔

عجیب معجزہ

روایت ہے کہ حدیبیہ کے مقام پر قیام کے دوران صحابہ کرام کو سخت بھوک کا سامنا کرنا پڑا۔ انہوں نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ہمیں بھوک کی شدت نے آلیا ہے۔ آپ ہمارے لیے اونٹ ذبح فرمادیں تا کہ ہم اس کا گوشت کھائیں۔ اس کی چربی بطور تیل استعمال کریں اور اس کے چمڑے سے جوتے بنائیں'' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''یا رسول اللہ! اونٹ ذبح کرنے کی اجازت نہ دیں۔ لوگوں میں زائد سواریاں ہونا بہتر ہے۔ اگر کل ہم نے دشمن کے ساتھ ملاقات کی تو ہم پیادہ بھی ہوں گے اور بھوک بھی۔ لیکن میری رائے تو یہ ہے کہ آپ صحابہ کرام کو بقیہ زادِ راہ جمع کرنے کا حکم دیں۔ پھر آپ اس میں برکت کی دعا کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی برکت سے وہ کھانا انہیں کافی کردے گا'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اپنے دسترخوان اور چادریں بچھادو'' صحابہ کرام نے اسی طرح کیا، پھر فرمایا ''جس کے پاس بقیہ زادِ راہ یا کھانا ہو تو وہ ان پر ڈال دے''۔ آپ نے ان اشیاء پر دعا مانگی، پھر فرمایا ''اپنے اپنے برتن لے آؤ'' صحابہ کرام نے اپنے اپنے برتن بھر لیے۔ اتنا کھانا لیا جتنا رب تعالیٰ نے چاہا۔ انہوں نے جی بھر کر کھایا حتیٰ کہ سیر ہو گئے۔ وہ کھانا پھر بھی اتنا ہی باقی تھا۔

مسلم شریف میں ہے صحابہ نے فرمایا: ''ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں نکلے، ہمیں سخت بھوک نے آلیا۔ ہم نے ارادہ کرلیا کہ ہم اپنی سواریاں ذبح کرلیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں حکم دیا۔ ہم نے اپنے زادراہ کو جمع کیا۔ دسترخوان بچھائے، اس دسترخوان پر سارا زادراہ جمع کردیا۔ سارے صحابہ کرام اس دسترخوان کے اردگرد جمع ہو گئے۔ وہ دسترخوان بکری کے بچے کے برابر تھا۔ ہماری تعداد 1400 تھی۔ ہم نے جی بھر کر کھایا۔ پھر ہم نے اپنے برتن بھی بھر لیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ برکتیں دیکھ کر مسکرانے لگے حتیٰ کہ دندان مبارک ظاہر ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور میں رب تعالیٰ کا رسول برحق ہوں، جو شخص بھی ان دو گواہیوں کے ساتھ اپنے رب تعالیٰ سے ملاقات کرے گا وہ اسے آتش جہنم سے روک لے گا'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک صحابی سے فرمایا ''کیا پانی ہے؟ ایک شخص ایک چھاگل لے کر آیا۔ اس میں تھوڑا سا پانی تھا۔ آپ نے اسے پیالہ میں انڈیلا۔ اس میں اپنی مبارک ہتھیلی رکھی تو ہم چودہ سو صحابہ کرام نے اس کے ساتھ وضو کرلیا۔

بعض مفسرین نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان:

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَ مُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ (الفتح۔27)

''یقیناً اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا حق کے ساتھ کہ تم ضرور داخل ہوگے مسجد حرام میں جب اللہ نے چاہا امن وامان سے، منڈواتے ہوئے اپنے سروں کو یا ترشوائے ہوئے تمہیں (کسی کا) خوف نہ ہوگا''۔

کی تفسیر میں لکھا ہے کہ آپ نے حدیبیہ میں خواب دیکھا کہ آپ اور آپ کے صحابہ کرام حلق کرائے، قصر کرائے امن کے ساتھ مکہ مکرمہ میں داخل ہو رہے ہیں۔ آپ نے یہ خواب صحابہ کرام کو بتایا۔ جب انہیں روک دیا گیا تو انہوں نے عرض کی

''یارسول اللہ! آپ کا خواب؟ اللہ رب العزت نے یہ آیت طیبہ نازل کی۔

امام حلبی ''السیرۃ النبویہ'' میں رقمطراز ہیں ''اس میں کوئی مخالفت نہیں کہ مذکورہ خواب مدینہ طیبہ میں آیا تھا اور عمرہ کا احرام باندھنے کی ترغیب اسی نے ہی دلائی تھی کیونکہ ممکن ہے یہ خواب کئی بار آیا ہو'' بعض علمائے کرام نے لکھا ہے کہ جب عمرہ کی ادائیگی کے لیے آپ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اور سر اقدس کا حلق کرایا تو فرمایا ''اس کا میں نے تم سے وعدہ کیا تھا'' جب فتح مکہ کے روز چابی لی تو فرمایا ''عمر فاروق کو میری طرف بلاؤ'' فرمایا ''میں نے تمہیں یہی کہا تھا'' جب حجۃ الوداع میں عرفہ میں قیام فرمایا تو فرمایا ''میں نے تم سے یہی کہا تھا'' اگر یہ کہا جائے کہ آپ نے خواب میں یہ تو نہیں کہا تھا کہ آپ خانہ کعبہ کی چابی لیں گے اور عرفات میں قیام فرمائیں گے۔ تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ممکن ہے آپ نے خواب کے بعد یہ فرمایا ہو یا اس سے مراد صرف آپ کا مکہ مکرمہ میں داخل ہونا ہی ہو'' وہ درخت جس کے پاس بیعت رضوان ہوئی تھی اس کے متعلق حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اپنے دور خلافت میں خبر ملی کہ لوگ اس کے پاس نماز پڑھتے ہیں۔ اس کا طواف کرتے ہیں تو آپ اس معاملہ کی وسعت اور بدعت ظاہر ہونے سے خوفزدہ ہوگئے کہ اس کی کہیں اس طرح عبادت نہ کی جائے جس طرح بتوں کی عبادت کی جاتی تھی۔ آپ نے اسے کاٹ دینے کا حکم دیا۔

خواتین کی ہجرت کا معاملہ

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ جلوہ افروز ہوگئے تو حضرت ام کلثوم بنت عقبہ رضی اللہ عنہا ہجرت کر کے آپ کے پاس آگئیں۔ انہوں نے مکہ معظمہ میں اسلام قبول کرلیا تھا۔ ہجرت کرنے سے پہلے بیعت بھی کی تھی۔ پھر صلح کی مدت میں ہجرت کرتے ہوئے پیادہ ہی مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ آگئیں۔ ان کے ہمراہ بنوخزاعہ کا ایک شخص تھا۔ حتیٰ وہ مدینہ طیبہ آگئیں۔ یہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی والدہ کی طرف سے بہن تھیں۔ کیونکہ ان کی والدہ نے ان کے والد کی وفات کے بعد عقبہ بن ابی معیط سے شادی کرلی تھی۔ جس سے ولید بن عقبہ اور ام کلثوم بنت عقبہ پیدا ہوئے تھے۔ بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ یہ پہلی خاتون ہیں جنہوں نے ہجرت کی۔ مگر اس مؤقف میں اعتراض کی گنجائش ہے، جب یہ مدینہ طیبہ آئیں تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ انہیں عرض کی کہ وہ ہجرت کر کے آگئیں ہیں۔ انہیں خدشہ لاحق ہوا کہ کہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں واپس نہ بھیج دیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں جلوہ افروز ہوئے تو انہوں نے آپ کو حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے متعلق بتایا۔ آپ نے خوش آمدید کہا۔ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے دو بھائی الولید اور عمارہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے عرض کی ''محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) معاہدہ کے مطابق ام کلثوم کو واپس کردیں'' حضرت ام کلثوم نے عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میں عورت ہوں۔ خواتین کمزور ہوتی ہیں کیا۔ آپ مجھے کفار کی طرف لوٹا دیں گے حتیٰ کہ وہ مجھے میرے دین کے متعلق فتنہ میں ڈال دیں۔ مجھ سے صبر نہیں ہوسکے گا'' اس وقت قرآن پاک نازل ہوگیا کہ اہل ایمان خواتین واپس نہ کی جائیں اور وہ شرط صرف مردوں کے بارے ہے۔ عورتوں کو خوب آزمالیا جائے۔ ارشاد ربانی ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ (الممتحنہ:10)

''اے ایمان والو! جب آجائیں تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے تو ان کی جانچ پڑتال کر لو''۔

حضور ﷺ نے انکار کر دیا کہ آپ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو واپس کریں۔ مسلمان خواتین جو ہجرت کر کے آتیں ان کی آزمائش کا مفہوم یہ ہے کہ وہ خاتون قسم اٹھائے کہ وہ جھگڑا کر کے نہیں آئی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محترم ﷺ کے لیے ہجرت کر کے آئی ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ جب کوئی خاتون ہجرت کر کے آئے تو وہ رب تعالیٰ کی قسم اٹھائے کہ وہ کسی ایک زمین کو چھوڑ کر دوسری زمین میں رغبت رکھتے ہوئے نہیں آئی۔ وہ قسم اٹھائے کہ وہ اپنے خاوند سے بغض رکھتے ہوئے نہیں آئی۔ وہ قسم اٹھائے کہ وہ دنیا کی جستجو میں نہیں آئی۔ نہ ہی کسی مسلمان شخص کے لیے آئی ہے۔ وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب ﷺ کی محبت میں آئی ہے'' جب وہ اس طرح قسم اٹھالے تو اسے نہیں لوٹایا جائے گا۔ بلکہ اس کے خاوند کو اس کا حق مہر واپس کر دیا جائے گا۔ جب عمارہ اور ولید مکہ مکرمہ پہنچے تو انہوں نے قریش مکہ کو یہ بات بتائی تو وہ اس پر راضی ہو گئے۔ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا مکہ مکرمہ میں کوئی خاوند نہ تھا۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ شادی کر لی۔ صلح کی مدت میں مردوں کو تو واپس کر دیا جاتا تھا مگر خواتین کو واپس نہیں کیا جاتا تھا۔

حضرت ابو بصیر کا واقعہ

اسی طرح حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ بھی مکہ مکرمہ سے بھاگ کر حضور ﷺ کی خدمت میں آگئے۔ انہوں نے مکہ مکرمہ میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ قریش مکہ نے انہیں محبوس کر دیا۔ وہ بھاگ کر مدینہ طیبہ چلے گئے۔ ازہر بن عبد عوف نے انہیں واپس بھیجنے کے لیے لکھا۔ اس نے بعد میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ یہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا چچا تھا۔ بنو زہرہ کا حلیف اخنس بن شریق الثقفی نے بھی خط لکھا۔ اس نے بھی بعد میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ انہوں نے یہ خط بنو عامر کے ایک شخص خنیس اور اس کے غلام کے ہاتھوں بھیجا۔ یہ خط لے کر بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کو یہ خط پڑھ کر سنایا۔ اس میں لکھا ہوا تھا: ''آپ جانتے ہیں جس شرط پر ہماری صلح ہوئی تھی کہ ہمارا جو شخص آپ کے پاس جائے گا آپ اسے واپس کر دیں گے۔ لہٰذا ہمارے ساتھی کو واپس بھیج دیں''۔ حضور ﷺ نے فرمایا ''ابو بصیر! جس شرط پر اس قوم کے ساتھ ہمارا معاہدہ ہوا ہے تم جانتے ہو۔ ہمارے دین میں دھوکہ اور فریب نہیں ہے''۔ انہوں نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم کیا آپ مجھے مشرکین کی طرف بھیج رہے ہیں کہ وہ مجھے دین کے متعلق فتنہ میں مبتلا کر دیں'' حضور ﷺ نے فرمایا ''ابو بصیر! چلے جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اور تمہارے ارد گرد کمزور مسلمانوں کے لیے ضرور کوئی سبیل پیدا فرما دے گا'' حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ ان دونوں کے ساتھ عازم سفر ہو گئے۔ مسلمان کہنے لگے ''یہ شخص ایک ہزار شخص سے بہتر ثابت ہو گا'' ان کا مقصد حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ کو برانگیختہ کرنا تھا۔ جب وہ ذوالحلیفہ پہنچے تو وہ سایۂ دیوار میں بیٹھ گئے۔ ان کے ساتھ دور فقیانِ راہ بھی تھے۔ حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے ان میں سے ایک ساتھی سے کہا ''بھائی! تمہاری شمشیر کی دھار تیز ہے؟ اس نے کہا ''ہاں'' دیکھ لو اگر چاہتے ہو'' عامری نے اپنی تلوار سونتی، پھر اسے لہرایا اور کہا ''میں اوس اور خزرج میں اس تلوار کے ساتھ صبح سے لے کر شام تک شمشیر زنی کروں گا'' حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے کہا ''مجھے پکڑاؤ، میں اسے دیکھوں

انہوں نے وہ شمشیر بے نیام لی اور ایک ہی وار میں عامری کا سر قلم کر دیا۔ پھر اس غلام کو تلاش کیا جو عامر کا راہبر بن کر آیا تھا۔ وہ جلدی سے بھاگ نکلا، حتیٰ کہ وہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آ گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے دیکھا تو اس کی تیز رفتاری کی وجہ سے سنگریزے اس کے پاؤں کے نیچے سے اڑ رہے تھے۔ حضرت ابوبصیر اس کے تعاقب میں تھے۔ اس نے انہیں عاجز کر دیا تھا۔ آپ نے فرمایا "یہ شخص گھبرایا ہوا آ رہا ہے" جب وہ آپ کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے فرمایا "تجھے کیا ہوا ہے؟ اس نے عرض کی "آپ کے ساتھی نے میرے ساتھی کو مار ڈالا ہے۔ میں بھاگ کر آیا ہوں۔ ورنہ وہ مجھے بھی موت کے گھاٹ اتار دیتا"۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مدد طلب کی۔ آپ نے اسے پناہ دی۔ حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ بھی عامر کے اونٹ پر آ گئے۔ انہوں نے مسجد کے دروازہ میں اونٹ بٹھایا اور تلوار سونتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ انہوں نے آپ سے عرض کی "یا رسول اللہ! یہ عامری کا سامان ہے جسے میں نے قتل کیا ہے۔ یہ اس کا کجاوہ ہے اور یہ اس کی تلوار ہے۔ اس کا خمس نکالیں" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اگر میں نے اس کا خمس لے لیا تو قریش مکہ مجھے کہیں گے کہ میں نے وہ عہد پورا نہیں کیا جو ان کے ساتھ کیا تھا۔ تم اپنے ساتھی کا سامان لے کر چلے جاؤ" حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ شام کی شاہراہ پر چلے گئے، جہاں سے قریش کے کارواں گزرتے تھے۔ ان کے پاس وہ مسلمان بھی جمع ہوتے گئے جو مکہ مکرمہ میں محبوس تھے۔ وہ چوری چھپے ان کے پاس جانے لگے۔ وہ حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ جا کر مل گئے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں نہ آنا چاہا، کیونکہ انہیں خطرہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں معاہدہ کی وجہ سے واپس کر دیں گے۔ ان کے ساتھ غفار، اسلم، جہینہ اور عرب کے قبائل کے دیگر وہ افراد بھی مل گئے جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا، حتیٰ کہ ان کی تعداد تین سو ہو گئی۔ وہ قریش کے قافلوں پر حملے کرنے لگے۔ وہ جس پر بھی غلبہ پا لیتے اسے قتل کر لیتے۔ کارواں کا سامان لے لیتے، حتیٰ کہ قریش مکہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لکھا کہ وہ آپ کو صلہ رحمی کا واسطہ دیتے ہیں کہ آپ ان کو پناہ دے دیں۔

دوسری روایت کے مطابق قریش نے اس کام کے لیے ابوسفیان بن حرب کو بھیجا۔ قریش نے یہ شرط ختم کر دی۔ انہوں نے کہا "اس کارواں نے ہمارے لیے مصائب کا دروازہ کھول دیا ہے۔ اس شرط کو برقرار رکھنا درست نہیں" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبصیر اور حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہما کی طرف لکھا کہ یہ دونوں حضرات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جائیں۔ دیگر مسلمان اپنے قبائل اور اہل خانہ کے پاس چلے جائیں۔ وہ قریش کے کسی کارواں کے ساتھ تعرض نہ کریں"۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ مکتوب گرامی ان تک پہنچا تو حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ پر تو نزع کا عالم تھا۔ پھر ان کا وصال ہو گیا۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گرامی نامہ ان کے ہاتھ میں تھا۔ وہ اسے پڑھ رہے تھے۔ حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ نے انہیں اسی جگہ دفن کر دیا۔ ان کی قبر انور کے پاس مسجد بنا دی۔ حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ اپنے بعض ساتھیوں سمیت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ باقی مسلمان اپنے اہل خانہ کے پاس لوٹ گئے۔ قریش کے کارواں امن و سلامتی سے آنے جانے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان سچ ثابت ہو گیا "عنقریب رب تعالیٰ ابوجندل اور ان کے ساتھیوں کے لیے کوئی سبیل پیدا فرما دے گا" ان صحابہ کرام کو بھی علم ہو گیا جن پر حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ کو سہیل بن عمرو کے ساتھ واپس لوٹانا گراں گزرا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

اطاعت اس چیز سے بہتر ہے جسے وہ پسند کرتے تھے۔ آپ ﷺ کی رائے ان کی رائے سے افضل تھی۔ انہیں علم ہو گیا کہ صلح کرنا ہی ان کے لیے بہتر تھا۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

غزوۂ خیبر

غزوۂ خیبر کی تاریخ

خیبر، جعفر کے وزن پر ہے۔ یہ ایک بڑا شہر تھا جو کئی قلعوں، کھیتیوں اور نخلستانوں پر مشتمل تھا۔ یہ مدینہ طیبہ سے آٹھ برید دُور شام کی طرف تھا۔ ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ حضور ﷺ حدیبیہ سے واپس تشریف لائے تو ذوالحجۃ اور محرم کے کچھ ایام مدینہ طیبہ ہی جلوہ افروز رہے۔ پھر محرم 7 ھ کو خیبر کے لیے تشریف لے گئے۔ ابن عقبہ نے امام زہری سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے مدینہ طیبہ میں بیس روز قیام فرمایا۔ ایک روایت دس دنوں کی جبکہ دوسری روایت پندرہ دنوں کی ہے۔ آپ نے اس سے زائد روز تک خیبر کے قلعوں کا محاصرہ کیے رکھا، حتیٰ کہ صفر میں انہیں فتح کر لیا۔ امام مالک کے نزدیک غزوۂ خیبر 6 ھ کو رونما ہوا تھا۔ ابن حزم نے یہی قول کیا ہے۔ لیکن حافظ ابن حجر لکھتے ہیں "ابن اسحاق کا قول راجع ہے۔ جمہور کا مؤقف یہی ہے۔ آپ ﷺ نے حضرت غیلہ بن عبداللہ اللیثی رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ میں اپنا نائب مقرر کیا۔ دوسری روایت کے مطابق نیابت کے فرائض حضرت سباء بن عرفطہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کیے۔ ان دونوں روایات کو جمع کرنا ممکن ہے کہ ان میں سے پہلے ایک کو اپنا نائب مقرر کیا پھر کسی اور اہم امر کی وجہ سے دوسرے کو بھی نیابت کے فرائض سونپ دیے۔ آپ ﷺ کے ہمراہ چودہ سو مجاہدین تھے۔ دو سو شہ سوار تھے۔ آپ نے ان مجاہدین کو اس غزوہ میں شرکت کے لیے دعوت دی جو حدیبیہ کے مقام پر شریک ہوئے تھے۔ غزوۂ حدیبیہ میں سے پیچھے رہ جانے والے حاضر ہوئے تاکہ وہ بھی آپ کے ساتھ نکلیں، ان کا مقصد مال غنیمت کا حصول تھا۔ آپ نے فرمایا "میرے ساتھ صرف جہاد کی نیت سے نکلو۔ مال غنیمت کے حصول کے لیے نہ نکلو" پھر اعلان کرنے والے نے کوچ کا اعلان کر دیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ جب حضور ﷺ خیبر کے لیے تشریف لے جانے لگے تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا "میرے لیے ایک بچہ تلاش کرو جو میری خدمت کرے" حضرت ابوطلحہ مجھے اپنے پیچھے بٹھا کر لے آئے۔ میں اس وقت نابالغ بچہ تھا۔ جب حضور ﷺ نیچے اترتے تو میں آپ ﷺ کی خدمت کرتا۔ میں نے سنا آپ اکثر یہ دعا مانگا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْھَمِّ وَالْحُزْنِ وَالْعِجْزِ وَالْکَسْلِ وَالْجُبْنِ وَضَلَعِ الدَّیْنِ وَغَلَبَةِ الرِّجَالِ

امام حلبی نے لکھا ہے "یہ سیاق اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ سب سے پہلے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے آپ کی خدمت کرنے کی سعادت حاصل کی۔ یہ اس روایت کے مخالف ہے جس میں ہے کہ جب حضور ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ نے انہیں بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں پیش کیا اور عرض کی "یہ میرا بچہ ہے۔ یہ ایک دانا بچہ ہے" اس

وقت ان کی عمر آٹھ یا نو یا دس سال تھی۔ مسلم شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے، انہوں نے فرمایا ''میری امی جان مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے آئیں۔ انہوں نے اپنے دوپٹے کے نصف کو میرے لیے بطور ازار بند اور دوسرا نصف میرے اوپر ڈالا ہوا تھا۔ انہوں نے عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم یہ انس میرا فرزند ہے۔ میں اسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتی ہوں تاکہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے لیے دعا فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا فرمائی ''مولا! اس کے مال اور اولاد کو کثیر کردے'' امام مسلم کے علاوہ دیگر محدثین نے یہ دعا نقل کی ہے ''مولا! اس کی عمر طویل کردے اور اسے جنت میں داخل فرما'' ان دونوں روایات میں کوئی مخالفت نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا ہو تاکہ وہ ایسا بچہ لے کر آئیں جو سفر کرنے میں حضرت انس سے قوی ہو۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حضرت انس رضی اللہ عنہ پر شفقت تھی۔ اللہ رب العزت نے حدیبیہ سے واپسی پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مغانم کثیرہ کا وعدہ کیا تھا۔ ارشاد ربانی ہے:

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَأْخُذُوْنَهَا (الفتح: 20)

''(اے غلامانِ مصطفیٰ) اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ فرمایا ہے جنہیں تم (اپنے اپنے وقت پر) حاصل کرو گے''۔

اس سے مراد خیبر کا مال غنیمت ہے۔ امہات المومنین میں سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اس سفر میں رفاقت کی سعادت ابدی نصیب ہوئی۔

حضرت عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ کی بلند اقبالی

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اس سفر میں حضرت عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''نیچے اترو اور ہمیں اپنے رجز اور اشعار سناؤ'' دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں ''نیچے اترو اور ہماری سواریوں کو تیز چلاؤ''۔ حضرت عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ بڑی پرسوز آواز میں حُدی خوانی کرتے تھے۔ حضرت عامر رضی اللہ عنہ ایک شاعر انسان تھے۔ انہوں نے عرض کی ''یارسول اللہ! میں نے اشعار کہنا چھوڑ دیا ہے'' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''نیچے اترو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان سنو اور اطاعت کرو'' وہ نیچے اترے وہ یہ اشعار پڑھنے لگے:

واللہ لولا اللہ ما اھتدینا ولا تصدقنا ولا صلینا
فاغفر فداءً لک ما ابقینا والقین سکینۃ علینا
وثبت الاقدام ان لاقینا انا اذ صیح بنااتینا
بالصیاح عوّلوا علینا ونحن عن فضلک ما استغنینا
ان الذین قد بغوا علینا اذا ارادو فتنۃ ابینا

''قسم بخدا! اگر رب تعالیٰ نہ ہوتا تو ہمیں ہدایت نصیب نہ ہوتی۔ نہ صدقہ دینے کی توفیق ہوتی۔ نہ ہی نماز پڑھنے کی۔

تجھ پر نثار! جب تک ہم باقی ہیں ہمیں معاف کر دے اور ہم پر سکینہ نازل فرما۔ اگر ہم دشمن سے نبرد آزما ہوں تو ہمیں ثابت قدم فرما۔ جب ہمیں جہاد کے لیے پکارا جاتا ہے تو ہم حاضر ہو جاتے ہیں۔ انہوں نے شور وغل کے ساتھ ہم پر حملہ کر دیا ہے اور ہم تیرے فضل وکرم سے مستغنی نہیں ہیں۔ بلاشبہ ان لوگوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے جب انہوں نے فتنہ کا ارادہ کیا تو ہم نے انکار کر دیا"۔

جب انہوں نے یہ اشعار پڑھے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تمہارا رب تعالیٰ تم پر رحم کرے" دوسری روایت میں ہے کہ تمہارا رب تمہارے گناہ بخش دے" ایسے مقام پر جب بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کو یوں فرمایا تو اسے شہادت نصیب ہوگئی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ان کے لیے شہادت لازم ہوگئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں ان سے تادیر لطف اندوز نہیں ہونے دیا"۔ حضرت عامر رضی اللہ عنہ اسی غزوہ میں شہید ہو گئے۔ انہی کی تلوار ان کے اوپر آ گری جس نے انہیں شہید کر دیا۔ وہ تلوار ایک یہودی کو مارنا چاہتے تھے اس کی دھار انہی کے گھٹنوں پر لگی۔ جس سے یہ وصال کر گئے۔ لوگ کہنے لگے "ان کو اپنے ہتھیار نے ہی قتل کر دیا۔ یہ شہید نہیں ہیں"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "یہ شہید ہیں" دوسری روایت میں ہے کہ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے عرض کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم لوگ گمان کرتے ہیں کہ عامر کے اعمال اکارت گئے"۔ دوسرے الفاظ میں ہے کہ حضرت اسید بن حضیر اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام کی ایک جماعت کا گمان ہے کہ عامر برباد ہو گئے کیونکہ وہ اپنی تلوار سے ہی قتل ہو گئے" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جس نے یہ بات کی ہے اس نے غلطی کی ہے بلاشبہ حضرت عامر رضی اللہ عنہ کے لیے دو اجر ہیں۔ آپ نے دو انگلیوں کو ملا دیا، وہ ایک کوشش کرنے والا مجاہد تھا۔ جہاد کرنے والا، بذات خود کوشش کرنے والا۔ جب ان کے دو وصف ہوئے تو ان کے لیے دو اجر ہیں۔

خیبر میں جلوہ نمائی

امام بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شام کے وقت خیبر کے قریب پہنچ گئے۔ آپ اور آپ کے صحابہ کرام اسی جگہ سو گئے۔ صبح ان یہودیوں کی طرف گئے اور جہاد کا آغاز کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول مبارک یہ تھا کہ آپ جب کسی قوم کے پاس رات کے وقت پہنچتے تو اس پر حملہ کرنے میں جلدی نہ کرتے۔ صبح کا انتظار فرماتے۔ اگر آذان کی آواز سنتے تو حملہ کرنے سے رک جاتے ورنہ حملہ کر دیتے۔ جب آپ خیبر پہنچے تو آپ نے انتظار فرمایا۔ صبح ہوئی تو آپ نے اذان کی آواز نہ سنی تو آپ سوار ہو گئے۔ ابن اسحاق کی روایت کے مطابق جب آپ نے خیبر کو دیکھا تو اپنے صحابہ کرام سے فرمایا "رک جاؤ" پھر آپ نے یہ دعا مانگی "مولا! اے آسمانوں کے رب اور ہر اس چیز کے پروردگار جس پر وہ سایہ فگن ہیں، اے زمینوں کے مالک اور ہر اس چیز کے مالک جسے وہ اٹھائے ہوئی ہیں، اے شیطانوں کے رب اور ہر اس چیز کے پروردگار جسے وہ گمراہ کرتے ہیں، اے ہواؤں کے رب اور جسے وہ بکھیرتی ہیں اس کے رب! ہم تجھ سے اس شہر کی بھلائی، اس کے اہل کی بھلائی اور جو کچھ بھی اس میں ہے اس کی بھلائی کا سوال کرتے ہیں۔ ہم اس کے شر سے اس کے اہل کے شر سے جو کچھ اس میں ہے اس کے شر سے تیری پناہ مانگتے ہیں"۔ اللہ تعالیٰ کا نام مبارک لے کر آگے بڑھو"۔ جب آپ کسی بستی میں داخل ہونا

چاہتے پہلے یہ دعا مانگتے۔ وقت صبح یہودی اپنی کسیوں اور ٹوکروں سمیت اپنے کھیتوں میں جانے کے لیے نکلے۔

امام واقدی نے لکھا ہے کہ اہل خیبر نے سن رکھا تھا کہ حضور ﷺ ان کے ارادہ سے عازم سفر ہو چکے ہیں۔ وہ ہر روز دس ہزار جنگ جوؤں کے ساتھ باہر نکلتے، وہ تلواریں سونت لیتے۔ صفیں بنا لیتے۔ پھر کہتے ''محمد عربی (ﷺ) ہم پر حملہ آور ہوں گے ہائے! ہائے! حتیٰ کہ جس رات حضور ﷺ وہاں تشریف فرما ہوئے تو سارے جنگجو سو گئے۔ ان کی کسی سواری نے بھی حرکت نہ کی۔ نہ ہی ان کے کسی مرغ نے آواز نکالی، حتیٰ کہ سورج طلوع ہو گیا۔ وہ کسیاں لے کر کھیتوں کی طرف نکلے تو انہوں نے مسلمانوں کو دیکھ لیا۔ جب انہیں دیکھا تو کہا ''محمد عربی (ﷺ) اور لشکر آ گیا ہے'' حضور ﷺ نے فرمایا ''اللہ اکبر! خیبر تباہ ہو گیا۔ جب ہم کسی قوم کے صحن میں اترتے ہیں تو ان کی صبح بری ہوتی ہے جنہیں ڈرایا جاتا ہے'' آپ نے تین بار اسی طرح کہا۔ تنزیل میں ہے جب تم کسی گروہ سے جنگ آزما ہوں تو ثابت قدم رہو، اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرو۔ تین کا عدد کثرت کی ابتداء ہے۔ حضور ﷺ نے فلس میں نماز صبح ادا کی۔ پھر اپنا جھنڈا ''العقاب'' حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ ایک جھنڈا حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ آپ نے وادی الرجیع میں نزول اجلال فرمایا۔ یہ وادی یہودیوں اور غطفان کے مابین تھی۔ تاکہ بنو غطفان یہودیوں کی مدد نہ کر سکیں یہ ان کے حلیف تھے۔ بنو غطفان نے جنگ کی تیاری کر رکھی تھی۔ وہ خیبر آنا چاہتے تھے۔ انہوں نے اپنے پیچھے سے آواز سنی، انہوں نے گمان کیا کہ مسلمان ان کے پیچھے ہیں۔ جو ان کی اولاد پر حملہ آور ہو جائیں گے۔ بنو غطفان واپس لوٹ آئے۔ وہ اپنی جگہ پر ٹھہر گئے۔ اور یہودیوں کو چھوڑ دیا۔ روایت ہے کہ جب آپ نے خیبر کی طرف توجہ کی۔ وادی سے لوگوں کی طرف دیکھا تو انہوں نے ''اللہ اکبر! لا الہ الا اللہ'' باواز بلند کہا۔ آپ نے فرمایا ''اپنے نفوس کے ساتھ نرمی کرو۔ اپنی آواز اتنی بلند نہ کرو، تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں بلا رہے۔ تم سمیع اور قریب کو پکار رہے ہو۔ وہ تمہارے ساتھ ہے''۔

نزول اجلال

عبداللہ بن ابی نے خیبر کے یہودیوں کی طرف یہ پیغام بھیجا ''محمد عربی (ﷺ) تمہاری طرف آ رہے ہیں۔ اپنا بچاؤ کر لو۔ اپنے اموال قلعوں میں داخل کر لو۔ ان کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے باہر نکل آؤ۔ ان کا خوف نہ کھاؤ، تمہاری تعداد بہت زیادہ ہے۔ حضور ﷺ کے ساتھیوں کی تعداد بہت قلیل ہے۔ ان کے پاس اسلحہ بھی قلیل ہے'' آپ نے یہ فرمایا ''اللہ اکبر! خیبر برباد ہو گیا'' کیونکہ آپ نے گرانے کے آلات دیکھے۔ وہ کسیاں اور کدالیں تھیں۔ آپ نے اچھی فال لی کہ خیبر عنقریب برباد ہو جائے گا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ رب تعالیٰ نے وحی کے ذریعے آپ کو بتا دیا ہو، یہی بات صحیح ہے۔ یہودیوں نے اپنے اموال اور عیال کتیبہ کے قلعوں میں داخل کر دیے۔ اسلحہ نطاۃ کے قلعوں میں رکھا۔ حضور ﷺ نطاۃ کے قلعوں کے قریب ہی خیمہ زن ہو گئے۔ حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم اگر آپ اس جگہ امر الٰہی کی وجہ سے فروکش ہوئے ہیں تو پھر سر تسلیم خم ہے۔ اگر آپ کی رائے ہے تو ہمارا مشورہ ہے'' آپ ﷺ نے فرمایا ''رائے ہے'' انہوں نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم اہل نطاۃ کو میں جانتا ہوں۔ کوئی ایسی قوم نہیں جو

ان سے دور تک تیر اندازی کر سکتی ہو۔ ان کے تیروں کا اندازہ بالکل صحیح ہوتا ہے۔ وہ ہم سے بلند جگہ پر بھی ہیں ہم ان کے گھروں سے محفوظ نہیں ہیں۔ ممکن ہے وہ کھجوروں کے جھنڈ سے ہم پر حملہ آور ہو جائیں۔ یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم کسی اور جگہ فروکش ہو جائیں'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ''تم نے بڑا صائب مشورہ دیا ہے۔ رات کے وقت ہم کسی دوسری جگہ منتقل ہو جائیں گے ان شاء اللہ''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو بلایا۔ ان سے فرمایا ''ہمارے لیے ان سے دور کوئی معقول جگہ تلاش کرو''۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ جگہ کی جستجو میں نکلے۔ پھر عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میں نے آپ کے لیے ایک بہت ہی مناسب جگہ تلاش کر لی ہے'' آپ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ کی برکت کے ساتھ اٹھو۔ رات کے وقت آپ اس جگہ منتقل ہو گئے۔ صحابہ کرام کو بھی اسی جگہ خیمہ زن ہونے کا حکم دیا۔ دوسری روایت کے الفاظ ہیں کہ آپ کی ناقہ مبارکہ اٹھی، وہ اپنی نکیل کو گھسیٹے جا رہی تھی۔ اسے واپس لانے کے لیے اسے پا لیا گیا۔ آپ نے فرمایا ''اسے چھوڑ دو اسے حکم دیا گیا ہے'' جب وہ چٹان کی ایک طرف گئی تو وہاں بیٹھ گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی اس چٹان کے پاس جلوہ نما ہو گئے۔ صحابہ کرام بھی اسی جگہ منتقل ہو گئے۔ یہ جگہ اہل خیبر اور بنو غطفان کے مابین حائل تھی۔ آپ نے وہاں مسجد بنا دی اور جب تک خیبر میں تشریف فرما رہے، نماز وہی ادا فرماتے رہے۔ آپ نے نطاۃ کے قلعوں کی کھجوریں کاٹنے کا حکم دیا۔ صحابہ کرام انہیں کاٹنے میں مصروف ہو گئے۔ حتیٰ کہ چار سو کھجوریں کاٹ دیں۔ پھر آپ نے منع کر دیا۔ خیبر کی ان کھجوروں کے علاوہ اور کھجوریں نہ کاٹی گئیں۔

آغاز جنگ

اس روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے شدید قتال کیا۔ آپ نے دو زرہیں پہن رکھی تھیں۔ آپ نے خود اور خود کے نیچے ٹوپی پہن رکھی تھی۔ آپ اپنے الظرب گھوڑے پر جلوہ فرما تھے۔ دست اقدس میں ڈھال اور نیزہ پکڑا ہوا تھا جو یہ روایت ہے کہ آپ گدھے پر سوار تھے جس کی رسی کھجور کی چھال کی بنائی ہوئی تھی۔ اس کا پالان بھی کھجور کے پتوں سے بنایا گیا تھا یہ سواری شاید آپ نے رستہ میں کی ہو۔ حالت جنگ میں آپ نے اس گھوڑے پر سواری کی تھی۔ آپ نے قلعہ ناعم پر تیر اندازی شروع کی۔ یہ نطاۃ کے قلعوں میں سے ایک تھا۔ یہودیوں نے قتال کیا۔ آپ بھی اور صحابہ کرام بھی نبرد آزما ہو گئے۔ آپ نے جھنڈا ایک مہاجر صحابی کو عطا فرمایا وہ واپس آ گئے، کامرانی حاصل نہ ہوئی۔ دوسرے روز جھنڈا دوسرے مہاجر صحابی کو عطا کر دیا۔ وہ بھی لوٹے تو کامیابی نصیب نہ ہوئی۔ یہودی لشکر باہر نکل آئے، ان کے آگے آگے ناشر نامی شخص تھا۔ انصار واپس آ گئے حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس لوٹ آ گئے۔ یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر بڑی گراں گزری۔ آپ مغموم ہو گئے، اسی روز حضرت محمود بن مسلمہ رضی اللہ عنہ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے بھائی شہید ہو گئے۔ اس قلعہ سے ان پر چکی پھینکی گئی تھی۔ مرحب یہودی نے ان پر یہ چکی گرائی تھی۔ دوسری روایت کے مطابق یہ کام کنانہ بن ربیع یہودی نے کیا تھا۔ ممکن ہے دونوں نے مل کر چکی گرائی ہو۔ حضرت محمود بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اتنی زیادہ جنگ آزمائی کی کہ وہ تھک گئے۔ انہیں اسلحہ بھاری لگنے لگا، گرمی بلا کی تھی۔ وہ اس قلعہ کے سایہ میں آ گئے تو ان پر چکی کا پاٹ گرا دیا گیا۔ زخم اتنا شدید تھا کہ سر کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ ان کی پیشانی کی جلد چہرے پر بہہ پڑی۔ آنکھیں باہر نکل آئیں۔ صحابہ کرام انہیں اٹھا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں لے آئے۔ ان کی جلد برابر کی گئی۔ مرہم

پٹی کی گئی، لیکن زخم اتنا شدید تھا کہ حضرت محمود بن مسلمہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کناں ہوئے "یہود نے میرے بھائی محمود بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا ہے" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "دشمن کے ساتھ نبرد آزما ہونے کی تمنا نہ کیا کرو، ہمیشہ عافیت کا سوال کیا کرو، تمہیں علم نہیں کہ تمہیں کسی اذیت میں مبتلاء کر دیا جائے۔ جب تم دشمن سے ملاقات کرو تو یہ دعا مانگا کرو:

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبُّنَا وَ رَبُّهُمْ وَنَوَاصِيْنَا وَنَوَاصِيْهِمْ بِيَدِكَ وَاِنَّمَا يَقْتُلُهُمْ اَنْتَ

"مولا! تو ہمارا پروردگار ہے۔ ان کا پروردگار تو ہی ہے، ہماری پیشانیاں اور ان کی پیشانیاں تیرے دستِ تصرف میں ہیں۔ بلاشبہ انہیں تو ہی قتل کرتا ہے"۔

پھر زمین کو لازم پکڑلو۔ جب وہ تم پر چھانے لگیں تو اٹھ جاؤ اور تکبیر کہو"۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لگا تار سات روز نطاۃ کے قلعوں کے یہودیوں کے ساتھ جنگ کرتے رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر روز حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر جاتے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو لشکر گاہ میں اپنا نائب مقرر فرماتے۔ رات کے وقت آپ اسی جگہ لوٹ آتے۔ زخمی صحابہ کرام کی مرہم پٹی ہوتی۔ رات کی نگرانی باری باری صحابہ کرام کے لیے مقرر ہوتی۔ چھٹی رات حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی باری تھی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ لشکر گاہ کے اردگرد چکر لگا رہے تھے۔ آپ نے اپنے ساتھیوں کو مختلف مقامات پر متعین کر رکھا تھا۔ نصف رات کو ایک یہودی آیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس کی گردن اڑا دینے کا حکم دیا۔ اس نے کہا "میں تمہارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جا رہا ہوں۔ میں ان سے چند باتیں کرنا چاہتا ہوں"۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ رک گئے۔ وہ شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خیمہ کے پاس گیا۔ آپ نماز پڑھ رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہودی سے پوچھا "تمہارے پیچھے کے حالت کیسے ہیں؟ اس نے عرض کی "ابوالقاسم! کیا آپ مجھے پناہ دیتے ہیں" آپ نے فرمایا "ہاں" اس نے عرض کی "میں نطاۃ کے قلعوں سے نکل کر آیا ہوں، وہ یہودی اس رات چوری چوری نکل کر جا رہے ہیں" آپ نے پوچھا "وہ کہاں جا رہے ہیں؟ اس نے عرض کی "قلعہ شق کی طرف، ان کی اولاد وہی ہے۔ وہ جنگ کی تیاری کر رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے اموال اور اہل و عیال کتیبہ کے قلعوں میں داخل کر لیے ہیں" اس نے یہ بھی بتایا کہ نطاۃ کے قلعوں میں سے قلعہ حصن میں زیر زمین ایک تہہ خانہ ہے جس میں منجنیق، دبابات، زریں اور تلواریں ہیں۔ کل آپ اس قلعہ میں داخل ہوں گے، اگر آپ داخل ہوں" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میں ان شاء اللہ ضرور داخل ہوں گا" یہودی نے کہا "ان شاء اللہ! میں آپ کی ان اشیاء کی طرف راہ نمائی کروں گا۔ انہیں میرے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا"۔ دوسری روایت کے مطابق اس نے کہا "عنقریب منجنیق نکالی جائے گی، اسے قلعہ شق پر نصب کیا جائے گا۔ دبابات کے نیچے سے آدمی داخل ہو گا۔ وہ نیچے سے قلعوں کو کھود دیں گے۔ ہم اسی روز قلعہ فتح کر لیں گے"۔ اسی طرح ہم کتیبہ کے قلعوں کو فتح کریں گے۔ اس یہودی نے عرض کی "ابوالقاسم! میرا خون محفوظ فرمائیں" آپ نے فرمایا "تو امن سے ہے" اس نے عرض کی "مجھے میری بیوی بھی بخش دیں" آپ نے فرمایا "وہ تمہارے لیے ہے" پھر آپ نے اسے اسلام کی دعوت دی تو اس نے عرض کی "آپ مجھے مہلت دیں"۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شجاعت و بہادری

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام کو قلعہ پر حملہ ہونے کے لیے بھیجتے رہے لیکن فتح نہیں ہوئی۔ پھر آپ نے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''میں کل جھنڈا اس شخص کو عطا فرماؤں گا جس کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیار کرتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیار کرتا ہے۔ وہ پیٹھ پھیر کر نہیں بھاگے گا۔ بلکہ رب تعالیٰ اس کے ہاتھوں فتح و کامرانی عطا فرمائے گا۔ وہ تمہارے بھائی کے قاتل سے بدلہ لے گا'' جب آپ نے یہ فرمایا تو صحابہ کرام میں سے ہر شخص یہی آرزو کر رہا تھا کہ آپ کل یہ جھنڈا اسے عطا فرمائیں۔ دوسری روایت کے مطابق وہ رات صحابہ کرام نے یہ غور و فکر کرتے گزار دی کہ وہ کون بلند اقبال ہے جسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کل وہ مبارک جھنڈا عطا فرمائیں گے۔ صبح صحابہ کرام یہ امید کرتے ہوئے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہو گئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں نے صرف اسی روز امارت کی تمنا کی تھی'' روایت ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان پہنچا تو انہوں نے یہ دعا مانگی:

اَللّٰھُمَّ لَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا مَانِعَ لِمَ اَعْطَیْتَ

''مولا! جس کو عطا کرے اسے کوئی روک نہیں سکتا جسے تو روک لے اسے کوئی عطا نہیں کر سکتا''۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف پیغام بھیجا۔ اس وقت انہیں آشوب چشم کی سخت تکلیف تھی۔ پہلے وہ مدینہ طیبہ میں ہی رہے۔ پھر صحابہ کرام کے ساتھ آ ملے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی گئی ''ان کی آنکھوں میں تکلیف ہے'' آپ نے فرمایا ''انہیں کون لے کر آئے گا؟ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ اٹھ کر گئے اور ان کا ہاتھ پکڑ کر انہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے آئے۔ انہوں نے آنکھوں پر پٹی باندھ رکھی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے سفید جھنڈا باندھا۔ ابن اسحاق کے قول کے مطابق صرف غزوۂ خیبر میں کئی جھنڈے باندھے گئے تھے۔ اس روز آپ نے حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت حباب بن منذر اور حضرت سعد بن عبادہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو متفرق جھنڈے عطا کر رکھے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جھنڈا مبارک سیاہ تھا، جسے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ردائے مبارک سے بنایا گیا تھا۔

سیرت حافظ دمیاطی میں ہے کہ آپ کا جھنڈا سیاہ تھا۔ دوسری روایت کے مطابق جھنڈا سفید تھا، جس میں سیاہ رنگت بھی تھی۔ شاید کالے رنگ سے اس میں کچھ لکھا گیا تھا۔ شاید اس سے مراد وہ علم مبارک ہو جس کا تذکرہ بعض روایات میں کچھ یوں ہے ''آپ کا جھنڈا سفید تھا، جس میں کالے رنگ سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ لکھا گیا تھا۔ اس طرح روایات کا اختلاف ختم ہو جاتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ مجھے آشوب چشم ہے۔ میں اپنے قدم کی جگہ بھی نہیں دیکھ سکتا''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سر مبارک اپنی مبارک آغوش میں لیا۔ آپ کی آنکھوں میں لعاب دہن لگایا۔ دوسری روایت کے مطابق آپ نے اپنا لعاب دہن اپنے دست اقدس پر رکھا، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آنکھیں کھولیں۔ ان میں مبارک لعاب ڈال دیا۔ انہیں فوراً شفاء مل گئی گویا کہ وہاں درد نامی چیز تھی ہی نہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اس کے بعد مجھے آشوب چشم نہیں ہوا'' دوسری روایت کے مطابق ''نہ ہی مجھے آشوب چشم

ہوا، نہ ہی سر درد ہوا"۔ دوسرے الفاظ میں ہے کہ آپ نے فرمایا "آج تک مجھے یہ دونوں امراض لاحق نہیں ہوئے"۔
اس ضمن میں ایک لطف اندوز بات بھی پڑھ لیں۔ وہ یہ کہ جو کسی چیز کا مطالبہ کرتا ہے یا اس کی جستجو میں لگتا ہے وہ غالباً اس سے محروم ہو جاتا ہے۔ جو کسی چیز کو طلب نہیں کرتا، نہ ہی اس کی جستجو میں مصروف ہوتا ہے۔ وہ اکثر اسے پالیتا ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے اس فرمان مبارک سے اسی طرف اشارہ فرمایا ہے "اللہ تعالیٰ میرے بھائی یوسف علیہ السلام پر رحم کرے اگر وہ یہ نہ کہتے "اجعلنی علی خزائن الارض" مجھے زمین کے خزانوں کا نگران بنا دے، تو انہیں اسی وقت نگہبان بنا دیا جاتا۔ لیکن ان کے اس سوال کی وجہ سے ایک سال تک یہ منصب ان سے روک دیا گیا۔ ایک سال کے بعد بادشاہ نے انہیں بلایا، انہیں چادر دی، اپنی تلوار دی۔ ان کے لیے موتیوں اور یاقوت سے آراستہ تخت کا حکم دیا اور معاملہ ان کے سپرد کر دیا" اسی لیے کہا جاتا ہے "اگر آسمان سے ٹوپی گرے تو وہ اس شخص کے سر پر گرے گی جو اس کا ارادہ نہیں کرے گا"۔
پھر حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے دست التجاء بلند کر دیے۔ عرض کی "مولا! ان کے لیے گرمی اور سردی کی کفایت فرما" حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اس کے بعد نہ مجھے سردی لگی نہ ہی گرمی" آپ رضی اللہ عنہ شدید گرمی میں موٹی قبا زیب تن فرما لیتے تھے۔ جبکہ شدید سردی میں دو ہلکے کپڑے پہن لیتے تھے۔ آپ نے فرمایا "مجھے ہلکے پھلکے کپڑوں میں سردی کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی"۔ آپ اس معجزہ کے اظہار اور اس کی تحقیق کے لیے اس طرح کرتے تھے۔ بعض اوقات اس کیفیت کے برعکس بھی کرتے تھے۔ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ایک پھٹا پرانا کپڑا پہنے کانپ رہے تھے۔ اس نے عرض کی "امیر المومنین! اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے یہ مال بنایا ہے۔ آپ اپنے نفس سے اس طرح سلوک کر رہے ہیں" آپ نے فرمایا "اللہ کی قسم! میں نے اسے بھی تمہارے مال سے نہیں لیا۔ میں اسی کپڑے کے ساتھ مدینہ طیبہ سے عازم سفر ہوا تھا۔ اس واقعہ کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ مذکورہ بالا روایت کے مخالف نہیں، کیونکہ ممکن ہے کہ اس وقت آپ پر لرزہ بخار کی وجہ سے ہو، نہ کسی شدید سردی کی وجہ سے۔ جس طرح کہ سائل نے گمان کیا ہے۔ صاحب الھمزیہ نے اپنے قصیدہ میں لعاب دہن کی برکت سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں سے آشوب چشم کا ختم ہو جانا اس طرح بیان کیا ہے

وعلی لما تفلت بعینہ وکلتاھما معا رمداء
فغدا ناظراً بعینی عُقاب فی غُزاۃ لھا العقاب لواء

"جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی چشمان مقدس میں آشوب چشم لاحق ہو گیا تو وہ حضور ﷺ کے لعاب دہن کی برکت سے جہاد میں عقاب کی نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ آپ کے جھنڈے کا نام عقاب تھا"۔
پھر آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو علم عطا فرمایا تاکہ وہ جہاد کے لیے جائیں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کی "کیا میں ان کے ساتھ جنگ کرتا رہوں حتیٰ کہ وہ ہماری مثل ہو جائیں" آپ نے فرمایا "باوقار انداز سے آگے بڑھو، حتیٰ کہ ان کے سامنے جاؤ، پھر انہیں اسلام کی دعوت دو۔ انہیں بتاؤ کہ اسلام کے متعلق ان پر کیا حق ہے؟ اگر وہ تمہاری اطاعت نہ کریں تو ان کے ساتھ جہاد کرو، بخدا! اگر تمہاری وجہ سے اللہ ایک شخص کو بھی ہدایت دے دے وہ سرخ اونٹوں سے بہتر ہے"

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی "میں کس چیز پر ان کے ساتھ جہاد کروں؟ آپ نے فرمایا" وہ یہ گواہی دیں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ اگر وہ اس طرح کر لیں تو انہوں نے اپنے خون اور اموال محفوظ کر لیے" ایک اور روایت کے مطابق جب آپ نے انہیں علم عطا فرمایا تو فرمایا "چلیں دائیں بائیں ملتفت نہ ہوں" وہ کچھ دیر چلے، پھر رک کے مڑے بغیر انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میں ان کے ساتھ کس چیز پر جہاد کروں" آپ نے فرمایا "ان کے ساتھ جہاد کرو حتیٰ کہ وہ یہ گواہی دیں کہ رب تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اگر انہوں نے اس طرح کہہ دیا تو انہوں نے اپنے اموال اور خون محفوظ کر لیے۔ پھر ان کا حساب رب تعالیٰ پر ہے"۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے روز خیبر حملہ کی تیاری کی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "علی! مجھے اس ذات کی قسم جس کے دست تصرف میں میری جان ہے تمہارے ساتھ وہ ہستی والا ہے جو تمہیں رسوا نہیں ہونے دے گی۔ یہ تمہارے دائیں طرف جبرائیل امین ہیں۔ ان کے ہاتھ میں تلوار ہے، اگر وہ پہاڑ پر بھی ماریں وہ اسے بھی کاٹ کر رکھ دے۔ علی! رضا اور جنت کی تمہیں بشارت ہو۔ آپ عرب کے سردار ہیں۔ میں اولاد آدم کا سردار ہوں" ایک اور روایت کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر روز کسی صحابی کو جھنڈا عطا فرماتے اور اسے جہاد کے لیے بھیجتے۔ آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھیجا، انہوں نے جہاد کیا۔ مگر فتح نہ ہوئی۔ دوسرے روز حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ انہوں نے جہاد کیا، مگر فتح نہ ہوئی۔ پھر ایک انصاری شخص کو بھیجا، انہوں نے جہاد کیا، مگر فتح نہ ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میں کل جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھوں فتح یابی عطا فرمائے گا۔ وہ آگے بڑھ کر حملہ کرنے والا ہے۔ راہِ فرار اختیار کرنے والا نہیں"۔ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا۔ انہیں آشوب چشم تھا۔ آپ نے ان کی چشمانِ مقدس میں لعاب دہن لگایا پھر فرمایا "یہ جھنڈا لو، اس کے ساتھ چلو۔ حتیٰ کہ رب تعالیٰ آپ کو کامران کر دے" آپ نے ان کے لیے اور ان کے ساتھیوں کے لیے نصرت کی دعا کی"۔

ایک اور روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اپنی لوہے کی زرہ پہنائی، ان کے وسط میں اپنی شمشیر ذوالفقار باندھی، انہیں جھنڈا عطا کیا۔ ان کا چہرہ قلعہ کی طرف کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھاگتے ہوئے گئے حتیٰ کہ علم قلعہ کے نیچے گاڑھ دیا۔ ایک یہودی نے انہیں اوپر سے دیکھا۔ پوچھا "آپ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا "علی بن ابی طالب" یہودی نے کہا "آپ ان پر غالب آ گئے ہیں۔ مجھے اس تورات کی قسم! جو رب تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ پر نازل کی ہے" پھر قلعہ والے ان کی طرف آنے لگے۔ سب سے پہلے مرحب کا بھائی حرث ان کی طرف آیا۔ یہ شجاعت و بہادری میں معروف تھا۔ مسلمان پیچھے ہٹ گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس پر جھپٹ پڑے۔ باہم شمشیر زنی ہوتی رہی، بالآخر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کا کام تمام کر دیا۔ یہودی قلعے میں داخل ہو گئے۔ پھر مرحب باہر نکلا، جب اسے علم ہوا کہ اس کا بھائی قتل ہو گیا ہے۔ وہ جلدی سے قلعہ سے باہر نکلا اس نے دو زرہیں پہن رکھی تھیں۔ دو تلواریں حمائل کر رکھی تھیں۔ دو عمامے پہن رکھے تھے۔ ان کے اوپر پتھر اور خود رکھا ہوا تھا

جس میں انڈے جتنا سوراخ تھا، اس کے پاس نیزہ تھا۔ جس کی زبان تین پھلوں کے برابر تھی۔ وہ یہ رجز پڑھ رہا تھا:

قد علمت خیبر انی مرحب شاکی السلاح بطل مجرب

اذا اللیوث اقبلت تلهب

''خیبر کے در و دیوار جانتے ہیں کہ میں مرحب ہوں۔ میں ہتھیاروں سے مسلح ہوں۔ تجربہ کار شہ سوار ہوں جب شیر مجھ پر حملہ آور ہوتے ہیں تو میں جوش سے بھڑک اٹھتا ہوں''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ رجز پڑھ رہے تھے:

انا الذی سمتنی امی حیدرا کلیث غابات کریۃ المنظر

اکلیکم بالسیف کیل السندرہ

''میں وہ ذات ہوں جس کی ماں نے اس کا نام حیدر رکھا ہے۔ میں جنگل کے شیروں کی طرح بڑا خوفناک ہوں۔ میں انہیں تلوار کے ساتھ پورا پورا ماپ کر دوں گا''۔

پھر مرحب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر وار کیا۔ آپ کے ہاتھ سے ڈھال گر پڑی، انہوں نے قلعہ کا دروازہ اکھیڑ، اسے اپنے لیے ڈھال بنا لیا۔ وہ ڈھال کے طور پر ان کے ہاتھ میں ہی رہا۔ وہ برابر لڑتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے قلعہ فتح کرنے کی توفیق دے دی۔ پھر انہوں نے وہ دروازہ اپنے پیچھے پھینک دیا۔ وہ دروازہ اسی ہاتھ لمبا تھا۔ اس کے بعد اسے ستر افراد بمشکل حرکت دے سکتے تھے۔ اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کمال قوت اور فرط شجاعت پر دلالت ہے۔ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''ہم سات افراد نے کوشش کی کہ ہم اس دروازہ کو حرکت دے سکیں۔ مگر ہمارے لیے ممکن نہ ہو سکا۔ ابن اسحاق، امام بیہقی اور امام حاکم نے ابو جعفر محمد بن علی بن حسین رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ دروازہ جسے یوم خیبر کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اٹھایا تھا بعد میں اسے چالیس افراد بھی نہ اٹھا سکے۔ امام بیہقی نے ہی روایت کیا ہے۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ قموص قلعہ کی طرف گئے تو آپ نے ایک دروازہ اکھیڑا اور زمین پر پھینک دیا۔ پھر بعد میں ہم ستر افراد جمع ہوئے تا کہ اس دروازہ کو اسی جگہ لگا دیں، مگر ہم کامیاب نہ ہو سکے''۔ یہ روایت اس روایت کے معارض نہیں جس میں چالیس افراد کا ذکر ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ پہلے چالیس افراد نے یہ کوشش کی ہو۔ پھر بڑھتے بڑھتے ان کی تعداد ستر ہو گئی ہو۔ وہ روایت جس میں سات افراد کا ذکر ہے اس کے متعلق حافظ ابن حجر لکھتے ہیں ''اس روایت کو اس روایت کے ساتھ جمع کرنا اس طرح ممکن ہے کہ پہلے سات افراد نے وہ دروازہ لگانے کی کوشش کی، پھر چالیس افراد نے کوشش کی، ان دونوں امور میں فرق عیاں ہے۔

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مرحب پر وار کیا۔ اس نے ڈھال سامنے کی۔ تلوار ڈھال پر پڑی، اسے چیر دیا۔ اس نے خود اور پتھر کو بھی پھاڑ دیا۔ خود کے نیچے عمامے بھی کاٹ دیے، اس کی کھوپڑی بھی چیر دی، حتیٰ کہ تلوار مرحب کی داڑھوں تک جا پہنچی۔ ایک شاعر نے اپنے ان اشعار میں اسی طرح اشارہ کیا ہے:

وشادن البصرته مقبلا فقلت من وجدی به مرحبا

قد فوادی فی الھویٰ قدۃ قد علی فی الوغی مرحبا

''میں نے ہرن کے بچے کو آتے ہوئے دیکھا تو اسے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے مرحبا کہا۔ محبت میں میرا دل اس طرح چر گیا جس طرح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے میدان جنگ میں مرحب کی کھوپڑی کو چیرا تھا''۔

صحیح روایت کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہی مرحب کو قتل کیا تھا۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں روایت موجود ہے۔ بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے مرحب کا کام تمام کیا تھا۔ انہوں نے لکھا ہے کہ مرحب نے مبارزت طلب کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اسے کون جہنم واصل کرے گا'' حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میں۔ کل میرے بھائی شہید ہو گئے، ان کا بدلہ ابھی تک کسی نے نہیں لیا۔ ان کے بھائی کو مرحب نے ہی شہید کیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں فرمایا ''اٹھو! مرحب کی طرف جاؤ۔ مولا! ان کی مرحب کے خلاف مدد فرمانا''۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ مرحب کی طرف گئے۔ مرحب نے وار کیا۔ انہوں نے وہ وار اپنی ڈھال پر روک لیا۔ البتہ ڈھال تلوار کی وجہ سے پھٹ گئی۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے ایک ہی وار میں مرحب کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ دوسری روایت کے مطابق اس کی پنڈلی کاٹ کر رکھ دی۔ یہ بھی امکان ہے کہ مرحب کی دعوت مبارزت کا جواب حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے دیا ہو۔ اس کی پنڈلی انہوں نے ہی کاٹی ہو اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے موت کے گھاٹ اتارا ہو۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے مرحب کے بھائی حرث کو قتل کیا تھا۔ جس کی وجہ سے بعض راویوں کو مشابہت لگی۔ مرحب کی تلوار پر لکھا ہوا تھا ''ھذا سیف مرحب من یصیبہ یعطب'' یہ مرحب کی تلوار ہے۔ جو اس تک پہنچے گا وہ ہلاک ہو جائے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''انا الذی سمتنی امی حیدر'' اس سے آپ نے مرحب کو وہ خواب یاد دلا دیا جو اس نے دیکھا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مکاشفہ کے ذریعے اس کا علم ہوا۔ وہ خواب یہ تھا کہ مرحب نے اسی رات خواب دیکھا کہ ایک شیر نے اسے پھاڑ دیا ہے۔ آپ نے اپنے فرمان ''حیدرہ'' سے اسی طرف اشارہ کیا۔ یہ شیر کے ناموں میں سے ہے۔ البتہ اس سے مراد ایسا شیر ہے جو کسی کو چیر پھاڑ دے۔ جب مرحب نے آپ کی یہ بات سنی تو وہ لرز اٹھا۔ اس کا نفس کمزور ہو گیا۔ آپ کا یہ نام آپ کی امی فاطمہ بنت اسد بن ہاشم نے رکھا تھا۔ انہوں نے اپنے فرزند ارجمند کا نام اپنے باپ کے نام پر رکھنا چاہا۔ اس وقت ابوطالب گھر میں موجود نہ تھے۔ جب وہ گھر آئے تو انہوں نے یہ نام پسند نہ کیا۔ آپ کا نام انہوں نے علی رکھ دیا۔ دوسرے قول کے مطابق حیدر آپ کا لقب تھا۔ اس کا معنی زبردست اور قوی ہے۔ آپ کے پیٹ کی وجہ سے آپ کو اس لقب سے ملقب کیا گیا۔ کیونکہ آپ کے بطن اقدس پر گوشت تھا۔ مرحب کے بعد اس کا بھائی یاسر یہ رجز پڑھتا ہوا باہر نکلا:

قد علمت خیبرانی یاسر شاکی السلاح بطل مغادر

''سارا خیبر جانتا ہے کہ میں یاسر ہوں۔ ہتھیاروں کو سونتنے والا، مرد میدان، جری، شجاع''۔

یہ بھی یہودیوں کے مشہور شہسواروں اور بہادروں میں سے تھا۔ اس نے دعوت مبارزت دی۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اس کا

مقابلہ کرنے کے لیے نکلے۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بھی اس لشکر میں موجود تھیں۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی تھیں۔ انہوں نے عرض کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم کیا وہ میرے بیٹے کو شہید کر دے گا؟ آپ نے فرمایا" بلکہ تمہارا بیٹا اسے جہنم واصل کرے گا ان شاء اللہ!۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اس کا کام تمام کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" آپ پر چچا اور ماموں فدا! ہر نبی کا حواری ہوتا ہے میرا حواری زبیر (رضی اللہ عنہ) ہے"۔

علامہ زمخشری نے ذکر کیا ہے کہ یہ واقعہ غزوۂ بنی قریظہ میں ہوا تھا۔ اور سب سے پہلے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو ہی مقتول کا سامان ملا تھا۔ بنو قریظہ میں سے ایک شخص نے دعوت مبارزت دی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" زبیر! اٹھو" ان کی امی جان حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی" یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میرا بیٹا اکلوتا ہے" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" جو دوسرے کے اوپر آ گیا وہ پہلے کو قتل کر دے گا" حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اس شخص کے اوپر سوار ہو گئے۔ اور اس کا کام تمام کر دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" مقتول کا سامان قاتل کے لیے ہے"۔

امام حلبی اس روایت پر تبصرہ لکھتے ہوئے تحریر کرتے ہیں" میں کسی ایک شخص کے قول سے بھی آگاہ نہیں ہوں جس نے کہا ہو کہ بنو قریظہ میں کوئی مبارزت ہوئی تھی" ایک اور روایت کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہی یاسر کو واصل جہنم کیا تھا۔ ان دونوں روایات کو اس طرح جمع کرنا ممکن ہے کہ اس کو تہ تیغ کرنے میں دونوں نے شرکت کی ہو۔

سیاہ فام چرواہا

مسلمانوں کے شہداء میں سے ایک سیاہ فام چرواہا بھی تھا۔ وہ اجرت پر ایک یہودی کی بکریاں چرواتا تھا۔ یہ اسود نامی حبشی غلام تھا۔ دوسری روایت کے مطابق اس کا نام سیار تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیبر کا محاصرہ کیے ہوئے تھے تو یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے عرض کی" یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم مجھ پر اسلام پیش کریں"۔ آپ نے اس پر اسلام پیش کیا تو وہ اسلام لے آیا۔ دوسری روایت کے مطابق اس نے کہا" اگر میں اسلام لے آؤں تو مجھے کیا ملے گا؟ آپ نے فرمایا "جنت" اس نے اسلام قبول کر لیا۔ پھر اس نے عرض کی" یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میں بکریاں اجرت پر چرواتا ہوں، اب میں ان کے ساتھ کیا کروں؟ دوسری روایت کے مطابق اس نے عرض کی" یہ لوگوں کی امانت ہیں، کسی کی ایک کسی کی دو بکریاں ہیں، کسی کی زیادہ ہیں" آپ نے فرمایا" یہ کنکریاں لے کر ان پر پھینکو، وہ اپنے مالکوں کے پاس چلی جائیں گی"۔ حضرت اسود رضی اللہ عنہ اٹھے، سنگریزوں کی ایک مٹھی لی اور اسے بکریوں کی طرف پھینک دیا۔ انہوں نے کہا" اپنے مالک کے پاس لوٹ جاؤ۔ بخدا! اب میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گا" وہ سارا ریوڑ آگے بڑھنے لگا، گویا کہ کوئی ہانکنے والا انہیں ہانک رہا تھا۔ حتیٰ کہ وہ قلعہ میں داخل ہو گئیں۔ پھر حضرت اسود رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کے ہمراہ جہاد کیا۔ انہیں ایک پتھر لگا۔ دوسری روایت کے مطابق ایک تیر لگا۔ اس نے انہیں شہید کر دیا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو ابھی تک ایک سجدہ بھی نہیں کیا تھا۔ انہیں اٹھا کر بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر کیا گیا۔ آپ نے ان سے رخ انور پھیر لیا۔ آپ سے عرض کی گئی" یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ نے ان سے چہرہ انور کیوں پھیر لیا ہے؟ آپ نے فرمایا" اب ان کے ہمراہ حوران بہشتی میں سے ان کی

دو بیویاں آ گئیں ہیں، وہ یہ کہتے ہوئے ان کے چہرے سے مٹی ہٹا رہی ہیں ''جس نے تمہارے چہرے پر مٹی ڈالی اللہ تعالیٰ اسے خاک آلود کرے۔ جس نے تمہیں قتل کیا اللہ تعالیٰ اسے قتل کرے''۔ دوسری روایت میں یہ اضافہ ہے ''اس بندے پر رب تعالیٰ نے کرم نوازی کی ہے اور اسے بھلائی کی طرف لے آیا ہے۔ اس نے دین متین قبول کیا تھا'' پھر رب تعالیٰ نے قلعہ ناعم کو فتح فرما دیا۔ یہ نطاۃ کے قلعوں میں سے پہلا قلعہ تھا۔ اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فتح کیا تھا۔ حضرت یزید بن ابی عبید سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: میں نے حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی پنڈلی پر تلوار کا زخم دیکھا۔ میں نے پوچھا ''یہ کیسا زخم ہے؟ انہوں نے فرمایا ''یہ زخم مجھے غزوۂ خیبر میں لگا تھا'' صحابہ کرام نے فرمایا ''حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کو زخم لگا۔ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا۔ آپ نے تین بار انہیں دم فرمایا تو ان کا زخم ٹھیک ہو گیا۔

ایک جہنمی شخص

امام بخاری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ایسے شخص کے متعلق فرمایا کہ وہ جہنمی ہے جو اسلام کا دعویٰ کرتا تھا۔ میدان جنگ میں اس نے شدید قتال کیا حتیٰ کہ اسے بہت زخم آ گئے۔ حتیٰ کہ بعض لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان میں شک ہونے لگا کہ وہ جہنمی ہے۔ اس شخص نے زخموں کا درد محسوس کیا۔ اپنا ہاتھ ترکش کی طرف لے گیا۔ اس سے ایک تیر نکالا اور خود کو زخمی کر لیا۔ ایک صحابی دوڑ کر بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے، انہوں نے عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم رب تعالیٰ نے آپ کے فرمان کو سچ کر دکھایا ہے۔ فلاں شخص نے خودکشی کر لی ہے'' آپ نے فرمایا ''اٹھو لوگوں میں یہ اعلان کر دو کہ جنت میں صرف مومن ہی جائے گا اور اللہ تعالیٰ فاجر شخص سے اس دین متین کی تائید فرمائے گا'' حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مشرکین باہم جنگ آزما ہوئے۔ آپ اپنی لشکر گاہ اور مشرکین اپنی لشکر گاہ کی طرف چلے گئے۔ آپ کے صحابہ کرام میں سے ایک شخص تھا جس نے اس روز مشرکین کا قتل عام کیا۔ آپ کی خدمت میں عرض کی گئی ''آج فلاں نے جتنی شمشیر زنی کی ہے کسی اور نے اتنی نہیں کی'' آپ نے فرمایا ''وہ جہنمی ہے'' صحابہ کرام میں سے ایک شخص نے کہا ''میں اس آدمی کا ساتھی تھا۔ میں بھی اس کے ساتھ ہی نکلا۔ جب وہ رکتا تو میں بھی رک جاتا۔ جب وہ جلدی کرتا تو میں بھی اس کے ساتھ جلدی کرتا۔ وہ شخص شدید زخمی ہو گیا، اس نے چاہا کہ موت جلدی آ جائے۔ اس نے زمین پر تلوار رکھی، اپنے سینے کے وسط میں اس کی دھار رکھی، پھر اپنی تلوار پر زور ڈالا اور اپنے آپ کو قتل کر لیا'' وہ شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا، اس نے عرض کی ''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں'' آپ نے فرمایا ''کس وجہ سے؟ اس نے عرض کی ''آپ نے ابھی ابھی اس آدمی کے متعلق فرمایا کہ وہ جہنمی ہے لوگوں نے اس امر کو عظیم سمجھا۔ میں نے انہیں کہا ''میں ان کے لیے اس شخص کے ہمراہ رہتا ہوں۔ میں اس کے تعاقب میں نکلا۔ وہ شدید زخمی ہو گیا۔ اس نے چاہا کہ موت جلد آ جائے۔ اس نے تلوار زمین پر رکھی، اس کی دھار اپنے سینے کے وسط میں رکھی، پھر تلوار پر زور ڈالا اور خود کو قتل کر دیا۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''ایک شخص لوگوں کے سامنے جنتیوں جیسے اعمال کرتا ہے۔ حالانکہ وہ اہل آتش میں سے ہوتا ہے۔ ایک شخص لوگوں کے سامنے اہل نار جیسے اعمال کرتا ہے حالانکہ وہ جنتیوں

میں سے ہوتا ہے۔ اس کی روح کے نکلتے وقت اسے شقاوت یا سعادت آلیتی ہے۔ اس پر اس کا خاتمہ ہوتا ہے۔ اعمال کا اظہار خاتموں پر ہوتا ہے''۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس شخص کے متعلق یوں فرمانا کہ یہ جہنمی ہے۔ ممکن ہے اس کے دل میں نفاق کی وجہ سے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس پر مطلع فرما دیا ہو یا وہ مرتد ہو گیا ہو۔ اس نے اپنے آپ کو قتل کرنا حلال سمجھا ہو۔ علماء نے فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس شخص کو سب سے زیادہ جانتے تھے۔ اس لیے آپ نے فرمایا کہ وہ جہنمی ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو بھی اپنے آپ کو قتل کرے اس کے متعلق جہنمی ہونے کا فیصلہ صادر کر دیا جائے، بلکہ احتمال یہ ہے کہ اس شخص کو جب زخم آئے تو ایمان کے متعلق متردد ہو گیا، یا اس نے خود کو مار ڈالنا حلال سمجھا۔ یہ حالت کفر میں مرا۔ اس فرمان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے ''صرف مسلمان نفس (روح) ہی جنت میں جائے گا''۔ ایک روایت کے مطابق حضرت بلال دوسری روایت کے مطابق حضرت عمر نے تیسری روایت کے مطابق حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اعلان کیا۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں ''ممکن ہے ان تینوں حضرات نے متفرق سمتوں میں اعلان کیا ہو۔ پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی روایات میں بعض الفاظ کا بھی اختلاف ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ واقعہ دوبار متفرق آدمیوں کے متعلق رونما ہوا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ایک ہی قصہ ہے اور اختلاف راویوں کی طرف سے ہے۔ عنقریب یہ تذکرہ بھی آئے گا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے غزوۂ خیبر میں شرکت نہیں کی تھی۔ آپ اس وقت حاضر خدمت ہوئے جب مال غنیمت تقسیم ہو رہا تھا۔ شاید انہوں نے یہ واقعہ کسی اور صحابی سے سنا ہو۔

مزید فتوحات

مسلمان اور یہودی باہم جنگ آزما رہے۔ مسلمان یکے بعد دیگرے قلعے فتح کرتے رہے۔ حتیٰ کہ انہوں نے سارے قلعے فتح کر لیے۔ یہودیوں کے 73 افراد مارے گئے۔ مسلمانوں میں سے 15 حضرات نے جام شہادت نوش کیا۔ دوسری روایت کے مطابق 34 افراد نے قبائے شہادت پہنی۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے ہاتھوں یہ قلعے فتح کرائے:

(1) حصن النطاۃ (2) حصن الصعب (3) حصن ناعم (4) حصن قلعہ زبیر بن عوام (حصن قلعہ زبیر بن عوام کے حصہ میں آیا۔ بعد میں یہ انہی کی طرف منسوب ہونے لگا۔ یہ پہاڑ کی چوٹی پر تھا) (5) حصن الشق (6) حصن القموص (7) حصن البری (8) حصن ابی والوطیح والسلائم۔ یہی ابن ابی الحقیق کا قلعہ تھا۔ آپ نے آل ابی حقیق کا خزانہ لے لیا، جو پہلے گدھے کی جلد میں تھا، جب یہ زیادہ ہو گیا تو انہوں نے بیل کی جلد میں ڈال دیا۔ جب مزید بڑھ گیا تو انہوں نے اونٹ کی جلد میں ڈال دیا۔ انہوں نے خزانہ ایک کھنڈر میں دفن کر رکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس سے آگاہ فرما دیا۔ یہ بنو نضیر کا وہ مال تھا جسے حیی بن اخطب اس وقت لے کر آیا تھا جب وہ مدینہ طیبہ سے جلاوطن ہوا تھا۔

امام بیہقی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اہل خیبر نے شرط لگائی کہ وہ آپ سے کوئی چیز نہیں چھپائیں گے۔ اگر انہوں نے اس طرح کیا تو پھر ان کا کوئی ذمہ نہیں۔ آپ کنانہ اور ربیع کے پاس تشریف لائے اور فرمایا ''اس مال کا کیا

بنا جو حیی بن اخطب بنو نضیر کے پاس سے لے آیا''انہوں نے عرض کی''جنگ نے سارے اموال اور خزانے ختم کر دیے ہیں'' آپ نے فرمایا''وعدہ قریب ہے اور مال زیادہ ہے''امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کنانہ، ربیع اور ان کے چچازاد کے پاس آئے۔فرمایا''تمہارے وہ برتن کہاں ہیں جو تم اہل مکہ کو ادھار دیتے تھے''انہوں نے کہا''ہم نے جنگ کی۔ہم سامان کو ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ رکھتے رہے، حتیٰ کہ ہر چیز ختم ہو گئی''۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا''اگر تم نے کوئی بات چھپائی اور پھر میں اس کے متعلق آگاہ ہو گیا تو پھر تمہارا خون اور تمہاری اولاد ہمارے لیے حلال ہو گی''انہوں نے کہا''ہاں''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک انصاری صحابی کو بلایا اسے فرمایا''فلاں فلاں کھجور کے پاس جاؤ وہاں ایک بلند کھجور ہو گی جو کچھ اندر سے ملے وہ میرے پاس لے آؤ''وہ وہاں سے بہت سے برتن اور اموال لے کر آئے۔جن کی قیمت دس ہزار دینار لگائی گئی۔ان کی گردنیں اڑا دی گئیں اور اس وعدہ خلافی کی وجہ سے ان کی اولاد کو گرفتار کر لیا گیا۔دوسری روایت کے مطابق کنانہ نے انکار کر دیا کہ اسے اس جگہ کا علم نہیں جہاں خزانہ مدفون ہے۔آپ نے اسے حضرت زبیر کے حوالہ کیا۔ انہوں نے اسے مارا تو اس نے کہا''میں نے حیی کو دیکھا، وہ فلاں فلاں کھنڈر میں سرگرداں تھا۔صحابہ کرام نے وہاں تلاش کیا تو انہیں وہاں سے وہ خزانہ مل گیا۔ابن ابی الحقیق کو قتل کر دیا گیا۔مسلمانوں کو قلعہ فتح ہونے سے قبل بھوک لگی۔بنو اسلم نے حضرت اسماء بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور ان کی زوجہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تا کہ وہ آپ کو یہ پیغام دیں''بنو اسلم آپ کو سلام عرض کرتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ ہمیں بھوک نے آلیا ہے''ایک شخص نے بنو اسلم کو برا بھلا کہا اور کہا''سارے اہل عرب میں سے صرف تم یہ کام کر رہے ہو''حضرت اسماء رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت ہند بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے کہا''مجھے یقین ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف یہ پیغام بھیجنا بھلائی کی کلید ہے''حضرت اسماء رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔بنو اسلم کا پیغام عرض کیا تو آپ نے ان کے لیے یہ دعا مانگی''مولا! تو ان کے حال سے خوب آگاہ ہے، ان کے پاس خوراک نہیں۔میرے پاس بھی کوئی ایسی چیز نہیں جو انہیں دوں۔مولا! ایسا قلعہ فتح کرا دے جس میں زیادہ کھانا ہو''۔

آپ نے حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کو جھنڈا عطا فرمایا۔لوگوں کو جہاد کی طرف دعوت کی۔اللہ رب العزت نے اس دن غروب آفتاب سے قبل حصن الصعب کو فتح فرما دیا۔مسلمانوں نے دو دن سے اس کا محاصرہ کر رکھا تھا۔اہل خیبر کا کوئی قلعہ جو، کھجور، گھی، زیتون، چربی، جانوروں اور سامان کے اعتبار سے اس سے زیادہ بھرا ہوا نہ تھا۔اس قلعہ میں پانچ سو جنگجو تھے۔ اس قلعہ کے فتح ہونے سے پہلے یہودیوں کا ایک شخص باہر نکلا۔اسے یوشع کہا جاتا تھا۔اس نے دعوت مبارزت دی۔حضرت حباب رضی اللہ عنہ اس کے مقابلہ کے لیے نکلے۔حضرت حباب رضی اللہ عنہ نے اسے واصل جہنم کر دیا۔ایک اور دیال نامی شخص نکلا۔اس نے دعوت مبارزت دی تو حضرت عمارہ بن عقبہ الغفاری رضی اللہ عنہ نے اس کا کام تمام کر دیا۔انہوں نے کہا''یہ لو، میں غفاری شخص ہوں''صحابہ کرام نے کہا''ان کا جہاد بالکل باطل ہو گیا ہے''۔جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک یہ خبر پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''انہیں اجر ملے گا اور ان کی تعریف کی جائے گی''پھر یہودیوں نے یکبارگی حملہ کیا۔مسلمان پیچھے ہٹنے لگے حتیٰ کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچ گئے۔آپ اپنے گھوڑے سے نیچے اتر کر کھڑے تھے۔حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے ثابت قدمی کا

مظاہرہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو جہاد کی ترغیب دی۔ مسلمانوں نے دوبارہ حملہ کیا تو یہودی پلٹ کر قلعہ میں داخل ہو گئے۔ پھر مسلمان قلعہ کے اندر گھس گئے۔ وہ یہودیوں کو قتل کرنے لگے۔ کچھ کو قیدی بنانے لگے۔ انہوں نے اس قلعہ میں جو، کھجور اور تیل وغیرہ میں سے بہت کچھ پایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منادی نے اعلان کیا ''خود کھاؤ، جانوروں کو کھلاؤ، لیکن یہ سامان اٹھا کر اپنے شہروں کی طرف نہ لے جاؤ'' حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''مجھے غزوۂ خیبر میں ایک تھیلا ملا میں نے اسے کندھے پر اٹھا لیا۔ مجھے مال غنیمت کا نگران ملا۔ وہ ابو بسیر کعب بن زائد الانصاری رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے مجھے پیشانی سے پکڑا۔ انہوں نے کہا ''یہ میرے پاس لے آؤ حتیٰ کہ ہم اسے مسلمانوں میں تقسیم کر دیں'' میں نے کہا ''نہیں بخدا! میں تمہیں یہ نہیں دوں گا'' وہ میرا تھیلا کھینچنے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں دیکھ لیا۔ ہم باہم اسی طرح جھگڑ رہے تھے۔ آپ مسکرانے لگے۔ پھر مال غنیمت کے نگران سے کہا ''ارے فلاں! اسے اور اس کے تھیلے کو چھوڑ دے'' انہوں نے مجھے چھوڑ دیا۔ میں وہ سامان اپنے کجاوے کے پاس لے گیا۔ میں نے اور میرے ساتھیوں نے جی بھر کر کھایا'' سارے قلعے بزور شمشیر فتح ہوئے سوائے قلعہ وطیح اور قلعہ سلالم کے۔ مسلمانوں نے چودہ روز تک ان کا محاصرہ کیے رکھا۔ ان میں سے ایک شخص بھی باہر نہ نکلا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ ان پر حملہ کریں اور ان پر منجنیق نصب کریں، جب انہیں اپنی ہلاکت کا یقین ہو گیا تو انہوں نے اپنے خون اور اولاد کے تحفظ پر صلح کی گزارش کی۔ وہ اپنی اولاد سمیت خیبر کو چھوڑ کر چلے گئے۔ وہ صرف ایک ایک کپڑا لے کر گئے۔ انہوں نے اس بات پر صلح کی وہ صرف ایک کپڑا لے کر جائیں گے اور اگر انہوں نے کچھ چھپایا تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے عہد سے بری ہیں۔ وہ اپنی زمین، مال، سونا، چاندی، کھجور اور ریشم سب کچھ چھوڑ گئے۔ وہ صرف ایک کپڑے کے ساتھ خیبر سے چلے گئے۔ جس شخص نے کہا ہے کہ خیبر بزور شمشیر فتح ہوا اور اس نے ان دو قلعوں کے علاوہ دیگر قلعوں پر اسے محمول کیا۔ جس نے کہا ہے کہ صلح کے ساتھ فتح ہوا۔ اس نے اس کو ان دو قلعوں پر محمول کیا ہے۔ صحابہ کرام نے ان دو قلعوں میں سو زریں، چار سو تلواریں، ایک ہزار نیزے، پانچ سو عربی کمانیں پائیں۔ انہوں نے مال غنیمت میں تورات کے کئی صحیفے بھی پائے۔ یہود ان کا مطالبہ کرنے آئے تو آپ نے وہ صحیفے انہیں واپس کر دیے۔

حضرت ام المومنین صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا

آپ نے قیدیوں کو جمع کیا۔ حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم مجھے ایک لونڈی عطا فرمائیں'' آپ نے فرمایا ''جاؤ اور ایک لونڈی لے لو'' انہوں نے حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا کو حاصل کر لیا'' آپ ایک باجمال خاتون تھیں۔ لوگ ان کے متعلق باہم جھگڑنے لگے۔ ایک شخص بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا ''ان کے علاوہ کسی اور لونڈی کو حاصل کر لو'' انہوں نے کنانہ بن ربیع بن ابی ربیع بن ابی الحقیق کی بہن لے لی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا سے شادی فرمالی۔ حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد سے تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اپنے لیے منتخب فرمالیا۔ پھر انہیں آزاد کر کے ان کے ساتھ شادی فرمالی۔ مواہب میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ام المومنین صفیہ رضی اللہ عنہا سے اس لیے عقد نکاح فرمایا کیونکہ ان کے

بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ کی لخت جگر تھیں۔ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی نسل میں ایک سو بادشاہ اور ایک سو نبی گزرے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں حبالہ عقد میں داخل فرمالیا۔ کیونکہ بہت سے صحابہ کرام ایسے تھے جو فضیلت میں حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ سے افضل یا ان کے برابر تھے۔ جبکہ نسب اور جمال میں قیدیوں میں اور کوئی عورت نہ تھی جو حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کا ہم پلہ ہوتی۔ اگر آپ انہیں حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمادیتے تو دیگر صحابہ کرام رنجیدہ خاطر ہو جاتے۔ عام مصلحت اسی میں تھی کہ آپ انہیں اپنے لیے ہی مختص فرمالیتے۔ اس میں ہی سب کی رضا تھی۔ اس سے قبل حضرت ام المومنین صفیہ رضی اللہ عنہا نے خواب میں چاند کو دیکھا جو ان کی آغوش میں آ گرا۔ انہوں نے یہ خواب اپنے باپ کو بتایا تو اس نے ان کے چہرے پر تھپڑ مار دیا اور کہا ''تمہاری تمنا ہے کہ تو عرب کے بادشاہ کے پاس جائے'' اس تھپڑ کا نشان ان کے چہرہ پر رہا، حتیٰ کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آ گئیں۔ آپ نے ان سے اس نشان کے متعلق پوچھا تو انہوں نے بتا دیا۔

ابن ابی عاصم نے حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب آپ خیبر تشریف لے گئے تو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا دلہن تھیں، انہوں نے خواب دیکھا کہ گویا کہ سورج نیچے آ گیا ہے حتیٰ کہ وہ ان کے سینے پر گرا ہے۔ انہوں نے یہ خواب اپنے خاوند کو بتایا۔ اس نے کہا ''تمہیں یہ خواب اس لیے آیا کیونکہ تو اس بادشاہ کی تمنا کرتی ہے جو ہمارے پاس آیا ہے''۔ ان دونوں روایات میں منافات نہیں۔ ممکن ہے، انہوں نے پہلے چاند خواب میں دیکھا ہو، پھر سورج کو دیکھا۔ پہلا خواب اپنے باپ کو جبکہ دوسرا خواب اپنے خاوند کو بتایا ہو۔

زہر آلود بکری

اس غزوہ میں ایک یہودی عورت نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ایک بکری کو زہر آلود کیا، پھر اسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اس عورت کا نام زینب بنت حرث تھا۔ یہ سلام بن مشکم کی بیوی تھی۔ امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت لکھی ہے، انہوں نے فرمایا ''جب خیبر فتح ہو گیا۔ اس فتح کے بعد آپ مطمئن ہو گئے۔ اس عورت نے آپ کو زہر آلود بکری پیش کی۔ آپ نے اس سے ایک لقمہ لیا، جب ہڈی نے آپ کو بتا دیا کہ وہ زہر آلود ہے تو آپ نے اسے پھینک دیا۔ حضرت بشیر بن براء رضی اللہ عنہ نے ایک لقمہ کھالیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام سے فرمایا ''اپنے ہاتھ اٹھالو'' پھر فرمایا ''میرے لیے یہاں کے یہودیوں کو جمع کریں'' صحابہ کرام نے خیبر کے یہودیوں کو جمع کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''میں تم سے ایک چیز کے متعلق پوچھنے لگا ہوں کیا تم مجھے اس کے متعلق سچ بتاؤ گے؟ انہوں نے کہا ''ہاں! ابوالقاسم'' آپ نے فرمایا ''تمہارا باپ کون ہے؟ یہودیوں نے کہا ''فلاں'' انہوں نے اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف نسبت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''تم نے جھوٹ بولا ہے۔ بلکہ تمہارا باپ فلاں ہے'' یہودیوں نے کہا ''آپ نے سچ بولا ہے'' پھر آپ نے فرمایا ''کیا میں تمہیں کسی چیز کے متعلق پوچھوں تو مجھے سچ سچ بتاؤ گے'' یہودیوں نے کہا ''ہاں! ابوالقاسم! اگر ہم نے جھوٹ بولا تو آپ کو اسی طرح علم ہو جائے گا جس طرح ہمارے باپ کے متعلق علم ہو گیا ہے'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا ''اہل نار کون ہیں؟ انہوں نے کہا'' کچھ دیر کے لیے ہم آتش جہنم میں جائیں گے پھر ہمارے بعد تم آؤ گے'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''تم ہی

ذلیل ورسواء ہوکر اس میں رہو گے۔ اللہ کی قسم! تمہارے بعد ہم اس میں کبھی نہیں آئیں گے" پھر آپ نے فرمایا "اگر میں تم سے کسی چیز کے متعلق پوچھوں تو کیا تم مجھے سچ سچ بتاؤ گے" انہوں نے عرض کی "ہاں" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "کیا تم نے اس بکری میں زہر ملایا تھا" انہوں نے کہا "ہاں" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تمہیں اس بُرے عمل پر کس نے ابھارا ہے؟ انہوں نے عرض کی "اگر آپ جھوٹے ہوں گے تو ہم آپ سے نجات پالیں گے۔ اگر آپ نبی ہوں گے تو یہ زہر آپ کو نقصان نہیں دے سکے گا" دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس یہودی عورت کی طرف پیغام بھیجا۔ اس سے پوچھا "کیا تو نے اس بکری میں زہر ملایا ہے" اس عورت نے کہا "آپ کو کس نے بتایا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "مجھے بکری کے اس بازو نے بتایا ہے" اس عورت نے کہا "ہاں" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اس پر تجھے کس چیز نے ابھارا؟ عورت نے عرض کی "اگر آپ نبی برحق ہوئے تو اللہ تعالیٰ آپ کو بتادے گا۔ اگر آپ جھوٹے ہوئے تو لوگ آپ سے نجات پالیں گے۔ اب مجھے عیاں ہوگیا ہے کہ آپ سچے نبی ہیں۔ میں آپ کو اور حاضرین محفل کو گواہ بنا کر کہتی ہوں کہ میں آپ کے دین پر ہوں (لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ) آپ نے اس عورت سے درگزر فرمایا۔ اس سے انتقام نہ لیا۔ حضرت بشر بن براء رضی اللہ عنہ اس لقمہ کی وجہ سے وصال کر گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس زہر کی وجہ سے اپنی گردن مبارک پر پچھنے لگوائے۔ ایک اور روایت کے مطابق اس یہودی عورت نے بکری کو زہر آلود کرنے سے قبل لوگوں سے پوچھا "بکری کے گوشت کا کون سا حصہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پسند ہے؟ انہوں نے کہا "بازو" وہ اپنی بکری کے پاس گئی۔ اسے ذبح کیا۔ یہودیوں سے متعدد زہروں کے بارے مشورہ کیا۔ انہوں نے اس کے لیے وہ زہر منتخب کیا جو فوراً کام تمام کر دیتا تھا۔ اس عورت نے ساری بکری زہر آلود کی۔ بازو اور کندھوں میں زیادہ زہر ملا دیا۔ حضرت بشر بن براء رضی اللہ عنہ زہر آلود لقمہ کھانے کے ایک سال بعد وصال فرما گئے۔ آپ نے وہ یہودی عورت حضرت بشر رضی اللہ عنہ کے وارثین کو دی۔ انہوں نے اسے قصاص میں قتل کر دیا۔ اس طرح متفرق روایات کو جمع کرنا ممکن ہوگیا۔ جن میں سے کسی میں تذکرہ ہے کہ آپ نے اس یہودی عورت سے انتقام نہ لیا۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ نے اسے قتل کر دیا۔ اسے اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ آپ نے حضرت بشر بن براء رضی اللہ عنہ کے قصاص میں اسے قتل کر دیا۔ آپ اپنے لیے کسی سے انتقام نہیں لیتے تھے۔ بلکہ درگزر اور معاف کر دیتے تھے۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور دیگر مہاجرین حبشہ کی آمد

خیبر کی فتح کے بعد حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور دیگر مہاجرین حبشہ واپس آگئے۔ ان کی تعداد سولہ تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کا استقبال کیا۔ ان کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ ان کے ساتھ معانقہ کیا۔ ان کے لیے قیام فرمایا۔ جب صفوان بن امیہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کے لیے بھی آپ نے قیام کیا۔ اسی طرح آپ نے عدی بن حاتم کے لیے بھی قیام کیا۔ پھر آپ نے فرمایا "میں نہیں جانتا کہ میں کس چیز کی زیادہ خوشی کروں، فتح خیبر کی یا حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی آمد کی" آپ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے فرمایا "تم خَلق اور خُلق میں میرے مشابہ ہو" اس سعادت مندی کی لذت میں آکر وہ رقص کرنے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے رقص کا انکار نہ فرمایا۔ اسی روایت کو صوفیاء کے لیے بطور اصل پیش کیا جاتا ہے۔

جب وہ ذکر وسماع کی محافل میں وجد کی لذت سے محو رقص ہوتے ہیں۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور آپ کی قوم کے بعض افراد بھی حاضر خدمت ہوئے۔ امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انہوں نے فرمایا ''ہمیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر ملی۔ ہم یمن میں تھے۔ میں اور میرے بھائی ہجرت کی نیت سے عازم سفر ہوئے۔ میں ان سب سے چھوٹا تھا۔ ایک بھائی کا نام ابو بردہ دوسرے کا نام ابو دہم تھا۔ ہمارے ساتھ ہماری قوم کے 52 یا 53 افراد تھے۔ ہم کشتی پر سوار ہوئے۔ ہم نے نجاشی سے ملاقات کی۔ ہم نے وہاں حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی۔ انہوں نے کہا ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں اس جگہ بھیجا ہے اور ہمیں اس جگہ ٹھہرنے کا حکم دیا۔ تم بھی ہمارے ساتھ ہی ٹھہر جاؤ'' ہم ان کے ساتھ ہی قیام پذیر رہے، حتیٰ کہ ہم سب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ آپ نے اس وقت خیبر فتح فرما لیا تھا۔ آپ نے مال غنیمت میں سے ہمارا حصہ بھی نکالا۔ آپ نے کسی ایسے شخص کے لیے اس مال غنیمت میں سے حصہ نہ نکالا جس نے اس غزوہ میں شرکت نہیں کی تھی۔ مگر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے لیے حصہ نکالا۔ آپ نے ان کے ساتھ ہمیں بھی حصہ عطا فرمایا''۔ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ تھیں۔ ان کے ہاں حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ حبشہ میں ہی پیدا ہوئے تھے۔ جب یہ مدینہ طیبہ آئیں تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا ''ہم ہجرت کرنے میں تم سے سبقت لے گئے ہیں۔ ہم تم سے زیادہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مستحق ہیں'' یہ بات سن کر انہیں غصہ آ گیا۔ انہوں نے اس بات کا تذکرہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں کیا۔ آپ نے فرمایا ''وہ تم سے زیادہ مستحق نہیں ہیں، انہیں ایک ہجرت کا ثواب ملے گا۔ جبکہ تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو دو ہجرتوں کا ثواب ملے گا''۔

امام بیہقی نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے متعلق طویل روایت نقل کی ہے۔ اس میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''میں اشعریوں کے کارواں کے قرآن پڑھنے کی آواز سنتا ہوں، جب وہ رات کے وقت داخل ہوتے ہیں۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ رات کے وقت ان کے ہاں قرآن پڑھنے کی آواز کہاں کہاں سے آتی ہے'' انہی ایام میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور ان کی قوم کے بعض افراد آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''ہم مدینہ طیبہ آئے۔ قبیلہ دوس کے اسی گھر تھے۔ ہم نے وہاں نماز صبح پڑھی۔ حضرت سباع بن عرفطہ الغفاری رضی اللہ عنہ نے امامت کرائی۔ انہوں نے ہی ہمیں بتایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیبر میں جلوہ افروز ہیں۔ انہوں نے ہمیں زاد راہ دیا۔ جب ہم خیبر پہنچے تو آپ نے قلعہ کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ ہم بھی آپ کے ہمراہ ہی ٹھہر گئے حتیٰ کہ خیبر فتح ہو گیا۔

حضرت حجاج بن علاط السلمی رضی اللہ عنہ کا واقعہ

انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ یہ بہت زیادہ دولت مند تھے۔ انہوں نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم مکہ مکرمہ میں میری بیوی کے ہاں اور وہاں کے مختلف تاجروں کے پاس میرا بہت سامال ہے۔ آپ مجھے اجازت دیں کہ میں مکہ مکرمہ جاؤں اور ان کے میرے اسلام کے متعلق آگاہ ہونے سے پہلے اپنا مال ان سے لے لوں، ورنہ میں ان سے کچھ بھی نہ لے سکوں گا'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اجازت دے دی۔ انہوں نے عرض

کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ مجھے اپنے مال کے حصول کے لیے کوئی بات خلاف واقعہ کہنے کی بھی اجازت دے دیں'' آپ نے انہیں یہ بھی اجازت دے دی۔ انہوں نے فرمایا ''میں عازم سفر ہوا۔ میں حرم کعبہ میں پہنچا، قریش کے افراد مختلف خبروں کی جستجو میں تھے۔ ان تک یہ خبر پہنچ چکی تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیبر تشریف لے گئے ہیں۔ ان کی آپس میں ایک سو اونٹ کی شرط بھی لگ چکی تھی کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اہل خیبر پر غالب آتے ہیں یا نہیں۔ حویطب بن عبد العزیٰ نے کہا تھا کہ مسلمان غالب آئیں گے، جبکہ عباس بن مرداس نے کہا تھا کہ یہودی آپ پر غالب آجائیں گے۔ جب حضرت حجاج رضی اللہ عنہ ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا ''بخدا! حجاج آگئے ہیں۔ ان کے پاس وہاں کی کوئی خبر ہوگی۔ انہیں ان کے اسلام لانے کی خبر نہ تھی۔ انہوں نے کہا ''حجاج! ہمیں معلوم ہوا ہے کہ محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) خیبر کی طرف گئے ہیں'' میں نے کہا ''میرے پاس ایسی خبر ہے جو تمہیں خوش کردے گی'' انہوں نے بیک زبان کہا ''وہ کیا؟'' میں نے کہا ''محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا خیبر جیسی جنگجو قوم سے کبھی واسطہ نہیں پڑا۔ مسلمانوں کو بے مثل شکست ہوئی ہے۔ انہوں نے محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو گرفتار کرلیا ہے۔ وہ کہہ رہے تھے ''ہم انہیں قتل نہیں کریں گے حتیٰ کہ ہم انہیں مکہ مکرمہ بھیجیں گے۔ ہم قریش مکہ کے سامنے انہیں قتل کریں گے یا قریش مکہ کے حوالے کریں گے۔ وہ اپنے مقتولوں کے عوض انہیں قتل کردیں گے'' یہ سن کر قریش مکہ مسرت سے دیوانہ ہوگئے۔ انہوں نے چیخ کر کہا ''اہل مکہ! تمہارے پاس مسرور کن خبر آگئی ہے۔ یہ محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں۔ انہیں تمہارے سامنے پیش کیا جائے گا۔ انہیں تمہارے سامنے قتل کردیا جائے گا'' حضرت حجاج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''میں نے انہیں کہا ''میرے مقروضوں کے بارے میں میری مدد کرو۔ میں چاہتا ہوں کہ میں خیبر جاؤں اور دوسرے تاجروں کے وہاں پہنچنے سے قبل محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں کا مال خرید لوں'' انہوں نے میرے لیے مال جمع کیا، پھر مکہ مکرمہ میں یہ خبر پھیل گئی۔ مشرکین فرحت وسرور کا اظہار کرنے لگے۔ وہاں کے مسلمانوں پر غم واندوہ کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔

جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے یہ بات سنی تو اٹھنے کی سکت بھی نہ رہی۔ پھر انہوں نے حضرت حجاج رضی اللہ عنہ کی طرف اپنا غلام بھیجا اور اسے فرمایا ''عباس تمہیں کہہ رہے ہیں کہ اللہ رب العزت اس سے بزرگ و برتر ہے کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو وہ حق ہو'' حضرت حجاج رضی اللہ عنہ نے کہا ''انہیں میرا اسلام دینا اور عرض کرنا کہ کسی کمرہ میں مجھ سے خلوت میں ملاقات کریں۔ تاکہ میں انہیں ایسی خبر سناؤں جو انہیں خوش کردے، بشرطیکہ آپ وہ خبر چھپا کر رکھیں'' غلام ان کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے کہا ''ابو الفضل! آپ کو بشارت ہو'' حضرت عباس رضی اللہ عنہ خوشی و مسرت سے اچھل پڑے۔ گویا کہ انہیں کچھ ہوا ہی نہیں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے وہ غلام آزاد کردیا اور فرمایا ''میں دس غلام آزاد کروں گا'' وقت ظہر حضرت حجاج رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو رب تعالیٰ کا واسطہ دیا کہ وہ تین ایام تک یہ خبر چھپائے رکھیں، مجھے اپنے تعاقب کا خوف ہے۔ تین ایام کے بعد یہ پھیلا دیں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ یہ وعدہ کیا تو انہوں نے کہا ''میری بیوی کے پاس میرا مال تھا۔ لوگوں پر بھی میرا قرض تھا، اگر انہیں میرے اسلام کے متعلق علم ہوجاتا تو وہ مجھے کچھ بھی نہ دیتے۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس حالت میں جدا ہوا کہ آپ خیبر کو فتح کرچکے تھے۔ آپ مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے۔ آپ نے یہودیوں کے بادشاہ حیی کی

نور نظر کو اپنے حبالۂ عقد میں داخل کر لیا ہے۔۔ ابن ابی الحقیق قتل ہو چکا ہے"۔ پھر حضرت حجاج رضی اللہ عنہ نے انہیں سارے حالات بتا دیئے۔ رات کے وقت حضرت حجاج رضی اللہ عنہ عازم سفر ہو گئے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے لیے یہ تین دن گزارنا مشکل ہو گئے۔ تین دن گزر گئے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حلّہ پہنا۔ عمدہ خوشبو لگائی۔ ہاتھ میں چھڑی پکڑی۔ پھر چلتے ہوئے قریش کی محافل میں آئے۔ وہ کہہ رہے تھے "ابو الفضل! آپ کو بھلائی کا ہی سامنا کرنا پڑے۔ بخدا! اتنی عظیم مصیبت پر اتنا صبر آپ کو ہی زیبا ہے" انہوں نے فرمایا "اللہ کی قسم! ہرگز نہیں! مجھے اس ذات والا کی قسم جس کی تم قسمیں اٹھاتے ہو۔ مجھے بھلائی ہی پہنچی ہے۔ الحمدللہ! مجھے حضرت حجاج رضی اللہ عنہ نے بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست اقدس پر خیبر فتح فرما دیا ہے۔ انہوں نے اس کا مال غنیمت تقسیم کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب کو اپنے کاشانۂ اقدس میں داخل کر لیا ہے۔ حجاج نے یہ باتیں تمہیں اس لیے نہیں بتائیں تا کہ تم ان کا مال واپس کر دو۔ ورنہ انہوں نے تو اسلام قبول کر لیا ہے" اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی اذیت کو ختم کر دیا۔ مشرکین مکہ نے کہا "اے اللہ کے بندو! اللہ کے دشمن حجاج کو چھوڑ دو، اگر ہم حقیقت حال سے آگاہ ہو جاتے تو پھر ہم کسی اور طریقے سے ہی اس کے ساتھ ملتے"۔ کچھ ہی دنوں کے بعد مشرکین مکہ کو خیبر کے سارے حالات سے آگہی ہو گئی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر کا مال غنیمت تقسیم فرمایا۔ ہر پیادہ شخص کو ایک حصہ، شہ سوار کو تین حصے عطا فرمائے۔ خمس بھی نکالا۔ پھر خیبر کی زمین اہل خیبر کے حوالے کی۔ شرط یہ تھی کہ پھل اور غلہ کی کل پیداوار میں نصف آپ کو ملے گا۔ آپ نے ان سے فرمایا "جب ہم چاہیں گے تمہیں یہاں سے نکال دیں گے" خیبر کے یہودی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت تک اسی شرط پر برقرار رہے۔ پھر یہودیوں نے مسلمانوں کے حق میں دھوکہ اور فریب کیا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کے ساتھ مشورہ کرنے کے بعد انہیں شام کی طرف جلاوطن کر دیا۔

غزوۂ وادی القریٰ

وادی القریٰ مدینہ طیبہ کے قریب ایک جگہ کا نام تھا۔ وہاں یہودیوں کی ایک جماعت رہتی تھی۔ ابن اسحاق نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں خیبر سے واپس آئے۔ ہم وادی القریٰ پہنچے۔ ہم وہاں غروب آفتاب کے وقت پہنچے۔ آپ نے چار ایام تک ان کا محاصرہ کیے رکھا۔ صحابہ کرام نے جنگ کی تیاری کر لی۔ انہوں نے صف بندی کر لی۔ آپ نے ایک جھنڈا حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو دوسرا حضرت خباب بن منذر رضی اللہ عنہ کو اور تیسرا حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کو، چوتھا حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ پھر ان یہودیوں کو اسلام کی طرف دعوت دی۔ انہیں فرمایا "اگر انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو ان کے خون اور اموال محفوظ ہو جائیں گے۔ ان کا حساب رب تعالیٰ کے ذمہ ہو گا"۔ یہودیوں کا ایک شخص دعوت مبارزت لے کر نکلا تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اس کا کام تمام کر دیا۔ دوسرا شخص مقابلہ کی دعوت لے کر نکلا تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے ہی اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ تیسرا شخص "ھل من مبارز" پکارتے ہوئے آیا تو

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو واصل جہنم کر دیا۔ ایک اور یہودی نکلا تو حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے اسے موت کی نیند سلا دیا، حتیٰ کہ یہودیوں کے گیارہ سورما موت کی وادی میں چلے گئے۔ جب بھی ان کا کوئی شخص قتل ہوتا انہیں اسلام کی طرف دعوت دی جاتی۔ بالآخر مسلمانوں نے ان پر فتح یابی حاصل کر لی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اموال مسلمانوں کو بطور مال غنیمت عطا فرما دیئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مال غنیمت صحابہ کرام میں تقسیم فرما دیا۔ زمین اور کھجوریں یہودیوں کے پاس ہی رہنے دیں۔ اور ان پر ان کے ساتھ معاہدہ کیا۔ حضرت عمرو بن سعید رضی اللہ عنہ کو ان کا نگران مقرر کیا۔ جب اہل قیماء کو وادی القریٰ کے فتح ہونے کی خبر ملی تو انہوں نے جزیہ دینے پر صلح کر لی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت یزید بن سفیان رضی اللہ عنہ کو ان پر نگران مقرر کیا۔ انہوں نے فتح مکہ کے روز اسلام قبول کیا تھا۔ قیماء مدینہ طیبہ اور شام کے مابین ایک معروف شہر تھا۔ مدینہ طیبہ سے یہ سات مراحل پر تھا۔ اسی طرح اہل فدک نے بھی نصف پیداوار پر صلح کر لی تھی۔ یہ پیداوار آپ کے لیے مخصوص تھی کیونکہ یہ بزور شمشیر فتح نہیں ہوا تھا۔ بعض سیرت نگاروں نے اہل فدک کی صلح کو غزوہ وادی القریٰ سے مقدم کیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے فتح خیبر کے بعد صلح کی تھی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ واپس تشریف لے آئے۔

سریہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی طرف

تربہ مکہ مکرمہ کے مغرب میں ایک وادی کا نام تھا۔ العبلاء اس سے دو راتوں کی مسافت پر جبکہ مکہ مکرمہ چار راتوں کی مسافت پر تھا۔ یہ سریہ شعبان 7ھ کو رونما ہوا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو تیس افراد کے ساتھ بھیجا۔ یہ کارواں رات کو محو سفر ہوتا تھا۔ دن کو چھپ جاتا تھا۔ بنو ہوازن کے وہ لوگ جو مقام تربہ پر فروکش تھے۔ انہوں نے اس گروہ کے متعلق سن لیا تو وہ بھاگ گئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کی اقامت گاہ تک پہنچے تو وہ راہ فرار اختیار کر چکے تھے۔ وہ اپنے سارے جانور بھی اپنے ساتھ لے جا چکے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ واپس آ گئے۔ جب وہ ذوالجدر کے مقام پر پہنچے۔ یہ جگہ مدینہ طیبہ سے چھ میل دور تھی۔ بنو ہلال کے ایک شخص نے ان سے عرض کی "کیا آپ بنو خثعم کے لشکر پر حملہ آور نہیں ہوں گے، انہیں قحط سالی نے آلیا ہے" حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا "مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حکم نہیں دیا۔ آپ نے مجھے تربہ کے ہوازن پر حملہ کرنے کے لیے فرمایا"۔

سریہ ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ

یہ سریہ نجد کے قبیلہ بنو کلاب کی طرف تھا۔ یہ قبیلہ ضربہ کے گردونواح میں آباد تھا۔ یہ سریہ بھی شعبان 7ھ کو رونما ہوا تھا۔ دوسری روایت کے مطابق یہ سریہ بنو فزارہ کی سرکوبی کے لیے تھا۔ آپ نے ان کی ایک جماعت کو گرفتار کر لیا۔ ایک جماعت کو تہ تیغ کر دیا۔ امام مسلم نے صحیح مسلم میں لکھا ہے "حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو فزارہ کی طرف بھیجا۔ میں بھی ان کے ہمراہ نکلا۔ جب ہم نے صبح کی نماز پڑھ لی تو آپ نے ہمیں حملہ کرنے کا حکم دیا۔ ان میں سے کچھ افراد کو تہ تیغ کیا۔ میں نے بچوں اور خواتین کو دیکھا۔ مجھے خدشہ دامن گیر ہوا کہ وہ کہیں پہاڑ کی طرف نہ

چلے جائیں۔میں نے سرعت سے انہیں جالیا۔میں نے ان کے اور پہاڑ کے درمیان تیر پھینک دیا۔جب انہوں نے تیر دیکھا تو فوراً رک گئے۔ان میں ایک عورت تھی جسے ام قرفہ کہا جاتا تھا۔اس نے چمڑے کی پوستین پہن رکھی تھی۔اس کے ساتھ اس کی بیٹی بھی تھی۔وہ سارے عرب کی خواتین سے خوبصورت تھی۔میں انہیں ہانک کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس لے آیا۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ام قرفہ کی وہ بیٹی مجھے عطا فرمادی۔لیکن میں نے اس کا کپڑا تک نہ اٹھایا۔ہم مدینہ طیبہ آگئے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے ملے تو فرمایا ''وہ لڑکی مجھے دے دو'' میں نے عرض کی ''میں اسے آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں'' آپ نے اسے مکہ مکرمہ بھیجا۔اس کے عوض مسلمانوں کے بہت سے اسیروں کو آزاد کرالیا جو کفار مکہ کے ہاں پابند سلاسل تھے''۔بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ اس سریہ میں ام قرفہ کا نام وھم ہے، کیونکہ وہ سریہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ میں موجود تھی جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

سریہ حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ

انہیں فدک کے مقام پر بنومرہ کی طرف بھیجا گیا۔یہ سریہ بھی شعبان 7ھ کو ہوا تھا۔ان کے ہمراہ تیس صحابہ کرام تھے۔جب یہ ان لوگوں کی اقامت گاہ تک پہنچے تو انہیں قوم کے چرواہے ملے۔انہوں نے ان سے بنومرہ کے متعلق پوچھا۔انہوں نے کہا ''وہ اپنی اپنی وادیوں میں ہیں'' وہ سب جدا جدا تھے۔اس چشمہ پر موجود نہ تھے۔حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ نے جانور اور مویشی ہانکے اور مدینہ طیبہ کی طرف چل پڑے۔دشمن کے ایک شخص نے باآواز بلند پکارا۔جسے سن کر بہت سے لوگ جمع ہو گئے۔رات کے وقت وہ حضرت بشیر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے پاس آگئے۔وہ ساری رات ان پر تیر اندازی کرتے رہے۔ان کے ساتھیوں کو تیر لگے۔ان کے بہت سے ساتھی بھاگ نکلے۔حضرت بشیر رضی اللہ عنہ لڑتے رہے حتیٰ کہ وہ شدید زخمی ہو گئے۔ان میں زندگی کی رمق باقی تھی۔دشمن نے ان کی ایڑھی پر مارا تاکہ معلوم کرے کہ وہ زندہ ہیں یا وصال کر چکے ہیں۔جب انہوں نے حرکت نہ کی تو انہوں نے کہا ''یہ تو مر گیا ہے'' وہ اپنے جانور اور مویشی ہانک کر لے آئے۔حضرت عتبہ بن زید رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے اور سارے حالات بتائے۔حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ بھی آپ کی خدمت حاضر ہو گئے۔وہ شام تک مقتولوں میں پڑے رہے۔رات کو اٹھ کر کسی نہ کسی طرح فدک تک پہنچے۔یہودیوں کے ہاں کچھ روز قیام کیا جب زخم مندمل ہو گئے تو مدینہ طیبہ آگئے۔

سریہ غالب بن عبداللہ اللیثی رضی اللہ عنہ

یہ سریہ اہل میفعہ کی طرف تھا۔یہ قبیلہ نجد کی ایک طرف مدینہ طیبہ سے آٹھ برید دور تھا۔یہ سریہ رمضان المبارک 7ھ کو ہوا تھا۔اس سریہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک سو تیس دوسری روایت کے مطابق دو سو تیس صحابہ کرام بھیجے تھے۔انہوں نے دشمنوں پر یلغار کردی۔ان کے سرداروں کو تہ تیغ کیا۔جانور ہانک کر مدینہ طیبہ لے آئے۔اسی سریہ میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے نہیک بن مرداس اسمی کو قتل کیا تھا۔حالانکہ اس نے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ لیا تھا۔دوسری روایت میں غطفانی کا

ذکر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اسامہ! تم نے اس شخص کو کیوں قتل کیا جو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھتا تھا؟ انہوں نے عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم اس نے قتل سے بچنے کے لیے یہ کلمہ پڑھا'' آپ نے فرمایا ''کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا کہ وہ سچا تھا یا جھوٹا'' حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے وعدہ کیا کہ وہ آئندہ کسی بھی ایسے شخص کو تہ تیغ نہیں کریں گے جو یہ گواہی دیتا ہو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔

دوسری روایت کے مطابق مرداس کی قوم جب شکست خوردہ ہوگئی تو وہ تنہا رہ گئے اور اپنی بکریاں لے کر پہاڑ کی طرف چلے گئے۔ جب مسلمان اس کی طرف گئے تو اس نے کہا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ، السلام علیکم'' حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کر دیا۔ جب واپس لوٹے تو یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰۤى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (النساء:94)

''اے اہل ایمان جب تم سفر پر نکلو اللہ کی راہ میں (جہاد کے لیے) تم خوب تحقیق کر لو اور نہ کہو اسے جو بھیجتا ہے تم پر سلام کہ تم مومن نہیں ہو تم تلاش کرتے ہو سامان دنیوی زندگی کا''۔

دوسری روایت کے مطابق یہ آیت ایک اور سریہ کے متعلق نازل ہوئی جو سنہ 8 ھ کو رونما ہوا تھا۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ ان کے امیر تھے۔ جب وہ مدینہ طیبہ آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اسامہ! تم نے اسے اس کے بعد قتل کر دیا کہ وہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی گواہی دے رہا تھا۔ انہوں نے عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم وہ بچنے کے لیے یہ کلمہ پڑھ رہا تھا۔ آپ بار بار یہی بات دہراتے رہے۔ حتیٰ کہ میں نے خواہش کی، کاش! میں نے آج ہی اسلام قبول کیا ہوتا۔ کیونکہ اسلام پہلے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے ورثاء کو دیت دی اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو غلام آزاد کرنے کا حکم دیا۔

سریہ حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ

یہ سریہ بنو غطفان کی سرزمین یمن اور جبار کی طرف تھا۔ اسے فزارہ بھی کہا جاتا تھا۔ یہ سریہ شوال 7 ھ کو رونما ہوا تھا۔ آپ نے حضرت بشیر رضی اللہ عنہ کو تین سو صحابہ کرام کے ساتھ اس لشکر کی گوشمالی کے لیے بھیجا جو غطفان کی زمین میں جمع تھا۔ انہیں عیینہ بن حصن نے مدینہ طیبہ پر غارت گری کے لیے جمع کر رکھا تھا۔ یہ لشکر رات کو عازم سفر ہوتا، دن کے وقت چھپ جاتا۔ جب دشمن کو اس لشکر کی آمد کی خبر ملی تو وہ بھاگ گیا۔ ان کے بہت سے مویشی مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔ پھر وہ عیینہ کے لشکر کے ساتھ نبرد آزما ہوگئے۔ پھر عیینہ کے لشکر کو شکست برداشت کرنا پڑی۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا دو افراد گرفتار کر لیے۔ انہیں مدینہ طیبہ لے آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں چھوڑ دیا۔

عمرۃ القضاء

روانگی

حضرت موسیٰ بن عقبہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن شہاب نے کہا ''آپ ذوالقعدہ 7ھ کو عمرہ کی ادائیگی کے لیے تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو حکم فرمایا کہ ان حضرات میں سے ایک بھی پیچھے نہ رہے، جنہوں نے حدیبیہ میں شرکت کی سعادت حاصل کی تھی۔ بچوں اور خواتین کے علاوہ دو ہزار صحابہ کرام آپ کے ہمراہ تھے۔ آپ نے حضرت ابورہم کلثوم بن حصین غفاری رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا۔ آپ کے ہمراہ ساٹھ قربانی کے جانور تھے۔ آپ نے ہتھیار، زرہیں، نیزے اور ایک سو گھڑسوار بھی ساتھ لے لیے۔ آپ نے احتیاطاً یہ کام کیا تھا تاکہ اہل مکہ دھوکہ سے حملہ آور نہ ہو جائیں۔ جب آپ ذوالحلیفہ پہنچے تو آپ نے گھڑسوار دستہ آگے بھیج دیا۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر مقرر کیا۔ ہتھیار بھی آگے بھیج دیئے۔ حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ کو ان کا نگران مقرر کیا۔ آپ نے احرام باندھا۔ فیوع کے راستہ عازم سفر ہوئے۔ آپ نے تلبیہ پڑھا۔ صحابہ کرام نے بھی آپ کے ہمراہ تلبیہ پڑھا۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ گھڑسوار دستے کو لے کر مرالظہر ان چلے گئے۔ انہیں وہاں قریش کے بعض افراد ملے۔ انہوں نے ان سے گھڑسوار دستہ کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا ''حضور ﷺ صبح کے وقت یہاں تشریف فرما ہوں گے ان شاء اللہ''۔ وہ افراد قریش کے پاس پہنچے اور گھڑسوار دستے اور حضور ﷺ کی آمد کے متعلق بتایا۔ جسے سن کر قریش گھبرا گئے۔ انہوں نے کہا ''بخدا! ہم نے کسی واقعہ کا اظہار بھی نہیں کیا۔ ہم اپنے معاہدہ پر بھی برقرار ہیں۔ محمد عربی (ﷺ) ہم پر لشکر کشی کیوں کر رہے ہیں؟ انہوں نے مکرز بن حفص کو قریش کے چند افراد کے ساتھ بھیجا۔ انہوں نے حضور ﷺ سے ملاقات کی۔ آپ اس وقت وادی یاجج میں جلوہ افروز تھے۔ اسلحہ اور قربانی کے جانور بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ ان افراد نے عرض کی ''ہمارے کسی چھوٹے یا بڑے شخص نے دھوکہ بھی نہیں کیا، فریب نہیں کیا۔ آپ حرم کعبہ میں اپنی قوم کی طرف اسلحہ لے کر آ گئے ہیں؟ حالانکہ آپ نے شرط لگائی تھی کہ آپ صرف مسافر کا اسلحہ لے کر ہی مکہ مکرمہ میں داخل ہوں گے''۔ آپ نے فرمایا ''میں مشرکین مکہ کے پاس اسلحہ لے کر نہیں جاؤں گا''۔ مکرز نے کہا ''نیکی اور وفا آپ کی معروف خصلت ہے''۔ پھر مکرز قریش مکہ کے پاس آ گیا اور ان سے کہا ''محمد عربی (ﷺ) ابھی تک اسی شرط پر قائم ہیں جو انہوں نے رکھی تھی''۔ آپ نے مرالظہران کے مقام پر نزول اجلال فرمایا۔ اسلحہ وادی اُجج میں بھیج دیا۔ حضرت اوس بن خولی انصاری رضی اللہ عنہ کو دو سو مجاہدین کے ساتھ اس پر نگران مقرر کیا۔ حتیٰ کہ آپ نے عمرہ کے سارے مناسک ادا کر لیے۔ قریش مکہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر چلے گئے۔ انہیں آپ کو دیکھنے کی سکت نہ تھی۔ آپ نے اور آپ کے صحابہ کرام نے بیت اللہ کا طواف کیا۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے اشعار

دوسری روایت کے مطابق آپ نے قربانی کے جانور آگے ذوطویٰ بھیج دیے۔ آپ اپنی ناقہ مبارکہ قصواء پر سوار تھے۔ مسلمان تلواریں سونت کر آپ کے اردگرد حلقہ زن تھے۔ آپ اس ثنیہ سے جلوہ افروز ہوئے جو حجون کے اوپر ہے۔ حضرت

عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ آپ کی مبارک سواری کی نکیل پکڑے ہوئے آپ کے آگے آگے رواں تھے۔ان کے لبوں پر یہ اشعار تھے۔

خلو بنی الکفار عن سبلیه   الیوم نضربکم علی تنزیله

''اے کفر کے سور ماؤ! میرے آقا کے رستے سے ہٹ جاؤ۔آج ہم تم سے قرآن مجید کی تنزیل پر جنگ کریں گے۔

ضربا یزیل الهام عن مقیله   ویذهل الخلیل عن خلیله

ہم ایسی ضرب لگائیں گے جو تمہاری گردنوں کو کندھوں سے جدا کر دے گی۔جو جگری یار کو جگری یار سے غافل کر دے گی۔

قد انزل الرحمن فی تنزیله   بانّ خیرالقتل فی سبیله

اللہ رب العزت نے قرآن پاک میں فرمایا ہے کہ بہترین قتل وہ ہے جسے اس کی راہ میں شہید کیا جائے۔

نحن قتلنا کم علی تاویله   کما قتلناکم علی تنزیله

ہم نے اس کی تاویل پر تمہیں اسی طرح قتل کیا جس طرح اس کی تنزیل پر تمہارے ساتھ قتال کیا۔

یا رب انی مومن بقیله   انی رایت الحق فی قبوله

مولا! میں تیرے سارے ارشادات پر ایمان لاتا ہوں۔میں نے دیکھا ہے کہ حق اسی میں ہے کہ تیری ہر بات تسلیم کر لی جائے''۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''ابن رواحہ! کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اور حرم الٰہی میں تم یہ اشعار پڑھ رہے ہو؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''عمر! اسے چھوڑ دو۔یہ اشعار کفار پر تیروں سے زیادہ اثر انداز ہو رہے ہیں'' حضرت ابن رواحہ رضی اللہ عنہ کا یہ مصرعہ ''نحن ضربنا کم علی تاویله'' حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے یوم صفین کو بھی پڑھا تھا۔ممکن ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے پہلے یہ اشعار پڑھے ہوں۔حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے یوم صفین کو یہی پڑھ لیے ہوں۔پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابن رواحہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''یہ کہو'' لا اله الا الله وحدہ، نصر عبدہ، اعز جندہ وهزم الاحزاب وحدہ'' حضرت ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے اسی طرح کہا۔پھر صحابہ کرام نے بھی اسی طرح کہا۔اس میں کفار کو آتش غیظ وغضب میں زیادہ جلانا مقصود تھا۔کیونکہ انہیں اشعار سے زیادہ اذیت پہنچی تھی۔تمام مسلمان بیک آواز یہ کلمات کہہ رہے تھے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تلبیہ پڑھتے رہے حتیٰ کہ آپ نے حجر اسود کو استلام کر لیا۔آپ نے اپنی اونٹنی پر ہی طواف مکمل فرمایا۔دوسری روایت کے مطابق آپ نے پیادہ ہی طواف کیا۔پہلے تین چکروں میں رمل کیا۔صحابہ کرام بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ محو طواف تھے۔

رمل

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام مکہ مکرمہ پہنچے تو مشرکوں نے کہا ''تمہارے پاس ایسی قوم آئی ہے جسے یثرب کے بخار نے کمزور کر دیا ہے۔آپ نے پہلے تین چکروں میں صحابہ کرام کو رمل کرنے کا حکم دیا۔تاکہ مشرکین اہل ایمان کی قوت وسطوت کا اندازہ لگا لیں۔انہوں نے کہا

''ارے! جن لوگوں کے متعلق تم گمان کر رہے ہو کہ بخار نے انہیں کمزور کر دیا ہے۔ وہ ہرن کی چال کی مانند اچھل اچھل کر مصروف طواف ہیں۔ مشرکین جبل قعیقعان پر تھے۔ آپ نے صحابہ کرام کو دونوں رکنوں کے مابین چلنے کا حکم دیا۔ کیونکہ اس جگہ قریش انہیں نہیں دیکھ سکتے تھے۔ کیونکہ وہ انہیں صرف دو شامی رکنوں کے مابین دیکھ سکتے تھے۔ پھر آپ نے اپنی سواری پر ہی صفا اور مروہ کی سعی کی۔ پھر مروہ کے پاس اپنے جانور ذبح کیے۔ وہیں حلق کرایا۔ پھر اپنے دو سو صحابہ کرام کو حکم دیا کہ وہ وادی یا جج میں دوسرے صحابہ کرام کے پاس جائیں۔ وہ وہاں اسلحہ کی نگرانی کریں، وہاں متعین صحابہ کرام آ کر مناسکِ عمرہ ادا کر لیں۔ انہوں نے اسی طرح کیا۔

واپسی

آپ تین روز مکہ مکرمہ میں جلوہ افروز رہے۔ جیسا کہ اہل مکہ نے یہ شرط رکھی تھی۔ چوتھے روز ظہر کے وقت سہیل بن عمرو اور خویطب بن عبد العزیٰ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے عرض کی ''ہم آپ کو رب تعالیٰ اور معاہدہ کا واسطہ دیتے ہیں کہ آپ ہماری سرزمین سے نکل جائیں''۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے انہیں جواب دینے کی کوشش کی۔ مگر آپ نے انہیں خاموش کرا دیا۔ اور کوچ کا حکم دے دیا۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں ''گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دن کے ابتدائی حصہ میں مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تھے۔ چوتھے روز اسی وقت یہ تین ایام مکمل ہوئے تھے'' امام بخاری نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ میں جلوہ افروز ہو گئے اور تین ایام گزر گئے تو قریش مکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ انہوں نے کہا ''اپنے صاحب سے عرض کریں کہ یہاں سے تشریف لے جائیں۔ مدت معینہ گزر چکی ہے''۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ سے باہر نکل آئے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی نور نظر جن کا نام نامی امامہ یا عمارہ یا سلمیٰ تھا۔ وہ آپ کے پیچھے پیچھے آ رہی تھیں۔ وہ باآواز بلند چچا جان! چچا جان! پکار رہی تھیں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے انہیں اٹھا لیا۔ اور حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے کہا ''اپنی چچازاد کو اپنے ہودج میں رکھیں'' حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''ہم اپنی چچازاد یتیمہ کو مشرکین کے پاس کیوں چھوڑ کر جائیں''۔ آپ نے انہیں منع نہیں فرمایا۔ وہ انہیں لے کر عازم سفر ہوئے۔ پھر ان کے متعلق حضرات علی المرتضیٰ، جعفر طیار اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم نے تکرار کیا کہ وہ فرخندہ فال بچی کس کے پاس رہے گی۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں نے اسے حاصل کیا اور مشرکین کے پاس سے لے کر آیا''۔ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''یہ میری چچازاد ہے اور اس کی خالہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا میرے عقد نکاح میں ہے۔ اس لیے میں اس کا زیادہ حقدار ہوں''۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے کہا ''یہ میرے بھائی کی نور نظر ہے لہٰذا میں اس کا زیادہ حقدار ہوں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حمزہ اور حضرت زید رضی اللہ عنہما کے مابین رشتہ مؤاخات قائم فرمایا تھا۔ اس بچی کے متعلق ہر ایک کو شبہ تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی خالہ کے حق میں فیصلہ کر دیا اور فرمایا ''خالہ والدہ کے قائم مقام ہوتی ہے''۔ آپ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''تم خَلق اور خُلق میں میرے مشابہ ہو'' حضرت زید رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''تم ہمارے بھائی اور ہمارے مددگار ہو'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ بچی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے پاس ہی رہنے دی۔ حالانکہ مشرکین کے ساتھ معاہدہ میں یہ شرط بھی تھی

کہ جو شخص آپ کے پاس آئے گا۔ آپ اسے واپس لوٹا دیں گے۔ کیونکہ انہوں نے اس بچی کا مطالبہ بھی نہیں کیا تھا۔ نیز اہل ایمان خواتین اس شرط میں شامل نہ تھیں۔ واپسی پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسرف کے مقام پر حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے شادی فرمائی۔ اس وقت آپ نے احرام کھول دیا تھا۔ دوسری روایت کے مطابق آپ نے حالت احرام میں ان کے ساتھ نکاح فرمایا۔ احرام کھول کر ان کے ساتھ وظیفۂ زوجیت ادا فرمایا۔ لیکن محققین نے کہا ہے کہ یہ وہم ہے۔ پہلا قول ہی درست ہے۔ اس عمرہ کے نام کے بارے سیرت نگاروں کا اختلاف ہے۔ بعض نے اسے عمرۃ القضاء کہا ہے۔ کیونکہ آپ نے حدیبیہ کے سال قریش کے ساتھ معاہدہ کیا تھا۔ اس قضاء سے مراد وہ شرط ہے جس پر معاہدہ ہوا تھا۔ امام مالک، امام شافعی اور جمہور علماء نے اسے یہی نام دیا ہے۔ اس سے مراد اس عمرہ کی قضاء نہیں ہے جس سے آپ کو روک دیا گیا تھا۔ کیونکہ وہ فاسد نہیں ہوا تھا کہ اس کی قضاء ہوتی۔ بلکہ وہ تو مکمل عمرہ تھا۔ امام ابوحنیفہ اور امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ جسے بیت اللہ سے روک دیا گیا تو اس پر عمرہ کی قضاء ہے۔ وہ اسے ظاہری معنیٰ کے اعتبار سے قضاء مراد لیتے ہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

سریہ اخرم بن ابی العوجاء السلمی رضی اللہ عنہ

ذوالحجہ 7 ھ کو انہیں بنوسلیم کی طرف بھیجا گیا۔ ان کے ساتھ پچاس مجاہدین تھے۔ جب یہ بنوسلیم کے لیے روانہ ہوئے تو ان کے متعلق بنوسلیم کے ایک جاسوس کو علم ہو گیا۔ اس نے بنوسلیم کو ان کی روانگی سے آگاہ کر دیا اور انہیں بچنے کی تلقین کی۔ انہوں نے حضرت ابوالعوجاء رضی اللہ عنہ کے لیے بہت بڑا لشکر جمع کر لیا۔ ان کے سردار کو حضرت ابوالعوجاء رضی اللہ عنہ نے اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے کہا ''ہمیں اس دین کی ضرورت نہیں جس کی طرف آپ ہمیں بلا رہے ہیں''۔ انہوں نے کچھ دیر تیراندازی کی۔ کفار کو مزید کمک مل گئی۔ کفار نے ہمہ جہت سے مسلمانوں کا محاصرہ کر لیا۔ مسلمانوں نے شدید جہاد کیا۔ حتیٰ کہ تمام مجاہد شہید ہو گئے۔ دوسری روایت میں ہے کہ امیر بھی شہید ہو گیا۔ ایک اور قول کے مطابق انہوں نے امیر لشکر کو زخمی حالت میں چھوڑ دیا۔ پھر وہ کسی نہ کسی طرح یکم صفر کو بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہو گئے۔ ایک اور روایت کے مطابق دو یا تین مجاہد بچ نکلے تھے جنہوں نے اپنے امیر کو مدینہ طیبہ تک پہنچا دیا۔

سریہ حضرت غالب بن عبداللہ اللیثی رضی اللہ عنہ

انہیں کدید کے مقام پر بنوملوح کی طرف بھیجا گیا۔ یہ قدید اور عسفان کے مابین چشمہ کا نام تھا۔ یہ سریہ صفر 8 ھ کو رونما ہوا۔ ابن اسحاق وغیرہ نے حضرت جندب بن مکیث الجہنی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غالب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو ایک سریہ کا امیر بنا کر روانہ فرمایا۔ میں بھی ان مجاہدین میں شامل تھا۔ آپ نے کدید کے مقام پر بنوملوح پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ ہم عازم سفر ہوئے۔ جب ہم قدید کے مقام پر پہنچے تو ہمیں ابن برصاء حرث بن مالک اللیثی ملا۔ ہم نے اسے گرفتار کر لیا۔ اس نے کہا ''میں اسلام کا ارادہ کیے ہوئے ہوں۔ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کے ارادہ سے نکلا ہوں''، ہم نے اسے کہا ''اگر تم مسلمان ہو تو ایک دن اور ایک رات کی گرفتاری تمہیں کچھ نہیں کہے گی۔ اگر تم اس کے

علاوہ کچھ ہوتو ہم نے تم سے وثیقہ لے لیا ہوگا''۔ ہم نے اسے باندھ دیا۔ ہم نے اپنے ایک ساتھی کو اس پر نگران مقرر کیا اور اسے کہا ''اگر یہ تمہارے ساتھ دھوکہ کرے تو اس کا سر کاٹ دینا'' پھر ہم عازم سفر ہو کر غروب آفتاب کے وقت قدید پہنچے۔ ہم وادی کے ایک کنارے پر تھے۔ مجھے میرے ساتھیوں نے اپنا جاسوس بنا کر بھیجا۔ میں باہر نکلا۔ ایک بلند ٹیلے پر چھپ گیا۔ میں نے سر اٹھا کر نیچے دیکھا، بخدا! میں اس ٹیلے پر منہ کے بل لیٹا ہوا تھا کہ اچانک ایک شخص اپنے خیمہ سے باہر نکلا۔ اس نے اپنی بیوی سے کہا ''مجھے اس ٹیلے پر ایک سایہ نظر آ رہا ہے۔ تو اپنے برتن دیکھ لے کہ کوئی چیز مفقود تو نہیں ہے۔ کتے ہی ایک دوسرے پر نہ چڑھ دوڑے ہوں'' اس عورت نے غور سے برتن دیکھے اور کہا ''بخدا! میری تو کوئی چیز بھی مفقود نہیں'' اس شخص نے کہا ''مجھے میری کمان اور تیر پکڑاؤ'' اس عورت نے اسے دو تیر اور کمان پکڑائی۔ اس نے تیر پھینکا جو میری آنکھوں کے مابین لگا۔ میں نے وہ تیر نکالا۔ اپنی جگہ پر ثابت قدم رہا۔ اس نے دوسرا تیر اپھینکا جو میرے کندھے پر لگا۔ میں نے وہ تیر نکالا اور ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا۔ اس شخص نے اپنی عورت سے کہا ''اگر یہ کسی قوم کا جاسوس ہوا تو میرے تیروں نے اس کا کام تمام کر دیا ہے۔ وقتِ صبح یہ تیر تلاش کر کے لے آنا تا کہ کتے انہیں چاٹتے ہی نہ رہیں''۔ پھر وہ اپنے خیمہ میں داخل ہو گیا۔ ہم نے انہیں مہلت دی۔ جب وہ مطمئن ہو گئے تو وقتِ سحر ہم نے ان پر حملہ کر دیا۔ ہم نے ان کے بہت سے افراد قتل کر دیے۔ مویشی ہانک لیے۔ اس قوم کو پکارنے والے نے صدا دی۔ اتنا لشکر جرار جمع ہو گیا جن کے ساتھ مقابلہ کرنے کی ہم میں قوت نہ تھی۔ ہم مویشی لے کر عازم سفر ہو گئے۔ ہم ابن برصاء اور اس کے ساتھی کے پاس سے گزرے۔ انہیں بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ دشمن قوم ہمارے قریب آ گئی۔ ہمارے مابین صرف قدید کی وادی تھی۔ اللہ رب العزت نے سیلاب بھیج دیا۔ یہ سیلاب نہ جانے کہاں سے آ گیا تھا۔ حالانکہ نہ بادل نظر آ رہا تھا نہ ہی بارش۔ یہ سیلاب اتنا تیز تھا کہ اسے عبور کرنے کی قوت کسی میں نہ تھی۔ دشمن ہمیں دیکھ رہا تھا۔ ہم ان کے جانور ہانک کر لے جا رہے تھے۔ ان کا ایک شخص بھی ہمارے پاس آنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا۔ ہم جلدی جلدی جانور ہانکے لے جا رہے تھے۔ حتیٰ کہ ہم نے انہیں مغلوب کر دیا۔ وہ ہمارا تعاقب نہ کر سکے۔ حتیٰ کہ ہم بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آ گئے۔ حرث بن مالک ہی ابن برصاء ہیں۔ برصاء ان کی والدہ کا نام تھا۔ یا وادی کا نام تھا۔ یہ صحابی تھے۔ پہلے ان کی سکونت مکہ مکرمہ میں تھی۔ پھر وہ مدینہ طیبہ آ گئے۔ انہوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت کے آخری سالوں میں وصال فرمایا۔ ان سے صرف ایک حدیث طیبہ ہی روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''میں نے فتح مکہ کے روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا۔ آپ نے فرمایا ''آج کے بعد تا روز حشر مکہ مکرمہ پر لشکر کشی نہیں ہوگی''۔ ابن حبان اور امام ترمذی نے یہ حدیث روایت کی ہے۔ اور اسے صحیح بھی کہا ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرات خالد بن ولید، عثمان بن طلحہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم کا قبول اسلام

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''جب اللہ رب العزت نے میرے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرمایا تو اس نے میرے دل میں اسلام ڈال دیا۔ مجھے رشد و ہدایت عطا فرمائی۔ میں نے کہا ''میں محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ہمراہ نبرد آزما ہونے کے لیے ہر جگہ گیا۔ میں واپس آیا تو میں نے یہی سمجھا کہ میں وقت کا ضیاع کر رہا ہوں۔ محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) عنقریب غالب آ جائیں گے۔

جب آپ عمرہ کی ادائیگی کے لیے تشریف لائے تو میں غائب ہو گیا۔ میں آپ کی تشریف آوری کا نظارہ نہ کر سکا۔ اس وقت میرے بھائی ولید بن ولید بھی آپ کے ساتھ ہی تھے۔ انہوں نے مجھے ڈھونڈا۔ مگر مجھے نہ پا سکے۔ انہوں نے مجھے یہ خط لکھا:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

امابعد! میرے لیے سب سے زیادہ تعجب خیز یہ امر ہے کہ تمہاری رائے سے اسلام کی صداقت کیسے مخفی رہی۔ حالانکہ تمہاری عقل و دانش اپنی نظیر نہیں رکھتی۔ اسلام جیسا سچا مذہب تم سے کیسے پوشیدہ رہ سکتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہارے بارے مجھ سے پوچھا کہ خالد کہاں ہے؟ میں نے عرض کی ''اللہ رب العزت انہیں لے آئے گا''۔ آپ نے یہ بھی فرمایا ''خالد جیسا زیرک انسان اسلام سے کیسے دُور رہ سکتا ہے۔ اگر وہ کفار و مشرکین کے مقابلہ میں مسلمانوں کی مدد کرتا تو اس کے لیے بہت بہتر ہوتا۔ ہم اسے دوسروں پر ترجیح دیتے''۔ میرے بھائی! تم نے زندگی کے جو لمحات ضائع کیے ہیں۔ ان کا فوراً تدارک کر لو''۔

جب مجھے میرے بھائی کا خط ملا تو مدینہ طیبہ کی طرف جانے کا شوق مزید بھڑک اٹھا۔ اسلام کی رغبت میں اضافہ ہو گیا۔ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان سے خوش ہو گیا۔ نیز میں نے خود کو خواب میں دیکھا کہ گویا کہ میں قحط زدہ تنگ زمین میں ہوں۔ پھر میں وہاں سے نکل کر وسیع اور شاداب زمین میں آ گیا ہوں۔ جب میں نے مدینہ طیبہ کی طرف جانے کا عزم کر لیا تو میں صفوان بن امیہ سے ملا۔ میں نے اسے کہا ''ابو وہب! کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) عرب و عجم پر غالب آ گئے ہیں۔ اگر ہم آگے بڑھیں اور آپ کی اطاعت بجالائیں تو آپ کا ہر شرف ہمارا شرف بن جائے گا''۔ صفوان نے مجھے کہا ''اگر میرے علاوہ اور کوئی بھی نہ رہا، میں پھر بھی ان کی اتباع نہیں کروں گا''۔ میں نے کہا ''یہ ایسا شخص ہے جس کا باپ اور بھائی بدر میں قتل ہو گئے تھے''۔ میں عکرمہ بن ابی جہل سے ملا۔ میں نے اس سے بھی اسی طرح گفتگو کی جس طرح صفوان سے کی تھی۔ اس نے مجھے اسی طرح جواب دیا جس طرح صفوان نے دیا تھا۔ میں نے اسے کہا ''میری یہ بات مخفی رکھنا'' اس نے اسے پوشیدہ رکھنے کا وعدہ کر لیا۔ پھر میں عثمان بن طلحہ سے ملا۔ میں نے کہا ''یہ میرا جگری یار ہے''۔ میں نے ارادہ کیا کہ میں اسے اپنے عزم سے آگاہ کروں۔ پھر مجھے یاد آیا کہ اس کا باپ طلحہ، چچا عثمان اور چار بھائی مسافع، حلاس، حرث اور کلاب قتل ہو چکے ہیں۔ یہ سارے احد کے روز قتل ہوئے تھے۔ میں نے اس سے یہ بات کرنا مناسب نہ سمجھی۔ پھر میں نے اسے کہا ''ہم اس لومڑی کی طرح ہیں جو ایک سوراخ میں ہو۔ اگر اس میں پانی کے ڈول ڈالے جائیں تو وہ ضرور باہر نکل آئے''۔ میں نے اس کے ساتھ اسی طرح گفتگو کی جس طرح میں نے صفوان اور عکرمہ سے کی تھی۔ اس نے جلدی سے میری بات مان لی۔ اس نے وعدہ کیا کہ اگر وہ آگے نکل گیا تو فلاں جگہ میرا منتظر ہو گا۔ اگر میں وہاں پہلے پہنچ جاؤں تو اس کا انتظار کروں گا۔ ابھی فجر بھی طلوع نہیں ہوئی تھی کہ ہم ایک دوسرے سے مل گئے۔ ہم عازم سفر ہو کر ''العدۃ'' پہنچے۔ ہم نے وہاں عمرو بن العاص کو پایا۔ ہم نے اسے خوش آمدید اور اس نے ہمیں مرحبا کہا۔ اس نے پوچھا ''کہاں کا ارادہ ہے؟ ہم نے کہا ''دائرہ اسلام میں داخل ہونے کا'' انہوں نے کہا ''میں بھی اسی لیے آیا ہوں'' دوسری روایت کے مطابق عمرو نے خالد سے کہا ''ابو سلیمان! کہاں کا ارادہ ہے؟

انہوں نے کہا "اللہ کی قسم! اب صراط مستقیم آشکارا ہو چکا ہے۔ امر واضح ہو چکا ہے۔ یہ شخص نبی برحق ہیں۔ میں وہاں جا کر اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں"۔ حضرت عمرو نے کہا "میں بھی اسلام لانے کے لیے آیا ہوں" ان تمام نے ایک دوسرے کی رفاقت میں سفر کیا۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اپنے اسلام لانے کا واقعہ اس طرح بیان کیا ہے "جب ہم غزوۂ خندق سے واپس آئے تو میں نے قریش سے ایسے افراد جمع کیے جو میری رائے کا احترام کرتے اور اسے غور سے سنتے تھے۔ میں نے انہیں کہا "تم جانتے ہو کہ محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) غالب آ گئے تو ان کے ماتحت ہونے سے نجاشی کے ماتحت ہونا زیادہ بہتر ہے۔ اگر ہماری قوم غالب آ گئی تو ہم اپنی قوم سے خوب آشنا ہیں۔ ہمیں اس طرف سے صرف اچھائی ہی پہنچی ہے" ان لوگوں نے کہا "تمہاری رائے بہت اچھی ہے"۔ "میں نے کہا "ایسی چیز جمع کرو جسے ہم بطور تحفہ نجاشی کے دربار میں لے کر جائیں" نجاشی کو ہماری سرزمین کے چمڑے کی مصنوعات پسند تھیں۔ ہم نے اس کے لیے چمڑے کی بہت سی مصنوعات اکٹھی کیں۔ پھر روانہ ہو کر نجاشی کے دربار میں پہنچ گئے۔ بخدا! ہم نجاشی کے پاس ہی تھے کہ حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے قاصد حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے متعلق گفتگو کرنے کے لیے نجاشی کے پاس گئے۔ وہ اندر گئے۔ انہوں نے نجاشی سے ملاقات کی۔ پھر باہر نکل آئے۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا "یہ عمرو بن امیہ ہیں۔ اگر میں نجاشی کے پاس جاؤں اور وہ مجھے یہ شخص دے دے تو میں اس کی گردن اڑا کر رکھ دوں گا۔ قریش سمجھیں گے کہ میں نے محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے قاصد کو قتل کر کے ان سے بدلہ لے لیا ہے"۔ میں نجاشی کے پاس گیا۔ اور حسب سابق اسے سجدہ کیا۔ اس نے کہا "میرے دوست کو مرحبا! میرے لیے اپنے شہر سے کیا تحفہ لے کر آئے ہو؟ میں نے کہا "میں چمڑے کی بہت سی مصنوعات لے کر آیا ہوں"۔ میں نے وہ اشیاء اس کی خدمت میں پیش کر دیں۔ جنہیں اس نے خوب پسند کیا۔ پھر میں نے اسے کہا "میں نے اپنے دشمن کا قاصد دیکھا ہے۔ جو آپ کے دربار سے ابھی ابھی نکلا ہے۔ آپ اسے مجھے عطا کر دیں تاکہ میں اسے قتل کر دوں، کیونکہ اس نے ہمارے بہت سے رئیسوں اور سرداروں کو تہ تیغ کیا ہے" یہ سن کر نجاشی کو سخت غصہ آیا۔ پھر اس نے میری ناک پر زور سے تھپڑ مارا۔ اور میری ناک توڑ دی۔ اگر زمین پھٹ جاتی تو میں فرطِ ندامت سے اندر چلا جاتا۔ پھر میں نے کہا "شاہ والا! بخدا! اگر مجھے علم ہوتا کہ آپ یہ بات ناپسند کرتے ہیں تو میں اس طرح سوال نہ کرتا" نجاشی نے کہا "کیا تم چاہتے ہو کہ میں اس ہستیٔ والا کا قاصد تمہارے سپرد کر دوں جس کے پاس وہ ناموس اکبر آتا ہے جو حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے پاس آتا تھا تاکہ تو اسے قتل کر دے۔ عمرو! تیرے لیے ہلاکت! اس ہستیٔ والا کی اطاعت اور اتباع کر لے۔ اللہ کی قسم وہ حق پر ہے۔ وہ اپنے مخالفین پر اسی طرح غالب آ جائیں گے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون اور اس کے لشکر پر غالب آ گئے تھے"۔ میں نے پوچھا "کیا میں آپ کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کر لوں" اس نے کہا "ہاں! اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ میں نے اسلام پر اس کی بیعت کر لی۔ پھر میں بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہونے کے لیے روانہ ہو گیا اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی۔ اور ان کی رفاقت میں مدینہ طیبہ آ گئے۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے نجاشی کے ہاتھوں اسلام قبول کر لیا۔ اس میں

ایک لطیف نکتہ بھی ہے۔ وہ یہ کہ ایک صحابی نے تابعی کے ہاتھوں اسلام قبول کیا۔ اس طرح کی اور کوئی مثال نہیں ملتی"۔

جب یہ جلیل القدر ہستیاں مدینہ طیبہ پہنچیں تو انہوں نے "حرہ" کے پاس اپنی سواریاں بٹھائیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے متعلق بتایا گیا تو آپ نے فرمایا "مکہ مکرمہ نے اپنے جگر پاروں کو تمہاری طرف پھینک دیا ہے" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت مسرور ہوئے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں نے اپنے عمدہ کپڑے زیب تن کیے پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جانے کے لیے روانہ ہوا۔ مجھے میرا بھائی ملا۔ انہوں نے کہا "جلدی کرو۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہاری آمد کی وجہ سے بڑے خوش ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے منتظر ہیں" ہم نے رفتار تیز کر دی۔ میں نے دور سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کر لی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لگاتار تبسم ریز رہے حتیٰ کہ میں آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو گیا۔ میں نے اس طرح سلام عرض کیا "السلام علیك یانبی اللہ! آپ نے خندہ پیشانی سے مجھے سلام کا جواب دیا۔ میں نے کہا "اشھد ان لا الہ الا اللہ وانك رسول اللہ"۔ آپ نے فرمایا "ساری تعریفیں اس رب تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے تمہیں ہدایت سے نوازا۔ میں تمہیں صاحب دانش سمجھتا تھا۔ اور مجھے امید تھی کہ عقل ودانائی تمہیں بھلائی کی طرف لے آئے گی"۔ میں نے عرض کی "یا رسول اللہ! رب تعالیٰ سے دعا مانگیں کہ وہ میرا ان تمام مقامات پر کھڑا ہونا معاف کر دے جن میں میں آپ کے خلاف برسرِ پیکار رہا" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اسلام سابقہ لغزشوں کو مٹا دیتا ہے" پھر حضرت عمرو رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور دولت اسلام سمیٹ لی۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "ہم مدینہ طیبہ پہنچے، "حرہ" میں اپنی سواریاں بٹھائیں۔ عمدہ کپڑے زیب تن کیے۔ اذان عصر مسجد نبوی سے بلند ہو رہی تھی۔ ہم آپ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ چہرۂ والضحیٰ خوشی سے دمک رہا تھا۔ مسلمان بھی ہمارے اسلام لانے کی وجہ سے بہت مسرور تھے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ آگے بڑھے۔ انہوں نے بیعت کی، پھر حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ آگے بڑھے، انہوں نے بیعت کی۔ پھر میں آگے بڑھا۔ آپ کے سامنے بیٹھ گیا۔ حیاء کی وجہ سے میں پلکیں بھی اوپر نہیں اٹھا سکتا تھا۔ میں نے اس شرط پر آپ کی بیعت کر لی کہ رب تعالیٰ میری سابقہ لغزشیں معاف کر دے"۔ مجھے یہ کہنا یاد نہ رہا کہ میرے بعد کے گناہ بھی معاف کر دے" آپ نے فرمایا "اسلام اپنے سے پہلے کی خطائیں مٹا دیتا ہے۔ اسی طرح ہجرت بھی پہلے کی غلطیاں ختم کر دیتی ہے"۔ بخدا! جب سے ہم نے اسلام قبول کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر جنگی معاملہ میں مجھے اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو فوقیت دیتے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بھی ہمیں یہ سعادت حاصل رہی۔ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بھی مجھے یہ مقام حاصل رہا"۔

حضرت زبیر بن بکار نے روایت کیا ہے کہ جب یہ تینوں حضرات بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے تو حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں بقیہ دونوں حضرات سے عمر رسیدہ تھا۔ میں ان سے ایک چال چلنا چاہتا تھا۔ میں نے انہیں پہلے بیعت کرنے کے لیے کہا۔ انہوں نے آپ کی بیعت کر لی۔ انہوں نے یہ شرط رکھی کہ ان کے سابقہ سارے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔ میں اپنے دل میں یہ بات چھپائے بیٹھا تھا کہ میں اس شرط پر بیعت کروں گا کہ میرے اگلے اور پچھلے گناہ معاف

کر دیئے جائیں۔ جب میں بیعت کرنے لگا تو میں نے سابقہ گناہوں کی معافی کی شرط تو عرض کر دی لیکن آئندہ گناہوں کے متعلق میں عرض نہ کر سکا''۔ ابن بکار نے ہی روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے عرض کی ''آپ نے اسلام لانے میں تاخیر کیوں کی؟ حالانکہ آپ کو عقل و دانش کی صلاحیتوں سے نوازا گیا تھا'' انہوں نے فرمایا ''ہم ایسی قوم کے ساتھ تھے۔ جنہیں ہم سے تقدم حاصل تھا۔ ہم ان کے ساتھ مل گئے۔ ان کی عقل و دانائی کہساروں کی طرح تھی۔ جب وہ چلے گئے۔ معاملہ ہمارے سپرد ہوا تو ہم نے غور و فکر کیا تو حق واضح ہو گیا۔ اسلام میرے دل میں جاگزین ہو گیا''۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مصر کے امیر رہے۔ وہ عرب کے مبلغین میں سے ایک تھے۔ صحیح روایت کے مطابق ان کا وصال 43ھ میں ہوا۔ ان کی عمر اس وقت تقریباً نوے سال تھی۔ حضرت خطیب نے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''آج تمہارے پاس ایک دانا شخص آئے گا''۔

اس وقت حضرت عمرو رضی اللہ عنہ ہجرت کر کے آ گئے۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اشراف عرب میں سے ایک تھے۔ آپ زمانۂ جاہلیت میں گھڑسوار دستے کے امیر تھے۔ صلح حدیبیہ تک ہونے والی تمام جنگوں میں آپ نے مشرکین کا ساتھ دیا۔ ان کے گھڑسوار دستے کے امیر تھے۔ پھر ''اللہ تعالیٰ کی تلوار'' کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی لشکر اسلامی کے گھڑسواروں کا امیر بنا دیا۔ ابو یعلی نے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''خالد کو اذیت نہ دیا کرو۔ وہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہیں۔ جسے رب تعالیٰ نے کفار پر سونت رکھا ہے''۔ جنگ موتہ میں آپ نے اپنے جوہر ہائے نمایاں کا اظہار کیا۔ اہل ردۃ کے ساتھ نبرد آزما ہوئے۔ عراق کی فتوحات کا آغاز کیا۔ شام کی ان گنت فتوحات آپ کی ہی مرہون منت ہیں۔ ابوزرعہ دمشقی نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''خالد بن ولید اللہ تعالیٰ کے عمدہ بندے اور قبیلہ کے عمدہ بھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہیں۔ جسے اس نے کفار پر سونتا ہے''۔ سعید بن منصور نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمرہ کیا۔ شاید اس سے عمرۃ الجعر انہ مراد ہو۔ اپنے سر اقدس کا حلق کرایا۔ لوگوں نے آپ کے بال مبارک حاصل کرنے میں جلدی کی۔ میں نے آپ کی طلعتِ زیبا کے بال حاصل کر لیے۔ میں نے انہیں اس ٹوپی میں رکھ لیا۔ میں اسے لے کر جس جنگ میں بھی شریک ہوا مجھے نصرت و اعانت نصیب ہوئی''۔ ابو یعلی کی روایت کے مطابق انہوں نے فرمایا ''میں نے جدھر کا بھی رخ کیا مجھے فتح نصیب ہوئی''۔ اکثر مؤرخین کے مطابق آپ نے 21ھ کو حمص کے مقام پر وصال فرمایا۔ اس وقت آپ کی عمر چالیس سال سے زائد تھی۔ دوسرے قول کے مطابق انہوں نے مدینہ نبویہ میں وصال فرمایا۔ ابن مبارک نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب ان کے وصال کا وقت قریب آیا تو انہوں نے کہا میں نے ''میدانِ جنگ میں شہادت کی جستجو کی، مگر مجھے نصیب نہ ہو سکی۔ اب میں بستر پر اپنی جان جانِ آفریں کے حوالے کر رہا ہوں''۔

حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ جاہلیت اور زمانہ اسلام میں بیت اللہ کے حاجب اور کلید بردار تھے۔ تفسیر ثعلبی میں ہے کہ انہوں نے فتح مکہ کے روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں کلید کعبہ پیش کرنے کے بعد اسلام قبول کر لیا۔ حافظ ابن حجر نے

''اصابہ'' میں لکھا ہے: یہ روایت منکر ہے۔ مشہور یہی ہے کہ انہوں نے پہلے اسلام قبول کیا تھا۔ حضرت عمرو اور حضرت خالد کے ساتھ ہجرت کی سعادت سے بہرہ اندوز ہوئے۔ پھر مدینہ طیبہ میں سکونت اختیار کرلی۔ وہیں 42ھ میں وصال فرمایا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ انہوں نے اجنادین کے مقام پر جام شہادت نوش کیا۔ مگر یہ بات درست نہیں۔

سریہ غالب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ

جب حضرت غالب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سریہ کدید سے فتح منداور کامران ہوکر لوٹے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں مقام فدک پر بھیج دیا۔ اسی جگہ حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو اذیت ناک صورت حال کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ یہ سریہ ماہ صفر 8ھ کو پیش آیا تھا۔ ابن سعد کی روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو تیار فرمایا تھا۔ انہیں فرمایا ''اس جگہ جاؤ جس جگہ حضرت بشیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کو اذیت ناک صورت حال کا سامنا کرنا پڑا تھا''۔ آپ نے ان کے ساتھ دوسو مجاہدین اسلام تیار کیے۔ ان کے لیے جھنڈا باندھا۔ اتنے میں حضرت ابن عبداللہ بھی سریہ کدید سے منصور و موید واپس آگئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں کامیابی عطا فرمائی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''تم بیٹھ جاؤ''۔ آپ نے حضرت ابن عبداللہ کو دوسو سواروں کے ہمراہ بھیجا۔ وقتِ صبح انہوں نے ان پر حملہ کردیا۔ قریب پہنچ کر حضرت ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے دشمن کی طرف جاسوس بھیجے۔ ان کے ہمراہ حضرت علبہ بن حرث رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ انہوں نے اسی جگہ ایک جماعت دیکھی۔ واپس آکر انہوں نے حضرت ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو سارے حالات سے آگاہ کردیا۔ ابن سعد نے حضرت حویصہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے حضرت غالب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے سریہ میں بھیجا۔ ہم نے صبح کے وقت ان پر حملہ کردیا۔ ہمارے امیر نے ہم سے وعدہ لیا تھا کہ ہم ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں۔ انہوں نے ہم کو باہم بھائی بھائی بنادیا۔ انہوں نے فرمایا''میری نافرمانی نہ کرنا''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے''جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی، جس نے اس کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ اگر تم نے میری نافرمانی کی تو گویا کہ تم نے اپنے نبی محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کی''۔ انہوں نے مجھے اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بھائی بھائی بنادیا۔ ہم نے اس قوم پر حملہ کردیا''۔

روایت ہے کہ جب وہ دشمن قوم کے قریب پہنچے تو اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کی۔ پھر فرمایا ''اما بعد! میں تمہیں اس رب تعالیٰ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں جو یکتا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ نیز یہ کہ تم میری اطاعت کرو۔ میری نافرمانی نہ کرو، نہ ہی کسی امر میں میری مخالفت کرو۔ بلاشبہ جس کی اطاعت نہ کی جائے اس کی کوئی رائے نہیں''۔ پھر انہوں نے دو دو صحابہ کرام کو باہم بھائی بنادیا۔ انہیں فرمایا''تم میں سے کوئی ایک دوسرے سے جدا نہ ہو، جب میں تکبیر کہوں تو تم بھی تکبیر کہو''۔ جب انہوں نے قوم کا گھیراؤ کرلیا تو حضرت غالب رضی اللہ عنہ نے تکبیر کہی، صحابہ کرام نے بھی ان کے ساتھ تکبیر کہی۔ انہوں نے شمشیریں بے نیام کرلیں۔ دشمن باہر نکل آیا۔ کچھ دیر جنگ آزمائی ہوتی رہی۔ مسلمانوں نے ان کا قتل عام شروع کردیا۔ اس روز ان کا

شعار ''اَمِتْ'' تھا۔ بہت سے افراد تہ تیغ کیے۔ ان کے بہت سے مویشی، اولاد اور جانور ہانک کر لے آئے۔ ہر مجاہد کو دس اونٹ ملے یا اس کے برابر بکریاں ملیں۔ ایک اونٹ کے بدلے دس بکریاں ملیں۔

سریہ شجاع بن وہب اسدی رضی اللہ عنہ

یہ سریہ بنو ہوازن میں بنو عامر کی طرف تھا۔ یہ ''السیٔ'' کے مقام پر رونما ہوا تھا۔ یہ ذات عرق کے مقام پر ایک چشمہ کا نام ہے۔ یہ مکہ مکرمہ سے تین مراحل پر ہے۔ یہ سریہ ربیع الاول 8ھ کو رونما ہوا تھا۔ حضرت ابن وھب رضی اللہ عنہ کے ہمراہ چوبیس شہ سوار تھے۔ آپ نے انہیں بنو عامر کی طرف بھیجا۔ مجاہد بن اسلام رات کو سفر کرتے تھے۔ دن کو چھپ جاتے تھے۔ انہوں نے وقت صبح ان پر حملہ کر دیا۔ انہیں بہت سے مویشی اور جانور ملے۔ وہ انہیں ہانک کر مدینہ طیبہ لے آئے۔ اس مہم میں پندرہ روز صرف ہوئے۔ مجاہدین میں مال غنیمت تقسیم کر دیا گیا۔ ہر مجاہد کو پندرہ اونٹ ملے۔ یا ایک اونٹ کے عوض دس بکریاں ملیں۔

سریہ کعب بن عمیر رضی اللہ عنہ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں شام کی طرف ذات اطلاح کی طرف بھیجا۔ یہ بستی ذات القریٰ کے بعد تھی۔ یہ سریہ ربیع الاول 8ھ کو رونما ہوا۔ اس میں پندرہ مجاہدین نے شرکت کی۔ یہ روانہ ہو کر ذات اطلاح پہنچے تو انہیں لشکر جرار کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ دن کو چھپتے تھے۔ رات کو سفر کرتے تھے۔ جب دشمن قوم کے قریب پہنچے تو انہیں دشمن کے جاسوس نے دیکھ لیا۔ اس نے صحابہ کرام کی قلیل تعداد کے متعلق قوم کو بتا دیا۔ وہ گھوڑوں پر سوار ہو کر آ گئے۔ مسلمانوں نے انہیں اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے لبیک نہ کہا۔ بلکہ انہوں نے تیر اندازی شروع کر دی۔ صحابہ کرام نے شدت سے قتال کیا۔ حتیٰ کہ ایک صحابی کے علاوہ سارے مرتبہ شہادت پر فائز ہو گئے۔ ایک زخمی صحابی بچ نکلے۔ ابن سعد کی روایت کے مطابق وہ امیر تھے۔ جب رات پڑی تو وہ اٹھ کر عازم سفر ہوئے۔ اور درگاہ نبوت میں حاضر ہو کر سارے حالات عرض کیے۔ جنہیں سن کر آپ بہت غمزدہ ہوئے۔ آپ نے ان کی طرف صحابہ کرام کو بھیجنے کا ارادہ کیا۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر ملی کہ وہ کسی دوسری جگہ چلے گئے ہیں تو آپ نے یہ ارادہ ترک کر دیا۔

سریہ موتہ

سبب اور روانگی

امام بخاری اور ابن اسحاق نے اسے غزوۂ موتہ کے نام سے موسوم کیا ہے۔ کیونکہ اس میں مسلمانوں کی کثیر تعداد نے شرکت کی تھی۔ اگرچہ اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنفس نفیس تشریف نہیں لے گئے۔ مؤتہ شام کا معروف شہر تھا۔ یہ بیت المقدس سے دو مرحلہ کی مسافت پر تھا۔ یہ سریہ جمادی الاول 8ھ کو رونما ہوا۔

اس کا سبب یہ تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ کو اپنا گرامی نامہ دے کر ہرقل کی طرف سے

بصرہ کے امیر حارث بن ابی شمر الغسانی کی طرف بھیجا۔ جب یہ موتہ پہنچے تو انہیں شرحبیل بن عمرو الغسانی ملا۔ اس نے ان سے پوچھا "کہاں کا ارادہ ہے؟ انہوں نے فرمایا "شام کا" اس نے کہا "کیا تم محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے قاصدوں میں سے ہو؟ انہوں نے کہا "ہاں" شرحبیل نے انہیں باندھنے کا حکم دیا۔ انہیں رسیوں سے باندھ دیا گیا۔ پھر وہ آگے بڑھا اور ان کا سر تن سے جدا کر دیا۔ ان کے علاوہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی اور قاصد کو شہید نہیں کیا گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو تین ہزار مجاہدین پر امیر مقرر کیا۔ انہیں حکم دیا اور فرمایا "اگر زید مرتبہ شہادت پر فائز ہو جائیں تو امیر لشکر حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ ہوں گے۔ اگر وہ بھی جام شہادت نوش کر جائیں تو امیر حضرت عبداللہ بن رواحہ ہوں گے، اگر حضرت عبداللہ بن رواحہ بھی قبائے شہادت زیب تن کر لیں تو مسلمان جسے چاہیں اپنا امیر بنا لیں" اس جگہ نعمان نامی یہودی بھی تھا۔ اس نے عرض کی "محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اگر آپ نبی ہیں تو آپ نے جن جن حضرات کا نام لیا ہے وہ سارے منصب شہادت پر فائز ہو جائیں گے۔ کیونکہ انبیائے اسرائیل جب کسی شخص کو کسی قوم کا امیر مقرر کرتے تے پھر وہ کہتے "اگر فلاں شہید ہو جائے تو فلاں امیر ہوگا" اگر وہ ایک سو افراد کا بھی نام لیتے وہ سارے شہید ہو جاتے"۔ پھر نعمان نے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے کہا "وصیت کر لو۔ اب تم محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف لوٹ کر نہیں آؤ گے۔ اگر وہ نبی ہیں" حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ پاکباز اور سچے نبی ہیں"۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے سفید جھنڈا باندھا۔ جھنڈا انہیں عطا فرمایا اور فرمایا "وہ حضرت حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ کی قتل گاہ تک جائیں۔ وہاں موجود لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں۔ اگر وہ لبیک کہیں تو بہتر ورنہ اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے ہوئے ان پر حملہ کر دیں" صحابہ کرام نے عازم سفر ہونے میں جلدی کی۔ وہ جرف کے مقام پر جمع ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ثنیۃ الوداع تک تشریف لائے۔ آپ نے صحابہ کرام کو الوداع کہا۔ آپ نے فرمایا "میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ تمہارے ساتھ جو مسلمان ہیں ان کے ساتھ بھلائی کرنے کا حکم دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے نام مبارک کے ساتھ روانہ ہو جاؤ جو رب تعالیٰ کے ساتھ کفر کرے اس کے ساتھ جہاد کرو۔ نہ دھوکہ کرو۔ نہ بد دیانتی کرو۔ نہ کسی بچے یا عورت کو تہ تیغ کرنا۔ نہ ہی پیر فرتوت کو مارنا۔ نہ ہی گرجا کے عزلت گزیں کو مارنا۔ نہ کھجور کے قریب جانا۔ نہ درخت کو کاٹنا۔ نہ ہی کسی عمارت کو گرانا"۔

جب حضور اکرم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں الوداع کہا تو حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ صحابہ کرام نے سبب پوچھا تو انہوں نے فرمایا "بخدا! نہ تو مجھے دنیا سے محبت ہے۔ نہ ہی تمہاری جدائی کی وجہ سے رو رہا ہوں۔ لیکن میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ آیت طیبہ پڑھتے ہوئے سنا:

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴿٧١﴾ (مریم)

"اور تم میں کوئی ایسا نہیں مگر اس کا گزر دوزخ پر ہوگا یہ آپ کے رب پر لازم ہوگا اور اس کا فیصلہ ہو چکا ہے"۔

میں نہیں جانتا کہ میں جہنم تک پہنچنے کے بعد واپس کیسے آؤں گا۔ جب لشکر اسلامی روانہ ہوا تو مسلمانوں نے انہیں یہ دعا دی "اللہ تعالیٰ تم سے اذیت دور کرے۔ تمہیں سالم اور غانم واپس لے کر آئے"۔ تو حضرت عبداللہ بن رواحہ نے یہ اشعار پڑھے:

لکننی اسأل الرحمن مغفرۃ وضربۃ ذات فرغ تقذف الزبدا

او طعنۃ بیدی حران مجھزۃ بحربۃ تنفذ الاحشاء والکبدا

حتیٰ یقال اذامروا علی جدثی ارشدہ اللہ من غاز وقد رشدا

"لیکن میں رب تعالیٰ سے مغفرت کا سوال کرتا ہوں۔ اور ایسی وسیع ضرب کا سوال کرتا ہوں جو جھاگ پھینک رہی ہو۔ یا نیزے کے ایسے وار کی التجاء کرتا ہوں جو خون کے پیاسے کافر کے دونوں ہاتھوں سے لگایا گیا ہو۔ جو نیزے پر پورا زور لگائے جو انتڑیوں اور جگر کو پار کر جائے۔ حتیٰ کہ اس وقت یہ بات کہی جائے جب میری قبر کے پاس سے لوگ گزریں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی راہنمائی صحیح راستہ کی طرف کی اور وہ ہدایت یافتہ ہو گیا"۔

ایک اور روایت کے مطابق جب حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو الوداع کرنا چاہا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جدا ہونے لگے تو آپ نے فرمایا "ایسے اشعار پڑھو جو فی البدیہہ کہے گئے ہوں"۔ تو انہوں نے یہ اشعار پڑھے:

انی تفرست فیک الخیرنافلۃ فراسۃ خالفت فیک الذی نظروا

انت الرسول فمن تحرم نوافلہ والوجہ منہ فقد ازری بہ القدر

میں نے فراست سے پہچان لیا ہے کہ آپ میں خیر و فلاح اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ تحفہ ہے۔ یہ ایسی فراست ہے جو اس نقطۂ نظر کے خلاف ہے جو کفار آپ کے بارے میں رکھتے ہیں۔ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول محترم ہیں جو شخص اللہ کی عنایتوں اور اس کی ہدایت سے محروم رہا تو اس کی قسمت نے اسے کوتاہ دست رکھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ابن رواحہ! اللہ تعالیٰ تمہیں ثابت قدم رکھے۔ امام احمد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت بیان کی ہے کہ حضرت ابن رواحہ رضی اللہ عنہ پیچھے رہ گئے۔ حتیٰ کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں نماز جمعہ پڑھی۔ نماز جمعہ کے بعد آپ نے انہیں دیکھا تو فرمایا "تم اپنے ساتھیوں کے ہمراہ صبح صبح ہی کیوں نہ روانہ ہو گئے"۔ انہوں نے عرض کی "میں نے چاہا کہ آپ کے ہمراہ نماز جمعہ ادا کر لوں پھر ان کے ساتھ مل جاؤں گا" آپ نے فرمایا "اگر تم سب کچھ خرچ کر ڈالو تو تم ان کی روانگی کا اجر نہیں پا سکتے"۔ دوسری روایت کے مطابق آپ نے فرمایا "راہ خدا میں ایک صبح یا ایک شام نکلنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے"۔

پیش قدمی

جب صحابہ کرام مدینہ طیبہ سے عازم سفر ہوئے تو دشمن نے بھی ان کی روانگی کے متعلق سن لیا۔ شرحبیل بن عمرو الغسانی اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے ایک لاکھ سے زائد افراد کا لشکر جمع کر لیا۔ اس نے ہراول دستہ پہلے بھیج دیا۔ مسلمان وادی القریٰ میں فروکش تھے۔ اس نے اپنے بھائی سدوس کو پچاس کافروں کے ساتھ بھیجا۔ انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ جنگ کی۔ سدوس قتل ہو گیا۔ پھر مسلمان مقام معان پر فروکش ہو گئے۔ انہیں کفار کی کثیر تعداد کے متعلق علم ہو گیا۔ انہوں نے دو راتیں معان میں بسر کیں۔ مسلمانوں تک یہ خبر پہنچی کہ ہرقل بلقاء میں ہے۔ ان کے ساتھ اہل روم میں سے ایک لاکھ مشرکین ہیں۔ اس کے

ساتھ لخم، جذام، قیس، بہرام کے قبائل مل گئے ہیں۔ ان سب کو شرحبیل نے جمع کیا تھا۔ ایک اور روایت کے مطابق یہ لشکر دولاکھ اہل روم، پچاس ہزار اہل عرب اور بہت سی افواج پر مشتمل تھا۔ مسلمانوں نے کہا ''ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف خط لکھتے ہیں اور سارے حالات بتاتے ہیں۔ یا تو آپ مزید مجاہدین سے ہماری مدد فرمائیں گے۔ یا ہم کو کسی اور کام کا حکم دیں گے جو ہم کر گزریں گے''۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے انہیں پیش قدمی پر ابھارا۔ انہوں نے فرمایا ''میری قوم! بخدا! جسے اب تم ناپسند کر رہے ہو اسی کے تم طلبگار تھے۔ یعنی شہادت۔ ہم لوگوں کے ساتھ تعداد، قوت اور کثرت کے بل بوتے پر جنگ نہیں کرتے۔ بلکہ ہم تو اس دین کی وجہ سے نبرد آزما ہوتے ہیں۔ جس کے ساتھ رب تعالیٰ نے ہمیں معزز فرمایا ہے۔ آگے بڑھو۔ دو بھلائیوں میں سے ایک نصیب ہوگی یا غلبہ یا شہادت''۔

صحابہ کرام نے کہا ''بخدا! حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ سچ کہہ رہے ہیں'' وہ موتہ کی طرف بڑھے، کثیر تعداد مشرکین ان کے ساتھ نبرد آزما ہونے کے لیے آگئے۔ جن کی تعداد دولاکھ سے زائد تھی۔ قوت وشدت کا اظہار کرنے کے لیے وہ اپنے ساتھ اسلحہ، گھوڑے، دیباج، ریشم، کثیر اموال اور آلات حرب لے کر نکلے تھے۔ اس سے یہ بھی علم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام میں جرأت وبہادری کا جوہر کس قدر تھا۔ ان کے دل کتنے مضبوط تھے۔ انہیں اپنے رب پر کتنا بھروسہ تھا۔ اور انہیں اپنی جانوں کی پرواہ نہ تھی۔ کیونکہ انہوں نے اپنے نفوس راہ خدا میں بیچ ڈالے تھے۔ صرف تین ہزار مجاہدین ایسے دولاکھ سے زائد مشرکین کے ساتھ جنگ آزما ہوئے جو آلات حرب سے لیس تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہیں اپنے رب تعالیٰ پر پورا اعتماد اور بھروسہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّا لَنَنۡصُرُ رُسُلَنَا (المومن: 51) ''بیشک ہم (اب بھی) مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی''۔

وَ كَانَ حَقًّا عَلَيۡنَا نَصۡرُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۴۷﴾ (الروم) ''اور ہمارے ذمۂ کرم پر ہے۔ اہل ایمان کی امداد فرمانا''۔

مسلمان اور مشرکین باہم جنگ آزما ہوگئے۔ علم اسلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے تھام لیا۔ انہوں نے خوب جہاد کیا۔ مسلمانوں نے بھی ان کے ساتھ جہاد کا حق ادا کر دیا۔ حتیٰ کہ وہ ایک نیزہ لگنے کی وجہ سے شہید ہوگئے۔ حتیٰ کہ علم اسلام حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے تھام لیا۔ پہلے آپ اپنے گھوڑے پر سوار تھے۔ پھر نیچے اتر آئے۔ گھوڑے کی کونچیں کاٹ دیں۔ بھرپور جہاد کیا، حتیٰ کہ شہید ہوگئے۔ عمر مبارک تینتیس برس تھی۔ یہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے دس سال بڑے تھے۔ دوسری روایت کے مطابق اس وقت ان کی عمر چالیس یا اکتالیس برس تھی۔ جب جنگ کی بھٹی خوب گرم ہوئی اور دشمن نے آپ کا احاطہ کر لیا تو آپ نے یہ اشعار پڑھتے ہوئے ان پر حملہ بول دیا۔

یاحبذا الجنة واقترابها طيبة وباردا شرابها

والروم روم قد دنا عذابها كافرة بعيدة انسابها

علی اذلاقیتها ضرابها

''جنت اور اس کا قرب کتنا اچھا ہے۔ اس کا مشروب پاکیزہ اور ٹھنڈا ہے۔ یہ رومی وہ رومی ہیں جن کے لیے عذاب

قریب آ گیا ہے۔ یہ کافر ہیں اور ان کے نسب بھی ہم سے بہت دور ہیں۔ مجھ پر لازم ہے کہ جب ان کے ساتھ جنگ آزماہوں تو خوب شمشیر زنی کروں''۔

آپ نے اس خدشہ سے اپنے گھوڑے کی کونچیں کاٹ ڈالیں کہ کہیں کفار اسے پکڑ نہ لیں۔ اس پر سوار ہو کر مسلمانوں کے ساتھ جنگ نہ کریں۔ نیز اس لیے کہ آپ جنگ کریں اور راہِ فرار اختیار نہ کریں۔ اس میں حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی فرط شجاعت کی بھی دلیل ہے۔ جب انہوں نے جھنڈا اٹھاما تو انتہائی بہادری سے لڑے۔ ان کا دایاں ہاتھ کٹ گیا۔ انہوں نے علم اسلام بائیں ہاتھ میں پکڑ لیا۔ حتیٰ کہ وہ بھی کٹ گیا تو جھنڈا سینے سے لگالیا۔ اور بھرپور انداز سے لڑنے لگے حتیٰ کہ جام شہادت نوش کر لیا۔ انہیں ستر سے زائد زخم لگے۔ دوسری روایت کے مطابق انہیں تلوار اور نیزے کے نوے زخم آئے تھے۔ آپ کی کمر اور پشت پر ایک زخم بھی نہیں لگا تھا۔ یہ بھی آپ کی شجاعت کی بین دلیل ہے۔ پھر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے جھنڈا لیا۔ وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے۔ نفس کچھ متردد ہوا تو انہوں نے کہا:

اقسمت یانفس لتنزکنه　　لتنزلن او لتکرهنه
ان اجلب الناس وشدوا الرنة　　مالی اراك تکرهن الجنة
قد طال ما قدکنتِ مطمئنة　　هل انتِ الا نطفة فی شنّه

''اے نفس! میں نے قسم اٹھا رکھی ہے تو ضرور میدان جنگ میں اترے گا۔ خواہ تو خوشی سے اترے یا تجھے مجبور کیا جائے۔ اگر لوگ شور کرتے ہیں اور شدت سے روتے ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ میں تجھے دیکھتا ہوں کہ تو جنت میں جانے کو ناپسند کرتا ہے۔ بہت طویل عرصہ گزر چکا ہے تو اس پر مطمئن تھا، تو صرف ایک نطفہ ہے جو کسی پرانے مشکیزہ میں پڑا ہو''۔ انہوں نے یہ بھی اشعار پڑھے۔

یا نفس الا تقتلی تموتی　　هذا حمام الموت قد صلیت
وما تمنیت فقد اعطیت　　ان تفعلی فعلهما هدیت

''اے نفس! اگر تو شہید نہ ہوا تو بستر پر سوئے گا یہ موت کی آنچ ہے جس میں تو بھونا جا رہا ہے۔ جو تو نے تمنا کی تھی وہ تجھے دے دی گئی۔ اب اگر ان دو حضرات (حضرت زید اور حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہما) کی طرح کام کرے گا تو ہدایت پائے گا''۔

پھر حضرت ابن رواحہ رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے سے نیچے اتر آئے۔ ان کا چچازاد ان کے پاس گوشت سے بھری ہوئی ہڈی لے آیا۔ اس نے کہا ''اس سے اپنی کمر کو تقویت دے لیں۔ آپ کو ان ایام میں سخت تکالیف کا سامنا کرنا پڑا ہے''۔ انہوں نے وہ ہڈی پکڑ لی۔ اسے اپنے دانتوں سے کاٹا۔ پھر لوگوں کی طرف سے شور و غل سنا تو فرمایا ''تو بھی دنیا کے ساتھ ہی ہے'' اسے اپنے ہاتھ سے پھینک دیا۔ اپنی تلوار پکڑی اور مصروف جہاد ہو گئے۔ حتیٰ کہ جام شہادت نوش کر لیا۔ حضرت سعد بن منصور نے روایت کیا ہے کہ حضرات زید، جعفر طیار اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا۔ صحیح کی روایت میں ہے ''اس

چیز نے انہیں خوش نہ کیا کہ وہ ان کے پاس رہیں"، یعنی جب انہوں نے شہادت کی فضیلت دیکھی۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ

پھر حضرت ثابت بن اقرام العجلانی البلوی رضی اللہ عنہ نے جھنڈا تھام لیا۔ یہ انصار کے حلیف اور بدری صحابی تھے۔ انہوں نے کہا "مسلمانوں کے گروہ! اپنے میں سے ایک شخص پر اتفاق کرلو"، صحابہ کرام نے کہا "تم ہی علمبردار بنو! انہوں نے کہا "میں بننا نہیں چاہتا"، صحابہ کرام نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ پر اتفاق کرلیا۔ دوسری روایت کے مطابق حضرت ثابت رضی اللہ عنہ جھنڈا لے کر حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ اور کہا "آپ مجھ سے زیادہ میدان جنگ کے شہ سوار ہیں"۔ مگر حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے یہ بات قبول نہ کی اور کہا "تم نے غزوۂ بدر میں شرکت کی تھی، تم مجھ سے زیادہ اس کے مستحق ہو"۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے آواز دی "اے مسلمانوں کے گروہ! مسلمانوں نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ پر اتفاق کرلیا۔ انہیں علم اسلام دیا تو انہوں نے پکڑ لیا۔ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے جھنڈا تھام لیا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمادی۔ دشمن شکست کھا کر پیچھے ہٹ گیا۔ امام حاکم کی روایت کے مطابق اس روز حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے شدید قتال کیا۔ بہت سے لوگوں کو تہ تیغ کیا۔ بہت زیادہ مال بطور غنیمت ملا۔ اس روز حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں نو تلواریں ٹوٹیں۔ صرف ایک یمنی تلوار ٹھہر سکی۔ مشرکین کو بری طرح شکست ہوئی۔ حتیٰ کہ مسلمانوں نے انہیں گاجر اور مولی کی طرح کاٹا۔ ایک روایت کے مطابق جب حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔ مسلمان متفرق ہو گئے اور انہیں مغلوبیت کا سامنا کرنا پڑا۔ جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے علم اسلام اٹھالیا تو اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو شکست سے دوچار کر دیا۔ ایک اور روایت کے مطابق وقت صبح حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے مقدمہ کو ساقہ اور میمنہ کو میسرہ بنا دیا۔ دشمن کو ان کی یہ حالت بڑی عجیب لگی۔ انہوں نے کہا "مسلمانوں کو نئی کمک آ پہنچی ہے" وہ مرعوب ہو گئے اور شکست کھا کر پلٹ گئے۔ بہت سا مال مسلمانوں کو بطور غنیمت ملا۔ صرف بارہ مسلمان شہید ہوئے۔ یہ سب کچھ اسلام اور اہل اسلام پر رب تعالیٰ کی عنایت ہے۔ یہ اس کی نصرت اور تائید ہے کہ صرف تین ہزار مجاہدین دو لاکھ سے زائد مشرکین کے ساتھ جنگ آزما ہوئے تو صرف بارہ آدمی شہید ہوئے۔ انہوں نے سات روز تک مشرکین کے ساتھ جہاد کیا۔ مشرکین کے مقتولین کی تعداد ان گنت تھی۔

علم مبارک کی خبریں

یہ سریہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عظیم معجزات میں سے ایک ہے، جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کے صحابہ کو معزز فرمایا۔ اس روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے زمین اٹھالی گئی۔ حتیٰ کہ آپ نے یہ معرکہ اپنی چشمانِ مقدس سے ملاحظہ فرمایا۔ اور اپنے صحابہ کرام کو اس کی خبر دی۔ جب آپ کو اس معرکہ کی اطلاع ملی تو لوگوں میں یہ صدا لگائی گئی "الصلاۃ جامعۃ" پھر آپ منبر پر جلوہ افروز ہو گئے۔ آپ کی چشمان مقدس سے آنسو بہہ رہے تھے۔ آپ نے فرمایا "اے لوگو! خیر کا دروازہ، خیر کا دروازہ، خیر کا دروازہ۔ میں تمہیں اس لشکر کے متعلق بتاتا ہوں، وہ روانہ ہوئے۔ دشمن کے ساتھ نبرد آزما ہوئے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کے سر

اقدس پر شہادت کا تاج سجا دیا گیا۔ ان کے لیے مغفرت طلب کرو۔ پھر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے علم اسلام اٹھالیا۔ انہوں نے دشمن کے ساتھ شدید قتال کیا۔ حتیٰ کہ وہ بھی شہید ہو گئے۔ ان کے لیے مغفرت طلب کرو۔ پھر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے جھنڈا اٹھالیا۔ وہ بھی ثابت قدم رہے۔ وہ بھی جام شہادت نوش کر گئے۔ ان کے لیے مغفرت طلب کرو۔ پھر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جھنڈا اٹھالیا۔ وہ امراء میں سے نہیں تھے۔ وہ بذات خود امیر ہیں۔ بلکہ وہ رب تعالیٰ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہیں۔ انہیں اس کی مدد شامل حال ہو گئی ہے"۔ ایک اور روایت کے مطابق "اب جھنڈا حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اٹھالیا ہے وہ اللہ کے عمدہ بندے، قبیلہ کے بھائی اور اللہ تعالیٰ کی وہ تلوار ہے جسے اس نے کفار اور مشرکین پر سونتا ہے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرما دی"۔ ایک اور روایت کے مطابق آپ نے یہ دعا مانگی "مولا! یہ تیری تلواروں میں سے ایک تلوار ہے، ان کی نصرت فرما" اسی روز سے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو سیف اللہ کہا جانے لگا" ایک اور روایت میں ہے "پھر جھنڈا اللہ تبارک وتعالیٰ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے اٹھالیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں فتح عطا فرمائی"۔

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی شکایت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "خالد! اہل بدر میں سے ایک شخص کو کیوں اذیت دیتے ہو۔ اگر تم احد کے مثل سونا بھی خرچ کر ڈالو پھر بھی ان کے عمل تک نہیں پہنچ سکتے"۔ انہوں نے عرض کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم وہ میرے متعلق باتیں کرتے ہیں تو میں انہیں جواب دیتا ہوں" آپ نے فرمایا "خالد! کو اذیت نہ دیا کرو۔ یہ اللہ تعالیٰ کی تلوار ہیں جسے اس نے کفار پر لہرایا ہے"۔

بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ یوم موتہ کو مسلمانوں کو واضح فتح اور نصرت نصیب نہ ہوئی تھی کیونکہ دشمن نے مسلمانوں کا احاطہ کر لیا تھا۔ دشمن کثیر تعداد میں تھا۔ دشمن کی تعداد دولاکھ سے زائد تھی۔ صحابہ کرام صرف تین ہزار تھے۔ تجربہ کا تقاضا یہ تھا کہ سارے صحابہ کرام جام شہادت نوش کر جاتے۔ روایت میں ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ان کا بہت سا قتل عام کیا۔ انہیں مال غنیمت ملا۔ یہ روایت اُس روایت کے مخالف نہیں جس میں ہے کہ بعض صحابہ کرام راہ فرار اختیار کر کے مدینہ طیبہ آ گئے۔ جب انہوں نے رومیوں کی کثیر تعداد کا مشاہدہ کیا۔ اہل مدینہ انہیں کہنے لگے "تم راہِ فرار اختیار کرنے والے ہو" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "یہ راہ فرار اختیار کرنے والے نہیں، بلکہ کرّار (پلٹ کر حملے کرنے والے) ہیں۔ یہ اللہ رب العزت کے اس فرمان کی طرف اشارہ ہے۔

اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ (الانفال:16)

"بجز اس صورت کہ پینترا بدلنے والا ہو لڑائی کے لیے یا پلٹ کر آنے والا ہو اپنی جماعت کی طرف"۔

یعنی ان کا فرار اپنے گروہ کی طرف پلٹنا تھا۔ دشمن کی تعداد مسلمانوں سے بھی زائد تھی بلکہ ان کے دس گناہ سے بھی زائد تھی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ قتل ہو گئے تو مسلمانوں کو وقتی طور پر ہزیمت اٹھانا پڑی۔ وہ منتشر ہو گئے۔ ان کی ایک جماعت مدینہ طیبہ پہنچ گئی۔ جب علم اسلام حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اٹھایا اور از سر نو صفوں کو

ترتیب دیا تو صحابہ کرام جمع ہو گئے۔ اسی پر حضور ﷺ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی توصیف فرمائی۔ جب حضرت یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ لشکر اسلام کے بارے بتانے کے لیے بارگاہ رسالت پناہ میں حاضر ہوئے تو حضور ﷺ نے فرمایا ''اگر پسند کرو تو میں تمہیں بتا دیتا ہوں اگر چاہو تو تم مجھے بتا دو'' انہوں نے عرض کی ''حضور! مجھے آپ ہی بتا دیں تاکہ میرے یقین میں اضافہ ہو جائے'' حضور ﷺ نے وہاں کی ساری صورت حال بتا دی جسے سن کر انہوں نے کہا ''مجھے اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے آپ نے اس معرکہ کے حالات کا ایک لفظ بھی ترک نہیں کیا۔ ان کا معاملہ اسی طرح ہے جس طرح آپ نے ذکر فرمایا ہے'' آپ ﷺ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے میرے لیے زمین کو بلند فرما دیا حتیٰ کہ میں نے ان کا معاملہ اپنی چشمانِ مقدس سے ملاحظہ کیا'' دوسری روایت کے مطابق پیغام لانے والے حضرت ابو عامر الاشعری رضی اللہ عنہ تھے۔ ممکن ہے دونوں نے ہی حضور اکرم ﷺ تک یہ پیغام پہنچایا ہو''۔

خاندانِ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ سے تعزیت

حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے جام شہادت نوش کیا تو آپ ﷺ نے مجھے فرمایا ''حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے دونوں فرزندانِ ارجمند میرے پاس لے کر آؤ'' میں انہیں حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں لے کر آئی۔ آپ نے انہیں سونگھا تو آپ کی چشمانِ مقدس سے آنسو بہنے لگے۔ حتیٰ کہ آپ کی مبارک داڑھی سے قطرات گرنے لگے۔ میں نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میرے والدین آپ پر فدا! آپ کیوں گریہ بار ہیں؟ کیا حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے متعلق کوئی خبر ملی ہے؟ آپ نے فرمایا ''ہاں! آج انہوں نے جام شہادت نوش کر لیا ہے'' آپ اٹھ کر تشریف لے گئے۔ خواتین میرے ارد گرد جمع ہو گئیں۔ حضور اکرم ﷺ مجھے فرمانے لگے ''اسماء! بے ہودہ بات نہ کرنا، رخسار نہ پیٹنا'' مولا! جعفر کو عمدہ ثواب کی طرف لے جا۔ ان کی اولاد میں ان کا اس طرح عمدہ جانشین بن جا جس طرح تو اپنے بندوں میں سے کسی کا جانشین بنا ہو'' حضور اکرم ﷺ اپنے اہل خانہ کے پاس تشریف لے گئے۔ فرمایا ''آل جعفر سے غافل نہ ہو جانا۔ ان کے لیے کھانا تیار کرنا۔ ان کے ساتھی کی شہادت نے انہیں مصروف کر رکھا ہے'' دوسری روایت کے مطابق آپ حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے۔ وہ کہہ رہی تھیں ''ہائے چچا جان! آپ نے فرمایا ''حضرت جعفر رضی اللہ عنہ جیسی ذات پر رونے والوں کو رونا چاہیے''۔ پھر فرمایا ''آل جعفر کے لیے کھانا تیار کرو، آج انہیں اپنی بھی ہوش نہیں''۔

حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کی خادمہ نے جَو پیسے، آٹا گوندھا۔ انہوں نے زیتون کا سالن بنایا، اس پر کالی مرچیں چھڑکیں'' انہوں نے فرمایا ''میں نے وہ کھانا کھایا۔ حضور اکرم ﷺ نے مجھے میرے بھائیوں سمیت تین روز اپنے کاشانہ اقدس میں رکھا۔ آپ جس ام المومنین کے حجرہ مقدسہ میں بھی جاتے ہم آپ کے ہمراہ ہوتے۔ پھر ہم اپنے گھر آ گئے۔ یہ کھانا جو حضور ﷺ نے آلِ جعفر رضی اللہ عنہ کے لیے بنایا تھا یہی تعزیہ کے طعام کی اصل ہے۔ اہل عرب اسے وضیمہ کہتے ہیں۔ جس طرح وہ شادی کے کھانے کو ولیمہ کہتے ہیں۔ سفر سے واپس آنے والے کے کھانے کو نقیعہ کہا جاتا

ہے۔عمارت کے کھانے کو وکیرہ کہا جاتا ہے۔

امام احمد نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آلِ جعفر کو تین دن کی مہلت دی، پھر ان کے ہاں جلوہ افروز ہوئے۔اور فرمایا ''آج کے بعد میرے بھائی پر نہ رونا۔میرے چچازادوں کو میرے پاس لے کر آؤ۔ہمیں آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔آپ نے نائی کو بلایا۔اس نے ہمارے سروں کا حلق کیا۔پھر فرمایا ''محمد ہمارے چچا ابو طالب کے مشابہ ہیں۔عبداللہ خَلق اور خُلق میں میرے مشابہ ہیں'' پھر آپ نے ان کے لیے دعا کی۔حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''آپ نے میرے لیے یہ دعا کی ''مولا! ان کے مال میں برکت عطا فرما'' وہ جو چیز بھی فروخت کرتے یا بیچتے اس میں برکت ڈال دی جاتی۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کی فضیلت

روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''میں نے حضرات زید بن حارثہ، جعفر طیار اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم کو دیکھا، وہ موتیوں کے خیمہ میں تھے۔ہر ایک تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔میں نے حضرت زید رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن رواحہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا۔ان کی گردنوں میں خم تھا۔لیکن حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی گردن میں خم نہ تھا۔میں نے اس کے متعلق پوچھا تو مجھے بتایا گیا کہ جب ان پر موت چھا گئی تو انہوں نے اس سے چہرے پھیر لیے۔لیکن حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے یوں نہ کیا''۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جب حضرت زید رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو جھنڈا حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے تھام لیا۔شیطان ان کے پاس آیا۔ان کے سامنے زندگی کو پسندیدہ بنایا۔موت کو ناپسند بنایا۔دنیا کو آراستہ کیا۔لیکن آپ آگے بڑھتے رہے حتیٰ کہ جام شہادت نوش کیا۔دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا ''میں نے انہیں اسی طرح دیکھا جس طرح خواب میں دیکھا جاتا ہے۔انہیں جنت میں سونے کے بلند تختوں پر بٹھایا گیا تھا۔لیکن حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے تخت میں ان کے ساتھیوں کی نسبت ٹیڑھا پن تھا۔میں نے پوچھا: یہ کس لیے ہے؟ مجھے بتایا گیا ''ہم آگے چلتے گئے لیکن حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو کچھ تردد ہوا۔پھر وہ بھی آگے بڑھتے گئے۔دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ جنت میں روگرداں ہو کر داخل ہوئے۔آپ سے عرض کی گئی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا ''جب انہیں زخم آیا تو پیچھے ہٹے۔پھر اپنے نفس کو عتاب کیا تو جرأت و بہادری کا مظاہرہ کیا تو جام شہادت نوش کر گئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو ان کے بازوؤں کے عوض دو پر عطا فرما دیے ہیں۔وہ ان کی مدد سے جہاں چاہتے ہیں جنت میں جاتے ہیں'' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔انہوں نے فرمایا ''میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔آپ دن کے آخری حصہ میں تھے۔میں نے انہیں پانی پیش کیا تو انہوں نے فرمایا ''میں روزہ سے ہوں، اسے میرے سر کے پاس رکھ دو۔اگر میں غروب آفتاب تک زندہ رہا تو روزہ افطار کر لوں گا''۔غروب آفتاب سے پہلے وہ روزہ کی حالت میں شہید ہو گئے۔ہم نے ان کے سینے اور کندھوں اور سامنے حصہ پر تلوار اور نیزے کے نوے زخم پائے''۔

ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے۔صحابہ کرام آپ کی خدمت میں حاضر تھے۔آپ نے سر اقدس آسمان کی

طرف بلند فرمایا اور فرمایا ''وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ'' صحابہ کرام نے عرض کی ''یا رسول اللہ! پہلے تو آپ اس طرح نہیں کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا ''حضرت جعفر رضی اللہ عنہ ملائکہ کے ایک گروہ کے ساتھ میرے پاس سے گزرے۔ انہوں نے مجھے سلام کیا''۔ دوسری روایت میں ہے ''وہ میرے پاس سے گزرے تو ان کے پر خون سے رنگین تھے۔

جب لشکر اسلام مدینہ طیبہ کے قریب پہنچا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام نے اس کا استقبال کیا۔ بچے بھی ان کے ہمراہ تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا'' بچے پکڑو اور انہیں اٹھالو۔ مجھے میرا فرزند عبداللہ بن جعفر دو''۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آپ نے انہیں اٹھالیا۔ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما حبشہ میں پیدا ہوئے۔ ان کی والدہ ماجدہ کا اسم گرامی اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا ہے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ نکاح کرلیا۔ ان کے ہاں محمد بن ابی بکر پیدا ہوئے۔ پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت اسماء بنت عمیس سے عقد نکاح کرلیا۔ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''تمہیں مبارک ہو تمہارے والد گرامی ملائکہ کے ساتھ آسمان میں محوِ پرواز ہیں''۔

طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''گزشتہ رات میں جنت میں داخل ہوا۔ میں نے وہاں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو دیکھا۔ جو ملائکہ کے ساتھ محو پرواز تھے''۔ دوسری روایت میں ہے کہ وہ حضرت جبرائیل امین اور حضرت میکائیل کے ساتھ محو پرواز تھے۔ ان کے دو پر تھے جو رب تعالیٰ نے انہیں ان کے ہاتھوں کے عوض عطا کیے تھے''۔

امام سہیلی تحریر کرتے ہیں ''ان دو پروں سے مراد صفت ملکیہ اور قوت روحانیہ ہے۔ جو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو عطا کی گئی۔ جن کی وجہ سے وہ پرواز کرنے پر قادر ہوگئے۔ اس سے مراد ایسے پر نہیں جیسے پرندوں کے پر ہوتے ہیں۔ کیونکہ انسانی شکل تمام اشکال سے افضل ہے۔ ان کا یا قوت کے وصف سے متصف ہونا کوئی حرج پیدا نہیں کرتا۔ نہ ہی ان کا خون سے رنگین ہونا کوئی نقصان دیتا ہے''، بعض علماء نے اسے حقیقی معنیٰ پر محمول کرنے کو ترجیح دی ہے۔ یعنی وہ دونوں حقیقی پر ہیں۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کا مرثیہ لکھتے ہوئے یہ اشعار لکھے ہیں:

یؤوبنی لیل بیثرب اعسر　وھم اذا مانوم الناس مسھر
لذکری حبیب ھیجت لی لوعة　سفوحا واسباب البکاء التذکر
بلی ان فقدان الحبیب بلیة　وکم من کریم یبتلی ثم یصبر
رأیت خیارالمومنین تواردوا　شعوب وخلفا بعدھم یتاخر
فلا یبعدن اللہ قتلی تتابعوا　بموتة منھم ذوالجناحین جعفر
غداة غدوا بالمومنین یقودھم　الی الموت میمون النقیة ازھر
اغرّ کضوء البدر من آل ھاشم　ابی اذا سیم الظلامة یجسر

فطاعن حتیٰ مال غیر موسد　　بمعترک فیه قنا متکسر

فصار مع المستشهدین ثوابه　　جنان وملتف الحدائق اخضر

وکنا نریٰ فی جعفر من محمد　　وفاء وأمرًا حازمًا حین یامر

ومازال فی الاسلام من آلِ هاشم　　دعائم وعزاً لایزلن ومفخر

هم جبل الاسلام والناس حولهم　　رضام الی طود یروق ویبهر

بها لیل منهم جعفر وابن امه　　علی ومنهم احمد المتخیر

وحمزة والعباس منهم ومنهم　　عقیل وماء العود من حیث یعصر

بهم تفرج اللاواء فی کل مازق　　عماس اذا ماضاق بالناس مصدر

هم اولیاء الله انزل حکمه　　علیهم وفیهم ذالکتاب المطهر

''یثرب میں مجھ پر بڑی مشکل رات اور بیدار رکھنے والی مصیبت گزری ہے۔ جبکہ لوگ پرسکون نیند سو رہے تھے۔ میرے محبوب کے ذکر کی وجہ سے میرے آنسو شدت سے بہہ رہے تھے۔ صرف محبوب کی ذات ہی رونے کا سبب تھی۔ کیوں نہیں محبوب کا فراق بڑی آزمائش ہے۔ کتنے ہی کریم لوگ ہیں جنہیں آزمائش میں ڈالا جاتا ہے، پھر وہ صبر کرتے ہیں۔ میں نے بہترین لوگوں کو دیکھا کہ موت کے گھاٹ پر یکے بعد دیگرے اترے اور ان کے بعد ان کے نائب دیر سے آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان مقتولوں کو دور نہ کرے جو مقام موتہ پر پے در پے شہید ہوتے رہے۔ اور ان میں حضرت جعفر ذوالجناحین رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ اس صبح یہ مومنوں کے ساتھ جا رہے تھے۔ خوش بخت اور سفید چہرے والا موت کی طرف ان کی قیادت کر رہا تھا۔ وہ ماہتاب کامل کی طرح روشن جبیں، ہاشمی خاندان کا چشم و چراغ ہر برائی سے انکار کرنے والا، جب ظلم کیا جائے تو بڑا غیور۔ انہوں نے نیزہ بازی میں مقابلہ کیا۔ حتیٰ کہ وہ جھک گئے۔ جبکہ وہ کسی چیز کو تکیہ بنانے والے نہ تھے۔ ایسے معرکہ میں نیزے ٹوٹ جاتے ہیں۔ پھر وہ شہیدوں میں سے ہو گئے۔ ان کا ثواب جنتیں اور شاداب گھنے باغات ہیں۔ ہم حضرت جعفر رضی اللہ عنہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سی وفاء دیکھتے تھے اور آپ کی طرح کے محتاط امر کا عکس نظر آتا تھا جب وہ حکم دیتے تھے۔ اسلام میں ہمیشہ آل ہاشم کے ایسے افراد رہے ہیں جو عزت و فخر کے ستون رہے اور ہمیشہ رہیں گے۔ آل ہاشم اسلام کا پہاڑ ہیں اور لوگ ان کے اردگرد بڑے بڑے پتھر ہیں۔ جو ٹیلے کے پاس پڑے ہیں۔ یقیناً پہاڑ ان پر غالب ہوتا ہے۔ یہ روشن چہرے والے طویل القامت ہیں۔ ان میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ ان کے برادر محترم حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ان سب سے چیدہ اور برگزیدہ حضرت احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ ان میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت عقیل رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ عود کا پانی ہیں جس طرح بھی انہیں نچوڑا جائے۔ ہر سخت تاریک تنگی کی سختی ان ہی کے ذریعے دور کی جاتی ہے۔ جبکہ اس میں سے نکلنا لوگوں کے لیے مشکل ہو جاتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا حکم نازل کیا۔ ان

کے خاندان میں ہی وہ مقدس ہستی ہے جو کتاب مقدس کی حامل ہے"۔

سریہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ

یہ سریہ بلی اور عذرہ کے شہروں کی طرف تھا۔ یہ شہر وادی القریٰ سے پرے تھے۔ ان کے اور مدینہ طیبہ کے مابین دس ایام کی مسافت تھی۔ بلی ایک بہت بڑا قبیلہ تھا۔ اسے بلی بن عمرو بن الحاف بن قضاعہ کی طرف منسوب کیا جاتا تھا۔ اسی طرح عذرہ بن سعد بن قضاعہ کی طرف منسوب کیا جاتا تھا۔ اسے سریہ ذات السلاسل کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ اس نام سے موسوم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ کیونکہ اس میں مشرکین نے خود کو ایک دوسرے سے باندھ رکھا تھا تاکہ وہ راہ فرار اختیار نہ کریں۔ مراد یہ ہے کہ مشرکین ایک جگہ جمع ہو گئے تھے۔ ابتداء میں ایک کو دوسرے کے ساتھ ملا دیا تھا۔ یہ روایت اس روایت کے منافی نہیں کہ جب مسلمان ان کے قریب گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور انہوں نے راہ فرار میں عافیت سمجھی۔ دوسری روایت کے مطابق اس کو سریہ ذات السلاسل اس لیے بھی کہتے ہیں کیونکہ وہاں ایک چشمہ تھا جسے سلاسل کہا جاتا تھا۔ یہ سریہ جمادی الآخرہ 8ھ کو پیش آیا۔ اس کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک یہ خبر پہنچی کہ بنو قضاعہ کا ایک لشکر غارت گری کے لیے جمع ہو رہا ہے۔ وہ مدینہ طیبہ کے اطراف واکناف پر لشکر کشی کا ارادہ کیے ہوئے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو تین سو مجاہدین کے ہمراہ بھیجا۔ یہ لشکر مہاجرین اور انصار صحابہ کرام پر مشتمل تھا۔ ان کے ہمراہ تیس گھوڑے تھے۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری طرف پیغام بھیجا۔ مجھے حکم ارشاد فرمایا کہ میں اپنے کپڑے اور اسلحہ لے کر حاضر ہو جاؤں۔ آپ نے فرمایا "عمرو! میرا ارادہ ہے کہ میں تمہیں ایک لشکر کا امیر بنا کر بھیجوں۔ اللہ تعالیٰ تمہیں مال غنیمت بھی عطا کرے اور سلامتی سے بھی نوازے"۔ میں نے عرض کی "میں مال وثروت میں رغبت رکھتے ہوئے اسلام نہیں لایا"۔ آپ نے فرمایا "مرد پاکباز کے لیے پاکیزہ مال"۔ آپ نے ان کے لیے سفید جھنڈا اپنے دست اقدس سے باندھا۔ اس کے ساتھ ایک سیاہ جھنڈا بھی عطا فرمایا۔ حضرت عمرو اور ان کے ساتھی عازم سفر ہو گئے۔ وہ رات کو محوسفر ہوتے۔ دن کے وقت چھپ جاتے۔ جب یہ دشمن کے قریب پہنچے تو انہیں خبر ملی کہ دشمن نے لشکر جرار جمع کر رکھا ہے۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے حضرت رافع بن مکیث الجہنی کو بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بھیجا تاکہ مزید کمک کے لیے التجاء کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ دو سو مجاہدین کو ان کے ساتھ بھیجا۔ ان کے لیے جھنڈا باندھا۔ یہ لشکر بھی مہاجرین وانصار پر مشتمل تھا۔ اس میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما جیسی بلند پایہ شخصیات شامل تھیں۔ آپ نے انہیں حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کے ساتھ ملنے کا حکم دیا۔ آپ نے حکم دیا کہ وہ باہم اتفاق سے رہیں۔ اور اختلاف نہ کریں۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کو امامت کرانا چاہی تو حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا "آپ میرے معین اور مددگار بن کر آئے ہیں۔ امیر میں ہوں۔ آپ امیر نہیں کہ آپ صحابہ کرام کو امامت کرائیں"۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "نہیں! میں اسی پر (امیر) ہوں جس پر ہوں اور آپ اسی پر (امیر) ہیں جس پر ہیں"۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نرم

دل انسان تھے۔ دنیاوی معاملات ان پر آسان تھے۔ انہوں نے فرمایا "عمرو! حضور تاجدار حرمین ﷺ نے مجھے فرمایا ہے "تم دونوں باہم اختلاف نہیں کرنا۔ اگر تم میری نافرمانی کرتے ہو تو میں تمہاری اطاعت کر لیتا ہوں" حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے ان کی اطاعت کر لی۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ہی صحابہ کرام کو امامت کراتے رہے۔ حتیٰ کہ وہ بلی اور عذرہ کے قبائل تک پہنچ گئے۔ اہل اسلام نے ان پر بھرپور حملہ کیا۔ وہ اپنے شہر چھوڑ کر بھاگ گئے۔ ساعت بھر لڑنے کے بعد منتشر ہو گئے۔ مسلمانوں نے انہیں شکست سے دوچار کر دیا۔ صحابہ کرام نے وہاں تین روز قیام کیا۔ گھڑ سوار ہر طرف بھیجے جاتے جو مویشی اور جانور ہانک کر لے آتے۔ صحابہ کرام انہیں ذبح کرتے اور کھا لیتے۔ یہ مال غنیمت تقسیم نہیں ہوا تھا۔ علامہ بلاذری نے لکھا ہے "صحابہ کرام قضاعہ اور دیگر قبائل سے نبرد آزما ہوئے جو مختلف گروہوں کی شکل میں جمع تھے۔ ان کے بہت سے افراد کو تہ تیغ کیا۔ اور مال غنیمت حاصل کیا" یہ قول حضور ﷺ کے اس فرمان عالی شان کی تائید کرتا ہے "اللہ تعالیٰ تمہیں مال غنیمت سے نوازے گا اور سلامتی بھی عطا فرمائے گا" ابن راہویہ اور حاکم نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے اس غزوہ میں انہیں حکم دیا وہ آگ نہ جلائیں" اس حکم کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عجیب سمجھا۔ حضرت ابوبکر صدیق نے انہیں کہا "انہیں چھوڑ دو۔ حضور ﷺ نے انہیں ہم پر صرف اسی لیے امیر بنایا ہے کیونکہ آپ ﷺ کو علم تھا کہ یہ جنگی چالوں کو ہم سے زیادہ جانتے ہیں" حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے۔

ابن حبان نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ صحابہ کرام نے ان سے آگ جلانے کی اجازت طلب کی تو انہوں نے انہیں منع کر دیا۔ صحابہ کرام نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے گفتگو کی۔ انہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے بات چیت کی تو انہوں نے کہا "کسی کو آگ جلانے کی اجازت نہیں۔ ورنہ میں اسے اسی آگ میں پھینک دوں گا" جب صحابہ دشمن سے معرکہ آزما ہوئے تو صحابہ کرام نے اسے ہزیمت سے دوچار کر دیا۔ انہوں نے دشمن کا تعاقب کرنا چاہا مگر حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے انہیں منع کر دیا۔ جب صحابہ کرام آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو یہ دونوں باتیں عرض کیں۔ جب حضور ﷺ نے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ سے اس کے متعلق استفسار فرمایا تو انہوں نے گذارش کی "میں نے انہیں آگ جلانے سے اس لیے روکا تاکہ دشمن کہیں ان کی قلیل تعداد سے آگاہ نہ ہو جائے۔ میں نے مجاہدین کو تعاقب سے اس لیے روکا کہ کہیں دشمن چھپ کر نہ بیٹھا ہوا ہو"۔ حضور ﷺ نے ان کی تعریف فرمائی۔

شیخین نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں ذات السلاسل کے سریہ سے واپس آیا تو میں نے خود سے کہا کہ حضور ﷺ کے نزدیک مجھے خاص مقام حاصل ہے۔ اسی لیے آپ نے مجھے اس لشکر کا امیر بنایا جس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسی بلند پایہ شخصیات موجود تھیں۔ میں حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ آپ کے سامنے بیٹھ گیا۔ میں نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ کو سب سے زیادہ کون پیارا ہے؟ آپ نے فرمایا "عائشہ رضی اللہ عنہا!" میں نے عرض کی کہ میں عورتوں میں سے نہیں بلکہ مردوں میں سے پوچھ رہا ہوں" آپ نے فرمایا "ان کے والد گرامی!" میں نے عرض کی "پھر" آپ نے فرمایا "عمر بن خطاب" میں اسی طرح پوچھتا رہا پھر اس

اندیشہ سے خاموش ہو گیا کہ کہیں آپ مجھے سب سے آخر میں نہ رکھ دیں۔ میں نے دل میں کہا ''پھر کبھی بھی میں آپ سے اس طرح کا سوال نہیں کروں گا''۔

فرائد

اس حدیث سے کئی امور آشکارا ہوتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ مفضول کو فاضل پر امیر بنانا جائز ہے۔ جبکہ مفضول میں ایسا وصف زیادہ ہو جو اس امارت سے تعلق رکھتا ہو۔ اس سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کی نور نظر حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت بھی عیاں ہوتی ہے۔ اس سے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی فضیلت بھی عیاں ہوتی ہے کہ آپ کو ایسے لشکر کا امیر بنایا گیا جس میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما جیسی قد آور ہستیاں تھیں۔ اگرچہ اس سے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کی افضلیت ثابت نہیں ہوتی۔ پھر بھی فضیلت ضرور عیاں ہوتی ہے۔ حضرت رافع طائی نے لکھا ہے ''اہل شام اسی غزوہ پر فخر کرتے تھے اور اسے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے لیے حجت سمجھتے تھے''۔

سریۃ الخبط

اس سریہ کے امیر حضرت ابوعبیدہ، عامر بن عبداللہ بن جراح بن ہلال القرشی الفہری تھے۔ یہ ان دس بلند قسمت افراد میں سے تھے جنہیں جنت کی بشارت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان اقدس سے ملی۔ امام بخاری نے اس سریہ کا نام غزوہ سیف البحر رکھا ہے۔ یہ سریۃ الخبط کے نام سے معروف ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو تین سو سے زائد مجاہدین کے ہمراہ بھیجا۔ مجاہدین میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں جہینہ کی سرزمین کی طرف بھیجا تا کہ وہ قریش کے تجارتی کارواں سے ملیں اور جہینہ کے ایک قبیلہ کی سرکوبی کریں۔ یہ سریہ رجب 8ھ کو رونما ہوا تھا۔ قریش نے اس وقت صلح حدیبیہ کو توڑ دیا تھا۔ یہ فتح مکہ سے قبل کا واقعہ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو کھجوروں کا ایک تھیلا عطا فرمایا۔ ان کھجوروں کے علاوہ اور زادراہ نہ تھا۔ دوسری روایت کے مطابق اور زاد راہ تو تھا لیکن وہ ختم ہو گیا تھا۔ پھر صحابہ کرام نے درختوں کے پتے کھانے شروع کیے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''ہم اپنی لاٹھیوں سے درختوں کے پتے اتارتے۔ ان میں پانی ملا کر کھا لیتے'' دوسری روایت کے مطابق حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''ہم میں سے ہر شخص صرف ایک کھجور کھاتا تھا'' صحابہ کرام نے پوچھا ''تم ایک کھجور سے کیا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا ''اسے اس طرح چوستے جس طرح شیر خوار بچہ ماں کا دودھ چوستا ہے'' پھر یہ کھجور بھی ختم ہو گئی۔ حضرت قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما نے صحابہ کرام کے لیے اونٹ خریدے اور انہیں ذبح کیا۔ ایک روایت کے مطابق جب صحابہ کرام کو شدید بھوک کا سامنا کرنا پڑا تو حضرت قیس رضی اللہ عنہ نے کہا ''مجھے ان کھجوروں کے عوض اسی وقت اونٹ کون دے گا جو کھجوریں مدینہ طیبہ میں ہیں'' جہینہ کے ایک شخص نے کہا ''آپ کون ہیں؟ ذرا نسب بیان کریں'' انہوں نے جہنی کو تعارف کرایا تو اس نے کہا ''میں آپ کا نسب جان گیا ہوں'' انہوں نے اس شخص سے پانچ وسق کھجوروں کے عوض پانچ اونٹ خرید لیے۔ کچھ صحابہ کرام کو اس سودا کا گواہ بنا لیا۔ حضرت عمر فاروق

رضی اللہ عنہ نے منع کیا کیونکہ حضرت قیس رضی اللہ عنہ کے پاس اس وقت مال نہ تھا۔ اعرابی نے کہا ''حضرت سعد رضی اللہ عنہ اپنے لخت جگر کو بے سہارا نہیں چھوڑیں گے۔ میں یہ چہرہ دیکھ رہا ہوں۔ یہ کتنا حسین ہے۔ ان کا فعل کتنا شریف ہے'' حضرت قیس رضی اللہ عنہ نے وہ اونٹ لے لیے۔ تین ایام تک ہر روز ایک اونٹ ذبح کرتے رہے۔ چوتھے روز ان کے امیر نے انہیں منع کر دیا۔ انہوں نے کہا ''میں تمہیں قسم دے کر کہتا ہوں کہ تم اونٹ ذبح نہ کرو۔ کیا تم اپنے ذمہ سے عہدہ برآ ہونا چاہتے ہو حالانکہ تمہارے پاس مال ہے ہی نہیں؟ حضرت قیس رضی اللہ عنہ نے کہا ''ابوعبیدہ! آپ کو علم ہے کہ ابوثابت لوگوں کے قرض اتار دیتا ہے۔ وہ لوگوں کے بوجھ اٹھا لیتا ہے۔ وہ لوگوں کو کھلاتا ہے۔ کیا وہ اس قوم کی کھجوریں بھی میری طرف سے ادا نہیں کرے گا جو راہ خدا میں جہاد کرنے کے لیے نکلی ہے'' قریب تھا کہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نرم دل ہو جاتے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرمانے لگے ''اسی فیصلہ پر محکم رہو'' وہ اپنے فیصلہ پر ثابت قدم رہے۔ دو اونٹ ابھی باقی تھے۔ حضرت قیس رضی اللہ عنہ انہیں اپنے ہمراہ مدینہ طیبہ لے آئے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ تک بھی مجاہدین کے فاقہ اور بھوک کی خبر پہنچ گئی۔ انہوں نے کہا ''اگر حضرت قیس رضی اللہ عنہ واپس آئے جیسا کہ میں جانتا ہوں تو وہ صحابہ کرام کے لیے اونٹ ذبح کریں گے'' جب انہوں نے حضرت قیس رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی تو انہوں نے فرمایا ''اس فاقہ کشی کے عالم میں تم نے کیا کیا؟ انہوں نے کہا ''میں نے ایک اونٹ ذبح کر دیا'' حضرت سعد رضی اللہ عنہ: تم نے ٹھیک کیا۔ پھر؟ حضرت قیس رضی اللہ عنہ نے کہا ''میں نے دوسرا اونٹ بھی ذبح کر دیا'' حضرت سعد رضی اللہ عنہ: تم نے ٹھیک کام کیا۔ پھر؟ انہوں نے کہا ''پھر مجھے یوں کرنے سے روک دیا گیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے پوچھا ''تمہیں کس نے روکا؟ حضرت قیس رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''میرے امیر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے'' حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے پوچھا ''کیوں'' حضرت قیس رضی اللہ عنہ نے کہا ''ان کا گمان تھا کہ میرے پاس مال نہیں ہے اور مال تمہارے والد کا ہے'' حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اپنے لخت جگر سے فرمایا ''میں تمہیں چار باغ عطا کرتا ہوں۔ جن میں سے کم درجہ کے باغ میں سے تمہیں پچاس وسق کھجوریں ضرور حاصل ہوں گی'' وہ جہنی شخص حضرت قیس رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو انہوں نے اسے پانچ وسق کھجوریں دیں اور چادر بھی عطا کی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک حضرت قیس کے اس عمدہ فعل کی خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا ''سخاوت تو اس گھر کی سرشت میں داخل ہے''۔

دوسری روایت کے مطابق حضرت قیس رضی اللہ عنہ نے ان تین اونٹوں کے علاوہ چھ اونٹ ذبح کر دیے تھے جو وہ مدینہ طیبہ سے لے کر نکلے تھے۔ پھر وہ تین اونٹ بھی ذبح کر دیے جنہیں جہنی سے خریدا تھا۔ حضرت قیس رضی اللہ عنہ عرب کے شہ سواروں میں سے تھے۔ اہل رائے اور جنگی چالوں سے خوب آشنا تھے۔ شرافت، شجاعت اور جرأت میں بھی یکتائے روزگار تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے انہیں ان کی عمدہ رائے اور وفور عقل کی وجہ سے مصر کا عامل مقرر کیا تھا۔

حضرت قیس رضی اللہ عنہ کریم النفس بھی تھے۔ ایک بڑھیا نے ایک دفعہ انہیں کہا ''میں تمہارے پاس یہ شکوہ لے کر آئی ہوں کہ میرے گھر میں چوہے بہت کم ہیں'' انہوں نے کہا ''یہ سوال کتنا عمدہ ہے؟ پھر بڑھیا سے کہا ''میں تمہارے گھر میں چوہوں کی کثرت کر دوں گا'' انہوں نے اس کا گھر غلہ سے بھر دیا۔ اب بڑھیا نے کہا ''اب میری لاٹھی پر بھی چوہے دوڑتے ہیں'' انہوں نے کہا ''میں چوہوں کو اس طرح کر دوں گا کہ شیر کی طرح حملہ آور ہوں گے'' اس بڑھیا کا گھر دوبارہ غلہ سے بھر دیا۔

حضرت قیس رضی اللہ عنہ کے چہرے پر بال نہیں تھے۔ اس کے باوجود بہت خوبصورت تھے۔ انصار کہا کرتے تھے "ہم تمنا کرتے ہیں کہ ہم سارے اموال خرچ کر کے حضرت قیس رضی اللہ عنہ کے لیے داڑھی خرید لیں"۔

اہل سیر نے کہا ہے "پھر اللہ تعالیٰ نے ان مجاہدین کے لیے سمندر سے ایک مچھلی باہر پھینک دی جسے عنبر کہا جاتا تھا۔ یہ بہت بڑی مچھلی تھی۔ جس کی جلد سے ڈھال بنائی جاتی تھی۔ یہ بھی روایت ہے کہ اس سے عنبر کی سی خوشبو آتی تھی۔ علامہ ازہری نے لکھا ہے کہ عنبر سمندر کی سب سے بڑی مچھلی ہوتی ہے۔ جس کی طوالت پچاس ذراع ہوتی ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "سمندر نے ہمارے لیے بہت بڑی مچھلی باہر پھینک دی۔ ہم نے آج تک اتنی بڑی مچھلی نہیں دیکھی تھی۔ ہم اسے نصف ماہ تک کھاتے رہے۔ دوسری روایت میں اٹھارہ دن کا تذکرہ ہے۔ حتیٰ کہ ہمارے جسم فربہ ہو گئے اور اس کی چربی سے ہم تیل استعمال کرتے تھے۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس کی پسلیوں میں سے ایک پسلی لی۔ اسے نصب کیا۔ طویل اونٹ تلاش کیا جو اپنے سوار سمیت اس کے نیچے سے گزر گیا۔ دوسری روایت میں ہے "پھر انہوں نے ہمیں بڑا اونٹ لانے کا حکم دیا۔ اس پر سب سے بڑا شخص سوار کرایا گیا۔ وہ اس پسلی کے نیچے سے گزر گیا۔ اس کا سر مچھلی کی پسلی کے ساتھ نہ ٹکرایا۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم اس مچھلی کی آنکھوں سے نکلنے والے تیل کو ٹینوں میں جمع کرتے تھے۔ اور اس کے بڑے بڑے ٹکڑے کاٹ کر کھاتے تھے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں اور فلاں، فلاں (انہوں نے پانچ افراد شمار کیے) اس مچھلی کی آنکھ کی جگہ داخل ہوئے۔ ہمیں کسی نے نہ دیکھا حتیٰ کہ ہم باہر نکل آئے۔ جب ہم مدینہ طیبہ پہنچے تو بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ تو اس مچھلی کے متعلق بھی عرض کی۔ آپ نے فرمایا "یہ وہ رزق ہے جو رب تعالیٰ نے تمہارے لیے باہر نکالا تھا۔ کیا تمہارے پاس اس کے گوشت میں سے کچھ ہے؟ ہمارے پاس کچھ گوشت تھا۔ ہم نے وہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پیش کیا تو آپ نے اسے تناول فرما لیا"۔

سیرت نگاروں میں سے کسی نے بھی یہ تذکرہ نہیں کیا کہ اس سریہ میں صحابہ کرام نے کسی ایک شخص کو بھی قتل کیا ہو۔ بلکہ وہ نصف ماہ یا اس سے زائد مدت ایک ہی جگہ پر ٹھہرے رہے۔ پھر وہ واپس آ گئے۔ جنگ کی نوبت نہ آئی۔

سریہ ابی قتادہ رضی اللہ عنہ نجد کی طرف

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی "حرث" تھا۔ دوسری روایت کے مطابق عمرو یا نعمان بن ربعی انصاری سلمی تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں "خضرہ" نجد کی سرزمین کی طرف بھیجا۔ یہ سریہ شعبان 8 ھ کو رونما ہوا۔ آپ نے ان کے ہمراہ پندرہ مجاہدین بھیجے۔ آپ نے انہیں محارب کی زمین میں بنو غطفان پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ یہ مجاہدین رات کو چلتے تھے اور دن کو چھپ جاتے تھے۔ انہوں نے دشمن کی کثیر تعداد پر ہلہ بول دیا۔ ان کے کئی افراد کو واصل جہنم کیا۔ ان کے سردار بھی مارے۔ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے بہت سے قیدی بھی پکڑ لیے۔ اور مویشی بھی ہانک کر لے آئے۔ صرف اونٹوں کی تعداد دو سو تھی۔ دو ہزار بکریاں تھیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نجد کی طرف ایک لشکر بھیجا۔

میں بھی ان مجاہدین میں شامل تھا۔انہیں بہت سے اونٹ بطور مال غنیمت ملے۔ بہت سی بکریاں ملیں۔بارہ بکریاں ہمارے حصہ میں آئیں۔ہم تیرہ اونٹ لے کر آئے''۔اس مہم میں پندرہ روز صرف ہوئے۔قیدیوں میں چار عورتیں بھی تھیں۔بچے اور بچیاں بھی تھیں۔ان قیدیوں میں ایک خوبصورت عورت بھی تھی۔گویا کہ وہ ہرنی تھی۔جو حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئی۔حضرت محمیہ بن جزء بیدی بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم وہ حسین لونڈی حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئی ہے۔حالانکہ آپ نے میرے ساتھ بھی ایک لونڈی کا وعدہ کیا تھا'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی طرف پیغام بھیجا۔آپ نے انہیں فرمایا ''یہ لونڈی مجھے دے دو'' انہوں نے وہ آپ کی بارگاہ میں پیش کردی۔آپ نے وہ حضرت محمیہ بن جز بیدی کو عطا کردی۔

سریہ ابوقتادہ، اضم کی طرف

اضم مدینہ طیبہ سے تین برید دور ایک وادی کا نام ہے۔یہ سریہ 8ھ ماہ رمضان کے آغاز میں رونما ہوا تھا۔جب اہل مکہ نے عہد شکنی کی اور آپ نے ان پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کو آٹھ افراد کے ہمراہ وادی اضم کی طرف بھیج دیا۔تاکہ گمان کرنے والا گمان کرے کہ آپ کی توجہ اس سمت ہے۔تاکہ یہ خبر قریش تک بھی پہنچ جائے۔وہ جنگ کے لیے تیاری نہ کریں۔اور ان کے پاس اس وقت تشریف لے جائیں جب وہ غفلت میں ہوں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے ''مولا! قریش کی آنکھوں پر پردہ ڈال دے۔قریش سے یہ خبریں مخفی کردے حتیٰ کہ میں ان کے شہروں میں ان پر اچانک حملہ کردوں'' آپ کی یہ دعا قبول کرلی گئی۔قریش کو آپ کی خبر تک نہ ملی۔انہیں صرف اسی رات علم ہوا جب آپ مکہ مکرمہ میں داخل ہوگئے۔

یہ تفصیل عنقریب آرہی ہے۔حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء عازم سفر ہوئے۔انہوں نے عامر بن اضبط اشجعی سے ملاقات کی۔اس نے انہیں سلام کیا۔انتہائی عاجزی کا اظہار کیا۔مگر محلم بن جثامہ نے اس پر حملہ کرکے موت کے گھاٹ اتار دیا۔اللہ رب العزت نے یہ فرمان نازل کیا:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰۤى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا (النساء:94)

''نہ کہو اسے جو بھیجتا ہے تم پر سلام کہ تم مومن نہیں''۔

امام احمد اور امام طبرانی نے حضرت عبداللہ بن ابی حدرد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔انہوں نے فرمایا ''ہمیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اضم کی طرف بھیجا۔مجاہدین میں حضرات ابوقتادہ اور محلم بن جثامہ رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ہم عازم سفر ہوئے، جب اضم کی وادی میں پہنچے تو عامر بن اضبط الاشجعی اپنی سواری پر ہمارے پاس سے گزرا۔اس کے ہمراہ غلام بھی تھا۔دودھ سے لبریز مشکیزہ بھی تھا۔اس نے ہمیں سلام کیا۔ہم اس سے رک گئے۔حضرت محلم رضی اللہ عنہ نے اس پر حملہ کردیا۔اس عداوت کی وجہ سے اسے تہ تیغ کردیا جو ان کے اور اس کے مابین تھی۔انہوں نے اس کا غلام اور اونٹ لے لیا۔جب ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت

میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس حادثہ جانکاہ کے متعلق عرض کی تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت طیبہ کا نزول کیا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰۤى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا (النساء:94)

''اے اہل ایمان جب تم سفر پر نکلو اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے تو خوب تحقیق کر لیا کرو اور نہ کہو اسے جو بھیجتا ہے تم پر سلام کہ تم مومن نہیں''۔

یہ بات پہلے حضرت غالب اللیثی رضی اللہ عنہ کے سریہ میں گزر چکی ہے کہ اس آیت طیبہ کا نزول اس وقت ہوا جب حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے حضرت مرداس بن نہیک کو شہید کر دیا تھا۔ ممکن ہے کہ یہ واقعہ دو بار رونما ہوا ہو۔ آیت طیبہ بھی دو بار ہی نازل ہوئی ہو۔ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی دشمن سے نہ مل سکے۔ ان تک یہ خبر پہنچی کہ آپ مدینہ طیبہ سے عازم سفر ہو کر مکہ مکرمہ کی طرف جا رہے ہیں۔ وہ ''السقیا'' کے مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جا ملے۔ انہوں نے اس واقعہ کے بارے آپ سے گذارش کی تو آپ نے محلم سے کہا ''اس شخص نے کہا میں رب تعالیٰ پر ایمان لے آیا۔ پھر بھی تم نے اسے قتل کر دیا'' دوسری روایت میں ہے ''بعد اس کے کہ اس نے کہا'' میں مسلمان ہوں'' محلم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بیٹھ گئے تا کہ آپ ان کے لیے مغفرت طلب کریں۔ عرض کی ''اس شخص نے یہ کلمہ پناہ لیتے ہوئے پڑھا تھا'' آپ نے فرمایا ''تم نے اس کا دل کیوں نہ چیرا۔ تا کہ تمہیں علم ہو جاتا کہ وہ سچا ہے یا کہ جھوٹا'' انہوں نے عرض کی ''دل گوشت کا ایک پارہ ہی نہیں'' آپ نے فرمایا ''اس کی زبان نے تو اس کے متعلق بتا دیا تھا۔ اس کے دل میں کیا تھا تم نے نہ جانا، نہ ہی اس کی زبان کی تصدیق کی'' انہوں نے عرض کی ''یارسول اللہ! میرے لیے مغفرت طلب کریں'' آپ نے فرمایا ''رب تعالیٰ تمہیں معاف نہ کرے'' اس سے آپ کا مقصود زجر و توبیخ تھا۔ تا کہ لوگ مومن شخص کے قتل کو آسان نہ سمجھیں۔ محلم اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ اپنے آنسو اپنے چہرے سے صاف کر رہے تھے۔ سات روز کے بعد ان کا انتقال ہو گیا۔ لوگوں نے انہیں دفنایا تو زمین نے انہیں باہر پھینک دیا۔ پھر دفنایا تو زمین نے دوسری بار باہر پھینک دیا۔ تیسری بار دفنایا تو زمین نے انہیں پھر باہر پھینک دیا۔ انہوں نے ان پر پتھر جوڑ کر انہیں چھپا دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اس بات کا تذکرہ کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''زمین تو اس سے بھی شریر لوگوں کو قبول کر لیتی ہے۔ یہ واقعہ اس لیے رونما ہوا تا کہ رب تعالیٰ تمہیں دکھائے کہ تمہارے مابین حرمت کا کیا مقام ہے'' بعض روایات میں ہے کہ عیینہ بن حصن، عامر بن اضبط کے خون کا بدلہ لینے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ یہ غطفان کے رئیس تھے۔ اقرع بن حابس، محلم بن جثامہ کا دفاع کرنے لگے۔ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ان کا جھگڑا طوالت اختیار کر گیا۔ وہ محلم سے قصاص چاہتے تھے۔ پھر انہوں نے دیت قبول کر لی۔ پھر محلم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے التجاء کی کہ آپ ان کے لیے مغفرت طلب کریں۔ آپ نے یہ دعا کی ''مولا! اسے معاف نہ کر'' سات روز کے بعد وہ مر گئے۔

غزوۂ فتحِ اعظم فتح مکہ شرفہا اللہ تعالیٰ

غزوۂ فتح مکہ کے اسباب

فتح مکہ وہ عظیم المرتبت فتح ہے جس کی بشارت اہل سماء نے دی۔اس کی عزت وآبرو کی طنابیں جوزاء ستارے کے پہلو کے ساتھ باندھی گئیں تھیں۔اس کے سبب لوگ دین متین میں گروہ در گروہ داخل ہونے لگے۔زمین نور وضیاء سے بھر گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسلام کے لشکروں اور رب رحمان کے جنود کو لے کر عازم سفر ہوئے تا کہ قریش سے اس عہد کو توڑنے کا بدلہ لیں جو حدیبیہ کے مقام پر ہوا تھا۔اس صلح میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ قبائل میں سے جو پسند کرے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ معاہدہ کرے اسے بھی اجازت ہے۔جو قریش کے ساتھ معاہدہ کرنا چاہے وہ قریش کے ساتھ بھی معاہدہ کر سکتا ہے۔بنو بکر نے قریش کے ساتھ معاہدہ کر لیا۔جبکہ بنوخزاعہ نے سپہ سالار اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ معاہدہ کر لیا۔بنوخزاعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جد امجد حضرت عبد المطلب کے بھی حلیف تھے۔جب ان کا ان کے چچا نوفل کے ساتھ سقایہ وغیرہ کے بارے تنازع ہوا۔یہ منصب حضرت عبد المطلب کے پاس تھا۔نوفل نے ان سے لے لیا۔حضرت عبد المطلب نے اپنی قوم کو پکارا۔مگر کسی نے ان کی صدا پر لبیک نہ کہا۔انہوں نے کہا ''ہم تمہارے اور تمہارے چچا کے مابین مداخلت نہیں چاہتے'' پھر انہوں نے اپنے ماموں بنونجار کی طرف مکتوب لکھا۔ان میں سے ستر افراد نے ان کی صدا پر لبیک کہا۔انہوں نے کہا ''ہمیں اس مقدسہ اور پاکیزہ عمارت کی قسم! ہمارے بھانجے سے جو کچھ لیا ہے وہ واپس کر دے۔ورنہ تجھے تلواروں سے بھر دیں گے'' نوفل نے یہ مناصب واپس کر دیے۔پھر نوفل اپنے بھتیجے عبد شمس کا حلیف بن گیا۔حضرت عبد المطلب بنوخزاعہ کے حلیف بن گئے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس معاہدہ کو جانتے تھے۔روز حدیبیہ بنوخزاعہ حضرت عبد المطلب کا مکتوب گرامی لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

حضرت ابی بن کعب نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پڑھ کر سنایا۔وہ مکتوب مبارک یہ تھا:

باسمک اللھم

یہ عبد المطلب کا بنوخزاعہ کے لیے عہد ہے۔جبکہ بنوخزاعہ کے سردار اور اہل رائے ان کے پاس آئے۔ان کا غائب اس عہد کی اسی طرح تائید کرے گا جس طرح ان کا حاضر شخص کرے گا۔ہمارے اور تمہارے مابین اللہ تعالیٰ کے عہد اور وعدے ہیں جنہیں کبھی بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ہم ایک ہاتھ کی طرح ہوں گے۔باہم ایک دوسرے کی نصرت کریں گے جب تک کوہ ثبیر روشن رہے اور کوہ حراء اپنی جگہ پر ثابت رہے گا، جب تک سمندر صوف کو تر کرتا رہے گا، ہمارے اور تمہارے مابین ہمیشہ ہمیشہ اس عہد اور وعدہ کی تجدید ہی ہوتی رہے گی''۔

دوسری روایت میں ہے:

''یہ ایک جامع عہد ہے۔جسے بزرگ بزرگ سے جدا نہیں کر سکتا، چھوٹا چھوٹے سے جدا نہیں کر سکتا، موجود غائب سے یہ عہد نہیں توڑ سکتا، پختہ اور محکم عہد کر لو، اتنا مضبوط معاہدہ جسے توڑا نہ جائے۔جب تک سورج ثبیر پر تاباں

ہے۔ جب تک اونٹ چٹیل میدان میں آواز نکالتے ہیں، جب تک اخشبان قائم ہے۔ اور جب تک انسان مکہ مکرمہ کا عمرہ کرتے رہیں۔ اتنا طویل عہد! طلوع آفتاب اس کی شدت میں اضافہ ہی کرے گا۔ رات کی ظلمت اس کی طوالت کو طویل ہی کرے گی۔ حضرت عبدالمطلب، ان کی اولاد اور ان کے ساتھی اور بنوخزاعہ باہم مل کر دشمن کا مقابلہ کریں گے۔ وہ ایک دوسرے کے ساتھ تعاون اور مدد کریں گے۔ بنوخزاعہ ہر حال میں حضرت عبدالمطلب اور ان کے ساتھیوں کی مدد کریں گے، جبکہ حضرت عبدالمطلب بنوخزاعہ کی ہر حالت میں نصرت اور مدد کریں گے۔ یہ نصرت سارے اہل عرب کے خلاف ہو گی۔ خواہ مشرق کے مکین ہوں یا مغرب کے۔ خواہ نشیب کے باسی ہوں یا فراز کے" انہوں نے اس معاہدہ پر رب تعالیٰ کو گواہ بنایا"۔

جب بنوخزاعہ نے حدیبیہ کے روز اس معاہدہ کا تذکرہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں کیا تو آپ نے فرمایا "مجھے اس معاہدہ کا علم ہے۔ تم اسی عہد اور معاہدہ پر برقرار رہو جو معاہدہ جاہلیت میں ہوا۔ اسلام نے اس کی شدت میں ہی اضافہ کیا ہے" اسلام ایسے معاہدہ کی تردید کرتا ہے جس کا مقصد شر انگیزی اور قتل و غارت ہو۔ اسلام اس عہد اور وعدہ کو تقویت دیتا ہے جو مظلوم کی نصرت صلہ رحمی، بھلائی اور حق کی نصرت کے لیے ہو"۔

بنوبکر کی عہد شکنی

بنوبکر اور بنوخزاعہ میں زمانۂ جاہلیت میں کئی جنگیں ہوئیں تھیں۔ قتل عام ہوا تھا۔ ظہور اسلام کی وجہ سے وہ کچھ مصروف ہو گئے۔ جب صلح حدیبیہ رونما ہوئی تو بنوبکر میں سے نوفل بن معاویہ قبیلہ بنوبدیل کی ایک جماعت کے ساتھ نکلا۔ انہوں نے بنو خزاعہ کے قریب رات بسر کی۔ بنوخزاعہ اپنے چشمہ وتیر پر فروکش تھے۔ یہ چشمہ مکہ مکرمہ کے نشیبی علاقہ میں تھا۔ ان کے ایک شخص کو تیر لگا۔ جس سے بنوخزاعہ جاگ گئے۔ بنوبکر انہیں تہ تیغ کرتے رہے حتیٰ کہ بنوخزاعہ حرم میں داخل ہو گئے۔ پھر بھی بنوبکر نے جنگ بند نہ کی۔ جب بنوبکر حرم تک پہنچے تو انہوں نے نوفل سے کہا "نوفل! ہم حرم میں داخل ہو گئے ہیں۔ اب رب تعالیٰ سے ڈرو" اس نے بہت بری بات کی۔ اس نے کہا "بنوبکر اس کا کوئی رب نہیں۔ اپنا انتقام اپنی زندگانی کی قسم! تم حرم کی چیزیں بھی چرا لیتے ہو کیا تم اس میں اپنا انتقام نہیں لو گے"۔

بنوبکر اور بنوخزاعہ کے مابین اس جنگ کا ایک اور بھی سبب بیان کیا جاتا ہے کہ بنوبکر کے ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو بیان کی۔ وہ اشعار گنگنانے لگا۔ بنوخزاعہ کے ایک غلام نے یہ اشعار سن لیے۔ اس نے اس شخص کو مار کر زخمی کر دیا۔ اس طرح یہ آگ دونوں قبائل میں پھیل گئی۔ عداوت تو پہلے ہی موجود تھی۔ بنوبکر نے قریش سے بنوخزاعہ کے خلاف مدد طلب کی۔ قریش نے بنوبکر کی مدد کی۔ بنوخزاعہ اپنے مساکن میں رات بسر کر رہے تھے کہ ان پر شب خون مارا گیا۔ بنوخزاعہ کے بیس یا تیئس افراد مارے گئے۔ بنوبکر کے ساتھ قریش میں صفوان بن امیہ، حویطب بن عبدالعزیٰ، عکرمہ بن ابی جہل، شیبہ بن عثمان اور سہیل بن عمرو نے خفیہ طور پر مدد کی۔ بعد میں ان سب نے اسلام قبول کر لیا۔ انہوں نے اس ضمن میں ابوسفیان سے مشاورت نہ کی۔ دوسرے قول کے مطابق ان قریشیوں نے اس کے ساتھ مشاورت تو کی مگر اس نے انکار کر دیا۔ انہوں نے یہی گمان کیا کہ ان

کی اس کارستانی کا کسی کو علم نہ ہوگا۔ نہ ہی یہ خبر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچے گی۔ وہ بنوخزاعہ کو لگاتار قتل کرتے رہے حتیٰ کہ انہیں بدیل بن ورقاء خزاعی کے گھر مکہ مکرمہ میں داخل کر دیا۔ جب قریش نے بنوبکر کی مدد کی اور اس عہد اور میثاق کو توڑ دیا جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے مابین تھا تو اس فعل پر نادم ہوئے۔ دوسری روایت کے مطابق جب بنوخزاعہ بدیل بن ورقاء اور غلام رافع کے گھر کی طرف پناہ گزیں ہوئے تو صبح کی پو پھوٹ رہی تھی۔ رؤسائے قریش اپنے اپنے گھر داخل ہو گئے۔ ان کا یہی گمان تھا کہ انہیں پہچانا نہیں گیا۔ وقت صبح بدیل اور رافع کے گھر کے سامنے بنوخزاعہ کے کشتوں کے پشتے لگے تھے۔ سہیل بن عمرو نے نوفل بن معاویہ سے کہا ''تم نے ان کا محاصرہ کیا، تم بقیہ افراد کو بھی تہ تیغ کرنا چاہتے تھے۔ مگر ہم تمہاری یہ بات ماننے کے لیے تیار نہیں۔ اب انہیں چھوڑ دو'' وہ چھوڑ کر چلا گیا۔ قریش اپنی اس حرکت پر نادم ہوئے۔ حرب بن ہشام اور عبداللہ بن ابی ربیعہ صفوان کے پاس آئے۔ انہوں نے قریش کو ملامت کی۔ انہوں نے کہا ''تمہارے اور محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مابین معاہدہ ہے۔ یہ اس عہد کی خلاف ورزی ہے۔ قریش نے کہا ''اب محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم پر حملہ آور ہوں گے'' ابن ابی سرح نے کہا ''وہ اس وقت تک تم پر حملہ آور نہیں ہوں گے حتیٰ کہ وہ تمہیں اس چیز میں اختیار دے دیں جو جنگ سے آسان تر ہو۔ وہ تمہاری طرف یہ پیغام بھیجیں گے کہ بنوخزاعہ کے مقتولین کی دیت دو۔ مقتولوں کی تعداد تئیس ہے یا بنوبکر کے عہد سے انکار کر دو۔ ورنہ ہم بھی عہد حدیبیہ توڑ دیتے ہیں'' سہیل بن عمرو نے کہا ''صلح حدیبیہ توڑنا سب سے آسان امر ہے'' شیبہ بن عثمان نے کہا ''میرے نزدیک مقتولوں کی دیت دینا آسان ہے'' قرطبہ بن عمرو نے کہا ''ہم نہ دیت دیں گے، نہ برأت کا اظہار کریں گے بلکہ اس عہد کو توڑ دیں گے جو مقام حدیبیہ میں رونما ہوا تھا'' ابوسفیان نے کہا ''یہ رائے اچھی نہیں ہے۔ رائے صرف یہ ہے کہ اس سارے معاملہ کا انکار کر دیا جائے کہ قریش نے کسی قسم کی عہد شکنی نہیں کی۔ بنوبکر نے ہمارے ساتھ مشاورت کیے بغیر اور ہماری مرضی کے خلاف بنوخزاعہ پر حملہ کیا ہے۔ ہم پر کچھ بھی نہیں'' سرداران قریش نے کہا ''محکم رائے یہی ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی رائے نہیں''۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس اندوہ ناک واقعہ کی خبر

شعبان 8 ھ کو قریش نے یہ معاہدہ توڑا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسی روز آگاہ فرما دیا تھا۔ حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس واقعہ کی صبح کو حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا ''عائشہ! بنوخزاعہ میں ایک واقعہ ظہور پذیر ہو گیا ہے'' انہوں نے عرض کی ''کیا قریش نے وہ عہد توڑ دیا ہے جو آپ کے اور ان کے مابین تھا۔ حالانکہ تلوار نے انہیں برباد کر دیا ہے'' آپ نے فرمایا ''انہوں نے وہ عہد توڑ دیا ہے۔ یہ اس امر کے لیے ہے جس کا رب تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے''۔ انہوں نے عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم خیر ہے'' آپ نے فرمایا ''خیر ہے''۔

امام طبرانی نے حضرت ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات میرے ہاں بسر فرمائی۔ آپ اٹھے اور نماز کے لیے وضوء فرمایا۔ میں نے دوران وضوء آپ کو فرماتے ہوئے سنا ''لبیک لبیک لبیک، نصرت نصرت نصرت! تمہاری مدد کر دی گئی، تمہاری مدد کر دی گئی۔ انہوں نے عرض کی

''گویا کہ آپ کسی شخص کے ساتھ محو تکلم ہیں۔ کیا آپ کے ہمراہ کوئی ہے؟ آپ نے فرمایا ''بنوخزاعہ کا رجز خواں تھا۔ وہ بنوخزاعہ کی وادی میں مجھ سے مدد طلب کر رہا تھا۔ اس کا گمان ہے کہ قریش نے بنوبکر کی مدد کی ہے'' یہ آپ کی نبوت کی نشانیوں میں سے ایک عظیم نشانی ہے۔ خواہ اس کا علم آپ کو وحی کے ذریعے ہو اور جو کچھ اس رجز خوان نے تصور کیا تھا آپ اسے جان گئے یا رجز خواں پڑھ رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی آواز اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنادی''۔

اہل سیرت نے لکھا ہے ''جب بنوبکر اور بنوخزاعہ کا قتال بند ہوا۔ عمرو بن سالم خزاعی بنوخزاعہ کے چالیس سواروں کے ہمراہ نکلا۔ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے تاکہ اپنی اس مصیبت کا تذکرہ کریں اور آپ سے مدد طلب کریں۔ ان کے آنے سے تین روز قبل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو سامان سفر تیار کرنے کا حکم دے دیا تھا۔ کیونکہ اللہ رب العزت نے آپ کو قریش کے نقض عہد کی خبر دے دی تھی۔ آپ نے انہیں فرمایا ''اس راز سے کسی کو آگاہ نہ کرنا''۔ حضرت ابوبکر، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے ابھی تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس واقعہ سے آگاہ نہ کیا تھا۔ نہ ہی ان سے مشاورت کی تھی۔ انہوں نے کہا ''لخت جگر! یہ کیسی تیاری ہے؟ انہوں نے کہا ''بخدا! یہ بنواصغر کے ساتھ جہاد کرنے کا زمانہ نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہاں جانے کا ارادہ کیے ہوئے ہیں'' انہوں نے فرمایا ''مجھے علم نہیں''۔ ابن ابی شیبہ کی روایت کے مطابق حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا نے اپنے والد گرامی کو بتایا دیا تھا۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے پاس دو دفعہ آئے تھے۔ پہلی بار انہوں نے کہا ''مجھے علم نہیں'' پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو آگاہ کر دیا اور حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کو حکم دیا کہ اپنے والد گرامی کو آگاہ کر دیں کیونکہ وہ رازداں تھے۔ جب دوسری بار ام المومنین رضی اللہ عنہا کے پاس آئے تو انہوں نے انہیں آگاہ کر دیا۔ انہوں نے کہا ''یہ معاہدہ نہیں توڑا گیا'' وہ باہر نکل کر بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بات بتائی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''سب سے پہلے انہوں نے دھوکہ اور فریب سے کام لیا ہے'' حضرت ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ''جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''یہ بنوخزاعہ کا رجز خواں ہے'' اس فرمان کے تیسرے روز بعد آپ نے صحابہ کرام کو نماز پڑھائی تو میں نے رجز خواں کو یہ اشعار پڑھتے ہوئے سنا۔ وہ رجز خواں عمرو بن سالم تھا۔ وہ اور اس کے ساتھی آئے۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ آپ مسجد نبوی میں جلوہ افروز تھے۔ اس نے یہ اشعار پڑھے:

یارب انی ناشد محمداً حلف ابینا وابیہ الاتلدا

ان قریشا اخلفوک الموعدا وانقضوا میثاقک المؤکدا

وزعموا ان لست تدعو احدا وجعلوا لی فی کداء رصدا

فانصر ھداک اللہ نصرا ابدا وادع عباداللہ یاتوا مددا

فیھم رسول اللہ قد تجردا ان سیم خسفاً وجہ تربدا

ھم بیتونا بالوتیر ھجدا وقتلونا رکعا وسجدا

''اے میرے مولا! میں محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو دوستی کا وہ معاہدہ یاد دلانے لگا ہوں جو ہمارے اور ان کے آباء کے مابین قدیم زمانہ میں طے پایا تھا۔ قریش نے آپ کے ساتھ کیے گئے وعدہ کے خلاف کیا۔ وہ پختہ عہد توڑ دیا ہے جو انہوں نے آپ کے ساتھ کیا تھا۔ انہوں نے گمان کیا ہے کہ تو اپنی مدد کے لیے کسی کو نہیں پکارے گا۔ وہ کداء کے مقام پر میرے لیے گھات لگائے بیٹھے تھے۔ آپ کو رب تعالیٰ ہدایت عطا فرمائے۔ آپ ہمیشہ رہنے والی ہماری مدد فرمائیں۔ آپ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو بلائیں جو مدد کے لیے آجائیں۔ ان میں رب تعالیٰ کے رسول مکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھی ہوں جو جنگ کے لیے پوری طرح تیار ہوں۔ جب ان کی توہین کی جاتی ہے تو ان کا چہرہ فرط غضب سے سرخ ہو جاتا ہے۔ انہوں نے اس وقت ہم پر شب خون مارا جب ہم وتیر نامی چشمہ کے پاس سو رہے تھے۔ اور انہوں نے ہمیں رکوع اور سجدہ کی حالت میں قتل کیا''۔

دوسری روایت میں ایک اور شعر کا اضافہ ہے

هم قتلونا بصعيد هجدا نتلوا القرآن ركعا وسجدا

وزعموا ان لست ادعوا احدا وهم اذلّ واقلّ عددا

''انہوں نے ہمیں چٹیل میدان میں رات کے وقت قتل کیا جبکہ ہم رکوع اور سجود کی حالت میں قرآن پاک کی تلاوت کر رہے تھے۔ انہوں نے گمان کیا کہ میں کسی کو نہیں پکاروں گا۔ وہ سب سے زیادہ ذلیل اور تعداد میں سب سے زیادہ قلیل ہیں''۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے فرمایا ''عمرو بن سالم! تمہاری مدد کی گئی ہے'' دوسری روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھ کھڑے ہوئے ردائے پاک کو گھسیٹے جا رہے تھے اور یہ فرما رہے تھے ''اگر میں اس چیز سے تمہارا دفاع نہ کروں جس سے اپنے نفس کا دفاع کرتا ہوں تو میری نصرت نہ کی جائے'' دوسری روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''مجھے اس ذات کریمانہ کی قسم جس کے دست تصرف میں میری جان ہے میں ان کا ہر اس چیز سے دفاع کروں گا جس سے میں اپنا اور اپنے اہل خانہ کا دفاع کرتا ہوں'' حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کبھی بھی اتنے غصے کی حالت میں نہ دیکھا جتنا آپ اس وقت غصے میں تھے'' ایک اور روایت کے مطابق جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمرو کے اشعار سنے تو چشمان مقدس سے چھم چھم آنسو گرنے لگے۔ فرمایا ''خزاعہ مجھ سے اور میں خزاعہ سے ہوں'' پھر آپ نے عمرو بن سالم سے پوچھا ''یہ اذیت تمہیں کس نے پہنچائی ہے؟'' انہوں نے عرض کی ''بنو بکر نے'' آپ نے فرمایا ''سارے بنو بکر نے'' انہوں نے عرض کی ''نہیں! بنو نفاثہ نے۔ وہ بنو بکر کا ایک قبیلہ ہے'' پھر آپ نے عمرو اور اس کے ساتھیوں سے فرمایا ''واپس لوٹ جاؤ، وادیوں میں بکھر جاؤ'' وہ واپس لوٹ آئے، منتشر ہو گئے۔ ایک گروہ ساحل سمندر کی طرف چلا گیا۔ دوسرا گروہ راستہ پر عازم سفر ہو گیا۔ عمرو بن سالم کے جانے کے بعد بدیل بن ورقاء خزاعی اپنے ساتھیوں سمیت بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے آپ کو داستان غم سنائی اور واپس چلے گئے۔ دوسری روایت کے مطابق بدیل مکہ

مکرمہ میں ہی ٹھہرا رہا حتیٰ کہ فتح مکہ کے روز آپ سے مرالظہران کے مقام پر جاملا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت ضمرہ رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ بھیجنا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خزاعہ کے کارواں سے فرمایا ''میں اہل مکہ کے پاس اپنا قاصد بھیجنے لگا ہوں۔ میں ان سے اس معاملہ کے متعلق پوچھنے لگا ہوں اور انہیں تین تجاویز دینے لگا ہوں''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ضمرہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ اہل مکہ کو اختیار دیا کہ یا تو وہ بنوخزاعہ کے مقتولوں کی دیت ادا کریں یا بنونفاثہ کے ساتھ عہد توڑ دیں یا صلح حدیبیہ ختم کر دیں'' حضرت ضمرہ رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے اور انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم سنایا۔ قرطہ بن عمرو نے کہا ''ہم نہ تو مقتولین کی دیت ادا کریں گے نہ ہی بنونفاثہ کے ساتھ عہد شکنی کریں گے۔ بلکہ ہم صلح حدیبیہ کو توڑ دیتے ہیں'' پھر قریش کو اپنے اس فعل پر ندامت ہوئی۔ انہوں نے ابوسفیان کو بھیجا تاکہ وہ صلح کی تجدید کرے اور اس کی مدت میں توسیع کرے۔ کہا جاتا ہے کہ ابوسفیان جلدی جلدی مدینہ طیبہ کی طرف نکلا تاکہ وہ مسلمانوں کو یہ خبر ملنے سے قبل ہی مدینہ منورہ پہنچ جائے۔ اسے علم نہ تھا کہ بنوخزاعہ اس سے قبل بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہو چکے ہیں۔ ایک اور روایت کے مطابق حرب بن ہشام اور عبداللہ بن ابی ربیعہ ابوسفیان کے پاس گئے۔ انہوں نے کہا ''اگر اس امر کی اصلاح نہ ہوئی تو محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے صحابہ سمیت تم پر حملہ آور ہو جائیں گے'' ابوسفیان نے کہا ''ہند بن عتبہ نے ایک خواب دیکھا ہے۔ جسے اس نے ناپسند کیا ہے اور وہ اس کے شر سے ڈر گئی ہے'' انہوں نے پوچھا ''کیسا خواب؟ ابوسفیان نے کہا ''اس نے خون دیکھا ہے جو الحجون کی طرف سے بہتا ہوا آیا ہے۔ پھر وہ الخندمہ میں آکر ٹھہر گیا ہے۔ پھر گویا کہ وہاں خون تھا ہی نہیں'' انہوں نے بھی یہ خواب پسند نہ کیا۔ ابوسفیان نے کہا ''میں نہ تو اس امر میں حاضر ہوا نہ ہی اس سے غائب ہوا۔ نہ ہی اسے صرف مجھ پر محمول کیا گیا۔ بخدا! نہ ہی اس کے متعلق مجھ سے مشاورت کی گئی۔ نہ ہی میں نے یہ پسند کیا حتیٰ کہ مجھے خبر پہنچی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم پر ضرور حملہ آور ہوں گے۔ اگر میرا گمان سچا ہے، بلکہ وہ سچا ہی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہیں کہ میں محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس جاؤں اور ان سے اس کے متعلق گفتگو کروں'' قریش نے کہا ''تمہاری رائے درست ہے''۔

ابوسفیان مدینہ طیبہ کی طرف

ابوسفیان اپنے غلام کے ساتھ عازم سفر ہوا۔ ان کے پاس دو سواریاں تھیں۔ بنوخزاعہ کا کارواں مدینہ طیبہ سے واپس آرہا تھا۔ وہ عسفان کے مقام پر ابوسفیان سے ملے۔ اس نے پوچھا ''کیا تم مدینہ منورہ گئے تھے؟'' انہوں نے کہا ''نہیں'' پھر وہ اسے چھوڑ کر چلے گئے۔ اس کے بعد ابوسفیان ان کے اونٹ بٹھانے کی جگہ پر آیا۔ ایک اونٹ کا لید نا اٹھایا۔ اس میں کھجور کی گٹھلی دیکھی تو وہ سمجھ گیا کہ وہ مدینہ طیبہ ہی گئے تھے۔ دوسری روایت میں ہے کہ ابوسفیان بدیل بن ورقاء سے ملا۔ اسے خدشہ لاحق ہوا کہ بدیل کہیں بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہی نہ گیا ہو۔ اس نے اس کے ساتھیوں سے پوچھا ''مجھے بتاؤ کہ تم یثرب کب گئے'' انہوں نے کہا ''ہمیں تو کچھ یاد نہیں ہم تو ساحل کی طرف گئے تھے تاکہ مقتول کے متعلق لوگوں میں فیصلہ

کریں'' دوسری روایت میں ہے کہ ابوسفیان نے بدیل سے کہا ''بدیل کہاں سے آرہے ہو؟ بدیل نے کہا ''میں ساحل سمندر کی طرف گیا تھا'' ابوسفیان! کیا تم محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں نہیں گئے'' بدیل: ''نہیں'' جب بدیل نے مکہ مکرمہ کا رخ کیا تو ابوسفیان نے کہا ''اگر بدیل مدینہ طیبہ سے ہو کر آرہا ہے تو اس کی سواری کے گوبر میں کھجور کی گٹھلی ضرور ہو گی'' ابوسفیان ان کے خیموں کی جگہ پر آیا اونٹ کا لید نا توڑ کر دیکھا تو اس میں کھجور کی گٹھلی دیکھی۔ ابوسفیان نے کہا ''میں قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ یہ لوگ محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس سے ہو کر آرہے ہیں'' ابھی تک ابوسفیان مدینہ طیبہ نہیں پہنچا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام سے فرمایا ''گویا کہ ابوسفیان تمہارے پاس آرہا ہے۔ وہ کہے گا ''صلح کے معاہدہ کی تجدید کریں اور مدت میں توسیع کرو، مگر وہ ناراضگی لے جائے گا''۔

ابوسفیان مدینہ طیبہ پہنچا۔ پہلے حضرت ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مقدسہ میں گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر مبارک پر بیٹھنے کا ارادہ کیا تو انہوں نے بستر لپیٹ دیا۔ اس نے کہا ''لخت جگر! مجھے معلوم نہیں کہ تم نے مجھے اس بستر کے لائق نہیں سمجھا یا اس بستر کو میرے قابل نہیں سمجھا'' انہوں نے فرمایا ''یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بستر مبارک ہے تو مشرک اور ناپاک ہے، میں پسند نہیں کرتی کہ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر پر بیٹھے'' ابوسفیان نے کہا ''نور نظر! میرے بعد تمہیں شر نے آلیا ہے'' انہوں نے فرمایا ''نہیں بلکہ رب تعالیٰ نے مجھے اسلام کی طرف ہدایت دی ہے۔ ابو جان! تم قریش کے سردار ہو، ان کے رئیس ہو۔ تم اسلام میں داخل ہونے سے کیسے رہ سکتے ہو؟ تم پتھروں کی پوجا کرتے ہو، جو نہ سن سکتے ہیں۔ نہ دیکھ سکتے ہیں'' ابوسفیان وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا۔ بارگاہ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوا۔ عہد کی تجدید اور مدت میں توسیع کے لیے عرض کی، مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکار کر دیا۔ امام ابو اسحاق کی روایت کے مطابق ابوسفیان نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بات چیت کی۔ مگر آپ نے کوئی جواب ارشاد نہ فرمایا۔ ایک اور روایت کے مطابق اس نے کہا ''محمد عربی! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں صلح حدیبیہ میں غائب تھا۔ عہد کی تجدید کریں۔ مدت میں توسیع کریں'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا ''کیا کوئی حادثہ رونما ہوا ہے؟ اس نے عرض کی ''اللہ کی پناہ! ہم اپنے عہد پر برقرار ہیں۔ اپنی صلح پر ہیں۔ ہم نے اس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں کیا''۔ آپ نے فرمایا ''ہم بھی اسی طرح ہیں'' ابوسفیان نے اپنی بات دہرائی۔ مگر آپ نے کوئی جواب ارشاد نہیں فرمایا۔ ابوسفیان حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تاکہ وہ اس کے لیے بارگاہ نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سفارش کریں۔ انہوں نے فرمایا ''مجھ میں اتنی جرأت نہیں'' دوسری روایت کے مطابق ابوسفیان نے انہیں کہا ''محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے بات چیت کریں یا لوگوں کو پناہ دیں'' انہوں نے فرمایا ''میری پناہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پناہ میں ہے'' ابوسفیان حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا۔ ان سے یہی بات کی تو انہوں نے فرمایا ''بخدا! اگر مجھے صرف چھوٹی چیونٹی بھی مل جائے۔ میں اس کے ساتھ بھی مل کر تمہارے خلاف جہاد کروں گا'' ایک اور روایت کے مطابق حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''ہمارے مابین جو نیا معاہدہ ہو اللہ تعالیٰ اسے بوسیدہ کر دے۔ جو پختہ معاہدہ طے پائے رب تعالیٰ اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔ جو معاہدہ ٹوٹ چکا ہے رب تعالیٰ اسے کبھی نہ جوڑے'' ابوسفیان نے کہا ''اللہ تعالیٰ آپ کو اس قطع رحمی کی سزا دے'' پھر ابوسفیان حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کاشانۂ اقدس میں گیا۔ حضرت سیدہ نساء

العالمین رضی اللہ عنہا بھی وہیں تشریف فرما تھیں۔ حضرت حسن ابھی ننھے سے بچے تھے۔ وہ اپنی والدہ ماجدہ کے سامنے گھٹنے گھسیٹ کر چل رہے تھے۔ ابوسفیان نے کہا ''علی! آپ صلہ رحمی کے اعتبار سے مجھ سے سب سے زیادہ قریبی ہیں۔ میں ایک ضروری کام کے لیے آیا ہوں۔ میں بے نیل مرام واپس نہیں جانا چاہتا۔ میرے لیے سفارش کریں'' حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''تیرے لیے ہلاکت! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی کام کا عزم کر لیں تو ہم میں طاقت نہیں ہوتی کہ اس کے متعلق آپ سے گفتگو کریں'' ابوسفیان نے حضرت سیدہ نساء العالمین رضی اللہ عنہا کی طرف دیکھا۔ کہا ''اے نور نظر مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں آپ سے کہتا ہوں کہ آپ اپنے لخت جگر کو حکم دیں کہ وہ لوگوں کے مابین امن وامان کا اعلان کر دے۔ یہ تا ابد عرب کا سردار بن جائے گا'' انہوں نے فرمایا ''بخدا! میرا نور نظر اس عمر کو نہیں پہنچا کہ لوگوں کے مابین امن وامان کا اعلان کرے۔ اور کوئی کسی کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف پناہ بھی نہیں دیتا'' دوسری روایت کے مطابق ابوسفیان حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جانے سے قبل حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس گیا۔ انہوں نے بھی فرمایا ''میری پناہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پناہ کے تابع ہے'' پھر وہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ اس نے کہا ''ابوثابت! آپ اس بحیرہ کے سردار ہیں۔ لوگوں میں امن وامان کا اعلان کریں اور صلح نامہ کی مدت میں توسیع کر دیں'' حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میری پناہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پناہ کے تابع ہے۔ آپ کے خلاف کوئی کسی کو پناہ نہیں دیتا'' ابوسفیان قریش کے سارے سرداروں کے پاس گیا۔ انصار کے سرداروں کے پاس گیا ان سب سے بات چیت کی، سب نے ایک ہی جواب دیا کہ میری پناہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پناہ کے تابع ہے اور آپ کے خلاف کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا۔ ان سب سے مایوس ہو کر ابوسفیان حضرت سیدہ نساء العالمین فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے پاس گیا۔ عرض کی ''کیا آپ لوگوں میں امن وامان کا اعلان کر سکتی ہیں؟ انہوں نے انکار فرماتے ہوئے فرمایا ''میں عورت ہوں'' ابوسفیان نے کہا ''اپنے نور نظر کو یہ حکم دیں'' حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ''ابھی یہ اس عمر کو نہیں پہنچا'' ابوسفیان نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا ''ابوالحسن! میں دیکھ رہا ہوں کہ امور مجھ پر شدت اختیار کر گئے ہیں۔ مجھے نصیحت کریں''۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''بخدا! میں کسی ایسی چیز کو نہیں جانتا جو تجھے کچھ فائدہ دے۔ لیکن تو بنو کنانہ کا سردار ہے۔ اٹھ اور لوگوں میں امن وامان قائم رکھنے کا اعلان کر دے۔ پھر واپس لوٹ جا'' ابوسفیان نے کہا ''یہ چیز مجھے فائدہ دے سکتی ہے'' حضرت علی رضی اللہ عنہ: ''نہیں''، لیکن میں تمہارے لیے اس کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار نہیں پاتا'' ابوسفیان مسجد میں کھڑا ہو گیا، اس نے کہا ''اے لوگو! میں لوگوں میں امن وامان قائم رکھنے کا اعلان کرتا ہوں۔ اللہ کی قسم! مجھے یقین ہے کہ تم میرے اس اعلان کی بے حرمتی نہیں کرو گے'' پھر وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں گیا، عرض کی ''محمد عربی! صلی اللہ علیک وسلم میں نے لوگوں میں امن وامان قائم رکھنے کا اعلان کر دیا ہے'' آپ نے فرمایا ''ابوحنظلہ! تو ہی یہ کہتا ہے'' پھر ابوسفیان اپنے اونٹ پر سوار ہوا۔ مکہ مکرمہ لوٹ آیا۔ مدینہ منورہ میں اسے کافی مدت رکنا پڑا۔ قریش نے اس پر شدید تہمت لگائی۔ انہوں نے کہا ''وہ صابی ہو گیا ہے۔ اس نے محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اتباع کر لی ہے مگر وہ اپنا اسلام چھپائے ہوئے ہے''۔

رات کے وقت ابوسفیان اپنی بیوی ہند کے پاس گیا تو اس نے پوچھا ''تم طویل مدت غائب رہے حتیٰ کہ تمہاری قوم نے

تم پر تہمت لگادی۔ اگر اتنے طویل قیام کے بعد تم کامیابی لے کر آئے ہو تو تم مرد ہو' ہند نے پوچھا ''تم نے کیا کیا؟ ابوسفیان نے سارے حالات بتائے اور کہا ''جو کچھ مجھے حضرت علی (رضی اللہ عنہ) نے حکم دیا تھا اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہ تھا'' ہند نے ابوسفیان کے سینے پر ٹانگ ماری اور کہا ''تم اپنی قوم کے بدبخت قاصد ہو۔ تم کبھی بھی بھلائی کے ساتھ نہیں آئے'' صبح ہوئی تو ابوسفیان نے اساف اور نائلہ کے پاس جا کر حلق کرایا۔ ان کے لیے جانور ذبح کیے اور ان کے خون سے اساف اور نائلہ کو رنگین کیا پھر کہا ''میں تادم مرگ تمہاری عبادت سے جدا نہیں ہوں گا'' اس نے یہ کام اس لیے کیا تا کہ قریش اسے اس تہمت سے بری قرار دیں جو انہوں نے اس پر لگائی تھی کہ وہ صابی ہو گیا ہے'' پھر قریش نے پوچھا ''تم نے کیا کیا ہے؟ کیا تم محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف سے کوئی خط لے کر آئے ہو یا مدتِ معاہدہ میں توسیع ہوئی ہے۔ ہم اس سے امن میں نہیں کہ آپ ہم پر حملہ آور ہو جائیں'' ابوسفیان نے کہا ''اللہ کی قسم! انہوں نے تو انکار ہی کیا ہے۔ انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر میں حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کے پاس گیا۔ میں نے ان میں بھی بھلائی نہیں پائی۔ پھر میں حضرت عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) کے پاس گیا انہیں شدید ترین دشمن پایا۔ میں نے دیگر صحابہ کرام سے بھی گفتگو کی، مگر میں نے کوئی کامیابی نہ پائی۔ انہوں نے مجھے ایک ہی بات میں جواب دیا۔ میں نے آج تک کوئی ایسا بادشاہ نہیں دیکھا جس کی قوم اس طرح اس کی پیروی کرتی ہو۔ جب امور مجھ پر تنگ ہو گئے تو حضرت علی (رضی اللہ عنہ) نے مجھے فرمایا ''تو بنو کنانہ کا سردار ہے۔ لوگوں کے مابین امن وامان قائم رکھنے کا اعلان کر دے'' میں نے لوگوں میں امن وامان قائم رکھنے کا اعلان کر دیا'' قریش مکہ نے کہا ''کیا محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اسے جائز قرار دیا'' ابوسفیان نے کہا ''نہیں! آپ نے صرف یہ فرمایا ہے ''ابوحنظلہ! یہ صرف تو ہی کہہ رہا ہے'' قریش مکہ نے کہا ''تو رضا کے بغیر ہی راضی ہو گیا۔ ایسی چیز لے کر آیا جو نہ ہمیں فائدہ دے سکتی ہے نہ ہی تجھے۔ بخدا! تمہارا یہ اعلان درست نہیں۔ تمہارے اعلان کی حقارت کرنا ان پر بہت آسان ہے۔ حضرت علی (رضی اللہ عنہ) نے بھی تمہارے ساتھ چال ہی چلی ہے'' ابوسفیان نے کہا ''میں نے اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہ پایا۔ قریش نے کہا ''نہ تو تو جنگ لے کر آیا ہے کہ ہم اپنا بچاؤ کر سکیں۔ نہ صلح کے ساتھ آیا ہے کہ ہم اپنے آپ کو محفوظ سمجھیں''۔

باہم مشاورت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش پر حملہ آور ہونے کی تیاری شروع کر دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا مانگی ''مولا! قریش کو ہمارے بارے بہرہ اور اندھا کر دے تا کہ ہم اچانک ان پر حملہ آور ہو جائیں''۔

ابن شیبہ نے حضرت ابو مالک اشجعی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے کسی حجرۂ مقدسہ سے باہر تشریف لائے۔ اس کے دروازہ کے پاس تشریف فرما ہو گئے۔ جب آپ تنہا تشریف فرما ہوتے تو کسی کو قریب آنے کی جرأت نہ ہوتی حتیٰ کہ آپ خود ہی کسی کو یاد فرما لیتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کو میری طرف بلاؤ'' وہ آئے اور آپ کے سامنے بیٹھ گئے۔ طویل مدت آپ ان سے سرگوشی فرماتے رہے۔ پھر انہیں اپنی دائیں جانب بیٹھنے کا حکم دیا۔ پھر فرمایا ''میرے لیے عمر فاروق (رضی اللہ عنہ) کو بلاؤ'' وہ حاضر خدمت ہوئے تو ان کے ساتھ بھی آپ نے طویل سرگوشی کی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بآواز بلند کہا ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم وہ کفر کے سرغنہ ہیں۔ انہوں نے گمان کیا ہے کہ آپ جادوگر ہیں، آپ کاہن ہیں، آپ کذاب ہیں، آپ مفتری ہیں'' کفار جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہتے تھے انہوں نے سب کچھ عرض کیا۔ پھر عرض کی ''اللہ کی قسم! عرب ذلیل نہیں ہوں گے حتیٰ کہ اہل مکہ ذلیل ہو جائیں گے'' آپ نے انہیں اپنی بائیں طرف بیٹھنے کا اشارہ کیا، پھر صحابہ کرام کو بلایا اور فرمایا ''کیا میں تمہیں تمہارے ان دوساتھیوں کی مثال نہ دوں'' انہوں نے عرض کی ''ضرور یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم''۔ آپ نے اپنا رخ انور حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کی طرف کیا اور فرمایا ''حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام رب تعالیٰ کے معاملہ میں مکھن سے بھی نرم تھے'' پھر رخ انور حضرت عمر فاروق (رضی اللہ عنہ) کی طرف کیا اور فرمایا ''حضرت نوح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں پتھر سے بھی زیادہ سخت تھے''۔ بات وہی ہے جو عمر نے کی ہے۔ تم جہاد کی تیاری کرو۔ ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو۔ صحابہ کرام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے گئے اور عرض کی ''ہمیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے پوچھنا پسند نہیں۔ ذرا بتائیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ سے کیا سرگوشی کی ہے''۔ انہوں نے کہا: آپ نے مجھے فرمایا ''مکہ مکرمہ پر حملہ آور ہونے کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟'' میں نے عرض کی ''یارسول اللہ! وہ آپ کی قوم ہیں'' حتیٰ کہ مجھے گمان ہوا کہ آپ میری بات مان لیں گے۔ پھر آپ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو یاد فرمایا: انہوں نے عرض کی ''وہ کفر کے سرغنہ ہیں'' انہوں نے وہ ساری برائیاں بیان کیں جنہیں قریش آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کرتے تھے۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہیں تیاری کا حکم دے دیا ہے تاکہ تم مکہ مکرمہ پر حملہ آور ہو جاؤ''۔

بعض روایات میں ہے کہ آپ کی تیاری کا کسی کو علم نہ ہوا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ عوام الناس کو اس کا علم نہ ہوا۔ آپ نے کبار صحابہ کرام کو خود بتا دیا تھا۔ لوگوں نے تیاری شروع کر دی۔ لوگوں کو جہاد کی ترغیب دیتے ہوئے اور بنوخزاعہ کی مصیبت کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے یہ اشعار کہے:

عنانی ولم اشهد ببطحاء مكة رجال بنی كعب تحزّ رقابها

بايدی رجال لم يسلوا سيوفهم وقتلیٰ كثيرة لم تجن ثيابها

الاليت شعری هل تنالن نصرتی سهيل ابن عمرو حرها وعقابها

وصفوان عود حنّ من شفراتيه فهذا اوان الحرب شد عصابها

فلا تامنن يابن ام مجالد اذا اختلبت صرفاواعصل نابها

ولا تجزعوا منا فان سيوفنا لها وقعة بالموت يفتح بابها

''مجھے سخت اذیت دی اگرچہ میں مکہ کی وادی میں حاضر نہ تھا کہ بنوکعب کے افراد کی گردنیں کاٹی گئیں۔ ایسے آدمیوں کے ہاتھوں جنہوں نے اپنی تلواریں بھی سونتی ہوئی نہ تھیں اور بہت سے مقتولوں کو کفن بھی نہیں دیا گیا۔ کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ سہیل بن عمرو کے خلاف چھوٹی بڑی مدد پہنچی ہے۔ صفوان ایک اونٹ ہے جو اپنی سرین کی باریک سی آواز سے رونے لگتا ہے۔ اب جنگ کا وقت آ گیا ہے اس کی رسیاں باندھ دی گئیں ہیں۔ اے ام مجالد کے بیٹے! تو

ہم سے محفوظ نہیں رہ سکتا، جب جنگ سے خالص دودھ دوہا جائے گا اور اس کے دانت ٹیڑھے ہوجائیں گے۔اب ہم سے گھبرا کر بھاگ نہ جانا، کیونکہ ہماری تلواروں سے ایسا معرکہ ہوگا جس سے موت کا دروازہ کھل جائے گا''۔

ابن اسحاق نے کہا ''بایدی رجال'' سے مراد قریش اور ابن ام مجالد سے عکرمہ بن ابی جہل مراد ہے'' حضور اکرم ﷺ نے دعا مانگی ''مولا! اہل مکہ کے کانوں اور آنکھوں کو پکڑ لے۔وہ ہمیں اچانک ہی دیکھیں اور ہمیں اچانک ہی سنیں''۔

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کا خط

حضور اکرم ﷺ نے مدینہ طیبہ کی سڑکوں پر نگران متعین فرمادیے تھے۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خود ان نگرانوں کی نگہبانی کرتے تھے۔فرمایا ''کسی بھی اجنبی کو گزرتے ہوئے دیکھو تو اسے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کردو'' سارے رستے بند تھے۔اہل مکہ کی طرف کسی قسم کی کوئی خبر نہیں پہنچ رہی تھی۔حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے ایک خط لکھا اور اسے اہل مکہ کی طرف بھیج دیا۔انہیں حضور اکرم ﷺ کی تیاری کی خبر دی۔انہوں نے یہ خط ایک عورت کے ہمراہ بھیجا جسے دس دینار بطور اجرت دیے۔اسے کہا ''اپنی طاقت کے مطابق اسے چھپائے رکھنا۔عام شاہراہ سے نہ جانا۔وہاں نگران مقرر ہیں'' اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب لبیب ﷺ کو اس سے آگاہ فرمادیا۔آپ نے حضرت علی، حضرت زبیر بن عوام اور حضرت مقداد بن اسود رضوان اللہ علیہم اجمعین کو یاد فرمایا۔انہیں حکم فرمایا ''روانہ ہوجاؤ حتیٰ کہ روضۃ خاج پہنچ جاؤ۔وہاں ایک جاسوسہ ملے گی۔جس کے پاس حاطب بن ابی بلتعہ کا خط ہوگا جو انہوں نے مشرکین کی طرف لکھا ہے۔وہ خط اس سے چھین لو'' وہ فرماتے ہیں ''ہم روانہ ہوئے۔ہمارے گھوڑے ہمیں اڑائے جارہے تھے، حتیٰ کہ ہم روضہ پہنچے۔وہاں ہمیں وہ جاسوسہ مل گئی، ہم نے اسے کہا ''وہ خط باہر نکالو'' اس نے کہا ''میرے پاس کوئی خط نہیں ہے'' ہم نے اس کی تلاشی لی، مگر خط نہ ملا۔ہم نے اسے کہا ''حضور اکرم ﷺ نے جھوٹ نہیں بولا، وہ خط نکال دو، ورنہ تیرے کپڑے ہم اتار دیں گے یا تیری گردن اڑا دیں گے'' جب اس نے یہ اصرار دیکھا تو اپنی مینڈھیاں کھولیں اور ان میں سے خط نکال کر دے دیا۔دوسری روایت کے مطابق اس نے وہ خط اپنے نیفہ سے نکال کر دیا۔ہم وہ خط لے کر بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئے۔اس خط میں لکھا تھا:

حاطب بن ابی بلتعہ کی طرف سے سہیل بن عمرو، عکرمہ بن ابی جہل اور صفوان بن امیہ کی طرف

''اے گروہ قریش! حضور اکرم ﷺ ایک لشکر جرار لے کر تمہارے پاس آرہے ہیں۔وہ سیلاب کی طرح لشکر ہے۔بخدا! اگر آپ اکیلے بھی تمہاری طرف آجائیں تو رب تعالیٰ ضرور آپ کی نصرت کرے گا، وہ اپنا وعدہ پورا کرے گا۔تم اپنی جانوں کے بارے سوچ لو''۔والسلام

دوسری روایت کے مطابق اس خط کے الفاظ یہ تھے: ''حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کرام میں جہاد کا اعلان فرمادیا ہے۔میری رائے میں آپ کا ارادہ صرف تم ہی ہو، میں نے پسند کیا ہے کہ یہ میرا تم پر احسان ہوجائے''۔

حضور نبی مکرم ﷺ نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کو بلایا۔فرمایا ''کیا اس خط کو جانتے ہو؟ انہوں نے عرض کی ''ہاں'' آپ

نے پوچھا ''اس چیز پر تمہیں کس نے ابھارا ہے؟ انہوں نے عرض کی ''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میرے متعلق جلدی نہ کریں۔ بخدا! میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان رکھتا ہوں۔ میں تبدیل نہیں ہوا۔ جب سے اسلام لے کر آیا ہوں کبھی کفر نہیں کیا۔ جب سے خلوص کا اظہار کیا ہے کبھی فریب نہیں کیا۔ جب سے قریش مکہ سے جدا ہوا ہوں ان سے محبت نہیں کی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں قریش کا حلیف تھا۔ میں ان میں سے نہ تھا۔ اس قوم میں نہ میری اصل ہے نہ وہ میرا قبیلہ ہے۔ وہاں میرے اہل وعیال ہیں۔ میں نے ان پر احسان کرنے کی کوشش کی ہے۔ دیگر مہاجرین کے مکہ مکرمہ میں رشتہ دار ہیں جو ان کے اہل وعیال اور مال کی حفاظت کرتے ہیں۔ میں نے چاہا جب قریش کے ساتھ نسبی تعلق نہیں تو ان پر احسان کر دوں تاکہ وہ میرے رشتہ داروں کا تحفظ کریں'' دوسری روایت کے مطابق انہوں نے عرض کی ''بخدا! جب سے میں نے اسلام قبول کیا ہے میں شک میں مبتلا نہیں ہوا۔ لیکن میں اجنبی شخص ہوں، مکہ مکرمہ میں میرے بیٹے اور بھائی ہیں۔ میں نے ایسا خط لکھا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی نقصان نہیں دے سکتا تھا۔ میں نے یہ کام نہ تو اپنے دین سے مرتد ہو کر کیا ہے نہ ہی اسلام کے بعد کفر سے راضی ہوتے ہوئے کیا ہے'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''انہوں نے جو کچھ کہا ہے سچ کہا ہے'' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ تمہیں ہلاک کرے! تم نے دیکھا نہیں تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نگران متعین کیے تھے۔ تم نے قریش کی طرف خط لکھ دیا'' دوسری روایت کے مطابق انہوں نے کہا ''یارسول اللہ! یہ جانتے تھے کہ آپ نے راستوں پر نگران مقرر فرمائے ہیں۔ جب کہ ہمیں حکم دے رکھا ہے کہ جس اجنبی کو بھی دیکھیں اسے آپ کی بارگاہ میں پیش کریں۔ یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم مجھے اجازت دیں۔ میں ان کی گردن اڑا دوں۔ یہ منافق ہو گئے ہیں'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''انہوں نے غزوۂ بدر میں شرکت کی ہے''۔ تمہیں علم ہے رب تعالیٰ نے اہل بدر کے متعلق علم ہوتے ہوئے فرمایا ''اب جو چاہو کرو میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے'' دوسری روایت کے مطابق ''تمہارے لیے جنت لازم ہو گئی ہے'' پھر فرمایا ''جس نے غزوۂ بدر میں شرکت کی وہ آگ میں داخل نہیں ہو سکتا'' یہ سن کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ انہوں نے عرض کی ''اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں'' اللہ رب العزت نے اس وقت یہ آیت طیبہ نازل کی:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُم مِّنَ الْحَقِّ يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ أَن تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ رَبِّكُمْ إِن كُنتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي سَبِيلِي وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي (الممتحنہ:1)

''اے ایمان والو نہ بناؤ میرے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو (اپنے) جگری دوست۔ تم تو اظہار محبت کرتے ہو ان سے، حالانکہ وہ انکار کرتے ہیں (اس دین) حق کا جو تمہارے پاس آیا ہے۔ انہوں نے نکالا ہے رسول (مکرم کو) اور تمہیں بھی (مکہ سے)۔ محض اس لیے کہ تم ایمان لائے ہو اللہ پر جو تمہارا پروردگار ہے۔ اگر تم جہاد کرنے نکلو ہو میری راہ میں اور میری رضا جوئی کے لیے (تو انہیں دوست مت بناؤ)''۔

دوسرے قول کے مطابق قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرٰهِيمَ تک آیات اس وقت نازل ہوئیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کی تصدیق کردی۔ ان کا عذر قبول کرلیا، اس کے باوجود حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی "یارسول اللہ! مجھے اجازت دیں، میں اس منافق کا سر قلم کردوں۔ کیونکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ میں دینی قوت بہت زیادہ تھی۔ منافقین سے نہت زیادہ بغض تھا۔ ان کا گمان تھا کہ حضرت حاطب (رضی اللہ عنہ) قتل کے مستحق ہیں کیونکہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے خلاف کیا تھا۔ آپ نے قریش کو خبر پہنچانے سے منع فرمایا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سارے راستوں پر پہرے دار بٹھادیے تھے۔ تاکہ اہل مکہ تک آپ کی تیاری کی خبر نہ پہنچے۔ اس لیے انہوں نے حضرت حاطب (رضی اللہ عنہ) کو قتل کا مستحق سمجھا۔ البتہ انہیں یقین نہ تھا۔ اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اذن طلب کیا اور حضرت حاطب (رضی اللہ عنہ) کو منافق کہا۔ کیونکہ اس کا اظہار کیا تھا جو ان کے اندر نہ تھا جبکہ حضرت حاطب (رضی اللہ عنہ) معذور تھے۔ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی گواہی کافی ہے:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی رب تعالیٰ کا فرمان سنایا۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے اہل بدر سے فرمایا "جو چاہو کرو۔ میں نے تمہیں معاف کردیا ہے" اس فرمان میں اہل بدر کے لیے گناہوں کو مباح نہیں کیا گیا۔ بلکہ یہ شرف اور اکرام کا خطاب ہے۔ یہ اس امر کو متضمن ہے کہ ان کی یہ حالت ہے جس کی وجہ سے میں نے ان کے سابقہ گناہ معاف کردیے ہیں۔ غور کرو کہ وہ ان سے عنقریب وقوع ہونے والے گناہ بھی بخش دے گا۔ اگر گناہوں کا صدور ان سے فرض کرلیا جائے۔ کسی شخص نے کتنی پیاری بات کی ہے:

واذا الحبیب اتی بذنب واحد جاء ت محاسنہ بالف شفیع

"اگر میرا محبوب ایک گناہ لے کر آئے تو اس کے محاسن ایک ہزار سفارشی لے کر آجاتے ہیں"۔

حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو خبر بھی دی رب تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات کو سچ کر دکھایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم لگاتار اہل جنت کے اعمال کرتے رہے، حتیٰ کہ وہ دنیا کو الوداع کہہ گئے۔ اگر کسی سے نازیبا فعل سرزد ہو بھی گیا تو اس نے توبہ کرنے میں جلدی کی اور صراط مستقیم کو لازم پکڑلیا۔ یہ وہ احوال ہیں جن سے ہر وہ شخص آگاہ ہے جو صحابہ کرام کی سیرت طیبہ سے آشنا ہے۔

روانگی

جب حضور سپہ سالار اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ طیبہ سے عازم سفر ہونے اور مکہ مکرمہ پر حملہ کرنے کا ارادہ فرمایا تو مدینہ طیبہ کے اردگرد اپنے قاصد روانہ فرمائے۔ آپ نے بنو اسلم، بنو غفار، بنو اشجع اور بنو سلیم وغیرہ کو حاضر ہونے کا حکم دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی طرف یہ پیغام بھیجا "جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ وہ رمضان المبارک میں مدینہ طیبہ حاضر ہوجائے" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر سمت اپنے قاصد بھیجے۔ ان میں بعض قبائل مدینہ طیبہ میں آپ کے ساتھ آکر مل گئے۔ بعض راستہ میں ملتے رہے۔ اس غزوہ میں مسلمانوں کی تعداد دس ہزار تھی۔ بعض سیرت نگاروں نے بارہ ہزار تعداد لکھی ہے۔ اس میں بنو اسلم، غفار، مزینہ، جہینہ، اشجع اور اسلم کے قبائل بھی شامل تھے۔ دوسرا قول یہ بھی ہے کہ مدینہ طیبہ سے دس ہزار

مجاہدین پر مشتمل لشکر روانہ ہوا۔ دو ہزار راستہ میں ان کے ساتھ مل گئے۔

امام حلبی نے اپنی ''سیرت'' میں لکھا ہے کہ مہاجرین کی تعداد 700 اور ان کے ساتھ تین سو گھوڑے تھے۔ انصار کی تعداد چار ہزار اور ان کے ہمراہ پانچ سو گھوڑے تھے۔ بنو مزینہ کی تعداد ایک ہزار اور ان کے پاس ایک سو گھوڑے تھے۔ بنو اسلم چار سو تھے۔ ان کے ہمراہ تیس گھوڑے تھے۔ بنو جہینہ آٹھ سو اور ان کے ہمراہ پچاس گھوڑے تھے۔ امہات المومنین میں سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کو رفاقت کا شرف نصیب ہوا۔ آپ نے حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا۔ دوسری روایت کے مطابق نیابت کے امور حضرت ابو رہم مکتوم بن حصین الغفاری کے سپرد فرمائے۔ ان دونوں اقوال میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ حضرت ابو رہم کو قضایا اور احکام کے لیے اور حضرت ام ابن مکتوم کو نماز کے سلسلہ میں نیابت کے فرائض سونپے۔ آپ 10 رمضان المبارک 8ھ کو نماز عصر کے بعد مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے۔ ایک قول کے مطابق رمضان المبارک کے دو ایام گزر چکے تھے۔ دوسرے قول کے مطابق 16 رمضان المبارک کو آپ عازم سفر ہوئے۔ تیسرا قول یہ بھی ہے کہ آپ اٹھارہ رمضان المبارک کو روانہ ہوئے۔ امام نووی رقمطراز ہیں ''اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہ مبارک غزوہ رمضان المبارک میں ہی ظہور پذیر ہوا تھا۔ اختلاف اس میں ہے کہ آپ عازم سفر کس تاریخ کو ہوئے'' کدید پہنچ کر آپ نے روزہ افطار کر دیا۔ کیونکہ آپ تک یہ خبر پہنچی کہ لوگوں پر روزہ رکھنا شاق گزر رہا ہے۔ آپ سے عرض کی گئی کہ لوگ منتظر ہیں کہ آپ کیا کرتے ہیں؟ جب نماز عصر کے بعد آپ اپنی سواری پر تشریف فرما ہو گئے تو پانی کا برتن منگوایا، یا دودھ سے لبریز برتن منگوایا۔ اسے اپنی سواری پر رکھا، تا کہ لوگ اسے دیکھ لیں۔ آپ نے وہ نوش فرما لیا۔ روزہ کھول دیا۔ پھر اپنے پہلو میں کھڑے شخص کو عطا فرمایا۔ انہوں نے بھی وہ پانی پی لیا۔ پھر آپ نے روزہ نہ رکھا حتیٰ کہ سارا مہینہ گزر گیا۔ یہ مسلمانوں کے ساتھ نرمی اور رحم دلی کی وجہ سے تھا۔ اگرچہ آپ ماہ رمضان پورا ہونے سے قبل ہی مکہ مکرمہ پہنچ چکے تھے لیکن جنگی تیاریوں اور سرایا بھیجنے میں مصروف رہے۔ آپ نے اقامت کی نیت نہ کی۔ اسی لیے نماز قصر ادا فرماتے رہے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے ملاقات

حضرت عباس رضی اللہ عنہ اپنے اہل خانہ اور اموال کے ساتھ ہجرت مدینہ طیبہ کی نیت سے عازم سفر تھے۔ انہوں نے جحفہ کے مقام پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کی۔ حضرت عباس بہت پہلے اسلام قبول کر چکے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق وہ اسلام چھپائے ہوئے تھے۔ آپ نے انہیں مکہ مکرمہ میں ہی ٹھہرنے کا حکم دیا، تا کہ وہ آپ کو قریش کی خبریں پہنچاتے رہیں۔ مسلمانوں کی فتوحات کی وجہ سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ بہت مسرور تھے۔ انہوں نے فتح مکہ کے روز ہی اہل مکہ کے لیے اپنے اسلام کا اظہار کیا۔ وہ مکہ مکرمہ میں منصب سقایہ پر فائز تھے۔ وہ مکہ مکرمہ کے کمزور مسلمانوں کے لیے بہت مفید تھے۔ انہی پر انہیں اعتماد تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ان سے راضی تھے۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ذوالحلیفہ کے مقام پر ملاقات کی۔ اپنا سامان مدینہ طیبہ بھیج دیا اور خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں فتح مکہ کے لیے روانہ ہو گئے۔

طبرانی نے حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہجرت کی

اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا ''چچا جان! آپ اسی جگہ ٹھہرے رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر ہجرت کو اس طرح ختم کیا ہے جس طرح اس نے مجھ پر نبوت کو ختم کیا ہے'' جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپ سے ملاقات کی تو آپ نے فرمایا ''چچا جان! آپ کی ہجرت اسی طرح آخری ہجرت ہے جس طرح میری نبوت آخری نبوت ہے''۔

راستہ میں آپ ﷺ نے اپنے چچازاد اور رضاعی بھائی ابوسفیان بن حرب سے بھی ملاقات کی، ان کے ہمراہ ان کے فرزند حضرت جعفر اور حضرت عبداللہ بن ابی امیہ المخزومی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ مؤخر الذکر آپ کی پھوپھی عاتکہ بنت عبدالمطلب کے نور نظر تھے۔ یہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے باپ کی طرف سے بھائی بھی تھے۔ کیونکہ ان کی والدہ کا نام عاتکہ بنت عامر بن قیس تھا۔ حضرت ابوسفیان اور ان کے ساتھی آپ کو نقب العقاب کے مقام پر ملے۔ دوسرے قول کے مطابق یہ ملاقات ابواء کے مقام پر ہوئی تھی۔ یہ مہاجر مسلمان تھے۔ حضرت ابوسفیان کا نام مغیرہ بیان کیا جاتا ہے۔ حضور ﷺ کی بعثت سے قبل یہ آپ سے بہت محبت کرتے تھے۔ ایک لمحہ کے لیے بھی جدا ہونا گوارا نہ تھا۔ جب آپ مبعوث ہوئے تو انہوں نے آپ سے عداوت کی۔ آپ کی ہجو کی۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے آپ کی طرف سے جواب دیا۔ حضرت عبداللہ بن امیہ رضی اللہ عنہ بھی اسلام لانے سے قبل اسلام اور مسلمانوں کے شدید دشمن تھے۔ یہ دونوں اپنے اسلام سے قبل حضور اکرم ﷺ کو اذیت دینے میں پیش پیش تھے۔ جب آپ نے ان سے ملاقات کی تو ان سے اعراض فرمایا۔ کیونکہ آپ نے ان سے شدید اذیت اور ہجو برداشت کی تھی۔ انہوں نے حاضر خدمت ہونے کی اجازت طلب کی۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان کی سفارش کرتے ہوئے عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم یہ آپ کے چچازاد، پھوپھوزاد اور سسرال والے ہیں'' آپ نے فرمایا ''مجھے ان کی کوئی ضرورت نہیں۔ میرے چچازاد نے میری عزت وناموس کا خیال نہیں کیا۔ میرے پھوپھوزاد اور سسرالی رشتہ دار نے مجھے مکہ مکرمہ میں وہ کچھ کہا تھا جو کہا تھا۔ اس نے کہا ''بخدا! میں آپ پر ایمان نہیں لاؤں گا حتیٰ کہ آپ آسمان کی طرف سیڑھی لگائیں اور اس پر چڑھیں۔ میں دیکھتا رہوں پھر آپ ایک تحریر اور چار فرشتے لے کر آئیں جو یہ گواہی دیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث کیا ہے'' حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ کا چچازاد اور پھوپھوزاد لوگوں میں سے سیاہ قسمت نہ رہیں'' جب ان دونوں تک حضور اکرم ﷺ کا یہ فرمان پہنچا تو ابوسفیان نے کہا ''بخدا! آپ مجھے اجازت دے دیں۔ ورنہ میں اپنے اس فرزند کا ہاتھ پکڑ لوں گا، پھر جنگل کی طرف نکل جاؤں گا حتیٰ کہ ہم بھوکے پیاسے مرجائیں'' جب حضور اکرم ﷺ تک یہ خبر پہنچی تو آپ ان کے لیے نرم ہو گئے۔ وہ حاضر خدمت ہوئے اور دولت اسلام سمیٹ لی۔ حضرت ابوسفیان نے گذشتہ کوتاہیوں پر معذرت کرتے ہوئے یہ اشعار کہے:

لعمرك انى يوم احمل راية　　لتغلب خيل اللات خيل محمد

لكا لمدلج الحيران اظلم ليله　　فهذا اوانى حين اهدى واهتدى

هدانى هاد غير نفسى ونالنى　　مع الله من طردت كل مطرد

اصدُّ وانأى جاهدا عن محمد　　وادعى وان لم انتسب من محمد

''تیری زندگی کی قسم جس روز میں جھنڈا اٹھائے ہوئے تھا تاکہ لات کے گھڑ سوار محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے گھڑسواروں پر غالب آجائیں۔ تو میں اس حیران و پریشان شخص کی طرح تھا جس کی شب ظلمت سے بھر جائے۔ اسی وقت مجھے ہدایت سے نوازا گیا اور میں ہدایت پا گیا۔ میرے نفس کے علاوہ مجھے ایک راہ نما نے ہدایت دی۔ اس نے مجھے اس پروردگار تک پہنچادیا جس کے ساتھ میں ہر لحظہ مقابلہ کرتا تھا۔ میں آپ سے مقابلہ کرتا تھا اور کوشش کر کے محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے دور ہو جاتا تھا۔ آپ سے اگرچہ میری رشتہ داری بھی تھی لیکن میں اس کا اظہار نہیں کرتا تھا''۔

علامہ ابن اسحاق نے تحریر کیا ہے کہ جب انہوں نے کہا ''ونالنی مع اللہ من طردتہ کل مطرد'' تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینہ پر مارا اور فرمایا ''انت طردتنی کل مطرد''۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوسفیان بن حرث رضی اللہ عنہ سے کہا ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کی طرف سے جانا اور وہ بات عرض کرنا جو حضرت یوسف صدیق علیہ السلام کے بھائیوں نے ان سے کی تھی:

تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٕيْنَ ﴿۹۱﴾ (یوسف)

''خدا کی قسم بزرگی دی ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم پر اور بیشک ہم ہی خطا کار تھے''۔

کیونکہ آپ یہ پسند نہیں فرماتے کہ کوئی شخص بات کے اعتبار سے آپ سے احسن ہو۔ حضرت ابوسفیان نے اسی طرح کیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ؕ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۫ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۹۲﴾ (یوسف) ''تم پر کوئی گرفت نہیں آج کے دن معاف فرمادے گا اللہ تعالیٰ تمہارے (قصوروں) کو وہ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے''۔

جب سے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا پھر حیاء کرتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چہرہ اٹھا کر نہیں دیکھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے محبت کرتے تھے اور انہیں جنت کی بشارت دیتے تھے۔ غزوہ حنین کے روز انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رکاب تھامی رکھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے لحہ بھر کے لیے بھی جدا نہ ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہی کے متعلق فرماتے تھے ''مجھے امید ہے یہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے جانشین ہوں گے'' انہی کے متعلق فرمایا تھا ''کل الصید فی جوف الفراء'' سارے شکار وحشی گدھے کے پیٹ میں ہوتے ہیں۔ دوسرے قول کے مطابق آپ نے یہ فرمان حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا تھا۔ ممکن ہے کہ آپ نے کئی بار یہ فرمایا ہو۔ حضرت ابوسفیان بن حرث رضی اللہ عنہ نے پندرہ یا بیس ہجری کو وصال کیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ مدینہ طیبہ میں ان کی قبر انور معروف ہے۔ اس کی زیارت کی جاتی ہے۔ اس پر گنبد بنا دیا گیا ہے۔ انہوں نے وقت وصال فرمایا تھا ''مجھ پر نہ رو۔ جب سے میں نے اسلام قبول کیا ہے میں نے کوئی خطا نہیں کی''۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن ابی امیہ مخزومی رضی اللہ عنہ بھی دولت اسلام سمیٹنے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت حیاء کرتے تھے۔ فرط حیاء کی وجہ سے آپ کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے تھے۔ غزوہ طائف میں انہوں نے شہادت کی قبائے رنگین زیب بدن کی۔

مرالظہران میں نزولِ اجلال

قدید کے مقام پر آپ نے جھنڈے اور پرچم باندھے۔ وہ متفرق قبائل کو دیے۔ بنوسلیم کو ایک جھنڈا اور ایک پرچم دیا۔ بنوغفار کے لیے ایک پرچم باندھا۔ بنواسلم کو دو جھنڈے عطا کیے۔ بنوکعب کو ایک پرچم دیا۔ بنومزینہ کو تین جھنڈے بخشے۔ بنوجہینہ کو چار جھنڈے دیئے۔ بنوبکر میں سے بھی ایک گروہ نے اسلام قبول کرلیا تھا۔ وہ آپ کے ہمراہ ہی تھا۔ آپ نے انہیں ایک جھنڈا دیا۔ بنواشجع کو دو جھنڈے دیے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جھنڈے باندھنے سے پہلے ایک خواب دیکھا۔ انہوں نے عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ ہم مکہ مکرمہ کے قریب پہنچ گئے ہیں۔ ایک کتیا بھونکتی ہوئی ہماری طرف نکلی ہے۔ جب ہم اس کے قریب گئے ہیں تو وہ پیٹھ کے بل بیٹھ گئی ہے۔ اس سے دودھ نکلنے لگا ہے'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اب ان کی قوت دم توڑ چکی ہے۔ وہ اب اپنے رشتہ دار کے ہاں پناہ لینے پر مجبور ہیں۔ تم ان میں سے بعض افراد کو ابھی ملو گے۔ اگر ابوسفیان سے ملاقات کرلو تو اسے قتل نہ کرنا۔ ''ذهب كلبهم'' سے مراد ان کی شدت کا ختم ہو جانا ہے۔ ''اقبل دَرُّهم'' سے مراد ان کی بھلائی اور اسلام کے لیے سر تسلیم خم کرنا ہے'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مرالظہران کے مقام پر پڑاؤ کیا۔ صحابہ کرام کو دس ہزار جگہ پر آگ روشن کرنے کا حکم دیا۔ تاکہ اسے قریش دیکھیں یا اس کے متعلق سنیں تو وہ مرعوب ہو جائیں۔ اللہ رب العزت نے اپنے محبوب کریم کی التجاء کو قبول فرمالیا۔ اہل مکہ کی آنکھیں بند ہوگئیں۔ مخبر خبر نہ پہنچا سکے۔ وہ غمگین وحزین اور متحیر وخائف تھے۔

یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے راستہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کی۔ جب وہ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ جا رہے تھے۔ انہوں نے اپنے اہل خانہ کو مدینہ طیبہ بھیج دیا۔ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ واپس آگئے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مرالظہران کے مقام پر نزول اجلال فرمایا تو میرے دل میں اہل مکہ کے لیے رقت پیدا ہوگئی۔ میں نے کہا ''ہائے قریش! بخدا! اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ میں زبردستی داخل ہوگئے۔ اس سے پہلے کہ وہ آپ کی خدمت میں آکر پناہ طلب کریں تو پھر تو قریش ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہلاک اور برباد ہوگئے'' میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک خچر البیضاء پر سوار ہوگیا۔ میں لشکر سے باہر نکلا۔ میں الاراک پہنچا کہ شاید میں کسی لکڑیاں اٹھا کر لے جانے والے کو پالوں یا گوالے کو پالوں یا کسی اور ضرورت مند کو پالوں جو مکہ معظمہ جائے اور انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق بتائے تاکہ وہ آپ کی خدمت میں آکر پناہ طلب کرلیں۔ قبل اس کے کہ آپ مکہ مکرمہ میں زبردستی داخل ہوں۔ رب تعالیٰ کا فیصلہ یہی تھا کہ ابوسفیان بن حرب، حکیم بن حزام، بدیل بن ورقاء مختلف خبریں لینے کے لیے باہر نکلیں، تاکہ دیکھیں کہ خیر تو ہے۔ یا آپ کے متعلق کچھ سنیں۔ دوسری روایت کے مطابق انہیں آپ کی تشریف آوری کی خبر مل گئی تھی۔ لیکن انہیں یہ علم نہیں تھا کہ آپ کس طرح آگئے ہیں۔ ایک اور روایت کے مطابق قریش نے ابوسفیان کو متفرق خبریں اکٹھی کرنے کے لیے بھیجا۔ انہوں نے کہا ''اگر تمہاری ملاقات محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ ہو جائے تو ہمارے لیے آپ سے پناہ طلب کرنا''۔ ابوسفیان، حکیم اور بدیل چلتے ہوئے آئے جب گھوڑوں کی ہنہناہٹ سنی تو ڈر گئے۔ کثیر آگ نے بھی انہیں مبہوت کر دیا۔ ابوسفیان نے کہا ''میں نے آج تک نہ تو

اتنی زیادہ آگ دیکھی ہے نہ ہی اتنا کثیر لشکر دیکھا ہے'' بدیل نے کہا ''یہ بنوخزاعہ کی آگ ہے''ابوسفیان نے کہا ''ان کی تعداد قلیل ہے، وہ اتنی آگ نہیں جلا سکتے۔ جب ابوسفیان اوراس کے ساتھی لشکر میں داخل ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نگرانوں نے انہیں پکڑلیا۔ دوسری روایت میں ہے کہ انہیں ان گھڑسواروں نے پکڑلیا جو نگرانی پر مامور تھے۔ انصاری صحابہ کرام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نگرانی کررہے تھے۔ اس رات حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کی سرپرستی فرما رہے تھے۔ نگران انہیں پکڑ کرلے آئے۔ ابوسفیان نے پوچھا ''تم کون ہو؟ انہوں نے کہا ''یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے جانثار صحابہ کرام ہیں'' ابوسفیان نے کہا ''کیا تم نے کبھی اتنے عظیم لشکر کے متعلق سنا ہے کہ وہ قوم کے جگر میں خیمہ زن ہو۔ مگر اسے خبر تک نہ ہو''۔

امام طبرانی نے حضرت ابولیلیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''میں مرالظہر ان میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھا۔ آپ نے فرمایا ''ابوسفیان اراک میں ہے، اسے پکڑلو'' ہم نے اسے پکڑلیا۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے اپنے آگے گھڑسوار بھیجے تھے تاکہ وہ راستہ میں جاسوسوں کو تلاش کریں۔ وہ کسی کو گزرنے نہیں دیتے تھے۔ جب انہوں نے ابوسفیان اوراس کے ساتھیوں کو دیکھا تو انہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کردیا۔ کیونکہ اس رات نگرانوں کی سرپرستی وہی کررہے تھے۔ نگرانوں نے عرض کی ''ہم آپ کے پاس اہل مکہ کے چند افراد پکڑ کرلائے ہیں'' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا ''اگر تم میرے پاس ابوسفیان کو لے آؤ، تو میرے تعجب میں اضافہ نہیں کروگے'' انہوں نے کہا ''ہم ابوسفیان کو ہی پکڑ کرلائے ہیں'' انہوں نے فرمایا ''اسے گرفتار کرلو'' دوسری روایت ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ ابوسفیان کے دوست تھے۔ جب وہ اراک جانے کے لیے خچر پر سوار ہوئے کہ شاید انہیں کوئی ایسا شخص مل جائے جسے وہ قریش کے پاس بھیج سکیں تاکہ وہ آپ سے امان طلب کرلیں۔ تو انہوں نے ابوسفیان کی آواز سنی۔ انہوں نے اسے پکڑا اور لے آئے۔ نگران نے ابوسفیان کو پکڑلیا۔ مگر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے انہیں قتل سے امان دے دی۔ جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ ابوسفیان کو لے کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے تو انہوں نے فرمایا ''ابوسفیان! اللہ تعالیٰ کا دشمن! تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے بغیر کسی عہد اور عقد کے تجھ پر قدرت عطا کی ہے'' حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں نے اسے کہا ''ابوحنظلہ! اس نے میری آواز سن لی۔ اس نے کہا ''ابوالفضل ہو؟ میں نے کہا ''ہاں'' اس نے کہا '' آپ پر میرے ماں اور باپ نثار! میں نے کہا ''اللہ کی قسم! ان لوگوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود ہیں۔ آپ اتنا کثیر لشکر لے کر آئے ہیں جس کے مقابلہ کی طاقت تجھ میں نہیں۔ آپ کے پاس دس ہزار کا لشکر جرار ہے''۔ ابوسفیان نے کہا ''ہائے قریش کے لیے ہلاکت! میرے والدین آپ پر فدا! اب میں کیا حیلہ کروں؟ میں نے کہا ''اگر آپ نے تجھ پر فتح پالی تو تیری گردن اڑادی جائے گی۔ اس خچر کے پیچھے بیٹھ جا۔ میں تجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں لے جاتا ہوں اور تیرے لیے آپ سے امان طلب کرتا ہوں''۔ اس نے اپنے دونوں ساتھیوں کو چھوڑا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے پیچھے سوار ہوگیا۔ وہ جب بھی مسلمانوں کی روشن کردہ آگ کے پاس سے گزرتا تو پوچھتا ''یہ کون ہے؟ جب مسلمانوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک خچر دیکھی اس پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو سوار دیکھا تو انہوں نے کہا ''یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ہیں جو آپ ہی کی خچر پر سوار ہیں''۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا "پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ باہر نکلے، وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف دوڑ پڑے۔ میں نے بھی خچر کو ایڑھ لگائی۔ ان سے آگے نکل گیا۔ میں خچر سے نیچے اترا اور بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہو گیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی میرے پیچھے حاضر خدمت ہو گئے۔ انہوں نے عرض کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم یہ اللہ کا دشمن ابوسفیان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی عہد وعقد کے بغیر اس پر قدرت دی ہے۔ مجھے اجازت دیں، میں اس کی گردن اڑا دوں" حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں نے عرض کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میں نے اسے پناہ دی ہے۔ شاید حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تک حضور نبی محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان نہ پہنچا ہو "تم بعض مشرکین سے ملاقات کرو گے۔ اگر ابوسفیان سے ملو تو اسے قتل نہ کرنا" حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا "پھر میں حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ میں نے کہا "آج میرے علاوہ آپ سے اور کوئی سرگوشی نہیں کرے گا۔ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کے متعلق اصرار کیا تو میں نے کہا "عمر! ذرا ٹھہرو! اگر ابوسفیان کا تعلق بنو عدی سے ہوتا تو آپ اس طرح نہ کہتے۔ لیکن آپ کو علم ہے کہ اس کا تعلق بنو عبد مناف کے ساتھ ہے" حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا "عباس! آپ بھی ٹھہریں! بخدا! جب آپ نے اسلام قبول کیا تو مجھے خطاب کے اسلام قبول کرنے سے زیادہ مسرت ہوئی اگر وہ اسلام لے آتا۔ اس کی وجہ فقط یہ تھی کہ آپ کا اسلام قبول کرنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب کے اسلام لے آنے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ اگر وہ اسلام لے آتا" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "عباس! اسے اپنے خیمہ میں لے جاؤ۔ صبح اسے میرے پاس لے آنا" یہ ابن اسحاق کی روایت ہے۔

حضرت موسیٰ بن عقبہ اور دیگر سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میں نے ابوسفیان، حکیم اور بدیل کو پناہ دی ہے۔ وہ آپ کے پاس حاضر ہو رہے ہیں" آپ نے فرمایا "انہیں لے آؤ" یہ تینوں حضرات آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، رات کا اکثر حصہ آپ کے پاس گزارا۔ آپ ان سے خبریں پوچھتے رہے اور اسلام کی طرف دعوت دیتے رہے۔ کہ وہ یہ گواہی دیں کہ اللہ رب العزت کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ بدیل اور حکیم نے تو یہ گواہی دے دی۔ مگر ابوسفیان نے کہا "میں یہ نہیں جانتا۔ ابھی میرے نفس کو اس کے متعلق تردد ہے۔ اسے مؤخر کر دیں" دوسری روایت کے مطابق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوسفیان سے کہا "اسلام لے آ۔ سلامتی پا جائے گا" اس نے کہا "میں لات اور عزیٰ کے بارے کیا کروں گا؟ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا "ان پر پاخانہ کر دے" حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خیمہ سے باہر تھے۔ انہوں نے کہا "اگر تو خیمہ سے باہر ہوتا، یہ بات نہ کرتا" ابوسفیان نے کہا "عمر! تم ایک فاحش آدمی ہو، مجھے اپنے چچا زاد کے ساتھ چھوڑ دو۔ میں ان کے ساتھ محو گفتگو ہوں" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "عباس! اسے لے جاؤ" وہ اسے لے گئے۔ دوسرے روز دن کے ابتدائی حصہ میں انہیں بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر کر دیا۔ وقت صبح ابوسفیان نے لوگوں کو دیکھا جو جلدی جلدی وضو کر رہے تھے۔ اس نے کہا "کیا لوگوں کو کوئی حکم مل گیا ہے؟ لوگوں نے کہا "نہیں! بلکہ وہ نماز کے لیے جا رہے ہیں" حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اسے حکم دیا۔ اس نے وضو کیا اور ان کے ساتھ چل پڑا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تکبیر کہی تو صحابہ کرام نے بھی تکبیر کہی۔ جب آپ نے رکوع کیا تو صحابہ کرام نے بھی رکوع کیا۔

جب آپ سجدہ ریز ہوئے تو وہ بھی سجدہ ریز ہو گئے" یہ دلکش منظر دیکھ کر ابوسفیان نے کہا "میں نے آج تک اس طرح کی اطاعت نہیں دیکھی۔ کہاں کہاں سے قوم ایک جگہ جمع ہے۔ میں نے یہ منظر قیصر و کسریٰ کے دربار میں بھی نہیں دیکھا۔ ابولفضل! آپ کے بھتیجے کی بادشاہی کتنی عظیم ہو گئی ہے؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا "یہ بادشاہی نہیں بلکہ نبوت ہے" ابوسفیان: کیا یہ نبوت ہے" جب حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے نماز سے فارغ ہو کر ابوسفیان کو دیکھا تو کہا "ابوسفیان! کیا اب وہ وقت نہیں آیا کہ تو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھ لے۔ جب ابوسفیان نے دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے کس طرح نرم انداز سے مخاطب فرما رہے ہیں۔ آپ کیسے پردہ پوشی فرما رہے ہیں اور اس کی عداوت اور دشمنی کو فراموش کر رہے ہیں۔ ابوسفیان نے عرض کی "میرے والدین آپ پر فدا! آپ کتنے حلیم، کریم اور صلہ رحم ہیں۔ میرا بھی گمان ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور معبود ہوتا تو وہ مجھے کوئی فائدہ دیتا۔ میں نے اپنے معبود کو مدد کے لیے پکارا۔ آپ نے اپنے معبود برحق سے مدد طلب کی۔ بخدا! میں جب بھی آپ سے جنگ آزما ہوا آپ کی میرے خلاف مدد کی گئی۔ اگر میرا معبود حق اور آپ کا معبود باطل ہوتا تو میں آپ پر غالب آ جاتا۔ آپ نے پھر فرمایا "ابوسفیان! کیا اب وہ وقت نہیں آیا کہ تو جان لیتا میں رب تعالیٰ کا رسول برحق ہوں" ابوسفیان نے کہا "میرے والدین آپ پر نثار! آپ کتنے حلیم، کریم اور صلہ رحم ہیں۔ لیکن اس کے متعلق ابھی میرے نفس میں تردد ہے" حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو خدشہ دامن گیر ہوا کہ کہیں کوئی جانثار اٹھ کر ابوسفیان کا کام تمام نہ کر دے۔ مسلمان اس سے شدید مخالفت رکھتے تھے۔ انہوں نے ابوسفیان سے کہا "اسلام قبول کر لے اور یہ گواہی دے دے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے رسول ہیں۔ اس سے قبل کوئی تیری گردن اڑا دے"۔ حضرت ابوسفیان نے اسلام قبول کر لیا اور حق کی گواہی دے دی۔

حافظ ذہلی نے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب فتح مکہ کی رات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو صحابہ کرام صبح تک تکبیر و تہلیل اور بیت اللہ کے طواف میں مصروف رہے۔ ابوسفیان نے ہند سے کہا "کیا تو دیکھتی ہے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے" وقت صبح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوسفیان سے فرمایا "تم نے ہند سے یوں کہا ہے کہ کیا تو دیکھتی ہے کہ یہ سب کچھ رب تعالیٰ کی طرف سے ہے" ابوسفیان نے کہا "میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کی قسمیں اٹھائی جاتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور ہند کے علاوہ میری یہ بات کسی اور نے نہیں سنی تھی"۔

ابن عساکر نے حضرت عبداللہ بن ابی بکر بن حزم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے ابوسفیان مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے دل میں سوچا "میں نہیں جانتا کہ محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کس چیز کی وجہ سے مجھ پر غالب آ گئے ہیں"۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوسفیان کے پاس گئے۔ اس کے سینے پر مارا اور فرمایا "میں رب تعالیٰ کے ساتھ تجھ پر غالب آیا ہوں" انہوں نے کہا "میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ رب تعالیٰ کے رسول ہیں"۔

امام حاکم اور امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ابوسفیان نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رواں دواں

دیکھا۔ صحابہ کرام سے گھاٹی بھری ہوئی تھی۔ ابوسفیان نے دل میں کہا ''کاش! میں اس شخص کے ساتھ دوبارہ جنگ کروں اور ایک لشکر جرار اس کے لیے جمع کروں'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی طرف تشریف لائے۔ اس کے سینے پر مارا اور فرمایا ''پھر رب تعالیٰ تجھے رسوا کردے گا'' ابوسفیان نے کہا ''میں رب تعالیٰ کے ہاں توبہ کرتا ہوں، مغفرت طلب کرتا ہوں۔ مجھے اس ساعت یقین ہوا ہے کہ آپ رب تعالیٰ کے سچے نبی ہیں''۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ ابتداء میں اسلام کو ناپسند کرتے رہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے ساتھ نرمی فرماتے رہے۔ تالیف قلبی کرتے رہے۔ حتیٰ کہ اسلام ان کے دل میں جاگزیں ہوگیا۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ غزوۂ طائف میں شرکت کی۔ ان کی آنکھ پھوٹ گئی، وہ اسے اپنے ہاتھ پر رکھ کر بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا ''اگر پسند کرو تو یہ آنکھ رب تعالیٰ اپنی جگہ پر لوٹا دیتا ہے، یہ پہلے سے بھی خوبصورت ہوجائے گی۔ اگر چاہو تو اس کے عوض تمہیں جنت میں آنکھ ملے گی، جو اس سے بہترین ہوگی'' انہوں نے وہ آنکھ پھینک دی۔ عرض کی ''میں اس سے بہتر ہی لوں گا'' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں یرموک کے روز ان کی دوسری آنکھ بھی نکل گئی۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ لوگوں کو جہاد پر ابھارتے تھے۔ وہ فرماتے ''یہ دن اللہ تعالیٰ کے ایام میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دین کی نصرت کرو۔ وہ تمہاری مدد کرے گا'' حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو دیکھا، آپ نابینا تھے۔ غلام آپ کو لے کر جارہا تھا۔ انہوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں وصال فرمایا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور انہیں جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ اس وقت 34ھ یا 31ھ تھا۔ ان کی عمر 88 برس تھی۔

امام سیوطی نے تحفۃ الادب میں اور قزوینی نے اپنی تاریخ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ابوجہل نے حضرت سیدہ نساء العالمین رضی اللہ عنہا کو تھپڑ مارا۔ بعثت نبوی کا ابتدائی زمانہ تھا۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں شکوہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''نور چشم! ابوسفیان کے پاس جاؤ'' وہ ابوسفیان کے پاس تشریف لے گئیں اور اس واقعہ کے متعلق فرمایا۔ انہوں نے حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کا ہاتھ پکڑ لیا اور انہیں ابوجہل کے پاس لے گئے۔ حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا سے کہا ''اسے اسی طرح مارو۔ جس طرح اس نے آپ کو مارا ہے'' حضرت سیدہ نے ابوجہل کے تھپڑ رسید کیا۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوگئیں اور سارا واقعہ عرض کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا مانگی ''مولا! ابوسفیان کا یہ عمل بھلا نہ دینا''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ''مجھے ذرا بھر شک نہیں ہے کہ حضرت ابوسفیان کا اسلام لانا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس دعا کی وجہ سے تھا۔ آپ نے اپنے صحابہ کرام، انصار اور اصہار کے لیے وصیت فرمائی۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا تعلق بھی آپ کے سسرالی رشتہ داروں سے ہے۔ کیونکہ ان کی لخت جگر حضرت ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حبالۂ عقد میں جانے کا شرف ابدی نصیب ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''میں نے رب تعالیٰ سے التجاء کی ہے کہ ان میں سے کوئی بھی آگ میں داخل نہ ہو۔ جس نے میرے ساتھ سسرالی رشتہ قائم کیا، یا میں نے اس کے ساتھ سسرالی رشتہ قائم کیا۔ بعض مؤرخین نے جو باتیں لکھی ہیں، انہیں سننے سے بچو۔ بعض اہل زیغ اور گمراہوں نے ان کے متعلق جو سوچے سمجھے بغیر طعن کیا ہے یا ان کے

فرزند کے بارے جو کچھ لکھا ہے یا کسی بھی صحابی کے متعلق جو کچھ کہا ہے اسے سننے سے بچو۔ ورنہ تم ہلاک ہو جاؤ گے۔ صحابہ کرام کے مابین ہونے والے اختلاف کو اجتہاد پر محمول کیا جائے گا۔ سب کو اجر ملے گا۔ ان شاء اللہ۔

ہم رب تعالیٰ سے التجاء کرتے ہیں وہ ہمیں اہل بیت اور صحابہ کرام کی محبت میں زندہ رکھے اور اسی میں مارے۔ اور ہماری گردن پر کسی کے بارے بھی ظلم نہ رکھے (آمین ثم آمین)۔

حضرت موسیٰ بن عقبہ نے لکھا ہے کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ اوباش لوگوں کو جنہیں جانتے تھے یا جنہیں نہیں جانتے تھے، اپنے اہل اور قبیلہ کے پاس لے آئے ہیں'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''تم زیادہ ظالم اور فاجر ہو۔ حدیبیہ کی صلح کے بعد تم نے دھوکہ کیا۔ بنوخزاعہ کے خلاف تم نے اللہ تعالیٰ کے حرم اور امن کی جگہ میں گناہ اور ستم کے ساتھ مدد کی'' ان دونوں نے عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ نے سچ فرمایا ہے''۔ حضرت بدیل رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''یارسول اللہ! اللہ کی قسم! انہوں نے دھوکہ کیا ہے۔ اگر قریش ہمیں اور ہمارے دشمن بنوبکر کو چھوڑ دیتے تو پھر دیکھتے'' پھر دونوں نے عرض کی ''کاش! آپ یہ قوت اور طاقت بنوہوازن کے لیے استعمال کریں۔ وہ آپ کی عداوت اور دشمنی میں دور تک نکل گئے ہیں'' آپ نے فرمایا ''میں رب تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں کہ وہ میرے لیے سب کچھ جمع فرما دے گا۔ فتح مکہ، وہاں اسلام کا اعزاز، بنوہوازن کی ہزیمت اور ان کا مال غنیمت اور اولاد۔ میں اس کے متعلق رب تعالیٰ کی درگاہ والا میں ہی رغبت رکھتا ہوں'' پھر حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم لوگوں کو امان کی دعوت دیں۔ آپ کا کیا خیال ہے کہ اگر قریش ایک طرف ہو جائیں اپنے ہاتھ روک لیں تو کیا وہ امان میں ہوں گے'' آپ نے فرمایا ''ہاں! جس نے اپنا ہاتھ روک لیا۔ اپنے گھر کا دروازہ بند کر لیا وہ امان میں ہے'' پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ثابت قدم رہنے کا ارادہ کیا تاکہ کہیں شیطان پھر نہ ان میں داخل ہو جائے۔ انہوں نے عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ابوسفیان ایسا شخص ہے جو فخر کو پسند کرتا ہے، اس کے لیے کچھ قابل فخر بنا دیں'' پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اعانت میں یہی عرض کی۔ ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ابوسفیان وہ شخص ہے جو شرف پسند کرتا ہے۔ اس کے لیے کوئی چیز قابل شرف بنا دیں'' آپ نے فرمایا ''جو حکیم کے گھر میں داخل ہوگا۔ وہ بھی امن سے ہوگا'' ان کا گھر مکہ مکرمہ کے نشیبی علاقہ میں جبکہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا گھر بالائی حصہ میں تھا۔ آپ نے فرمایا ''جو مسجد حرام میں داخل ہو جائے گا وہ امان میں ہوگا'' انہوں نے عرض کی ''مسجد حرام میں کتنی وسعت ہے؟ آپ نے فرمایا ''جو اپنے گھر کا دروازہ بند کرے گا وہ امان میں ہوگا''۔ ابوسفیان نے عرض کی ''اب بہت گنجائش ہے'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان کرنے والے کو حکم دیا کہ وہ یہ اعلان کر دے سوائے ان کے جن کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مستثنیٰ قرار دیا تھا اور ان کے قتل کا حکم دیا تھا۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کو اہل مکہ کی طرف بھیجا تاکہ وہ یہ اعلان وہاں جا کر کریں۔ جب حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اپنی قوم کے پاس آئے تو باآواز بلند کہا ''گروہ قریش! یہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ جو تمہارے پاس اتنا بڑا

لشکر جرار لے کر آئے ہیں جس کا مقابلہ کرنے کی تم میں سکت نہیں۔ اسلام لے آؤ۔ سلامتی پا جاؤ گے۔ جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو گیا وہ امان میں ہے" قریش نے کہا "اللہ تمہیں برباد کرے، تمہارا گھر ہمیں کیا فائدہ دے سکتا ہے؟ انہوں نے کہا "جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے گا وہ امن میں ہوگا" ان کی زوجہ ہند کھڑی ہو گئی۔ اس نے ان کی مونچھیں پکڑ لیں اور کہنے لگی "اس گھی کے مٹکے کو قتل کر دو۔ اس میں گھی بھرا ہے۔ اس میں کوئی بھلائی نہیں۔ یہ قوم کا بدبخت پیش رو ہے" دوسری روایت میں ہے کہ ہند نے ان کی داڑھی پکڑ لی اور باآواز بلند چلائی "آل غالب! اس احمق بوڑھے کو قتل کر دو۔ کیا تم جنگ نہیں کرو گے، اپنی جانوں اور شہر کا دفاع نہیں کرو گے" ابوسفیان نے اسے کہا "تیرے لیے ہلاکت ہو خاموش ہو جا۔ اپنے گھر میں داخل ہو جا۔ بخدا! تو اسلام لے آ، ورنہ تیری گردن اڑا دی جائے گی" حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے مکہ مکرمہ کے باشندوں سے کہا "یہ عورت تمہیں دھوکہ میں نہ ڈال دے۔ حضور اتنا بڑا لشکر لے کر آئے ہیں جس کا مقابلہ تم نہیں کر سکتے" اپنے گھروں کی جانب یا مسجد حرام کی طرف چلے جاؤ"۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے آنے سے پہلے فرمایا "مکہ مکرمہ میں چار ایسے اشخاص ہیں جن کی وجہ سے وہ شرک سے دور ہو جائیں گے اور اسلام میں رغبت رکھیں گے۔ ❶ عتاب بن اسید ❷ جبیر بن مطعم ❸ حکیم بن حزام ❹ سہیل بن عمرو۔ اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت جبیر رضی اللہ عنہ نے فتح مکہ کے روز اسلام قبول کیا۔ بعض سیرت نگاروں نے تحریر کیا ہے کہ انہوں نے اس سے قبل اسلام قبول کیا تھا۔ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کے والد کا نام حزام بن خویلد تھا۔ یہ حضرت ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بھائی کے بیٹے تھے۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ان کی پھوپھی تھیں۔ اسلام لائے تو ان کی عمر ساٹھ برس تھی۔ اسلام میں ساٹھ سال زندہ رہے۔ 120 سال کی عمر میں وصال فرمایا۔ یہ زمانہ جاہلیت اور زمانہ اسلام میں قریش کے سردار تھے۔ انہوں نے زمانہ جاہلیت میں ایک سو غلام آزاد کیے۔ اس طرح اسلام لانے کے بعد بھی ایک سو غلاموں کو آزادی کی نعمت بخشی۔ انہوں نے اسلام میں حج کیا۔ وقوف عرفہ کیا۔ وہاں ایک سو غلام آزاد کیے جن کی گردنوں میں چاندی کے طوق تھے۔ ان پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی "یہ حکیم بن حزام کی طرف سے رضائے الٰہی کے حصول کے لیے آزاد ہیں۔ انہوں نے ایک سو اونٹ ذبح کیے جنہیں جبرہ کے مقام سے قلادے پہنائے تھے۔ ایک سو بکریاں بھی راہِ خدا میں قربان کیں۔

لشکر اسلام کی سطوت

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مرالظہران سے آگے جانے کا ارادہ کیا تو آپ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا "میں اس سے امن میں نہیں ہوں کہ ابوسفیان واپس جا کر کفر کرے۔ اسے پہاڑ کی چوٹی کے پاس روک لو، حتیٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لشکر دیکھ لے" حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آئے۔ انہوں نے عرض کی "یارسول اللہ! کاش! آپ ابوسفیان کو روک لینے کا حکم دیں" حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے انہیں اراک کے پاس تنگ گھاٹی میں روک لیا۔ دوسری روایت کے مطابق ان کے ساتھ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ابوسفیان نے کہا "کیا یہ دھوکہ ہے؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا "نہیں! ضروری کام ہے حتیٰ کہ تم اللہ تعالیٰ کے

لشکروں اور اس چیز کو دیکھو لو جو رب تعالیٰ نے مشرکین کے لیے تیار کر رکھی ہے۔ ایک اور روایت کے مطابق حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اہل نبوت دھوکہ نہیں کرتے" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر قبیلہ کو حکم دیا کہ وہ علمبردار کے پاس جائے اور اپنی قوت وشوکت کا اظہار کرے"، صحابہ کرام قوت وسطوت کا اظہار کرنے لگے۔ قبائل اپنے قائدین کے ساتھ گزرنے لگے، لشکروں میں ان کے جھنڈے بھی بلند تھے۔ ایک ایک لشکر گزرنے لگا۔ حضرت ابوسفیان ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اور ان کے متعلق پوچھ رہے تھے۔ سب سے پہلے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بنو سلیم کے لشکر کے ساتھ گزرے۔ ان کی تعداد ایک ہزار یا نو سو تھی۔ ان کے پاس دو جھنڈے تھے۔ ان دونوں کو حضرت عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ اور حضرت حفاف بن نوبہ اٹھائے ہوئے تھے۔ جب یہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے تو انہوں نے تین بار باآواز بلند تکبیر کہی۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا "یہ کون ہے؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا "حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ۔ ابوسفیان: نوجوان خالد رضی اللہ عنہ" حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا "ہاں" حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ان کے ہمراہ کون ہیں؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا "بنو سلیم" حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کہا "مجھے بنو سلیم سے کیا واسطہ؟ پھر حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا۔ ان کے ہمراہ مہاجرین اور عرب کے جوانوں کا دستہ تھا جو پانچ سو شہ سواروں پر مشتمل تھا۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا "یہ کون ہے؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: حضرت زبیر بن عوام! حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ: تمہارا بھانجا؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ: ہاں! پھر بنو غفار کا لشکر وہاں سے گزرا۔ ان کی تعداد تین سو تھی۔ ان کے علمبردار حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ تھے۔ جب وہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تو انہوں نے تین بار تکبیر کہی۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ: یہ کون ہیں؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ: بنو غفار۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ: مجھے بنو غفار سے کیا تعلق؟ پھر بنو اسلم وہاں سے گزرے۔ ان کی تعداد چار سو تھی۔ ان کے دو جھنڈے تھے۔ جنہیں حضرت بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ اور حضرت ناجیہ بن اعجم رضی اللہ عنہ اٹھائے ہوئے تھے۔ جب وہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے تو انہوں نے تین بار اللہ اکبر کہا۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ: یہ کون ہیں؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ: بنو اسلم۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ: مجھے بنو اسلم کے ساتھ کیا واسطہ؟ پھر بنو کعب گزرے یہی بنو خزاعہ تھے۔ ان کی تعداد پانچ سو تھی۔ ان کا جھنڈا حضرت بشر بن سفیان رضی اللہ عنہ اٹھائے ہوئے تھے۔ جب وہ یہاں سے گزرے تو انہوں نے بھی تین بار تکبیر کہی۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ: یہ کون ہیں؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ: بنو کعب۔ اسلم کے بھائی۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ: یہ حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حلیف ہیں؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ: ہاں! پھر بنو مزینہ کا وہاں سے گزر ہوا۔ ان میں ایک سو گھوڑے اور تین جھنڈے تھے۔ انہیں حضرت نعمان۔ حضرت عبد بن عوف اور حضرت بلال بن حرث رضی اللہ عنہم اٹھائے ہوئے تھے۔ اس گھاٹی کے قریب آکر انہوں نے بھی تکبیر کہی۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ: یہ کون ہیں؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ: بنو مزینہ۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ: مجھے ان کے ساتھ کیا تعلق؟ ان کے اسلحہ کی جھنکار سے پہاڑوں کی چوٹیاں گونج اٹھی ہیں" پھر بنو جہینہ کا گزر ہوا۔ ان کی تعداد آٹھ سو تھی۔ ان میں چار جھنڈے تھے۔ جنہیں حضرت معبد بن خال، حضرت سوید بن صخر، حضرت رافع بن بکیث اور حضرت عبد اللہ بن بدر رضوان اللہ علیہم اجمعین اٹھائے ہوئے تھے۔ جب وہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے تو

انہوں نے تکبیر کہی۔ انہوں نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ: بنو جہینہ'' حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ: میرا اور بنو جہینہ کا کیا تعلق؟ ان کے اور میرے مابین کبھی جنگ نہیں ہوئی'' پھر بنو کنانہ، بنولیث، بنو ضمرہ، بنو سعد بن ابی بکر کا وہاں سے گزر ہوا۔ ان کے علمبر دار حضرت ابوواقد اللیثی رضی اللہ عنہ تھے۔ جب وہ بھی اس جگہ سے گزرے تو انہوں نے بھی اللہ اکبر کے نعرے ہائے مستانہ کہے۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ: بنو بکر'' حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ: منحوس! بخدا! ان ہی کی وجہ سے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم پر حملہ آور ہوئے ہیں۔ پھر بنو اشجع کا وہاں سے گزر ہوا۔ ان کی تعداد تین سو تھی۔ ان کے پاس دو جھنڈے تھے۔ جنہیں حضرت معقل بن سنان اور حضرت نعیم بن مسعود اشجعی رضی اللہ عنہما اٹھائے ہوئے تھے۔ انہوں نے تین بار اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ: یہ کون ہیں؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ: بنو اشجع ہیں'' ابوسفیان رضی اللہ عنہ: یہ تو سارے عرب سے بڑھ کر حضور اکرم کے دشمن تھے۔'' حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں اسلام داخل کر دیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ پھر بنو تمیم، بنو فزارہ، سعد بن ہذیم اور بنو قضاعہ کا گزر ہوا۔ انہوں نے بھی اسی طرح کیا۔ ایک اور روایت کے مطابق یہ قبائل بنو اشجع سے پہلے گزرے تھے۔ بنو اشجع سب سے آخر میں گزرے تھے۔

پھر حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کہا ''کیا ابھی تک وہ لشکر نہیں گزرا جس میں محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہیں'' حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''جب وہ دستہ آئے گا جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلوہ نما ہوں گے تو تم گھوڑے، لوہا اور مرد دیکھو گے۔ جن کے ساتھ نبرد آزما ہونے کی کسی میں طاقت نہیں'' حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ: ان لشکروں کے ساتھ جنگ کون کر سکتا ہے؟'' پھر دیگر قبائل وہاں سے گزرنے لگے۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ پوچھنے لگے ''کیا محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی تک نہیں گزرے'' حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''نہیں'' حتیٰ کہ ایک ایسا لشکر آیا جس کی مثل لشکر آج تک نہیں دیکھا گیا تھا۔ ہر قبیلہ میں جھنڈا تھا۔ وہ مجاہدین غرق آہن تھے۔ صرف ان کی آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔ ان میں ایک ہزار زرہ پوش تھے۔ ان میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلوہ افروز تھے۔ حضرت ابوسفیان نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''یہ انصار ہیں، ان میں حضرت سعد بن عبادہ ہیں۔ جن کے پاس انصار کا جھنڈا ہے'' پہلے گزر چکا ہے کہ مہاجرین کے علمبر دار حضرت زبیر رضی اللہ عنہ تھے۔ کبار مہاجرین اور انصار صحابہ کرام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرما رہے تھے ''ذرا آہستہ! تا کہ تمہارا پہلا حصہ آخری حصہ سے مل جائے''۔

ایک اور روایت کے مطابق سبز سا لشکر آیا۔ جس میں ایک ہزار زرہ پوش تھے۔ ان میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مہاجر اور انصار صحابہ کرام جلوہ افروز تھے۔ ان میں جھنڈے اور پرچم تھے۔ مہاجرین اور انصار کے ہر قبیلہ کے پاس جھنڈا اور پرچم تھا۔ وہ غرق آہن تھے۔ ان پر صرف لوہا ہی نظر آ رہا تھا۔ ان میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ باآواز بلند پکار رہے تھے ''آہستہ چلو! تا کہ تمہارا اگلا حصہ پچھلے حصہ سے مل جائے''۔

ایک اور روایت کے مطابق حضرت ابوسفیان نے کہا ''عباس! سبحان اللہ! یہ کون ہیں؟ انہوں نے فرمایا ''یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جو انصار کے ہمراہ ہیں'' حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کہا ''بخدا! ان کے ساتھ مقابلہ کرنے کی طاقت کس میں ہے؟

ابوالفضل! بخدا! تمہارے بھتیجے کی مملکت بڑی عظیم ہوگئی ہے" انہوں نے فرمایا "ابوسفیان! یہ نبوت ہے" ابوسفیان نے کہا "ہاں! حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے تو انہوں نے کہا "ابوسفیان! آج جنگ کا دن ہے جس سے نجات ممکن نہیں۔ آج کعبہ معظمہ میں قتل کرنا حلال ہو جائے گا۔ اگرچہ کوئی کعبہ کے پردوں کے ساتھ بھی معلق ہوا" حضرت ابوسفیان نے کہا "عباس! یہ وہ دن ہے جس میں تم پر میری حفاظت ضروری ہے کیونکہ تم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریبی رشتہ دار ہو اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ سے محبت کرتے ہیں اور آپ کی بات توجہ سے سنتے ہیں"۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی یہ بات کسی مہاجر صحابی نے سن لی۔ کہا گیا ہے کہ وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تھے۔ دوسری روایت کے مطابق دو صحابہ کرام حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے یہ بات سن لی۔ انہوں نے عرض کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ہم اس سے امن میں نہیں کہ قریش پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی ہیبت طاری ہو جائے" آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا "حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے جھنڈا لے لو اور یہ جھنڈا ان کے فرزند ارجمند حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کو دے دو" گویا کہ آپ نے دیکھا کہ اگر جھنڈا ان کے فرزند ارجمند کے پاس گیا تو گویا کہ جھنڈا ان سے لیا ہی نہیں گیا۔ دوسری روایت کے مطابق یہ جھنڈا اس وقت لیا گیا جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی "آپ نے اپنی قوم کو قتل کرنے کا حکم دے دیا ہے" آپ نے فرمایا "نہیں" حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی بات بتائی۔ پھر آپ کو اللہ تعالیٰ اور صلہ رحمی کا واسطہ دیا۔ عرض کی "میں آپ کی قوم کے متعلق آپ کو رب تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں۔ آپ سارے لوگوں سے زیادہ پاکباز، رحم کرنے والے اور صلہ رحمی کرنے والے ہیں" آپ نے فرمایا "ابوسفیان! آج رحمت کا دن ہے، آج اللہ تعالیٰ نے قریش کو دین اسلام دے کر اور ضلال مبین سے بچا کر نجات عطا کی ہے۔

دوسری روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "بلکہ اس دن تو رب تعالیٰ کعبہ معظمہ کو عظمت عطا فرمائے گا۔ اس روز کعبہ مشرفہ پر غلاف چڑھایا جائے گا" اس فرمان سے اس طرف بھی اشارہ ملتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سال کعبہ مشرفہ پر غلاف چڑھایا تھا۔ پھر آپ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی طرف پیغام بھیجا۔ ان سے جھنڈا لے کر ان کے لخت جگر حضرت قیس رضی اللہ عنہ کو عطا فرما دیا۔

ابن عساکر نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے یہ بات کی تو ایک خاتون حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوئی۔ اس نے کہا:

یا نبی الھدی الیك لجاحی	قریش ولات حین لجاء
حین ضاقت علیھم سعة الارض	وعادھم اله السماء
والتقت حلقتا البطان علی القوم	ونودوا بالصیکم الصلعاء
ان سعدا یرید قاصمة الظھر	باھل الحجون والطبحاء
خزرجی لم یستطیع من الغیظ	رمانا بالنسر والعواء

وغیر الصدر لایھم بشی غیر سفك الدماء وسبی النساء

قد تلظی علی البطحاء وجاءت عنه هند بالسوءۃ السواء

اذ ینادی بذل حی قریش وابن حرب بذا من الشهداء

فلئن اقحم اللواء ونادی یاحماۃ الادبار اهل اللواء

ثم ثابت الیه من بهم الخزرج والاوس انجم الهیجاء

لتکونن بالطبحاقریش فقعة القاع فی اکف الاماء

فانهینه فانه اسدالاسد لدی الغاب والغ فی الدماء

انه مطرق یرید لنا الامر سکوتا کالحیة الصماء

"اے ہدایت کا نور عطا فرمانے والے نبی مکرم ﷺ قبیلہ قریش نے آپ کی پناہ لی جبکہ یہ پناہ لینے کا وقت نہیں تھا۔ جب ان پر زمین اپنی وسعتوں کے باوجود تنگ ہوگئی اور آسمان کے رب تعالیٰ نے ان کے ساتھ دوستی کی۔قوم کے لیے معاملہ سخت ہوگیا اور انہیں تکلیف دہ مصیبت کے لیے بلایا گیا۔ بلاشبہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا ارادہ ہے کہ وہ اہل حجون اور اہل بطحاء کی کمر توڑ ڈالیں۔ان کا تعلق بنوخزرج کے ساتھ ہے اگر وہ غصہ کی حالت میں طاقت رکھتے تو ہمیں گھوڑوں اور کتوں کا نشانہ بنا دیتے۔ان کے سینے کی آتش خون ریزی اور خواتین کو قیدی بنانے کے بغیر کوئی ارادہ نہیں رکھتی۔وہ وادی بطحاء میں بھی شعلہ بار ہوئے۔ھند بنت عتبہ نے بھی ان کی طرف سے بہت بری خبر دی۔جب انہوں نے قبیلہ قریش کو ذلیل کرنے کا اعلان کیا۔حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ اس اعلان کے گواہ ہیں۔اگر وہ جلدی سے جھنڈا لے کر آجاتے اور اعلان کر دیتے اے پشتوں کی حفاظت کرنے والو! اے جھنڈے والو! پھر ان کی طرف خزرج او راوس کے شہ سوار اور جنگ کے ستارے دوڑ کر جاتے تو قریش سنگریزوں والی زمین میں لونڈیوں کے ہاتھوں ذلیل و رسواء ہو جاتے۔وہ شیروں کے شیر ہیں۔کچھار ان کا مسکن ہے۔وہ خون ریزی چاہتے ہیں۔آپ انہیں منع کریں۔وہ سر جھکائے ہیں۔وہ ہماری اذیت کا عزم کیے ہوئے ہیں۔وہ بہرے سانپ کی طرح مہر بلب ہیں"۔

جب حضور اکرم ﷺ نے یہ اشعار سنے تو قلب منیر میں رأفت و رحمت زیادہ ہوگئی۔آپ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے جھنڈا لے کر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے نور نظر حضرت قیس رضی اللہ عنہ کو دینے کا حکم دیا۔روایت ہے کہ ایک شخص ان کے پاس یہ پیغام لے کر آیا کہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ جھنڈا اپنے لخت جگر کو عطا کر دیں۔آپ نے یہ جھنڈا اس وقت تک اس کے سپرد کرنے سے انکار کر دیا جب تک وہ بارگاہ رسالت مآب ﷺ سے کچھ نشانی نہ لے کر آئے۔حضور ﷺ نے ان کی طرف اپنا عمامہ مبارک بھیجا۔انہوں نے وہ علم اپنے نور نظر کو دے دیا۔بعض روایات میں ہے کہ انہوں نے وہ جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا۔بعض روایات میں ہے کہ وہ جھنڈا حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو دیا۔وہ دو جھنڈے لے کر مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔حافظ ابن حجر ان روایات پر اپنا تبصرہ یوں رقم کرتے ہیں:

''ان روایات کو جمع کرنے سے وہ بات عیاں ہوتی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا تا کہ وہ ان سے جھنڈا لے لیں''، پھر آپ نے فرمایا ''کہیں حضرت سعد رضی اللہ عنہ رنجیدہ خاطر نہ ہو جائیں تو یہ جھنڈا ان کے فرزند دلبند حضرت قیس رضی اللہ عنہ کو عطا فرما دیا۔ پھر یہ جھنڈا ان سے لے کر حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو عطا فرما دیا''۔

جب سارے لشکر گزر گئے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے کہا ''اپنی قوم کے پاس جلدی جلدی جاؤ'' وہ اپنی قوم کے پاس جلدی جلدی پہنچے۔ دور سے ہی امان پکار رہے تھے۔ ان کی بیوی ہند نے انہیں روک دیا اس نے کہا: اسے قتل کر دو''۔

مکہ مکرمہ میں داخلہ

حضور اکرم ﷺ نے حکم فرمایا کہ آپ کا علم مبارک حجوان کے مقام پر نصب کر دیا جائے۔ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''مجھے حضرت نافع بن جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے فرمایا'' انہوں نے فرمایا ''میں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو سنا وہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے حج کے زمانہ میں فرما رہے تھے۔ انہوں نے یہ حج حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اکٹھا کیا تھا۔ انہوں نے فرمایا ''ابو عبداللہ! کیا حضور اکرم ﷺ نے تمہیں یہاں علم نصب کرنے کا حکم دیا تھا'' انہوں نے فرمایا ''ہاں''۔

امام حلبی نے اپنی سیرت کی کتاب ''السیرۃ الحلبیہ'' میں لکھا ہے کہ اس جگہ مسجد بنا دی گئی ہے۔ جسے مسجد الرایۃ کہا جاتا ہے (یہ مسجد اب بھی موجود ہے)۔

حضور اکرم ﷺ الثنیۃ العلیا کی طرف سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو الثنیہ السفلی کی طرف سے داخل ہونے کا حکم دیا۔ امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ مکہ مکرمہ میں بلند مقام سے داخل ہوئے۔ آپ ﷺ اپنی قصواء نامی اونٹنی پر سوار تھے۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو پیچھے بٹھایا ہوا تھا۔ اس سے آپ کی تواضع اور اخلاق کریمانہ کا اظہار ہوتا ہے کہ اس موقعہ پر اپنے پیچھے خادم اور اپنے خادم کے بیٹے کو سوار فرمایا تھا۔ جبکہ متکبر شخص بازار جاتے وقت اپنے بیٹے کو بھی پیچھے بٹھانا عار سمجھتا ہے۔ اس تکبر سے رب تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کو پاک اور مطہر فرمایا تھا۔

ایک روایت کے مطابق آپ ﷺ جمعۃ المبارک کے روز مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ آپ نے سرخ یمنی کپڑے کا عمامہ شریف باندھ رکھا تھا۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے تہ در تہ کپڑے کا سیاہ عمامہ مبارک باندھ رکھا تھا۔ تواضع اور عاجزی کی وجہ سے سر مبارک جھکا ہوا تھا حتیٰ کہ وہ کجاوہ کی لکڑی کو چھو رہا تھا۔ جب آپ نے اللہ رب العزت کی طرف سے یہ عظیم فتح اور مسلمانوں کی کثیر تعداد ملاحظہ فرمائی تو عجز و انکساری کی حد نہ رہی۔ آپ زبان اقدس سے یہ ورد کر رہے تھے ''اللھم ان العیش عیش الآخرۃ'' دوسری روایت کے مطابق سر اقدس پر مغفر تھا۔ ان تمام روایات کو جمع کرنا ممکن ہے۔ امام بیہقی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ فتح مکہ کے روز جب حضور اکرم ﷺ کا مکہ مکرمہ میں نزول اجلال ہوا تو عورتیں اپنے دوپٹوں سے گھوڑوں کے رخ موڑنے لگیں۔ یہ دیکھ کر حضور اکرم ﷺ تبسم کناں ہوئے۔ حضرت ابوبکر صدیق

رضی اللہ عنہ کی طرف توجہ فرما ہوئے اور فرمایا ''ابوبکر! حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے کس طرح کہا ہے؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے یہ اشعار پڑھ کر سنائے:

عدمت بنتی ان لم تروھا تثیر النقع من کتفی کداء

ینازعن الاعنۃ مسرجات یلطمھن بالخمر النساء

''میری لخت جگر مفقود ہو جائے اگر تم اس کو نہ دیکھو کہ گرد و غبار اڑ رہا تھا جبکہ وعدہ کی جگہ کداء تھی۔ خواتین ان گھوڑوں کی لگامیں چھین رہی تھیں جن پر زینیں کس دی گئیں تھیں۔ وہ اپنے دوپٹوں سے گھوڑوں کو مار رہی تھیں''۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اسی طرح داخل ہو جاؤ جس طرح حضرت حسان نے کہا ہے''۔

امام طبرانی نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت مبارکہ ہوئی تو میں نے ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ سے کہا ''ہمارے ساتھ ایمان لے آؤ'' اس نے کہا ''بخدا! ہرگز نہیں حتیٰ کہ میں گھوڑوں کو کداء سے نمودار ہوتے دیکھ لوں''۔ میں نے پوچھا ''اس طرح کیوں'' اس نے کہا ''یہ چیز میرے دل کے ساتھ چپک گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کبھی بھی گھوڑوں کو وہاں سے نمودار نہیں کرے گا'' حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کداء سے جلوہ افروز ہوئے تو میں نے اس کا تذکرہ ابوسفیان سے کیا۔۔۔۔

ایک دفعہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ دونوں یمن کی طرف تجارت کے لیے گئے۔ یہ دونوں ایک یہودی عالم کے پاس گئے۔ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق پوچھا۔ ان کے اوصاف کے متعلق دریافت کیا۔ انہوں نے آپ کے محاسن اور شمائل بیان کر دیے۔ اس یہودی عالم نے کہا ''وہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں'' اس عالم نے وہاں جانور ذبح کیے۔ اور اٹھا اور اپنی چادر چھوڑ کر چلا گیا۔ ابوسفیان نے اس یہودی عالم کی تصدیق کو بڑا عجیب سمجھا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''کیا اب ہمارا اسلام قبول نہیں کرو گے'' اس نے کہا ''نہیں! قسم اللہ کی! حتیٰ کہ میں کداء سے گھوڑوں کو نمودار ہوتے دیکھ لوں''۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ حضرت موسیٰ بن عقبہ نے حضرت خالد بن ولید اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کا مکہ مکرمہ میں داخل ہونا اس طرح بیان کیا ہے جو صحیح احادیث کی موافقت کرتا ہے۔ انہوں نے کہا ''حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو مہاجرین اور اُن کے گھڑسوار دستے کا امیر مقرر کیا اور انہیں کداء سے داخل ہونے کا حکم دیا۔ انہیں حکم دیا کہ وہ حجون میں اپنا علم نصب کر دیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنے تک اس جھنڈے کے پاس ہی رہیں۔ آپ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو کئی قبائل مثلاً قضاعہ، سلیم، اسلم، غفار، مزینہ اور جہینہ کے ہمراہ بھیجا۔ اور انہیں مکہ مکرمہ کے زیریں حصہ سے داخل ہونے کا حکم دیا۔ آپ نے انہیں اس ثنیہ کے قریب اپنا جھنڈا نصب کرنے کا حکم دیا جس کے راستہ سے آپ نے داخل ہونا تھا۔ اس جگہ مکہ مکرمہ کا سب سے آخری گھر تھا۔ اس روز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جھنڈا سفید اور پرچم سیاہ تھا۔ آپ کے پرچم کو عقاب کہا جاتا تھا۔ یہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ردائے مبارک سے بنایا گیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو پیادہ مجاہدین کا امیر مقرر کیا۔ آپ نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو انصار کے لشکر کا علمبردار مقرر کیا۔ حتیٰ کہ ان سے جھنڈا لے لیا

گیا۔ پھر حضور ﷺ کے لشکر مقدمہ میں جھنڈے کے بغیر ہی رہے۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ وہ کسی کے ساتھ جنگ نہ کریں سوائے اس کے جو ان کے ساتھ جنگ کرے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ روانہ ہو کر مکہ مکرمہ کے زیریں حصہ میں پہنچے۔ وہاں بنو بکر، بنو حرث اور بنو ہذیل کے وہ لوگ جمع تھے جنہوں نے قریش سے مدد مانگی تھی۔ انہوں نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے جنگ کی اور انہیں مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے روکنے کی کوشش کی۔ انہوں نے ہتھیار سونت لیے اور تیر اندازی شروع کی۔ انہوں نے کہا ''تم اس شہر میں زبردستی داخل نہیں ہو سکتے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو بلایا اور انہوں نے دشمن کو قبیح ترین شکست سے دوچار کر دیا۔ بنو بکر کے چوبیس افراد کو تہ تیغ کر دیا۔ بنو ہذیل کے چار افراد مارے گئے۔ وہ جنگ کرتے کرتے الحزورہ تک پہنچے۔ یہ مکہ مکرمہ کا بازار تھا۔ پھر وہ گھروں میں داخل ہو گئے۔ ان میں سے ایک گروہ دوڑ کر پہاڑوں پر چڑھ گیا۔ مسلمانوں نے اُن کا تعاقب کیا۔ حضرات حکیم بن حزام اور ابوسفیان رضی اللہ عنہما پکار اٹھے ''اے گروہ قریش! خود کو ہلاکت میں کیوں ڈال رہے ہو۔ جو اپنے گھر میں داخل ہو گیا وہ امن سے ہے۔ جو اپنے ہتھیار رکھ دے وہ امن میں ہے'' وہ لوگ اپنے اپنے گھروں میں داخل ہونے لگے۔ گھروں کے دروازے بند کرنے لگے۔ وہ راستے میں ہتھیار پھینکتے جا رہے تھے۔ مسلمان انہیں اٹھاتے جا رہے تھے۔

امام ابن اسحاق نے رقم کیا ہے ''حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھی قریش کے بعض لوگوں سے ملے۔ جن میں صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابی جہل اور سہیل بن عمرو بھی تھے۔ یہ خندمہ میں جمع تھے تاکہ مسلمانوں کے ساتھ قتال کریں۔ انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ جنگ بھی کی۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے حضرت مسلمہ بن میلاء الجہنی رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔ مشرکین کے بارہ تیرہ آدمی کام آئے۔ پھر انہیں شکست اٹھانا پڑی۔ جب حماش بن قیس کی بیوی نے اسے راہ فرار اختیار کرنے پر ملامت کی تو اس نے یہ اشعار کہے۔ یہ ہراول دستہ میں تھا، اس نے اپنی بیوی سے وعدہ کر رکھا تھا کہ وہ مسلمانوں کے قیدی اس کے پاس لے کر آئے گا جو اس کی خدمت کریں گے۔ لیکن اس کی زوجہ نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ مگر ابھی تک اپنا اسلام مخفی رکھے ہوئے تھی۔ دوسری روایت کے مطابق اس نے اپنے خاوند کو دیکھا وہ تیر تیز کر رہا تھا۔ اس فرخندہ بخت خاتون نے پوچھا ''یہ تیر کس لیے تیز کر رہے ہو؟ اس نے کہا'' مجھے علم ہوا ہے کہ محمد عربی (ﷺ) مکہ مکرمہ کو فتح کرنا چاہتے ہیں۔ وہ اس شہر پر حملہ آور ہونا چاہتے ہیں۔ ہم نے جن لوگوں کو گرفتار کر لیا ان میں سے ایک خادم تمہیں بھی دیں گے'' اس کی زوجہ نے کہا ''بخدا! میں تمہیں دیکھ رہی ہوں کہ تم بے نیل مرام واپس آ گئے ہو اور تم سے اس چیز کا مطالبہ کیا جا رہا ہے جسے میں تم سے چھپائے ہوئے تھی۔ کاش! تم محمد مصطفیٰ ﷺ کا لشکر جرار دیکھ لیتے'' جب حضور ﷺ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو یہ خاوند اپنی زوجہ کے پاس واپس آیا: اس نے پوچھا ''تم کیا چھپائے ہوئے ہو؟ اس کی زوجہ نے کہا'' خادم کہاں ہے؟ اس کے شوہر نے کہا ''اب مجھے چھوڑ دو۔ پھر اس نے یہ اشعار پڑھے:

انک لو شهدت یوم الخندمة　　اذ فر صفوان وفر عکرمه

وابویزید قائم کالمؤتمة　　واستقبلتهم بالسیوف المسلمه

يقطعن كل ساعد وجمجمة ضربا فلا تسمع الا غمغمة

لهم نهيت خلفنا وهمهمة لم تنطقى فى اللوم ادنى كلمة

''کاش! تو خندمہ کے روز جنگ کے وقت موجود ہوتی جب صفوان اور عکرمہ بھی راہ فرار اختیار کر رہے تھے۔ اس وقت ابویزید بھی اس بیوہ کی طرح کھڑا تھا جس کے بچے یتیم ہوں۔ میں نے ان کا استقبال مسلم تلواروں کے ساتھ کیا۔ وہ تلواریں ہر کلائی اور کھوپڑی کو کاٹ رہی تھیں اور خلط ملط آوازوں کے علاوہ اور کچھ سنائی نہیں دیتا تھا۔ ہمارے پیچھے ان کے سینے کی غیر واضح آوازیں تھیں تو تُو ملامت کا ایک کلمہ بھی نہ کہتی''۔

فتح مکہ، غزوۂ حنین اور غزوۂ طائف میں مہاجرین کا شعار ''یابنی عبدالرحمن'' تھا۔ خزرج کا شعار ''یابنی عبداللہ'' تھا۔ اوس کا شعار ''یابنی عبیداللہ'' تھا۔ اس روز حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے دو اور ساتھی بھی شہید ہوئے۔ ایک حضرت حبیش بن الاشعر الخزاعی تھے۔ یہ حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا کے بھائی تھے۔ دوسرے حضرت کرز بن جابر فہری تھے۔ انہوں نے غزوۂ بدر کے بعد اسلام قبول کیا تھا۔ اس سے قبل یہ مشرکین کے رؤساء میں سے تھے۔ غزوۂ بدر الاولیٰ کے وقت انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چراگاہ پر حملہ کیا تھا۔ پھر دولت اسلام سے مالا مال ہو گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں امیر مقرر فرمایا اور انہیں عرنیین کے تعاقب میں بھیجا۔

جب مکہ مکرمہ کے نشیبی علاقہ میں قتال ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تلواروں کی چمک دیکھی تو پوچھا ''یہ کیا ہے؟ کیا میں نے جنگ سے منع نہیں کیا تھا'' صحابہ کرام نے عرض کی ''ہمارا گمان ہے کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو قتال کرنا پڑا ہے۔ جبکہ ان کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار نہ تھا''۔

دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی گئی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم یہ خالد بن ولید ہیں جو جنگ کر رہے ہیں''؛ آپ نے فرمایا ''اے فلاں! اٹھو اور خالد کو کہو کہ وہ جنگ سے ہاتھ روک لے'' وہ شخص ان کے پاس آیا اور کہا ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ سے فرما رہے ہیں کہ جس پر آپ کو غلبہ نصیب ہو جائے اسے قتل کر دو''۔ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی زبان پر یہ فقرہ جاری کر دیا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ستر افراد تہ تیغ کر دیئے'' وہ شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور اس امر کا تذکرہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''کیا میں نے تمہیں حکم نہیں دیا تھا کہ تو خالد کو روکو'' اس شخص نے عرض کی ''آپ نے ایک امر کا ارادہ کیا۔ رب تعالیٰ نے بھی ایک امر کا ارادہ کیا۔ اللہ تعالیٰ کا امر آپ کے امر سے فائق تھا۔ میری استطاعت نہیں تھی مگر جو کچھ ہو گیا'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش ہو گئے۔ آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس روایت میں ہے کہ اس حملہ میں ستر مشرکین کام آئے۔ یہ روایت دوسری اس روایت کے منافی نہیں جس میں چوبیس افراد کا ذکر ہے کیونکہ ثقہ کی زیادتی مقبول ہوتی ہے اور قلیل تعداد کثیر تعداد میں شامل ہوتی ہے۔ حضرت موسیٰ بن عقبہ نے لکھا ہے ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعد میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''تم نے جنگ کر دی حالانکہ میں نے جنگ سے روکا تھا'' انہوں نے عرض کی ''مشرکین نے ہی جنگ کا آغاز کیا تھا۔ میں نے تو حتی الوسع اپنا ہاتھ روکے رکھا'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہی بہتر ہے''۔

ایک اور روایت میں ہے کہ قریش نے متفرق قبائل کے لوگوں کو جمع کر لیا۔ حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو آواز دی اور فرمایا "صرف انصار کو میرے پاس بلاؤ" انہوں نے انصار کو بلایا۔ انصار آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا "کیا تم قریش کے ان قبائل اور ان کے پیروکاروں کو دیکھ رہے ہو" پھر اپنا ایک دست اقدس دوسرے دست اقدس پر مار کر فرمایا "انہیں خوب قتل کرو حتیٰ کہ مجھے صفا پر آ کر مل جاؤ" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "ہم ان لوگوں کی طرف گئے۔ ان میں سے جسے چاہتے تہ تیغ کر دیتے۔ وہ اپنا دفاع نہ کر سکتا"۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں آئے۔ عرض کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم قریش کے سرداروں کا خون مباح کر دیا گیا ہے۔ آج کے بعد قریش کا وجود باقی نہیں رہے گا" اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا "جس نے اپنا دروازہ بند کر لیا وہ امان میں ہے" یہ اعلان کر دیا گیا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے استفسار فرمایا تو انہوں نے عرض کی "یارسول اللہ! مشرکین نے جنگ کا آغاز کیا تھا۔ میں نے تو حتیٰ الامکان ان سے ہاتھ روکے رکھا۔ میں نے انہیں اسلام کی دعوت دی، مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ جب مجھے اور کوئی چارۂ کار نظر نہ آیا تو میں نے ان کے ساتھ جہاد کیا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان پر فتح عطا کی۔ وہ بھاگ نکلے" حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "رب تعالیٰ کا فیصلہ بہتر ہوتا ہے" ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "جنگ سے ہاتھ روکے رکھو، سوائے بنوخزاعہ سے۔ وہ بھی بنوبکر کی طرف سے۔ وہ بھی نماز عصر تک" یہی وہ ساعت تھی جس وقت تک آپ کے لیے حرم کعبہ میں خون بہانا مباح کر دیا گیا تھا۔ جب آپ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو رمضان المبارک کے بیس دن گزر چکے تھے۔ امہات المومنین میں سے حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کو رفاقت کا ابدی شرف نصیب ہوا۔

وہ افراد جو امان میں داخل نہ تھے

پہلے تذکرہ ہو چکا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے کچھ افراد کی استثناء فرمائی۔ وہ اس امان میں داخل نہیں تھے۔ آپ ﷺ نے انہیں قتل کرنے کا حکم دیا۔ وہ پندرہ افراد یہ تھے۔

(1) عبداللہ بن ابی سرح (2) عبداللہ بن خطل (3) اس کی دونوں لونڈیاں (وہ حضور اکرم ﷺ کے متعلق ہجو یہ اشعار پڑھتی تھیں) (4) عکرمہ بن ابی جہل (5) حویرث بن نقید (6) مقیس بن صبابہ (7) ھبار بن اسود (8) کعب بن زہیر (9) حرث بن ہشام (10) زہیر بن ابی امیہ (11) بنومطلب کی لونڈی سارہ (12) صفوان بن امیہ (13) ہند بنت عتبہ (14) وحشی۔ ان میں اکثریت نے اسلام قبول کر لیا۔

عبداللہ بن ابی سرح بن الحرث العامری

اس نے اسلام قبول کیا۔ پھر مرتد ہو کر مکہ مکرمہ چلا گیا اور حضور ﷺ کی شان والا میں نازیبا کلمات کہنے لگا۔ فتح مکہ کے روز حضور اکرم ﷺ نے اس کا خون مباح قرار دیا۔ جب اسے علم ہوا تو اس نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی پناہ حاصل کر لی۔ یہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا رضاعی بھائی تھا۔ اس نے کہا "بھائی! مجھے حضور اکرم ﷺ سے پناہ لے دیں۔ اس سے قبل کہ آپ

میری گردن اڑا دیں" حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے انہیں غائب کر دیا، حتیٰ کہ لوگ پرسکون اور مطمئن ہو گئے۔ پھر انہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میں نے انہیں پناہ دے دی ہے۔ آپ اسے بیعت کر لیں" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کئی دفعہ اس سے اعراض فرمایا۔ پھر فرمایا "ہاں! اپنا دست اقدس آگے بڑھا کر اسے بیعت کر لیا۔ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ چلے گئے تو آپ نے اپنے اردگرد بیٹھے ہوئے صحابہ کرام سے فرمایا "میں نے اس سے کئی بار اعراض کیا تا کہ تم میں سے کوئی ایک اٹھ کر اس کی گردن جدا کر دے" حضرت عبادہ بن بشیر رضی اللہ عنہ نے نذر مان رکھی تھی کہ اگر انہوں نے عبداللہ بن سرح کو دیکھا تو اسے قتل کر دیں گے" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اپنی تلوار سونتے کھڑے تھے۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اشارہ کے منتظر تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میں تمہارا منتظر تھا کہ تم اپنی نذر پوری کر لو" انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! میں آپ سے ڈر رہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اشارہ کیوں نہ کر دیا" آپ نے فرمایا "کسی نبی کے لیے آنکھ کی خیانت جائز نہیں"۔

امام زرقانی نے لکھا ہے "پھر حضرت عبداللہ کو ازلی سعادت اور ابدی عنایت نے آلیا۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اپنے اسلام کو عمدہ کیا۔ ان کی فضیلت اور جہاد سب پر آشکارا تھا۔ یہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے لشکر کے میمنہ پر تھے۔ جب انہوں نے مصر فتح کیا۔ فتوحات میں ان کا کردار بڑا شاندار تھا۔ انہوں نے ہی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں افریقہ کو فتح کیا تھا۔ یہ بہت بڑی فتح تھی۔ ہر گھڑ سوار کو تین ہزار دینار ملے۔ انہوں نے 31ھ کو اساود پر حملہ کیا۔ اس کے بعد ھادن پر لشکر کشی کی۔ 34ھ میں ذات الصواری پر حملہ کیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انہیں صعید مصر کا گورنر بنایا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے انہیں سارے مصر کا گورنر بنا دیا۔ انہوں نے قابل ستائش فرائض سرانجام دیے۔ فتنہ کے دور میں علیحدہ ہو گئے۔ حتیٰ کہ انہوں نے 57ھ یا 58ھ میں وصال فرمایا۔ امام بغوی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت یزید بن ابی حبیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب صبح ہوئی تو حضرت ابن ابی سرح رضی اللہ عنہ نے عرض کی "مولا! نماز فجر کو میرا آخری عمل بنا دے" انہوں نے وضو کیا۔ نماز پڑھی۔ پہلے دائیں طرف سلام پھیرا۔ پھر بائیں طرف سلام پھیرا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی روح قبض کر لی۔

عبداللہ بن خطل

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بھی قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔ کیونکہ یہ فتح مکہ سے قبل مدینہ طیبہ آیا تھا۔ اسلام قبول کیا تھا۔ اس کا نام عبدالعزیٰ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا نام عبداللہ رکھا۔ پھر صدقہ لانے کے لیے بھیجا۔ ساتھ ایک انصاری شخص کو بھیجا۔ جو اس کی خدمت پر مامور تھا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اس کے ساتھ اس کا خادم تھا۔ جو اس کی خدمت کرتا تھا۔ یہ مسلمان تھا۔ یہ ایک جگہ فروکش ہوا۔ اس نے خادم کو بکری ذبح کرنے اور اسے پکانے کا حکم دیا۔ جب بیدار ہوا تو کھانا تیار نہ تھا۔ خادم سویا ہوا تھا۔ اس نے خادم پر حملہ کر کے اسے شہید کر دیا۔ پھر مرتد ہو کر مکہ چلا گیا۔ یہ اپنے اشعار میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نازیبا کلمات سے یاد کرتا تھا۔ اس کی دو لونڈیاں بھی تھیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو میں اشعار پڑھتی تھیں۔ فتح مکہ کے روز یہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا۔ اپنی زرہ پہنی، اپنے ہاتھ میں نیزہ لیا اور قسم اٹھانے لگا "محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آج مکہ مکرمہ میں

زبردستی داخل نہیں ہو سکتے'' جب اس نے رب تعالیٰ کے لشکر کو دیکھا تو اسے رعب نے آلیا۔ یہ کعبہ مشرفہ کے پاس گیا۔ اپنے گھوڑے سے اترا۔ اپنے ہتھیار پھینکے اور خانہ کعبہ کے پردوں کے نیچے چھپ گیا۔ ایک شخص نے اس کا اسلحہ لیا اور اس کے گھوڑے پر سوار ہوا اور وہ الحجون میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جاملا۔ آپ سے اس کے متعلق گذارش کی۔ آپ نے اس کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ دوسری روایت میں ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے۔ آپ سے گذارش کی گئی ''یہ ابن خطل ہے جو خانہ کعبہ کے پردوں کے ساتھ معلق ہے'' آپ نے فرمایا ''اسے قتل کردو، کعبہ معظمہ گناہ گاروں کو پناہ نہیں دیتا اور واجب حد کو قائم کرنے سے نہیں روکتا'' اسے حضرات سعید بن حریث اور ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہما نے واصل جہنم کردیا۔ ایک اور روایت کے مطابق حضرت زبیر نے یا حضرت سعد بن ذویب نے یا حضرت سعد بن زید نے قتل کیا۔ ظاہر ہے کہ اسے قتل کرنے میں یہ سارے حضرات شریک تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی لونڈیوں کو بھی قتل کرنے کا حکم دیا۔ ایک کو قتل کردیا گیا جبکہ دوسری نے آپ سے امان طلب کی۔ آپ نے اسے امان دی تو اس نے اسلام قبول کرلیا۔

عکرمہ بن ابی جہل

یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت زیادہ اذیتیں دیتا تھا۔ اس لیے آپ نے اس کے قتل کا بھی حکم دیا تھا۔ یہ مسلمانوں کو بھی سخت تکالیف پہنچاتا تھا۔ جب اسے علم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا خون بھی مباح کردیا ہے تو یہ بھاگ گیا، تاکہ خود کو سمندر میں گرادے یا صحرانوردی میں موت کو گلے لگالے۔ اس کی زوجہ حضرت ام حکیم رضی اللہ عنہا نے اس سے قبل اسلام قبول کرلیا تھا۔ انہوں نے عکرمہ کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے امان طلب کی۔ امام ابوداؤد اور امام نسائی نے روایت کیا ہے کہ عکرمہ کشتی پر سوار ہوا۔ اسے تیز آندھی کا سامنا کرنا پڑا۔ اس نے لات وعزیٰ کو آواز دی۔ اہل کشتی نے کہا ''اخلاص اختیار کرو۔ تمہارے یہ معبودانِ باطلہ تمہیں یہاں بچا نہیں سکتے'' عکرمہ نے کہا ''اگر سمندر سے صرف اخلاص ہی بچا سکتا ہے تو پھر خشکی میں اس کے علاوہ کون بچا سکتا ہے۔ مولا! میں تیرے ساتھ یہ عہد کرتا ہوں کہ اگر تو نے مجھے اس مصیبت سے نجات دی جس میں میں مبتلاء ہوں تو میں محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جاؤں گا۔ اپنا ہاتھ ان کے دست اقدس پر رکھوں گا۔ میں انہیں ضرور عفو، کریم اور غفور پاؤں گا'' وہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ اسلام قبول کرلیا، یعنی اس کے بعد کہ ان کی زوجہ ان کے پاس گئیں اور انہیں لے کر مکہ مکرمہ آگئیں۔ بہت سے مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیت طیبہ ان کے متعلق نازل ہوئی:

وَإِذَا غَشِيَهُم مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۚ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُم مُّقْتَصِدٌ

''اور جب ڈھانپ لیتی ہیں انہیں پہاڑوں جیسی موجیں اس وقت پکارتے ہیں اللہ تعالیٰ کو خالص کرتے ہوئے اس کے لیے اپنے عقیدہ کو۔ پھر جب بچا لاتا ہے انہیں ساحل تک تو ان میں سے (چند ہی) حق پر رہتے ہیں''۔ (لقمان:32)

امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ ان کی زوجہ محترمہ نے عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم عکرمہ آپ سے ڈر کر یمن کی طرف بھاگ گئے ہیں۔ انہیں خطرہ تھا کہ آپ انہیں قتل کردیں گے۔ آپ انہیں پناہ دے دیں'' آپ نے فرمایا ''وہ امان

میں ہے" وہ ان کی جستجو میں نکلیں۔ انہیں اس وقت جالیا جب وہ کشتی پر سوار ہو چکے تھے۔ انہوں نے صدا دی "اخلاص اپناؤ، اخلاص اپناؤ" عکرمہ نے پوچھا "میں کیا کہوں؟ انہوں نے کہا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہو" عکرمہ نے کہا "میں اسی سے ہی تو بھاگا ہوں۔ اس امر سے تو عرب و عجم آشنا ہیں حتیٰ کہ سمندر کے ملاح بھی جانتے ہیں کہ دین وہی ہے جو محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لے کر آئے ہیں" اللہ تعالیٰ نے عکرمہ کا دل تبدیل کر دیا۔ حضرت ام حکیم نے کہا "میرے چچازاد! میں اس ہستی پاک کے پاس سے آئی ہوں جو سارے لوگوں سے زیادہ پاکباز اور سارے لوگوں سے بہتر ہے۔ خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ میں نے تمہارے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پناہ حاصل کر لی ہے" عکرمہ ان کے ہمراہ لوٹ آئے۔ وہ حضرت ام حکیم سے حقوق زوجیت کا مطالبہ کرتے رہے۔ مگر وہ برابر انکار کرتی رہیں۔ وہ کہتی رہیں "تم کافر ہو، میں مسلمان ہوں" عکرمہ نے کہا "وہ امر جس نے تمہیں مجھ سے روک دیا ہے۔ وہ ایک عظیم امر ہے" جب عکرمہ مکہ مکرمہ، یا مدینہ طیبہ پہنچے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تمہارے پاس عکرمہ آ رہا ہے۔ اس کے باپ کو برا بھلا نہ کہنا۔ میت کو گالی دینا زندہ کو اذیت دیتا ہے"۔

امام زہری اور ابن عقبہ نے لکھا ہے "جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عکرمہ کو دیکھا تو جلدی سے کھڑے ہو گئے۔ انتہائی خوشی کا اظہار کیا۔ اپنی رداء مبارک ان پر پھینک دی اور فرمایا "اسے خوش آمدید جو مومن اور مہاجر بن کر آیا ہے" عکرمہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ ان کے ہمراہ ان کی زوجہ حضرت ام حکیم بھی تھیں۔ وہ نقاب اوڑھے کھڑی تھیں۔ عکرمہ نے عرض کی "اس خاتون نے مجھے خبر دی ہے کہ آپ نے مجھے امان دے دی ہے" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اس نے سچ کہا ہے تجھے امان ہے" عکرمہ نے عرض کی "آپ کس چیز کی طرف دعوت دیتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میں یہ دعوت دیتا ہوں کہ تم یہ گواہی دو کہ اللہ رب العزت کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور میں رب تعالیٰ کا رسول ہوں۔ نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو۔۔۔ حتیٰ کہ آپ نے اسلام کے ارکان بیان فرما دیے۔ عکرمہ نے عرض کی "آپ بھلائی اور عمل خیر اور مستحسن امر کی طرف بلاتے ہیں۔ اس دعوت دینے سے قبل آپ ہم میں سے سب سے زیادہ سچے اور پاکباز تھے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ رب تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں" پھر عکرمہ نے عرض کی "مزید؟" آپ نے فرمایا "یوں کہو کہ میں رب تعالیٰ کو اور تمام حاضرین کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں مسلمان، مجاہد، مہاجر ہوں" حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے اسی طرح کہا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے یوں کہا "میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ رب العزت کے علاوہ کوئی معبود نہیں وہ وحدہ لاشریک ہے۔ آپ اس کے بندے اور رسول ہیں" پھر انہوں نے فرطِ حیاء سے سر جھکا لیا" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "مجھ سے جو کچھ بھی مانگو، میں جس چیز پر قادر ہوا تمہیں ضرور دوں گا" انہوں نے عرض کی "میری ہر اس عداوت کے لیے استغفار کریں جو میں نے آپ کے ساتھ رکھی ہے" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا مانگی "مولا! عکرمہ کی ہر وہ عداوت معاف کر دے جو اس نے میرے ساتھ رکھی ہے یا میرے خلاف گفتگو کی ہے" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی زوجہ محترمہ پہلے نکاح پر ہی انہیں لوٹا دی۔ اس کے بعد حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کا شمار کبار صحابہ کرام میں ہونے لگا۔

ابن عبدالبر نے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم، شفیع معظم، رحمت مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ آپ جنت میں

تشریف لے گئے ہیں۔ آپ نے وہاں انگور کا خوشہ دیکھا جو آپ کو بڑا تعجب خیز لگا۔ آپ ﷺ نے پوچھا ''یہ کس کے لیے ہے؟'' آپ سے عرض کی گئی ''یہ ابو جہل کے لیے ہے'' آپ پر یہ بات بڑی گراں گزری۔ آپ نے فرمایا ''جنت میں تو صرف مومن نفس ہی داخل ہوگا'' جب حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ مسلمان ہو کر حاضر خدمت ہوئے تو آپ ﷺ بہت مسرور ہوئے اور انگور کے خوشے کی تاویل حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے کی۔ آپ نے یہ بھی استدلال فرمایا کہ کبھی کبھی خواب اس شخص کے لیے نہیں ہوتا جس کے لیے دیکھا جاتا ہے۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے اپنا اسلام انتہائی شاندار کیا حتیٰ کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں شام میں ان کے سر پر شہادت کا تاج سجا دیا گیا۔ دوسری روایت کے مطابق انہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جام شہادت نوش کیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اہل ردہ مسیلمہ کذاب کی قوم کے ساتھ جہاد کرنے سے فارغ ہوئے تو آپ نے اہل روم پر حملہ کرنے کے لیے لشکر تیار کیے۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر مقرر کیا۔ پھر انہیں معزول کر کے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر مقرر کر دیا۔ اس وقت اس لشکر کے ساتھ حضرت عکرمہ، حضرت حرث بن ہشام اور حضرت سہیل بن عمرو رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی روانہ ہوئے۔ انہوں نے خود کو جہاد کے لیے وقف کر دیا۔ نیز یہ وعدہ کیا کہ وہ لوٹ کر واپس نہیں آئیں گے۔ بہت سی جنگوں کے بعد انہوں نے شام کی فتوحات میں شرکت کی۔ پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا وصال ہو گیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے۔ انہوں نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ امیر لشکر بنا دیا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے ماتحت امیر مقرر کیا۔ مجاہدین شام کے دیگر شہروں کو فتح کرنے کے لیے نکلے۔ انہوں نے بعلبک اور بہت سے شہر فتح کر لیے۔ پھر حمص کو فتح کرنے کی طرف توجہ کی۔ انہیں رومیوں کے لشکر جرار کے ساتھ مقابلہ کرنا پڑا۔ انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ شدید قتال کیا۔ اس روز حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کسی نے زیادہ جہاد نہ کیا۔ وہ تیروں کے سامنے چلے جاتے۔ ان سے کہا گیا ''اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنے آپ کیساتھ نرمی کرو'' انہوں نے کہا ''اے میری قوم! میں بتوں کی طرف سے لڑتا تھا۔ میری آج کیفیت کیا ہوگی۔ آج میں ملک علام رب تعالیٰ کی اطاعت میں لڑ رہا ہوں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ حوران عین میری مشتاق ہیں۔ اگر ان میں سے ایک بھی اہل دنیا کے لیے ظاہر ہو جائے تو انہیں شمس و قمر کی ضرورت نہ رہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ہمارے ساتھ جو وعدے کیے ہیں وہ سارے سچ ثابت ہوئے ہیں'' پھر انہوں نے اپنی تلوار سونت لی اور اہل روم میں گھس گئے۔ وہ آگے آگے ہی بڑھتے رہے۔ اہل روم نے ان کے صبر اور قتال پر تعجب کیا۔ اسی اثناء میں حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ پر بڑے پادری نے حملہ کر دیا۔ اس کا نام ہربیس تھا۔ اس کے ہاتھ میں بڑا سا نیزہ تھا جو روشن اور تاباں تھا۔ اس نے اسے اپنے ہاتھ میں لہرایا اور حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کو مار دیا۔ جوان کے سینہ میں لگا اور کمر سے باہر نکل گیا۔ وہ جام شہادت نوش کر گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی روح کو جلدی جلدی جنت کی طرف لے گیا۔ ان کے چچا زاد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ان کے سر پر کھڑے ہو گئے۔ وہ زار زار رونے لگے پھر حضرت سعید بن زید نے اس پادری پر حملہ کیا جس نے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا۔ اسے موت کے گھاٹ اتار کر جہنم واصل کر دیا۔ پھر رب تعالیٰ نے مسلمانوں کو حمص فتح کرا دیا۔ اس روز پانچ ہزار کفار جہنم

واصل ہوئے۔ اس روز دوسو ترپن (253) مسلمانوں نے قبائے شہادت زیب تن کی۔

امام غزالی نے احیاء العلوم میں "تلاوت قرآن" کے باب میں لکھا ہے کہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ جب مصحف مبارک کھولتے تو ان پر غشی طاری ہو جاتی۔ وہ فرماتے "یہ میرے رب تعالیٰ کا کلام ہے۔ یہ میرے رب تعالیٰ کا کلام ہے" جب ان کی زوجہ محترمہ حضرت ام حکیم رضی اللہ عنہا کی عدت ختم ہوئی۔ یہ بھی ان کے ساتھ شام کی طرف گئیں تھیں تو حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ نکاح کر لیا۔ انہوں نے ان کے ساتھ وظیفہ زوجیت ادا کرنا چاہا۔ انہوں نے کہا "کاش! آپ یہ وظیفہ زوجیت مؤخر کر دیں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ رومیوں کے لشکروں کو ہزیمت سے دوچار کر دے" حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا "مجھے میرا نفس کہتا ہے کہ ان کے لشکروں میں مجھے جام شہادت نصیب ہو جائے گا" حضرت ام حکیم نے فرمایا "وظیفۂ زوجیت ادا کر لیں" انہوں نے اپنے خیمہ میں ان کے ساتھ حق زوجین ادا کیا۔ صبح کے وقت اہل روم نے صف بندی کر لی۔ حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ نے خوب داد شجاعت دی اور جام شہادت نوش کر لیا۔ حضرت ام حکیم رضی اللہ عنہا نے اپنا نقاب اوڑھا۔ خیمہ کی چوب لی اور اس کے ساتھ سات رومیوں کو مار ڈالا۔

روایت ہے کہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں شکوہ کیا کہ لوگ انہیں عکرمہ بن ابی جہل کہتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو منع فرمایا۔ فرمایا "زندوں کو مردوں کی وجہ سے اذیت نہ دیا کرو" دوسری روایت میں ہے "مردوں کو گالیاں نہ دیا کرو، ورنہ تم زندوں کو اذیت دو گے" ایک اور روایت میں ہے "اپنے مردوں کے محاسن بیان کیا کرو۔ ان کی برائیاں بیان کرنے سے رک جاؤ" حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے اپنے اسلام لانے سے قبل دعوت مبارزت دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرانے لگے۔ بعض انصار نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ کیوں مسکرا رہے ہیں۔ اس نے ہمارے ساتھی کو شہید کر کے ہمیں اذیت دی ہے" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میں اس لیے مسکرا رہا ہوں کہ یہ دونوں (قاتل و مقتول) جنت میں ایک ہی مقام پر فائز ہوں گے" حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ جنگ یرموک میں شہید ہو گئے (رضی اللہ عنہ)۔

حویرث بن نقید

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا خون بھی مباح قرار دیا تھا کیونکہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق بری باتیں کرتا تھا۔ آپ کی ہجو بیان کرتا تھا۔ بکثرت اذیتیں دیتا تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضرت سیدہ نساء العالمین فاطمۃ الزہراء اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہما کو مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ لے جا رہے تھے۔ حویرث نے اس اونٹ کے پہلو میں لکڑی ماری جس پر یہ دونوں نوران چشم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوار تھیں۔ یہ دونوں نیچے گر پڑیں۔ حویرث نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے اونٹ کے پہلو میں لکڑی ماری۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کا کام تمام کر دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کے متعلق پوچھا یہ اپنے گھر میں تھا۔ اس نے دروازہ بند کر رکھا تھا۔ ان سے عرض کی گئی کہ وہ صحراء میں ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس سے پیچھے ہٹ گئے۔ وہ دوسرے گھر میں جانے کے لیے باہر نکلا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے پکڑ کر اس کا کام تمام کر دیا۔

مقیس بن صبابہ

اس نے پہلے اسلام قبول کیا تھا۔ پھر انصاری صحابی کے پاس گیا اور اسے قتل کر دیا۔ اس انصاری صحابی نے غزوۂ ذی قرد میں اس کے بھائی ہشام بن صبابہ کو خطاءً قتل کیا تھا۔ انہوں نے انہیں دشمن سمجھا تھا۔ مقیس نے اپنے بھائی کی دیت لے لی۔ پھر انصاری کو شہید کر کے مرتد ہو گیا۔ یہ قریش کے پاس لوٹ آیا۔ آپ نے اس کا خون بھی مباح قرار دیا۔ حضرت غیلہ بن عبد اللہ اللیثی رضی اللہ عنہ نے اسے جہنم واصل کر دیا۔

ہبار بن اسود

یہ بھی مسلمانوں کو بہت زیادہ اذیتیں دیتا تھا۔ حضرت لخت جگر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ اس نے اس وقت تعرض کیا تھا۔ جب وہ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ جا رہی تھی۔ اس نے ان کے اونٹ کو ڈنڈا مارا تھا۔ وہ ایک ٹیلے پر گر پڑیں حتیٰ کہ ان کا حمل ضائع ہو گیا۔ پھر اس مرض میں ان کا وصال ہو گیا۔ یوم فتح کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہبار بن اسود کا خون مباح قرار دیا۔ یہ بھاگ گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چھپ گیا۔ پھر جعرانہ کے مقام پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں تھا۔ آپ جعرانہ سے واپس تشریف لا رہے تھے کہ ہبار بن اسود آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ صحابہ کرام نے عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم یہ ہبار بن اسود ہے'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''میں نے اسے دیکھ لیا ہے'' ایک شخص نے اس کی طرف جانے کا ارادہ کیا مگر آپ نے اسے بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔ ہبار بن اسود کھڑا ہو گیا۔ اس نے عرض کی ''اے اللہ تعالیٰ کے نبی مکرم! میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے رسول محترم ہیں۔ میں آپ سے بھاگ کر شہروں کی طرف چلا گیا تھا۔ میں عجمیوں کے ساتھ ملنے کا ارادہ کیے ہوئے تھا۔ پھر مجھے آپ کی کریمانہ عادت، صلہ رحمی اور اس شخص سے درگزر یاد آ گیا جو آپ کے ساتھ جاہلانہ رویہ اختیار کرے۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم ہم اہل شرک تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ سے ہمیں ہدایت عطا کی۔ ہمیں ہلاکت سے بچایا۔ میری جہالت اور اذیتوں سے درگزر فرمائیں۔ میں اپنے گزشتہ افعال اور گناہوں کا معترف ہوں۔ ان کا اقرار کرتا ہوں'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''میں نے تمہیں معاف کیا۔ اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا کہ ہدایت کی توفیق دی۔ اسلام اپنے سے ماقبل لغزشیں مٹا دیتا ہے''۔ امام زہری نے لکھا ہے کہ جب حضرت ہبار رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ آئے تو لوگ انہیں برا بھلا کہنے لگے۔ انہوں نے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں شکوہ کیا تو آپ نے فرمایا ''جو تمہیں گالی دے۔ اسے برا بھلا کہہ لو'' لوگ اپنے اس رویہ سے رک گئے۔

کعب بن زہیر

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا خون بھی مباح قرار دیا تھا۔ کیونکہ یہ شاعر تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو میں اشعار کہتا تھا۔ جب اس کے بھائی نے اسلام قبول کیا تو یہ انہیں عار دلانے لگا۔ ان کی داستان بڑی عجیب ہے۔ بجیر نے اپنے بھائی کعب

سے کہا "تم میری بکریوں میں ٹھہرو حتیٰ کہ میں اس شخص (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں جاؤں، ان کا کلام سنوں اور جو کچھ ان کے پاس ہے اسے دیکھوں" کعب ابرق العزاف کے مقام پر ٹھہرا رہا۔ یہ بنو اسد کا ایک چشمہ تھا۔ یہ مدینہ طیبہ اور زبذہ کے مابین تھا۔ بجیر روانہ ہوا اور بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہو گیا۔ آپ کا کلام مقدس سنا اور دولت ایمان سمیٹ لی۔ بجیر نے اپنے بھائی کعب کو اس لیے یہ کہا تھا کہ میری بکریوں میں ٹھہرو حتیٰ کہ میں اس شخص (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے ملاقات کر لوں۔۔۔ کیونکہ ان کا باپ زہیر اہل کتاب کے پاس بیٹھتا تھا۔ اس نے ان سے سن رکھا تھا کہ نبی آخر الزمان کی بعثت کا وقت قریب آ گیا ہے۔ اس نے اپنے خواب میں دیکھا کہ آسمان سے ایک رسی لٹکی ہے۔ اس نے اسے پکڑنے کی کوشش کی، مگر وہ کامیاب نہ ہوا۔ اس نے یہ تعبیر کی کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تشریف لائیں گے تو یہ ان کا عہد ہمایوں نہیں پا سکے گا۔ اس نے اپنے خواب کا تذکرہ اپنے بیٹوں سے کیا۔ انہیں اہل کتاب کی باتیں بھی بتائیں۔ انہیں حکم دیا۔ انہیں وصیت کی کہ اگر وہ عہد مبارک پالیں تو ضرور اسلام لے آئیں۔ حضرت بجیر نے اپنے بھائی کعب کی طرف خط لکھا اسے بتایا کہ اس نبی محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امر غالب آ گیا ہے۔ ان کی نبوت حق ہے۔ نیز یہ کہ وہ ایمان لے آیا ہے اور ان کی اتباع کر لی ہے۔ انہوں نے اپنے بھائی کو ابھارا تا کہ وہ بھی ایمان لے آئے۔ کعب نے اپنے بھائی کی طرف یہ اشعار لکھے:

ألا ابلغا عنی بجیراً رسالة فهل لك فیماقلت ویحك هل لكا

فبین لنا ان لست بفاعل علی ای شی غیر ذالك دلكا

علی خلق لم تلق اما ولاابا علیه ولا تلقی علیه اخالكا

فان كنت لم تفعل فلست بآسف ولا قائل اما عثرت لعالكا

سقاك بها المامون كاسا روية فانهلك المامون منها وعلكا

"ارے! میری طرف سے بجیر کو یہ پیغام پہنچا دو کہ تیرے لیے ہلاکت ہو جو کچھ تو نے کہا ہے اس میں تیرا کیا کردار ہے۔ ہمیں وضاحت سے بیان کرو کہ اگر تم ہمارا مذہب اپنانے والے نہیں تو پھر اس کے علاوہ کس چیز نے تمہاری راہ نمائی کی۔ ایسے طریقہ پر جس پر نہ تو نے اپنی ماں کو پایا ہے نہ ہی اپنے باپ کو پایا ہے۔ نہ ہی کبھی اپنے بھائی کو پائے گا اگر تو یوں نہیں کرنا چاہتا تو مجھے کوئی افسوس نہیں ہے اور اگر تو ٹھوکر کھائے تو میں تجھے اس طرح نہیں کہوں گا کہ رب تعالیٰ تیری لغزش معاف کرے۔ مامون (محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے تجھے خوب لبریز پیالہ پلایا ہے اور انہوں نے اس کے ذریعے تجھے بار بار سیراب کیا ہے"۔

زمانۂ جاہلیت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو امین اور مامون جیسے ناموں سے پکارا جاتا تھا۔ پھر کعب نے یہ اشعار اپنے بھائی کی طرف بھیج دیے۔ جب حضرت بجیر رضی اللہ عنہ تک یہ اشعار پہنچے تو انہوں نے انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چھپانا مناسب نہ سمجھا اور آپ کو ان کے بارے بتا دیا۔ جب آپ نے کعب کا یہ مصرعہ سنا "سقاك بها المامون" تو فرمایا "اس نے سچ کہا ہے اگرچہ وہ جھوٹا ہے۔ میں مامون ہوں"۔ جب آپ نے یہ مصرعہ سماعت فرمایا "علی خلق لم تلف اما ولا ابا علیه" تو فرمایا "ہاں!

اس پر اس کی ماں اور باپ کو نہیں پایا گیا'' پھر فرمایا ''تم میں سے جو کعب بن زہیر کو ملے تو اسے قتل کر دے'' اس کے بھائی حضرت بجیر بن زہیر رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف لکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان لوگوں کو قتل کر دیتے ہیں جو آپ کی ہجو بیان کرتے ہیں یا آپ کو اذیت دیتے ہیں۔ اگر جان کی ضرورت ہے تو جلدی جلدی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ۔ جو تائب ہو کر آپ کی خدمت میں آئے آپ اسے قتل نہیں کرتے۔ اگر یوں نہیں کر سکتے تو ایسی جگہ چلے جاؤ جو تمہیں نجات دے دے'' انہوں نے یہ اشعار بھی لکھے:

فمن مبلغ کعبا فھل لك فی التی	تلوم علیھا باطلا وھی احزم
الی اللہ لا العزیٰ ولا للات وحدہ	فتنجوا اذا کان النجاء وتسلم
لدی یوم لا ینجو ولیس بمفلت	من الناس الا طاھر القلب مسلم
فدین زھیر وھو لاشی دینہ	ودین ابی سلمی علی محرم

''کیا کوئی ایسا شخص ہے جو کعب کو جا کر یہ پیغام دے کہ کیا اس میں کوئی غلط بات ہے جس میں تو ملامت کر رہا ہے۔ حالانکہ یہ راستہ زیادہ محتاط ہے۔ اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کی طرف۔ نہ کہ عزیٰ اور لات کی طرف، اگر نجات کے متلاشی ہو تو نجات اور سلامتی اسی راستے سے ملے گی۔ اس روز لوگوں میں سے نجات پانے والا اور بچ نکلنے والا صرف وہی ہوگا جو پاکیزہ اور مسلمان ہوگا۔ زہیر کے دین میں دین جیسی کوئی بات نہیں اور ابو سلمی کا دین مجھ پر حرام ہے''۔

جب یہ اشعار کعب تک پہنچے اور اسے علم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس کا خون مباح قرار دیا ہے تو زمین اس پر تنگ ہو گئی۔ اسے اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ اس کے پاس بیٹھے ہوئے لوگوں نے اسے ڈرایا کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں نہ جائے۔ ورنہ اسے قتل کر دیا جائے گا۔ مگر اسلام کے علاوہ اسے کوئی پناہ گاہ اور ٹھکانہ نظر نہ آیا۔ وہ عازم سفر ہوا۔ حتیٰ کہ مدینہ طیبہ پہنچ گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ سے واپس تشریف لے جا چکے تھے۔ وہ بنو جہینہ کے ایک شخص کے پاس ٹھہرا۔ اس کے اور اس کے مابین دوستی تھی۔ وقت صبح وہ اسے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں لے گیا۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اشارہ کر کے کہا ''یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اٹھو اور آپ کے پاس جا کر پناہ طلب کرو'' وہ آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بیٹھ گیا۔ اپنا ہاتھ آپ کے دست ہدایت بخش پر رکھ دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعب کو نہیں جانتے تھے۔ اس نے عرض کی ''یارسول اللہ! کعب توبہ کرتا ہے اور آپ سے پناہ مانگتا ہوا آپ کی بارگاہ میں آ رہا ہے۔ اگر میں اسے یہاں لے آؤں تو کیا آپ اسے معاف فرما دیں گے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''ہاں'' اس نے عرض کی ''یارسول اللہ! میں کعب بن زہیر ہی ہوں''۔ پھر اس نے حق کی گواہی دی ''اشھد ان لا الہ الا اللہ وان محمد رسول اللہ'' پھر وہ معروف قصیدہ پیش کیا جس کی ابتداء ''بانت سعاد فقلبی الیوم متبول'' حتیٰ کہ انہوں نے یہ اشعار پڑھے:

تمشی الوشاۃ بجنبیھا وقولھم	انك یا ابن ابی سلمیٰ لمقتول
وقال کل صدیق کنت املہ	لا الھینك انی عنك مشغول

فقلت خلوا سبیلی لاابا لکم فکل ماقدر الرحمن مفعول

کل ابن انثی وان طالت سلامته یوما علی آلة حدباء محمول

أنبئت ان رسول الله اوعدنی والعفو عند رسول الله ما مول

مهلا هداك الذی اعطاك نافلة القرآن فیه مواعیظ وتفصیل

لا تاخذ نی باقوال الوشاة ولم اذنب وان کثرت فی الاقاویل

ان الرسول لنور یستضاء به مهند من سیوف الله مسلول

''چغل خور ہر طرف چغل خوری کرتے ہوئے جا رہے ہیں۔ انہوں نے کہا: ابن ابی سلمی! تجھے قتل کر دیا جائے گا۔ ہر وہ دوست جس کے ساتھ میں امید لگائے ہوئے تھا۔ اس نے کہا ''میں تجھے فریب نہیں دینا چاہتا، میں تیری کوئی مدد نہیں کر سکتا''۔ میں نے کہا: تمہارا رب نہ رہے۔ میرا راستہ چھوڑ دو۔ جو کچھ رب رحمان نے مقدر میں لکھ دیا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔ ہر ماں کا فرزند خواہ اس کی عمر کتنی ہی طویل ہو جائے اسے ایک نہ ایک دن چارپائی پر ضرور اٹھایا جائے گا۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے مجھے دھمکی دی ہے حالانکہ بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں معافی کی زیادہ امید لگائی جاتی ہے۔ ذرا ٹھہریں! آپ کو اس ذات نے ہدایت دی ہے جس نے آپ کو قرآن مجید عطا فرمایا جس میں نصیحتیں اور احکام کی تفصیل ہے۔ آپ چغل خوروں کی وجہ سے میری گرفت نہ فرمائیں۔ میں نے گناہ نہیں کیا، اگرچہ میرے متعلق بہت سی باتیں کی گئی ہیں۔ بے شک رسول کریم ﷺ ایسا نور ہیں جس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے اور اللہ کی تلواروں میں سے ایسی تلوار ہیں جو کفر کے خلاف سونتی گئی ہے''۔

حضرت کعب ابن الانباری نے لکھا ہے کہ جب حضرت کعب رضی اللہ عنہ اس شعر تک پہنچے:

ان رسول الله لنور یستضاء به مهند منه سیوف الله مسلول

تو حضور اکرم ﷺ نے اپنی وہ چادر مبارک ان کی طرف پھینک دی جو آپ کے اوپر تھی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد حکومت میں اس ردائے مبارک کو دس ہزار دراہم میں خریدنے کی کوشش کی تو حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے کہا ''میں وہ مبارک چادر کسی قیمت پر بھی نہیں دوں گا جو مجھے رسول کریم ﷺ نے عطا فرمائی ہے'' جب حضرت کعب رضی اللہ عنہ کا وصال ہو گیا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے ورثاء سے وہ چادر بیس ہزار دراہم سے خرید لی۔ آج تک (حضرت منصف رحمۃ اللہ علیہ کے عہد تک) یہ چادر سلاطین کے پاس ہے۔ خلفاء اسے عید کے موقع پر اوڑھتے ہیں۔ دوسری روایت کے مطابق یہ فتنہ تاتار میں کہیں گم ہو گئی تھی۔

ابن اسحاق نے روایت کیا ہے کہ جب حضرت کعب رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ایک انصاری شخص ان پر جھپٹا۔ اس نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم مجھے اجازت دیں کہ میں اللہ تعالیٰ کے اس دشمن کی گردن اڑا دوں'' آپ ﷺ نے فرمایا ''اسے چھوڑ دو۔ یہ توبہ کرتے ہوئے اور اسلام کی طرف میلان رکھتے ہوئے اور اسلام کی

طرف اشتیاق رکھتے ہوئے آیا ہے۔ یہ شرک کو ترک کرتے ہوئے آیا ہے" حضرت کعب رضی اللہ عنہ انصار کے اس قبیلہ سے ناراض ہو گئے۔ انہوں نے اپنے قصیدہ میں صرف مہاجرین کی تعریف کی، کیونکہ انہوں نے صرف انہیں ہی بھلائی سے یاد کیا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت کعب سے پوچھا "تم نے انصار کا ذکر بھلائی کے ساتھ کیوں نہ کیا۔ حالانکہ وہ اس کے مستحق ہیں" پھر انہوں نے انصار کی ستائش میں یہ اشعار کہے:

من سره كرم الحياة فلايزل فى مقنب من صالحى الانصار

ورثوا المكارم كابرا عن كابر ان الخيارهم بنو الاخيار

والناظرون باعين محمرة كالجمر غير كليلة الابصار

والبائعون نفوسهم للموت يوم تعانق وكرار

يتطهرون يرونه نسكالهم بدماء من علقوا من الكفار

"جسے زندگی کا کرم خوش کرتا ہو تو وہ انصار کی صالح اور پاکباز جماعت میں زندگی بسر کرے۔ یہ نسل در نسل مکارم اخلاق کے وارث آرہے ہیں۔ بہترین لوگ بہترین لوگوں کی اولاد ہی ہوتے ہیں۔ وہ سرخ آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ گویا کہ وہ آگ کے انگارے ہیں اور ان کی آنکھیں تھکی ماندی نہیں ہوتیں۔ یہ اپنے نفوس کو موت کے عوض فروخت کرنے والے ہیں۔ اس روز جب لشکروں کے ملنے کا دن ہو اور بار بار حملے کا دن ہو۔ یہ پاکیزگی کا خیال کرتے ہیں۔ اپنی عبادت ادا کرتے ہیں ان کے خونوں سے جو کفار میں سے لٹکے ہوئے ہیں"۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ نغز گو اور قادر الکلام شاعر تھے۔ ان کا باپ زہیر اور بھائی حضرت بجیر رضی اللہ عنہ بھی عمدہ شاعر تھے۔ ان کے فرزند عقبہ بن کعب اور پوتے عوام بن عقبہ بھی اچھے شاعر تھے۔ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت کعب رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ پہنچے تو انہوں نے صحابہ کرام میں سے سب سے نرم دل شخص کے متعلق پوچھا انہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق بتایا گیا۔ انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنی داستان سنائی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آگے آگے چلنے لگے۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ ان کے پیچھے تھے حتیٰ کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے حاضر ہو گئے۔ عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ایک شخص آپ کی بیعت کرنا چاہتا ہے"۔ آپ نے دست اقدس آگے بڑھایا اور انہیں بیعت کر لیا۔

علامہ زرقانی نے لکھا ہے "دونوں روایات کو جمع کرنا ممکن ہے کیونکہ امکان ہے کہ جب حضرت کعب رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ پہنچے ہوں تو جہنی کے ہاں ٹھہرے ہوں۔ اس نے بتایا ہو کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سارے صحابہ کرام سے رقیق القلب ہیں۔ وہ ان کے پاس گئے ہوں۔ یہ دونوں بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہو گئے ہوں۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آگے بڑھے ہوں۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ ان کے پیچھے ہوں۔ جب حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو امان کا یقین ہو گیا ہو تو انہوں نے اپنا تعارف کرایا ہو۔

حرث بن ہشام مخزومی

یہ ابوجہل کا سگا بھائی تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کا شدید دشمن تھا۔ زہیر بن امیہ مخزومی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا

بھائی بھی اسی طرح تھا۔ یہ بھی کفر میں شدید تھا۔ فتح مکہ کے روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا خون مباح قرار دیا تھا۔ یہ دونوں بھاگ کر حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر چھپ گئے۔ انہوں نے انہیں پناہ دے دی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی پناہ قبول فرمائی۔ پھر حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نے ان دونوں کو بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پیش کر دیا۔ ان دونوں نے اسلام قبول کر لیا اور اپنے اسلام کو عمدہ کیا۔ صحیح روایت کے مطابق حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نے حضرت حرث بن ہشام رضی اللہ عنہ کے ہمراہ حضرت زہیر بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ کو پناہ دی تھی۔ دوسری روایت میں عبداللہ بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے۔ ایک اور روایت میں ہبیرہ بن ابی وہب کا ذکر ہے۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں "یہ قول صحیح نہیں، کیونکہ ہبیرہ فتح مکہ کے روز نجران کی طرف بھاگ گیا تھا اور وہیں حالت کفر میں مرا"۔ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے خاوند کا نام ہبیرہ بن ابی وہب المخزومی تھا۔

امام احمد وغیرہ نے حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "فتح مکہ کے روز بنو مخزوم میں سے دو افراد بھاگ کر میری طرف آئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ میرے پاس تشریف لائے۔ انہوں نے فرمایا "اللہ کی قسم! میں دونوں کو قتل کر دوں گا"، مگر میں نے دروازہ بند کر دیا۔ پھر میں بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوگئی۔ جب آپ نے مجھے دیکھا تو فرمایا "مرحبا! خوش آمدید! ام ہانی (رضی اللہ عنہا) کونسی چیز تمہیں یہاں لے آئی ہے؟ مشہور یہی ہے کہ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نے فتح مکہ کے روز اسلام قبول کیا تھا۔ دوسرے قول کے مطابق انہوں نے بہت پہلے اسلام قبول کر لیا تھا۔ وہ اپنا اسلام مخفی رکھے ہوئے تھیں۔

حضرت حرث بن ہشام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا "جب مجھے حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نے پناہ دے دی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی پناہ قبول کر لی تو اس کے بعد کوئی مسلمان مجھ سے تعرض نہیں کرتا تھا۔ مجھے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ڈر لگتا تھا۔ وہ میرے پاس سے گزرے۔ میں ایک جگہ بیٹھا ہوا تھا۔ مگر انہوں نے بھی مجھے کچھ نہ کہا۔ میں نے ہر موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عداوت کی تھی۔ اب مجھے شرم آ رہی تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے دیکھیں۔ آپ مسجد حرام میں داخل ہو رہے تھے تو میں نے آپ سے ملاقات کا شرف حاصل کر لیا۔ آپ خندہ پیشانی سے مجھے ملے۔ آپ ٹھہر گئے حتیٰ کہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ میں نے آپ کو سلام عرض کیا اور حق کی گواہی دی۔ آپ نے فرمایا "ساری تعریفیں رب تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے تمہیں ہدایت سے نوازا۔ تم جیسا انسان اسلام سے دور نہیں رہ سکتا تھا"۔ پھر ان کا شمار فضلاء صحابہ کرام میں ہونے لگا۔ اسی طرح ان کے فرزند عبدالرحمٰن بن حرث فضلاء تابعین میں سے تھے۔ اسی طرح ان کے فرزند ابوبکر بن عبدالرحمن اور ان کے بیٹے عبدالملک بن ابی بکر بن عبدالرحمان بن حرث بھی عالم اور عابد تھے۔

سارہ

یہ بنو مطلب کی لونڈی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا خون بھی مباح قرار دیا تھا کیونکہ یہ مکہ مکرمہ کی مغنیہ تھی۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق ہجویہ اشعار پڑھتی تھی۔ یہ ہی حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا خط لے کر آئی تھی۔ یہ مدینہ طیبہ گئی۔ اپنی ضرورت بیان کی اور صلہ رحمی کا واسطہ دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "کیا تمہیں گانے سے اتنا کچھ نہیں ملتا جو تمہارے لیے کافی ہو جاتا"، اس نے عرض کی "جب سے قریش نے غزوۂ بدر میں شکست کھائی ہے انہوں نے گانا سننا چھوڑ دیا ہے"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے ساتھ صلہ رحمی کی۔ اسے ایک اونٹ غلہ دیا۔ یہ مکہ مکرمہ لوٹ آئی۔ ابن خطل اسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق ہجو یہ اشعار لکھ دیتا۔ یہ انہیں گاتی تھی۔ فتح مکہ کے روز یہ چھپ گئی۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے لیے پناہ طلب کی گئی۔ یہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئی اور اسلام قبول کر لیا۔ اپنا اسلام بہت عمدہ کیا۔

صفوان بن امیہ

صفوان بن امیہ بن خلف جمعی بھی عداوت اور اذیت کے اعتبار سے بہت سخت تھا۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کو سخت اذیتیں دیتا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا خون بھی مباح قرار دیا۔ یہ چھپ گیا اور خود کو سمندر میں پھینکنے کے لیے چلا گیا۔ حضرت عمیر بن وہب جمعی رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم صفوان اپنی قوم کا سردار ہے۔ وہ خود کو سمندر میں پھینکنے کے لیے چلا گیا ہے۔ آپ نے ہر سرخ اور سیاہ کو پناہ دے دی ہے۔ اسے بھی پناہ دے دیں'' آپ نے فرمایا ''اپنے چچازاد کو جالو۔ اسے امان حاصل ہے'' انہوں نے عرض کی ''مجھے ایسی علامت عطا کریں جس سے وہ آپ کی امان کو جان لے۔ میں نے اسے واپس آنے کے لیے کہا تھا۔ اس نے کہا تھا ''میں تمہارے ساتھ واپس نہیں جاؤں گا، حتیٰ کہ تم کوئی ایسی علامت لے کر آؤ جس سے مجھے پناہ کا علم ہو جائے'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اپنا عمامہ مبارک عطا فرمایا۔ حضرت عمیر رضی اللہ عنہ اسے لے کر صفوان کے پاس گئے۔ وہ سمندر میں چھلانگ لگانا ہی چاہتا تھا۔ صفوان نے کہا ''مجھ سے دور ہو جاؤ، بات تک نہ کرو'' انہوں نے کہا ''صفوان! میرے والدین تم پر فدا! میں اس ہستی والا کے پاس سے آ رہا ہوں جو تمام لوگوں سے افضل، پاکباز، حلیم اور بہترین ہیں۔ وہ تمہارے چچازاد ہیں۔ ان کی عزت تمہاری عزت، ان کا شرف تمہارا شرف اور ان کا ملک تمہارا ملک ہے'' صفوان نے کہا ''مجھے اپنے متعلق خطرہ ہے'' حضرت عمیر رضی اللہ عنہ نے کہا ''وہ اس سے بڑھ کر حلیم اور کریم ہیں'' انہوں نے صفوان کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مبارک عمامہ دکھایا۔ اسے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ صفوان نے عرض کی ''عمیر کا گمان ہے کہ آپ نے مجھے پناہ دی ہے'' آپ نے فرمایا ''اس نے سچ کہا ہے'' صفوان نے کہا ''آپ مجھے دو ماہ کی مہلت دیں'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''تجھے چار ماہ کی مہلت ہے'' جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو ہوازن کی طرف جانے کا ارادہ کیا تو آپ نے اس سے چالیس ہزار درہم قرض لیے اور اس سے زرہیں مانگیں'' اس نے کہا ''محمد عربی! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیا یہ غصب ہے؟ آپ نے فرمایا ''نہیں! ادھار ہیں۔ انہیں واپس لوٹایا جائے گا'' پھر بنو ہوازن کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نکلا۔ یہ ابھی تک اپنے شرک پر ہی تھا۔ جب حنین کے مقام پر مال غنیمت تقسیم کیا گیا تو اسے ایک سو، پھر ایک سو، پھر ایک سو اونٹ عطا فرمائے۔ پھر ایک وادی دیکھی جو جانوروں اور مویشیوں سے بھری ہوئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے فرمایا ''کیا یہ جانور تجھے تعجب میں ڈال رہے ہیں؟ اس نے عرض کی ''ہاں!'' آپ نے فرمایا ''یہ سب کچھ تمہارے لیے ہے''۔

دوسری روایت میں ہے کہ صفوان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھا تاکہ آپ مال غنیمت کو ملاحظہ کریں۔ آپ ایک گھاٹی میں سے گزرے جو اونٹوں اور بکریوں سے بھری ہوئی تھی۔ اس نے صفوان کو متعجب کیا۔ وہ اس گھاٹی کی ایک طرف دیکھنے

لگا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا ''ابووہب! کیا اس گھاٹی نے تمہیں تعجب میں ڈالا ہے'' صفوان نے عرض کی ''ہاں'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''یہ سب کچھ تمہارے لیے ہے'' صفوان نے ان سب پر قبضہ کر لیا۔ اس نے کہا ''بادشاہ اتنی سخاوت اس طرح فراخ دلی سے نہیں کرتے۔ ایک نبی ہی اس طرح کی سخاوت کے دریا بہا سکتا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں''۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور اپنا اسلام عمدہ کیا۔ انہوں نے کہا ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے ساری مخلوق سے زیادہ مبغوض تھے۔ آپ مجھے مال عطا کرتے رہے حتیٰ کہ آپ مجھے ساری مخلوق سے محبوب ہو گئے''۔

ہند بنت عتبہ

یہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی زوجہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا خون بھی مباح قرار دیا تھا کیونکہ انہوں نے غزوۂ احد کے روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیارے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا مثلہ کیا تھا۔ قلب انور نگلنے کی کوشش کی تھی۔ مگر اس پر قادر نہ ہو سکی تو اسے پھینک دیا۔ جب فتح مکہ کے روز اسلامی فوج دیکھی تو حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے گھر میں چھپ گئی۔ پھر اسلام قبول کر لیا اور الابطح میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئی۔ اس نے عرض کیا ''تمام تعریفیں اللہ رب العزت کے لیے ہیں جس نے اس دین کو غالب کیا جو اس نے اپنے لیے پسند کیا۔ تاکہ اے محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کی رحمت میں سے مجھے بھی حصہ ملے۔ میں وہ عورت ہوں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئی ہے اور اس کی تصدیق کرتی ہے'' پھر کہا ''میں ہند بنت عتبہ ہوں'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں خوش آمدید کہا، پھر حضرت ہند نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے دو بھونے ہوئے مینڈھے بھیجے۔ لونڈی نے عرض کی ''ہند آپ سے معذرت کرتی ہیں اور عرض کرتی ہیں کہ آج ہماری بکریاں قلیل ہیں'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ تمہاری بکریوں میں برکت ڈالے'' حضرت ہند رضی اللہ عنہا نے فرمایا ''ہم نے بکریوں کی اتنی کثیر تعداد دیکھی جو پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ یہ آپ کی دعا کی برکت تھی'' انہوں نے کہا ''میں نے خواب میں دیکھا کہ میں دھوپ میں کھڑی ہوں۔ سایہ پاس ہی ہے، مگر میں سایہ میں جانے پر قادر نہیں جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریب آئے تو میں نے دیکھا کہ گویا کہ میں سایہ میں داخل ہو گئی ہوں۔ یہ اسلام کی دولت کو سمیٹنا تھا'' روایت ہے کہ جب انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو اس بت کے پاس گئیں جو ان کے گھر میں تھا۔ اسے کلہاڑے سے ریزہ ریزہ کر دیا اور کہا ''ہم نے تجھ سے بہت دھوکہ کھایا ہے''۔

امام بخاری اور امام مسلم نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ حضرت ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم روئے زمین کا کوئی خیمہ مجھے آپ کے خیمہ سے مبغوض نہ تھا۔ مگر آج یہ حالت ہے کہ روئے زمین کا کوئی خیمہ مجھے آپ کے خیمہ سے بڑھ کر محبوب نہیں ہے'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''مجھے اس ذات کی قسم! جس کے دست تصرف میں میری جان ہے ابھی اس میں اضافہ ہوگا۔ ابھی تمہارے دل میں ایمان متمکن ہوگا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کو تقویت ملے گی۔ اور میرے بغض سے مزید واپس لوٹو گی'' انہوں نے عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ابوسفیان رضی اللہ عنہ کنجوس شخص ہیں۔ کیا میں ان کے مال میں سے اپنی اولاد کو کھلا سکتی ہوں'' آپ نے فرمایا ''بھلائی کے

ساتھ''۔ حضرت ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا نے اپنے خاوند کے بعد اسلام قبول کیا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے انہیں پہلے نکاح پر برقرار رکھا کیونکہ دونوں نے عدت میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ بلکہ کہا گیا ہے کہ ان دونوں کے اسلام لانے میں صرف ایک رات کا فرق تھا۔ حضرت ہند رضی اللہ عنہا ایک دانا اور عقلمند خاتون تھیں۔

روایت ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مردوں کی بیعت سے فارغ ہوئے تو خواتین کو بیعت کرنے لگے۔ ان میں حضرت ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خوف کی وجہ سے نقاب میں تھیں۔ جب خواتین آپ کے قریب ہوئیں۔ آپ نے ان سے فرمایا ''اس شرط پر میری بیعت کرو کہ تم رب تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراؤ گی، نہ چوری کرو گی، نہ بدکاری کرو گی، نہ اپنی اولاد کو قتل کرو گی، نہ ایسا بہتان لگاؤ گی جو تم نے اپنے سامنے گھڑا ہوگا۔ اور بھلائی میں میری نافرمانی نہیں کرو گی'' جب آپ نے فرمایا ''تم چوری نہیں کرو گی'' تو حضرت ہند رضی اللہ عنہا نے عرض کی ''میں ابوسفیان کے مال میں سے تھوڑا تھوڑا لے لیتی تھی۔ میں نہیں جانتی تھی کہ وہ میرے لیے حلال تھا یا نہیں۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ بھی پاس ہی کھڑے تھے۔ انہوں نے کہا ''جو مال تم نے لیا ہے میں وہ تمہیں معاف کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کرے'' یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبسم کناں ہوئے۔ آپ نے حضرت ہند رضی اللہ عنہا کو پہچان لیا۔ فرمایا ''کیا تم ہند بنت عتبہ ہو؟ انہوں نے عرض کی ''ہاں! اے اللہ تعالیٰ کے رسول مکرم! گزشتہ خطائیں معاف کر دیں'' جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''تم بدکاری نہیں کرو گی'' حضرت ہند رضی اللہ عنہا نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم کیا آزاد عورت بھی بدکاری کرتی ہے؟ جب آپ نے فرمایا ''تم اپنی اولاد کو قتل نہیں کرو گی'' حضرت ہند رضی اللہ عنہا نے عرض کی ''ہم نے بچپن میں انہیں پالا۔ جب وہ بڑے ہوئے تو آپ نے انہیں قتل کر دیا'' دوسری روایت میں ہے انہوں نے عرض کی ''آپ نے ہماری کون سی اولاد چھوڑی ہے۔ سب کو میدان بدر میں تہ تیغ کر دیا ہے'' یہ سن کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے قہقہہ لگایا حتیٰ کہ زمین پر لوٹ پوٹ ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی تبسم فرمایا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''تم ایسا بہتان نہیں لگاؤ گی جو تم نے اپنے سامنے گھڑا ہوگا'' حضرت ہند رضی اللہ عنہا نے کہا ''بہتان لگانا واقعی قبیح فعل ہے۔ آپ نے ہمیں مکارم اخلاق اور بھلائی کا حکم دیا ہے'' جب آپ نے فرمایا ''تم بھلائی میں میری نافرمانی نہیں کرو گی تو ہند رضی اللہ عنہا نے کہا ''ہم بھی اس مجلس میں صرف اس لیے حاضر ہوئیں ہیں کہ بھلائی میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گے''۔

حضرت ہند رضی اللہ عنہا نے اپنے خاوند ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ہمراہ جنگ یرموک میں شرکت کی۔ یہ مسلمانوں کو جرأت دلاتی تھیں، دیگر خواتین کے ہمراہ انہیں جنگ پر ابھارتی تھیں۔ انہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اس روز انتقال کیا جس دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد گرامی حضرت ابو قحافہ رضی اللہ عنہ نے وصال فرمایا تھا۔ ان کے فرزندان حضرت معاویہ اور حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے بھی اسلام قبول کیا تھا۔ دوسرے قول کے مطابق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے صلح حدیبیہ کے سال اسلام قبول کر لیا تھا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''جب صلح حدیبیہ رونما ہوئی تو اسلام میرے دل میں جاگزیں ہو گیا۔ میں نے اس کا تذکرہ اپنی امی سے کیا۔ انہوں نے کہا ''اپنے والد کی مخالفت سے بچو، ورنہ وہ رزق تم سے روک دیں گے'' میں اسلام لے آیا۔ اپنا اسلام مخفی رکھا۔ ایک دن مجھے ابوسفیان نے کہا ''گویا کہ وہ

میرے اسلام سے آگاہ ہو چکے تھے" تمہارا بھائی تم سے بہتر ہے، وہ میرے دین پر ہے" فتح مکہ کے روز میں نے اپنے اسلام کا اظہار کر دیا۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے خوش آمدید کہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبرائیل امین سے میرے متعلق مشورہ کیا کہ میں وحی الٰہی لکھا کروں تو انہوں نے کہا" ان سے لکھوالیا کریں، وہ امین ہیں"۔

امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ کریب نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کی" حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایک رکعت وتر پڑھتے ہیں" انہوں نے فرمایا" انہیں چھوڑ دو، وہ فقیہ ہیں۔ انہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت کا شرف نصیب ہوا ہے"۔ روایت ہے کہ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں سواری پر اپنے پیچھے بٹھایا۔ فرمایا" تمہارے جسم کا کون سا حصہ مجھے چھو رہا ہے؟ انہوں نے عرض کی" پیٹ" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوں دعا گو ہوئے" مولا! اسے علم اور حلم سے بھر دے" حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے یہ دعا مانگی" مولا! اسے حساب و کتاب سکھا دے۔ اسے عذاب سے بچا۔ اسے شہروں میں تسلط عطا فرما" بعض صحابہ کرام سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنا۔ آپ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے یہ دعا مانگ رہے تھے" مولا! اسے ہادی اور مہدی بنا دے، اسے ہدایت عطا فرما اس کی راہ نمائی کر اور اسے عذاب میں مبتلا نہ کر" حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا" تم مجھ سے ہو، میں تم سے ہوں، تم جنت کے دروازہ میں میرے ساتھ اس طرح داخل ہو گے پھر آپ نے اپنی وسطیٰ انگلی مبارک اور اس کے ساتھ متصل انگشت مبارک سے اشارہ کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں فرمایا" جب تمہیں اقتدار نصیب ہو تو احسان کرنا"۔

دوسری روایت میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" جب تم میری امت کے کسی چیز کے والی بنو تو اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور عدل کرنا" ایک اور روایت میں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" معاویہ! تم عنقریب میری امت کے معاملہ کے والی بنو گے۔ اس امت کے ساتھ نرمی کرنا" بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک قمیص، ازار، ردائے پاک اور کچھ گیسوئے معنبر تھے۔ وقت وصال انہوں نے فرمایا" اس پاکیزہ قمیص میں مجھے کفن دینا۔ اس مبارک چادر میں مجھے لپیٹ دینا۔ یہ ازار مجھے پہنا دینا۔ میری ناک اور آنکھوں پر یہ گیسوئے معنبر رکھ دینا۔ پھر میرے اور ارحم الراحمین کے درمیان سے ہٹ جانا۔ جب ان کے وصال کا وقت آیا تو انہوں نے یہ دعا مانگی" مولا! اس شیخ عاصی پر رحم فرما نا جو بڑا سخت دل ہے۔ مولا! میری لغزشیں معاف فرما، میری خطائیں بخش دے۔ اس کے ساتھ حلم کا وعدہ فرما، جو تیرے علاوہ کسی کے ساتھ امید نہیں رکھتا، تیرے علاوہ کسی پر بھروسہ نہیں رکھتا" پھر وہ رونے لگے حتیٰ کہ ان کی آواز بلند ہو گئی۔ ان کی رنگت سفید تھی۔ یہ حلم کا مجسم تھے۔ ان کا وصال دمشق میں ہوا۔ ہجرت کا ساٹھواں سال تھا۔ عمر بیاسی سال تھی۔ دوسری روایت کے مطابق عمر 78 سال تھی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی طرف سے بیس سال تک شام کے گورنر رہے۔ 40ھ کو امت کے معاملات کے والی بنے اور چھ ماہ کم بیس سال اس منصب پر فائز رہے۔ ان کے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مابین اختلاف کے متعلق اہل سنت کا موقف یہ ہے کہ یہ ان حضرات کا اجتہاد تھا۔ ان میں سے کسی ایک پر اعتراض نہیں کیا جائے گا۔ حضور

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میرے صحابہ کرام، انصار اور سسرالی رشتہ داروں کے متعلق اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ جو انہیں برا بھلا کہے ان پر اللہ تعالیٰ، ملائکہ اور لوگوں کی لعنت ہو"۔

وحشی بن حرب

اس نے ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شیر دل چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا خون مباح قرار دیا تھا۔ جب مکہ فتح ہوا تو یہ طائف کی طرف بھاگ گیا۔ اس کی اپنی روایت ہے "میں طائف میں تھا۔ جب طائف کا وفد اسلام قبول کرنے کے لیے عازم سفر ہوا تو زمین مجھ پر تنگ ہوگئی۔ میں نے شام یا یمن یا کسی اور ملک میں جانے کا ارادہ کر لیا۔ میں اسی شش و پنج میں تھا کہ مجھے ایک شخص نے کہا "تمہارے لیے ہلاکت! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس شخص کو قتل نہیں کرتے جو آپ کے دین میں داخل ہو جائے" میں روانہ ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ آپ نے مجھے نہ دیکھا، میں آپ کے سر اقدس کے پاس کھڑا ہو گیا۔ حق کی گواہی دی۔ جب آپ نے مجھے دیکھا تو فرمایا "وحشی ہو؟" میں نے عرض کی "ہاں! یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم" آپ نے فرمایا "بیٹھ جاؤ اور مجھے بتاؤ کہ تم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو کیسے قتل کیا تھا۔ میں نے ساری غم انگیز داستان بیان کر دی۔ جب میں فارغ ہوا تو فرمایا "اپنا چہرہ مجھ سے پھیر لو"۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کندھا پھیر کر بیٹھا کرتا تھا تاکہ آپ مجھے نہ دیکھ سکیں۔ حتیٰ کہ آپ کا وصال ہو گیا"۔ پھر حضرت وحشی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اہل ردہ کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے نکلے۔ اسی نیزہ کے ساتھ مسیلمہ کذاب کو واصل جہنم کیا جس کے ساتھ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا۔ وہ کہا کرتے تھے "مجھے امید ہے کہ مسیلمہ کو قتل کرنا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کا کفارہ بن جائے گا"۔

عتبہ اور معتب

یہ دونوں ابولہب کے بیٹے تھے۔ یہ بھی فتح مکہ کے روز چھپ گئے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا "آپ کے دو بھتیجے کہاں ہیں؟ میں انہیں نہیں دیکھ رہا" حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی "وہ بھی دوسرے اہل قریش کی طرح چھپ گئے ہیں" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "انہیں میرے پاس لے کر آؤ" حضرت عباس رضی اللہ عنہ سوار ہو کر گئے اور ان دونوں کو بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے فوراً لبیک کہا۔ اس سے آپ کو بڑی مسرت ہوئی۔ آپ نے ان دونوں کے لیے دعا کی، پھر ان کے ہاتھ پکڑ کر انہیں ملتزم کے پاس لے آئے۔ ایک ساعت بھر ان کے لیے دعا مانگتے رہے۔ پھر واپس تشریف لائے تو مسرت و شادمانی کے اثرات روئے زیبا سے عیاں تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم فرحت و انبساط کے اثرات آپ کے روئے تاباں سے عیاں ہیں۔ کیا رب تعالیٰ نے آپ کو مسرور کر دیا ہے؟" آپ نے فرمایا "میں نے اپنے رب تعالیٰ سے اپنے ان دو چچازادوں کو مانگا تو رب تعالیٰ نے مجھے عطا فرما دیئے" ان دونوں نے آپ کے ہمراہ غزوۂ حنین اور طائف میں شرکت کی۔ حنین کے روز یہ دونوں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ رہے۔ حضرت معتب رضی اللہ عنہ کی آنکھ بھی ضائع ہو گئی۔

سہیل بن عمرو

اس کے فرزند حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ اپنے باپ کے لیے امان حاصل کریں۔" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ کی امان کے ساتھ اسے پناہ حاصل ہے"۔ پھر آپ نے اپنے اردگرد موجود صحابہ کرام سے فرمایا "جو سہیل بن عمرو سے ملے اسے تیز نظروں سے نہ دیکھے، مجھے اپنی حیات طیبہ کی قسم! سہیل دانا اور عقلمند انسان ہے۔ سہیل جیسا زیرک انسان اسلام سے دور نہیں رہ سکتا"۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سہیل کے پاس گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان سنایا۔ سہیل نے کہا "بخدا! آپ چھوٹی عمر میں بھی پاکباز اور بڑی عمر میں بھی پاکباز ہیں"۔ پھر سہیل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ حنین کی طرف نکلا۔ وہ ابھی تک اپنے شرک پر ہی تھا۔ پھر جعرانہ کے مقام پر اسلام قبول کر لیا۔ ان کا شمار بھی فضلاء صحابہ کرام میں ہوتا ہے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کی خبر اہل مکہ کو پہنچی تو ان ہی کی وجہ سے رب تعالیٰ نے اہل مکہ کو ثابت قدم فرمایا۔ قریب تھا کہ وہ مرتد ہو جاتے۔ انہوں نے مکہ مکرمہ میں اسی طرح کا خطبہ دیا تھا جس طرح مدینہ طیبہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا تھا۔ انہوں نے اپنے اس خطبہ میں فرمایا "جو محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادت کرتا تھا اسے جان لینا چاہیے کہ آپ کا وصال ہو چکا ہے۔ جو رب تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے تو وہ ذات زندہ ہے اسے موت نہیں۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (آل عمران: 144)

"اور نہیں محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مگر (اللہ کے) رسول گزر چکے ہیں آپ سے پہلے کئی رسول"۔

جنگ یرموک میں ان کے سر اقدس پر شہادت کا تاج سجایا گیا۔ دوسری روایت کے مطابق انہوں نے طاعون عمواس میں شام میں وصال فرمایا۔

حرم شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اندازِ دخول

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیر کے روز مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کے مابین تھے۔ اپنی ناقہ مبارکہ پر عاجزی وانکساری کی وجہ سے سر جھکائے ہوئے تھے۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک لبوں پر سورۃ الفتح کی تلاوت رواں تھی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتح مکہ کے روز مکہ معظمہ میں داخل ہوئے تو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت میں مصروف تھے۔ مگر آپ کا سر اقدس تواضع وعاجزی سے جھکا ہوا تھا۔ قریب تھا کہ وہ کجاوے کو چھو لیتا۔ کیونکہ مکہ معظمہ فتح ہو گیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لگاتار سورۃ الفتح کی تلاوت کر رہے تھے حتیٰ کہ بیت اللہ آ گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا طواف کیا۔

علامہ زرقانی نے لکھا ہے "آپ اپنے خیمہ میں کچھ دیر تشریف فرما رہے، پھر غسل کیا۔ ہتھیار اور خود پہنا۔ قصوا کو منگوایا۔ اسے خیمہ کے دروازہ کے پاس کھڑا کر دیا گیا۔ صحابہ کرام خیمہ کے اردگرد پروانہ وار نثار ہو رہے تھے۔ آپ اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ ساتھ تھے۔ وہ شرف گفتگو حاصل کر رہے تھے۔ آپ بطحاء سے ابو احیحہ کی

بچیوں کے پاس سے گزرے۔ انہوں نے اپنے بال کھول رکھے تھے اور گھوڑوں کو اپنے دوپٹوں سے واپس لوٹا رہی تھیں۔ آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھا اور تبسم فرمایا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا یہ مصرعہ پڑھا "یلطمھن بالخمر النساء" حتیٰ کہ آپ کعبہ مشرفہ تک پہنچ گئے۔ صحابہ کرام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ساتھ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ڈھال سے رکن کو استلام کیا۔ پھر تکبیر کہی۔ مسلمانوں نے بھی تکبیر کہی، وہ لگا تار اللہ اکبر کے نعرے لگاتے رہے حتیٰ کہ مکہ مکرمہ تکبیروں سے گونج اٹھا۔ آپ نے اشارہ فرما کر انہیں خاموش ہو جانے کا حکم دیا۔ مشرکین پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ آپ نے بیت اللہ کا طواف کیا۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ آپ کی اونٹنی مبارک کی زمام پکڑے ہوئے تھے۔ آپ نے سات چکر مکمل کیے، ہر بار اپنی ڈھال کے ساتھ حجر اسود کو استلام کیا۔ سوموار کا دن تھا۔ رمضان المبارک کے دس دن باقی تھے۔ آپ نے احرام نہیں باندھا ہوا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو خانہ کعبہ میں تین سو ساٹھ بت نصب تھے۔ عرب کے ہر قبیلہ کا ایک بت تھا۔ انہوں نے انہیں قدموں کی طرف سے سیسہ کے ساتھ چپکا رکھا تھا۔ آپ تشریف لائے تو آپ کے ہاتھ میں چھڑی تھی۔ آپ اس کے ساتھ ہر بت کی طرف اشارہ کرنے لگے۔ جس بت کی طرف اشارہ کرتے وہ منہ کے بل گر پڑتا یا گدی کے بل گر جاتا۔ دوسری روایت کے مطابق جس بت کے منہ کی طرف اشارہ کرتے وہ گدی کے بل اور جس کی گدی کی طرف اشارہ کرتے وہ منہ کے بل نیچے گر پڑتا۔ آپ نے کسی بت کو اپنا دست اقدس نہیں لگایا۔ آپ اس آیت طیبہ کی تلاوت کر رہے تھے:

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ﴿٨١﴾ (بنی اسرائیل)

اور آپ (اعلان) فرما دیجئے آ گیا ہے حق اور مٹ گیا ہے باطل۔ بے شک باطل تھا ہی مٹنے والا

دوسری روایت کے مطابق آپ طواف کرتے کرتے اس بت کے پاس آئے جو بیت اللہ کے دروازہ کے ایک طرف تھا جسے ہبل کہا جاتا تھا۔ یہ سب سے بڑا بت تھا۔ آپ کے ہاتھ میں کمان تھی۔ آپ نے وہ قوس اس کی آنکھ پر ماری اور فرمایا "حق آ گیا ہے" پھر اسے توڑنے کا حکم دیا تو اسے توڑ دیا گیا۔ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوسفیان سے کہا "ہبل کو توڑ دیا گیا ہے" غزوہ احد کے روز تمہارا گمان تھا کہ اس نے تمہاری مدد کی ہے" حضرت ابوسفیان نے کہا "ابن عوام! یہ باتیں چھوڑ دیں اگر محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خدا کے علاوہ کوئی اور معبود ہوتا تو نتیجہ اس کے برعکس ہوتا"۔

حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا "یہ وہ دن ہے جس کا میرے رب نے میرے ساتھ وعدہ کیا تھا" پھر آپ نے "إِذَا جَآءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ" تلاوت فرمائی۔ قصیدہ ہمزیہ کے مصنف نے ان اشعار میں اسی طرف اشارہ کیا ہے:

واستجابت له بنصر وفتح	بعد ذالك الخضراء والغبراء
توالت للمصطفى الآية الكبرىٰ	عليهم والغارة الشعواء
فاذا ماتلا كتابا من الله	تلته كتيبته الخضراء

''نصرت اور فتح کے ساتھ آپ کی دعا مقبول ہوگئی، اس کے بعد خوشحالی اور شادابی بھی مقدر ٹھہری۔ان پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بہت بڑی نشانی پے در پے آئی اور پھیلے ہوئے گھوڑے بھی تھے۔جب بھی آپ کتاب زندہ میں سے کسی آیت کی تلاوت کرتے تو غرق آہن لشکر بھی اسے تلاوت کرتا''۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طواف سے فارغ ہوئے تو اپنی سواری سے نیچے اتر آئے۔ابن ابی شیبہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔انہوں نے فرمایا ''ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری کو بٹھانے کے لیے مسجد حرام میں جگہ نہ پائی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کے ہاتھوں پر اترے۔قصواء کو مسجد حرام سے باہر لے جایا گیا۔اسے وادی میں بٹھا دیا گیا۔پھر آپ مقام ابراہیم پر تشریف لائے، دو رکعتیں ادا کیں۔پھر زمزم کے پاس تشریف لے گئے۔آپ نے فرمایا ''اگر مجھے یہ خدشہ نہ ہوتا کہ لوگ بنو عبد المطلب پر غلبہ پالیں گے تو میں زمزم کے کنویں سے پانی کا ڈول نکالتا'' حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپ کے لیے ماء زمزم کا ایک ڈول نکالا۔آپ نے اس سے نوش فرمایا۔اس سے وضوء بھی فرمایا۔صحابہ کرام جلدی جلدی آپ کے وضوء کا پانی حاصل کرنے لگے۔اور اپنے چہروں پر ملنے لگے۔مشرک یہ سہانا منظر دیکھ رہے تھے۔وہ تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہہ رہے تھے ''ہم نے آج تک اتنا بڑا بادشاہ نہیں دیکھا، نہ ہی سنا ہے''۔پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد حرام کے ایک کونے میں جلوہ افروز ہو گئے۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے سر پر تلوار سونتے کھڑے تھے۔پھر حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کو بلایا۔پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خانہ کعبہ کے اندر تشریف لے گئے۔آپ کے ساتھ حضرت بلال، حضرت اسامہ بن زید اور حضرت عثمان بن طلحہ رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی تھے۔آپ نے دو یمنی عمودوں کے سامنے دو رکعتیں پڑھیں۔دوسری روایت کے مطابق آپ نے دو عمود اپنے دائیں طرف ایک عمود بائیں طرف اور تین عمود اپنے پیچھے رکھے۔خانہ کعبہ کی عمارت چھ ستونوں پر مشتمل تھی۔ایک اور روایت کے مطابق آپ کے اور اس دیوار کے درمیان تین ذراع کا فاصلہ تھا جسے آپ نے قبلہ بنایا تھا۔

ایک اور روایت کے مطابق آپ فتح مکہ کے دوسرے روز خانہ کعبہ کے اندر جلوہ افروز ہوئے، پھر باب کعبہ پر کھڑے ہو گئے اور یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

''اللہ رب العزت کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔وہ وحدہ لاشریک ہے۔اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا ہے۔اپنے بندۂ خاص کی نصرت کی ہے۔گروہوں کو تنہا شکست دی ہے''۔

پھر آپ نے طویل خطبہ ارشاد فرمایا جس میں سارے احکام کا ذکر فرمایا۔جن میں سے بعض یہ ہیں:

''کافر کے عوض مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا۔دو مختلف ملتوں والے ایک دوسرے کے وارث نہیں بنیں گے۔عورت کے ساتھ اس کی چچی یا خالہ پر نکاح نہیں کیا جائے گا۔مدعی پر گواہ اور انکار کرنے والے پر قسم ہے۔عورت تین دن کی مسافت کا سفر نہ کرے مگر کسی محرم کے ساتھ۔عصر اور فجر کے بعد کوئی نفلی نماز نہیں پڑھی جائے گی۔عید الاضحیٰ اور عید الفطر کے روز روزہ نہیں رکھا جائے گا۔پھر فرمایا ''اے گروہ قریش! آج رب تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کی نخوت اور اپنے آباء پر فخر کو ختم کر دیا ہے۔تمام لوگ حضرت آدم علیہ السلام سے ہیں'' پھر آپ نے یہ آیت طیبہ تلاوت کی:

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ﴿۱۳﴾ (الحجرات)

''اے لوگو! ہم نے پیدا کیا ہے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے اور بنا دیا ہے تمہیں مختلف قومیں اور مختلف خاندان، تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، تم میں سے زیادہ معزز اللہ کی بارگاہ میں وہ ہے جو تم میں سے زیادہ متقی ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ علیم (اور) خبیر ہے''۔

مژدہ ''لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْكُمُ الْیَوْمَ''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اے گروہ قریش! تم کیا کہتے ہو؟ تمہارا کیا گمان ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیسا سلوک کرنے لگا ہوں'' انہوں نے عرض کی ''بھلائی کا، کریم بھائی اور کریم بھائی کے فرزند دلبند''۔ سب سے پہلے حضرت سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ نے یہ بات کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''میں اسی طرح کہتا ہوں جس طرح میرے بھائی حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا: لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْكُمُ الْیَوْمَ (یوسف: 92) تم پر کوئی گرفت نہیں۔ ''فانتم الطلقاء'' (تم آزاد ہو) یعنی تم آزاد ہو نہ تمہیں غلام بنایا جائے گا، نہ ہی تمہیں قیدی بنایا جائے گا'' قریش اس طرح باہر نکلے گویا کہ وہ ابھی ابھی قبروں سے نکلے ہوں۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ آپ نے خطبہ میں ارشاد فرمایا:

''اے لوگو! اللہ رب العزت نے مکہ مکرمہ کو اس روز حرم بنایا ہے جس دن اس نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق کی، یہ اللہ تعالیٰ کے حرام کرنے کی وجہ سے روز حشر تک حرم ہے۔ اس شخص کے لیے روا نہیں جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو کہ وہ اس جگہ خونریزی کرے۔ یا اس جگہ کا درخت کاٹے۔ اس میں قتال کرنا ایک ساعت کے لیے میرے لیے حلال ہوا۔ اب اس کی حرمت اسی طرح لوٹ آئی ہے جس طرح کل تھی۔ حاضر غائب کو یہ پیغام پہنچا دے'' پھر فرمایا ''اے گروہ قریش! اب بتاؤ میں تمہارے ساتھ کیسا سلوک کرنے لگا ہوں؟''۔

کلید کعبہ

جب آپ نے بیت اللہ کے اندر جانے کا ارادہ فرمایا تو کلید کعبہ کو کیسے لایا گیا؟ اس میں روایات مختلف ہیں۔ صحیح روایت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا ''چابی لے کر آؤ'' پہلے گزر چکا ہے کہ انہوں نے صلح حدیبیہ کی مدت میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ انہوں نے اور حضرت خالد بن ولید اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم نے اکٹھی ہجرت کی تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنی والدہ سلافہ بنت سعید کے پاس گئے۔ بعد میں انہوں نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنی والدہ کے پاس گئے تو انہوں نے چابی دینے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے کہا ''امی! مجھے چابی دے دو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چابی طلب فرما رہے ہیں'' مگر اس نے چابی دینے سے انکار کر دیا۔ اس نے کہا ''لات وعزیٰ کی قسم! نہیں دوں گی''۔ حضرت عثمان نے کہا ''اب لات وعزیٰ کی کوئی حیثیت نہیں رہی۔ اب معاملہ اس کے برعکس ہو گیا ہے۔ جس میں ہم

پہلے تھے۔ بخدا! چابی دے دو، ورنہ میں اور میرا بھائی قتل کر دیے جائیں گے اور تم ہماری قاتلہ ہوگی۔ اللہ کی قسم! مجھے چابی دے دو ورنہ میرے علاوہ کوئی اور آ کر چابی لے جائے گا" اس نے یہ چابی اپنے نیفہ میں داخل کر لی اور کہا "اس جگہ اپنا ہاتھ کون داخل کرے گا؟۔ امام زہری نے لکھا ہے "حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آنے میں دیر لگا دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کا انتظار کر رہے تھے۔ پسینے کے بڑے بڑے قطرات جبین اطہر سے نیچے گر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا "اسے کس نے روک رکھا ہے؟ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی والدہ نے کہا "اگر انہوں نے تم سے یہ چابی لے لی تو پھر کبھی تمہیں نہیں دیں گے" وہ بیٹا اور ماں یہی تکرار کر رہے تھے کہ انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی آواز سنی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے باآواز بلند کہا "عثمان! باہر نکلو" سلافہ نے کہا "نور نظر! یہ چابی لے لو۔ تمہارا اسے لینا مجھے بنو عدی اور بنو تمیم کے لینے سے زیادہ پسندیدہ ہے"۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کلید کعبہ لی اور چلنے لگے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب پہنچے تو پاؤں پھسلا تو چابی ہاتھ سے نیچے گر پڑی۔ نیچے جھکے اور اٹھا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیش کر دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خندہ پیشانی سے ان کا استقبال کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آپ کے لیے دروازہ کھولا۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے چابی لی اور خانہ کعبہ کا دروازہ خود کھولا۔ ممکن ہے کہ دونوں نے مل کر دروازہ کھولا ہو۔ امام فاکہی نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ بنو ابی طلحہ کا گمان تھا کہ ان کے بغیر کوئی اور خانہ کعبہ کو کھول نہیں سکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست اقدس میں چابی لی اور اپنے دست اقدس سے دروازہ کھول دیا۔ علامہ زرقانی نے لکھا ہے "ان تمام روایات کو جمع کرنا ممکن ہے۔ جب آپ نے چابی کے ساتھ تالہ کھول دیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آپ کے ساتھ معاونت کی۔ انہوں نے دروازہ کو زور لگا کر آپ کے لیے کھول دیا۔ یہ بھی روایت ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اس وقت خانہ کعبہ کے دروازہ پر تھے۔ وہ لوگوں کو روک رہے تھے، جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے اندر تشریف فرما تھے۔ جب آپ خانہ کعبہ سے باہر تشریف لائے تو مسجد حرام میں تشریف فرما ہو گئے۔ کلید کعبہ آپ کے دست اقدس میں تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! سقایہ کے ساتھ حجابہ بھی ہمارے لیے جمع فرما دیں" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میں نے تمہیں وہ منصب عطا کیا ہے جس میں تم لوگوں کے لیے اپنے اموال خرچ کرو۔ وہ سقایہ ہے۔ میں ایسا منصب نہیں دوں گا جس میں تم لوگوں سے اموال لو۔ کیونکہ تمہارا مقام و منصب اس سے کہیں بالاتر ہے"۔

ایک اور روایت میں ہے کہ بنو ہاشم کے افراد میں سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کلید کعبہ حاصل کرنے کے لیے اپنے ہاتھ بلند کیے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "عثمان بن ابی طلحہ کہاں ہیں؟" انہیں بلایا گیا۔ آپ نے فرمایا "عثمان! یہ چابی لے لو۔ آج وفا اور نیکی کا دن ہے"۔ اللہ رب العزت نے حضرت عثمان بن ابی طلحہ رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ آیت طیبہ نازل کی:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا (نسائی: 58)

"بیشک اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے تمہیں کہ (ان کے) سپرد کرو امانتوں کو جو ان کے اہل ہیں"۔

امام زرقانی نے حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت طیبہ حضرت عثمان بن ابی طلحہ رضی اللہ عنہ کے بارے نازل

ہوئی۔ فتح مکہ کے روز حضور ﷺ نے ان سے خانہ کعبہ کی چابی لی۔ خانہ کعبہ کے اندر تشریف لے گئے۔ جب آپ ﷺ باہر تشریف لائے تو مذکورہ بالا آیت طیبہ پڑھ رہے تھے۔ آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بلایا اور انہیں کلید کعبہ عطا فرمادی۔ آپ نے فرمایا ''بنوابی طلحہ! اسے لے لو، تم سے ظالم کے علاوہ اور کوئی نہیں چھینے گا''۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ خانہ کعبہ سے باہر تشریف لائے تو آپ اس آیت طیبہ کی تلاوت فرما رہے تھے۔ میں نے اس سے قبل آپ کو یہ آیت طیبہ تلاوت کرتے ہوئے نہیں سنا''۔

امام سیوطی نے لکھا ہے کہ ظاہر ہے کہ یہ آیت طیبہ خانہ کعبہ کے اندر نازل ہوئی۔ ازرقی نے حضرت ابن مسیب سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے انہیں فرمایا ''یہ چابی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے لے لو۔ یہ اب تم سے کوئی کافر ہی چھینے گا''۔

ابن شیبہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن سابط سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو کلید کعبہ عطا کی۔ اور فرمایا ''یہ چابی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے لے لو۔ یہ میں نے تمہیں نہیں دی، بلکہ رب تعالیٰ نے تمہیں دی ہے۔ صرف ظالم ہی تم سے چھینے گا''۔ ابن سعد وغیرہ نے حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ مکہ مکرمہ میں مجھے حضور ﷺ ملے۔ یہ ہجرت سے قبل کا واقعہ ہے۔ آپ نے مجھے اسلام کی طرف بلایا۔ میں نے کہا ''محمد عربی (ﷺ)! عجیب بات ہے۔ آپ چاہتے ہیں کہ میں آپ کی اتباع کروں گا، حالانکہ آپ نے اپنی قوم کے دین کی مخالفت کی ہے اور ایک نیا دین اپنا لیا ہے''۔ ہم زمانہ جاہلیت میں خانہ کعبہ کو صرف سوموار اور جمعرات کو کھولتے تھے۔ ایک دن حضور ﷺ تشریف لائے۔ آپ ﷺ لوگوں کے ساتھ خانہ کعبہ میں داخل ہونا چاہتے تھے۔ یہ آپ کی بعثت سے بعد کی بات ہے۔ مگر میں نے شدت سے کام لیا۔ آپ کو اندر داخل ہونے سے روک دیا۔ مگر آپ نے درگزر سے کام لیا۔ آپ نے فرمایا ''عثمان! شاید تم عنقریب دیکھو کہ یہ چابی میرے ہاتھ میں ہوگی۔ میں جسے چاہوں گا عطا کروں گا''میں نے کہا ''اس روز قریش ذلیل اور ہلاک ہو چکے ہوں گے'' آپ نے فرمایا ''نہیں بلکہ اس روز قریش کو حقیقی عزت اور شہرت نصیب ہوگی'' آپ خانہ کعبہ کے اندر تشریف لے گئے۔ آپ کا وہ فرمان میرے دل میں بیٹھ گیا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ معاملہ اسی طرح ہوگا جس طرح آپ فرما رہے ہیں۔ کیونکہ آپ صدق اور امانت کی وجہ سے معروف تھے'' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں نے اسلام قبول کر لینے کا ارادہ کیا۔ مگر میری قوم نے مجھے سختی سے جھڑک دیا۔ جب فتح مکہ کا دن آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ''عثمان! چابی لے آؤ'' میں نے چابی حاضر خدمت کر دی۔ پھر مجھے عنایت فرما دی اور فرمایا ''یہ چابی لے لو، یہ تم سے کوئی ظالم ہی چھینے گا۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے گھر کا امین مقرر فرمایا ہے۔ اس گھر سے جو کچھ تمہیں ملے اسے بھلائی کے ساتھ کھاؤ'' جب میں واپس جانے لگا تو آپ نے مجھے بلایا۔ میں حاضر خدمت ہوا تو فرمایا ''یہ بات میں نے تمہیں پہلے بتا نہیں دی تھی'' مجھے ہجرت سے قبل مکہ مکرمہ میں آپ کا یہ فرمان یاد آ گیا ''شاید تم دیکھ لو گے کہ ایک روز یہ چابی میرے ہاتھ میں ہوگی میں جسے چاہوں گا عطا کروں گا'' میں نے کہا ''ہاں! میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں''۔ تفسیر ثعالبی میں سند کے بغیر لکھا ہے۔ یہ آیت طیبہ:

اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا (نساء:58)

حضرت عثمان بن ابی طلحہ رضی اللہ عنہ کے بارے نازل ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں کلید کعبہ لانے کا حکم دیا۔ مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ گھر کا دروازہ بند کر کے چھت پر چڑھ گئے۔ کہا "اگر میں جان لیتا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو میں آپ کو نہ روکتا" حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ہاتھ آگے بڑھا کر ان سے چابی لے لی۔ خانہ کعبہ کا دروازہ کھولا۔ آپ خانہ کعبہ کے اندر تشریف لے گئے۔ جب باہر تشریف لائے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ آپ یہ چابی انہیں عطا فرما دیں۔ اور ان کے لیے سقایہ اور سدانہ جمع کر دیں۔ پھر یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ یہ چابی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو واپس کر دیں اور ان سے معذرت کریں" حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسی طرح کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا "آپ نے پہلے یہ بات ناپسند کی، اذیت دی، پھر نرمی کرتے ہوئے آگئے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے آپ کے متعلق قرآن پاک اتارا ہے" انہوں نے مذکورہ بالا آیت طیبہ پڑھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا "میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ رب العزت کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے رسول ہیں" انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔

حافظ ابن حجر نے اس روایت کو منکر لکھا ہے۔ مزید لکھتے ہیں "معروف یہ ہے کہ آپ نے فتح مکہ سے پہلے اسلام قبول کر لیا تھا اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہجرت کی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ بڑھا کر چابی لینا پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا "میں جان لیتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں تو میں آپ کو منع نہ کرتا" یہ ساری روایت منکر ہے۔

علامہ زرقانی لکھتے ہیں "اگر اس روایت کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو پھر یہ بات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے چچا زاد حضرت شیبہ نے کی ہوگی کیونکہ انہوں نے اس وقت اسلام قبول نہیں کیا تھا، کیونکہ اس روز حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زبان سے ایسے الفاظ ادا ہونا ممکن نہیں، کیونکہ وہ پہلے اسلام لے آئے تھے۔ جیسا کہ صحیح روایات سے ثابت ہے۔ یہ حضرت عثمان، ابن طلحہ بن ابی طلحہ ہیں۔ ابو طلحہ کا نام عبداللہ بن عبدالعزیٰ بن عثمان بن عبدالدار بن قصی بن کلاب العبدری ہے۔ طلحہ ابو عثمان غزوۂ احد کے روز کفر کی حالت میں قتل ہوا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ الحجبی اور ان کے اہل خانہ کو الحجبۃ کہا جاتا ہے۔ آج کل انہیں شیبیین کہا جاتا ہے۔ یہ حضرت شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ وہ حضرت عثمان بن طلحہ بن ابی طلحہ کے چچا زاد ہیں۔

حافظ ابن حجر تحریر کرتے ہیں "ابو طلحہ کے دو بیٹے تھے ① عثمان ② طلحہ۔ جب عثمان بن طلحہ کا انتقال ہو گیا تو کلید کعبہ شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ کو ملی جوان کا بھتیجا تھا۔ کیونکہ عثمان بن طلحہ کی اولاد نہیں تھی۔ پھر یہ چابی شیبہ کی اولاد میں رہی۔ انہیں شیبیین کہا جاتا ہے"۔ علامہ زرقانی لکھتے ہیں "ان روایات میں اس امر کی بھی دلیل ہے کہ ان کی نسل آج تک باقی ہے۔ علامہ شمس الخطاب المالکی المکی نے لکھا ہے کہ بعض مؤرخین کے اس قول کی طرف توجہ نہیں کی جائے گی کہ ان کی نسل ہشام بن عبدالملک کے دور حکومت میں ختم ہوگئی، یہ بات غلط ہے کیونکہ امام مالک نے کہا ہے کہ خزانہ کو حجبۃ کے ساتھ جمع نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عطا ہے۔ جبکہ امام مالک ہشام بن عبدالملک سے تقریباً بیس سال بعد میں پیدا ہوئے۔ ابن حزم اور ابن

عبد البر نے لکھا ہے کہ ان کے زمانہ کی ایک جماعت نے بھی یہی رقم کیا ہے۔ یہ پانچویں صدی کے نصف تک زندہ رہے۔ علامہ قلقشندی نے بھی یہی لکھا ہے۔ وہ 821ھ تک زندہ رہے۔ بعض نے ان کی نسل کے اختتام کی دلیل یہ دی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کعبہ کی خدمت خدام کے سپرد کر دی، لیکن یہ دلیل درست نہیں، کیونکہ خدمت کرنا یہ دوسرا منصب ہے جبکہ حجبۃ الگ منصب ہے۔ جیسا کہ امام زرقانی اور امام فاکھی نے حجبۃ کا ذکر کیا۔ پھر الخذمہ کا ذکر کیا جو ان کے مابین تغایر پر دلالت کرتا ہے۔

حضرت شیبہ بن عثمان رضی اللہ عنہ کا اسلام قبول کرنا

حضرت شیبہ بن عثمان رضی اللہ عنہ نے فتح مکہ کے سال اسلام قبول کیا۔ وہ اپنے اسلام لانے کا واقعہ خود بیان کرتے ہیں "بعض گمراہیاں جو ہمارے آباء میں شامل ہو چکی تھیں ان سے تعجب خیز اور کوئی چیز مجھے نظر نہ آئی۔ جب مکہ مکرمہ فتح ہوا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے، پھر بنو ہوازن کے ساتھ جہاد کرنے کے لیے تشریف لے گئے۔ میں نے کہا "میں قریش کے ہمراہ حنین کی طرف جاتا ہوں۔ ممکن ہے کہ مجھے موقع مل جائے اور میں محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر اچانک حملہ کر کے انہیں شہید کر سکوں۔ اس طرح میں سارے قریش کی طرف سے انتقام لے لوں گا۔ آج میں محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اپنا انتقام لے لوں گا"۔ کیونکہ ان کا باپ، چچا اور سارے چچازاد بھائی غزوۂ احد میں مارے گئے تھے۔ انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے جہنم واصل کیا تھا۔ حضرت شیبہ رضی اللہ عنہ نے کہا "میں نے کہا "اگر عرب وعجم میں ہر کوئی محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اتباع کر لے میں پھر بھی آپ کی پیروی نہیں کروں گا۔ میرے اس امر میں شدت آتی گئی۔ جب غزوۂ حنین میں لوگ باہم نبرد آزما ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے خچر سے نیچے تشریف لے آئے۔ میں نے اپنی تلوار سونتی اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے قریب ہو گیا۔ میرا وہ ارادہ تھا جو میں نے کیا تھا۔ میں نے تلوار بلند کی، آپ پر وار کرنے ہی لگا تھا کہ بجلی کی طرح آگ کا شعلہ میری طرف لپکا۔ قریب تھا کہ وہ مجھے ہلاک کر دیتا۔ میں نے اپنے ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھ لیے۔ تا کہ وہ چندھیا نہ جائیں۔ دوسری روایت میں ہے "جب میں نے یہ ارادہ کیا تو میرے اور آپ کے مابین آگ کی خندق اور لوہے کی دیوار حائل ہو گئی"، ممکن ہے یہ سب کچھ واقع ہوا ہو۔ انہوں نے کہا "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری طرف توجہ کی اور تبسم فرمایا۔ آپ میرے ارادہ سے آگاہ ہو گئے۔ مجھے صدا دی "شیبہ! میرے قریب ہو جاؤ"" میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب ہو گیا۔ آپ نے میرے سینہ پر دست اقدس پھیرا، پھر یہ دعا مانگی "مولا! اسے شیطان سے پناہ عطا فرما" بخدا! اسی لمحہ آپ میری آنکھوں اور کانوں سے بھی زیادہ میرے محبوب ہو گئے۔ میری ساری عداوتیں اور رنجشیں ناپید ہو گئیں" پھر آپ نے فرمایا "قریب ہو جاؤ اور جہاد کرو"، میں آپ کے آگے گیا اور شمشیر زنی کرنے لگا۔ اللہ خوب جانتا ہے کہ میں چاہتا تھا کہ اپنی جان اور ہر چیز کو نثار کر کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دفاع کروں۔ اگر میرا باپ زندہ ہوتا، میں اس سے ملاقات کرتا تو اسے بھی تلوار سے موت کے گھاٹ اتار دیتا۔ میں ان افراد میں سے تھا جو غزوۂ حنین کے روز ثابت قدم رہے۔ حتیٰ کہ مسلمان واپس آ گئے اور اہل شرک پر یکبارگی حملہ آور ہو گئے۔ میں نے خچر آپ کے قریب کی تو آپ اس پر سوار ہو گئے"۔

دوسری روایت میں ہے، انہوں نے فرمایا "میں غزوۂ حنین کے روز حضور ﷺ کے ہمراہ نکلا۔ میں حضور ﷺ کے ہمراہ کھڑا تھا۔ میں نے عرض کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میں ابلق گھوڑے دیکھ رہا ہوں" آپ نے فرمایا "شیبہ! انہیں صرف کافر دیکھ رہا ہے" آپ ﷺ نے میرے سینہ پر اپنا دست ہدایت بخش مارا، پھر یہ دعا مانگی "مولا! شیبہ کو ہدایت دے"۔ آپ ﷺ نے تین بار اسی طرح کیا۔ جب آپ ﷺ نے تیسری بار میرے سینہ سے اپنا دست اقدس اٹھایا تو دنیا کی کوئی چیز مجھے آپ سے محبوب نہ رہی۔ جب جنگ ختم ہوئی تو آپ اپنے خیمہ کی طرف واپس تشریف لائے۔ میں آپ کے خیمہ میں داخل ہوا۔ وہاں میرے علاوہ اور کوئی داخل نہ ہوا تھا۔ میں آپ کے چہرۂ انور کی زیارت اور دیدار کر کے مسرت ابدی کا خواہاں تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا "شیبہ! اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ جو ارادہ فرمایا ہے وہ اس ارادہ سے بہتر ہے جو تم نے اپنے متعلق کیا تھا" پھر آپ نے میرے وہ عزائم آشکارا کر دیے جنہیں میں اپنے سینہ میں چھپائے ہوئے تھا۔ میں نے ان کا کسی سے تذکرہ نہیں کیا تھا۔ میں نے کہا "میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں" میں نے عرض کی "آپ میرے لیے مغفرت طلب کریں" آپ نے فرمایا "رب تعالیٰ تمہارے گناہ معاف کرے"۔

اذانِ بے مثال

حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ خانہ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر آذان دیں تاکہ اس سے مشرکین غیظ وغضب کی آگ میں جلیں۔ ابوسفیان، عتاب بن اسید یا خالد بن اسید اور حرث بن ہشام صحن حرم میں بیٹھے ہوئے تھے۔ عتاب بن اسید یا خالد بن اسید نے کہا "اللہ تعالیٰ نے اسید پر کرم کیا ہے کہ وہ یہ آواز سننے کے لیے زندہ نہیں رہا۔ حارث بن ہشام نے کہا "بخدا! اگر میں جان لیتا کہ یہ حق ہے تو میں اس کی اتباع ضرور کرتا۔ اللہ تعالیٰ کو یہ ناپسند ہے وہ عنقریب اسے تبدیل کر دے گا" دوسری روایت کے مطابق اس نے کہا "محمد عربی (ﷺ) کو اس کالے کوّے کے علاوہ اور کوئی مؤذن نہیں ملا" بنوسعید بن العاص میں سے ایک نے کہا "سعید پر رب تعالیٰ نے کرم کیا ہے وہ اس سیاہ فام کو کعبہ معظمہ کی چھت پر دیکھنے سے قبل ہی مرگیا" حکم بن ابوالعاص نے کہا "بخدا! یہ بہت بڑا واقعہ ہے کہ بنو جمح کا غلام ابوطلحہ کی تعمیر کردہ عمارت پر چیخ رہا ہے" ابوسفیان نے کہا "میں تو کوئی بات نہیں کروں گا۔ اگر میں نے کوئی گفتگو کی تو یہ سنگریزے آپ ﷺ کو بتا دیں گے" حضور ﷺ ان کے پاس جلوہ افروز ہوئے۔ انہیں فرمایا "جو باتیں تم نے کیں ہیں میں انہیں جان گیا ہوں" آپ نے فرمایا "فلاں! تو نے یہ بات کی ہے۔ فلاں تو نے یہ بات کی ہے۔ فلاں! تو نے یہ بات کی ہے۔ فلاں! تو نے یوں کہا ہے" ابوسفیان نے عرض کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میں نے تو کچھ بھی نہیں کہا"۔ یہ سن کر حضور ﷺ مسکرانے لگے۔ حارث بن ہشام، عتاب بن اسید اور خالد بن اسید نے عرض کی "ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ بخدا! آپ کو ہم میں سے کسی ایک نے بھی یہ باتیں نہیں بتائیں"۔

کچھ قریش آذان کی نقل اتارنے لگے۔ وہ غیظ کی وجہ سے آوازِ بلالی کی نقل اتار رہے تھے۔ ان میں حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ان کی آواز سب سے زیادہ خوبصورت تھی۔ جب انہوں نے نقل اتارتے ہوئے اپنی آواز بلند کی تو حضور

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی آواز سماعت فرمائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آذان کی نقل اتاری، ان کا گمان تھا کہ انہیں قتل کر دیا جائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی پیشانی کو مس فرمایا، اپنا دست حق نما ان کے سینہ پر پھیرا۔ انہوں نے فرمایا ''بخدا! میرا دل ایمان اور یقین سے بھر گیا۔ میں جان گیا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں آذان دینے کی ڈیوٹی ان کے سپرد کی، پھر وہ اہل مکہ کے لیے آذان دیتے رہے۔ اس وقت ان کی عمر سولہ برس تھی۔ ان کے بعد ان کی اولاد نسل در نسل خانہ کعبہ کی مؤذن رہی۔ جب کعبہ معظمہ کی چھت پر اذان بلالی گونجی تو جویرہ بنت ابی جہل نے کہا ''بخدا! ہم اپنے رشتہ داروں کے قتل کو پسند نہیں کرتے۔ میرے باپ کے پاس بھی وہی نبوت آئی جو محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آئی۔ اس نے اسے لوٹا دیا اور اپنی قوم سے اختلاف پسند نہ کیا''۔ پھر حضرت جویرہ رضی اللہ عنہا نے اسلام قبول کر لیا اور اپنا اسلام عمدہ کیا۔

فتح مکہ کے روز آپ کے پاس سائب بن عبداللہ مخزومی یا عبداللہ بن سائب یا سائب بن عوام یا قیس بن سائب بن عوام آیا۔ بعثت سے قبل یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مل کر گلہ بانی کرتا تھا۔ انہوں نے کہا ''جب میں نے اسلام قبول کیا تو عثمان وغیرہ میری ستائش کرنے لگے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''مجھے ان کے متعلق نہ بتاؤ، یہ میرے ساتھی تھے'' دوسری روایت میں ہے ''جب میں آپ کی خدمت میں آیا تو آپ نے فرمایا ''میرے ساتھی اور میرے بھائی کو خوش آمدید! جو نہ شک کرتا تھا، نہ فریب کرتا تھا۔ تم زمانہ جاہلیت میں اعمال سرانجام دیتے تھے۔ جنہیں تم سے قبول نہیں کیا جاتا تھا۔ وہ اعمال آج تم سے قبول کر لیے جائیں گے''۔

حضرت فضالہ بن عمیر رضی اللہ عنہ

انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کرنے کا عزم کیا جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مصروف طواف تھے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے قریب تشریف لے گئے تو فرمایا ''فضالہ! انہوں نے عرض کی ''ہاں! یارسول اللہ! فضالہ ہوں'' آپ نے فرمایا ''دل میں کیا عزم کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا ''کچھ بھی نہیں۔ میں رب تعالیٰ کا ذکر کر رہا تھا'' یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرانے لگے، پھر فرمایا ''اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرو'' پھر اپنا دست اقدس ان کے سینہ پر رکھا، ان کا دل پرسکون ہو گیا۔ حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''جونہی آپ نے اپنا دست اقدس میرے سینہ سے ہٹایا آپ مجھے رب تعالیٰ کی ساری مخلوق سے محبوب ہو گئے''۔

سیرت ابن ہشام میں ہے۔ حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں اس کے بعد اپنے اہل خانہ کی طرف لوٹ آیا، میں اس عورت کے پاس سے گزرا جس کے ساتھ بیٹھ کر میں باتیں کیا کرتا تھا۔ اس عورت نے کہا ''آؤ! بیٹھیں'' میں نے کہا ''ہرگز نہیں! ان کی زبان پر فی البدیہہ یہ اشعار رواں ہو گئے۔

قالت ھلم الی الحدیث فقلت لا　یابی علی اللہ والاسلام

لوما رأیت محمدا وقبیلہ　بالفتح یوم تکثر الاصنام

لرأیت دین اللہ اضحیٰ بینا　والشرک یغشی وجھہ الاظلام

"اس عورت نے کہا: فضالہ! آؤ باتیں کریں۔ میں نے کہا: ہرگز نہیں، اب اللہ رب العزت اور اسلام مجھے اس کی اجازت نہیں دیتے۔ کاش! تو فتح مکہ کے روز محمد مصطفیٰ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کو دیکھ لیتی جس روز بتوں کو پاش پاش کر دیا گیا تھا۔ اس روز تو دیکھتی کہ دین الٰہی عیاں اور واضح ہو گیا۔ اور شرک کے منحوس چہرے کو ظلمتیں ڈھانپ رہی تھیں"۔

حضرت ابوقحافہ کا مشرف باسلام ہونا

جب حضور اکرم ﷺ کعبہ مشرفہ سے باہر تشریف لائے تو مسجد حرام میں بیٹھ گئے۔ صحابہ کرام آپ کے ارد گرد بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے کاشانۂ اقدس میں تشریف لے گئے اور اپنے والد گرامی حضرت عثمان کو لے آئے۔ ان کی کنیت ابوقحافہ تھی۔ ان کی بینائی ختم ہو چکی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کا ہاتھ پکڑ کر لے آئے۔ جب حضور اکرم ﷺ نے انہیں دیکھا تو فرمایا "آپ نے بزرگ کو اپنے گھر ہی کیوں نہ چھوڑ دیا، حتیٰ کہ میں وہیں آجاتا" دوسری روایت کے مطابق آپ ﷺ نے فرمایا "آپ اس بزرگ کو اپنے گھر ہی رہنے دیتے تو ہم حضرت ابوبکر کی عزت و تکریم کے لیے ان کے گھر ضرور جاتے" حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم یہ اس امر کے زیادہ مستحق ہیں کہ چل کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ بجائے اس کے کہ آپ ﷺ وہاں تشریف لے جائیں" حضور اکرم ﷺ نے انہیں اپنے سامنے بٹھالیا۔ اپنا دست اقدس ان کے سینہ پر رکھا اور فرمایا "اسلام لے آؤ سلامتی پا جاؤ گے" وہ مشرف باسلام ہو گئے۔ حضرت ابوقحافہ رضی اللہ عنہ کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علاوہ اور کوئی بیٹا زندہ نہ رہا تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد گرامی کے مشرف باسلام ہونے کی مبارک باد دی۔ اس وقت حضرت ابوبکر صدیق نے عرض کی "مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ ابوطالب کا اسلام لانا مجھے حضرت ابوقحافہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے زیادہ پسند اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہوتا۔ اس لیے کہ ابوطالب کے اسلام میں آپ کی چشمان مقدس کے لیے زیادہ ٹھنڈک تھی" حضرت ابوقحافہ رضی اللہ عنہ کی داڑھی اور سر بڑھاپے کی وجہ سے سفید ہو چکے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "یہ سفیدی تبدیل کر دو اور انہیں کالے کر دو" حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ نے اس وقت اسلام قبول کر لیا تھا جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اسلام لائے تھے۔ ان کی بہن حضرت ام فروہ رضی اللہ عنہا بھی اسلام لے آئیں تھیں۔ اسی طرح آپ کے بیٹے اور بیٹیاں بھی اسلام لے آئے تھے۔

بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علاوہ صحابہ کرام میں سے کوئی ایسی ہستی نہیں جس کے والدین، بہن، ساری اولاد نے اسلام قبول کیا ہو۔ آپ کے تین فرزند (1) حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ۔ سب سے بڑے تھے۔ یہ آپ کے عہد خلافت کے آغاز میں ہی وصال کر گئے (2) حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ (3) حضرت محمد رضی اللہ عنہ۔ یہ حجۃ الوداع کے سال پیدا ہوئے تھے۔ آپ کی تین نوران نظر تھیں (1) حضرت اسماء رضی اللہ عنہا۔ یہ سب سے بڑی تھیں۔ یہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی سگی بہن تھیں (2) حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا۔ یہ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی سگی بہن تھیں (3) حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا۔ جب

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا تو یہ اپنی والدہ کے بطن میں تھیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی نور نظر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا ''تمہاری دو بہنیں اور دو بھائی ہیں'' حضرت ام المومنین حضرت اسماء کے علاوہ کسی اور بہن کو نہیں جانتی تھیں۔ انہوں نے یہ سوال اپنے والد گرامی سے کیا تو انہوں نے مذکورہ حمل کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا ''میرا گمان ہے کہ وہ بچی ہے'' یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کرامت تھی۔ بہت سے مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیت طیبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی:

رَبِّ اَوْزِعْنِیْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَ عَلٰى وَالِدَیَّ وَ اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَ اَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ ۚ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ وَ اِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۵﴾ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَ نَتَجَاوَزُ عَنْ سَیِّاٰتِهِمْ فِیْۤ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ؕ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِیْ كَانُوْا یُوْعَدُوْنَ ﴿۱۶﴾ (الاحقاف)

''اے میرے رب مجھے والہانہ توفیق عطا فرما کہ میں شکر ادا کرتا رہوں تیری اس نعمت کا جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر فرمائی اور میں ایسے نیک کام کروں جن کو تو پسند فرمائے اور صلاح (ورشد) کو میرے لیے میری اولاد میں راسخ فرما دے۔ بیشک میں توبہ کرتا ہوں تیری جناب میں اور میں تیرے حکم کے سامنے سر جھکانے والوں میں سے ہوں۔ پس وہ (خوش نصیب) ہیں قبول کرتے ہیں ہم جن کے بہترین اعمال کو اور درگزر کرتے ہیں ہم جن کی برائیوں سے۔ یہ جنتیوں میں سے ہوں گے۔ یہ (اللہ کا) سچا وعدہ ہے جو (اہل ایمان سے) کیا گیا ہے''۔

بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے وہ گھرانہ جس میں لگاتار چار نسلوں کو صحابیت کا شرف نصیب ہوا ہو وہ صرف اور صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا کاشانہ اقدس ہے۔ حضرت ابوقحافہ، ان کے لخت جگر حضرت ابوبکر صدیق، ان کے فرزند حضرت عبدالرحمٰن اور ان کے نور چشم حضرت محمد رضی اللہ عنہم کو صحابیت کا شرف ابدی نصیب ہوا۔ جس نے اس گھرانہ کے علاوہ کسی اور کی طرف یہ شرف منسوب کیا ہے اس میں اختلاف ہے۔ مثلاً حضرت زید بن حارثہ، ان کے والد حضرت حارثہ، ان کے فرزند اسامہ بن زید اور حضرت اسامہ کے لخت جگر رضی اللہ عنہم۔ مگر اس میں اختلاف ہے کہ حضرت اسامہ کے فرزند دلبند نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی تھی یا کہ نہیں۔ مگر کاشانہ صدیقیہ میں کوئی اختلاف نہیں کہ ان کی لگاتار چار نسلوں کو شرف صحابیت نصیب ہوا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ دوش نبوت پر

ابھی تک وہ بت باقی تھے جو خانہ کعبہ کی چھت پر تھے۔ ان میں سے ایک بنوخزاعہ کا بت تھا جو کعبہ مشرفہ کی چھت پر تھا۔ جو تانبے یا پیتل کا تھا۔ اسے لوہے کے کیلوں کے ساتھ لگایا گیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ وہ اسے نیچے گرا دیں۔ انہوں نے نیچے گرا کر اسے ریزہ ریزہ کر دیا۔ اہل مکہ اس پر تعجب کرنے لگے۔

امام حاکم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے اپنے ساتھ لے کر آئے۔ کعبہ مشرفہ کے پاس پہنچے تو

فرمایا ''نیچے بیٹھ جاؤ''۔ میں نیچے بیٹھ گیا۔ آپ میرے کندھے پر چڑھ گئے۔ پھر فرمایا ''اوپر اٹھو'' میں اوپر اٹھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری کمزوری ملاحظہ کی تو فرمایا ''بیٹھ جاؤ'' میں بیٹھ گیا۔ پھر فرمایا ''علی! میرے شانۂ اقدس پر سوار ہو جاؤ'' میں آپ کے شانۂ اقدس پر سوار ہو گیا۔ مجھے یوں لگا کہ اگر میں چاہوں تو آسمان کے افق کو چھو لوں۔ میں کعبہ مشرفہ کے اوپر چڑھ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نیچے سے ہٹ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''بڑے بت کو نیچے گرادو''۔ میں اسے اکھیڑتا رہا حتیٰ کہ اسے نیچے گرانے میں کامیاب ہو گیا۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

یارب بالقدم الی اوطأتها من قاب قوسین المحلّ الاغطما

وبحرمة القدم التی جعلت لها کتف المؤید بالرسالة سلما

ثبت علی متن الصراط تکرما قدمی وکن لی منقذا اوٌ مسلما

واجعلهما ذخری فمن کانا له ذخرا فلیس سخاف قط جهتما

''مولا! اس مبارک قدم کے طفیل جسے میں نے اپنے اوپر سوار کرنے کی سعادت حاصل کی۔ جس کی شان قاب قوسین کی طرح بلند و برتر ہے۔ وہ مبارک قدم جسے میں نے رسالت کی تائید کے لیے سیڑھی بنایا تھا۔ پل صراط کے وسط میں یہ قدم ثابت فرما اور مجھے بچانے والا بن جا۔ میرے لیے انہیں ذخیرہ بنا جس کے لیے ذخیرہ ہو وہ کمزور اور ناتواں نہیں ہو سکتا''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا ''جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ معظمہ تشریف لائے تو بیت اللہ کے اندر جانے سے انکار کر دیا۔ اس میں معبودان باطلہ تھے۔ انہیں متفرق شکلوں پر بنایا گیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا تو سارے بتوں کو باہر نکال کر پھینک دیا گیا'' دوسری روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ کعبہ معظمہ میں آئیں اور کعبہ مقدسہ کے اندر ساری تصاویر مٹا دیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس وقت وادئ بطحاء میں تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت تک خانہ کعبہ کے اندر تشریف نہ لے گئے حتیٰ کہ ساری تصاویر مٹا دی گئیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ساری تصاویر مٹا دیں۔ انہوں نے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی تصاویر باہر نکالیں۔ ان کے ہاتھوں میں تیر تھے۔ جن کے ساتھ وہ فال گیری کر رہے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''رب تعالیٰ ان مشرکین کو برباد کرے۔ بخدا! یہ جانتے تھے کہ ان حضرات قدسیہ نے کبھی بھی فال گیری نہیں کی'' حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تصویر کو اسی طرح چھوڑ دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اندر تشریف لے گئے تو اسے دیکھا تو فرمایا ''عمر! کیا میں نے تمہیں حکم نہیں دیا تھا کہ ایک تصویر بھی نہیں چھوڑنا۔ رب تعالیٰ ان مشرکین کو قتل کرے۔ انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک ایسا بزرگ بنا دیا ہے جو تیروں سے فال گیری کرتا تھا'' پھر آپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تصویر دیکھی تو فرمایا ''ساری تصاویر مٹا دو۔ اللہ تعالیٰ اس قوم کو برباد کرے جو ایسی اشیاء کی تصویر بنائے جسے وہ تخلیق نہ کر سکے'' حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خانہ کعبہ میں داخل ہوئے۔ وہاں تصاویر دیکھیں۔ آپ نے پانی منگوایا اور انہیں مٹانے

لگے" اس روایت کو اس مفہوم پر محمول کیا جائے گا کہ پہلے مٹائی گئی تصاویر کے کچھ اثرات باقی تھے جو آپ نے مٹا دیے۔

بعض سیرت نگاروں نے بیان کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ کی تصاویر باقی تھیں یا ان کے بعض اثرات باقی تھے۔ حتیٰ کہ انہیں غسان کے نصاریٰ میں سے کسی ایک نے دیکھ لیا۔ اس نے کہا "اب تم ان عربی شہروں میں آ گئے ہو" جب حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے خانہ کعبہ کو تعمیر نو کے لیے گرایا تو کسی تصویر کا اثر باقی نہ رہا۔

پھر ایک اعلان کرنے والے نے اعلان کیا "جو بھی رب تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ گھر میں کوئی بھی بت نہ چھوڑے۔ مگر اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دے" سارے لوگوں نے اپنے گھروں میں موجود سارے بت توڑ ڈالے۔ حضرت ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا اس بت کی طرف گئیں جو ان کے گھر میں موجود تھا۔ وہ اسے مارنے لگیں اور کہنے لگیں "ہم نے تجھ سے بہت دھوکے کھائے ہیں" پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف بتوں کو توڑنے کے لیے سرایا بھیجے۔ یہ بت مکہ مکرمہ کے ارد گرد متفرق جگہوں پر تھے۔ مشرکین نے ان کے لیے گھر بنا رکھے تھے۔ وہ ان کی تعظیم بجالاتے۔ انہیں ہدیہ دیتے اور ان کے ارد گرد طواف کرتے تھے۔ جس طرح کہ خانہ کعبہ کے ارد گرد طواف کیا جاتا تھا۔ ہر قبیلہ کا ایک بت تھا۔ ان میں عزیٰ، مناۃ اور سواع بھی شامل تھے۔ ان کا تذکرہ سرایا میں آئے گا۔

فتح مکہ کے دوسرے روز بنو خزاعہ نے بنو ہذیل کے ایک شخص پر حملہ کر دیا اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ وہ مشرک تھا۔ نماز ظہر کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے۔ پشت انور خانہ کعبہ کے ساتھ لگائی۔ دوسری روایت کے مطابق اپنی مبارک سواری پر سوار تھے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے بعد فرمایا "اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کو اس روز سے حرم قرار دیا ہے۔ جس دن اس نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق کی۔ جس روز اس نے شمس وقمر کو بنایا۔ اس نے یہ دو پہاڑ تخلیق کیے۔ یہ روز حشر تک حرم ہے۔ اس شخص کے لیے اس میں خونریزی حلال نہیں۔ جو رب تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو۔ نہ ہی اس کا درخت کاٹے، نہ کسی کے لیے پہلے جائز تھا اور نہ میرے بعد جائز ہوگا۔ یہ صرف ایک ساعت کے لیے میرے لیے حلال ہوا ہے۔ یعنی یوم فتح کی صبح سے لے کر عصر تک۔ پھر اس کی حرمت اسی طرح لوٹ آئی ہے جس طرح کل تھی۔ تم میں سے حاضر غائب تک یہ پیغام پہنچا دے۔ جو تم سے کہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس میں قتل کیا تھا تو اسے کہو کہ رب تعالیٰ نے اپنے رسول محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اسے حلال کیا تھا، اس نے تمہارے لیے حلال نہیں کیا"۔ صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اے گروہ خزاعہ! مکہ مکرمہ میں اسلحہ اٹھا کر چلنا حلال نہیں۔ اب قتل سے ہاتھوں کو روک لو۔ بہت زیادہ قتل ہو چکا ہے۔ جس نے میرے یہاں قیام کے بعد اور قتل کیا تو اس کے وارثین کو اختیار ہے اگر چاہیں تو اس کے قاتل کو قتل کر دیں، اگر چاہیں دیت لے لیں" پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کی دیت ادا کر دی جسے بنو خزاعہ نے قتل کیا تھا۔ وہ ابن الاقراع اندہلی تھا۔ یہ بنو بکر کے ساتھ تھا۔ یہ مکہ مکرمہ میں داخل ہوا تو یہ ابھی تک اپنے شرک پر ہی تھا۔ بنو خزاعہ نے اسے پہچان لیا۔ انہوں نے اس کا احاطہ کر لیا۔ ان میں سے خراش خزاعی نے نیزے کا پھل اس کے پیٹ میں مارا اور اسے قتل کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے برا بھلا کہا، پھر فرمایا "اگر میں کسی مسلمان کو کافر کے عوض قتل کرتا تو خراش کو قتل کر دیتا" فتح

مکہ کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''آج کے بعد روز حشر تک مکہ مکرمہ پر لشکر کشی نہیں ہوگی''، یعنی یہ قتال اس لیے نہیں ہوگا کہ اہل مکہ اسلام لے آئیں۔

علمائے کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ کیا مکہ مکرمہ صلح کے ساتھ فتح ہوا یا بزور شمشیر؟ اکثر علماء کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اسے بزور بازو فتح کیا گیا۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ صلح کے ساتھ فتح ہوا۔ بعض علماء نے ان روایات کو جمع کرنے کی اس طرح سعی جمیل کی ہے کہ مکہ مکرمہ کا بالائی حصہ صلح کے ساتھ فتح ہوا۔ یہ وہ حصہ ہے جہاں سے سپہ سالار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں نزول اجلال فرمایا اور اس کا زیریں حصہ بزور شمشیر فتح ہوا۔ اس سے مراد وہ حصہ ہے جس جگہ سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ داخل ہوئے تھے۔

مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے ایک روز قبل حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے آپ سے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم کل آپ کس جگہ نزول اجلال فرمائیں گے۔ کیا آپ اپنے کاشانۂ اقدس میں جلوہ افروز ہوں گے'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کیا عقیل نے ہمارے لیے کوئی گھر چھوڑا ہے۔ عقیل، ابو طالب کے وارث بنے۔ طالب بھی ان کے وارث بنے، مگر حضرت علی اور حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہما ان کی کسی چیز کے وارث نہ بنے کیونکہ یہ دونوں مسلمان تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر فضل وکرم کرتے ہوئے اور تالیف قلب کرتے ہوئے اپنا حصہ ان کے لیے چھوڑ دیا تھا۔ پھر حضرت عقیل رضی اللہ عنہ اسلام لے آئے۔ مگر طالب میدان بدر میں مفقود ہو گئے۔ یہ مشرکین کے ساتھ تھے۔ دوسری روایت کے مطابق ایک جن نے انہیں اٹھا لیا تھا۔

امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب اللہ تعالیٰ مکہ مکرمہ کو فتح کرائے گا تو ہمارا قیام الخیف میں ہوگا۔ دوسری روایت میں خیف بنی کنانہ کا ذکر ہے۔ جہاں انہوں نے کفر پر قسمیں اٹھائیں تھیں۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ قریش اور کنانہ نے بنو ہاشم اور بنو مطلب کے خلاف معاہدہ کیا تھا کہ وہ نہ ان میں نکاح کریں گے اور نہ ہی ان کے ساتھ خرید وفروخت کریں گے حتیٰ کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے سپرد کر دیں'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ قیام فرما ہونے کا اس لیے فیصلہ فرمایا تاکہ آپ کو وہ آزمائش یاد آ جائے جس سے آپ کو گزرنا پڑا تھا اور اس فتح عظیم پر رب تعالیٰ کا شکر ادا کریں۔ نیز یہ کہ آپ ایک فاتح اور غالب کی حیثیت سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوں۔ اس شخص کو ذلیل و رسواء کرتے ہوئے جس نے آپ کو وہاں سے نکالنے کی کوشش کی تھی۔ نیز ان لوگوں کو معاف کرنے میں مبالغہ کریں جنہوں نے آپ کے ساتھ برائی کی تھی۔ اور احسان کے ساتھ ان کا مقابلہ کریں۔ یہ رب تعالیٰ کا فضل ہے وہ جس پر چاہتا ہے فضل کرتا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ کے گھر ملاحظہ کیے تو آپ ٹھہر گئے۔ اللہ رب العزت کی حمد وثناء بیان کی، اپنے خیمہ کی طرف دیکھا تو فرمایا ''جابر! یہ ہماری قیام گاہ ہے۔ اسی جگہ قریش نے ہمارے ساتھ معاشرتی بائیکاٹ کیا تھا'' حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''مجھے وہ حدیث طیبہ یاد آ گئی جسے میں نے آپ سے سننے کی سعادت حاصل کی تھی کہ جب اللہ تعالیٰ ہمیں مکہ مکرمہ پر فتح یابی عطا فرمائے گا تو ہمارا قیام خیف بنی کنانہ میں ہوگا۔ اس جگہ قریش مکہ نے ہمارا معاشرتی بائیکاٹ کیا تھا'' حجۃ الوداع کے موقع پر بھی آپ نے اسی طرح فرمایا تھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم

ﷺ نے یوم النحر کو فرمایا، اس وقت آپ منیٰ میں تشریف فرما تھے "کل ہم خیف بنی کنانہ میں فروکش ہوں گے، جس جگہ قریش نے ہمارے ساتھ معاشرتی مقاطع کیا تھا"۔

انصار کے وسوسہ کا ازالہ

فتح مکہ کے بعد آپ ﷺ کوہِ صفا پر جلوہ نما ہوئے۔ جہاں سے بیت اللہ نظر آتا تھا۔ اپنے ہاتھ مبارک بلند کیے اور کھڑے ہو کر دعا مانگنے لگے۔ انصار آپ کے اردگرد حاضر خدمت تھے۔ وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے "کبھی کسی شخص کو اپنے شہر کی رغبت اور اپنے قبیلہ کی محبت آہی لیتی ہے" ان کی اس بات کے بارے حضور ﷺ پر وحی نازل ہوئی۔ حضور ﷺ نے اپنا سر اقدس بلند کیا: فرمایا "اے گروہ انصار! تم نے کہا ہے کہ آدمی کو اس کے شہر کی محبت اور قبیلہ کی الفت آہی لیتی ہے" انہوں نے عرض کی "ہاں! یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم ہم نے یہ بات کی ہے" آپ نے فرمایا "میں اگر اس طرح بے وفائی کروں تو میرا کوئی نام نہیں ہے۔ میرا نام کیسے ہوسکتا ہے جبکہ میرا وصف بیان کیا جاتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ میں اس طرح کبھی نہیں کروں گا، میں اللہ رب العزت کا بندہ (خاص) اور اس کا رسول (مکرم) ہوں۔ میں نے رب تعالیٰ اور تمہاری طرف ہجرت کی ہے، میری زندگی تمہاری زندگیوں کے ساتھ اور میرا وصال تمہارے انتقال کے ساتھ ہے" انصار حضور ﷺ کے پاس حاضر ہوئے۔ وہ زار و زار رو رہے تھے۔ وہ عرض کناں تھے "ہم نے یہ بات اللہ رب العزت اور اس کے رسول محترم ﷺ کی محبت کی وجہ سے کی ہے۔ ہم برداشت نہیں کرسکیں گے کہ حضور اکرم ﷺ ہمارے شہر کے علاوہ کسی اور جگہ جلوہ افروز ہوں" حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "رب تعالیٰ اور اس کے نبی کریم ﷺ نے تمہارا عذر قبول کر لیا ہے اور تمہاری تصدیق کی ہے"۔

دوسری روایت کے مطابق انصار نے ایک دوسرے سے کہا "تمہارا کیا گمان ہے کہ اب رب تعالیٰ نے حضور ﷺ کو ان کا شہر فتح کرا دیا ہے، کیا اب آپ اپنے شہر میں ہی ٹھہریں گے" جب حضور ﷺ اپنی دعا سے فارغ ہوئے تو فرمایا "تم نے ابھی کیا کہا ہے؟ انہوں نے عرض کی "کچھ نہیں یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم۔ حضور ﷺ لگاتار اصرار فرماتے رہے حتیٰ کہ انصار نے وہ بات بتا دی۔ حضور ﷺ نے فرمایا "اللہ کی پناہ! حیات مطہرہ تمہاری زندگیوں کے ساتھ اور وصال تمہارے ساتھ ہے" بیعۃ العقبہ کے متعلق بھی اسی طرح گزر چکا ہے۔ اس وقت انصار نے عرض کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ایسا نہ ہو کہ ہم آپ کی مدد کریں، جب اللہ تعالیٰ آپ کو غلبہ عطا کرے تو آپ ہمیں چھوڑ کر اپنی قوم کے پاس آجائیں" یہ سن کر حضور ﷺ تبسم ریز ہوئے، پھر فرمایا "الدم الدم، الھدم الھدم۔

مکہ مکرمہ میں قیام کی مدت

حضور اکرم ﷺ نے قریش کے تین افراد سے قرض حاصل کیا۔ صفوان بن امیہ سے پچاس ہزار درہم قرض لیا۔ انہوں نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ عبداللہ بن ابی ربیعہ سے چالیس ہزار بطور قرض لیے۔ خویطب بن عبدالعزیٰ سے بھی

چالیس ہزار درہم بطور قرض لیے۔ انہیں اپنے کمزور صحابہ کرام میں تقسیم کر دیا۔ پھر بنو ہوازن سے حاصل ہونے والے مال غنیمت میں سے یہ قرض ادا کر دیا۔ آپ نے مکہ مکرمہ میں انیس روز یا اٹھارہ روز قیام فرمایا۔ امام بخاری نے اٹھارہ روز کے قیام کا قول اعتماد کے ساتھ لکھا ہے۔ اس مدت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز قصر ادا کرتے رہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنو ہوازن کی طرف تشریف لے جانا چاہتے تھے، کیونکہ آپ کو خبر مل چکی تھی کہ وہ جنگ کی تیاری میں مصروف ہیں۔ آپ نے حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ میں اپنا عامل مقرر فرمایا۔ اس وقت ان کی عمر اکیس برس تھی۔ دوسری روایت کے مطابق ان کی عمر اٹھارہ برس تھی۔ ان کے ہمراہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو ٹھہرایا۔ جو لوگوں کو فرائض اور سنن کی تعلیم دیتے تھے۔ آپ نے حضرت عتاب رضی اللہ عنہ کے لیے روزانہ کا ایک درہم مقرر فرمایا۔ وہ فرمایا کرتے تھے "ایک درہم سے جس کا پیٹ نہیں بھرتا۔ اللہ تعالیٰ اسے سیر شکم نہ کرے"۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عتاب رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا تو فرمایا "اے لوگو! جو شخص روزانہ ایک درہم وظیفہ کے باوجود بھوکا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کا پیٹ نہ بھرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر روز میرا ایک درہم مقرر کیا ہے۔ اب مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں"۔ یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت تک اپنے اس منصب پر رہے۔ اور اسی روز وصال فرمایا جس روز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے داعی اجل کو لبیک کہا"۔

دوسری روایت کے مطابق حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی انہیں اس منصب پر برقرار رکھا۔ یہ اکیس ہجری تک زندہ رہے۔ ان کا وصال حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عتاب رضی اللہ عنہ کو اس لیے عامل مقرر کیا کیونکہ آپ نے ان کے والد اسید کو خواب میں دیکھا کہ اس نے اسلام قبول کر لیا ہے اور آپ نے اسے مکہ مکرمہ کا عامل بنا دیا ہے۔ مگر اس کو حالت کفر میں موت آئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس خواب کی تعبیر یہ کی کہ اس کے فرزند عتاب رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ کا عامل بنا دیا۔ ان کا شمار فضلاء اور عبادت گزار صحابہ کرام میں ہوتا تھا۔ روایت ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں عامل بنایا تو فرمایا "جاؤ! میں نے تمہیں اہل اللہ پر عامل بنا دیا ہے" آپ نے تین بار اسی طرح فرمایا" دوسری روایت کے مطابق انہیں فرمایا "عتاب! جانتے ہو کہ میں نے تمہیں کن لوگوں پر عامل بنایا ہے۔ میں نے اہل اللہ پر تمہیں عامل بنایا ہے۔ ان کے ساتھ بھلائی سے پیش آنا" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین بار اسی طرح فرمایا۔ حضرت عتاب رضی اللہ عنہ کفار پر سخت تھے۔ جبکہ اہل ایمان پر بڑے نرم خو تھے۔ وہ فرماتے تھے "بخدا! میں نہیں جانتا کہ نماز کی جماعت سے پیچھے رہ جانے والے کے ساتھ کیا کروں، سوائے اس کے کہ اس کی گردن اڑا دوں۔ کیونکہ جماعت سے پیچھے صرف منافق رہتا ہے" اہل مکہ نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ نے اہل مکہ پر حضرت عتاب رضی اللہ عنہ کو عامل مقرر فرمایا ہے جو اعرابی ہیں" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میں نے خواب میں دیکھا حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ جنت کے دروازہ کے پاس آئے ہیں۔ انہوں نے دروازہ کی دہلیز کو پکڑا اور اسے زور سے ہلایا، حتیٰ کہ باب جنت ان کے لیے کھول دیا گیا۔ وہ اس میں داخل ہو گئے" اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے اسلام کی نصرت فرمائی۔ کیونکہ انہوں نے اس شخص کے خلاف مسلمانوں کی مدد کی جو ان پر ظلم کرنے کا ارادہ رکھتا تھا"۔ حضرت ابن جوزی نے لکھا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عتاب رضی اللہ عنہ کو اس وقت عامل بنایا جب آپ ہوازن کے ساتھ جہاد کرنے

کیلئے جارہے تھے۔دیگر علماء نے تحریر کیا ہے کہ آپ نے انہیں غزوۂ طائف کے بعد اور عمرۃ الجعرانہ کے بعد عامل بنایا۔ جب آپ نے مدینہ طیبہ جانے کا ارادہ کیا تھا۔ان روایات میں اختلاف نہیں۔ کیونکہ ممکن ہے جب آپ مدینہ طیبہ جانے لگے تو آپ نے انہیں اس منصب پر برقرار رکھا ہو۔حضرت عتاب رضی اللہ عنہ کے ایک فرزند تھے۔ جن کا نام عبدالرحمٰن تھا، انہیں یعسوب قریش کہا جاتا تھا۔ یہ جنگ جمل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے لڑے۔اور شہید ہو گئے۔ گدھ نے ان کا ہاتھ اٹھایا اور مکہ مکرمہ میں پھینک دیا۔ وہاں کے مکینوں نے انہیں ان کی انگوٹھی سے پہچان لیا۔انہوں نے ان پر نماز جنازہ پڑھی اور اسے دفن کر دیا"۔

غزوہ فتح مکہ کے بارے شعراء کرام نے بہت سی طبع آزمائی کی ہے۔امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے بعض واقعات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

صرعت قومه حبائل بغی مدها المكر منهم والدهاء
فاتتهم خيل الى الحرب تختال وللخيل فى الوغى خيلاء
فصدت منهم القنا فقوانى الى طعن منها ما شانه الابطاء
واثارت بارض مكه نقعا ظن ان الغدو منها عشاء
احجمت عنده الحجون والكدى دون اعطائه القليل كداء
ودهت اوجها بها وبيوتا مل منها الاكفاء والاقواء
فدعوا احلم البريه والعفو جواب الحليم والاعضاء
ناشدوه القربى التى من قريش قطعتها التراث الشحناء
فعفا عفوقادر لم ينغصه عليهم بما مضى اعزاء
وسواء عليه فيما اتاه من سواء الملام والاطراء
قام لله فى الامور فارضى الله منه تباين ووفاء
وا ذا كان القطع والوصل لله تساوى التقريب الاقصاء
ولو ان انتقامه ليهوى النفس لدامت قطيعة وجفاء
فعله كله جميل وهل ينضح الا بماحواه الاناء

"ظلم کے جالوں نے اس کی قوم کو شکار کر لیا۔مکر و فریب اور عمدہ رائے نے اسے طول دیا۔ تکبر کرتے ہوئے گھوڑے جنگ کی طرف آئے۔ میدان جنگ میں گھوڑے تکبر ہی کرتے ہیں۔ میں نے انہیں نیزہ مارا جوان کی گردن کے پیچھے لگا۔ لگاتار نیزہ بازی نے کوئی شکایت نہ کی۔ سرزمین مکہ میں گردوغبار اڑنے لگا۔ گمان ہونے لگا کہ اس کی صبح گویا کہ عشاء ہے۔اس گردوغبار میں حجون کی وادی بھی چھپ گئی اور کداء کے تھوڑے سے لوگ بھی فرمانبردار بن گئے۔ ان گھوڑوں نے لوگوں کو اور گھروں کو برباد کر دیا، اس سے شکست خوردہ لوگ اکتا گئے۔انہوں نے ساری

کائنات سے زیادہ حلیم ذات کو پکارا، عفو اور چشم پوشی ہی حلیم شخص کا جواب ہوتا ہے۔ انہوں نے اس رشتہ داری کا واسطہ دیا جو قریش کے ساتھ تھی۔ جسے قتل اور بغض نے کاٹ کر رکھ دیا تھا۔ آپ نے انہیں قادر شخص کی مانند معاف کر دیا، ان کی گزشتہ اذیتوں نے آپ کو ان سے انتقام لینے پر نہ ابھارا۔ آپ نے ان کے ساتھ جو حسن سلوک کیا اس میں ملامت اور مدح میں مبالغہ آپ کے لیے برابر تھا۔ آپ نے سارے امور رب تعالیٰ کے لیے سرانجام دیے۔ آپ نے کفار کے ساتھ قطع تعلقی اور اہل ایمان کے ساتھ وفاء سے رب کی رضا ہی حاصل کی۔ جب یہ قطع تعلقی اور صلہ رحمی رب تعالیٰ کے لیے ہو تو اس میں قریب اور بعید برابر ہوتا ہے۔ اگر یہ انتقام خواہش نفس کے لیے ہوتا تو قطع رحمی اور جفاء ہمیشہ کے لیے ہوتی۔ آپ کے سارے افعال زیبا ہیں۔ برتن میں سے وہی کچھ نکلتا ہے جو اس کے اندر ہوتا ہے''۔

علامہ ابو محمد عبداللہ بن ابی زکریا یحییٰ بن علی السقر اطی نے اپنے مشہور قصیدہ میں کیا خوب لکھا ہے۔ غزوۂ بدر پر لکھنے کے بعد انہوں نے فتح مکہ پر اٹھائیس اشعار لکھے ہیں۔ کیونکہ یہ دونوں غزوات بہت عظیم تھے۔ غزوۂ بدر پہلا غزوہ تھا جس میں رب تعالیٰ نے اپنے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصرت کی۔ فتح مکہ کے روز رب تعالیٰ نے آپ کو مکہ مکرمہ کے باشندوں پر غلبہ عطا فرمایا۔ یہ ساری روئے زمین سے افضل قطعہ زمین ہے۔ اس دن آپ کو اس شہر میں غلبہ نصیب ہوا جس میں آپ کو بہت سی اذیتیں دی گئیں۔ اس کے بعد لوگ دین متین میں گروہ در گروہ داخل ہونے لگے۔ انہوں نے لکھا ہے:

ویوم مکة اذا شرفت فی امم　　تضیق عنها فجاج الوعث والسهل

خوافق ضاق ذرع الخافقین بها　　فی قاتم من عجاج الخلیل والابل

وجحفل قذف الأرجاء ذی لجب　　عرمرم کنهاء السیل منسحل

وانت صلی علیك الله تقدمهم　　فی بهو اشراق نور منك مکتمل

ینیر فوق أغر الوجه منتجب　　متوج بعزیز النصر مقتبل

یسموا أمام جنودالله مرتدیا　　ثوب الوقار لأمر الله ممتثل

خشعت تحت بها العزجین سمت　　بلك المهابة فعل الخاضع الوجل

وقد تباشر أملاك السماء بما　　ملکت اذ نلت منه غایة الأمل

والارض ترتجف من زهو ومن فرق　　والجویزهر اشراقا من الجذل

والخیل تختال زهوا فی اعنتها　　والعیش تنشال زهواً فی ثنی الجدل

لولا الذی خطت الأقلام من قدر　　وسابق من قضاء غیرذی حول

أهل ثهلان بالتهلیل من طرب　　وذاب بذبل تهلیلا من الذبل

الملك لله هذا عزمن عقدت　　له النبوة فوق العرش فی الأزل

شعبت صدع قریش بعدما قذفت　　بهم شعوب شعاب السهل والقلل

قالوا محمد قد زادت كتائبه كالأسد تزأر فى أنيابها العصل
فوق مكة من آثار وطأته وويل أم قريش من جوى الهبل
فجدت عفوا بفضل العفو منك ولم تلمم ولا بأليم اللوم والعذل
أضربت بالصفح صفحا عن طوائلهم طولا أطال مقيل النوم فى المقل
رحمت واشج أرحام أتيح لها تحت الوشيج نشيج الروع والوجل
عاذوا بظل كريم العفو ذى لطف مبارك الوجه بالتوفيق مشتمل
أزكى الخليقة أخلاقا وأطهرها وأكرم الناس صفحا عن ذوى الزلل
زان الخشوع وقارمنه فى خفر أرق من خفر العذراء فى الكلل
وطاف بالبيت محبورا وطاف به من كان عنه قبيل الفتح فى شغل
والكفر فى ظلمات الرجس مرتكس ثاو بمنزلة البهموت من زحل
حجزت بالأمن أقطار الحجاز معا وملت بالخوف عن حيف وعن ملل
وحل أمن ويمن منك فى يمن لما أجابت الى الايمان عن عجل
وأصبح الدين قد جفت جوانبه بعزة النصر واستولى عن الملل
قد طاع منحرف منهم لمعترف وانقاد منعدل منهم لمعتدل
أحبب بخلة أهل الحق فى الخلل وغز دولته الغراء فى الدول

"فتح مکہ کے روز جب آپ ان اقوام پر غالب آئے جن کے لیے وسیع میدان اور کھلی وادیاں تنگ ہوگئیں تھیں۔ وہ جھنڈوں والی اقوام تھیں، اونٹوں اور گھوڑوں کی گرد وغبار کی وجہ سے دونوں افق کی وسعت ان کے لیے تنگ ہوگئی تھی۔ وہ ایک لشکر جرار تھا، جس نے دور کے کنارے آواز سے بھر دیے تھے۔ وہ لشکر ایک سیلاب کی مانند تھا جو باہم مل کر چل رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے آگے آگے تھے۔ آپ ایک ایسا پیکر حسن تھے جس کے اردگرد نور مکمل چھایا ہوا تھا۔ یہ نور روشن چہرہ کے اوپر ضوفشاں تھا جو چہرہ پاک اور کریم تھا۔ اس نے ایسا غالب نصرت کا تاج پہن رکھا تھا جو لگاتار نصرت کی علامت تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے لشکروں کے سامنے اس حال میں بلند ہو رہا تھا جس نے اللہ کے حکم کے مطابق وقار کا لباس پہن رکھا تھا۔ آپ نے عزت کے حسن کے نیچے اس وقت عاجزی کی جب رعب آپ کو بلند کر رہا تھا۔ یہ جھکنے والی اور ڈرنے والی ذات کا فعل تھا۔ آسمان کے ملائکہ نے اس وجہ سے ایک دوسرے کو بشارت دی، جب آپ نے اپنی انتہائی آرزو پوری کرلی۔ زمین رعب ودبدبہ کی وجہ سے لرزہ براندام تھی۔ فضا فرحت وسرور کے نور سے معمور تھی۔ اگر وہ نوشتہ تقدیر نہ ہوتا جسے قلموں سے تحریر کر دیا ہے اور وہ قضاء نہ ہوتی جسے تبدیل نہیں کیا جاسکتا تو ثہلان خوشی سے کلمہ طیبہ پڑھتا اور یذبل پہاڑ خوف وڈر کی وجہ سے پگھل جاتا۔ سلطنت اللہ رب العزت کے لیے

ہے۔ یہ صرف اس ہستی والا کے لیے ہے، ازل میں عرش معلّٰی پر جس کے لیے نبوت کا تاج سجایا گیا۔ آپ نے قریش کی شیرازہ بندی کی، حالانکہ اسے قبائل نے گھاٹیوں اور چوٹیوں پر پھینک دیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ محمد مصطفیٰ ﷺ نے ایسے لشکر جمع کیے ہیں جو شیروں کی طرح ہیں۔ جو اپنے جبڑوں سے سخت آواز نکالتے ہیں۔ آپ کی تشریف آوری سے اہل مکہ کو اپنی ہلاکت کا خدشہ تھا۔ ام قریش کو اپنے غم زدوں کی وجہ سے بربادی کا یقین تھا۔ مگر آپ نے انتہائی درگزر کرتے ہوئے عفو سے کام لیا۔ مگر آپ نے نہ تو ان کے ساتھ مقابلہ کیا۔ نہ ہی رسواء کیا، بلکہ معاف کر دیا۔ آپ نے ان کے کبیرہ گناہوں سے بھی اعراض فرمایا۔ اسی درگزر کی وجہ سے انہوں نے بڑے آرام سے قیلولہ کیا۔ وہ لوگ جن پر آپ نے رحم فرمایا اور جنہیں امان دی وہ آپ کے قریبی رشتہ دار تھے۔ انہوں نے لطف و کرم والے درگزر کے سایہ میں پناہ لی۔ جن کا چہرہ مبارک اور توفیق الٰہی ان کے شامل حال تھی۔ وہ اخلاق کے اعتبار سے ساری دنیا سے پاکباز اور پاکیزہ ہیں اور حق سے منحرف ہونے والے کے لیے سارے لوگوں سے بڑھ کر راہ نما ہیں۔ مسرت اور حیاء کی وجہ سے وقار نے آپ کے خشوع کو مزین کیا۔ آپ پردہ نشین دوشیزہ سے بھی زیادہ باحیاء تھے۔ آپ نے کثرت اور شادمانی کے ساتھ بیت اللہ کا طواف کیا۔ آپ نے اس مقدس گھر کا طواف کیا جس سے فتح مکہ سے پہلے آپ کو روک دیا گیا تھا۔ کفر ناپاکی کی تاریکیوں میں لوٹ پوٹ ہو رہا تھا۔ وہ زحل سے بہموت (مچھلی کا نام) پر آ گرا۔ وہیں مقیم ہو گیا۔ آپ نے حجاز کے اطراف کو امن کے ساتھ روک دیا۔ آپ نے خیف اور ملل سے کنارہ کشی اختیار فرمائی۔ آپ کی وجہ سے یمن میں بھی یُمن و برکت نازل ہوئی۔ جب وہاں کے باشندوں نے جلدی اسلام قبول کر لیا۔ دین متین نے اس کے اطراف کو گھیر لیا۔ عزت و نصرت کے ساتھ وہ دیگر ادیان پر غالب آ گیا۔ دین سے منحرف نے معترف کی اطاعت کر لی۔ راہِ راست سے بھٹکے ہوئے نے صراط مستقیم پر چلنے والے کی اطاعت کر لی۔ اہل حق کے مابین دوستی کے ساتھ آپ محبت فرمائیں۔ اس کی روشن سلطنت کے دیگر سلطنتوں پر غلبہ سے محبت کریں''۔

معبودان باطلہ کی سرکوبی

سریہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا عزیٰ کو مسمار کرنا

جب فتح مکہ کو پانچ روز گزر گئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو عزیٰ کی طرف بھیجا تا کہ اسے مسمار کر دیں۔ ان کے ہمراہ تیس گھوڑے تھے۔ عزیٰ سے کیا مراد ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ بعض نے اسے درخت کہا ہے۔ بعض نے اسے بت کہا ہے۔ جسے سعد بن ظالم العطفانی نے اس وقت نصب کیا تھا جب وہ مکہ آیا تھا۔ اس نے دیکھا کہ لوگ صفا اور مروہ کے مابین سعی کر رہے تھے۔ اس نے ان دونوں پہاڑیوں سے پتھر لیے اور انہیں نخلہ منتقل کر دیا۔ نخلہ مکہ مکرمہ سے ایک رات کی مسافت پر ہے۔ عزیٰ قریش اور سارے بنو کنانہ کا بت تھا۔ اس کے متولی بنوشیبان تھے۔ جو بنو سلیم میں سے تھے۔ یہ بنو ہاشم کے حلیف تھے۔ یہ ان سب سے بڑا بت تھا۔ عمرو بن لحی (لعنہ اللہ) نے انہیں کہا ''رب لات کے پاس موسم سرما اور عزیٰ کے پاس موسم گرما بسر کرتا ہے'' لوگ اس کی تعظیم کرنے لگے۔ انہوں نے اس کے لیے گھر بھی بنا دیا۔ وہ اس گھر کے لیے اس طرح تحائف بھیجتے جس طرح خانہ کعبہ کے لیے بھیجتے تھے۔ اس کی اسی طرح تعظیم کرتے جس طرح خانہ کعبہ کی تعظیم کرتے تھے۔ وہ اس کا طواف کرتے اور اس کے پاس جانور ذبح کرتے تھے۔ اس کے باوجود خانہ کعبہ کو اس پر فضیلت دیتے تھے۔ کیونکہ وہ ان کا تعمیر کردہ گھر اور ان کی مسجد تھی۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ جب عزیٰ کے پہرے دار نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی آمد کے متعلق سنا تو اس نے اپنی تلوار عزیٰ کی گردن میں آویزاں کی اور یہ کہتے ہوئے قریبی پہاڑ کی طرف بھاگ گیا:

أیاعزیٰ شدی شدۃ لا شویٰ لھا   علی خالد القی القناع وشمری

یاعز ان لم تقتلی المرء خالدا   وفبوئی باثم عاجل او تنصری

''عزیٰ! اس تلوار سے خالد پر ایسی ضرب کاری لگا جو خطا نہ جائے۔ آج چہرے سے نقاب الٹ دے اور آستین چڑھا دے۔ اے عزیٰ! اگر تو نے اس مرتبہ خالد کو قتل نہ کیا تو سارے گناہ کا بوجھ تمہاری گردن پر ہوگا''۔

جب صحابہ کرام اس تک پہنچے تو اس گھر کو گرا دیا جس میں وہ بت تھا۔ وہ گھر تین درختوں پر مشتمل تھا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اسے گرا دیا۔ اس گھر کو بھی گرا دیا اور بت کو بھی ریزہ ریزہ کر دیا۔ پھر مکہ مکرمہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''کیا تم نے وہاں کوئی چیز دیکھی ہے؟ جب تم اسے گرا رہے تھے۔ انہوں نے عرض کی ''نہیں'' آپ نے فرمایا ''تم نے اسے صحیح طرح نہیں گرایا جس سے اس کی ابدی حقیقت زائل ہو جائے۔ تم نے اس کی ظاہری صورت کا ازالہ کیا ہے۔ امر خفی باقی ہے۔ یہ اس کے زوال سے ہی زائل ہوگی۔ تم اس کی طرف واپس جاؤ، اسے صحیح طرح گرا کر آؤ'' حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ غصہ کی حالت میں واپس آئے۔ انہوں نے تلوار سونت رکھی تھی۔ اندر سے ایک عریاں بڑھیا

نکلی جو سر پر گرد وغبار ڈال رہی تھی۔اس کا سر اور چہرہ گرد آلود تھا۔پہرہ دار اسے پکارنے لگا ''اے عزیٰ! اسے برباد کر دے۔ اسے اندھا کر دے تو ہرگز نہیں مرے گی'' حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ یہ شعر پڑھتے ہوئے اس پر کاری ضرب لگادی:

یاعز کفرانک لا سبحانک انی رائیت اللہ قد اھانک

''اے عزیٰ! میں تیرا انکار کرتا ہوں۔تیری پاکیزگی بیان نہیں کرتا۔میں نے دیکھ لیا ہے کہ رب تعالیٰ نے تجھے ذلیل کر دیا ہے''۔

اسے دو دفعہ کاٹ ڈالا۔اس درخت کو جڑ سے اکھیڑ پھینکا۔اس میں سے شیطانہ باہر نکلی۔جس نے اپنا ہاتھ اپنے سینے پر رکھا ہوا تھا۔وہ ہائے ہائے! پکار رہی تھی۔پھر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سارا واقعہ گوش گزار کیا۔آپ نے فرمایا ''وہ عزیٰ تھی۔اب وہ مایوس ہو چکی ہے کہ اب تمہارے شہروں میں اس کی عبادت کی جائے''۔

سواع کا مسمار ہونا، سریہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ

سواع بنو ہذیل کا بت تھا۔یہ مکہ مکرمہ سے تین میل دور تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے منہدم کرنے کے لیے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ابن جریر نے لکھا ہے کہ سواع بن شیث بن آدم کا جب وصال ہوا تو ان کی تصویر بنالی گئی اور ان کے دینی مقام اور منصب کی وجہ سے ان کی تعظیم کی جانے لگی۔کیونکہ ان کی دعا درِ اجابت پر مقبول ہو جاتی تھی۔ان کی اولاد یغوث، یعوق اور نسر کا وصال ہوا تو ان کی بھی تصاویر بنالی گئیں۔بعد میں آنے والے لوگوں نے کہا ''ہمارے ان آباء نے اس لیے عظمت حاصل کی ہے کیونکہ وہ رزق دیتے تھے۔نفع اور نقصان دیتے تھے۔انہیں اپنا معبود بنالو'' امام سہیلی نے لکھا ہے کہ مہلائیل بن قینان کے عہد میں ان کی پوجا ہونے لگی۔امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ وہ بت جنہیں حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے بنا رکھا تھا۔اہل عرب نے بھی انہیں اپنا معبود بنالیا۔یہ پاکباز لوگوں کے نام تھے۔جب وہ مر گئے تو شیطان نے انہیں کہا کہ اپنی مجالس میں ان کے ناموں کے پتھر نصب کر لیں اور انہیں ان صالحین کے نام دے دیں'' جب وہ لوگ مر گئے تو بعد والوں نے ان پتھروں کی عبادت شروع کر دی۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''وہ سواع کے پاس گئے۔اس کے پاس اس کا چوکیدار بیٹھا ہوا تھا۔اس نے پوچھا ''کیا ارادہ ہے؟ میں نے کہا'' مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ میں سواع کو گرا دوں'' اس نے کہا ''تم اسے مسمار نہیں کر سکتے'' میں نے پوچھا ''کیوں؟ اس نے کہا ''یہ تمہیں روک دے گا'' میں نے کہا ''تیرے لیے ہلاکت! ابھی تک باطل پر ڈٹے ہوئے ہو۔کیا یہ سنتا ہے۔یا دیکھتا ہے جو مجھے روک دے گا'' میں اس بت کے قریب گیا اور اسے ریزہ ریزہ کر دیا۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا تو انہوں نے اس کے خزانے کا کمرہ گرا دیا۔اس میں سے ہمیں کچھ بھی نہ ملا۔میں نے پہریدار سے کہا'' تو نے کیا دیکھا؟ اس نے کہا ''میں رب تعالیٰ کے لیے اسلام لے آیا'' حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ کتنے ساتھی اس مہم میں شریک ہوئے۔کسی نے ان کی تعداد بیان نہیں کی''۔

مناۃ کا انہدام

یہ اوس اور خزرج کا بت تھا۔ دوسری روایت کے مطابق بنو ھذیل، بنو کعب، خزاعہ اور غسان بھی اس کی پوجا کرتے تھے۔ یہ مشلل کے مقام پر تھا۔ مشلل ساحل سمندر پر ایک پہاڑ تھا۔ حضرت سعد بن زید اشہلی رضی اللہ عنہ کو فتح مکہ کے بعد اسے مسمار کرنے کے لیے بھیجا گیا۔ آپ کے ساتھ بیس گھڑ سوار تھے۔ یہ سب مناۃ تک پہنچے، وہاں اس کا چوکیدار بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے پوچھا "کیا ارادہ ہے؟ میں نے کہا "میں مناۃ کو پیوند خاک کرنا چاہتا ہوں" پہرے دار نے کہا "تم جانو یا وہ" اس کا گمان تھا کہ وہ اسے نہیں گراسکیں گے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ چل کر اس کی طرف گئے۔ ان کی طرف ایک عریاں، سیاہ اور منتشر بالوں والی عورت باہر نکلی وہ اپنا سینہ پیٹ رہی تھی" ہائے ہلاکت پکار رہی تھی" پہرے دار نے کہا "مناۃ! تیرے نافرمان تیرے پاس آرہے ہیں" حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اس پر وار کر کے اسے گرادیا۔ پھر بت کے پاس گئے، ان کے ہمراہ ان کے ساتھی بھی تھے۔ انہوں نے اس کے خزانے کا کمرہ گرایا، مگر اس میں سے کچھ بھی نہ نکلا۔ پھر وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آ گئے۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کو بھیجا تا کہ وہ مناۃ کو گرادیں۔ سیرت ابن ہشام میں ہے کہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس مقصد کے لیے بھیجا۔ ممکن ہے یہ سارے حضرات قدسی مناۃ کو گرانے کے لیے گئے ہوں۔

غزوۂ حنین

سبب: حنین ایک جگہ کا نام ہے۔ جو طائف کے راستہ میں ذوالحجاز کی طرف ہے۔ ذوالحجاز زمانۂ جاہلیت کا بازار تھا۔ ایک اور قول کے مطابق مکہ مکرمہ اور طائف کے مابین وادی کا نام حنین تھا۔ اس غزوہ کو غزوۂ اوطاس بھی کہا جاتا ہے۔ اسی مقام پر یہ معرکہ حق و باطل ظہور پذیر ہوا۔ اس کو غزوۂ ہوازن کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ ہوازن اہل عرب کا بہت بڑا قبیلہ تھا۔ یہ ہوازن بن منصور بن عکرمہ کی طرف منسوب ہوتے تھے۔ اس غزوہ کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ مکہ مکرمہ فتح ہوا تو بنو ہوازن اور بنو ثقیف کے سردار ایک دوسرے کے پاس گئے۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنگ کرنے کے متعلق مشورہ کیا۔ کیونکہ انہیں خطرہ تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان پر حملہ آور ہو جائیں گے۔ انہوں نے کہا "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اب ہمارے لیے فارغ ہو چکے ہیں۔ اب کوئی رکاوٹ نہیں جو آپ کو ہم سے روک سکے۔ بہتر یہ ہے کہ آپ کے حملہ کرنے سے پہلے ہم آپ پر حملہ کر دیں"۔

بعض روایات میں ہے کہ بنو ہوازن فتح مکہ سے قبل آپ پر حملہ کرنا چاہتے تھے۔ حضرت ابوالزناد سے روایت ہے کہ بنو ہوازن ایک سال تک لشکر جمع کرتے رہے۔ ان کے رؤساء نے اس مقصد کے لیے سارے عرب کا دورہ کیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ مشرفہ کو فتح کیا تو انہوں نے کہا "اب آپ ہم پر ضرور حملہ آور ہو جائیں گے" انہوں نے آپ پر حملہ آور ہو جانے کا فیصلہ کیا۔ ان میں سے ایک نے کہا "محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ابھی تک کسی ایسی قوم کے ساتھ نبرد آزما نہیں ہوئے جو فنون سپہ گری سے آشنا ہو۔ تم باہم اتفاق کر لو اور ان کے حملہ کرنے سے قبل ان پر ہلہ بول دو" اسی بات پر انہوں نے اتفاق کر لیا۔ مالک بن عوف کے پاس لشکر جرار جمع ہونے لگا۔ بہت سے قبائل اس کے پاس جمع ہو گئے۔ جن میں بنو سعد بن بکر بھی تھا۔ اسی

قبیلہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضاعت کا شرف ابدی نصیب ہوا تھا۔

درید بن صمہ

ان میں درید بن صمہ بھی تھا۔ یہ ایک تجربہ کار اور جری انسان تھا۔ لیکن یہ بہت عمر رسیدہ ہو چکا تھا۔ اس کی عمر ایک سو بیس سال یا ایک سو پچاس یا ایک سو ستر سال یا دو سو سال کے قریب تھی۔ یہ نابینا ہو چکا تھا۔ اب اس کی صرف رائے اور جنگی چالوں سے ہی فائدہ اٹھایا جا سکتا تھا کیونکہ یہ صاحب رائے اور فنون حرب سے آگاہ تھا۔ بنو ثقیف کا قائد کنانہ بن عبد یالیل تھا۔ اس نے بعد میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ بنو ثقیف اور بنو سعد کے چار ہزار جوان جمع ہو چکے تھے۔ دیگر اہل عرب کے بہت سے قبائل نے ان کے ساتھ شرکت کی۔ اس طرح ان کی مجموعی تعداد تیس ہزار بن گئی۔ قیادت کی زمام مالک بن عوف کے سپرد کی گئی۔ اس وقت اس کی عمر تیس سال تھی۔ انہوں نے شرط یہ رکھی کہ وہ درید بن صمہ سے رائے لے گا۔ مالک بن عوف نے اپنے لشکر کے ہمراہ ان کے جانور، اموال، خواتین اور اولاد کو لانے کا حکم دیا تا کہ وہ جنگ کے وقت ثابت قدم رہیں۔ وہ راہ فرار اختیار نہ کریں۔ یہ لشکر اوطاس کے مقام پر خیمہ زن ہوا۔ درید بن صمہ نے کہا "میں اونٹوں کے بلبلانے کی آواز، گدھے کی آواز، بچوں کے رونے کی آواز، بکریوں کے ممیانے کی آواز اور مویشیوں کی آواز کیوں سن رہا ہوں؟ لوگوں نے اسے بتایا کہ مالک بن عوف اپنے ساتھ لوگوں کے اموال، خواتین اور اولاد بھی ہانک لایا ہے۔ درید نے کہا "مالک کہاں ہے؟ مالک اس کے سامنے حاضر ہو گیا۔ درید نے کہا "تو ایک کریم شخص کے ساتھ جنگ کرنے جا رہا ہے۔ سارے عرب کو اس نے روندھ ڈالا ہے۔ عجم اس سے لرزہ براندام ہے۔ یہودیوں پر وہ غالب آ چکا ہے۔ اس نے انہیں یا قتل کر دیا ہے یا ذلت و رسوائی کیساتھ جلا وطن کر دیا ہے" مالک نے کہا "تمہاری رائے کی ہم مخالفت نہیں کریں گے" درید نے کہا "مالک! تو اپنی قوم کا سردار بن چکا ہے۔ آج کے دن پر بعد کے ایام کا انحصار ہے۔ میں جانوروں کی آوازیں کیوں سن رہا ہوں؟ اس نے کہا "میں لوگوں کے ہمراہ ان کے بیٹے، خواتین اور اموال ہانک لایا ہوں" درید نے کہا "وہ کیوں؟ مالک نے کہا "میں چاہتا ہوں کہ میں ہر شخص کے پیچھے اس کا مال اور اہل رکھوں" یہ سن کر درید نے آواز نکالی، پھر کہا "اے بھیڑیں چروانے والے! ان کا اور جنگ کا آپس میں کیا تعلق؟ پھر اس نے اسے جانور اور اولاد واپس لے جانے کا مشورہ دیا۔ اس نے کہا "کیا شکست خوردہ کو کوئی چیز روک سکتی ہے؟ اگر یہ جنگ تمہارے حق میں ہوئی تو پھر تمہیں کوئی شخص اپنی تلوار اور نیزہ کے ساتھ ہی فائدہ دے سکتا ہے۔ یہ عورتیں، بچے اور جانور فائدہ نہیں دے سکتے۔ اگر جنگ تمہارے برعکس ہوئی تو تم اپنے اہل اور مال سمیت برباد ہو گئے"۔

مالک نے درید کی رائے قبول نہ کی، پھر درید نے پوچھا کہ کعب اور کلب نے کیا کیا؟ تو لوگوں نے بتایا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی موجود نہیں۔ درید نے کہا "کوشش اور بہادری ختم ہو گئی۔ اگر اب رفعت اور غلبہ کا دن ہوتا تو وہ دونوں غائب نہ ہوتے" پھر اس نے کہا "بعد کے دنوں کا انحصار آج کے دن پر ہے" مالک نے کہا "میں چاہتا ہوں کہ آج تم ایسے کارنامے دیکھو جو تمہیں خوش کر دیں" پھر درید نے مالک کو چند مشورے دیے، لیکن مالک نے ان میں سے ایک کو بھی قبول نہ کیا۔ اس نے کہا "بخدا! اب میں تیری اطاعت ہرگز نہیں کروں گا۔ تو عمر رسیدہ ہو چکا ہے۔ تیری رائے کمزور ہو چکی ہے" درید نے بنو

ہوازن سے کہا "مالک نے شرط لگائی تھی کہ وہ میری مخالفت نہیں کرے گا۔ اس نے میری مخالفت کی ہے۔ اب میں اپنے اہل خانہ کے ہاں واپس جانے لگا ہوں" مگر بنو ہوازن نے اسے روک دیا۔ مالک نے کہا "بنو ہوازن! یا تو تم میری اطاعت کرو گے یا میں اس تلوار کے ذریعے خودکشی کرلوں گا" اس نے درید کی کسی رائے یا مشاورت کو سخت ناپسند کیا۔ بنو ہوازن نے کہا "ہم تمہاری اطاعت کریں گے"۔ درید نے کہا "معشر ہوازن! یہ شخص تمہیں تمہاری خواتین اور اولاد کو رسواء کرنا چاہتا ہے۔ یہ تمہیں تمہارے دشمن کے حوالے کر کے خود ثقیف کے قلعوں میں بھاگ جائے گا۔ تم اسے چھوڑ کر واپس چلے جاؤ" مگر اس کی قوم نے اس کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ جب درید نے اپنی قوم کی مخالفت دیکھی تو اس نے کہا:

یالیتنی فیھا جذع اخب فیھا واضع اقود وطفاء الزمع کأناھا شاۃ صدع

"کاش! اس جنگ میں میرا عہد شباب ہوتا اور میں اس میں دوڑ دھوپ کر سکتا۔ لمبے بالوں والے گھوڑے پر سوار ہو کر جنگ کرتا۔ وہ گھوڑا پہاڑی بکرے کی طرح ہوتا"۔

پھر مالک نے گھوڑوں کی صفیں بنانے کا حکم دیا۔ بکریوں کو ان کے پیچھے، خواتین کو اونٹوں پر بٹھایا۔ جنگجو افراد کو آگے کیا۔ اونٹوں، گائے اور بکریوں کو ان کے پیچھے کیا تا کہ وہ بھاگنے نہ پائیں۔ وہ اپنے اموال، اولاد اور خواتین کی وجہ سے جنگ کریں۔ پھر اس نے لوگوں سے کہا "جب تم دیکھو کہ میں نے ان پر حملہ کر دیا ہے تو ان پر یکبارگی حملہ آور ہو جاؤ"۔

اہل اسلام کی تیاری

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بنو ہوازن کی جنگی تیاریوں کا علم ہوا تو آپ نے ان کی طرف جانے کا ارادہ فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہفتہ کے روز مکہ مکرمہ سے عازم سفر ہوئے۔ شوال کے چھ دن گزر چکے تھے۔ آپ کے ہمراہ بارہ ہزار مجاہدین تھے۔ دس ہزار وہ تھے جو مدینہ طیبہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آئے تھے۔ دو ہزار وہ تھے جنہوں نے فتح مکہ کے روز اسلام قبول کیا تھا۔ جو مجاہدین مدینہ طیبہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ آئے تھے اور بنو ہوازن کو سبق سکھانے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ان کی طرف گئے۔ بعض سیرت نگاروں نے ان کی الگ الگ تعداد رقم کی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ اس لشکر میں انصار کی تعداد چار ہزار، مہاجرین ایک ہزار، بنو جہینہ ایک ہزار، مزینہ ایک ہزار، بنو اسلم ایک ہزار، بنو غفار ایک ہزار اور بنو اشجع ایک ہزار تھے۔ پہلے تذکرہ ہو چکا ہے کہ آپ نے قریش کے تین افراد سے قرض لیا تھا۔ صفوان بن امیہ سے پچاس ہزار دراہم۔ عبد اللہ بن ربیعہ سے چالیس ہزار دراہم اور خویطب بن عبد العزیٰ سے بھی چالیس ہزار دراہم قرض لیے۔ انہیں متفرق صحابہ کرام میں تقسیم کر دیا تا کہ وہ ان سے تیاری میں مدد لے سکیں۔ پھر بنو ہوازن سے جو مال غنیمت ملا۔ آپ نے اس سے سارا قرض اتار دیا۔ پھر فرمایا "قرض کی جزا احسن ادائیگی اور شکریہ ہے" صفوان ابھی تک اپنی قوم کے دین پر ہی تھا۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے امان حاصل کر لی تھی۔ دو ماہ کی مہلت مانگی تھی۔ اگر اس نے چاہا تو آپ کی اتباع کر کے اسلام میں داخل ہو جائے گا ورنہ کہیں چلا جائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے چار ماہ کی مہلت دی تھی۔ پھر صفوان نے اسلام قبول کر لیا۔

صفوان کے پاس بہت سا اسلحہ اور زرہیں تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف پیغام بھیجا: فرمایا "ابو امیہ! ہمیں اپنا اسلحہ

ادھار دے دو۔ جس کے ساتھ ہم دشمن سے مقابلہ کریں" صفوان نے کہا "محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیا یہ غصب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "نہیں! بلکہ ادھار ہے۔ یہ مضمونہ ہیں، حتیٰ کہ ہم انہیں واپس لوٹا دیں" صفوان نے کہا "پھر کوئی حرج نہیں"۔ صفوان نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک سو یا چار سو زرہیں پیش کیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اٹھا کر میدان جنگ میں لے جانے کا حکم دیا۔ روایت ہے کہ بعض زرہیں مفقود ہو گئیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ صفوان کو دینے کا ارادہ فرمایا تو اس نے کہا "یارسول اللہ! آج میں اسلام میں زیادہ راغب ہوں" آپ نے نوفل بن الحرث بن عبدالمطلب سے تین ہزار نیزے ادھار لیے پھر فرمایا "گویا کہ میں ان نیزوں کو دیکھ رہا ہوں یہ مشرکین کی پشتیں توڑ رہے ہیں"۔

اسلامی لشکر کی روانگی

پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عازم سفر ہوئے۔ صحابہ اور اہل مکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ عازم سفر ہوئے۔ ان میں سے بعض پیادہ اور بعض سوار تھے۔ حتیٰ کہ خواتین بھی پیدل روانہ ہو گئیں۔ کیونکہ انہیں مال غنیمت ملنے کی توقع تھی۔ بعض لوگ صرف تماشائی بن کر عازم سفر ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ کا عامل مقرر فرمایا۔ احکام اور شرائع کی تعلیم کے لیے وہاں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا تقرر کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ وہ مشرکین بھی عازم سفر ہوئے جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے امان حاصل کر لی تھی۔ انہوں نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ ان کی تعداد اسی تھی۔ ان میں صفوان بن امیہ اور سہیل بن عمرو بھی تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دشمن کے قریب گئے تو صحابہ کرام کی صف بندی فرمائی۔ انہیں علم اور پرچم عطا کیے۔ مہاجرین کا جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ ہر قبیلے کو پرچم عطا کیے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو ایک پرچم، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو ایک پرچم عنایت فرمایا۔ بنوخزرج کا جھنڈا حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ بنواوس کا جھنڈا حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ ہر قبیلے کو ایک پرچم عطا فرمایا۔ جسے ان میں سے ایک شخص نے اٹھا رکھا تھا۔ پھر آپ نے دیگر قبائل کو ترتیب دی۔ ان میں جھنڈے اور پرچم تقسیم کیے۔ خود، زرہیں زیب بدن فرمائیں۔ خود پہنا اور اپنی خچر البیضاء پر سواری فرمائی۔ بعض نے "اشہباء" لکھا ہے۔ البتہ اس سے مراد ایک ہی خچر ہے۔ بعض نے اسے "بیضاء" اور بعض نے "شہبائ" لکھا ہے۔ اس خچر کا نام "دلدل" تھا۔ مالک بن عوف نے تین جاسوس بھیجے تا کہ وہ حضور اور صحابہ کرام کے بارے خبریں جمع کریں۔ جب وہ مالک کے پاس پہنچے تو ان کے اوسان خطا تھے۔ مالک نے پوچھا "ارے! تمہیں کیا ہوا ہے؟ انہوں نے کہا "ہم نے سفید آدمی دیکھے ہیں جو ابلق گھوڑوں پر سوار تھے۔ انہیں دیکھ کر ہماری یہ حالت زار ہوئی ہے۔ ہماری مانو تو اپنی قوم لے کر واپس لوٹ جاؤ" مالک نے کہا "تم پر افسوس! بلکہ تم قوم میں سے سب سے زیادہ بزدل ہو" اس نے انہیں اپنے پاس بطور قیدی رکھ لیا تا کہ یہ خبر اس کے لشکر میں نہ پھیلنے پائے۔ وہ واپس نہ ہوا بلکہ اپنے عزم کے مطابق آگے بڑھتا رہا۔

حضرت عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی رضی اللہ عنہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی رضی اللہ عنہ کو بنو ہوازن کی خبر گیری کے لیے بھیجا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں حکم فرمایا کہ وہ ان کے اندر گھس جائیں اور ان کے سارے معاملات کا بنظر عمیق جائزہ لے کر آئیں۔ وہ بنو ہوازن میں داخل ہو گئے۔ وہ ایک یا دو دن ان میں ٹھہرے رہے اور ان کی باتیں غور سے سنیں۔ پھر بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہو گئے۔ عرض کی "وہ مالک بن عوف کے خیمہ تک گئے، اس کے پاس ہوازن کے رؤساء بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے اسے سنا۔ وہ اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا تھا"۔ آج تک محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) درحقیقت کسی قوم کے ساتھ جنگ آزما ہوئے ہی نہیں۔ وہ ایسی قوم کے ساتھ معرکہ آزما ہوئے جو فنون سپہ گری سے آگاہ نہ تھی۔ اسی لیے وہ ان پر غالب آ گئے ہیں۔ وقت سحر اپنے پیچھے اپنے جانوروں، خواتین اور اپنی اولاد کی صفیں بنالو۔ پھر اپنی صف بندی کرلو۔ پھر اپنی طرف سے حملہ کردو۔ اپنی شمشیروں کے نیام پھاڑ دو۔ تم ان کے ساتھ بیس ہزار تلواروں کے ساتھ ملاقات کرو گے۔ پھر ان پر یکبارگی حملہ آور ہو جاؤ۔ جان لو! غلبہ اسے نصیب ہوتا ہے جو پہلے حملہ کرتا ہے"۔

دوسری روایت کے مطابق حضرت عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عرض کی "میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رخصت لے کر عازم سفر ہوا۔ فلاں پہاڑ پر چڑھا تو سامنے بنو ہوازن کا لشکر موجود تھا۔ وہ اپنی خواتین، جانور اور بکریاں لے کر آئے ہیں۔ وہ حنین کے مقام پر جمع ہیں" یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبسم ریز ہوئے۔ فرمایا "یہ سب کچھ مسلمانوں کے لیے مال غنیمت ہے ان شاء اللہ! ایک مسلمان کی زبان سے یہ نازیبا جملہ نکل گیا" آج ہم قلیل تعداد کی وجہ سے مغلوب نہیں ہوں گے" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ جملہ بڑا گراں گزرا۔

پہلے تذکرہ ہو چکا ہے کہ مالک نے اپنے رئیسوں سے کہا کہ محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر بیس ہزار تلواروں کے ساتھ حملہ کردو' راجع قول یہی ہے کہ ان کی تعداد بیس ہزار تھی۔ علامہ زرقانی نے مواہب میں یہی تحقیق پیش کی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ان کی تعداد تیس ہزار تھی۔ البتہ یہ قول قابل قبول نہیں کہ بنو ہوازن کی تعداد چار ہزار تھی۔

کمین گاہوں سے تیراندازی

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حنین کے قریب پہنچے۔ لشکر اسلامی گھاٹی میں پہنچا۔ صبح کا دھندلکا ابھی باقی تھا تو وہ لوگ ان پر حملہ آور ہو گئے۔ جو وادی کی گھاٹی اور تنگ دروں پر چھپے بیٹھے تھے۔ یہ سب کچھ درید بن صمہ کے اشارہ سے ہوا تھا۔ اس نے مالک بن عوف سے کہا "کمین گاہوں میں اپنے تیرانداز بٹھا دو۔ اگر مسلمانوں نے تم پر حملہ کر دیا تو کمین گاہوں میں چھپے ہوئے لوگ تمہارے لیے مددگار ثابت ہوں گے۔ یہ مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ آور ہو جائیں گے۔ یہ تمہارے دیگر ساتھیوں سمیت مسلمانوں پر یکجان ہو کر حملہ کردیں گے۔ اگر حملہ تم نے کیا تو قوم میں سے ایک شخص بھی پیچھے نہیں رہے گا۔ مسلمانوں پر یکجان ہو کر حملہ کر دینا" بنو ہوازن ماہر تیرانداز تھے۔ انہوں نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ گویا کہ وہ منتشر ٹڈیاں تھیں۔ جن کا ایک تیر

بھی نشانہ سے خطا نہیں جائے گا۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا ''بنوہوازن تیراندازی میں ماہر تھے۔ جب ہم نے ان پر حملہ کیا تو وہ ہزیمت کھا کر پیچھے ہٹ گئے۔ ہم مال غنیمت حاصل کرنے لگے۔ انہوں نے ہم پر تیراندازی شروع کر دی۔ مسلمان پیچھے لوٹنے لگے۔ ان میں سے ایک دوسرے کی طرف مڑ کر نہیں دیکھ رہا تھا''۔

دوسری روایت ہے کہ مسلمانوں پر اتنے کثیر سپاہیوں نے حملہ کر دیا کہ انہوں نے اس سے قبل اتنی کثیر تعداد کبھی نہیں دیکھی تھی۔ صبح کا دھندلکا تھا۔ وادی کی تنگ جگہ سے ایک لشکر جرار نکلا۔ انہوں نے یکبار مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ بنوسلیم کا گھڑسوار دستہ پیچھے ہٹنے لگا۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام کے ہمراہ تھے۔ اہل مکہ اور دیگر لوگ بھی ان کے پیچھے پیچھے بھاگنے لگے۔

ثابت قدم حضرات قدسی

ایک شخص نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے پوچھا ''یوم حنین کو تم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے؟ انہوں نے فرمایا ''مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوہِ استقامت بنے اپنی جگہ ہی تشریف فرما رہے'' اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذرا دائیں سمت ہو کر کھڑے ہو گئے۔ آپ کے پاس تھوڑے سے صحابہ کرام موجود تھے۔ ان حضرات قدسی میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی، حضرت عباس، حضرت فضل، حضرت ابوسفیان بن حرب، حضرت اسامہ بن زید، حضرت ربیعہ بن حرث، حضرت عتبہ، حضرت معتب اور حضرت ایمن بن ام ایمن رضوان اللہ علیہم اجمعین شامل تھے۔ حضرت ایمن رضی اللہ عنہ نے اسی روز قبائے شہادت زیب تن کی۔ اس روز کتنے صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ ثابت قدم رہے۔ ان کی تعداد میں اختلاف ہے۔ ایک قول کے مطابق ان کی تعداد ایک سو، دوسرے قول کے مطابق اسی، تیسرے قول کے مطابق بارہ، چوتھے قول کے مطابق دس، پانچویں قول کے مطابق تین سو تھے۔ ان اقوال میں اختلاف نہیں کیونکہ ہوسکتا ہے کہ مختلف اوقات میں یہ تعداد مختلف رہی ہو۔ کبھی یہ تعداد کم اور کبھی زیادہ ہوگئی ہو۔ بعض اوقات زیادہ صحابہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جمع ہو گئے اور بعض اوقات وہ آپ کے دائیں بائیں سمت قتال کرنے کے لیے چلے گئے ہوں''۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا ''حنین کے روز میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں تھا۔ لوگ بھاگ نکلے۔ انصار اور مہاجرین میں سے صرف اسی افراد آپ کے ہمراہ رہ گئے۔ ہم ثابت قدم رہے اور پیٹھ پھیر کر نہ بھاگے'' انہی صحابہ کرام پر رب تعالیٰ نے سکینہ کا نزول فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی خچر پر سوار تھے۔ ایک قدم بھی آگے پیچھے نہ ہوئے۔ آپ کے چچا محترم آپ کی خچر کی لگام پکڑے ہوئے تھے۔ اور اسے دشمن کی طرف بڑھنے سے روکے ہوئے تھے۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ سعادت عظمیٰ حاصل کی تھی۔ ممکن ہے کہ ایک دفعہ یہ سعادت حضرت عباس جبکہ دوسری بار حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے حاصل کی ہو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچازاد حضرت ابوسفیان بن حرث آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری کی رکاب تھامے کھڑے تھے۔ انہوں نے فرمایا ''جب ہم حنین کے مقام پر دشمن کے ساتھ نبرد آزما ہوئے۔ میں اپنے گھوڑے سے نیچے اتر کر دشمن سے جنگ آزما ہو گیا۔ میرے ہاتھ میں شمشیر بے نیام تھی۔ خدا جانتا ہے میں

خود کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نثار کر دینا چاہتا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری سمت دیکھ رہے تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپ سے عرض کی "یارسول اللہ! یہ آپ کا بھائی اور چچازاد ہے۔ اس سے راضی ہو جائیں" آپ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ اس کی وہ ساری عداوتیں معاف فرمائے جو یہ میرے ساتھ رکھتا تھا" پھر میری طرف توجہ فرماتے ہوئے فرمایا "میرے بھائی! میں نے رکاب میں ہی آپ کی ٹانگ مبارک کو بوسہ دینے کی سعادت حاصل کی" انہی کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ابوسفیان بن حرث جنتی جوانوں میں سے ہیں" دوسری روایت میں ہے "اہل جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنوہوازن کی طرف خچر کو ایڑی لگائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب" "میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں۔ اس میں ذرہ بھر جھوٹ نہیں۔ میں عبد المطلب کا فرزند ارجمند ہوں"۔

آپ نے مشتِ خاک لی اور بنوہوازن کی طرف پھینک دی۔ اور فرمایا "شاھت الوجوہ" چہرے برباد ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ہر ایک شخص کی آنکھیں اس مٹی سے بھر دیں۔ بعض روایات میں ہے کہ جب آپ نے مشت خاک لینے کا ارادہ فرمایا تو خچر خود بخود نیچے جھک گئی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ آپ کے قریب ہی تھے۔ انہوں نے کہا "میں نے عرض کی "اوپر اٹھیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو منصب رفیع پر فائز فرمائے" آپ نے مجھے فرمایا "مجھے مشت خاک دیں" میں نے آپ کو مٹھی بھر مٹی پیش کی" آپ نے اسے دشمن کی طرف پھینک دیا۔ جس سے ان کے چہرے مٹی سے بھر گئے" دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی خچر سے نیچے تشریف لائے اور اپنے دست اقدس سے مٹھی بھر خاک لی" ایک اور روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا "مجھے مٹھی بھر سنگریزے پکڑائیں" اللہ تعالیٰ نے خچر کو الہام فرمایا، وہ نیچے جھک گئی۔ قریب تھا کہ اس کا پیٹ زمین کو چھونے لگتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنگریزے لیے اور انہیں دشمن کی طرف پھینک دیا۔ فرمایا "شاھت الوجوہ حٰمٓ لاینصرون"۔

حضرت مالک بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "مجھے بہت سے ایسے افراد نے بیان کیا ہے جو اس وقت وہاں موجود تھے۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ سنگریزے پھینکے۔ ہم میں سے ہر ایک کو یوں محسوس ہوا گویا کہ اس کی آنکھوں میں تنکے پڑ گئے ہیں۔ ہم نے اپنے دلوں میں دہشت محسوس کی۔ جس طرح سنگریزے کسی طشت میں گرے ہوں۔ ہمارا وہ خوف ختم نہ ہوا"۔

حضرت یزید بن عامر سوائی رضی اللہ عنہ بھی اسی روز وہیں تھے۔ ان سے اس رعب کے متعلق پوچھا جاتا وہ سنگریزے پکڑ لیتے۔ انہیں طشت میں پھینکتے جن سے آواز پیدا ہوتی۔ پھر فرمایا "ہم نے اپنے پیٹوں میں اس طرح کی آواز محسوس کی تھی"

حضرت عبدالرحمٰن الفہری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "ہمارے فرزندان ارجمند نے اپنے آباء سے روایت کیا ہے، انہوں نے کہا "ہم میں سے کوئی شخص بھی نہ بچا تھا، مگر اس کی آنکھیں اور منہ مٹی سے بھر گیا تھا۔ ہم نے آسمان سے خوفناک آواز سنی گویا کہ طشت پر کوئی لوہے کی چیز پھیری جارہی ہو۔ مشت خاک یا تو اس غزوہ میں یا غزوۂ بدر میں پھینکی گئی تھی۔ اسی کے متعلق رب تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ (الانفال: 17)

''(اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نہیں پھینکی آپ نے (وہ مشت خاک) جب آپ نے پھینکی بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی''۔

صاحب الہمزیہ نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ شعر کہا ہے:

ورمی بالحصیٰ فاقصد جیشا مالحصا عندہ وما الالقاء

''آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سنگریزے پھینک دیے۔ نہ تو یہ سنگریزے آپ کی طرف سے تھے۔ نہ ہی ان کا پھینکنا آپ کی طرف سے تھا''۔

حضرت عبدالرحمٰن بن مولیٰ رضی اللہ عنہ ایک مشرک سے روایت بیان کرتے ہیں جو غزوۂ حنین میں مشرکین سے لڑ رہا تھا۔ اس نے کہا ''جب ہم اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابہ کرام باہم نبرد آزما ہوئے تو وہ بکری کے دوہنے کے وقت کے برابر بھی ہمارے سامنے نہ ٹھہر سکے۔ ہم ان کے تعاقب میں تھے۔ اچانک ہم ایک ہستیٔ پاک تک پہنچے جو سفید خچر پر سوار تھی۔ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات کریمانہ تھی۔ ہم نے آپ کے پاس خوبرو، سفید چہروں والے آدمی دیکھے۔ انہوں نے ہمیں کہا ''چہرے برباد ہو جائیں۔ واپس لوٹ چلو'' پھر ہمیں شکست ہو گئی۔ صحابہ کرام ہمارے کندھوں پر سوار ہو گئے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے لوگوں کو یوں پیٹھ پھیر کر جاتے ہوئے دیکھا تو فرمایا ''ارے لوگو! میری طرف آؤ''۔ راوی کہتے ہیں ''میں نے لوگوں کو دیکھا وہ کسی چیز کی طرف واپس لوٹ نہیں رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''آپ بلند آواز سے یوں صدا دیں ''اے گروہ انصار! اے اصحاب سمرہ، اے وہ مہاجرین جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی، اے وہ انصار! جنہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو پناہ دی'' حضرت عباس رضی اللہ عنہ بلند آواز تھے۔ حتیٰ کہ روایت ہے کہ آپ کی آواز آٹھ میل سے سنی جا سکتی تھی۔ دوسری روایت میں ہے کہ یوں صدا دیں ''اے یوم حدیبیہ کو بیعت کرنے والو! اے اصحاب سورۃ البقرہ! اے انصار اللہ! اے اس کے رسول محترم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے انصار! اے بنوخزرج!۔ ان روایات میں اختلاف نہیں کیونکہ امکان ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انہیں کئی بار صدا دی ہو، اسی طرح حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بھی کئی بار انہیں پکارا ہو۔ انہوں نے مذکورہ بالا سارے الفاظ سے صدا دی ہو۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی صدا کے بعد آپ نے خود انہیں بلایا۔ آپ نے دائیں طرف توجہ فرمائی تو فرمایا ''اے گروہ انصار! انہوں نے عرض کی ''لبیک! یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ کو مژدہ جانفزا ہو، ہم آپ کے ساتھ ہیں'' آپ نے بائیں طرف توجہ کی اور فرمایا ''اے گروہ انصار! انہوں نے عرض کی ''لبیک یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ کو بشارت ہو۔ ہم آپ کے ہمراہ ہیں'' اب حالت یہ تھی کہ جب کسی شخص کا اونٹ آسانی سے واپس نہ مڑتا وہ اس سے نیچے اترتا اور اسے چھوڑ کر بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں حاضر ہو جاتا۔ وہ اپنی تلوار اور ڈھال سمیت اس مبارک آواز کی طرف آتا حتیٰ کہ وہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں حاضر ہو جاتا۔ بعض راویوں نے بیان کیا ہے کہ انصار بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں اس طرح واپس آ گئے جس طرح اونٹ اپنے بچوں کے پاس یا گائے اپنے بچوں کے پاس واپس آتی ہے۔

دوسری روایت کے مطابق مہاجرین وانصار اپنے ہاتھوں میں تلواریں سونتے واپس آ گئے۔تلواریں آگ کے انگاروں کی طرح چمک رہی تھیں۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انہیں کفار پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔صحابہ کرام نے انتہائی شدید قتال کیا۔جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کے اس اندازِ قتال کو دیکھا تو فرمایا ''اب جنگ کی بھٹی خوب گرم ہوئی'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ ارشاد پاک فصیح کلام میں سے ہے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے قبل یہ جملہ کسی اور نے استعمال نہیں کیا تھا۔مشرکین پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے۔مسلمان ان کا قتل عام کر رہے تھے۔بعض کو قیدی بنا رہے تھے۔جنگ کا میدان تیر، نیزہ اور تلواروں کی جگہ ہوتی ہے۔ایسے خطرناک مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا خچر پر سوار ہونا آپ کی شجاعت اور بے مثل قوت کی عکاسی کرتا ہے۔کیونکہ عموماً اطمینان کے وقت خچر پر سوار ہوا جاتا ہے۔ایسے مقامات پر عموماً گھوڑوں کو بطور سواری استعمال کیا جاتا ہے۔کیونکہ گھوڑے یا تو حملہ کرنے کے لیے یا راہ فرار اختیار کرنے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔مگر خچر اور اونٹ امن وامان کی جگہ میں استعمال ہوتے ہیں۔اللہ رب العزت نے آپ کو بے نظیر شجاعت، قوت قلب، شجاعت نفس اور توکل سے نوازا تھا۔صحابہ کرام کا اتفاق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کبھی بھی راہ فرار اختیار نہیں کی۔بلکہ ہمیشہ دشمن کی طرف پیش قدمی فرمائی۔علماء کرام کا بھی اس بات پر اتفاق ہے۔

حضرت قاضی عیاض نے لکھا ہے کہ جس نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہزیمت اٹھائی اسے توبہ کرنے کے لیے کہا جائے گا، اگر اس نے توبہ کر لی تو بہتر، ورنہ اسے قتل کر دیا جائے گا۔جب اہل شرک کو شکست ہوگئی تو مسلمان ان کا قتل عام کرتے ہوئے اور انہیں قیدی بناتے ہوئے اس کے تعاقب میں لگ گئے۔حتیٰ کہ بنو ہوازن میں سے ایک شخص نے اسلام قبول کر لینے کے بعد کہا ''ہمیں یوں محسوس ہوا کہ ہر پتھر، درخت ایک شہ سوار ہے جو ہمارے تعاقب میں ہے۔اس روز اللہ تعالیٰ نے پانچ ہزار ملائکہ نازل فرمائے۔دوسرے قول کے مطابق ان ملائکہ کی تعداد آٹھ ہزار۔تیسری روایت کے مطابق یہ تعداد سولہ ہزار تھی۔ایک قول کے مطابق اس روز ملائکہ نے قتال کیا۔جبکہ دوسرے قول کے مطابق انہوں نے قتال نہیں کیا تھا۔بلکہ وہ مسلمانوں کے دلوں میں سکینہ نازل کرنے کیلئے اترے تھے۔روایت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے دست اقدس بلند فرمائے اور یہ دعا مانگی:

اَللّٰهُمَّ أُنْشِدُكَ مَا وَعَدْتَّنِيْ، اَللّٰهُمَّ لَايَنْبَغِيْ اَنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْنَا، اَللّٰهُمَّ كُنْتَ وَتَكُوْنُ وَاَنْتَ حَيٌّ لَا تَمُوْتُ، تَنَامُ الْعُيُوْنُ، وَتَنْكَدِرُ النُّجُوْمُ، وَاَنْتَ حَيٌّ قَيُّوْمٌ لَاتَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَانَوْمٌ، يَاحَيُّ يَاقَيُّوْمُ،

اَللّٰهُمَّ اِنْ تَشَاءُ اَنْ لَا تُعْبَدُ بَعْدَ الْيَوْمِ، اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ وَاِلَيْكَ الْمُشْتَكٰى وَاَنْتَ الْمُسْتَعَانُ

''الٰہی جس نصرت کا تو نے میرے ساتھ وعدہ فرمایا ہے۔میں تجھے اس وعدہ کا واسطہ دیتا ہوں۔الٰہی! یہ تیری شان کے شایان نہیں کہ وہ مشرک ہم پر غالب آ جائیں۔الٰہی! تو ازل سے ہے۔ابد تک رہے گا۔تو زندۂ جاوید ہے۔تجھے موت نہیں آ سکتی۔آنکھیں سو جاتی ہیں۔ستارے اپنی چمک کھو بیٹھتے ہیں۔لیکن تو حیّ وقیوم ہے۔تجھے نہ اونگھ آتی ہے، نہ نیند، یا حی یا قیوم، الٰہی! کیا تیری یہ مرضی ہے کہ تیری عبادت کرنے والا کوئی باقی نہ رہے۔سب تعریفیں تیرے لیے ہیں۔ہم تیری ہی جناب میں اپنے درد والم کا شکوہ کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد کی درخواست کرتے ہیں''۔

حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وہ کلمات القاء کیے گئے جنہیں رب تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اس روز القاء کیا تھا جس روز ان کے لیے سمندر پھاڑا تھا۔ سمندر ان کے آگے اور فرعون ان کے پیچھے تھا''۔

غزوہ حنین میں مشرکین کے آگے آگے وہ شخص جا رہا تھا۔ جو سرخ اونٹ پر سوار تھا۔ جس کے ہاتھ میں کالا جھنڈا تھا جو بہت بڑے نیزہ کے ساتھ باندھا گیا تھا۔ بنو ہوازن اس کے پیچھے پیچھے تھے۔ اگر وہ اس شخص کو جا لیتا جو اس کے آگے آگے ہوتا تو وہ اسے نیزہ مارتا۔ وہ اسی حالت پر تھا کہ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور انصاری صحابی نے حملہ کر دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کے پیچھے سے حملہ کر دیا۔ اس کے اونٹ کی کونچیں کاٹ کر رکھ دیں۔ انصاری صحابی نے اس شخص پر حملہ کر دیا اور اس کی ٹانگ کو پنڈلی کے نصف سے کاٹ کر رکھ دیا۔ لوگ شمشیر زنی کرنے لگے۔ جو مسلمان بھی واپس لوٹ کر آتا وہ دیکھتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کئی قیدی باندھے ہوئے تھے۔

مسلمانوں کی عارضی ہزیمت پر اہل مکہ کی مسرت وشادمانی

جب مسلمانوں میں عارضی ہزیمت کے آثار پیدا ہوئے تو بعض ایسے اہل مکہ نے گفتگو کرنا شروع کی جن کے دلوں میں ابھی کینہ تھا۔ ابھی اسلام ان کے دلوں میں متمکن نہیں ہوا تھا۔ ان میں سے بعض نے کہا ''یہ ہزیمت سمندر سے پہلے ختم نہ ہوگی'' بعض نے کہا ''بخدا! بنو ہوازن غالب ہو گئے'' صفوان بن امیہ کو یہ بات پسند نہ آئی۔ اگرچہ اس نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ اس نے یہ بات کرنے والے سے کہا ''تیرے منہ میں پتھر اور مٹی! ہشام بن کلدہ جو صفوان کا ماں کی طرف سے بھائی تھا نے کہا ''آج محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا جادو ٹوٹ گیا ہے'' صفوان نے اسے کہا ''خاموش ہو جا۔ رب تعالیٰ تیرا چہرہ برباد کرے۔ بخدا! مجھے یہ پسند ہے کہ قریش کا کوئی شخص میرا مالک بنے۔ بجائے اس کے کہ بنو ہوازن میں سے کوئی میرا مالک بنے''۔ ایک شخص صفوان کے پاس سے گزرا۔ اس نے اسے کہا ''تمہیں محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور ان کے صحابہ کی ہزیمت مبارک ہو۔ بخدا! اب یہ پہلی حالت پر واپس نہ آسکیں گے'' یہ سن کر صفوان نے کہا ''کیا تو مجھے اعرابیوں کے غلبہ کی بشارت دے رہا ہے؟ بخدا! قریش میں سے کسی ایک کا میرا مالک بننا اعرابیوں میں سے کسی ایک شخص کے مالک بننے سے مجھے پسندیدہ ہے'' جس شخص نے بکواس کیا تھا کہ اب مسلمان پہلی حالت پر کبھی نہ آسکیں گے اسے حضرت عکرمہ نے یوں جواب دیا ''یہ معاملہ تمہارے ہاتھ میں نہیں، یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے دست اقدس میں ہے۔ اگر آج مسلمان وقتی طور پر مغلوب ہو گئے ہیں تو کل فتح ان شاء اللہ مسلمانوں ہی کی ہوگی'' اس ہزیمت کی خبر مکہ مکرمہ تک پہنچ گئی۔ جسے سن کر اس قوم نے مسرت کا اظہار کیا جس کے دل میں اسلام ابھی تک متمکن نہیں ہوا تھا۔ انہوں نے عداوت اور کینہ کا اظہار کر دیا۔ ان میں سے ایک نے کہا ''اہل عرب! اب اپنے آباء کے دین کی طرف لوٹ جائیں گے'' اللہ تعالیٰ نے حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو ثابت قدم فرمایا۔ حتیٰ کہ ان کے پاس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام کی فتح وکامیابی کی خبر پہنچ گئی۔ بنو ہوازن اور ان کے ساتھیوں کی ہزیمت کی خبر بھی ان تک پہنچ گئی۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے بعض شکست خوردہ لوگ مکہ مکرمہ تک پہنچے، انہوں نے بتایا کہ مسلمانوں کو شکست

اٹھانا پڑی ہے۔ یہ سن کر اہل مکہ خوش ہو گئے۔ انہوں نے اندرونی کینہ کا اظہار کر دیا۔ ان میں سے ایک نے کہا ''اب اہل عرب اپنے آباء کے دین کی طرف لوٹ آئیں گے۔ محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ کے ساتھی شہید ہو چکے ہیں۔ ان کے صحابہ منتشر ہو چکے ہیں'' حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اگر محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) شہید ہو چکے ہیں تو رب تعالیٰ کا دین متین قائم ہے۔ وہ ذات بے ہمتا جس کی عبادت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کرتے ہیں وہ زندہ ہے۔ اسے موت نہیں'' رات کے وقت انہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فتح مندی کا مژدۂ جانفزا مل گیا۔ جسے سن کر حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ خوش ہو گئے۔ ''اللہ تعالیٰ نے ان کے مخالفین کو رسوا کر دیا'' جب مسلمان واپس لوٹے تو انہوں نے بنو ہوازن کا قتل عام شروع کر دیا۔ وہ بنو ہوازن کے بچوں کو قتل کرنے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اسی طرح کرنے سے منع فرما دیا۔

جس نے کسی کافر کو قتل کیا تو مقتول کا سامان قاتل کو ملے گا

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''جس نے کسی کافر کو قتل کیا تو مقتول کا سامان قاتل کو ملے گا'' روایت ہے کہ حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ نے تن تنہا بیس افراد کو واصل جہنم کیا اور ان کا سامان حاصل کر لیا۔ حضرت ربیعہ بن رفیع السلمی رضی اللہ عنہ نے درید بن صمہ کو جالیا اس کے اونٹ کی نکیل پکڑ لی۔ انہوں نے گمان کیا کہ شاید یہ کوئی عورت ہو مگر وہ ایک عمر رسیدہ بوڑھا تھا۔ درید نے پوچھا ''کیا ارادہ ہے؟ انہوں نے کہا ''میں تجھے قتل کرنا چاہتا ہوں'' درید نے پوچھا ''تم کون ہو؟ انہوں نے کہا ''ربیعہ بن رفیع اسلمی'' پھر درید پر شمشیر کا وار کیا، مگر تلوار کارگر ثابت نہ ہوئی۔ درید نے اس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا ''تمہاری ماں نے تمہیں کتنا برا اسلحہ دیا ہے'' یہ تلوار جو کجاوے کے سرے پر پڑی ہے اس کے ساتھ وار کرو۔ ہڈی تک پہنچنے سے پہلے اٹھا لینا۔ دماغ سے نرمی کرنا۔ میں لوگوں کی گردنیں اسی طرح اڑایا کرتا تھا۔ جب اپنی والدہ کے پاس جاؤ تو اسے بتا دینا کہ تم نے درید کو قتل کیا ہے۔ کتنے ہی ایام میں میں نے تمہاری خواتین کی حفاظت کی تھی'' حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ نے درید کو قتل کر دیا۔ جب انہوں نے اپنی ماں کو بتایا تو ماں نے کہا ''بخدا! اس نے ہمارے دو یا تین افراد کو آزاد کیا تھا۔ جب اس نے کہا کہ تم میرے ممنونِ احسان ہو تو تم اس کے قتل سے رک کیوں نہ گئے'' حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ نے کہا ''میں رب تعالیٰ اور اس کے رسول محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا سے دور کیسے ہو سکتا تھا'' دوسری روایت کے مطابق حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے درید کو واصل جہنم کیا تھا۔

حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کی شجاعت

حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا اپنے شوہر نامدار حضرت ابوطلحہ زید بن سہل الانصاری رضی اللہ عنہ کے ہمراہ اس غزوہ میں تشریف لے گئیں تھیں۔ آپ بہت ہی محتاط خاتون تھیں۔ انہوں نے اپنی کمر کو اپنی چادر سے باندھ رکھا تھا۔ ان کے پاس خنجر تھا۔ ان کے شکم اطہر میں عبد اللہ بن ابی طلحہ تھے۔ ان کے خاوند محترم نے انہیں کہا ''ام سلیم! تم نے اپنے ہمراہ یہ خنجر کیوں اٹھا رکھا ہے؟ انہوں نے کہا'' تا کہ اگر کوئی مشرک میرے پاس آئے تو میں اسے چیر کر رکھ دوں'' حضرت ابوطلحہ نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ سماعت نہیں فرما رہے کہ ام سلیم کیا کہہ رہی ہیں؟ انہوں نے حضرت ام سلیم کی بات دہرائی جسے سن کر حضور

اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبسم ریز ہوئے۔ حضرت ام سلیم نے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عرض کی "میرے والدین آپ پر فدا! ان لوگوں کو قتل کر دیں جو آپ کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ وہ اسی کے مستحق ہیں" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "رب تعالیٰ انہیں کافی ہو گیا ہے۔ اس نے ان پر احسان فرمایا۔ ان کی یہ لغزش معاف کر دی ہے" جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۷﴾ (التوبۃ)

"اور عذاب دیا کافروں کو اور یہی سزا ہے کافروں کی، پھر رحمت سے توجہ فرمائے گا اللہ تعالیٰ اس کے بعد جس پر چاہے گا اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے"۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بہت گہرے زخم آئے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "ہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس روز زیارت کی۔ اس وقت کفار کو شکست ہو چکی تھی۔ مسلمان اپنے کجاووں کی طرف واپس آ چکے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے تھے "مجھے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے کجاوے کے پاس کون لے کر جائے گا؟ ایک شخص آپ کو اس کی طرف لے کر گیا" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں دیکھا کہ انہوں نے کجاوے کے آخری حصہ کے ساتھ ٹیک لگا رکھی تھی۔ کیونکہ انہیں گہرے زخم آئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے زخموں پر لعاب دہن لگایا تو وہ فوراً مندمل ہو گئے۔

فتح یابی اور کامرانی

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "ابھی فریقین باہم نبرد آزما تھے۔ ابھی بنو ہوازن کو ہزیمت نہیں ہوئی تھی کہ میں نے کسی سیاہ چیز کو آسمان سے گرتے ہوئے دیکھا۔ وہ ہمارے اور دشمن قوم کے مابین اتری۔ وہ بکھری ہوئی چیونٹیوں کی مانند تھی۔ جس نے وادی بھری دی تھی۔ مجھے اس میں کوئی شک نہ تھا کہ وہ ملائکہ تھے۔ اور قوم ہوازن کو شکست سے دوچار کرنے آئے تھے" بنو ہوازن کے بہت سے لوگوں سے روایت ہے، انہوں نے کہا "ہم نے حنین کے روز سفید انسان دیکھے جو ابلق گھوڑوں پر سوار تھے۔ انہوں نے زرد عمامے باندھ رکھے تھے۔ انہوں نے انہیں اپنے کندھوں کے مابین لٹکا رکھا تھا۔ وہ آسمان اور زمین کے مابین تھے۔ ان کے رعب کی وجہ سے ہم ان کے ساتھ جنگ کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے"۔

اس غزوہ میں صرف چار مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا۔ جبکہ کفار کے ستر سے زیادہ افراد مارے گئے۔ ایک اور روایت میں مرنے والوں کی تعداد تین سو ہے۔ بہت سی مخلوق کو قیدی بنا لیا گیا۔ جن میں صرف خواتین کی تعداد چھ ہزار تھی۔ اس غزوہ میں مسلمانوں کو چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار سے زائد بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی بطور مال غنیمت ملی۔ مگر اس مال غنیمت میں گائیں کتنی تھیں۔ کہیں یہ تذکرہ نہیں کیونکہ ان کی تعداد دیگر مال غنیمت کی بہ نسبت بہت کم تھی۔

جب بنو ہوازن شکست سے دوچار ہوئے تو بہت سے اہل مکہ اسلام لے آئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نصرت خداوندی کو دیکھ کر اور بھی بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ حضرت عائذ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''غزوۂ حنین کے روز میرے چہرے پر تیر لگا۔ خون میرے چہرے اور سینہ پر بہنے لگا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے چہرے اور سینہ پر دست اقدس پھیرا۔ پھر میرے لیے دعا کی تو وہ جگہ اس طرح تاباں ہوگئی جس جگہ آپ کا دست شفا بخش پھرا تھا گویا کہ وہ گھوڑے کا سفید نشان ہو'' جب بنو ہوازن شکست خوردہ ہو گئے تو ان میں سے بعض اوطاس چلے گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو عامر الاشعری رضی اللہ عنہ کو ان کے تعاقب میں بھیجا۔

سریہ ابو عامر الاشعری رضی اللہ عنہ

یہ حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کے چچا تھے۔ اس سریہ کو غزوۂ اوطاس بھی کہا جاتا ہے۔ بنو ہوازن کے بھاگ جانے والے افراد کے تعاقب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو عامر الاشعری رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ ان کے ہمراہ بہت سے صحابہ کرام بھی تھے۔ ان میں حضرت مسلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ جیسی بلند پایہ شخصیت بھی تھی۔ اوطاس کے مقام پر فریقین باہم جنگ آزما ہوئے۔ دیار ہوازن کی ایک وادی کا نام اوطاس ہے۔ بنو ہوازن کے شکست خوردہ افراد تین حصوں میں منقسم ہو گئے تھے۔ ایک گروہ بھاگ کر طائف چلا گیا تھا۔ دوسرا نخلہ کی طرف بھاگ گیا تھا۔ ایک گروہ اوطاس کی طرف چلا گیا۔ حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ انہی کی طرف گئے تھے۔ وہ اوطاس کے مقام پر جمع تھے۔ انہوں نے حضرت ابو عامر کے ساتھ جنگ شروع کر دی۔ ان میں نو بھائی یکے بعد دیگرے مبارزت کے لیے نکلے۔ حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ نے ان میں سے ہر ایک کو اسلام کی دعوت دی۔ مگر انہوں نے انکار کر دیا، پھر آپ نے ان میں سے ہر ایک کو واصل جہنم کیا۔ آپ نے یہ التجاء کی ''مولا! گواہ رہنا، میں نے ان میں سے ہر ایک کو دعوت اسلام دی، مگر انہوں نے انکار کر دیا'' جب ان کا دسواں بھائی مبارزت کے لیے نکلا تو آپ نے اسے بھی اسلام کی طرف دعوت دی۔ پھر درگاہ ربانیہ میں التجاء کی ''مولا! اس پر بھی میرا گواہ بن جا'' اس نے کہا ''مولا! میرے خلاف گواہی نہ دینا'' حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ نے اس کے قتل سے خود کو روک لیا۔ انہیں گمان تھا کہ وہ اسلام لے آئے گا۔ پھر اس شخص کو اسلام لے آنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اس نے اپنے اسلام کو بہت عمدہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اس شخص کو دیکھتے تو فرماتے ''یہ ابو عامر کا چھوڑا ہوا ہے'' اس کے بعد حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔ انہیں دو بھائیوں علاء اور اوفی نے شہید کیا۔ یہ دونوں حارث بن جشم کے بیٹے تھے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ آ گئے۔ انہوں نے اپنے چچا جان کے قاتل کو پا لیا۔ اسے واصل جہنم کیا۔ دوسرے قول کے مطابق حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو امیر لشکر بنایا گیا۔ انہوں نے دشمن کے ساتھ جنگ کی، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح عطا فرما دی۔ مسلمانوں کو بہت سے قیدی اور مال غنیمت ملا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ کے لیے یہ دعا مانگی ''مولا! ابو عامر کو معاف کر دے۔ جنت میں انہیں میری امت میں سے بلند ترین مقام عطا فرما'' دوسری روایت کے مطابق دعا کے الفاظ یہ تھے ''مولا! انہیں جنت میں باعزت ٹھکانہ عطا فرما''۔

سریہ حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ ذوالکفین کی طرف

یہ ایک لکڑی کا بت تھا۔ اس کے پروہت کا نام عمرو بن حممہ دوسی تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طائف کے محاصرہ کے لیے تشریف لے گئے تو حضرت طفیل کو اس بت کو نذر آتش کرنے کے لیے بھیجا۔ آپ نے فرمایا کہ وہ طائف میں آپ کے ساتھ آکرمل جائیں۔ وہ جلدی جلدی گئے۔ اس بت کو نیچے گرایا اس کے منہ پر آگ پھینکی ان کی زبان پر یہ اشعار تھے۔

یاذالکفین لست من عبادك میلادنا اقدم من میلادك

انی خشوت النار فی فؤادك

''اے ذوالکفین! میں تیرے عبادت گزاروں میں سے نہیں ہوں۔ ہماری پیدائش تیری پیدائش سے بہت پہلے کی ہے۔ میں نے تیرے دل میں آگ لگادی ہے''۔

ان کے ساتھ ان کی قوم کے چارسو افراد بھی آگئے۔ کیونکہ ان کی قوم ان کی بات رد نہیں کرتی تھی۔ پھر یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔

غزوۂ طائف

سبب: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حنین سے فارغ ہوئے۔ مال غنیمت کو جعرانہ کے مقام پر ٹھہرایا اور خود طائف کی طرف تشریف لے گئے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ایک ہزار جانثاروں کے ساتھ مقدمہ پر متعین تھے۔ بنوثقیف شکست کھا کر طائف میں اپنے قلعہ میں داخل ہوگئے۔ انہوں نے قلعہ کا دروازہ بند کر دیا۔ انہوں نے اس قلعہ میں ایک سال کی خوراک کا بھی ذخیرہ کر لیا۔ جنگ کی تیاری بھی کر لی۔ ان کے ہمراہ مالک بن عوف اور ان کی قوم کے دیگر رؤسا بھی تھے۔ راستہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر مالک بن عوف کے قلعہ کے پاس سے ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے گرانے کا حکم دیا۔ آپ بنوثقیف کے ایک باغ کے پاس سے گزرے وہ اس میں پناہ گزیں تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی طرف پیغام بھیجا کہ یا تو باہر نکل آؤ یا ہم تمہارا باغ جلا دیں گے۔ انہوں نے انکار کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہوں کا باغ جلانے کا حکم دے دیا۔ جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ طائف پہنچے تو وہ اور ان کے ساتھی قلعہ کے پاس ہی فروکش ہوگئے۔ دشمن نے مسلمانوں پر بہت سخت تیراندازی کی۔ حتیٰ کہ بہت سے مسلمان زخمی ہوگئے۔ بارہ مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا۔ ان میں حضرت عبداللہ بن ابی امیہ مخزومی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ یہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بھائی تھے۔ اس روز حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی آنکھ باہر نکل آئی۔ وہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ وہ اپنی آنکھ اپنے ہاتھوں میں پکڑ کر بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوگئے۔ انہوں نے عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم اس آنکھ کو راہ خدا میں اذیت پہنچی ہے''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اگر پسند کرو تو میں دعا کر دیتا ہوں تمہاری آنکھ تمہیں لوٹا دی جائے گی، اگر پسند کرو تو یہ آنکھ تمہیں جنت میں عطا کر دی جائے گی'' انہوں نے عرض کی ''مجھے جنت میں آنکھ چاہیے'' انہوں نے اپنے ہاتھ سے آنکھ پھینک دی۔ ان کی دوسری آنکھ جنگ یرموک کے دن نکل گئی۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طائف تشریف لے گئے۔ قلعہ کے قریب ہی نزول اجلال فرمایا۔ جب وہاں بارہ مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا تو آپ نے اس جگہ نزول فرمایا جس جگہ آج کل ایک مسجد بنادی گئی ہے۔ آپ نے اہل طائف کا اٹھارہ روز تک محاصرہ کیے رکھا۔ آپ نے ان پر منجنیق نصب فرمائی۔ یہ پہلی منجنیق تھی جسے اسلام میں نصب کیا گیا۔ اس کا مشورہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے دیا تھا۔ دوسری روایت کے مطابق انہوں نے یہ منجنیق اپنے ہاتھوں سے بنائی تھی۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اہل قلعہ کے پاس گئے اور مبارزت کی دعوت دی۔ مگران کے سامنے آنے کی کسی کو جرأت نہ ہوئی۔ عبدیالیل نے انہیں یہ آواز دی "ہم میں سے کوئی ایک بھی تمہارے ساتھ مقابلہ کرنے کے لیے نہیں آئے گا، بلکہ ہم اپنے قلعہ میں ہی ٹھہرے رہیں گے۔ یہاں اتنا زیادہ کھانا ہے جو ہمیں کئی سالوں کے لیے کافی ہو جائے گا۔ اگر تم نے یہاں اتنی دیر قیام کیا تو ہمارا کھانا ختم ہو گیا تو ہم اپنی تلواریں لے کر تم پر حملہ آور ہو جائیں گے حتیٰ کہ ہمارا آخری فرد بھی مرجائے گا"۔

صحابہ کرام کی ایک جماعت دو دبابوں میں داخل ہوئی تا کہ قلعہ کی دیواروں میں شگاف کر سکیں۔ بنو ثقیف یہ چال سمجھ گئے۔ انہوں نے ان دبابوں پر لوہے کی سلاخیں پھینکیں۔ جنہیں آگ میں تاپا گیا تھا۔ صحابہ کرام ان دبابوں سے باہر نکل آئے۔ بنو ثقیف نے ان پر تیراندازی شروع کردی۔ متعدد صحابہ کرام شہید ہو گئے۔ دبابہ ایک ایسا آلہ تھا جسے جنگ میں استعمال کیا جاتا تھا۔ یہ گاڑی نما تھا جسے چمڑے سے بنایا جاتا تھا۔ اس میں آدمی داخل ہو جاتے تھے۔ وہ دیواروں کی طرف نقب زنی کے لیے جاتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو ثقیف کے انگوروں کے باغات کاٹنے کا حکم دیا۔ مسلمان ان کے انگوروں کے باغات کاٹنے لگے۔ بنو ثقیف نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رب تعالیٰ اور صلہ رحمی کا واسطہ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میں انگوروں کے ان باغات کو اللہ تعالیٰ اور صلہ رحمی کے لیے ترک کر رہا ہوں"۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منادی نے اعلان کیا "جو غلام قلعہ سے نیچے اتر آیا اور ہماری طرف آگیا وہ آزاد ہے" دس سے زائد یا تئیس غلام قلعہ سے باہر نکل آئے۔ ان میں سے ایک ابوبکرہ بھی تھا۔ یہ حرث بن کلدہ کا غلام تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں آزاد فرمادیا۔ آپ نے ان میں سے ہر ایک کو ایک ایک مسلمان کے سپرد کیا۔ اہل طائف پر یہ بات بڑی گراں گزری۔

عیینہ بن حصن

حضرت عیینہ بن حصن رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت طلب کی کہ وہ بنو ثقیف کے قلعہ میں جائیں اور انہیں اسلام کی طرف دعوت دیں۔ آپ نے انہیں اجازت مرحمت فرمائی۔ وہ ان کے قلعہ کے اندر گئے اور ان سے کہا "اپنے قلعہ میں ٹھہرے رہو۔ بخدا! ہم غلاموں سے زیادہ رسواء ہو گئے ہیں۔ خود کو کبھی بھی ان کے حوالے نہ کرنا۔ یہ درختوں کا کٹنا تم پر گراں نہ گزرے" پھر عیینہ بن حصن رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہو گئے۔ آپ نے پوچھا "عیینہ! تم نے ان سے کیا کہا ہے؟ انہوں نے عرض کی "میں نے انہیں اسلام لانے کا حکم دیا۔ اسلام کی طرف دعوت دی۔ آگ سے ڈرایا۔ جنت کی طرف راہ نمائی کی" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تم جھوٹ بول رہے ہو۔ تم نے انہیں یہ یہ بتایا ہے" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ساری باتیں انہیں بتادیں" انہوں نے عرض کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ نے سچ فرمایا ہے۔ میں رب تعالیٰ اور آپ کی

بارگاہ میں رجوع کرتا ہوں''۔

اس غزوہ میں بارہ مسلمان شہید ہوئے۔ ان میں حضرت عبداللہ بن ابی امیہ المخزومی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ یہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بھائی تھے۔

طائف سے واپسی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو طائف فتح کرنے کا اذن نہ دیا گیا۔ حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا نے فرمایا ''میں نے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم! آپ اٹھ کر اہل طائف کی طرف تشریف کیوں نہیں لے جاتے'' آپ نے فرمایا ''ابھی مجھے طائف فتح کرنے کی اجازت نہیں ملی۔ میرے گمان کے مطابق اس وقت ہم اسے فتح نہیں کر سکتے''۔ حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے یہ بات حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بتائی، وہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم! وہ کیا بات ہے جو خولہ نے مجھ سے کی ہے۔ ان کا گمان ہے کہ یہ بات آپ نے ان سے کی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''ہاں! میں نے اسے یہ بات بتائی ہے'' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''کیا ان کے متعلق رب تعالیٰ نے آپ کو اجازت نہیں دی'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''نہیں'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوچ یا عدم کوچ کے متعلق حضرت نوفل بن معاویہ رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا۔ انہوں نے عرض کی ''یہ اس لومڑی کی مانند ہیں کہ اگر آپ یہاں قیام فرمائیں گے تو اسے پکڑ لیں گے۔ اگر آپ اسے چھوڑ دیں تو یہ آپ کو کوئی نقصان نہیں دے گی''۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ مجھ تک یہ روایت پہنچی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''میں نے خواب میں دیکھا کہ مجھے مکھن سے لبریز ایک پیالہ پیش کیا گیا ہے۔ اس میں مرغ نے چونچ ماری اور اسے نیچے گرا دیا۔ اس کا مکھن نیچے گر پڑا'' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''میں نہیں سمجھتا کہ آپ اس وقت طائف فتح کر سکیں'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''میری رائے بھی یہی ہے'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس سال طائف فتح کرنے کا اذن نہ دیا گیا۔ اس میں کیا حکمت کارفرما تھی؟ اس میں یہ حکمت پنہاں نظر آتی ہے تاکہ اس قلعہ کو قتل و غارت کر کے جڑ سے نہ اکھیڑ پھینکا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا معاملہ مؤخر کر دیا حتیٰ کہ وہ اطاعت گزار اور مسلمان بن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ کوچ کا اعلان کریں۔ یہ اعلان سن کر مسلمانوں نے شور کیا۔ انہوں نے فرمایا ''ہم کوچ کر جائیں حالانکہ ابھی تک ہم نے طائف فتح نہیں کیا'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''صبح جنگ کے لیے تیاری کرو'' مسلمانوں نے صبح کے وقت دشمن پر حملہ کر دیا جس میں بہت سے مسلمان زخمی ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''ان شاء اللہ! ہم واپس لوٹ جائیں گے'' یہ فرمان سن کر مسلمان خوش ہو گئے۔ اور کوچ کی تیاری کرنے لگے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمانوں کی رائے جلد تبدیل ہونے پر مسکرانے لگے۔ کیونکہ انہیں یقین ہو گیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رائے ان کی رائے سے زیادہ بابرکت اور نفع بخش ہے۔ صحابہ کرام بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں فرمایا ''یوں کہو ''لا الٰه الا اللہ وحدہ، صدق وعدہٗ، نصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہٗ'' جب صحابہ کرام کوچ کرنے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے فرمایا "یوں کہو آیبون، تائبون، عابدون لربنا حامدون" آپ سے عرض کی گئی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم! اہل طائف میں سے بنو ثقیف کے لیے بددعا کریں" آپ ﷺ نے یہ دعا کی "مولا! بنو ثقیف کو ہدایت دے۔ اور انہیں مسلمان بنا کر لے آ"۔ اللہ تعالیٰ امام بوصیری پر رحم کرے انہوں نے کتنے عمدہ اشعار لکھے ہیں:

جهلت قومه عليه فاغضیٰ　واخوا الحلم دابه الاغضاء

وسع العالمين علما وحلما　فهو بحر لم تعبه الاعباء

"آپ کی قوم نے آپ کو نہ پہچانا۔ وہ تغافل پیشہ رہی۔ آپ تو سراپا حلم تھے۔ چشم پوشی ہی آپ کی عادت کریمہ تھی۔ علم اور حلم کے اعتبار سے آپ کائنات سے بھی وسیع ہیں۔ آپ ایسے بحر بے کراں ہیں جسے بوجھ جھکا نہیں سکتے"۔

مال غنیمت کی تقسیم

حضور اکرم ﷺ جعرانہ واپس تشریف لائے۔ راستہ میں سراقہ بن مالک نے آپ کے ساتھ ملاقات کی۔ انہوں نے وہ رقعہ اپنے ہاتھ میں پکڑ رکھا تھا جو ہجرت کرتے وقت حضور اکرم ﷺ نے انہیں عطا فرمایا تھا۔ انہوں نے باآواز بلند کہا "میں سراقہ ہوں۔ یہ میرا رقعہ ہے" حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "آج وفاء اور مؤدت کا دن ہے۔ اسے میرے قریب کر دو" انہیں حضور اکرم ﷺ کے قریب کیا گیا تو انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ انہوں نے آپ سے ان گم شدہ اونٹوں کو پانی پلانے کے متعلق پوچھا جو ان کے اس حوض پر آتے تھے جسے انہوں نے اپنے اونٹوں کے لیے بھرا ہوا ہوتا کہ کیا ان میں اجر و ثواب ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا "ہاں! ہر کلیجہ والی چیز کو پانی پلانے میں اجر ہے" جب آپ ﷺ جعرانہ تشریف لے گئے تو آپ نے قیدیوں کو ایک جگہ جمع کرنے کا حکم دیا۔ قیدیوں کی تعداد چھ ہزار تھی۔ چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار سے زائد بکریاں، چار ہزار اوقیہ سے زائد چاندی اور دیگر سامان مال غنیمت میں شامل تھا۔ آپ نے بنو ہوازن کے آنے کا انتظار کیا۔ آپ نے دس سے زائد روز تک ان کا انتظار کیا۔ پھر مال غنیمت کو تقسیم کر دیا۔ پھر بنو ہوازن مسلمان بن کر حاضر خدمت ہو گئے۔ آپ نے ان کے قیدی واپس کر دیے۔ آپ نے ان کے رئیس مالک بن عوف نصری کے متعلق پوچھا۔ آپ سے عرض کی گئی "وہ طائف میں بنو ثقیف کے ساتھ ہے" آپ ﷺ نے فرمایا "اسے بتا دو کہ وہ مسلمان ہو کر میرے پاس آ جائے تو میں اس کا اہل و مال اسے واپس لوٹا دوں گا اور اسے ایک سو اونٹ مزید عطا فرماؤں گا" جب لوگوں نے مالک کو یہ بات بتائی تو وہ چھپ کر سوار ہو کر بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہو گیا۔ آپ اس وقت جعرانہ کے مقام پر تشریف فرما تھے۔ دوسرے قول کے مطابق آپ اس وقت مکہ مکرمہ میں تھے۔ آپ ﷺ نے اس کا اہل و مال واپس کر دیے۔ اسے ایک سو اونٹ بھی عطا فرمائے۔ مالک نے اسلام قبول کر لیا۔ اپنا اسلام بہت عمدہ کیا۔ جب انہوں نے دولت اسلام سمیٹ لی تو حضور ﷺ کی یوں مدح سرائی کی:

ما ان رأيت ولا سمعت بمثله　فى الناس كلهم بمثل محمد

اوفى واعطى للجزيل اذا اجتدى　ومتى تشا يخبرك عما فى غد

فکأنه لیث علی أشباله وسط الهباءۃ جاذر فی مرصد

''میں نے تاجدار عرب وعجم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مثل سارے لوگوں میں نہ تو دیکھا ہے نہ ہی سنا ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عنایات وعطیات کا مطالبہ کیا جائے تو آپ بڑے بڑے اور پورے پورے عطیات سے نوازتے ہیں۔ جب تم چاہو گے وہ تمہیں بتا دیں گے کہ کل کیا ہونے والا ہے۔ وہ گویا کہ وہ شیر ہیں جو اپنے بچوں کی نگرانی کر رہا ہے۔ جو غبار کے درمیان موجود ہے اور کچھار میں دشمن کی تاڑ میں ہے''۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت مالک رضی اللہ عنہ کو ان کی قوم کے مسلمان افراد پر عامل مقرر کیا۔ وہ ان کے ساتھ مل کر بنو ثقیف کے ساتھ جنگ کرتے۔ انہوں نے ان پر زندگی کی راہیں تنگ کر دیں حتیٰ کہ انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ حضرت مالک رضی اللہ عنہ نے قادسیہ اور دمشق کی فتح میں شرکت کی۔

بنو ہوازن کا وفد

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مال غنیمت تقسیم فرما چکے تھے تو ہوازن کا ایک وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ انہوں نے آپ سے عرض کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے قیدی اور اموال واپس کر دیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''میں نے تمہارا انتظار کیا حتیٰ کہ مجھے گمان ہوا کہ تم اب نہیں آؤ گے۔ میں نے مال غنیمت تقسیم کر دیا ہے۔ اب یا قیدی لے لو یا مال غنیمت'' انہوں نے قیدی پسند کر لیے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں سے گفتگو فرمائی کہ بنو ہوازن کے قیدی واپس کر دیں۔ عیینہ بن حصن کے علاوہ سارے مسلمانوں نے اپنے اپنے قیدی واپس کر دیے۔ اس نے ایک بڑھیا کو واپس کرنے سے انکار کر دیا۔ اس نے کہا ''قبیلے کی ماں ہے وہ اس کا گراں بہا فدیہ ادا کریں گے'' پھر اس نے چھ اونٹوں کے بدلے اسے بھی واپس کر دیا۔ ان قیدیوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضاعی بہن حضرت شیماء رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ دوسری روایت کے مطابق آپ کی رضاعی ماں حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا بھی ان قیدیوں میں تھیں۔ جب حضرت شیماء رضی اللہ عنہا نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میں آپ کی رضاعی بہن ہوں'' تو آپ نے فرمایا ''اس کی کیا علامت ہے؟ انہوں نے آپ کو وہ نشان دیکھایا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بچپن میں اپنے دانت مبارک سے کاٹا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس نشان سے انہیں پہچان لیا۔ آپ کو یہ واقعہ یاد آ گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھے ان کے لیے اپنی مبارک رداء بچھا دی۔ یہی سلوک آپ نے اپنی رضاعی والدہ کے ساتھ اس وقت کیا جب وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ کی چشمانِ مقدس سے آنسوؤں کے موتی گرنے لگے۔ آپ نے حضرت شیماء رضی اللہ عنہا کو پہچانا تو فرمایا ''مانگو تمہیں عطا کیا جائے گا، سفارش کرو تمہاری سفارش قبول کی جائے گی'' دوسری روایت کے مطابق حضرت شیماء رضی اللہ عنہا کی قوم نے ان سے کہا ''یہ ہستی والا تمہارے بھائی ہیں۔ کاش! تم ان کی خدمت میں جاؤ اور ان سے اپنی قوم کے متعلق سوال کرو۔ ہمیں امید ہے کہ وہ آپ کا سوال رد نہیں کریں گے'' حضرت شیماء رضی اللہ عنہا آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئیں۔ عرض کی ''کیا آپ نے مجھے پہچان لیا ہے؟ آپ نے فرمایا ''تم کون ہو؟ انہوں نے عرض کی ''میں آپ کی رضاعی بہن بنت ابی ذؤیب ہوں۔ اس کی علامت یہ ہے کہ میں نے آپ کو اٹھایا ہوا تھا۔ آپ نے مجھے میرے اس کندھے پر دانتوں سے کاٹ

لیا۔ یہ اس کا نشان ہے'' آپ نے انہیں خوش آمدید کہا۔ ساری قیدی ان کے حوالے کر دیے۔ قیدیوں کی تعداد چھ ہزار تھی۔ حضرت شیماء رضی اللہ عنہا کی طرح کی بابرکت اور یمن سے معمور کوئی خاتون نہ تھی۔ آپ نے انہیں اختیار دیا۔ آپ نے فرمایا ''اگر پسند کرو تو میرے ہاں ہی قیام کرو۔ محبت و عزت ملے گی۔ اگر پسند کرو میں تمہیں ساز و سامان عطا کر دیتا ہوں تم اپنی قوم کے پاس لوٹ جاؤ'' انہوں نے عرض کی ''آپ مجھے مال و متاع عطا فرمادیں۔ میں اپنی قوم کے پاس لوٹ جاتی ہوں'' آپ نے انہیں مویشی، جانور، غلام مکحول اور لونڈی عطا کی۔ دوسری روایت کے مطابق آپ نے انہیں تین غلام، لونڈی اور جانور اور مویشی عطا کیے'' دوسری روایت کے مطابق اس وقت حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تھیں۔ شاید دونوں ہی حاضر خدمت ہوئی ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ابوصرد حاضر ہوا۔ اس کی کنیت ابو برقان تھی۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رضاعی چچا تھا۔ اس نے عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم! ہماری اصل ایک ہے۔ ہم ایک قبیلہ کے فرد ہیں۔ ہمیں جس آزمائش کا سامنا کرنا پڑا ہے وہ آپ سے مخفی نہیں ہے۔ حضور! ان خواتین میں آپ کی رضاعی مائیں، خالائیں، پھوپھیاں اور رضاعی بہنیں ہیں۔ یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم! ہم اللہ رب العزت اور آپ کی طرف رغبت کرتے ہیں'' ابوصرد نے عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم! ان قیدیوں میں آپ کی رضاعی پھوپھیاں، خالائیں اور دائیاں بھی ہیں جو آپ کی خدمت کیا کرتی تھیں۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضاعی ماں حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کا تعلق بنوہوازن کے ساتھ تھا۔ اگر ہم نے شام کے بادشاہ حارث بن ابی سمر یا عراق کے بادشاہ نعمان بن منذر کو دودھ پلایا ہوتا پھر ہمیں اس طرح کی اذیت کا سامنا کرنا پڑتا تو پھر بھی ہمیں اس کی شفقت اور مہربانی کی امید ہوتی۔ آپ تو بہترین کفالت کرنے والے ہیں'' پھر اس نے آپ کی رحمت اور شفقت کا طلب گار بنتے ہوئے کچھ اشعار کہے جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

امنن علینا رسول اللہ فی کرم فانك المرء نرجوہ وننتظر

امنن علی نسوۃ قد کنت ترضعها اذ فوك يملؤہ من مخضها الدرر

انا نؤمل عفوا منك تلبسه هذي البرية ان تعفوا وتنتصر

فالبس العفو من قد كنت ترضعه من امهاتك ان العفو مشتهر

''یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ہم پر کرم کرتے ہوئے احسان فرمائیں، آپ وہ بلند پایہ ہستی ہیں جس سے ہم رحمت کی امید وابستہ رکھتے ہیں اور ہم جس کے منتظر ہیں۔ ان خواتین پر رحم فرمائیں جن کا دودھ آپ نوش فرماتے تھے۔ اور آپ کا دہن مبارک ان کے دودھ سے بھر جاتا تھا۔ ہم آپ سے عفو و درگزر کی امید رکھتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساری مخلوق کے ہادی ہیں۔ اگر ہمیں معاف کر دیں یا ہماری مدد فرمائیں تو بعید از کرم نہ ہوگا۔ آپ اپنی ان رضاعی ماؤں کو معاف فرمائیں جن کا آپ دودھ نوش فرماتے تھے۔ آپ کے عفو و کرم کی شہرت تو زبان زد عام ہے''۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''تو نے بہت عمدہ بات کی ہے۔ میں تصدیق کرتا ہوں۔ کیا اپنے فرزند اور خواتین تمہیں پسند

ہیں۔ یا تمہیں اپنے اموال پسند ہیں۔ ان دونوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرلو۔ میں نے تمہارا انتظار کیا حتیٰ کہ میں نے گمان کیا کہ تم نہیں آؤ گے" دوسری روایت میں ہے۔ آپ نے انہیں فرمایا "مال غنیمت تقسیم ہو چکا ہے۔ اب اپنے قیدیوں میں سے اور اپنے اموال میں سے تمہیں جو زیادہ پسند ہو وہ لے لو" ایک اور روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں فرمایا "میرا مال اور بنو عبدالمطلب کے حصہ کا مال تمہارا ہے۔ جب میں لوگوں کو ظہر کی نماز پڑھا چکوں تو تم اٹھ کر یہ کہنا" ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مسلمانوں کے سامنے بطور سفارشی لے جاتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور مسلمانوں کو بطور سفارشی پیش کرتے ہیں۔ تم اپنے اسلام کا اظہار کر دینا۔ اور کہنا "ہم تمہارے دینی بھائی ہیں" "میں لوگوں سے تمہارے متعلق سوال کروں گا" جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز ظہر پڑھائی تو بنو ہوازن کا وفد کھڑا ہو گیا اور اس نے اسی طرح کہا جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں فرمایا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رب تعالیٰ کی حمد و ثناء کرنے کے بعد فرمایا "تمہارے یہ بھائی ہمارے پاس توبہ کرتے ہوئے آئے ہیں۔ میری رائے ہے کہ میں ان کے قیدی واپس کردوں۔ جو تم سے خوشدلی سے اس طرح کر سکتا ہے وہ یوں کردے اور جو تم سے ان قیدیوں سے اپنا حق لینا چاہے تو اس کے لیے ہر فرد کے بدلے چھ حصے ہیں" دوسری روایت میں فرائض کا لفظ بھی ہے کیونکہ اونٹ کو فریضہ بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اسے زکوٰۃ میں دیا جا سکتا ہے۔ جو شخص ان جنگی قیدیوں سے دستبردار ہونے کے لیے تیار نہیں تو وہ اپنے حصہ کے قیدی اپنے پاس رکھے۔ اللہ تعالیٰ جو مال فیئ ہمیں سب سے پہلے عطا فرمائے گا اس میں سے ہر مجاہد کو جو حصہ ملے گا اس سے چھ گنا فی قیدی ہم اس کو معاوضہ دیں گے" پھر فرمایا "جو کچھ میرے لیے اور بنو عبدالمطلب کے لیے ہے وہ تمہارا ہو گیا"۔ مہاجرین و انصار نے بیک زبان کہا "جو ہمارا حصہ ہے ہم وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے ہیں" اقرع بن حابس نے کہا "میں اور بنو تمیم اس طرح نہیں کر سکتے" عیینہ بن حصن الفزاری نے کہا "میں اور بنو فزارہ اس طرح نہیں کریں گے" عباس بن مرداس نے کہا "میں اور بنو سلیم اس طرح نہیں کریں گے" بنو سلیم نے کہا "ہاں، ہاں! جو ہمارا حصہ ہے وہ ہم اللہ رب العزت اور اس کے رسول محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے چھوڑتے ہیں" عباس بن مرداس نے کہا "تم نے مجھے کمزور کر دیا ہے" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میں نے مسلمان قوم کو اختیار دیا ہے۔ انہوں نے عورتوں اور بچوں میں سے کچھ بھی باقی نہیں رکھا۔ جس کے پاس کوئی قیدی ہو وہ خوشدلی سے لوٹانا چاہے تو اسے واپس کر دے۔ جو انکار کرے وہ بھی واپس کر دے۔ یہ اس کا ہم پر قرض ہو گا۔ ہم اسے اس مال فیئ میں سے چھ حصے فی قیدی دیں گے جو رب تعالیٰ سب سے پہلے ہمیں عطا فرمائے گا" صحابہ کرام نے عرض کی "ہم راضی ہیں۔ ہم نے قیدی واپس کر دیے ہیں" انہوں نے بنو ہوازن کی خواتین اور ان کے قیدی واپس کر دیے۔

دوسری روایت میں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "شاید تم میں سے کوئی ایسا بھی ہو جو برضا و رغبت قیدی واپس نہ کر رہا ہو۔ تم اپنے سرداروں سے کہو کہ وہ یہ معاملہ ہمارے حضور پیش کریں" سرداروں نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم! یہ سب راضی ہیں" جب آپ نے مسلمانوں میں قیدی تقسیم فرمائے تو منادی کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا کہ کوئی حاملہ سے وطی نہ کرے حتیٰ کہ اس کا وضع حمل ہو جائے۔ کوئی غیر حاملہ سے وطی نہ کرے حتیٰ کہ وہ حیض سے پاک ہو جائے۔ صاحب ہمزیہ نے

بنوہوازن پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے عفو و درگزر کا تذکرہ اپنے ان اشعار میں کیا ہے:

من فضلا علی هوازن اذ کا ن له قبل ذالك فی رياء

فحبا ها براء توهمت النا س به انما السباء هداء

فغدت فيه وهی سيدة النسا ء والسيدات فيه اماء

وأتی السبی فی أخت رضاع وضع الكفر قدرها والسباء

بسط المصطفی لها من رداء أی فضل حواه ذاك الرداء

''آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بنوہوازن پر فضل واحسان فرمایا کیونکہ اس سے قبل آپ نے ان میں شیر خوارگی کا عہد ہمایوں بسر فرمایا۔ آپ نے حسن سلوک کرتے ہوئے انہیں بچالیا حالانکہ لوگوں کا گمان تھا کہ قیدی انہیں بطور تحفہ مل گئے ہیں۔ وہ حاضر خدمت ہوئی جو ساری خواتین کی سردار تھی اس میں سردار خواتین بھی لونڈی بنادی گئی تھیں۔ اس میں آپ کی رضاعی بہن حضرت شیماء رضی اللہ عنہا بھی حاضر ہوئیں۔ کفر اور قید نے اس کی قدر کو کم کر دیا تھا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی چادر مبارک ان کے لیے بچھادی۔ تمہیں پتہ ہے کہ کس قسم کے فضل وکرم نے اس مبارک چادر کو گھیر رکھا تھا''۔

صحیح روایت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بنوہوازن کے سارے قیدی واپس کر دیے۔ ان میں سے صرف ایک بڑھیا رہ گئی۔ جو عیینہ بن حصن کے پاس تھی۔ اس نے اسے واپس کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ جب اس نے اسے پکڑا تو اس نے کہا ''یہ بڑھیا ہے۔ قبیلہ میں اس کا نسب بہت بڑا ہوگا۔ اس کا فدیہ بھی بہت بڑا ہوگا'' اس بڑھیا کے پاس سے اس کا بیٹا زہیر بن صرد گزرا۔ اس نے عیینہ کے ساتھ سودا بازی شروع کی۔ اسے ایک سو اونٹ دینا چاہے مگر عیینہ نے انکار کر دیا۔ عیینہ نے اسے کہا ''اس بڑھیا کو ایک سو اونٹ کے عوض لے جاؤ'' مگر اس کے بیٹے نے انکار کرتے ہوئے کہا ''اب میں اسے صرف پچاس اونٹوں کے عوض لوں گا'' پھر وہ چلا گیا کچھ مدت غائب رہا، پھر عیینہ کے پاس سے گزرا۔ عیینہ نے اسے کہا ''اس بڑھیا کو اب پچاس اونٹوں کے عوض لے جاؤ'' اس کے بیٹے نے کہا ''اب میں صرف پچیس اونٹ دوں گا'' مگر عیینہ نے انکار کر دیا۔ وہ چلا گیا کچھ مدت کے بعد وہ پھر عیینہ کے پاس سے گزرا۔ عیینہ نے کہا ''اب اسے پچیس اونٹوں کے عوض لے لو' اس نے کہا ''نہیں! اب اس بڑھیا کو دس اونٹوں کے عوض لے لو' اس نے کہا ''میں اسے صرف چھ اونٹوں ک عوض لوں گا۔ بخدا! نہ اس کا منہ ٹھنڈا ہے۔ نہ اس کا پستان اٹھا ہوا ہے، نہ اس کا پیٹ بچہ جننے والا ہے، نہ اس کا خاوند اسے تلاش کرنے والا ہے، نہ اس کا پستان زیادہ دودھ دینے والا ہے'' عیینہ نے کہا ''اسے لے جاؤ۔ اللہ تعالیٰ اسے تمہارے لیے بابرکت نہ کرے'' اس سودا میں خسارے کی وجہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بددعا تھی۔ آپ نے فرمایا ''جو کسی قیدی کو واپس کرنے سے انکار کر دے اسے اس کی قیمت میں خسارہ ہو' جب اس کے بیٹے نے اسے حاصل کر لیا تو اس نے عیینہ سے کہا ''حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے قیدیوں کو قبطی کپڑے پہنائے'' اس نے کہا ''نہیں! اس کا کوئی کپڑا میرے پاس نہیں'' وہ اس سے جدا نہ ہوا حتیٰ کہ اس سے وہ کپڑا بھی حاصل کر لیا۔

روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو حکم فرمایا کہ وہ مکہ مکرمہ جائے اور قیدیوں کے لیے کپڑے خرید کر لائے۔ ان

میں سے ہر آزاد شخص وہ کپڑے پہن کر نکلے۔ حضور ﷺ نے مالک بن عوف نصری کے اہل خانہ کو اپنی پھوپھی حضرت عاتکہ رضی اللہ عنہا کے گھر ٹھہرایا۔ حتیٰ کہ مالک آ گیا۔ آپ نے اس کے اہل خانہ اس کے سپرد کر دیے۔ جب وفد نے آپ ﷺ سے اس کے متعلق عرض کی تو آپ ﷺ نے فرمایا ''میں نے ان کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کیا ہے۔ اس کا مال دو حصوں میں بھی منقسم نہیں ہوگا'' حتیٰ کہ مالک خود حاضر خدمت ہو گیا۔ حضور ﷺ نے اس کا مال واپس کر دیا۔ ایک سو اونٹ زائد بھی دیے۔

مال غنیمت کی تقسیم کے مختلف واقعات

جب حضور ﷺ جعرانہ تشریف لائے تو مال غنیمت تقسیم فرمایا۔ مؤلفۃ القلوب سے آغاز فرمایا۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے روز کمزور اسلام قبول کیا تھا۔ آپ نے ارادہ فرمایا کہ اسلام ان کے دلوں میں جاگزیں ہو جائے۔ ان میں سے بعض حضرات ایسے بھی تھے جنہوں نے بعد میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ جیسا کہ صفوان بن امیہ۔ جب مال غنیمت جمع کر دیا گیا تو حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے۔ مال و دولت کی فراوانی دیکھ کر عرض کی ''محمد عربی! (ﷺ) آپ تو سارے قریش سے زیادہ دولت مند ہو گئے ہیں'' یہ سن کر حضور ﷺ تبسم ریز ہوئے۔ انہیں ایک سو اونٹ اور چالیس اوقیہ چاندی عطا کی' انہوں نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میرا بیٹا یزید، انہیں یزید الخیر بھی کہا جاتا تھا۔ یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑے تھے۔ آپ نے حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو بھی ایک سو اونٹ اور چالیس اوقیہ چاندی عطا کر دی'' پھر حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میرا فرزند، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ بھی ہے'' آپ نے انہیں بھی ایک سو اونٹ اور چالیس اوقیہ چاندی عطا فرمائی'' حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میرے والدین آپ پر فدا! آپ ﷺ حالت جنگ میں بھی کریم ہیں۔ آپ حالت صلح میں کتنے کریم ہیں۔ میں نے آپ سے جنگ کی۔ آپ کتنے بہترین جنگ لڑنے والے تھے۔ میں نے آپ سے صلح کی آپ کتنے عمدہ صلح کرنے والے ہیں۔ یہ کرم کی انتہاء ہے۔ اللہ رب العزت آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے''۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ آئے۔ انہوں نے حضور ﷺ سے عرض کی۔ آپ نے انہیں ایک سو اونٹ عطا کیے۔ انہوں نے پھر التجاء کی تو آپ ﷺ نے ایک سو مزید عنایت کر دیے۔ انہوں نے سہ بار درخواست کی تو انہیں ایک سو مزید عطا فرما دیے۔ پھر انہیں فرمایا ''حکیم! یہ مال سرسبز و شاداب اور شیریں ہے جس نے اسے سخاوت نفس کے ساتھ لیا اسے اس میں برکت ڈال دی گئی۔ جس نے اسے حرص و لالچ سے لیا۔ اس کے لیے اس میں برکت نہ ڈالی گئی۔ وہ اس شخص کی طرح ہو گیا جو کھاتا ہے لیکن سیراب نہیں ہوتا۔ اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے'' حضرت حکیم رضی اللہ عنہ نے پہلے سو اونٹ تو قبول کر لیے۔ دوسرے چھوڑ دیے۔ انہوں نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ میں آپ کے بعد کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کروں گا حتیٰ کہ میں دنیا کو الوداع کہہ دوں'' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت حکیم رضی اللہ عنہ کو بلاتے، تاکہ انہیں عطیات دیں۔ مگر وہ قبول کرنے سے انکار کر دیتے۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ انہیں اپنے زمانہ خلافت میں بلاتے، تاکہ انہیں کچھ عطا کریں، مگر وہ انکار کر دیتے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے "اے مسلمانوں کے گروہ! میں نے حضرت حکیم رضی اللہ عنہ کو مال فئے میں سے ان کا وہ حصہ دیا جو انہیں ملتا تھا۔ مگر انہوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے" آپ نے درج ذیل حضرات کو سو سو اونٹ عطا فرمائے۔ حضرت ابوسفیان، ان کے فرزند یزید اور معاویہ، حکیم بن حزام، اخنس بن شریق، جبیر بن مطعم، جد بن قیس سہمی، حارث بن حارث، حارث بن ہشام، حاطب بن عبدالعزیٰ، حرملہ بن خودہ، حویطب بن عبدالعزیٰ، حکیم بن طلیق، خالد بن اسید، خلف بن ہشام، زہیر بن ابی اسید، زید الخیل، سائب بن ابی سائب، صیفی بن عائذ، سہل، سہیل بن عمرو کے فرزند، شیبہ بن عثمان، عبدالرحمٰن بن یعقوب، سفیان بن عبدالاسد، صفوان بن امیہ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ صفوان بن امیہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ غزوۂ حنین کے لیے نکلا تو ابھی تک اپنے شرک پر ہی تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ایک سو اونٹ، پھر ایک سو اونٹ، پھر ایک سو اونٹ عطا کیے۔ پھر اونٹوں اور بکریوں سے بھر پور وادی عطا کر دی۔ آپ انہیں عطا کرتے رہے حتیٰ کہ وہ اسلام لے آئے۔ آپ نے اقرع بن حابس اور عیینہ بن حصن کو بھی سو سو اونٹ عطا فرمائے۔ عباس بن مرداس کو ایک سو سے کم اونٹ عنایت کیے۔ یہ بھی اسی طرح اپنی قوم کے سردار تھے۔ جس طرح اقرع اور عیینہ تھے۔ عباس بن مرداس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کر کے یہ اشعار کہے:

أتجعل نهبي ونهب العبيد بين عيينه والأقرع

فما كان حصن ولا حابس يفوقان مرداس في مجمع

وقد كنت في الحرب ذا تدرؤ فلم اعط شيئا ولم أمنع

وماكنت دون امرئ منهما ومن تضع اليوم لم يرفع

"کیا آپ میرا اور عبید کا چھینا ہوا مال عیینہ اور اقرع میں تقسیم کر رہے ہیں۔ حصن اور حابس لوگوں کے اجتماع میں مرداس پر فوقیت نہیں رکھتے۔ میں جنگ میں شان و شوکت کا مالک نہ تھا، نہ مجھے کوئی چیز عطا کی گئی اور نہ مجھے روکا گیا۔ میں ان دونوں سے کم تر نہیں۔ آج جسے آپ پست کر دیں گے وہ بلند نہیں ہو سکے گا"۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اس کا منہ میری طرف سے بند کر دو۔ اس کے ساتھیوں کی مانند اسے دے دو" دوسری روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ابوبکر! میری طرف سے اس کی زبان بند کر دو۔ اسے بھی ایک سو اونٹ عطا کر دو" انہوں نے اسے بھی ایک سو اونٹ دے دیے۔ عبید اس کے گھوڑے کا نام تھا۔ بعض حضرات کی تالیف قلبی کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں پچاس پچاس اونٹ عطا کیے، ان میں حضرات عثمان بن وہب، عمیر بن ورقہ، عمیر بن وہب، عدی بن قیس، عمرو بن مرداس، مخرمہ بن نوفل، ہشام بن عمرو سعید بن یربوع رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے۔ بعض سیرت نگاروں کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان حضرات کو بھی سو سو اونٹ عطا فرمائے تھے۔ ابوجہم بن حذیفہ، ابوسفیان بن حارث، عکرمہ بن عامر، علقمہ بن علاثہ، عمرو بن اہتم، علاء بن جاریہ، کعب بن اخنس، لبید بن ربیعہ، مالک بن عوف، مطیع بن اسود، نضیر بن حارث، نوفل بن معاویہ، ہشام بن ولید، بعض نے ان میں عکرمہ بن ابی جہل کا بھی ذکر کیا ہے۔ دوسرے قول کے مطابق یہ اس وقت موجود نہ تھے۔ یہی روایت صحیح ہے۔ کیونکہ یہ چھپ گئے تھے۔ پھر کشتی پر سوار ہو گئے تھے، حتیٰ کہ ان کی زوجہ محترمہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے

ان کے لیے امان لے کر ان کی خدمت میں گئی۔ یہ واپس آ گئے۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بقیہ مال بقیہ اعراب میں تقسیم کر دیا۔

اہل مغازی نے فرمایا "آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو اور مال غنیمت کو حاضر کریں۔ پھر آپ نے وہ مال غنیمت لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ ہر پیادہ کو چار اونٹ اور چالیس بکریاں عطا کیں۔ ہر سوار کو بارہ اونٹ اور ایک سوبیس بکریاں عطا کیں۔ اگر اس کے پاس گھوڑے زائد تھے تو زائد گھوڑوں کا اسے حصہ نہ ملا۔ آپ نے انصار اور کبار مہاجرین صحابہ کرام کو کچھ بھی عطا نہ کیا۔ ایک منافق نے کہا "یہ ایسی تقسیم ہے جس میں عدل کو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ نہ ہی اس سے رضائے الٰہی کے حصول کا ارادہ کیا گیا ہے" جب اس کی بکواس کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا گیا تو آپ سخت ناراض ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اگر میں عدل نہیں کروں گا تو پھر کون عدل کرے گا۔ اللہ رب العزت میرے بھائی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر رحم کرے، انہیں اس سے بھی زیادہ ستایا گیا۔ مگر انہوں نے صبر کیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے عرض کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ہمیں اذن مرحمت فرمائیں ہم اس منافق کی گردن اڑا دیں" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اسے چھوڑ دو۔ عنقریب اس کے ساتھی ایسے لوگ ہوں گے جو دین کے معاملہ میں بال کی کھال اتاریں گے، حتیٰ کہ وہ دین سے نکل جائیں گے جس طرح تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔ لوگ گفتگو نہ کریں کہ میں اپنے صحابہ کو قتل کر رہا ہوں" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کے ساتھ یہ معاملہ اس لیے کیا تاکہ لوگوں کے لیے تالیف قلبی ہو جائے اور وہ اسلام میں داخل ہو جائیں۔

انصار کے خدشہ کا ازالہ

انصار میں سے بعض لوگوں نے کہا: یہ منافق نہ تھے "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رب تعالیٰ معاف کرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریش کو عطا کر رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں چھوڑ رہے ہیں۔ حالانکہ ابھی تک ہماری تلواریں ان کے لہو سے آلودہ ہیں۔ بخدا! یہ عجیب بات ہے۔ جب شدت کا سامنا ہوتا ہے تو اس کے لیے ہمیں بلایا جاتا ہے۔ مال غنیمت کا موقع آتا ہے تو دوسروں کو ترجیح دی جاتی ہے۔ ہماری تمنا ہے کہ ہم جان لیں کہ یہ معاملہ کس کی طرف سے ہے۔ اگر یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو تو ہم صبر کریں گے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ہو تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راضی کر لیں گے" یہ خبر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچ گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار کی طرف پیغام بھیجا۔ آپ نے انہیں چمڑے کے خیمہ میں جمع کیا۔ جب وہ اکٹھے ہو گئے تو آپ کھڑے ہو گئے، فرمایا "یہ کیسی بات ہے جو تمہاری طرف سے مجھے پہنچی ہے" زیرک مند انصار نے عرض کی "ہمارے دانا لوگوں نے تو کچھ نہیں کہا۔ البتہ عام لوگوں نے بات کی ہے۔ انہوں نے کہا "اللہ تعالیٰ اپنے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معاف کرے۔ آپ قریش کو عطا کر رہے ہیں، حالانکہ ہماری تلواروں سے ان کے خون کے قطرات گر رہے ہیں" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میں نے ان لوگوں کو مال عطا کیا ہے جو کفر سے نئے نئے تائب ہوئے ہیں۔ میں نے ان کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کیا ہے۔ کیا تم راضی نہیں ہو کہ لوگ مال لے کر جائیں، بکریاں اور اونٹ لے کر جائیں اور تم اپنے گھروں میں اللہ تعالیٰ کے رسول مکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو لے جاؤ۔ بخدا! جو کچھ تم لے کر جا رہے ہو وہ اس چیز سے کہیں بہتر ہے جسے لوگ لے کر جا رہے ہیں" صحابہ کرام نے عرض کی "یارسول

اللہ! صلی اللہ علیک وسلم! ہم راضی ہیں'' دوسری روایت میں ہے ''مجھے اس ذات کی قسم جس کے دست تصرف میں محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جان ہے کہ اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار کا ایک فرد ہوتا۔ اگر لوگ ایک وادی میں چلتے تو میں اس وادی میں چلتا جس میں انصار چلتے۔ مولا! انصار پر رحم فرما۔ انصار کی اولاد پر رحم فرما'' یہ تحسین آفرین کلمات سن کر انصار گریہ بار ہو گئے حتیٰ کہ ان کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہو گئیں۔ انہوں نے عرض کی ''ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تقسیم پر راضی ہیں''۔

دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار کو خطبہ دیا۔ فرمایا ''اے گروہ انصار! کیا میں نے تمہیں گمراہ نہ پایا تھا تو رب تعالیٰ نے تمہیں میری وجہ سے ہدایت دی۔ تمہاری جمعیت منتشر تھی۔ رب تعالیٰ نے تمہیں میری وجہ سے اکٹھا کر دیا۔ تم تنگدست تھے۔ رب تعالیٰ نے تمہیں میری وجہ سے خوشحال کر دیا'' جب بھی آپ دہن مبارک سے ایسے کلمات نکالتے۔ انصار عرض کرتے ''اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے زیادہ احسان فرمانے والے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس طرح جواب کیوں نہیں دیتے۔ اگر تم اس طرح کہتے تو تم سچے ہوتے۔ تمہاری تصدیق کی جاتی ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس آئے تو آپ کی تکذیب کی جارہی تھی۔ ہم نے آپ کی تصدیق کی۔ آپ کا کوئی معاون نہیں تھا ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کی۔ آپ کو شہر سے نکال دیا گیا تھا۔ ہم نے آپ کو پناہ دی۔ اس وقت آپ تنگدست تھے۔ ہم نے آپ کی مالی امداد کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوفزدہ تھے۔ ہم نے آپ کو پناہ دی'' انصار نے عرض کی ''نہیں! بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم پر احسان فرمایا''۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرامین تواضع، انصاف اور انصار کے شرف وقدر کے اظہار کے لیے فرمائے۔ ورنہ حجت بالغہ اور احسان ظاہر ہے۔ کیونکہ اگر آپ ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ نہ جاتے اور انصار کے ہاں قیام فرمانہ ہوتے تو ان میں اور دیگر قبائل میں فرق نہ ہوتا۔ حکمت الٰہیہ کا تقاضا تھا کہ جب مال غنیمت ملے تو اسے ان لوگوں میں تقسیم کیا جائے جن کے دلوں میں ایمان ابھی تک متمکن نہیں ہوا۔ فطرت بشریت کی وجہ سے مال کی محبت باقی تھی۔ یہ ایک اہم سبب تھا جس کی وجہ سے ان کے دل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت پر جمع ہو گئے۔ کیونکہ دل اس ذات سے محبت کرتے ہیں جو ان پر احسان کرتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اکابر مہاجرین اور انصار صحابہ کرام کو مال غنیمت میں سے کچھ بھی عطا نہ فرمایا حالانکہ وہ سارے اس کے مستحق تھے کیونکہ ان کے دلوں میں ایمان راسخ ہو چکا تھا۔ انہیں قوت ایمانی نصیب ہو چکی تھی۔ آپ نے تالیف قلبی کے لیے مال غنیمت تقسیم فرمایا۔ ان کے دل اسلام اور بانیٔ اسلام کی طرف کھنچنے لگے۔ ان کے پیروکاروں کے دل بھی اسلام اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرویدہ ہو گئے، کیونکہ وہ اس وقت راضی ہو جاتے تھے جب ان کا رئیس راضی ہو جاتا تھا۔ یہی چیز ان کے اسلام لانے کا سبب بنی۔ جو اسلام لے آئے تھے ان کے دل کی تقویت کا سبب بنی۔ ان کے علاوہ دیگر لوگ بھی ان کی اتباع کرنے لگے۔ اس میں یہی عظیم حکمت کارفرما تھی۔ اسی لیے آپ نے فتح مکہ سے ملنے والا مال تقسیم نہ فرمایا، حالانکہ اس وقت مجاہدین کو مال کی سخت ضرورت تھی۔ جس سے ان کی جنگی ضروریات پوری ہوتیں۔ جب آپ سے عرض کی گئی کہ آپ نے عیینہ اور اقرع کو مال عطا فرمایا مگر جعیل بن سراقہ کو چھوڑ دیا۔ آپ نے فرمایا ''مجھے اس ذات کریمانہ کی قسم جس کے دست تصرف میں محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی

جان ہے۔ جعیل ساری روئے زمین سے عمدہ ہے۔ اس میں عیینہ اور اقرع بھی شامل ہیں۔ مگر میں نے ان کے ساتھ تالیف قلبی کی ہے، تاکہ وہ اسلام لے آئیں۔ میں ایک شخص کو مال دیتا ہوں حالانکہ دوسرا شخص مجھے اس سے پیارا ہوتا ہے۔ اس خدشہ کے پیش نظر کہ کہیں رب تعالیٰ اسے چہرہ کے بل آگ میں نہ گرادے" دوسری روایت کے مطابق آپ نے فرمایا"میں ان لوگوں کو دیتا ہوں جن کی لالچ اور حرص سے مجھے اندیشہ ہے۔ ان لوگوں نے وہ مال غنیمت کھایا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے بھلائی اور غنیٰ پیدا فرمادی۔ ایسے لوگوں میں سے عمرو بن تغلب بھی تھے۔ انہوں نے کہا"بخدا! مجھے یہ پسند نہیں کہ مجھے اس مال کے عوض سرخ اونٹ دیے جائیں" انصار کے متعلق بہت سی احادیث طیبہ وارد ہیں۔ جن میں ان کے لیے حضور ﷺ کی دعا، ان کی بیٹوں اور پوتوں کے لیے دعا کا تذکرہ ہے۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ انصار کی مدح سرائی کرتے ہوئے کہتے ہیں:

سماهم الله أنصارا بنصرهم دين الهدى وعوان الحرب تستعر

وسارعوا في سبيل الله واعترفوا للنائبات وماخافوا وما ضجروا

"اللہ تعالیٰ نے ان کا نام انصار رکھا کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے دین کی نصرت کی، جبکہ جنگ کی آگ خوب بھڑک رہی تھی۔ انہوں نے راہ خدا میں جلدی کی۔ وہ مصائب پر ثابت قدم رہے، نہ انہوں نے کمزوری دکھائی نہ ہی تنگدل ہوئے"۔

امام بخاری نے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا"اسی اثناء میں کہ میں حضور ﷺ کی معیت میں حنین سے واپس آرہا تھا۔ اعراب حضور ﷺ کے ساتھ چمٹ گئے۔ وہ آپ ﷺ سے التجاء کرنے لگے کہ آپ ﷺ ان میں مال غنیمت تقسیم کریں۔ انہوں نے عرض کی"یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم! مال غنیمت ہم میں تقسیم کریں" انہوں نے حضور ﷺ کو ایک درخت کے نیچے جانے پر مجبور کیا۔ آپ کی چادر تک اتارلی۔ آپ ﷺ رک گئے۔ آپ نے فرمایا"مجھے میری چادر تو واپس کردو۔ اگر میرے پاس ان درختوں جتنے جانور ہوتے"دوسری روایت کے مطابق تھامہ میں موجود درختوں کے برابر مویشی ہوتے۔ میں انہیں تم میں تقسیم کردیتا۔ تم مجھے نہ بخیل نہ کذوب اور نہ ہی بزدل پاتے" پھر آپ اٹھ کر ایک اونٹ کی طرف گئے۔ اس کی کوہان سے ایک بال لیا اسے بلند فرمایا، پھر لوگوں سے فرمایا"تمہارے مال غنیمت میں سے خمس کے علاوہ اس بال کے برابر بھی لینا میرے لیے روا نہیں۔ خمس بھی تمہاری طرف ہی لوٹا دیا جاتا ہے" کیونکہ خمس کا اکثر حصہ بھی مسلمانوں کی مصلحتوں میں خرچ کردیا جاتا تھا"۔

عمرہ کی ادائیگی

مال غنیمت تقسیم کرنے کے بعد آپ ﷺ نے جعرانہ سے عمرہ ادا فرمایا۔ ذوالقعدہ کے پانچ روز گزر چکے تھے۔ آپ ﷺ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ طواف کیا، سعی فرمائی، حلق کرایا، پھر اسی رات جعرانہ لوٹ آئے۔ گویا کہ وہ رات اسی جگہ بسر فرمانے کا ارادہ فرما چکے تھے۔ جعرانہ اور مکہ مکرمہ کے مابین اٹھارہ میل کا فاصلہ ہے۔ جعرانہ ایک عورت کا نام تھا۔ حضور ﷺ نے اس جگہ تیرہ دن بسر فرمائے۔

روایت ہے کہ ستر انبیائے کرام نے جعرانہ سے عمراہ ادا کیا۔ پھر آپ ﷺ نے مدینہ طیبہ کی طرف توجہ فرمائی۔ مکہ

مکرمہ میں حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو عامل مقرر کیا۔ ان کے ہمراہ حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کو بھی وہیں متعین فرمایا۔ یہ لوگوں کو قرآن اور فقہ کی تعلیم دیتے تھے۔ جب آپ مدینہ طیبہ پہنچے تو ذوالقعدہ کے تین دن باقی تھے۔ دوسری روایت کے مطابق ابھی چھ دن باقی تھے۔ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ اس مہم میں اسی روز سے زیادہ دن بسر ہوئے۔

غزوۂ حنین میں غیبی تائید

بہت سے سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ غزوۂ بدر اور غزوۂ حنین میں اللہ تعالیٰ نے کفر کی کمر توڑ کر رکھ دی۔ عرب کے آلاؤ کو بجھا دیا۔ ان کی جمعیت کو منتشر کر دیا۔ دین الٰہی میں داخل ہونے کے علاوہ ان کے لیے اور کوئی چارۂ کار نہ رہا۔ غزوۂ حنین کے ساتھ رب تعالیٰ نے اہل مکہ کے شکستہ دلوں کو جوڑ دیا۔ وہ نصرت اور مال غنیمت پا کر خوش ہو گئے۔ گویا یہ ان کے شکستہ قلوب کے لیے دوا تھی۔ اس کے ساتھ ہی رب تعالیٰ نے وہ وعدہ پورا کر دیا جو اس نے اپنے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کیا تھا۔ اس نے وعدہ فرمایا تھا کہ جب مکہ مکرمہ فتح ہو جائے گا تو لوگ دین متین میں جوق در جوق داخل ہونے لگیں گے۔ سارا عرب دین الٰہی کو اختیار کر لے گا۔ جب فتح مکمل ہو گئی تو حکمت الٰہیہ کا تقاضا تھا کہ رب تعالیٰ ہوازن اور ان کے پیروکاروں کے دل اسلام لانے سے روک لے۔ وہ لشکر جرار جمع کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنگ کرنے کی مکمل تیاری کریں تاکہ اللہ تعالیٰ اپنے امر کو غالب کرے۔ اپنے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر اقدس پر سچی عزتوں کا تاج سجائے اور اپنے دین کی نصرت کرے، تاکہ ان کا مال غنیمت اہل فتح کو ملے، تاکہ رب تعالیٰ اپنے رسول محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اپنے مؤمنین بندوں کو غالب کرے اور اپنے دین کو سارے ادیان پر غالب کر دے۔ اسی لیے اس نے اس عظیم شوکت وسطوت کا اظہار کیا کہ اس سے قبل مسلمانوں نے ایسے لشکر کے ساتھ جنگ نہیں کی تھی تاکہ اس کے بعد اہل عرب میں سے کوئی قبیلہ مسلمانوں کے ساتھ ٹکر لینے کی جرأت نہ کر سکے۔

حکمت الٰہیہ کا یہ بھی تقاضا تھا کہ وہ پہلے مسلمانوں کو ہزیمت کی تلخی چکھائے، حالانکہ ان کی تعداد بھی بے شمار تھی۔ تیاری بھی ٹھیک اور شوکت وقوت بھی ان کے پاس تھی، تاکہ وہ ان سروں کو پست کر دے جو فتح مکہ کی وجہ سے بلند ہو گئے تھے۔ رب تعالیٰ نے انہیں قصۂ حنین میں مبتلاء کر دیا تاکہ وہ ایسی حرکت سے رک جائیں، نیز انہیں یہ تنبیہ ہو جائے کہ تواضع اور اظہارِ شکر ان کا مطلوب ہے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق حسنہ سے آشکارا ہوا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے۔ آپ کا سر اقدس اونٹنی کے اوپر جھکا ہوا تھا۔ اپنے رب تعالیٰ کے لیے خشوع وخضوع کا اظہار فرما رہے تھے، تاکہ رب تعالیٰ اس شخص کے لیے بھی امر کو واضح کر دے جس نے کہا تھا "ہم آج قلت کی وجہ سے مغلوب نہیں ہوں گے" کیونکہ نصرت صرف رب تعالیٰ کے پاس ہے۔ اور یہ کہ جسے رب تعالیٰ کی نصرت حاصل ہو اس پر کوئی غالب نہیں آ سکتا، جسے وہ رسواء کرے اس کا کوئی مددگار نہیں۔ رب تعالیٰ نے ہی اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصرت فرمائی۔ اس نے ہی اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل ایمان پر سکینت نازل فرمائی اور ایسے لشکر نازل کیے جسے تم دیکھ نہ سکے۔ نیز حکمت الٰہیہ کا یہ بھی تقاضا تھا کہ وہ نصرت اور اپنے ان انعامات کو روک لے جو صرف عاجزی اور انکساری کا تقاضا کرتے ہیں جیسا کہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ ۝

''اور ہم نے چاہا کہ احسان کریں ان لوگوں پر جنہیں کمزور بنا دیا گیا تھا ملک (مصر) میں، اور بنا دیں انہیں پیشوا اور بنا دیں انہیں (فرعون کے تاج وتخت کا) وارث''۔ (القصص)

عرب کو فتح کرنے کا آغاز غزوۂ بدر سے کیا۔ حنین پر اس کا اختتام کر دیا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عظیم الشان غزوات ہیں۔ اس لیے رب تعالیٰ نے ان کا تذکرہ ''بدر وحنین'' اکٹھا کیا۔

غزوات میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا توکل

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود، مغفر اور زرہیں بھی پہنیں۔ اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ اسباب کو استعمال کر لینے سے مقام توکل میں کمی نہیں آتی۔ تقدیر اور شرع کے اعتبار سے رب تعالیٰ نے ہی مسببات کے لیے ان اسباب کا تعین فرمایا ہے۔ آپ توکل اور قوتِ یقین کے اعتبار سے بھی بلند ترین مقام پر فائز تھے۔ جب آپ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ کے سر اقدس پر خود تھا۔ یومِ حنین کو دو زرہیں زیب بدن فرمائیں۔ حالانکہ رب تعالیٰ نے آپ سے فرمایا:

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (المائدہ: 67) ''اور اللہ تعالیٰ بچائے گا آپ کو لوگوں (کے شر) سے''۔

اسباب کو ان مسببات میں استعمال کرنے سے عبودیت کے کمال میں فرق نہیں آتا، جب کہ اعتقاد یہ ہو کہ تاثیر رب تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کی پیدا کردہ ہے۔ اگر رب تعالیٰ اپنی قضاء کو مخفی نہ رکھتا۔ ظاہری اسباب کے ساتھ اسے مقدر نہ فرماتا تو لوگ مؤمن وکافر، شقی اور سعید میں منقسم نہ ہوتے۔ اگر تمام اشیاء کا ظہور خرق عادت کے اعتبار سے ہی ہوتا تو کوئی کافر بھی باقی نہ رکھتا، بلکہ ان خوارق کی وجہ سے لوگ اسلام کے دامن میں پناہ گزیں ہو جاتے۔ اگر ساری اشیاء اپنے ظواہر پر ہی باقی رہتیں۔ خوارق عادت کے بغیر کسی کا ظہور نہ ہوتا تو اسلام کے لیے کوئی نہ جھکتا کیونکہ اکثر اوقات سارے لوگ ایسے اسباب کی تاثیر کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بعض اشیاء کا ظہور عادت کے مطابق اور بعض کا ظہور خرق عادت کے اعتبار سے کیا۔ پھر بعض لوگوں کے لیے یہ معاملہ منکشف کر دیا اور بعض کے لیے مخفی رکھا تاکہ جسے چاہے گمراہ کر دے اور جسے چاہے ہدایت سے نواز دے۔ وہ جو کچھ کرتا ہے اس سے نہیں پوچھا جائے گا، البتہ لوگوں نے جو کچھ کیا ان سے ضرور پوچھا جائے گا۔ مال غنیمت کو تقسیم کرتے وقت اعرابیوں نے آپ پر جفاء کی، مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صبر فرمایا، اس میں آپ کے کرم، حسن خلق، صبر کی وسعت کی دلیل ہے۔ اس سے آپ کے کئی اور اوصاف حمیدہ آشکارہ ہوتے ہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہما صدا کی طرف

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کو یمن کی طرف بھیجا۔ ان کے ہمراہ چار سو شہ سوار بھیجے۔ یہ مہم جعرانہ سے واپسی کے بعد پیش آئی۔ آپ نے انہیں حکم دیا کہ وہ قبیلہ صداء کے ساتھ جہاد کریں۔ نیز مدوھم کے ساتھ بھی نبرد آزما ہوں۔ زیاد بن حارث صدائی بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس مہم کے متعلق پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں سارے حالات بتا دیے۔ انہوں نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم! میں

انہیں وفد کی صورت میں آپ کے حضور پیش کر دوں گا۔ میں اپنی قوم کی اطاعت اور ان کے اسلام کا کفیل ہوں" حضور ﷺ نے فرمایا "تم جاؤ اور ان مجاہدین کو واپس لے آؤ" انہوں نے عرض کی "میری سواری تھک چکی ہے" حضور ﷺ نے انہیں ان شہ سواروں کے پیچھے بھیجا۔ یہ انہیں واپس لے آئے۔ حضرت صدائی رضی اللہ عنہ اپنی قوم کے پاس گئے۔ اور پندرہ روز کے بعد انہیں بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں پیش کر دیا۔ وہ سارے حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

سریہ عیینہ بن حصن بنو تمیم کی طرف

اس سریہ کا سبب یہ تھا کہ حضور ﷺ نے حضرت بشر بن سفیان عدوی کلبی رضی اللہ عنہ کو خزاعہ کی شاخ بنو کعب کی طرف بھیجا تاکہ وہ ان سے صدقات حاصل کریں۔ وہ بنو تمیم کے ساتھ ایک چشمہ پر فروکش تھے۔ حضرت بشر رضی اللہ عنہ نے بنو کعب سے صدقات لیے۔ بنو تمیم نے ان سے کہا "تم نے اپنے اموال ان لوگوں کو کیوں دے دیے؟ انہوں نے اس مال و دولت کو کثیر سمجھا" بنو تمیم اکٹھے ہو گئے۔ وہ ہتھیار بند ہو گئے اور حضرت بشر رضی اللہ عنہ کو صدقات کا مال لینے سے روک دیا۔ بنو کعب نے انہیں کہا "ہم اسلام لے آئیں ہیں۔ ہمارے دین میں زکوٰۃ کی ادئیگی بہت ضروری ہے" بنو تمیم نے کہا "بخدا! ہم یہاں سے ایک اونٹ بھی نہیں جانے دیں گے" جب حضرت بشر رضی اللہ عنہ نے یہ صورت حال دیکھی تو مدینہ طیبہ حاضر خدمت ہو گئے۔ ساری صورت حال حضور ﷺ کو عرض کی۔ اس وقت حضور ﷺ نے عرب کے پچاس شہ سواروں کو حضرت عیینہ بن حصن رضی اللہ عنہ کی قیادت میں بنو تمیم کی طرف بھیجا۔ ان میں ایک بھی مہاجر یا انصاری صحابی نہ تھا۔ یہ دن کو چھپ جاتے رات کو عازم سفر ہو جاتے۔ انہوں نے اچانک بنو تمیم پر حملہ کر دیا۔ ان کے گیارہ مرد، اکیس عورتیں اور تیس بچے گرفتار کر لیے۔ انہیں مدینہ طیبہ لے آئے۔ حضور ﷺ نے انہیں حضرت رملہ بنت حارثہ رضی اللہ عنہا کے گھر روکنے کا حکم دیا۔

بنو تمیم کے رؤسا کا کاشانہ اقدس پر حاضری کا انداز

ان قیدیوں کی خبر گیری کرنے کے لیے ان کے رؤساء کی پوری جماعت آئی۔ ان میں عطارد بن حاجب، زبرقان بن بدر، اقرع بن حابس، قیس بن حارث، نعیم بن سعد، عمرو بن اہیم اور رباح بن حارث شامل تھے۔ جب قیدیوں نے انہیں دیکھا تو بچے اور خواتین رونے لگیں۔ یہ وفد حضور ﷺ کے حجرۂ مقدسہ کے دروازہ کے پاس آیا۔ اس سے قبل یہ مسجد نبوی میں گئے تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو دیکھا۔ وہ ظہر کی آذان دے رہے تھے۔ صحابہ کرام حضور ﷺ کے باہر جلوہ افروز ہونے کے منتظر تھے۔ جب کافی دیر ہو گئی تو یہ وفد حجرات مقدسہ کے پاس آیا، باآواز بلند کہا "باہر نکلیں۔ ہم آپ کے ساتھ فخر میں مقابلہ کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارا شاعر آپ کے شاعر کے ساتھ مقابلہ کرے گا۔ جس کی ہم مدح کرتے ہیں، وہ آراستہ ہو جاتا ہے۔ جس کی ہم مذمت کرتے ہیں وہ ذلیل و رسواء ہو جاتا ہے۔ باہر نکلیں" حضور اکرم ﷺ کاشانہ اقدس سے باہر تشریف لائے، ان کی چیخ و پکار کی وجہ سے آپ کو اذیت ہوئی۔ یہ آیت طیبہ ان کے متعلق ہی نازل ہوئی:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ

اِلَيۡهِمۡ لَكَانَ خَيۡرًا لَّهُمۡ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ۝ (الحجرات)

''بیشک جو لوگ پکارتے ہیں آپ کو حجروں کے باہر سے ان میں سے اکثر ناسمجھ ہیں، اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ تشریف لاتے ان کے پاس تو یہ ان کے لیے بہت بہتر ہوتا اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے''۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے نماز کے لیے اقامت کہی، وہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چمٹ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفتگو کرنے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے توقف فرمایا۔ انہوں نے آپ سے عرض کی ''ہم بنو تمیم میں سے ہیں۔ ہم اپنا خطیب اور اپنا شاعر لے کر آئے ہیں تاکہ آپ کے ساتھ شعر و شاعری اور فخر و مباہات میں مقابلہ کریں'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں فرمایا ''نہ ہم شعر کے ساتھ مبعوث ہوئے ہیں، نہ ہمیں فخر و مباہات کا حکم دیا گیا ہے'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے گئے۔ نماز ظہر ادا کی۔ پھر مسجد کے صحن میں تشریف فرما ہوگئے۔ انہوں نے کہا ''ہماری مدح سے انسان مزین ہوجاتا ہے۔ ہماری مذمت سے رسواء ہو جاتا ہے۔ ہم سارے عرب سے معزز ہیں'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں فرمایا ''تم نے جھوٹ بولا ہے، بلکہ رب تعالیٰ کی مدح آراستہ کرتی ہے اس کی مذمت رسواء کرتی ہے۔ حضرت یوسف بن یعقوب (علیہما السلام) تم میں سے سب سے زیادہ معزز و مکرم ہیں'' پھر انہوں نے عرض کی ''ہمارے خطیب اور شاعر کو اذن دیں'' آپ نے فرمایا ''میں نے اذن دے دیا ہے'' وہ اٹھے۔ دوسری روایت میں ہے آپ نے فرمایا ''نہ مجھے شعر کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے، نہ ہی مجھے فخر کے لیے مبعوث کیا گیا ہے۔ مگر لے آؤ جو کچھ تمہارے پاس ہے'' عطارد بن حاجب یا اقرع بن حابس نے ان میں سے ایک جوان کو آگے کیا اور کہا ''اے فلاں! اٹھو! اپنی اور اپنی قوم کی فضیلت بیان کرو'' اس نے گفتگو کی اور یہ خطبہ دیا:

''ساری تعریفیں رب تعالیٰ کے لیے ہیں۔ جسے ہم پر فضیلت حاصل ہے۔ وہی اس فضیلت کا اہل ہے۔ اسی نے ہمیں بادشاہ بنایا۔ ہم کو کثیر رقم عطا کی ہے۔ جس کے ساتھ ہم بھلائی کے کام کرتے ہیں۔ اس نے ہمیں تعداد کے اعتبار سے اہل مشرق سے زیادہ کیا ہے۔ لوگوں میں سے ہماری مثل کون ہے؟ کیا ہم لوگوں کے سردار نہیں ہیں۔ فضیلت میں ان سے بڑھ کر نہیں ہیں۔ جو ہمارے ساتھ فخر کرنا چاہے، وہ ہماری جتنی کثیر تعداد تو لے کر آئے۔ اگر ہم چاہیں تو تعداد میں اس سے بھی زیادہ ہوجائیں۔ میں نے یہ بات اس لیے کی ہے کہ وہ ہماری بات کی طرح کی بات لے کر آئیں۔ یا ایسا امر لے کر آئیں جو ہمارے امر سے افضل ہو''۔ پھر وہ خطیب بیٹھ گیا۔

دوسری روایت کے مطابق اس خطیب نے کہا:

''تمام تعریفیں رب تعالیٰ کے لیے ہیں۔ جس نے مخلوق میں سے ہمیں بہتر بنایا۔ ہمیں دولت و ثروت دی۔ جسے ہم اپنی منشاء کے مطابق خرچ کرتے ہیں۔ ہم اہل زمین سے بہترین ہیں۔ تعداد کے اعتبار سے ان سے زیادہ ہیں۔ اسلحہ کے اعتبار سے ان سے بڑھ کر ہیں۔ جو ہماری اس بات کا انکار کرے وہ ایسا قول لے کر آئے جو ہمارے قول سے احسن ہو۔ ایسا فعل لے کر آئے جو ہمارے فعل سے عمدہ ہو''۔

خطیب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے جواب

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اس کا جواب دیں۔ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے کہا "ساری تعریفیں اللہ رب العزت کے لیے ہیں جس نے آسمانوں اور زمین کو تخلیق کیا۔ ان میں اپنے امر کا فیصلہ کیا۔ اس کا علم اس کی کرسی کو محیط ہے۔ کوئی چیز قطعا رونما نہیں ہوتی مگر اس کے فضل سے۔ یہ اس کا فضل ہی ہے کہ اس نے ہمیں بادشاہ بنایا۔ اپنی مخلوق میں سے بہترین کو رسول منتخب فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نسب کے اعتبار سے سب سے زیادہ معزز ہیں۔ دل کے اعتبار سے سب سے زیادہ پاکباز ہیں۔ حسب کے اعتبار سے افضل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی کتاب مقدس نازل کی۔ انہیں اپنی مخلوق کا امام بنایا۔ آپ سارے جہانوں سے بہترین ہیں۔ انہوں نے لوگوں کو ایمان کی طرف بلایا۔ آپ کی قوم میں سے مہاجرین آپ پر ایمان لے آئے۔ یہ آپ کے ایسے رشتہ دار ہیں جو نسب کے اعتبار سے سب سے معزز ہیں۔ چہرے کے اعتبار سے سب سے حسین ہیں۔ گفتگو کے اعتبار سے سب سے بہترین ہیں۔ ان کے بعد رب تعالیٰ کی مخلوق میں سے جس نے سب سے پہلے آپ کی دعوت پر لبیک کہا وہ ہم ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انصار ہیں۔ ہم لوگوں کے ساتھ جہاد کریں گے حتیٰ کہ لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آئیں۔ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آیا، اس نے اپنا مال اور خون محفوظ کر لیا۔ جس نے کفر کیا اس کے ساتھ ہم راہ خدا میں جہاد کریں گے۔ اسے قتل کرنا ہم پر آسان ہے۔ میں یہ بات کرتا ہوں، میں اپنے لیے مغفرت طلب کرتا ہوں۔ مؤمنین اور مؤمنات کے لیے مغفرت طلب کرتا ہوں۔ السلام علیک"۔

دوسری روایت کے مطابق انہوں نے کہا "ساری تعریفیں رب تعالیٰ کے لیے ہیں۔ ہم اس کی ستائش کرتے ہیں۔ اس سے مدد طلب کرتے ہیں۔ اسی پر ایمان لاتے ہیں۔ اسی پر توکل کرتے ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچازادوں میں سے مہاجرین کو دعوت دی جن کے چہرے بہت حسین اور اخلاق بہت عظیم ہیں۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہا۔ ساری تعریفیں رب تعالیٰ کے لیے ہیں۔ جس نے ہمیں آپ کے انصار اور وزراء اور دین کی عزت بننے کی سعادت بخشی۔ ہم لوگوں سے جہاد کرتے رہیں گے حتیٰ کہ وہ یہ گواہی دینے لگیں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ جس نے یہ کلمہ طیبہ پڑھ لیا۔ اس نے اپنا نفس اور مال ہم سے محفوظ کر لیا۔ جس نے اس کا انکار کیا ہم اس کے ساتھ جہاد کریں گے۔ راہ خدا میں اسے ذلیل کرنا ہمارے لیے بہت آسان ہے۔ میں یہی بات کہتا ہوں۔ مؤمنین اور مؤمنات کے لیے مغفرت طلب کرتا ہوں"۔

زبرقان نے اپنے وفد میں سے ایک شخص سے کہا "فلاں! اٹھو! ایسے اشعار پڑھو جن میں اپنی اور اپنی قوم کی فضیلت بیان کرو" ان کا شاعر اٹھا۔ اپنے اشعار پڑھے جن میں دو شعر یہ بھی تھے۔

نحن الکرام فلاحی یعادلنا نحن الرؤوس وفینا یقسم الربع

اذا أبینا فلا یأبی لنا احد انا کذلك عند الفخر نرتفع

''ہم وہ معزز لوگ ہیں کہ کوئی قبیلہ ہماری ہم سری کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ ہم میں مال غنیمت کا چوتھا حصہ تقسیم کیا جاتا ہے۔ جب ہم انکار کرتے ہیں تو ہمارے سامنے کسی کو انکار کرنے کی جرأت نہیں ہوتی۔ اس طرح ہم فخر کرتے وقت سب سے زیادہ بلند مرتبہ ہوتے ہیں''۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ''حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو میرے پاس لے آؤ'' وہ حاضر خدمت ہوئے۔ آپ نے فرمایا ''اٹھو اور انہیں جواب دو'' حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''میں نے ان کے اشعار نہیں سنے'' انہوں نے ان کو اپنے اشعار سنائے۔ ان کے جواب میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ فی البدیہ اشعار کہے۔ جن میں سے دو یہ ہیں۔

نصرنا رسول الله والدین عنوة على رغم عات من بعيد وحاضر

واحياؤنا من خير من وطیء الحصا وأمواتنا من خير أهل المقابر

''ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور دین اسلام کی زبردست مدد کی اور دور و نزدیک کے سارے سرکشوں کو خاک آلود کر دیا۔ ہمارے زندہ لوگ ان لوگوں میں سے بہترین ہیں جو سنگریزوں پر پاؤں رکھ کر چلتے ہیں۔ اور ہمارے فوت ہونے والے ان سب سے بہتر ہیں جو قبروں میں مدفون ہیں''۔

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خطیب کی حیثیت سے جانے جاتے تھے۔ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انہیں مفقود پایا۔ آپ نے فرمایا ''مجھے ان کے بارے کون بتائے گا؟ ایک شخص نے عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ''میں! وہ شخص ان کی جستجو میں نکلا۔ اس نے انہیں ان کے گھر میں پایا۔ وہ سر جھکائے بیٹھے ہوئے تھے۔ اس شخص نے عرض کی ''آپ کو کیا ہوا ہے؟ انہوں نے کہا ''مجھے خدشہ ہے کہ میں اہل آگ میں سے ہو گیا ہوں، کیونکہ میں نے اپنی آواز کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آواز سے بلند کر دیا ہے۔ اب یہ آیت طیبہ اتر چکی ہے:

لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ (الحجرات)

''اے ایمان والو! نہ بلند کیا کرو اپنی آوازوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آواز سے، اور نہ زور سے آپ کے ساتھ بات کیا کرو جس طرح زور سے تم ایک دوسرے کے ساتھ باتیں کرتے ہو (اس بے ادبی سے) کہیں ضائع نہ ہو جائیں تمہارے اعمال اور تمہیں خبر تک نہ ہو''۔

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ اپنی آواز اس لیے بلند کرتے تھے کیونکہ ان کے کانوں میں گرانی تھی۔ ان کا گمان تھا کہ لوگ بھی ان کی بات اس وقت سنتے ہیں جب وہ آواز بلند کریں۔ وہ شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کی بات عرض کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ''ان کے پاس جاؤ اور انہیں کہو ''تم اہل آتش میں سے نہیں ہو، بلکہ تم اہل جنت میں سے ہو''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کے متعلق فرمایا ''بہترین شخص حضرت ثابت بن قیس (رضی اللہ عنہ) ہیں'' حضرت ثابت رضی اللہ عنہ اعمال صالحہ بجالاتے رہے۔ حسن استقامت پر قائم رہے، حتیٰ کہ جنگ یمامہ کے روز شہید ہو گئے۔ انہوں نے ایک نفیس زرہ

پہن رکھی تھی۔ ان کے پاس ایک مسلمان شخص گزرا۔ اس نے وہ زرہ اتار لی۔ اسی اثناء میں کہ ایک مسلمان شخص سویا ہوا تھا کہ اس نے خواب میں حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کو دیکھا۔ انہوں نے فرمایا ''میں تمہیں ایک وصیت کرتا ہوں یہ نہ سمجھنا کہ یہ خواب ہے اور اسے ضائع کر دو۔ جب میں شہید ہوا تو میرے پاس سے ایک مسلمان شخص گزرا۔ اس نے میری زرہ چھین لی۔ اس کی اقامت گاہ سارے لوگوں سے دور ہے۔ اس کے خیمہ کے پاس گھوڑا بندھا ہوا ہے۔ اس نے زرہ کے اوپر ہنڈیا الٹی رکھی ہوئی ہے اور ہنڈیا کے اوپر کجاوہ رکھا ہوا ہے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ۔ انہیں کہو کہ وہ یہ زرہ لے لیں۔ جب مدینہ طیبہ جاؤ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جانا۔ انہیں عرض کرنا کہ مجھ پر اتنا اتنا قرض ہے۔ میرا فلاں غلام آزاد ہے'' وہ شخص بیدار ہوا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو اس زرہ کے متعلق بتایا۔ انہوں نے ایک آدمی بھیج کر وہ زرہ منگوالی۔ وہ اسی طرح تھی جس طرح حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے خواب میں بتایا تھا۔ جب وہ شخص مدینہ طیبہ آیا تو اس نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنا خواب بتایا۔ انہوں نے ان کی وصیت کو جائز قرار دیا۔ ان کے علاوہ موت کے بعد کسی اور کی وصیت کو جائز قرار نہیں دیا گیا۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اور زبرقان بن بدر کے مابین مفاخرت ہونے لگی۔ ہر ایک نے ایک ایک قصیدہ پڑھا جس میں فخر ومباہات کا ذکر تھا۔ زبرقان کے قصیدہ کا مطلع یہ تھا:

نحن الكرام فلاحي يعادلنا من الملوك وفينا تنصب البيع

''ہم معزز و مکرم ہیں، کوئی قبیلہ ہمارا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ ہم میں سے ہی بادشاہ ہوتے ہیں اور ہمارے ہاں ہی عبادت گاہیں بنائی جاتی ہیں''۔

حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے قصیدہ کا مطلع یہ تھا

انا أبينا ولن يأبى أحد انا كذلك عن الفخر نرتفع

''ہم لوگوں کی باتوں کا انکار کر دیتے ہیں مگر کوئی اور ہماری بات کا انکار نہیں کرسکتا۔ اظہار فخر کے موقع پر ہم اسی طرح بلند رہتے ہیں''۔

اقرع بن حابس نے کہا ''محمد عربی! صلی اللہ علیک وسلم! میں نے بھی اشعار کہے ہیں۔ آپ سماعت فرمائیں:

أتيناك كيما يعلم الناس فضلنا اذا خالفونا عند ذكر المكارم

وانا رؤوس الناس من كل معشر وأن ليس فى أرض الحجاز كدارم

''ہم آپ کی خدمت میں اس لیے حاضر ہوئے ہیں تاکہ لوگ ہماری فضیلت سے آگاہ ہو جائیں، جب وہ مکارم کے وقت ہمارے ساتھ مقابلہ کریں۔ ہم ہر قبیلہ میں سے لوگوں کے سردار ہیں، سرزمین حجاز میں دارم جیسا اور کوئی نہیں''۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''حسان! اٹھو اس کو جواب دو۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

بني دارم لاتفخروا ان فخركم يعود وبالا عند ذكر المكارم

هبلتم علينا تفخرون وانتم كناخول مابين ظئر وخادم

"بنودارم! فخر نہ کرو، بلاشبہ تمہارا یہ فخر مکارم اخلاق کے تذکرہ کے وقت تمہارے لیے وبال جان بن جائے گا۔ تمہاری مائیں تمہیں گم کریں تم ہم پر فخر کرتے ہو جب کہ تم ہمارے مابین غلام اور لونڈیوں کی طرح ہو، کوئی دودھ پلا رہا ہے۔ کوئی خدمت بجالا رہا ہے"۔

حضور ﷺ نے اقرع سے فرمایا "اے بنودارم کے بھائی! تو اس بات سے مستغنی تھا کہ تو اس بات کا ذکر کرے جسے لوگ فراموش کر چکے تھے" حضور ﷺ کا یہ فرمان عالی شان حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی باتوں سے بھی شدید تھا۔ اس وقت اقرع نے کہا "آپ کا خطیب ہمارے خطیب سے بڑھ کر اور آپ کا شاعر ہمارے شاعر سے زیادہ قادر الکلام ہے۔ ان کی آوازیں ہمارے افراد کی آوازوں سے زیادہ شیریں ہیں" پھر وہ حضور ﷺ کے قریب ہوا اور یہ گواہی دی "اشهد ان لا اله الا الله وانك رسول الله" اس سے قبل یہ پاکیزہ کلمہ کہنے سے تجھے کس چیز نے روکا؟ روایت ہے کہ حضرت اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کو دیکھا۔ آپ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو بوسہ دے رہے تھے۔ انہوں نے عرض کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میرے دس بچے ہیں۔ مگر میں نے ان میں کسی کو کبھی بھی نہیں بوسہ دیا" آپ نے فرمایا "جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا"۔

حضرت اقرع رضی اللہ عنہ کا نام فراس تھا۔ لقب اقرع تھا، کیونکہ ان کے سر پر گنج تھا۔ یہ زمانہ جاہلیت اور زمانہ اسلام میں شریف تھے۔ روایت ہے کہ عمرو بن اہیم نے حضور ﷺ کے سامنے زبرقان کی مدح کی۔ انہوں نے کہا "اس محفل میں ان کی بات مانی جاتی ہے۔ وہ اپنے قبیلہ کے سردار ہیں" زبرقان نے کہا "یارسول اللہ! اس نے میرے شرف کی وجہ سے میرے ساتھ حسد کیا ہے۔ یہ میری ان سے عمدہ ترین خوبیوں سے آگاہ ہے جو اس نے بیان کیں ہیں" عمرو نے کہا "یہ کم مروت، چھوٹے صحن والا اور لئیم ماموں والا ہے" دوسری روایت کے مطابق زبرقان نے عرض کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میں تمیم کا سردار ہوں۔ ان میں میری اطاعت کی جاتی ہے۔ میری بات کا جواب دیا جاتا ہے۔ میں انہیں ان کے حقوق دلوانے والا اور انہیں ظلم سے روکنے والا ہوں" عمرو بن اہیم میرے یہ اوصاف جانتا ہے" عمرو نے کہا "یہ شدید عارضہ والا، اپنی جانب سے روکنے والا اور قریبی رشتہ داروں میں اس کی اطاعت کی جاتی ہے" زبرقان نے کہا "یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم اس نے جھوٹ بولا ہے۔ حسد نے اسے صحیح گفتگو کرنے سے روک دیا ہے" عمرو نے کہا "کیا میں تم سے حسد کروں گا؟ بخدا! تو لئیم ماموں والا، کم مال والا، احمق بچے والا اور قبر میں مبغوض ہے" عمرو نے حضور ﷺ کے چہرۂ انور پر ناگواری کے اثرات دیکھ لیے۔ اس نے کہا "یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میں نے پہلی بات کی تصدیق کی۔ دوسری کی تکذیب نہیں کی۔ میں راضی ہوں" اس وقت حضور ﷺ نے فرمایا "بلاشبہ انداز بیان میں جادوائی اثر ہے" حضور ﷺ نے ان کے قیدی واپس کر دیئے۔ جب وہ اسلام لے آئے تو انہیں عمدہ عطیات سے نوازا۔ ہر ایک کو بارہ اوقیہ چاندی عطا کی۔ یہ وفد کتنی تعداد پر مشتمل تھا۔ اس میں اختلاف ہے۔ بعض نے ان کی تعداد ستر، کچھ نے اسی اور بعض نے نوے بیان کی ہے۔

ابن عبدالبر نے الاستیعاب میں لکھا ہے "جب اس قوم نے اسلام قبول کر لیا تو کافی مدت مدینہ طیبہ میں ٹھہرے رہے۔ وہ قرآن مجید اور دین متین سیکھتے رہے۔ جب وہ اپنی قوم کے پاس جانے لگے تو حضور ﷺ نے انہیں ان کی خواتین اور اموال

واپس کردیئے۔ فرمایا "کیا کوئی شخص عطیات سے رہ تو نہیں گیا"۔ عمرو بن اہیم ان کی سواریوں کے پاس تھا۔ قیس بن عاصم نے کہا: یہ ان کے ساتھ بغض رکھتے تھے "ہمارا یہ بچہ رہ گیا ہے جو ہماری سواریوں کے پاس ہے" انہوں نے ان پر عیب لگایا، مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بھی وہی کچھ عنایت فرمایا جو وفد کے دیگر ارکان کو عطا کیا تھا۔ دوسرے قول کے مطابق انہیں پچاس اوقیہ چاندی دی۔ جب عمرو بن اہیم تک قیس بن عاصم کی یہ بات پہنچی تو انہوں نے کئی اشعار کہے جو ان کی ملامت پر مشتمل تھے۔ عمرو بلیغ خطیب اور قادر الکلام شاعر تھے۔ ان کے اشعار میں شیرینی اور رنگینی پائی جاتی تھی۔ یہ بہت خوبصورت تھے۔ ان کے حسن و جمال کی وجہ سے انہیں "المکحل" کہا جاتا تھا۔ انہوں نے یہ شعر بھی کہا

لعمرك ما ضاقت بلاد باهلها ولكن اخلاق الرجال تضيق

"تیری زندگی کی قسم شہر اپنے مکینوں کی وجہ سے تنگ نہیں۔ مگر آدمیوں کے اخلاق تنگ ہوتے ہیں"۔

حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو بنو مصطلق کی طرف بھیجنا

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو بنو مصطلق سے صدقات لانے کے لیے بھیجا۔ بنو مصطلق بنو خزاعہ کی ایک شاخ تھے۔ ان کے اور ولید کے مابین زمانہ جاہلیت میں عداوت تھی۔ اب وہ اسلام قبول کر چکے تھے۔ انہوں نے کئی مساجد تعمیر کر رکھی تھیں۔ جب انہیں حضرت ولید رضی اللہ عنہ کے قریب آنے کی خبر ملی تو ان کے بیس افراد اونٹ اور بکریاں لے کر نکلے۔ انہوں نے برضا و رغبت اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم کرتے ہوئے یہ مال بطور زکوٰۃ ادا کرنا تھا۔ جب حضرت ولید رضی اللہ عنہ نے ان کا اسلحہ دیکھا تو شیطان نے ان کے اندر وسوسہ سازی کی کہ یہ لوگ انہیں قتل کرنے آئے ہیں۔ حالانکہ وہ صرف زیبائش و آرائش کے لیے اسلحہ لے کر نکلے تھے۔ وہ راستہ سے ہی واپس آ گئے۔ ان تک پہنچے ہی نہیں۔ اپنے گمان کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا کہ انہوں نے اسلحہ کے ساتھ ان سے ملاقات کی۔ ان کے اور صدقات کے مال کے مابین حائل ہو گئے۔ دوسری روایت کے مطابق ان کے مرتد ہونے کی خبر دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ ایسا فرد بھیجیں جو ان کے ساتھ جہاد کرے۔ بنو مصطلق تک بھی یہ خبر پہنچ گئی۔ دوسری روایت کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو حقیقی صورت حال جاننے کے لیے بھیجا۔ ان کے ساتھ کچھ مجاہدین بھی بھیجے۔ انہیں حکم دیا کہ یہ ساری کارروائی مخفی رکھیں۔ جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ ان کے قریب پہنچے تو انہوں نے رات کے وقت اپنے جاسوس بھیجے۔ وہ لوگ اذان دے رہے تھے اور نماز پڑھ رہے تھے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ ان کے پاس پہنچے تو وہ وہاں بھلائی اور اطاعت کے علاوہ اور کچھ نہ دیکھا۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں واپس آ گئے اور سارے حالات گوش گزار کیے۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی طرف صحابہ کرام کو بھیجا۔ حارث بن ضرار الخزاعی نے ان کا استقبال کیا۔ وہ قوم کا سردار تھا۔ اس نے پوچھا "تمہیں کہاں بھیجا گیا ہے؟ صحابہ کرام نے کہا "تمہاری طرف" حارث نے پوچھا "کیوں؟ صحابہ کرام نے کہا "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ولید رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ ان کا گمان ہے کہ تم نے انہیں زکوٰۃ سے روکا اور تم نے انہیں قتل کرنے کا ارادہ کیا ہے" حارث نے کہا "نہیں! مجھے اس ذات کی قسم جس نے محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو حق کے ساتھ

مبعوث کیا ہے۔ میں نے نہ ہی انہیں دیکھا نہ ہی وہ میرے پاس آئے'' پھر وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا ''تو نے زکوۃ روکی اور میرے قاصد کو قتل کرنے کا ارادہ کیا'' انہوں نے عرض کی ''نہیں! یا رسول اللہ! (ﷺ) مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے'' وہ کارواں بھی حاضر خدمت ہو گیا جس نے ولید رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی تھی۔ اور حضور ﷺ کو سچی بات عرض کی۔ آپ ﷺ نے ان کے ساتھ حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کو بھیجا جوان سے صدقات کے اموال لیں۔ اسلامی احکام اور قرآن پاک انہیں سکھائیں۔ حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ماں کی طرف سے بھائی تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں کوفہ کا گورنر بنایا۔ پھر انہیں معزول کر دیا۔ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو حضرت ولید رضی اللہ عنہ اس فتنہ سے جدا ہو گئے۔ نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شرکت کی، نہ ہی کسی اور کی طرف سے۔ انہوں نے رقہ میں اقامت اختیار کی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں وصال کر گئے۔

سریہ عبداللہ بن عوسجہ رضی اللہ عنہ

انہیں بنو عمرو بن حارثہ یا بنو حارثہ بن عمرو کی طرف بھیجا گیا۔ ربیع الاول کا چاند ابھی طلوع نہیں ہوا تھا۔ ماہ صفر کے آخری ایام تھے۔ 9ھ تھی۔ انہوں نے انہیں اسلام کی طرف دعوت دی، مگر انہوں نے دعوت پر لبیک نہ کہا۔ انہوں نے حضور ﷺ کا صحیفہ مبارک چھپا دیا۔ انہوں نے اسے دھو کر ڈول میں پھینک دیا۔ حضور ﷺ کو اس واقعہ کا علم ہوا تو آپ نے ان کے عقل کی صلاحیتیں سلب ہونے کے لیے بد عا کی۔ آپ نے فرمایا ''انہیں کیا ہے اگر رب تعالیٰ ان کی عقل ختم کر دے'' آج تک ان کے جسموں میں اضطراب اور کلام میں عجلت ہے۔ وہ ایسی مختلط کلام کرتے ہیں جسے سمجھا نہیں جا سکتا۔ امام واقدی نے لکھا ہے ''میں نے ان میں سے بعض کو دیکھا ہے، وہ مختلط کلام کرتے ہیں۔ وہ اچھی طرح گفتگو نہیں کر سکتے تھے''۔

سریہ قطبہ بن عامر رضی اللہ عنہ

حضور ﷺ نے ان کو خثعم کی طرف بھیجا۔ یہ لوگ تربہ کے قریب مقیم تھے۔ یہ جگہ مکہ مکرمہ سے دو یا اس سے کچھ زائد میل دور ہے۔ یہ سریہ ماہ صفر 9ھ کو رونما ہوا تھا۔ حضور ﷺ نے ان کے ساتھ بیس مجاہدین روانہ فرمائے۔ آپ نے انہیں دشمن پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ مجاہدین دشمن کے پاس آئے۔ گھمسان کا رن پڑا۔ فریقین کے بہت سے افراد زخمی ہوئے۔ پھر مسلمانوں نے انہیں شکست سے دوچار کر دیا۔ بہت سے جانور مویشی اور عورتیں ہانک کر مدینہ طیبہ لے آئے''۔

سریہ ضحاک بن سفیان رضی اللہ عنہ

آپ ﷺ نے انہیں بنو کلاب کی طرف بھیجا۔ یہ سریہ ربیع الاول 9ھ کو رونما ہوا۔ یہ دشمن کے پاس آئے۔ انہیں اسلام کی طرف دعوت دی، مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں سمیت ان پر حملہ کر دیا۔ دشمن کو شکست دے دی اور ان کا مال بطور مال غنیمت حاصل کر لیا۔

سریہ علقمہ بن مجزر

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں حبشہ کے کچھ افراد کی طرف بھیجا۔ وہ جدہ کے قریب ساحل سمندر پر آباد تھے۔ آپ نے انہیں تین سو شہ سواروں کے ہمراہ بھیجا۔ وہ سمندر میں جزیرہ کے پاس گئے۔ یہ جب سمندر میں اترے تا کہ دشمن تک پہنچیں تو دشمن بھاگ گیا۔ حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی واپس آ گئے۔ جنگ کی نوبت نہ آئی۔ جب حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ واپس ہونے لگے تو بعض مجاہدین نے اپنے اہل خانہ کے پاس جانے کے لیے جلدی کی، ان میں حضرت عبداللہ بن حذافہ السہمی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ نے انہیں اس لشکر کا امیر بنایا۔ حضرت حذافہ رضی اللہ عنہ میں ظرافت پائی جاتی تھی۔ صحابہ کرام ایک جگہ فروکش ہوئے۔ انہوں نے وہاں آگ جلائی۔ حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے انہیں کہا "میں عزم رکھتا ہوں کہ تم سب اس آگ میں کود پڑو" جب ان میں سے بعض نے ارادہ کیا تو انہوں نے کہا "ٹھہر جاؤ! میں تو مذاق کر رہا تھا"۔ مدینہ طیبہ پہنچ کر صحابہ کرام نے یہ بات بارگاہ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عرض کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جو تمہیں معصیت کا حکم دے اس کی بات نہ مانو" دوسری روایت میں ہے کہ جب انہوں نے آگ جلائی اور اس میں کود جانے کا ارادہ کیا تو ان میں سے بعض نے بعض کو روک لیا۔ انہوں نے کہا "ہم نے آگ سے راہ فرار اختیار کیا ہے۔ ہم خود کو آگ میں کیوں پھینکیں" ایک اور روایت کے مطابق انہوں نے غصہ کی حالت میں یہ حکم دیا تا کہ ان کا اس حکم پر عمل پیرا ہونا دیکھیں۔ جب وہ مدینہ طیبہ پہنچے تو بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اس بات کا تذکرہ کیا۔ انہوں نے کہا "اگر وہ اس میں داخل ہو جاتے تو پھر کبھی باہر نہ نکل سکتے" بعض روایات میں مذکور امیر کے ساتھ انصاری بھی لکھا ہوا ہے۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں "یہاں یہ لفظ شاید اعم معنی میں استعمال ہوا ہو۔ مذکور عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کا تعلق مہاجرین کے ساتھ ہی تھا۔ ایک اور روایت کے مطابق انہیں اس لشکر کا امیر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود مقرر فرمایا تھا۔ ممکن ہے کہ اس روایت میں امیر بنانے کی نسبت آپ کی طرف کر دی ہو کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امیر کا کسی کو امیر بنانا آپ ہی کے امیر بنانے کی طرح تھا۔ حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ قدماء مہاجرین میں سے تھے۔ انہوں نے غزوۂ بدر میں شرکت کی سعادت حاصل کی۔ انہوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مصر میں وصال فرمایا۔

امام بیہقی نے ان کے مناقب میں حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک لشکر روم کی طرف بھیجا۔ ان میں حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ روم کے بادشاہ نے کہا "نصرانیت اختیار کر لو۔ میں تمہیں اپنی سلطنت میں شامل کر لوں گا" انہوں نے انکار کر دیا۔ بادشاہ نے کہا "اگر یہ نصرانیت اختیار نہ کریں تو انہیں مصلوب کر دیا جائے" جب انہیں پھانسی کے پھندے کی طرف لے جایا جا رہا تھا تو یہ رونے لگے۔ یہ منظر دیکھ کر بادشاہ نے تعجب کیا۔ اس نے پوچھا "کیوں رو رہے ہو؟ انہوں نے فرمایا "میری تمنا تھی کہ میری ایک سو جانیں ہوتیں جو راہ خدا میں اسی طرح فدا ہوتیں" بادشاہ نے تعجب کرتے ہوئے کہا "میرا سر چوم لو میں تمہیں چھوڑ دیتا ہوں" انہوں نے فرمایا "سارے مسلمان قیدیوں کو چھوڑ دے گا" بادشاہ نے کہا "ہاں! حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس کا سر چوم لیا اور اس بادشاہ نے سارے قیدی چھوڑ دیے۔

یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے بھی ان کا سر چوما۔

سریہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ طے کے بت کو گرانے کے لیے

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ماہ ربیع الاول 9ھ میں بھیجا۔ ان کے ہمراہ ایک سو پچاس سوار بھی بھیجے۔ دوسری روایت کے مطابق اس سریہ میں مجاہدین کی تعداد دو سو تھی۔ انہوں نے عرب کے ایک قبیلہ پر حملہ کر دیا۔ طلوع فجر کے وقت آل حاتم کے محلہ پر حملہ آور ہو گئے۔ بت کو گرانے کے بعد اسے نذر آتش کر دیا۔ اس کے خزانہ سے انہیں تین تلواریں اور تین زرہیں ملیں۔ انہوں نے مال غنیمت میں مویشی، جانور اور چاندی حاصل کی۔ وہ یہ ساری اشیاء لے کر مدینہ طیبہ حاضر ہو گئے۔ ان قیدیوں میں حاتم طائی کی نور نظر سفانہ بھی تھی۔ اس نے بعد میں اسلام قبول کر لیا اور اپنا اسلام بہت عمدہ کیا۔ آپ نے حضرت سفانہ رضی اللہ عنہا پر احسان فرمایا۔ انہوں نے آپ کے لیے دعا کی، انہوں نے کہا ''وہ ہاتھ آپ کا شکریہ ادا کرتا ہے جو غنی کے بعد فقر میں مبتلاء ہو گیا۔ وہ ہاتھ آپ پر غالب نہ آئے جو فقر کے بعد غنی ہوا ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ کے احسانات کو احسان کی جگہ جانے کی توفیق دے۔ آپ کو کسی ضرورت کے لیے کسی کمینے کے پاس جانے کی ضرورت نہ پڑے''۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سفانہ پر احسان فرمایا تو اس احسان کی وجہ سے ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن حاتم رضی اللہ عنہ اسلام لے آئے۔ ان کا شمار فضلاء صحابہ کرام میں ہوتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد جب بہت سے اہل عرب مرتد ہو گئے۔ تو یہ اسلام پر ثابت قدم رہے۔ یہ اپنی قوم کے صدقات حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجتے تھے۔ انہوں نے عراق کی فتوحات میں شرکت کی۔ انہوں نے 68ھ میں وصال فرمایا۔ اس وقت ان کی عمر ایک سو بیس سال یا ایک سو اسی سال تھی۔ صحاح ستہ نے ان سے بہت سی احادیث روایت کیں ہیں۔

ابن اسحاق نے حضرت حاتم رضی اللہ عنہ کی بہن کے متعلق روایت بیان کی ہے کہ ان کی بہن بھی ان قیدیوں میں شامل تھی جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مجاہدین نے قید کیا تھا۔ انہیں مسجد کے چھپر میں ٹھہرایا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس سے گزرے، یہ اٹھ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئیں۔ یہ بڑی تیز زبان تھیں۔ انہوں نے عرض کی ''یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) والد غائب ہو گیا۔ میرا خیال رکھنے والا بھاگ گیا'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''تمہارا محافظ کون تھا؟ انہوں نے عرض کی ''عدی بن حاتم'' حضرت سفانہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی ''اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھاگ جانے والا''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے تشریف لے گئے۔ دوسرے روز آپ دوبارہ میرے پاس سے گزرے۔ میں نے اسی طرح عرض کی۔ تیسرے روز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پھر میرے پاس سے گزرے۔ اب میں مایوس ہو چکی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے تھے۔ انہوں نے مجھے اشارہ کیا کہ اٹھو اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بات چیت کرو۔ میں نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم حفاظت کرنے والا ہلاک ہو گیا۔ نگہبان بھاگ گیا۔ مجھ پر احسان فرمائیں۔ رب تعالیٰ آپ پر احسان کرے گا'' آپ نے فرمایا ''میں نے تجھ پر احسان کر دیا ہے۔ اب جلدی نہ کرنا حتیٰ کہ تم کسی قابل اعتماد شخص کو پالو جو تمہیں تمہارے شہر پہنچا دے۔ بنو طے کا ایک

قبیلہ آیا۔ حضرت سفانہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں "میں نے آپ سے عرض کی کہ ان افراد میں ایک قابل بھروسہ شخص ہے۔ آپ نے مجھے لباس عطا فرمایا، مجھے سوار کیا، مجھے نفقہ عطا فرمایا۔ میں عازم سفر ہوئی۔ حتیٰ کہ شام میں اپنے بھائی کے پاس آ گئی۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا "اس شخص (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ میں نے کہا "میری رائے یہ ہے کہ تم جلدی جلدی ان کے ساتھ جا کر مل جاؤ، اگر وہ نبی ہیں تو سابقون اولون کی فضیلت حاصل کر لو۔ اگر وہ بادشاہ ہیں تو پھر بھی تم عزت و برکت میں رہو گے۔ تمہارا کچھ نہیں بگڑے گا" سفانہ کے بھائی نے کہا "بخدا! یہ رائے درست ہے۔ وہ حاضر خدمت ہوا اور اسلام لے آیا۔

ابن مبارک نے زہد میں حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انہوں نے فرمایا "جب بھی نماز کا وقت داخل ہوتا ہے تو میں پہلے ہی اس کا مشتاق ہوتا ہوں" دوسری روایت میں ہے "میں نے جب سے اسلام قبول کیا ہے اس وقت سے کبھی بھی نماز کے لیے اذان نہیں ہوئی مگر میں باوضوء ہوتا ہوں" یہ بھی بہت فیاض تھے۔ امام احمد نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے ان سے ایک سو دراہم مانگے۔ انہوں نے فرمایا "تم نے مجھ سے ایک سو دراہم مانگے ہیں حالانکہ میں ابن حاتم ہوں۔ بخدا! میں تمہیں نہیں دوں گا" ابن سعد نے روایت کیا ہے کہ حضرت عدی کی بہن کو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے گرفتار کیا تھا۔ بعض سیرت نگاروں نے دونوں روایات کو اس طرح جمع کیا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اس لشکر میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ بعض نے لکھا ہے کہ یہ لشکر تو سارے انصاری صحابہ کرام پر مشتمل تھا یا تو اس سے مراد یہ ہے لشکر کی اکثر تعداد انصار پر مشتمل تھی یا انصار کا معنی اعم ہے۔

سریہ عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ جناب کی طرف

جناب عذرہ اور بلی کی زمین تھی۔ یہ دو قبیلے تھے۔ جن کا تعلق بنو قضاعہ کے ساتھ تھا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ جناب فزارہ اور کلب کی زمین تھی اور عذرہ کی اس میں شرکت تھی۔ یہ سریہ ربیع الآخر کے آخر میں 9ھ میں رونما ہوا تھا۔ البتہ نہ اس کا سبب مذکور ہے نہ مجاہدین کی تعداد کا کہیں تذکرہ ہے۔ نہ ہی اس کی تفصیلات کہیں رقم ہیں۔

غزوۂ تبوک

یہ ایک مشہور جگہ ہے جس کے اور مدینہ طیبہ کے مابین شام کی طرف سے چودہ مرحلہ کی مسافت ہے اس کے اور دمشق کے مابین گیارہ مرحلہ کی مسافت ہے۔ یا ان کے مابین بارہ مرحلہ کی مسافت ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ یہ جگہ مدینہ طیبہ اور دمشق کے وسط میں واقع ہے۔ اسے غزوۃ العسرۃ بھی کہا جاتا ہے۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ (التوبۃ: 117)

"جنہوں نے پیروی کی تھی نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مشکل گھڑی میں"۔

اسے غزوۃ الفاضحہ بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں منافقین کھل کر سامنے آ گئے تھے۔ انہوں نے کہا:

لَا تَنۡفِرُوۡا فِی الۡحَرِّ (التوبۃ: 81)۔

''اور (دوسروں کو بھی) کہتے مت نکلو اس سخت گرمی''۔

اللہ رب العزت نے سورۃ التوبہ میں بہت سی آیات میں ان کے نفاق کا پردہ چاک فرمایا۔ مثلاً ارشاد ربانی ہے:

وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ یَّقُوۡلُ ائۡذَنۡ لِّیۡ (التوبۃ: 49)

''اور ان میں بعض کہتے ہیں کہ اجازت دیجیے۔۔۔''

وَلَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ (التوبۃ: 65) اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دریافت فرمائیں ان سے تو کہیں گے۔ بس ہم تو صرف دل لگی اور خوش طبعی کر رہے تھے۔

یہ مبارک غزوہ ماہ رجب 9 ھ کو رونما ہوا تھا۔ علامہ ابن حجر لکھتے ہیں ''امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس غزوہ کا ذکر حجۃ الوداع کے بعد کیا ہے۔ بعض شارحین نے لکھا ہے کہ شاید امام بخاری نے جان بوجھ کر اس غزوہ کا آخر میں ذکر کیا ہے تاکہ اشارہ مل جائے کہ یہ آپ کا آخری غزوہ ہے'' جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عازم سفر ہوئے تو گرمی شدید تھی اور قحط سالی کا دور دورہ تھا۔ اس لیے آپ نے دیگر غزوات کی طرح اسے مخفی نہ رکھا۔

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کبھی کسی غزوہ کے لیے تشریف لے جاتے تو واضح طور پر اس کا اظہار نہ فرماتے، مگر اس غزوہ کا واضح اظہار فرمایا کیونکہ شدید گرمی کا موسم تھا۔ دور کا سفر تھا۔ دشمن کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ مسلمانوں پر اپنا عزم ظاہر فرما دیا، تاکہ مسلمان اس کی صحیح طرح تیاری کر لیں۔

سبب: امام عبدالرزاق نے روایت کیا ہے کہ صحابہ کرام کی تعداد کثیر تھی۔ مگر سواریاں کم تھیں۔ شدید گرمی کا موسم تھا۔ حتیٰ کہ صحابہ کرام ایک اونٹ ذبح کرتے اور اس کی اوجھری سے پانی نکال کر پی لیتے۔ اسی شدت اور تنگی کی وجہ سے اس غزوہ کو غزوۃ العسرہ کہا جاتا ہے۔ اس کے سبب میں اختلاف ہے۔ بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے ''وہ تاجر جو شام سے مدینہ طیبہ کی طرف زیتون کا تیل لے کر آتے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ اہل روم قیصر کے ساتھ شام میں جمع ہو رہے ہیں۔ اس کے ساتھ عرب کے عیسائی قبائل لخم، جذام، عاملہ اور غسان وغیرہ بھی مل چکے ہیں۔ ان کا مقدمۃ الجیش بلقاء تک پہنچ گیا ہے''۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک یہ خبر پہنچی تو آپ نے لوگوں کو جہاد کے لیے نکلنے کی ترغیب دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں وہ جگہ بھی بتا دی جہاں کا آپ کا ارادہ تھا تاکہ وہ خوب تیاری کر لیں۔ کیونکہ مسافت بہت زیادہ تھی۔ طبرانی نے حضرت عمران بن حصین الخزاعی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ عرب کے نصاریٰ نے ہرقل روم کی طرف لکھا کہ جس شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اس کے حالات درست نہیں۔ انہیں قحط سالی نے آلیا ہے ان کے اموال ہلاک ہو گئے ہیں۔ اگر اپنے دین کی نصرت اور مدد کرنا چاہتے ہو تو ابھی ان پر حملہ آور ہو جاؤ'' اس نے اپنا عظیم جرنیل قباذ بھیجا، اس کے ہمراہ چالیس ہزار کا لشکر بھی بھیجا۔ یہ خبر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک بھی پہنچ گئی۔ لوگوں کے پاس سواری کے جانور بھی کم تھے۔ نفقہ کی بہت قلت تھی۔

انفاق فی سبیل اللہ کا بے مثال واقعہ

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے شام کی طرف جانے والا کارواں تیار کر رکھا تھا۔ جب انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنا کہ آپ راہ خدا میں خرچ کرنے کی ترغیب دے رہے ہیں تو انہوں نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم یہ دو سو اونٹ اپنے پلانوں اور کجاؤوں سمیت حاضر ہیں۔ یہ دو سو اوقیہ چاندی حاضر خدمت ہے'' حضرت عمران رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ''آج کے بعد عثمان جو عمل بھی کر لیں وہ انہیں نقصان نہیں دے گا'' آپ کے اس فرمان میں اشارہ ہے کہ فی سبیل اللہ انفاق کی برکت سے رب تعالیٰ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو کسی خطاء میں گرنے سے بچا لیا تھا اور اگر کوئی لغزش رونما ہو بھی گئی تو رب تعالیٰ انہیں معاف کر دے گا۔ اللہ رب العزت نے اپنے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس بات کو سچ کر دکھایا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اہل جنت کے سے اعمال بجالاتے رہے حتیٰ کہ دنیا کو الوداع کہہ گئے۔

اس غزوہ کے وقوع کا ایک اور بھی سبب بیان کیا جاتا ہے کہ جب رب تعالیٰ نے مشرکین کو مسجد حرام کے قریب جانے سے روک دیا تو قریش نے کہا ''ہماری منڈیاں اور اموال تو برباد ہو گئے، ان میں سے ہمارا حصہ ختم ہو گیا۔ اس کے عوض رب تعالیٰ نے انہیں اہل کتاب کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم دیا جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَ اِنْ خِفْتُمْ عَیْلَةً فَسَوْفَ یُغْنِیْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖۤ اِنْ شَآءَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ۝۲۸ قَاتِلُوا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ لَا یُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ لَا یَدِیْنُوْنَ دِیْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى یُعْطُوا الْجِزْیَةَ عَنْ یَّدٍ وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ ۝۲۹ (التوبۃ)

''اے ایمان والو! مشرکین تو نرے ناپاک ہیں۔ سو وہ قریب نہ ہونے پائیں مسجد حرام سے اس سال کے بعد، اگر تم اندیشہ کرو تنگدستی کا تو غنی کر دے گا اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اگر چاہے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا اور بڑا دانا ہے۔ جنگ کرو ان لوگوں سے جو نہیں ایمان لائے اللہ پر اور روز قیامت پر اور نہیں حرام سمجھتے جسے حرام کیا ہے اللہ نے اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اور نہ قبول کرتے ہیں سچے دین کو ان لوگوں میں سے جنہیں کتاب دی گئی ہے، یہاں تک کہ وہ جزیہ دیں اپنے ہاتھ سے اس حال میں کہ وہ مغلوب ہوں''۔

مزید ارشاد فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِیْنَ یَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَ لْیَجِدُوْا فِیْكُمْ غِلْظَةً (التوبۃ:123)

''اے ایمان والو! جنگ کرو ان کافروں سے جو آس پاس ہیں تمہارے اور چاہیے کہ وہ پائیں تم میں سختی''۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل روم کے ساتھ جہاد کرنے کا عزم کیا، کیونکہ وہ دیگر مشرکین سے زیادہ آپ کے قریب تر تھے۔ اسی قرب کی وجہ سے وہ اسلام کی دعوت کے زیادہ مستحق تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عازم سفر ہونے کا ارادہ کیا تو لوگوں کو راہ خدا میں خرچ کرنے پر ابھارا۔ صحابہ کرام کثیر صدقات لے کر حاضر خدمت ہوئے۔ سب سے پہلے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حاضر

خدمت ہو گئے۔ وہ اپنا سارا مال چار ہزار درہم لے کر حاضر خدمت ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''کیا اہل خانہ کے لیے کچھ چھوڑا ہے؟ انہوں نے عرض کی ''میں نے اہل خانہ کے لیے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑا ہے'' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنا نصف مال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ نے پوچھا ''اپنے اہل خانہ کے لیے کیا چھوڑا ہے؟ انہوں نے عرض کی ''اپنا نصف مال'' حضرت عبدالرحمن بن عوف نے دوسو اوقیہ چاندی پیش کی۔ حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ نے ستر وسق کھجوریں پیش کیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے لشکر اسلام کے لیے تیسرا حصہ تیاری کا سامان فراہم کیا۔ حتیٰ کہ کہا جاتا ہے کہ ان کی کوئی ضرورت باقی نہ رہی۔ انہوں نے وہ مشکیزہ بھی دیا جس سے وہ پانی پیتے رہے۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے ''اس لشکر پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے دل کھول کر خرچ کیا۔ آپ کی طرح سخاوت و فیاضی کسی نے بھی نہ کی۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جیش العسرۃ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ایک ہزار اونٹ اور ستر گھوڑے پیش کئے۔ امام بیہقی اور امام احمد نے حضرت عبدالرحمن بن سمرہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ایک ہزار دینار اپنی آستین میں ڈال کر لے آئے۔ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گود مبارک میں رکھ دیا۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا۔ آپ انہیں اپنی مبارک گود میں الٹ پلٹ فرما رہے تھے۔ آپ فرما رہے تھے'' آج کے بعد عثمان جو عمل بھی کریں گے وہ انہیں نقصان نہیں دے گا'' حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے دس ہزار دینار پیش کیے۔ بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ ممکن ہے کہ ایک ہزار آپ خود لے کر حاضر خدمت ہوئے ہوں جبکہ دس ہزار دینار کسی اور کے ہاتھوں بھیجے ہوں۔ اس روایت میں یہ اضافہ بھی ہے۔ یہ دنانیر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے رکھ دیے گئے۔ آپ انہیں اپنے ہاتھوں سے الٹ پلٹ فرمانے لگے۔ پھر فرمایا ''عثمان! اللہ رب العزت آپ کی ظاہری و باطنی لغزشیں معاف کرے۔ اللہ رب العزت روز حشر تک تمہاری خطائیں بخش دے۔ اس کے بعد عثمان کو کوئی پرواہ نہیں ہوگی''۔ اس دعا میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے لیے بہت بڑی بشارت ہے کہ رب غفور نے ان کی ساری لغزشیں معاف کر دیں۔ ان کی پردہ پوشی فرمائی۔ آپ کی دعا کے طفیل انہیں گناہوں سے محفوظ فرما دیا۔ اب وہ جو عمل کریں انہیں کوئی پرواہ نہیں ہوگی کیونکہ ان سے اب خیر کا صدور ہی ہوگا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا کی ''مولا! میں عثمان سے راضی ہو گیا ہوں تو بھی ان سے راضی ہوجا''۔ امام بیہقی نے حضرت عبدالرحمٰن بن خباب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انہوں نے فرمایا ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا۔ لوگوں کو جیش العسرہ پر ابھارا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں ایک سو اونٹ پالانوں اور کجاوؤں سمیت دوں گا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر شریف کی ایک سیڑھی اترے لوگوں کو انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''میں ایک سو اونٹ کجاوؤں اور پالانوں سمیت دوں گا''۔ پھر نچلی سیڑھی پر تشریف لائے اور راہ خدا میں خرچ کرنے کی ترغیب دی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''میں ایک سو اونٹ پالانوں اور کجاوؤں سمیت دوں گا'' میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا، آپ متعجب شخص کی طرح اپنا دست اقدس ہلا رہے تھے۔ آپ نے فرمایا ''آج کے بعد عثمان کو کوئی عمل نقصان نہ دے سکے گا''۔

گریہ بار صحابہ کرام کی حالت زار

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل مکہ اور دیگر قبائل کی طرف بھی پیغام بھیجا۔ بعض صحابہ کرام آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ آپ انہیں سواریوں پر سوار کرائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''میرے پاس ایسی کوئی سواری نہیں جس پر تمہیں سوار کروں''۔ حاضر ہونے والے حضرات درج ذیل تھے۔

حضرت ابولیلیٰ، عبدالرحمٰن بن کعب انصاری، حضرت عمرو انصاری، حضرت عرباض بن ساریہ السلمی، حضرت ہرم بن عبداللہ بن رفاعہ انصاری، حضرت عبداللہ بن مغفل رضوان اللہ علیہم اجمعین اور دیگر حضرات۔ انہی کے متعلق رب تعالیٰ نے یہ آیت طیبہ نازل فرمائی:

وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَاۤ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَاۤ اَجِدُ مَاۤ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۪ تَوَلَّوْا وَّ اَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ؕ۹۲ (التوبۃ)

''اور نہ ان پر (کوئی الزام ہے) جو جب حاضر ہوئے آپ کے پاس تاکہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سوار کریں انہیں تو فرمایا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے میں نہیں پاتا جس پر تمہیں سوار کروں اور وہ لوٹتے ہیں اس حال میں کہ ان کی آنکھیں بہا رہی ہوتی ہیں آنسو اس غم میں کہ افسوس! نہیں ان کے پاس جو وہ خرچ کریں''۔

ان حضرات میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی قوم بھی تھی۔ امام بخاری نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ان کے ساتھیوں نے انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تاکہ آپ سے سواری کی درخواست کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''میرے پاس کوئی ایسا جانور نہیں جس پر تمہیں سوار کروں''، میں غمزدہ ہو کر اپنی قوم کے پاس لوٹ آیا۔ پھر کچھ اونٹ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی طرف بھیج دیا۔

شان علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا۔ نیز اپنے اہل وعیال پر بھی اپنا نائب مقرر فرمایا۔ منافقین ان کے متعلق طرح طرح کی باتیں بنانے لگے۔ انہوں نے کہا ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بوجھ سمجھتے ہوئے پیچھے چھوڑ دیا''، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنا اسلحہ لیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جرف کے مقام پر آکر مل گئے۔ عرض کی ''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! منافقین کا گمان ہے کہ آپ نے مجھے بوجھ سمجھتے ہوئے پیچھے چھوڑا ہے'' آپ نے فرمایا ''منافقین جھوٹ بولتے ہیں۔ میں نے تو تمہیں اپنا نائب بنا کر پیچھے چھوڑا ہے۔ میرے اور اپنے اہل خانہ کے پاس لوٹ جاؤ۔ علی! کیا تم راضی نہیں ہو کہ تم میرے ساتھ اس طرح ہو جس طرح حضرت ہارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھے۔ مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں''، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ لوٹ آئے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''میں راضی ہوں، میں راضی ہوں، میں راضی ہوں''۔

اہل السنۃ کا موقف ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں ان کے خلیفہ اور نائب تھے۔ جب وہ کوہِ طور پر ملاقات کرنے کے لیے تشریف لے گئے۔ اس طرح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی یہ نیابت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات ظاہری تک ہی ہوگی۔ اس میں اہل تشیع کے لیے کوئی دلیل نہیں کہ خلافت صرف حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا حق تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں یہ وصیت کی تھی۔ روافض نے سارے صحابہ کرام کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک صحابہ کرام نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر دوسرے صحابہ کرام کی بیعت کر لی۔ بعض نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بھی تنقید کا نشانہ بنایا ہے، کیونکہ وہ اپنے حق کے لیے اٹھ کھڑے نہ ہوئے۔ لیکن اس روایت میں اہل تشیع کے لیے کوئی دلیل نہیں، نہ ہی اس سے ان کا یہ استدلال درست ہے، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو یہ اس وقت فرمایا جب اس غزوہ میں انہیں مدینہ طیبہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا۔ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ صرف اس وقت تک آپ کے نائب تھے جب تک آپ تبوک سے واپس نہیں آجاتے۔ جس طرح حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صرف اتنی دیر تک خلیفہ تھے جب تک وہ کوہ طور سے واپس تشریف نہیں لے آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کئی بار حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے علاوہ کئی دوسرے صحابہ کرام کو اپنا نائب مقرر فرمایا، ورنہ لازم آئے گا کہ وہ سب بھی خلافت کے مستحق تھے۔ جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ان کے عہد خلافت میں یہ سوال کیا گیا ''کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو خلافت کی وصیت کی تھی؟ انہوں نے فرمایا ''نہیں! اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اس کی وصیت کی ہوتی تو میں اس پر جنگ کرتا حتیٰ کہ میرے پاس میری چادر اور تلوار کے علاوہ اور کچھ نہ رہ جاتا''۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں خلافت کی وصیت کی ہوتی تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ حضرات ابوبکر، عمر فاروق اور عثمان غنی رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بیعت نہ کرتے۔ رافضہ کا یہ کہنا کہ یہ بیعت کرنا آپ کا تقیہ تھا۔ جھوٹ اور کذب پر مبنی ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ قوت و شجاعت میں یکتائے روزگار تھے۔ بنو ہاشم بھی تعداد میں کافی تھے۔ وہ بھی قوی اور جری تھے۔ رافضہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف بزدلی منسوب کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی پناہ! رضی اللہ عنہ! وکرم اللہ وجہہ الکریم۔

جھنڈے اور پرچم

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثنیۃ الوداع سے تبوک کی طرف عازم سفر ہوئے تو جھنڈے اور پرچم باندھے۔ آپ نے سب سے بڑا جھنڈا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا، سب سے بڑا پرچم حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ اوس کا جھنڈا حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ خزرج کا جھنڈا حضرت خباب بن منذر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ انصار کے ہر خاندان اور عرب کے سارے قبائل کو جھنڈا یا پرچم ضرور عطا فرمایا۔ مجاہدین کی تعداد تیس ہزار یا چالیس ہزار یا ستر ہزار تھی۔ گھوڑوں کی تعداد دس ہزار تھی۔ دوسری روایت کے مطابق گھوڑوں کی تعداد بارہ ہزار تھی۔ اس غزوہ میں آپ کے بہت سے معجزات کا ظہور ہوا۔ جن میں سے بعض کا تذکرہ آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

منافقین کا طرز عمل

منافقین کی ایک جماعت پیچھے رہ گئی۔ ان میں عبداللہ بن ابی بھی تھا۔ یہ پہلے اپنی قوم کو ساتھ لے کر تبوک کے لیے نکلا۔

اس نے ان کے ساتھ ثنیۃ الوداع کے نچلے حصہ پر قیام کیا۔ پھر کہا ''محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بنو اصغر (اہل روم) کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے نکلے ہیں حالانکہ تنگدستی بھی ہے۔ گرمی بھی شدید ہے اور وہ مقام بھی بہت دور ہے۔ محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) گمان کرتے ہیں کہ بنو اصغر کے ساتھ جنگ کرنا کھیل ہے۔ بخدا! گویا کہ میں آپ کے ساتھیوں کو دیکھ رہا ہوں کہ انہیں زنجیروں میں جکڑا جا رہا ہے'' اس نے یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام کے متعلق بری خبر پھیلانے کے لیے کہی۔ پھر وہ اپنے ساتھیوں سمیت واپس آ گیا۔ منافقین پیچھے رہ گئے۔ کچھ منافقین سویلم یہودی کے گھر جمع ہوئے۔ ان میں سے بعض نے کہا ''تمہارا کیا گمان ہے کہ بنو اصغر کے ساتھ شمشیر زنی کرنا اسی طرح ہے جس طرح اہل عرب کی باہم شمشیر زنی ہوتی ہے۔ بخدا! ہم دیکھ رہے کہ دشمن حضور کے ساتھیوں کو زنجیروں میں کس رہے ہیں'' انہوں نے یہ بات اہل ایمان کو ڈرانے اور ان کے متعلق بری خبر پھیلانے کے لیے کی تھی۔ اللہ رب العزت نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منافقین کے اس اجتماع اور ان کی اس بات سے آگاہ کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما سے فرمایا ''اس منافق قوم کو جا لو اور پوچھو کہ انہوں نے کیا کہا ہے؟ اگر وہ انکار کریں تو انہیں کہنا ''ہاں! تم نے یوں یوں کہا ہے'' حضرت عمار رضی اللہ عنہ ان کے پاس گئے اور انہیں یہی بات بتائی، وہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں معذرت کرنے آئے۔ انہوں نے کہا ''ہم کھیل اور کود کر رہے تھے'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جد بن قیس سے فرمایا ''جد بنو اصغر کے ساتھ تلوار زنی کرنے جاؤ گے؟ اس نے کہا ''یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مجھے پیچھے چھوڑ دیں، مجھے فتنہ میں نہ ڈالیں۔ میری قوم جانتی ہے کہ میں عورتوں کا سب سے زیادہ دلدادہ ہوں۔ مجھے خدشہ ہے کہ میں بنو اصغر کی عورتیں دیکھ کر صبر نہ کر سکوں گا'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے اعراض فرمایا اور اسے اذن دے دیا، اسی کے متعلق رب تعالیٰ نے یہ آیت طیبہ نازل فرمائی:

وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّقُوۡلُ ائۡذَنۡ لِّىۡ وَلَا تَفۡتِنِّىۡ ؕ اَلَا فِى الۡفِتۡنَةِ سَقَطُوۡا (التوبۃ:49)

''اور ان میں سے بعض کہتے ہیں اجازت دیجیے مجھے (کہ گھر ٹھہرا رہوں) اور مجھے فتنہ میں نہ ڈالیے۔ خبردار! فتنہ میں تو وہ گر چکے''۔

اس کا فتنہ یہ تھا کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیچھے رہ گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جانے کی سعادت سے محروم رہا۔ ایک اور روایت کے مطابق جد بن قیس کے فرزند عبد اللہ نے اس سے ملاقات کی۔ انہوں نے کہا ''بخدا! تمہیں صرف نفاق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جانے سے روک رہا ہے۔ عنقریب تمہارے بارے قرآن پاک نازل ہوگا'' اس نے اپنا جوتا لیا، اس کے ساتھ ان کے چہرے پر ضربیں لگانے لگا۔ جب اس آیت طیبہ کا نزول ہوا تو انہوں نے اسے کہا ''کیا میں تجھے کہتا نہ تھا؟ اس نے کہا ''خاموش ہو جا! تو تو محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے بڑھ کر مجھ پر شدید ہے'' ایک اور روایت کے مطابق جب جد نے اپنی اس بات کی معذرت کی تو اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی ''میں آپ کی مالی امداد کروں گا'' اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت طیبہ نازل فرمائی:

قُلۡ اَنۡفِقُوۡا طَوۡعًا اَوۡ كَرۡهًا لَّنۡ يُّتَقَبَّلَ مِنۡكُمۡ (التوبۃ:53)

''فرمائیے خرچ کرو خوشی سے یا ناخوشی سے۔ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا تم سے''۔

البتہ محققین سیرت نگار کہتے ہیں کہ جد بن قیس نے اپنے نفاق سے توبہ کر لی تھی اور اپنی توبہ کو بہت عمدہ کیا تھا، وہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت تک زندہ رہے۔ بعض منافقین نے ایک دوسرے سے کہا ''گرمی میں نہ نکلو'' اللہ تعالیٰ نے یہ آیت طیبہ نازل فرمائی:

وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ؕ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ۝ (التوبۃ)

''اور (دوسروں کو بھی) کہتے مت نکلو اس سخت گرمی میں، فرمائیے! دوزخ کی آگ اس سے بھی زیادہ گرم ہے کاش وہ سمجھتے''۔

کمزور اعرابی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے انہیں اجازت مرحمت فرما دی۔ ان کی تعداد بیاسی تھی۔ بہت سے منافقین بغیر کسی عذر اور مرض کے پیچھے رہ گئے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے یہی لوگ مراد ہیں۔

وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (التوبۃ:90)

''اور بیٹھ رہے وہ جنہوں نے جھوٹ بولا تھا اللہ اور اس کے رسول سے''۔

مسلمانوں میں سے عذر کے بغیر حضرات کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع رضوان اللہ علیہم اجمعین ٹھہرے رہے۔ ان کا قصہ تفصیل کے ساتھ عنقریب آئے گا۔

حضرت ابوخیثمہ انصاری رضی اللہ عنہ

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عازم سفر ہوئے کافی دن گزر گئے تو حضرت ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ ایک گرم دن میں اپنے اہل خانہ کے پاس آئے۔ انہوں نے اپنی دونوں بیویاں دیکھیں جو باغ میں اپنے اپنے عریش کے نیچے تھیں۔ ان میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے عریش میں چھڑکاؤ کر رکھا تھا، وہاں پانی ٹھنڈا کر رکھا تھا۔ کھانا بھی تیار تھا۔ اس دن بہت شدید گرمی تھی۔ جب حضرت ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ اندر داخل ہوئے تو اپنی دونوں بیویوں اور ان کے اعمال کا جائزہ لیا۔ انہوں نے کہا ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شدید گرمی میں ہوں جبکہ ابوخیثمہ ٹھنڈے سایہ میں، تازہ کھانے کے پاس اور خوبصورت بیویوں کے پاس ہو، یہ انصاف نہیں ہے'' پھر انہوں نے اپنی بیویوں کو مخاطب کر کے کہا ''بخدا! میں تم میں سے کسی ایک کے پاس بھی نہیں آؤں گا حتیٰ کہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جا کر مل جاؤں۔ میرے لیے زادِ راہ تیار کرو'' انہوں نے سامان سفر باندھا۔ انہوں نے اپنا نیزہ اور تلوار لی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے عازم سفر ہو گئے۔ حتیٰ کہ انہوں نے تبوک کے مقام پر جا کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کر لی۔

حضرت ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ نے راستے میں حضرت عمیر بن وہب رضی اللہ عنہ کو جا لیا، وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جستجو میں تھے۔ یہ ایک دوسرے کے رفیق راہ بن گئے۔ جب یہ تبوک کے قریب پہنچے تو حضرت ابوخیثمہ نے حضرت عمیر سے کہا ''مجھ پر گناہ ہے تم پر نہیں۔ تم ذرا میرے پیچھے ہو جاؤ، حتیٰ کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں'' انہوں نے اسی طرح کیا۔ جب حضرت ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب تر پہنچے تو صحابہ کرام نے عرض کی ''یا رسول اللہ! ایک سوار آ رہا ہے'' حضور

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''وہ ابوخیثمہ ہی ہو'' وہ قریب پہنچے تو صحابہ کرام نے عرض کی ''بخدا! وہ ابوخیثمہ ہی ہے'' انہوں نے اونٹ بٹھایا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کرنے کی غرض سے حاضر خدمت ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں فرمایا ''ابوخیثمہ! تمہیں مبارک ہو'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی داستان سنادی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے دعائے خیر فرمائی۔

دیار ثمود

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجر دیار ثمود کے پاس سے گزرے تو آپ نے سر اقدس کو کپڑا سے ڈھانپ لیا اور اپنی سواری کو تیز چلایا۔ فرمایا ''ظالموں کے گھروں میں داخل نہ ہونا مگر اس حال میں کہ تم اس خوف سے رو رہے ہو کہ کہیں تمہیں بھی ایسے عذاب کا سامنا نہ کرنا پڑے جیسے عذاب کا سامنا انہیں کرنا پڑا تھا'' حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا سر اقدس اس لیے ڈھانپ لیا تھا کیونکہ اس طرح غور وفکر کرنے اور عبرت حاصل کرنے میں آسانی رہتی ہے، گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو ایسے احوال میں غور وفکر کرنے کی دعوت دی تھی جس کی وجہ سے تقدیر الٰہی پر گریہ بار ہونے کی توفیق نصیب ہو جائے۔ اللہ رب العزت نے اہل ثمود کو زمین میں قوت وسطوت عطا کی۔ اس میں طویل مدت تک انہیں مہلت دی، پھر ان پر اس کا شدید عذاب آ گیا۔ وہ ذات باری تعالیٰ مقلب القلوب ہے۔ مؤمن امن سے نہیں ہو سکتا کہ اس کا انجام بھی اسی طرح ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا کہ نہ تو اس کا پانی پیا جائے۔ نہ ہی وہ اس سے وضوء کریں، نہ اس پانی کے ساتھ آٹا گوندھیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لشکر کو لے کر آگے عازم سفر ہو گئے، حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کنویں پر تشریف لے گئے جس سے حضرت صالح علیہ السلام کی ناقہ مبارکہ پانی پیتی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''آج شدید آندھی آئے گی جس کے پاس اونٹ ہو وہ اس کی رسی سختی کے ساتھ باندھ لے'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس رات کسی کو اکیلے باہر نکلنے سے منع فرما دیا۔ ایک شخص تنہا نکلا تو اس کا گلا دبوچ دیا گیا۔ دوسرا شخص اپنے اونٹ کی جستجو میں نکلا تو تیز آندھی نے اسے اٹھا کر طئے کی پہاڑیوں پر پھینک دیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے متعلق بتایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''کیا میں نے تمہیں منع نہیں کیا تھا کہ تم میں سے کوئی اپنے ساتھی کے بغیر باہر نہ نکلے۔ جس شخص کا گلا دبو چا گیا تھا آپ نے اس کے لیے دعا مانگی تو وہ شفاء یاب ہو گیا۔ جس شخص کو تیز آندھی نے جبل طئے پر پھینک دیا تھا اسے بنو طئے نے اس وقت آپ کی خدمت میں پیش کر دیا جب آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے۔

ابر کرم کا نزول

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے لشکر پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر کیا، وہ لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے۔ لشکر کی نگہبانی کے فرائض حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمائے۔ وہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ لشکر کے اردگرد چکر لگاتے رہتے تھے۔ ایک دن صحابہ کرام نے اس حالت میں صبح کی کہ ان کے پاس پانی نہ تھا۔ انہیں شدید پیاس کا سامنا کرنا پڑا۔ قریب تھا کہ وہ اپنے اونٹ ذبح کر لیتے، ان کے معدہ کے پانی سے پیاس بجھا لیتے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا ''ہم شدید موسم میں عازم سفر ہوئے۔ ہم ایک جگہ فروکش

ہوئے۔ وہاں ہمیں شدید پیاس کا سامنا کرنا پڑا، حتیٰ کہ قریب تھا کہ ایک شخص اپنا اونٹ ذبح کر لیتا اور اس کے معدہ سے پانی نکال کر پی لیتا۔ صحابہ کرام نے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں یہ داستان غم بیان کر دی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! اللہ رب العزت آپ کی التجاؤں کو قبول فرمالیتا ہے۔ آپ رب تعالیٰ سے ہمارے لیے دعا مانگیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "کیا تم یہ پسند کرتے ہو؟ انہوں نے عرض کی "ہاں" آپ نے دست اقدس بلند فرمائے۔ انہیں نیچے نہ کیا حتیٰ کہ رب تعالیٰ نے ابر کرم بھیج دیا۔ خوب بارش ہوئی لوگ سیراب ہو گئے۔ انہوں نے اپنے مشکیزے بھی بھر لیے۔ بعض صحابہ کرام نے فرمایا ہے کہ یہ بادل صرف اتنی جگہ پر ہی برساتھا جہاں لشکر اسلام کا پڑاؤ تھا۔ ایک انصاری صحابی نے ایک منافق سے کہا "تیرے لیے بربادی! ذرا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ تو دیکھو" اس نے کہا "یہ بارش تو فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے ہوئی ہے" اس وقت رب تعالیٰ نے یہ آیت طیبہ نازل کی:

وَتَجۡعَلُوۡنَ رِزۡقَكُمۡ اَنَّكُمۡ تُكَذِّبُوۡنَ ﴿۸۲﴾ (الواقعۃ)

"اور اس کی (بے پایاں برکتوں سے) تم نے اپنا یہی نصیب لیا ہے کہ تم اس کو جھٹلاتے رہو گے"۔

دوسری روایت کے مطابق اس انصاری صحابی نے اس منافق سے کہا "تیرے لیے ہلاکت ہو، کیا اس معجزہ کے بعد بھی کسی دلیل کی ضرورت رہی ہے؟ اس نے کہا "یہ تو ایک گزرتا ہوا بادل تھا جو جاتے ہوئے برس گیا"۔

دوسری روایت میں ہے کہ صحابہ کرام نے شدید پیاس کا شکوہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میں تمہارے لیے بارش کی دعا مانگتا ہوں، تم پر سحاب رحمت نازل کر دیا جائے تو شاید تم کہنے لگو" یہ فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے بارش ہوئی ہے" صحابہ کرام نے عرض کی "یہ ستاروں کا وقت نہیں" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانی منگوایا، پھر وضوء فرمایا، پھر نماز پڑھی۔ رب تعالیٰ سے دعا مانگی، تیز ہوا چلی، بادل چھا گئے، بارش برسنے لگی، حتیٰ کہ ساری وادیاں بہہ پڑیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک شخص کے پاس سے گزرے۔ وہ اپنے پیالہ میں پانی جمع کر رہا تھا، وہ کہہ رہا تھا کہ یہ فلاں ستارے کی وجہ سے بارش برسی ہے۔ اس وقت مذکورہ بالا آیت طیبہ نازل ہوئی۔

ناقہ مبارکہ کی گمشدگی

ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناقہ مبارکہ گم ہو گئی۔ ایک منافق نے کہا "محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ نبی ہیں۔ وہ آسمان کی خبریں تمہیں بتاتے ہیں مگر انہیں یہ خبر نہیں کہ ان کی اونٹنی کہاں ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ایک شخص اس طرح کہتا ہے بخدا! میں وہی کچھ جانتا ہوں جو میرا رب مجھے سکھاتا ہے۔ اب رب تعالیٰ نے مجھے اس کے متعلق بتا دیا ہے۔ اس کی زمام ایک درخت کے ساتھ اٹکی ہوئی ہے۔ جاؤ اسے لے کر آؤ" صحابہ کرام اس کی طرف گئے تو اونٹنی بالکل اسی حالت میں تھی جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتایا تھا"

اسی طرح کا واقعہ غزوۂ بنو مصطلق میں بھی رونما ہوا تھا۔ یہ واقعہ متعدد بار ظہور پذیر ہوا۔ بعض سیرت نگاروں نے کہا ہے کہ یہ بعض راویوں کا اشتباہ ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "فلاں فلاں شخص یہ یہ کہتا ہے" وہ صحابی اپنے خیمہ میں آئے۔

انہوں نے اپنے خیمہ میں موجود شخص سے کہا ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آج اس شخص کے متعلق عجیب بات بتائی ہے جو اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم کے متعلق باتیں کرتا ہے۔ اللہ رب العزت نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کے متعلق بتا دیا ہے۔ خیمہ میں موجود ایک اور صحابی نے فرمایا ''یہ بات تو اس شخص نے کی ہے جو ابھی تمہارے خیمہ میں آیا ہے۔ انہوں نے کہا ''اللہ کے بندو! میرے خیمہ میں منافق؟ مجھے علم تک نہیں۔ اللہ کے دشمن! میرے خیمہ سے نکل جا۔ میرے ساتھ رفاقت ختم کر دے'' یہ بھی کہتا جاتا ہے کہ اس شخص نے توبہ کر لی تھی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ اسی نفاق پر ہی رہا حتیٰ کہ وہ ہلاک ہو گیا۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا اونٹ تھک گیا، وہ لشکر سے پیچھے رہ گیا۔ انہوں نے اپنا سامان لیا۔ اپنی کمر پر رکھا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے پیدل ہی روانہ ہو گئے۔ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ آپ نے ایک جگہ نزول اجلال فرما رکھا تھا۔ ان کے آنے سے پہلے صحابہ کرام نے آپ سے عرض کی ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ابوذر پیچھے رہ گئے ہیں۔ ان کا اونٹ سست رو ہو گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''انہیں چھوڑ دو، اگر ان میں بھلائی ہوئی تو عنقریب رب تعالیٰ انہیں ملا دے گا۔ اگر وہ اس کے علاوہ کچھ ہوئے تو رب تعالیٰ تمہیں ان سے نجات دے دے گا۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس منزل میں قیام فرما ہوئے تو ایک آدمی نے انہیں دیکھ لیا، انہوں نے عرض کی ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! یہ شخص اکیلا ہی اپنے راستہ پر چلتا ہوا آ رہا ہے'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''خدا کرے ابوذر ہی ہوں'' جب صحابہ کرام نے غور سے دیکھا تو انہوں نے عرض کی ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! بخدا! وہ ابوذر ہی ہیں''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''رب تعالیٰ ابوذر پر رحم کرے۔ وہ تنہا عازم سفر ہوتا ہے۔ تنہا وصال کرے گا اور تنہا ہی اٹھے گا'' پھر اسی طرح ہوا جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے الربذہ کے مقام پر تنہا ہی وصال فرمایا۔ انہوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اسی جگہ کو اپنا مسکن بنا لیا تھا۔ ان کے اور بعض صحابہ کرام کے مابین قرآن پاک کے بعض الفاظ اور ان کے معانی میں اختلاف ہو گیا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو خدشہ دامن گیر ہوا کہ کہیں معاملہ وسعت اختیار نہ کر جائے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے ان سے اجازت لے لی کہ وہ الربذہ کو اپنا مسکن بنا لیں۔ انہوں نے اجازت دے دی، حتیٰ کہ وہ عالم تنہائی میں وصال کر گئے۔

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا ''ہم حجر اور تبوک کے مابین تھے۔ طلوع فجر کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے۔ میں پانی لے کر آپ کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ حتیٰ کہ فجر خوب روشن ہو گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی تک صحابہ کرام کے پاس نہ پہنچے تو انہوں نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو مصلیٰ امامت پر کھڑا کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وضوء اور خفین پر مسح کرنے کے بعد تشریف لے آئے۔ وہ ایک رکعت پڑھ چکے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے پیچھے دوسری رکعت پڑھی۔ پھر اپنی نماز مکمل کرنے کے بعد فرمایا ''تم نے اچھا کیا ہے۔ کوئی نبی وصال نہیں کرتا حتیٰ کہ اس کی امت میں سے ایک صالح شخص اس کی امامت کرائے''۔ یہ اس امر کے منافی نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی اور کے پیچھے نماز ادا نہیں کی'' اس سے مراد مکمل نماز ہے یہ اس امر کے منافی نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پیچھے ایک رکعت پڑھی ہو۔ یہ روایت نقل نہیں کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی اور کے پیچھے نماز نہیں پڑھی۔ پہلے تذکرہ ہو چکا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو لشکر پر اپنا نائب مقرر کیا تھا۔ وہ لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ امر کچھ ایام کے لیے ہو اور یہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی اس امامت کے خلاف نہ ہو۔ لشکر کثیر تعداد پر مشتمل تھا۔ لہذا ممکن ہے کہ بعض لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور بعض حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتے ہوں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تاخیر سے آئے ہوں تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ان صحابہ کرام کو امامت کرا دی ہو جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ نماز پڑھنے کی سعادت حاصل کرتے ہوں۔ واللہ اعلم۔

چشمۂ تبوک

جب صحابہ کرام مقام تبوک پر خیمہ زن ہوئے تو انہوں نے وہاں ایک چشمہ دیکھا جس سے تھوڑا تھوڑا پانی رس رہا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست اقدس سے اس سے پانی لیا، اس سے کلی کی، اس میں لعاب دہن لگایا۔ اسے اس چشمہ پر پھینک دیا۔ اب اس چشمہ سے کثیر مقدار میں پانی نکلنے لگا۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چشمہ تبوک پر پہنچے تو اس چشمۂ سے تھوڑا تھوڑا پانی رس رہا تھا۔ حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے ہی صحابہ کرام سے فرمایا تھا ''تم کل ان شاء اللہ چشمہ تبوک تک پہنچ جاؤ گے۔ تم وہاں چاشت کے وقت پہنچو گے۔ جو وہاں پہنچے وہ اس چشمہ کے پانی کو ہاتھ نہ لگائے حتیٰ کہ میں وہاں آجاؤں'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منادی نے یہ اعلان کر دیا۔ ہم اس چشمہ کے پاس پہنچے تو وہ تسمہ کی مانند تھا۔ اس سے تھوڑا تھوڑا پانی رس رہا تھا۔ چار افراد اس تک پہنچ چکے تھے۔ دوسری روایت کے مطابق دو منافق پہلے پہنچ چکے تھے۔ انہوں نے اس کے پانی کو ہاتھ بھی لگا دیے تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے اس فعل کے متعلق علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں برا بھلا کہا۔ پھر صحابہ کرام نے اس چشمہ سے تھوڑا تھوڑا پانی لے کر اسے ایک برتن میں جمع کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے ساتھ اپنا چہرۂ انور دھویا۔ دست اقدس دھوئے اور اس میں کلی کی۔ پھر وہ پانی اسی چشمہ میں پھینک دیا۔ اس چشمہ سے کثیر پانی رواں ہو گیا۔ ایک اور روایت کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو تیر عنایت فرمایا۔ انہوں نے وہ تیر اس چشمہ میں گاڑھ دیا جس سے پانی زور زور سے ابلنے لگا۔ حضور نبی حرمین شریفین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''معاذ! اگر تمہاری زندگی طویل ہوئی تو تم دیکھو گے کہ یہ جگہ باغات سے بھر جائے گی'' حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان عالی شان کا مشاہدہ اپنی آنکھوں سے

کیا۔ ابن عبدالبر نے بعض صحابہ کرام سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا ”میں نے بعد میں وہ ساری جگہ دیکھی اس چشمہ کے اردگرد سرسبز وشاداب باغات اگ آئے تھے۔

تبوک پہنچنے سے ایک رات قبل حضور ﷺ استراحت فرما ہو گئے۔ جب حضور ﷺ بیدار ہوئے تو سورج ایک نیزے کی مقدار بلند ہو چکا تھا۔ حالانکہ آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرما رکھا تھا کہ ہمیں نماز فجر کے لیے جگا لینا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اپنی سواری کے کجاوے کے ساتھ ٹیک لگائی، ان پر بھی نیند غالب آ گئی۔ پھر حضور ﷺ نے انہیں فرمایا ”کیا میں نے تمہیں حکم نہیں دیا تھا کہ ہمیں وقت فجر جگا دینا“ دوسری روایت کے مطابق حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے خود صحابہ کرام سے فرمایا تھا ”سو جاؤ، میں تمہیں جگا دوں گا“ وہ سارے سو گئے۔ سورج کی تپش نے انہیں بیدار کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا ”بلال! میں نے تمہیں کیا کہا تھا؟ انہوں نے عرض کی ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! مجھے بھی اسی چیز نے آلیا جس نے آپ کو آلیا تھا“ حضور ﷺ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے فرمایا ”شیطان حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو نیند کے لیے اسی طرح پرسکون کرتا رہا جس طرح بچے کو لوری دی جاتی ہے حتیٰ کہ یہ سو گئے“ پھر حضور ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بلایا۔ ان سے اس نیند کا سبب پوچھا، پھر انہیں وہ بات بھی بتائی جو آپ ﷺ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بتائی تھی۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی ”میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں“ پھر حضور ﷺ تھوڑے سے آگے عازم سفر ہوئے۔ نماز صبح قضاء فرمائی۔

جب حضور اکرم ﷺ سفر تبوک سے واپس تشریف لا رہے تھے تو حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”اسی اثناء میں کہ ہم حضور ﷺ کے ہمراہ واپس آ رہے تھے، مجھے حضور ﷺ کے ساتھ ساتھ چلنے کا شرف حاصل ہوا۔ آپ کو اونگھ آئی۔ آپ اپنی سواری پر ہی تشریف فرما تھے۔ آپ ایک طرف جھک گئے۔ میں آگے بڑھا۔ آپ کو آپ کی سواری پر ہی سیدھا کر دیا۔ حضور ﷺ بیدار ہوئے تو فرمایا ”ابوقتادہ! کیا ہم نیچے اتر کر کچھ دیر سو لیں؟ میں نے عرض کی ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! جیسے آپ کی مرضی“ آپ ﷺ نے فرمایا ”تمہارے پیچھے کون ہے؟ میں نے دیکھا تو میرے پیچھے دو یا تین صحابہ کرام تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”انہیں بلاؤ“ میں نے انہیں کہا کہ حضور ﷺ کی صدا پر لبیک کہو۔ وہ حاضر خدمت ہو گئے۔ ہم نے وہاں کچھ دیر آرام کیا۔

ایک اور روایت میں ہے، حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”اسی اثناء میں کہ حضور ﷺ عازم سفر تھے، حتیٰ کہ رات تاریک ہو گئی۔ میں حضور ﷺ کے مبارک پہلو کی طرف تھا۔ حضور ﷺ کو اونگھ آنے لگی۔ آپ ﷺ اپنی سواری پر ہی ایک طرف جھک گئے۔ میں نے آپ کو بیدار کیے بغیر آپ کو سیدھا کر دیا۔ پھر آپ روانہ ہوئے۔ کچھ دیر بعد پھر سواری پر ہی آپ جھک گئے۔ میں نے آگے بڑھ کر سواری پر ہی آپ کو سیدھا کر دیا۔ پھر آپ عازم سفر ہوئے تو وقت سحر آپ پھر سواری پر جھک گئے۔ یہ جھکاؤ پہلے کی بنسبت شدید تھا۔ قریب تھا کہ آپ گر پڑتے۔ میں نے آپ کو سیدھا کیا۔ آپ نے سر اقدس اٹھایا۔ استفسار فرمایا ”کون ہو؟ میں نے عرض کی ”ابوقتادہ!“ آپ نے فرمایا ”کب سے میرے ساتھ چل رہے ہو؟ میں نے

عرض کی "رات کے آغاز سے ہی آپ کی معیت میں عازم سفر ہونے کی سعادت مل رہی ہے" آپ ﷺ نے فرمایا "جس طرح تم نے اللہ تعالیٰ کے نبی کریم ﷺ کی حفاظت کی ہے۔ اسی طرح رب تعالیٰ تمہاری بھی حفاظت کرے" بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ خیبر کی واپسی پر پیش آیا۔ ممکن ہے کہ یہ واقعہ متعدد بار رونما ہوا ہو یا بعض راویوں کو اشتباہ ہوا ہو۔ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "پھر حضور ﷺ نے مجھے فرمایا "کیا تمہیں لشکر میں کوئی نظر آ رہا ہے؟ میں نے عرض کی "ایک سوار یہ ہے" پھر عرض کی "ایک سوار اور آ گیا ہے" حتیٰ کہ ہم سات یا پانچ افراد جمع ہو گئے۔ حضور ﷺ راستے سے ایک طرف ہو گئے۔ پھر فرمایا "نماز کے وقت کا خیال رکھنا" ہم سو گئے، حتیٰ کہ نماز کا وقت نکل گیا۔ سب سے پہلے حضور ﷺ بیدار ہوئے۔ سورج کافی بلند ہو چکا تھا۔ ہم گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ نے فرمایا "سواریوں پر سوار ہو جاؤ" ہم سوار ہو کر آگے جانے لگے، حتیٰ کہ سورج مزید بلند ہو گیا۔ پھر آپ ﷺ نے پانی منگوایا وضوء فرمایا۔ مجھے فرمایا "اپنے اس برتن کی حفاظت کرو، عنقریب اس کے متعلق اہم بات رونما ہو گی۔ بعد میں حضور ﷺ نے ہمیں نماز صبح پڑھائی۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "آگے کوچ کرو۔ اس جگہ ہمارے ساتھ شیطان آ گیا تھا"۔

امام بخاری نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "ایک سفر میں ہم حضور ﷺ کے ہمراہ تھے۔ ہم رات کے وقت رواں دواں تھے۔ رات کے آخری پہر ہمارے لیے ایسا واقعہ رونما ہوا کہ کسی مسافر کے لیے ایسا شیریں واقعہ رونما نہیں ہوا ہو گا۔ ہمیں سورج کی حرارت نے بیدار کیا۔ جب حضور ﷺ استراحت فرما ہوتے تو ہم میں سے کوئی بھی آپ ﷺ کو بیدار کرنے کی جسارت نہیں کرتا تھا، حتیٰ کہ آپ ﷺ خود ہی بیدار ہو جاتے۔ کیونکہ ہم نہیں جانتے تھے کہ شاید اس حالت میں بھی آپ پر وحی نازل ہو رہی ہو۔ آپ ﷺ کو جگانے سے وحی کا نزول منقطع نہ ہو جائے۔ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیدار ہوئے اور لوگوں کی نماز صبح کا رہ جانا دیکھا تو انہوں نے تکبیر کہی۔ وہ باآواز بلند تکبیریں کہتے رہے حتیٰ کہ حضور ﷺ بیدار ہو گئے۔ دوسری روایت کے مطابق سب سے پہلے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بیدار ہوئے، پھر وہ تکبیر و تسبیح کہتے رہے حتیٰ کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیدار ہو گئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ لگاتار تسبیح و تکبیر پڑھتے رہے، حتیٰ کہ حضور ﷺ بیدار ہو گئے۔ صحابہ کرام نے نماز صبح کے رہ جانے کا شکوہ کیا۔ آپ نے فرمایا "کوئی حرج نہیں آگے عازم سفر ہو جاؤ" صحابہ کرام عازم سفر ہو گئے۔ کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد پانی منگوایا، وضوء فرمایا۔ نماز کے لیے آذان دی گئی۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو نماز صبح پڑھائی۔

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "نماز صبح ادا کر لینے کے بعد ہم سواریوں پر سوار ہوئے تو ہم باہم سرگوشیاں کرنے لگے کہ ہم نے نماز میں جو تفریط کی ہے اس کا کفارہ کیا ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا "تم مجھے چھوڑ کر سرگوشیاں کیوں کر رہے ہو؟ ہم نے عرض کی "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ہم نماز میں اس زیادتی کے متعلق گفتگو کر رہے ہیں جو ہم سے ہوئی" آپ نے فرمایا "کیا تمہارے لیے میری اس حیات طیبہ میں نمونہ نہیں۔ سونا نماز میں زیادتی نہیں۔ زیادتی اس شخص کی ہے جو نماز نہ پڑھے حتیٰ کہ دوسری نماز کا وقت ہو جائے"۔

اس داستان کے متعلق روایات میں اختلاف ہے۔ بعض راویوں نے اسے غزوۂ خیبر میں روایت کیا ہے۔ بعض نے اسے صلح حدیبیہ میں روایت کیا ہے۔ بعض نے اسے غزوۂ تبوک میں لکھا ہے۔ علماء کا اس کی توجیہ میں بھی اختلاف ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ متعدد بار رونما ہوا۔ بعض نے اسے راویوں کا اشتباہ لکھا ہے۔ بعض نے یقین کے ساتھ کہا ہے کہ یہ واقعہ غزوۂ تبوک میں ہی رونما ہوا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ''ہم گروہِ انبیاء ہیں۔ ہماری آنکھیں سو جاتی ہیں، مگر ہمارے دل نہیں سوتے''۔ مذکورہ واقعہ کے متعلق اس حدیث طیبہ نے اشکال پیدا فرما دیا ہے۔ اس کے بارے کئی جوابات دیے گئے ہیں۔

❶ دل اپنے متعلقہ معانی کے بارے ادراک کرتا ہے۔ ان امور کا ادراک نہیں کرتا جن کا تعلق آنکھ کے ساتھ ہو جیسے سورج کا دیکھنا اور طلوع فجر ❷ آپ کی نیند کی دو قسمیں تھیں ❶ جس میں آپ کا قلب انور اور چشمانِ مقدس دونوں سو جاتے تھے ❷ جس میں آپ کی صرف آنکھ ہی محوِ استراحت ہوتی تھی۔ دوسری نیند عام حالت میں غالباً ظاہری ہوتی تھی۔

لشکر کا اکثر حصہ آگے گزر چکا تھا۔ آپ کے ہمراہ صرف پانچ یا سات صحابہ کرام ہی تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان صحابہ کرام سے پوچھا ''لوگوں کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ انہوں نے عرض کی ''اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں'' آپ نے فرمایا ''اگر وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اطاعت کر لیتے تو کامیاب ہو جاتے'' اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ارادہ فرمایا کہ لشکر چشمہ پر فروکش ہو، مگر دیگر لوگوں نے انکار کر دیا۔ وہ زوالِ آفتاب کے بعد چٹیل میدان میں فروکش ہوئے۔ جہاں نہ چشمہ تھا نہ ہی ان کے پاس پانی تھا۔ قریب تھا کہ گھوڑوں اور اونٹوں کی گردنیں پیاس کی وجہ سے ٹوٹ جاتیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ''وہ وضوء کے پانی کے برتن والا کہاں ہے؟ عرض کی گئی ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! وہ یہ صاحب ہیں۔ آپ نے ان سے فرمایا ''اپنا وہ برتن میرے پاس لے آؤ'' انہوں نے وہ برتن پیش کر دیا جس میں کچھ پانی تھا۔ دوسری روایت کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے وہ پانی کسی بڑے سے برتن میں ڈال دیا۔ پھر اپنی مبارک انگلیاں اس پانی میں ڈالیں۔ پانی آپ کی مبارک انگلیوں میں سے نکلنے لگا۔ صحابہ کرام وہ پانی پینے لگے حتیٰ کہ وہ سیراب ہو گئے۔ ان کے گھوڑے اور سواری کے جانوروں نے بھی خوب سیر ہو کر پانی پیا۔

معجزہ کا ظہور

ایک اور روایت کے مطابق جب صحابہ کرام کو شدید پیاس نے آلیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے چند صحابہ کرام کو بھیجا۔ جن میں حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ لیکن یہ وضاحت پہلے گزر چکی ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے غزوۂ تبوک میں شرکت نہیں کی تھی۔ اگر یہ قول درست ہے تو شاید وہ بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ جا ملے ہوں یا یہ معجزہ کسی اور غزوہ میں رونما ہوا ہو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان صحابہ کرام کو پانی کی جستجو میں بھیجا، انہیں حکم دیا کہ وہ رستہ سے ہٹ جائیں۔ آپ نے انہیں بتایا کہ فلاں فلاں مقام پر ایک عورت گزر رہی ہے۔ وہ ایک اونٹ پر سوار ہے۔ اس کے پاس پانی کا مشکیزہ ہے۔ اس سے وہ پانی خرید لو یا اسے پانی کے ساتھ ہی میرے پاس لے آؤ'' جب صحابہ کرام اس جگہ پہنچے تو وہاں ایک عورت دیکھی، جس کے پاس پانی کا مشکیزہ تھا۔

دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے اچانک ایک عورت دیکھی جو دو توشہ دانوں کے مابین اپنی ٹانگیں لٹکائے ہوئی تھی۔ انہوں نے اس سے پانی مانگا۔ اس عورت نے کہا ''میں اور میرے اہل خانہ اس کے تم سے بڑھ کر محتاج ہیں'' انہوں نے کہا ''تم اس پانی کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ'' مگر اس عورت نے انکار کر دیا۔ اس نے کہا ''وہ تو جادوگر ہیں''۔ دوسری روایت کے مطابق اس عورت نے کہا ''وہ صابی ہیں۔ میں ان کے پاس ہرگز نہیں جاؤں گی'' انہوں نے اس عورت کو رسی سے باندھا اور بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اسے کھول دو'' پھر اسے فرمایا ''کیا تو مجھے اجازت دیتی ہے کہ میں یہ پانی لے لوں۔ پھر اپنا پانی اسی طرح واپس لے جانا جس طرح لے کر آئی ہو؟ اس عورت نے عرض کی ''آپ پانی لے لیں'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''وہ برتن لے آؤ'' انہوں نے وہ برتن آپ کو پیش کیا۔ آپ نے وہ مشکیزہ کھولا اس میں لعاب دہن ڈالا۔ پھر تھوڑا سا پانی اس برتن میں انڈیل دیا۔ پھر اس میں اپنا دست اقدس رکھ دیا، پھر فرمایا ''قریب ہو جاؤ، پانی لے جاؤ'' پانی جوش مارنے لگا۔ اس میں اضافہ ہونے لگا۔ لوگ پانی حاصل کرنے لگے حتیٰ کہ انہوں نے اپنے سارے برتن بھر لیے۔ اپنے گھوڑوں اور اونٹوں کو بھی پانی پلا دیا۔ اس برتن کا تہائی حصہ ابھی تک پانی سے بھرا ہوا تھا'' اس معجزہ کا سیاق وسباق بتاتا ہے کہ یہ تیسرا معجزہ تھا کیونکہ دوسرے معجزہ میں آپ نے اپنا دست اقدس اس مشکیزہ میں رکھا تھا جس میں اس برتن سے پانی انڈیلا گیا تھا۔ جب کہ اس بار دست اقدس اس برتن میں رکھا تھا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ اس عورت نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی ''اس کے یتیم بچے ہیں'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا ''جو کچھ بھی تمہارے پاس ہے۔ وہ لے آؤ'' انہوں نے روٹی کے ٹکڑے اور کھجوریں جمع کیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے فرمایا ''لے جاؤ اور اپنے اہل وعیال کو کھلاؤ'' وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس معجزہ پر تعجب کرنے لگی۔ جب اپنے اہل خانہ کے پاس گئی تو انہوں نے پوچھا ''اتنی دیر کر دی ہے؟'' اس عورت نے جواب دیا ''مجھے آج عجیب چیز نے روک دیا تھا، کیا تم یہ میرے دو مشکیزے دیکھتے ہو؟ بخدا! صحابہ کرام کے ستر افراد نے اس سے سیراب ہو کر پانی پیا۔ انہوں نے اس سے اتنے برتن اور مشکیزے بھر لیے جنہیں میں شمار نہیں کر سکتی۔ مگر یہ ابھی اسی طرح لبریز ہیں۔ یا تو وہ شخص دنیا کا سب سے ماہر جادوگر ہے یا وہ نبی ہے''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام اپنے اردگرد کے غیر مسلم قبائل پر حملہ آور ہوتے تھے۔ مگر اس عورت اور اس کے قبیلہ کو کچھ نہیں کہتے تھے۔ وہ کہتے ''ہم نے آج تک اتنی بابرکت عورت نہیں دیکھی جتنی یہ عورت اپنے قبیلہ کے لیے بابرکت ثابت ہوئی ہے''۔

صحیح مسلم میں ہے ''غزوۂ تبوک کے دن صحابہ کرام کو شدید بھوک لگی حتیٰ کہ زادراہ کم ہونے کی وجہ سے انہیں ایک ایک کھجور ملتی جسے وہ چوستے رہتے۔ انہوں نے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عرض کی ''کاش! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں اپنی سواری کا جانور ذبح کرنے کی اجازت دیں۔ ہم اسے کھائیں اور اس کی چربی کو بطور تیل استعمال کریں'' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ انہیں سواری کے جانور ذبح کرنے کی اجازت نہ دیں، بلکہ ان کا بچا ہوا زادراہ لیں اور اس میں رب تعالیٰ سے برکت کی دعا کریں۔ شاید اللہ تعالیٰ اس میں برکت ڈال دے'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

''بہت اچھا'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دستر خوان منگوایا، اسے پھیلا دیا۔ پھر صحابہ کرام کو اپنا بچا ہوا زادِ راہ لانے کے لیے کہا۔ ایک آدمی مٹھی بھر جو لایا تھا۔ دوسرا شخص مٹھی بھر کھجوریں لا رہا تھا۔ کوئی روٹی کے ٹکڑے لا رہا تھا۔ حتیٰ کہ دستر خوان پر کچھ زادِ راہ جمع ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس میں برکت کی دعا کی۔ پھر فرمایا ''اپنے اپنے برتن بھر لو'' صحابہ کرام نے اپنے اپنے برتن بھر لیے، حتیٰ کہ لشکر کا ایک برتن بھی خالی نہ رہا۔ خوب سیر شکم ہو کر کھایا۔ پھر بھی کھانا بچ گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور میں اس کا رسول (محترم) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں۔ جو شخص بھی رب تعالیٰ سے ملاقات کرے گا۔ اس مبارک کلمہ میں اسے کوئی شک نہ ہوگا۔ اسے جنت سے نہیں روکا جائے گا'' دوسری روایت میں ہے کہ رب تعالیٰ اسے آگ سے بچالے گا'' پہلے تذکرہ ہو چکا ہے کہ اسی طرح کا معجزہ اس وقت بھی ظہور پذیر ہوا تھا جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ حدیبیہ سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ شاید یہ معجزہ کئی بار ظہور پذیر ہوا ہو یا بعض راویوں کو اشتباہ ہوا ہو۔ شاید یہ معجزہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کے اونٹ ذبح کر کے بعد رونما ہوا ہو۔ انہوں نے صحابہ کرام کو کھلایا اور پلایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں فرمایا ''تم طلحہ الفیاض ہو'' آپ نے انہیں غزوۂ احد کے روز ''طلحۃ الخیر'' فرمایا تھا اور غزوۂ حنین میں ان کے جود و کرم کے بعد انہیں ''طلحۃ الجواد'' فرمایا۔

ایک صحابی بیان فرماتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا ''میں غزوۂ تبوک میں گھی کی مشک کا نگران تھا۔ میں نے اس مشک کی طرف دیکھا۔ اس میں تھوڑا سا گھی باقی تھا۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کھانا تیار کیا۔ وہ مشکیزہ دھوپ میں رکھا اور خود سو گیا۔ میں گھی کے بہنے کی آواز سے جاگ پڑا۔ میں اٹھا اور مشکیزہ کا سرا اپنے ہاتھ سے پکڑ لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ منظر ملاحظہ فرما رہے تھے۔ آپ نے فرمایا ''اگر تم اسے چھوڑ دیتے تو یہ وادی گھی سے بہہ پڑتی''۔

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''مجھے غزوۂ تبوک میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت کا شرف حاصل تھا۔ ایک رات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''کیا کچھ کھانے کے لیے ہے؟ انہوں نے عرض کی ''مجھے اس ذات کریمانہ کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ ہم نے اپنا توشہ دان جھاڑ دیا ہے'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''ذرا غور سے دیکھو، شاید تمہیں کچھ مل جائے'' انہوں نے توشہ دان لیا اور اسے جھاڑنے لگے۔ پہلے ایک پھر دو کھجوریں گریں۔ حتیٰ کہ میں نے ان کے ہاتھ میں سات کھجوریں دیکھیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دستر خوان منگوایا کھجوریں اس پر رکھ دی گئیں۔ آپ نے اپنا دست اقدس ان کھجوروں پر رکھا۔ آپ نے فرمایا ''اللہ کا نام لے کر کھاؤ'' ہم تین افراد تھے۔ میں نے چون (54) کھجوریں شمار کیں۔ ان کی گٹھلیاں میرے دوسرے ہاتھ میں تھیں۔ میرے دوسرے دو ساتھی بھی اسی طرح کر رہے تھے۔ ہم سیر شکم ہو گئے۔ ہم نے کھانے سے ہاتھ اٹھا لیے۔ سات کھجوریں ابھی اسی طرح باقی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''بلال! انہیں اٹھا لو۔ ان میں سے جو بھی کھائے گا وہ سیر شکم ہو جائے گا'' دوسرے روز پھر آپ نے وہی کھجوریں منگوائیں۔ آپ نے ان پر اپنا دست اقدس رکھا اور فرمایا ''رب تعالیٰ کا نام لے کر کھاؤ'' ہم نے کھائیں حتیٰ کہ ہمارے پیٹ بھر گئے۔ اب ہم تعداد میں دس تھے۔ پھر ہم نے ہاتھ اٹھا لیے۔ کھجوریں ابھی تک اسی طرح

پڑی ہوئیں تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اگر مجھے میرے رب کریم سے حیاء نہ ہوتی تو ہم انہی کھجوروں سے کھاتے رہتے حتیٰ کہ مدینہ طیبہ پہنچ جاتے" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ کھجوریں ایک بچے کو دے دیں۔ وہ انہیں چبا کر کھا گیا۔

اکیدر بن عبدالملک

جب سپہ سالار اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبوک جلوہ افروز ہوئے تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو چار سو سواروں کے ساتھ اکیدر بن عبدالملک کی طرف بھیجا۔ یہ ہرقل کی طرف سے دومۃ الجندل کا بادشاہ تھا۔ یہ ایک قلعہ تھا۔ اس کے اور شام کے مابین پانچ راتوں کی مسافت تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے فرمایا "تم اسے اس حالت میں پاؤ گے کہ وہ گائے کا شکار کر رہا ہوگا" حضرت خالد رضی اللہ عنہ اس کی طرف گئے۔ چاندنی رات تھی۔ اکیدر اور اس کا بھائی حسان گائے کے شکار کے لیے نکلے ہوئے تھے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے شہ سواروں نے ان پر حملہ کر دیا۔ اکیدر کو قیدی بنالیا۔ حسان کو تہ تیغ کر دیا۔ اکیدر کے اوپر دیباج کی قباء تھی جس پر کام ہوا تھا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اسے اس سے چھین لیا اور اسے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بھیج دیا۔ مسلمان اس قباء کو اپنے ہاتھوں سے مس کرنے لگے اور اس پر تعجب کرنے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تم کو اس پر تعجب ہے۔ مجھے اس ذات کریمانہ کی قسم جس کے دست تصرف میں میری جان ہے۔ جنت میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے رومال اس سے کہیں خوبصورت ہوں گے" اکیدر کے ساتھی بھاگ گئے۔ وہ قلعہ بند ہوگئے۔ دروازے مقفل کر لیے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اکیدر کو پناہ دی، حتیٰ کہ وہ اسے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پیش کر دیں۔ شرط یہ رکھی کہ وہ انہیں دومۃ الجندل فتح کرائے گا۔ انہوں نے اس کے ساتھ دو ہزار اونٹ، آٹھ سو گھوڑوں، چار سو زرہوں اور چار سو نیزوں پر صلح کر لی۔ قلعہ فتح ہوگیا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ اس میں داخل ہوگئے۔ آپ نے شرائط کے مطابق اس سے مال لے لیا۔ اس کا خمس نکالا۔ پھر اکیدر کو بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں لے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا خون محفوظ کر دیا۔ جزیہ پر اس کے ساتھ صلح کر لی اور اسے چھوڑ دیا۔ ہرقل حمص میں مقیم تھا۔ اس غزوہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی طرف مکتوب گرامی لکھا۔ جس کا تذکرہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکاتیب میں کیا جائے گا۔ اسی جگہ صاحب ایلہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کے ساتھ اہل جرباء تھے۔ اہل اذرح بھی اس کے ہمراہ تھے۔ صاحب ایلہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں سفید خچر پیش کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے چادر مبارک عنایت فرمائی۔ اس پر اسلام پیش کیا، مگر وہ اسلام نہ لایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے ساتھ جزیہ پر صلح کر لی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے لیے اور اہل ایلہ کے لیے ایک خط لکھوایا۔ وہ اس طرح تھا:

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

"یہ اللہ رب العزت اور محمد عربی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے یحنہ بن رؤبہ اور اہل ایلہ کے لیے امان نامہ ہے۔ ان کی سمندری کشتیوں اور بری کاروانوں کو نہیں روکا جائے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذمہ کرم پر ہے۔ یہ امان اہل شام، اہل یمن اور اہل بحر میں سے جو لوگ یحنہ بن رؤبہ کے ساتھ ہیں ان کے لیے بھی ہے۔ ان میں سے جس سے بھی کوئی واقعہ رونما کیا تو اس کا مال اس کے نفس کو نہیں بچا سکے گا۔ جو بھی اسے حاصل

کرے گا وہ اس کے لیے حلال ہوگا۔ وہ بری یا بحری جس راستے پر بھی جانا چاہیں انہیں روکا نہیں جائے گا''۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل اذرح اور جرباء کے لیے یہ امان نامہ لکھوایا:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

''یہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مکتوب گرامی ہے جسے آپ نے اہل اذرح اور اہل جرباء کے لیے لکھوایا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی امان اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امان کے ساتھ امن کے ساتھ ہیں۔ یہ لوگ ہر رجب میں انہیں ایک سو دینار ادا کریں گے۔ اللہ تعالیٰ مسلمان پر احسان کرنے اور ان کے ساتھ خیر خواہی کرنے کا کفیل ہے''۔

اہل مینا نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اپنے پھل کے چوتھائی حصہ پر صلح کر لی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبوک میں دس سے زائد راتیں بسر فرمائیں۔ دوسری روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیس راتیں وہیں بسر فرمائیں۔ جنگ کی نوبت نہ آئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کا سن کر اہل کتاب آپ کے رعب کی وجہ سے بھاگ گئے۔ اس غزوہ کی حکمت یہ ہے کہ کفار آتش غیظ میں جل گئے۔ مسلمانوں کو غلبہ نصیب ہوا۔ منافقین ذلیل ورسواء ہو گئے۔

پیش قدمی کے بارے مشورہ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبوک سے آگے بڑھنے کے متعلق صحابہ کرام سے مشورہ کیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آگے جانے کا حکم دیا گیا ہے تو ضرور تشریف لے چلیں'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اگر مجھے آگے بڑھنے کا حکم مل گیا ہوتا تو تم سے مشورہ نہ کرتا''۔ صحابہ کرام نے عرض کی ''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! اہل روم تعداد میں زیادہ ہیں۔ وہاں اہل اسلام میں سے کوئی بھی نہیں۔ ہم ان کے قریب پہنچے تو آپ کے قریب آنے نے ہی انہیں ڈرایا۔ ہم اس سال واپس لوٹ جاتے ہیں۔ شاید اللہ رب العزت کوئی اور صورت حال پیدا فرمادے''۔

غزوۂ تبوک سے واپسی

امام بیہقی نے حضرت عبدالرحمٰن بن غنم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مدینہ طیبہ کے یہودیوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی ''ابوالقاسم! اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سچے نبی ہیں تو شام تشریف لے جائیں۔ وہ سرزمین محشر ہے اور انبیاء کرام کی سرزمین ہے'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی تصدیق کی۔ آپ تبوک کے لیے عازم سفر ہوئے۔ آپ کا ارادہ صرف اور صرف شام تھا۔ جب آپ تبوک پہنچے تو اللہ رب العزت نے یہ آیت طیبہ نازل کی:

وَاِنۡ كَادُوۡا لَيَسۡتَفِزُّوۡنَكَ مِنَ الۡاَرۡضِ لِيُخۡرِجُوۡكَ مِنۡهَا (بنی اسرائیل: 76)

''اور انہوں نے ارادہ کر لیا ہے کہ پریشان ومضطرب کر دیں آپ کو اس علاقہ سے تاکہ نکال دیں آپ کو یہاں سے''۔

اللہ رب العزت نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ طیبہ آنے کا حکم دیا۔ آپ نے فرمایا ''اسی شہر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مطہرہ

بسر ہوگی۔ اسی میں آپ کا وصال ہوگا اور اسی شہر کی خاک پاک سے آپ کو اٹھایا جائے گا'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس تشریف لے آئے۔ حضرت جبرائیل امین نے عرض کی ''اپنے رب سے سوال کریں ہر نبی کو ایک سوال کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا ''جبرائیل! میں کیا مانگوں؟ انہوں نے عرض کی: یوں کہیں رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ (بنی اسرائیل:80)'' اے میرے رب! جہاں کہیں تو مجھے لے جائے سچائی کے ساتھ لے جا''۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ ورد کرتے ہوئے مدینہ طیبہ تشریف لے آئے۔ راستہ میں بیس مساجد تعمیر فرمائیں۔ راستہ میں ایک چشمہ تھا۔ جس سے تھوڑا تھوڑا پانی رس رہا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''ہم میں سے جو سب سے پہلے اس چشمہ پر پہنچے تو ہمارے آنے تک اس چشمہ سے پانی نہ لے، حتیٰ کہ ہم اس تک پہنچ جائیں'' چند منافق آگے نکل گئے۔ انہوں نے پہلے چشمہ پر پہنچ کر وہاں سے پانی لے لیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں جلوہ افروز ہوئے تو وہاں پانی نہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا ''اس پانی تک پہلے کون پہنچا ہے'' عرض کی ''فلاں فلاں'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''کیا میں نے انہیں منع نہیں کیا تھا کہ میرے آنے تک پانی کو ہاتھ نہ لگائیں'' آپ نے انہیں برا بھلا کہا۔ پھر اس پانی کی طرف تشریف لے گئے۔ پانی کو دست اقدس لگایا۔ دعا مانگی۔ پانی رواں ہو گیا۔ اس میں بجلیوں جیسی کڑک تھی۔ صحابہ کرام نے سیر ہو کر پانی نوش فرمایا۔ اس سے اپنے برتن بھی بھر لیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اگر تم باقی رہے، یا تم میں سے کوئی ایک باقی رہا تو ضرور اس وادی کے متعلق سنو گے کہ اس چشمہ نے اس کا اگلا اور پچھلا حصہ سرسبز و شاداب کر دیا ہے''۔ یہ تبوک کے چشمہ کے بارے فرمان سے علیحدہ فرمان ہے۔ وہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا ''معاذ! اگر تمہیں زندگی نصیب ہوئی تو تم دیکھو گے یہ جگہ باغات سے بھر جائے گی'' وہ چشمہ تبوک کا تھا۔ یہ تبوک سے واپسی پر معجزہ رونما ہوا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ بارہ منافقین تھے یا چودہ یا پندرہ تھے۔ انہوں نے اس گھاٹی میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت دینے پر اتفاق کیا جو تبوک اور مدینہ طیبہ کے مابین تھی۔ انہوں نے کہا ''جب آپ گھاٹی میں چلیں گے تو ہم آپ کو سواری سے نیچے گرا دیں گے'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ رب العزت نے منافقین کی اس شرارت سے آگاہ فرما دیا۔ جب لشکر اس گھاٹی میں پہنچا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منادی نے اعلان کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس گھاٹی میں چلنا چاہتے ہیں۔ اس میں کوئی نہ چلے۔ تم وادی کے دامن میں چلو۔ اس میں تمہارے لیے وسعت اور سہولت ہے۔ جب منافقین نے یہ اعلان سنا تو انہوں نے جلدی کی۔ انہوں نے نقاب اوڑھے اور گھاٹی میں چلنے لگے۔ دیگر لوگ وادی میں چلتے رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس گھاٹی میں چل رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ آپ کی مبارک ناقہ کی زمام پکڑ لیں اور حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ پیچھے سے ناقہ کو ہانکیں۔

امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''عقبہ کی رات کبھی میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک اونٹنی کی نکیل پکڑ لیتا اور حضرت عمار پیچھے سے ہانکتے اور کبھی وہ نکیل تھام لیتے اور میں پیچھے سے ہانکتا۔ اسی اثناء میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس گھاٹی میں رواں دواں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ افراد کی آہٹ سنی جسے سن کر ناقہ مبارکہ بھاگ

نکلی حتیٰ کہ اس کا کچھ سامان بھی گر گیا۔ اس نازیبا حرکت پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سخت ناراض ہوئے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ ان لوگوں کو واپس لے کر آئیں۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ان لوگوں کی طرف گئے۔ ان کے پاس ڈھال تھی۔ وہ اسی کے ساتھ ہی ان کی سواریوں کو مارنے لگے۔ ان سے کہنے لگے ''اللہ کے دشمنو! واپس آؤ، واپس آؤ'' وہ نقاب پوش افراد تھے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان منافقین کو باآواز بلند پکارا۔ انہیں علم ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے مکر وفریب سے آگاہ ہو گئے ہیں۔ وہ جلدی سے گھاٹی سے نیچے اترے۔ وادی میں چلنے لگے۔ دیگر لوگوں میں مل گئے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ واپس آ گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں فرمایا ''کیا تم ان میں سے کسی ایک کو جان سکتے ہو؟ انہوں نے عرض کی ''نہیں! وہ نقاب پوش تھے۔ رات بھی تاریک تھی''۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''میں نے فلاں فلاں سوار کو پہچان لیا ہے'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''کیا تم ان کے ارادہ سے بھی آگاہ ہوئے ہو؟ انہوں نے عرض کی ''نہیں'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''انہوں نے مکر کیا۔ انہوں نے ارادہ کیا کہ وہ میرے ہمراہ گھاٹی میں چلیں۔ وہ میرے ساتھ مزاحمت کر کے مجھے نیچے وادی میں پھینک دیں۔ اللہ رب العزت نے مجھے ان کے بارے اور ان کے مکر کے متعلق آگاہ فرما دیا۔ میں عنقریب تمہیں ان کے متعلق بتاؤں گا۔ تم انہیں مخفی رکھنا'' وقت صبح حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ انہوں نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم گزشتہ شب آپ وادی میں کیوں نہ چلے، حالانکہ وہاں چلنا گھاٹی میں چلنے سے زیادہ آرام دہ تھا'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''کیا تم جانتے ہو کہ منافقین نے کیا ارادہ کیا تھا؟ پھر آپ نے سارا واقعہ انہیں بتا دیا۔ انہوں نے عرض کی ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! لوگ ایک جگہ فروکش ہو چکے ہیں۔ آپ ہر قبیلہ کو حکم دیں کہ وہ اس شخص کو قتل کر دے جس نے یہ ارادہ کیا تھا۔ اگر پسند فرمائیں تو آپ ان کے نام مجھے بتا دیں۔ مجھے اس ذات کریمانہ کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھوں گا حتیٰ کہ ان تمام کے سر آپ کی خدمت اقدس میں پیش کر دوں'' آپ نے فرمایا ''میں ناپسند کرتا ہوں کہ لوگ کہیں کہ محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک قوم کے ساتھ مل کر جہاد کیا حتیٰ کہ جب رب تعالیٰ نے انہیں غلبہ دے دیا تو وہ اس قوم کے افراد کو قتل کرنے لگے'' انہوں نے عرض کی ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! یہ آپ کے صحابہ کرام نہیں ہیں'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''کیا یہ شہادت حق کا اظہار نہیں کرتے'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کو جمع فرمایا اور انہیں بتایا کہ منافقین نے کس بات پر اتفاق کیا تھا اور ان کا ارادہ کیا تھا۔ مگر منافقین قسمیں اٹھانے لگے کہ انہوں نے نہ ایسی بات کی ہے اور نہ ہی کوئی ایسا ارادہ کیا ہے۔ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ مَا قَالُوا ۗ وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوا بِمَا لَمْ يَنَالُوا

''قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی کہ انہوں نے یہ نہیں کہا حالانکہ یقیناً انہوں نے کہی تھی کفر کی بات اور انہوں نے کفر اختیار کیا اسلام لانے کے بعد اور انہوں نے ارادہ کیا اس چیز کا جسے وہ نہ پا سکے''۔ (التوبہ: 74)

حضور اکرم ﷺ کا والہانہ استقبال

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ''مدینہ طیبہ میں ایسے افراد بھی ہیں کہ تم کسی جگہ رواں نہیں ہوئے نہ ہی تم نے کسی وادی کو عبور کیا ہے مگر وہ تمہارے ساتھ تھے'' صحابہ کرام نے عرض کی ''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! کیا وہ مدینہ طیبہ میں ہیں؟ آپ نے فرمایا ''ہاں! انہیں کسی عذر نے روک رکھا تھا'' جب آپ ﷺ مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے تو لوگ آپ کا استقبال کرنے کے لیے باہر نکل آئے۔ وہ منافقین جو مدینہ طیبہ میں ہی رہ گئے تھے انہوں نے حضور ﷺ اور صحابہ کرام کے متعلق بری خبریں پھیلا رکھی تھیں۔ وہ کہتے تھے ''محمد عربی (ﷺ) اس سفر میں مشقت کی وجہ سے شہید ہو چکے ہیں'' جب ان تک حضور اکرم ﷺ کی سلامتی کی خبر پہنچی۔ ان کا جھوٹ عیاں ہوا تو انہیں بہت اذیت پہنچی۔ اللہ رب العزت نے یہ آیت طیبہ نازل کی:

اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ (توبہ:50) ''اگر پہنچے آپ کو کچھ بھلائی تو بری لگتی ہے انہیں''۔

حضور اکرم ﷺ کے استقبال کے لیے مرد، بچے اور خواتین باہر نکل آئیں۔ پردہ نشین عورتیں اپنے گھروں کی چھتوں پر چڑھ گئیں اور وجد آفریں آواز میں یہ اشعار پڑھنے لگیں:

طلع البدر علینا من ثنیّات الوداع
وجب الشکر علینا ما دعا للہ داع
ایها المبعوث فیها جئت بالامر المطاع

''ثنیۃ الوداع سے ہم پر ماہ تمام طلوع ہوا، ہم پر اس وقت تک رب کا شکر ادا کرنا واجب ہے جب تک دعوت دینے والا رب تعالیٰ کی طرف دعوت دیتا رہے۔ اے وہ ہستی والا! جسے ہم میں مبعوث کیا گیا ہے آپ ایسا امر لے کر آئے ہیں جس کی اطاعت کی جاتی ہے''۔

بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ یہ اشعار اس وقت پڑھے گئے جب آپ ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لائے۔ ممکن ہے کہ یہ اشعار پڑھ کر آپ کا کئی بار استقبال کیا گیا ہو۔ جب حضور ﷺ کی نگاہ ناز مدینہ طیبہ پر پڑی تو فرمایا ''یہ طابہ ہے، یہ کوہِ احد ہے، یہ ہم سے پیار کرتا ہے۔ ہم اس سے محبت کرتے ہیں''۔ محققین علماء فرماتے ہیں کہ یہ حقیقت ہے۔ اس میں کوئی مانع نہیں کہ یہ محبت اس میں اسی طرح پیدا کر دی گئی ہو جیسا کہ سنگریزوں کا تسبیح بیان کرنا اور تنے کا آپ کے فراق میں گریہ بار ہونا ہو' دوسرے قول کے مطابق اس حدیث طیبہ کا مفہوم یہ ہے کہ اس کے اہل ہم سے محبت کرتے ہیں اور ہم ان سے محبت کرتے ہیں۔ جب حضور ﷺ مدینہ طیبہ جلوہ افروز ہوئے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''کیا آپ ﷺ مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں آپ ﷺ کی مدح سرائی کروں'' آپ ﷺ نے فرمایا ''رب تعالیٰ تمہارے منہ کو سلامت رکھے، ضرور کرو'' انہوں نے یہ اشعار پڑھے:

من قبلها طبت فی الظلال وفی مستودع حیث یخصف الورق
ثم هبطت البلاد لابشر انت ولا مضغة ولا علق

بل نطفة تركب السفين وقد ألجم نسراً وأهله الغرق
تنقل من صالب الى رحم اذا مضى عالم بدا طبق
وردت نار الخليل مكتتما فى صلبه أنت كيف يحترق
حتى احتوى بيتك المهيمن من خندق علياء تحتها النطق
فنحن فى ذلك الضياء وفى النور وسبل الرشاد نخترق

''اس سے قبل آپ ﷺ سایہ میں عمدہ طریقے سے رہ رہے تھے۔ آپ ﷺ امانت رکھنے کی جگہ پر تھے جہاں پتے چپکائے جا رہے تھے پھر آپ شہروں میں تشریف لائے۔ اس وقت نہ آپ بشر تھے، نہ مضغہ تھے اور نہ ہی علق تھے۔ بلکہ آپ نطفہ تھے جو کشتی پر سوار ہوا جس نے نسر کا منہ بند کر دیا اور اس کے پجاری غرق ہو گئے۔ وہ نور ایک پشت سے دوسری رحم میں منتقل ہوتا رہا۔ جب ایک عالم گزر جاتا تو دوسری جماعت ظاہر ہو جاتی۔ آپ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے لیے بھڑکائی ہوئی آگ میں تشریف لے گئے، ان کی صلب میں آپ کا نور تھا۔ آگ انہیں کیسے جلا سکتی تھی۔ حتیٰ کہ آپ کا کاشانہ اقدس رفعتوں اور عظمتوں کی بلندیوں پر آشیان بند ہو گیا۔ اور قوت گویائی اس سے عاجز ہے۔ ہم آپ کے اس نور و ضیاء میں ہدایت کے رستوں کو طے کر رہے ہیں''۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی داستانِ عشق انگیز

جب حضور ﷺ مدینہ طیبہ تشریف فرما ہو گئے تو آپ ﷺ سے ان عام لوگوں نے ملاقات کی، جو پیچھے رہ گئے تھے۔ حضور ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا ''ان میں سے کسی ایک کے ساتھ بات چیت بھی نہ کرنا''۔ حضور ﷺ اور صحابہ کرام نے ان لوگوں سے اعراض فرمایا حتیٰ کہ ایک شخص اپنے بھائی اور والد سے اعراض کرتا۔ منافقین میں سے اسی سے زائد ایسے افراد تھے۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ بھی پیچھے رہ جانے والوں میں سے تھے۔ ان کا تعلق بنوخزرج کے ساتھ تھا۔ انہی میں سے حضرت مرارۃ بن ربیع اور حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ ان دونوں کا تعلق اوس کے ساتھ تھا یہ اہل نفاق میں سے نہ تھے۔ منافقین تو قسمیں اٹھانے لگے۔ وہ معذرت کرنے لگے۔ حضور اکرم ﷺ نے ان کے ظاہر اور اعلانیہ کو قبول فرما لیا۔ ان کے لیے مغفرت طلب کی۔ ان کے دل کی بات کو رب تعالیٰ کی سپرد کر دیا۔ البتہ ان تینوں حضرات کا معاملہ مؤخر کر دیا۔ ان کے متعلق رب تعالیٰ کے حکم کا انتظار کرنے لگے۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾ (التوبۃ)

''اور دوسرے لوگ ہیں (جن کا معاملہ) ملتوی کر دیا گیا ہے اللہ کا حکم (آنے) تک، چاہے وہ عذاب دے انہیں اور چاہے تو بہ قبول کرے ان کی، اللہ سب کچھ جاننے والا دانا ہے''۔

یہ آیت طیبہ ان کے ابتدائی امر کے متعلق نازل ہوئی۔ ان کے آخری امر ان کی توبہ کی قبولیت کے وقت اس آیت طیبہ کا نزول ہوا:

وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا (توبہ:118) ''اور ان تینوں پر بھی (نظر رحمت فرمائی) جن کا فیصلہ ملتوی کر دیا گیا تھا''۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اپنے متعلق اور اپنے دونوں ساتھیوں کے متعلق یہ محبت آفریں داستان یوں بیان فرماتے ہیں ''میں کسی غزوہ میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیچھے نہیں رہا سوائے غزوۂ تبوک کے۔ میں غزوۂ بدر میں بھی شرکت نہیں کر سکا تھا۔ مگر اس میں شرکت نہ کرنے والوں پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عتاب نہیں فرمایا۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کاروان قریش کے ارادہ سے نکلے تھے حتیٰ کہ رب تعالیٰ نے انہیں اور ان کے دشمن کو وعدہ کے بغیر ہی جمع کر دیا تھا۔ میں عقبہ کی شب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھا۔ جب ہمیں اسلام قبول کرنے کی سعادت نصیب ہوئی، مجھے اس سعادت کے مقابلہ میں غزوۂ بدر میں شرکت زیادہ عزیز نہ تھی۔ اگرچہ لوگوں میں غزوۂ بدر کی شرکت کا زیادہ تذکرہ کیا جاتا تھا۔ میں غزوۂ تبوک میں شرکت نہ کر سکا، حالانکہ میں اس سے قبل نہ اتنا قوی تھا نہ کبھی اتنا خوش حال تھا۔ بخدا! اس سے قبل میرے پاس کبھی بھی دو سواریاں جمع نہیں ہوئیں تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی بھی غزوہ کا واضح الفاظ میں اعلان نہیں فرمایا تھا، مگر یہ غزوہ شدید گرمی میں رونما ہوا۔ سفر بھی طویل تھا۔ دشمن کی تعداد بھی کثیر تھی۔ راستے میں چٹیل میدان بھی تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کے لیے اس غزوہ کا واضح اعلان فرما دیا تھا۔ تاکہ وہ تیاری کر لیں۔ مسلمان کثیر تعداد میں تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس غزوہ کے لیے عازم سفر ہوئے تو پھل پک چکے تھے۔ درخت سایہ دار تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں نے سفر کی تیاری کر لی۔ میں صبح سویرے نکلا تاکہ ان کے ساتھ عازم سفر ہونے کی تیاری کر لوں۔ مگر میں واپس لوٹ آیا۔ تیاری نہ کر سکا۔ میں نے دل میں کہا ''میں جب بھی ارادہ کروں میں اس بات پر قادر ہوں''۔ میرے دل میں یہی بات کھٹکتی رہی حتیٰ کہ مسلمانوں نے تیاری مکمل کر لی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روانہ ہو گئے۔ مگر میں کچھ بھی نہ کر سکا۔ میں نے ارادہ کیا کہ میں کوچ کر جاؤں اور آپ کے ساتھ مل جاؤں۔ کاش! میں یوں کر گزرتا۔ پھر مجھے اس سفر پر قدرت نہ رہی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد میں باہر نکلتا تو مجھے یا تو وہ لوگ نظر آتے جو منافق ہوتے یا معذور۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے یاد نہ فرمایا، حتیٰ کہ آپ تبوک تشریف لے گئے۔ وہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام میں موجود تھے۔ آپ نے فرمایا ''کعب بن مالک نے کیا کیا؟ بنوسلمہ میں سے ایک شخص نے عرض کی ''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! اسے اس کی دو خوبصورت چادروں نے روک رکھا ہے۔ وہ ان کی طرف ہی دیکھتا رہتا ہے'' حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے کہا ''تو نے کتنی بری بات کی ہے؟ یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! اللہ کی قسم! ہم ان کے متعلق بھلائی کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتے'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش رہے'' حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''جب مجھے یہ خبر ملی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبوک سے واپس تشریف لا رہے ہیں تو جھوٹ بولنے کے بارے سوچنے لگا۔ میں ایسا عذر تلاش کرنے لگا جس سے میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے نکل جاتا۔ میں نے اس کے متعلق خاندان کے صاحب رائے شخص سے مشاورت کی۔ حتیٰ کہ مجھے خبر ملی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لانے ہی والے ہیں۔ مجھ سے باطل دور ہو گیا۔ حتیٰ کہ میں نے پہچان لیا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جھوٹ بول کر نجات نہیں پا سکتا۔ میں نے سچ بولنے کا عزم کر لیا۔ وقت صبح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے۔ جب آپ سفر سے واپس تشریف لاتے تو آپ کا معمول یہ تھا کہ آپ مسجد میں دو رکعتیں ادا فرماتے۔ لوگ مسجد نبوی میں ہی آپ کی خدمت

میں حاضر ہونے لگے۔ پیچھے رہ جانے والے آئے۔ آپ کی خدمت میں عذر پیش کرنے لگے۔ قسمیں اٹھانے لگے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی ظاہری بات کو قبول کرلیا۔ ان کے لیے مغفرت طلب کی۔ ان کے دل کی بات کو رب تعالیٰ کے سپرد کیا۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ آپ نے تبسم فرمایا۔ اس تبسم میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناراضگی جھلک رہی تھی۔ آپ نے فرمایا ''آگے آجاؤ'' میں آگے بڑھا حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بیٹھ گیا۔ آپ نے فرمایا ''تم پیچھے کیوں رہ گئے تھے؟ کیا تم نے اپنی سواری نہیں خرید لی تھی'' میں نے عرض کی ''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! اگر میں آپ کے علاوہ اور اہل دنیا میں سے کسی شخص کے پاس بیٹھا ہوتا تو میں چرب زبانی کے ساتھ اس کے غصہ سے نکل جاتا۔ مجھے مناظرہ کرنے کا طریقہ بھی خوب آتا ہے۔ لیکن بخدا! میں جانتا ہوں کہ اگر میں نے آپ سے آج جھوٹی بات عرض کر دی تو شاید آپ تو مجھ سے راضی ہو جائیں لیکن رب تعالیٰ مجھ پر ناراض ہو جائے گا۔ لیکن اگر میں آپ سے سچی بات عرض کر دوں جس کی وجہ سے آپ مجھ پر ناراض ہو جائیں تو مجھے امید ہے کہ رب تعالیٰ مجھے ضرور معاف کر دے گا۔ بخدا! میرا کوئی عذر نہیں۔ میں نہ کبھی اتنا خوش حال تھا نہ ہی اتنا پہلے قوی تھا۔ جب میں اس غزوہ سے پیچھے رہ گیا''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اس نے سچی بات کی ہے۔ اٹھو! چلے جاؤ حتیٰ کہ رب تعالیٰ تمہارے متعلق کوئی فیصلہ کر دے۔ میں اٹھ کھڑا ہوا۔ بنوسلمہ کے بعض افراد میرے پیچھے آنے لگے۔ انہوں نے کہا ''ہم نہیں جانتے کہ تم نے اس سے قبل کوئی گناہ کیا ہو۔ کیا تم بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اس طرح عذر پیش کرنے سے عاجز آ گئے ہو۔ جس طرح دوسرے پیچھے رہ جانے والے لوگوں نے عذر پیش کیا ہے۔ تمہارے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا استغفار ہی کافی تھا'' میرے قبیلہ کے لوگ مجھے سرزنش کرتے رہے حتیٰ کہ قریب تھا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں واپس آتا اور کوئی عذر لنگ پیش کر دیتا۔ میں نے ان سے پوچھا ''کیا اس طرح کا معاملہ کسی اور شخص کے ساتھ بھی پیش آیا ہے'' انہوں نے کہا ''ہاں! دو صحابی اور بھی ہیں۔ انہوں نے بھی اسی طرح عذر پیش کیا ہے جس طرح تم نے پیش کیا ہے'' میں نے پوچھا ''وہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا ''وہ حضرت مرارۃ بن ربیع اور حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہما ہیں'' انہوں نے دو پاکباز افراد کا ذکر کیا۔ انہوں نے غزوۂ بدر میں شرکت کی تھی۔ میں نے کہا ''ان میں میرے لیے نمونہ ہے'' میں ان کے ساتھ ملاقات کرنے چلا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم تینوں کے ساتھ گفتگو کرنے سے صحابہ کرام کو منع فرما دیا۔ لوگ بدل گئے حتیٰ کہ وہ زمین ہمیں عجیب لگنے لگی۔ ایسے لگتا تھا کہ یہ وہ زمین ہے ہی نہیں جسے ہم جانتے تھے۔ ہمیں اس اذیت ناک حالت پر پچاس راتیں گزر گئیں۔ میرے دونوں ساتھی تو اپنے گھر بیٹھ گئے۔ ان کا کام صرف رونا تھا۔ میں مضبوط اور توانا تھا۔ میں باہر نکلتا۔ نماز میں حاضر ہوتا۔ بازار جاتا، مگر مجھ سے کوئی ہمکلام نہ ہوتا۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ سلام عرض کرتا۔ آپ نماز کے بعد اپنی محفل میں تشریف فرما ہوتے۔ میں دل میں کہتا کہ کیا سلام کا جواب دیتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لب مبارک نے حرکت کی ہے یا نہیں۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب ہی نماز پڑھتا۔ نظر چرا کر دیکھتا۔ جب میں اپنی نماز میں مصروف ہو جاتا تو آپ اپنی نگاہ ناز سے مجھے ملاحظہ فرماتے۔ جب میں آپ کی طرف دیکھتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اعراض فرماتے۔ حتیٰ کہ مسلمانوں کی طرف سے جفا آمیز سلوک طویل ہوتا گیا تو میں حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے باغ میں گیا۔ وہ میرے چچازاد تھے۔

مجھے سارے لوگوں سے پیارے تھے۔ میں نے انہیں سلام کہا۔ مگر انہوں نے مجھے سلام کا جواب نہ دیا۔
میں نے کہا ''ابو قتادہ! میں تمہیں رب تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں کیا تم جانتے ہو کہ میں رب تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرتا ہوں'' وہ مہر بلب رہے۔ میں انہیں واسطے دیتا رہا۔ انہوں نے کہا ''اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں'' یہ سن کر میری آنکھوں سے چھم چھم آنسو گرنے لگے۔ میں اٹھ کر چلا آیا۔ اسی اثناء میں کہ میں مدینہ طیبہ کے بازار میں چل رہا تھا کہ اہل شام کا ایک نبطی میرے متعلق پوچھ رہا تھا ''مجھے کعب بن مالک کے متعلق کون بتائے گا؟ لوگ اسے میری طرف اشارے کرنے لگے حتیٰ کہ وہ میرے پاس آ گیا۔ اس نے مجھے غسان بادشاہ کی طرف سے ایک خط دیا۔ میں نے اسے پڑھا۔ اس میں لکھا تھا:

''اما بعد! ہم تک یہ خبر پہنچی ہے کہ تمہارے صاحب نے تمہارے ساتھ ظلم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں ذلیل و رسوا نہ کرے۔ نہ ہی ضائع کرے، تم ہمارے پاس آ جاؤ۔ ہم تمہارے ساتھ اظہار ہمدردی کریں گے''۔

میں نے اسے پڑھا۔ میں نے کہا ''یہ ایک اور ناگہانی آفت ہے''۔ میں نے اسے تنور میں پھینک دیا۔ اسے جلا کر راکھ کر دیا۔ حتیٰ کہ پچاس میں سے چالیس راتیں بیت گئیں۔ ہمارے بارے وحی کا نزول نہ ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قاصد میرے پاس آیا اس نے کہا ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہیں حکم دیتے ہیں کہ اپنی زوجہ سے جدا ہو جاؤ'' میں نے اپنی زوجہ سے کہا ''تم اپنے میکے چلی جاؤ، حتیٰ کہ یہ معاملہ اختتام پذیر ہو جائے۔'' حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کی زوجہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ انہوں نے عرض کی ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ہلال بن امیہ عمر رسیدہ ہیں۔ ان کا خادم بھی نہیں۔ کیا آپ ناپسند فرماتے ہیں کہ میں ان کی خدمت کروں؟ آپ نے فرمایا ''ان کی خدمت کرو۔ مگر وہ تمہارے قریب نہ جائیں'' انہوں نے عرض کی ''انہیں اس امر کی ضرورت نہیں، بخدا! وہ اس وقت سے لے کر اب تک مسلسل آہ و بکا میں مصروف ہیں'' مجھے میرے بعض اہل خانہ نے کہا ''کاش! تم بھی اپنے اہل خانہ کے بارے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت مانگ لو'' میں نے کہا ''میں جوان ہوں۔ مجھے علم نہیں کہ اگر میں آپ سے یہ التجاء کروں تو آپ مجھے کیا جواب دیں'' اسی حالت پر ہمیں دس اور راتیں گزر گئیں۔ پچاس راتیں مکمل ہو گئیں۔ پچاسویں رات کی صبح کو میں نے اپنے گھر کی چھت پر نماز پڑھی۔ میں اسی حالت پر بیٹھا ہوا تھا جس طرح کہ رب تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ زمین اپنی وسعتوں کے باوجود مجھ پر تنگ ہو گئی۔ مجھ پر میرا نفس بھی تنگ ہو گیا کہ اچانک میں نے سلع کی چوٹی سے کسی پکارنے والے کو سنا۔ وہ باآواز بلند کہہ رہا تھا ''کعب بن مالک تمہیں بشارت ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول کر لی ہے'' میں اسی وقت رب تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو گیا۔ میں سمجھ گیا کہ اب کشادگی کا وقت آ گیا ہے۔ نماز صبح کے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو ہماری توبہ کے متعلق بتایا تھا۔ لوگ ہمیں بشارتیں دینے لگے۔ میری طرف ایک شخص گھوڑے پر سوار ہو کر نکلا۔ بنو اسلم کا ایک شخص اس کے ہمراہ دوڑنے لگا۔ حضرت حمزہ بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ پہاڑ پر چڑھ گئے۔ ان کی آواز اس سوار سے بھی پہلے مجھ تک پہنچ گئی۔ گھوڑے پر سوار ہو کر آنے والے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ تھے۔ دوسری روایت میں ہے ''جب میں نے ان کی آواز سنی، وہ مجھے بشارت دے رہے تھے۔ میں نے اپنے

کپڑے اتارے اور انہیں دے دیے۔ بخدا! اس دن ان دو کپڑوں کے علاوہ میرے پاس اور کپڑے نہ تھے۔ میں نے دو کپڑے عاریۃً لیے۔ انہیں پہنا اور حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے چل پڑا۔ راستہ میں لوگ مجھ سے گروہ در گروہ ملاقات کرنے لگے۔ وہ مجھے مبارکباد دے رہے تھے۔ وہ مجھ کہہ رہے تھے ''تمہیں مبارک ہو۔ رب تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول کرلی ہے'' حتیٰ کہ میں مسجد نبوی میں داخل ہو گیا۔ حضور ﷺ وہیں تشریف فرما تھے۔ صحابہ کرام آپ کے اردگرد پروانہ وار حاضر تھے۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ اٹھ کر جلدی سے میری طرف آئے اور انہوں نے میرے ساتھ مصافحہ کیا اور مبارک دی۔ بخدا! مہاجرین میں سے ان کے علاوہ اور کوئی شخص نہ اٹھا۔ میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا یہ حسن سلوک فراموش نہیں کر سکتا۔ آپ نے فرمایا ''اس روز سے سب سے بہترین دن آنے پر تمہیں مبارک ہو۔ جب سے تمہاری ماں نے تمہیں جنم دیا ہے'' میں نے عرض کی ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! کیا یہ کرم نوازی آپ ﷺ کی طرف سے ہے یا کہ رب تعالیٰ کی طرف سے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''اللہ رب العزت کی طرف سے'' جب آپ ﷺ مسرور ہوتے تو آپ ﷺ کا چہرۂ انور چاند کے ٹکڑے کی طرح تاباں ہوتا۔ ہم آپ کی مسرت آپ کے چہرۂ انور سے دیکھ لیتے تھے۔ میں آپ ﷺ کے سامنے بیٹھ گیا۔ میں نے عرض کی ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! مجھے رب تعالیٰ نے صرف سچائی کی وجہ سے نجات دی ہے۔ اب میری توبہ کا ثمرہ یہ ہے کہ میں عہد کرتا ہوں کہ میں ساری عمر سچ ہی بولوں گا۔'' بخدا! جب سے میں نے حضور ﷺ کے سامنے یہ بات کی اس وقت سے لے کر آج تک میں نے جھوٹ نہیں بولا۔ مجھے امید ہے کہ بقیہ زندگی میں رب تعالیٰ مجھے جھوٹ سے بچائے گا''۔

ایک اور روایت میں ہے۔ میں نے عرض کی ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم میں اس توبہ کی خوشی میں اپنا سارا مال صدقہ کرتا ہوں'' حضور ﷺ نے فرمایا ''اپنا کچھ مال اپنے پاس رکھ لو۔ تمہارے لیے یہ بہتر ہے'' اللہ رب العزت نے یہ آیت طیبہ نازل کی:

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾ وَّعَلَي الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ۭ حَتّٰى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ۭ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ (التوبۃ)

''یقیناً رحمت سے توجہ فرمائی اللہ تعالیٰ نے (اپنے) نبی پر۔ نیز مہاجرین اور انصار پر جنہوں نے پیروی کی تھی نبی کی مشکل گھڑی میں اس کے بعد کہ قریب تھا کہ ٹیڑھے ہو جائیں دل ایک گروہ کے ان میں سے پھر رحمت سے توجہ فرمائی ان پر۔ بیشک وہ ان پر بہت بہت شفقت کرنے والا رحم فرمانے والا ہے۔ اور ان تینوں پر بھی (نظر رحمت فرمائی) جن کا فیصلہ ملتوی کر دیا گیا تھا یہاں تک کہ تنگ ہو گئی ان پر زمین باوجود کشادگی کے

اور بوجھ بن گئی ان پر ان کی جانیں اور جان لیا انہوں نے کہ نہیں کوئی جائے پناہ اللہ تعالیٰ سے مگر اس کی ذات۔
تب اللہ تعالیٰ ان پر مائل بہ کرم ہوا تاکہ وہ بھی رجوع کریں، بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت توبہ فرمانے والا اور ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اے ایمان والو! ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور ہو جاؤ سچے لوگوں کے ساتھ"۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اسلام قبول کر لینے کے بعد رب تعالیٰ نے مجھ پر اتنی عظیم نعمت نہیں کی۔ اس کا فقط سبب یہ تھا کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سچ بولا تھا اور عہد کیا تھا کہ میں کبھی بھی جھوٹ نہیں بولوں گا۔ ورنہ میں بھی اسی طرح ہلاک ہو جاتا جس طرح وہ ہلاک ہوئے تھے جنہوں نے جھوٹ بولا تھا"۔ اللہ رب العزت نے ان کے متعلق فرمایا:

سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ۖ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ۖ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ۡ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٩٥﴾ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٩٦﴾ (توبہ)

"قسم کھائیں گے اللہ کی تمہارے سامنے جب تم لوٹو گے ان کی طرف تاکہ تم معاف کر دو انہیں۔ سو منہ پھیر لو ان سے، یقیناً وہ ناپاک ہیں اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ بدلہ اس کا جو وہ کمایا کرتے تھے وہ قسمیں کھاتے ہیں تمہارے لیے تاکہ تم خوش ہو جاؤ ان سے۔ سو (یاد رکھو) اگر تم خوش ہو بھی گئے ان سے تو پھر بھی اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہوگا نافرمانوں کی قوم سے"۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا "جب صحابہ کرام نے ہم سے گفتگو کرنا منقطع کر دیا کافی ایام اسی طرح گزر گئے تو مجھے سب سے زیادہ یہ بات غمزدہ کرتی تھی کہ کہیں اسی حالت میں میرا وصال نہ ہو جائے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری نماز جنازہ نہ پڑھائیں یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال نہ ہو جائے اور میں اس حالت پر رہوں اور مجھ سے کوئی نہ گفتگو کرتا ہو۔ نہ مجھے سلام کرتا ہو۔ جب رات کا آخری ثلث باقی رہ گیا تو اللہ تعالیٰ نے ہماری توبہ کے متعلق اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل فرمادی۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ مقدسہ میں تھے۔ اس معاملہ میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا میری انتہائی محسنہ ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا "ام سلمہ! کعب کی توبہ قبول ہو گئی ہے" انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! کیا میں انہیں بشارت کا پیغام بھیج دوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "لوگ تمہیں روندھ دیں گے۔ وہ تمہیں ساری رات سونے نہیں دیں گے"، حتیٰ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز صبح ادا فرمائی اور پھر ہماری توبہ کی قبولیت کا تذکرہ فرمایا۔

بعض سیرت نگاروں نے تحریر کیا ہے کہ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ بھی اس غزوہ میں پیچھے رہ گئے تھے۔ انہوں نے خود کو مسجد نبوی کے ستون کے ساتھ باندھ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ کے متعلق یہ آیت طیبہ نازل کی:

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٠٢﴾ (التوبۃ)

"کچھ اور لوگ ہیں جنہوں نے اعتراف کیا ہے اپنے گناہوں کا، انہوں نے ملا جلا دیئے ہیں کچھ اچھے اور کچھ برے عمل، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے ان کی توبہ۔ بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"۔

مگر صحیح روایت کے مطابق حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ غزوۂ بنی قریظہ میں پیش آیا تھا۔ جب بنوقریظہ نے ان سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر عمل پیرا ہو جانے کے بارے مشورہ کیا تھا تو انہوں نے اپنی گردن کی طرف اشارہ کیا تھا یعنی ذبح کر دیا جائے گا۔ انہوں نے فرمایا "میرے قدم ابھی اس جگہ سے ہٹے نہیں تھے کہ میں نے جان لیا کہ میں نے رب تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خیانت کی ہے" وہ سیدھے مدینہ طیبہ چلے گئے۔ خود کو مسجد نبوی کے ستونوں میں سے ایک ستون کے ساتھ باندھ لیا۔ حتیٰ کہ ان کی توبہ کے متعلق آیت طیبہ نازل ہو گئی۔ ان کے متعلق یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ وَ تَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۲۷ (الانفال)

"اے ایمان والو نہ خیانت کرو اللہ اور اس کے رسول سے، اور نہ خیانت کرو اپنی امانتوں میں اس حال میں کہ تم جانتے ہو"۔

مسجد ضرار کا انہدام

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبوک سے واپس تشریف لائے۔ ابھی تک آپ مدینہ طیبہ میں داخل نہیں ہوئے تھے تو منافقین کی ایک جماعت آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئی۔ انہوں نے عرض کی کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کی مسجد میں تشریف لائیں اور اس میں نماز ادا فرمائیں۔ یہ مسجد انہوں نے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے اور ان کی جمعیت کو منتشر کرنے کے لیے بنائی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی قمیص مبارک منگوائی تا کہ اسے زیب تن کریں اور ان کی مسجد میں جائیں۔ اللہ رب العزت نے آپ پر یہ آیت طیبہ نازل کی:

وَ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّ كُفْرًا وَّ تَفْرِیْقًۢا بَیْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ اِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَ لَیَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰی ؕ وَ اللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝۱۰۷ لَا تَقُمْ فِیْهِ اَبَدًا (التوبۃ)

"اور وہ لوگ جنہوں نے بنائی ہے مسجد نقصان پہنچانے کیلئے، کفر کرنے کے لیے اور پھوٹ ڈالنے کیلئے مومنوں کے درمیان اور (اسے) کمین گاہ بنایا ہے اس کیلئے جو لڑتا رہا ہے اللہ سے اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اب تک اور وہ ضرور قسمیں کھائیں گے نہیں ارادہ کیا ہم نے مگر بھلائی کا، اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ صاف جھوٹے ہیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نہ کھڑے ہوں کبھی اس میں"۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرات مالک بن دخشن، معن بن عدی بن عارم اور وحشی رضی اللہ عنہم کو بلایا اور فرمایا "اس مسجد کی طرف جاؤ جہاں ظالموں کا بسیرا ہے، اسے گرا دو اسے جلا دو" یہ سب حضرات جلدی جلدی نکلے حتیٰ کہ بنوسالم بن عوف کے پاس آ گئے۔

حضرت مالک نے کہا ''تم میرا انتظار کرو، حتیٰ کہ میں تمہارے پاس آگ لے کر آجاؤں'' وہ اپنے اہل خانہ کے پاس گئے، وہاں سے کھجور کی شاخ لی، اسے روشن کیا۔ پھر یہ سارے حضرات دوڑ کر گئے اور مسجد ضرار میں داخل ہو گئے۔ منافقین اس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے اس مسجد کو جلا دیا۔ اسے گرا دیا۔ منافقین وہاں سے تتر بتر ہو گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ اس جگہ کو کوڑا کرکٹ پھینکنے والی جگہ بنا دو، وہاں مردار جانور اور بدبودار چیزیں پھینکیں جائیں''۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم 9ھ رمضان المبارک کو تبوک سے واپس تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی واپسی کے بعد حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے اپنی زوجہ کو حاملہ پایا۔ انہوں نے اپنی زوجہ کو شریک بن سحماء کے ساتھ متہم کیا۔ ان کے مابین نماز عصر کے بعد مسجد نبوی میں لعان ہوا۔ ان کی داستان طویل ہے جو صحیحین میں مذکور ہے۔

سریہ ابوسفیان اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبوک سے واپسی کے بعد یہ سریہ بھیجا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبوک سے واپس تشریف لائے تو بنوثقیف کا وفد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوسفیان اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما کو طائف بھیجا تاکہ وہ ''لات'' کو ریزہ ریزہ کر دیں۔ وہ دس سے زائد مجاہدین لے کر گئے۔ انہوں نے لات کو گرا کر پیوند خاک کر دیا۔ روایت ہے کہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو آگے کیا، تاکہ وہ لات کو گرائیں۔ مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ انہوں نے کہا ''تم ہی اپنی قوم کے پاس جاؤ'' حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ لات کے اوپر چڑھ گئے تاکہ کلہاڑے کے ساتھ اس پر ضرب کاری لگائیں۔ ان کی قوم ان سے دور کھڑی تھی۔ وہ ان کی حفاظت کر رہی تھی۔ انہیں خطرہ تھا کہ کہیں کوئی ان پر تیر نہ پھینک دے۔ بنوثقیف کی عورتیں عریاں سر باہر نکل آئیں۔ وہ آہ و بکاء کر رہی تھیں۔ ان کا گمان تھا کہ لات کو گرانا ممکن نہیں، کیونکہ یہ خود کو گرانے سے روک سکتا ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے بنوثقیف کا تمسخر اڑانا چاہا۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا ''میں بنوثقیف کا مذاق اڑا کر تمہیں ہنساؤں گا'' جب وہ لات پر چڑھے تو انہوں نے خود کو گرا دیا۔ دوسری روایت کے الفاظ کے مطابق وہ مضطرب ہو گئے۔ یہ دیکھ کر لات کے پجاریوں نے بلند چیخیں ماریں۔ انہوں نے کہا ''اللہ تعالیٰ نے مغیرہ کو دور کر دیا ہے۔ لات نے اسے برباد کر دیا ہے۔ بخدا! اسے گرانا ممکن نہیں'' اس کے فوراً بعد حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے کہا ''یہ تو پتھر کا ایک ٹکڑا ہے'' لات کے پجاری فوراً تائب ہو گئے اور رب ذوالجلال کی عبادت میں مصروف ہو گئے۔

پھر حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ لات کو گرانے لگے حتیٰ کہ اس کا دروازہ توڑ دیا۔ اسے بنیادوں سے اکھیڑ پھینکا۔ مٹی باہر نکال دی'' حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے وہاں سے ملنے والا سونا، چاندی اور ملبوسات لیے اور انہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ نے رب تعالیٰ کی نصرت و تائید پر اس کی حمد و ثناء بیان کی۔

سریہ حضرت جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ذوالخلصہ کی طرف بھیجا۔ ذوالخلصہ ایک گھر کا نام تھا۔ اس میں حضرت جریر رضی اللہ عنہ کی قوم کا بت تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سریہ اپنے وصال سے دو ماہ قبل بھیجا۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے فرمایا ''کیا تم مجھے ذوالخلصہ کی طرف سے آرام نہیں پہنچا سکتے'' میں نے عرض کی ''کیوں نہیں'' میں بنو احمس کے ایک سو پچاس شہ سواروں کے ساتھ عازم سفر ہوا۔ وہ تو سارے شہ سوار تھے۔ مگر میں گھوڑے پر نہیں ٹھہر سکتا تھا۔ میں نے اس بات کا تذکرہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے سینے پر دست اقدس مارا اور یہ دعا مانگی ''مولا! اسے ثابت قدم فرما۔ اسے ہادی اور مہدی بنا دے'' اس کے بعد میں گھوڑے سے نہیں گرا''۔ ذوالخلصہ کے لیے ایک گھر یمن میں بھی تھا۔ جو خثعم اور بجیلہ کے لیے تھا۔ اس گھر کو کعبہ کہا جاتا تھا۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ اس کی طرف گئے۔ اسے گرا کر نذر آتش کر دیا۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں قاصد بھیج دیا۔ اس قاصد نے عرض کی ''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم مجھے اس ذات کریمانہ کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں نے آتے وقت ذوالخلصہ کو اس طرح چھوڑا ہے گویا کہ وہ خارش زدہ اونٹ تھا''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احمس کے شہ سواروں اور گھوڑوں کے لیے پانچ بار برکت کی دعا کی۔

طبرانی نے حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے یمن بھیجا تاکہ میں انہیں دعوت توحید دوں اور اگر وہ انکار کریں تو ان کے ساتھ جہاد کروں'' حافظ ابن حجر لکھتے ہیں ''واضح بات یہی ہے کہ یہ سریہ سریہ ذوالخصلہ کے علاوہ تھا۔ ممکن ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو جہتوں میں بھیجا ہو۔ ابن حبان نے جو روایت نقل کی ہے وہ بھی اس کی تائید کرتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''اے جریر! جاہلیت کے طواغیت میں سے صرف ذوالخلصہ ہی باقی رہ گیا ہے'' اس فرمان سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ یہ واقعہ بہت بعد میں پیش آیا تھا۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے حجۃ الوداع میں شرکت کی تھی۔ اس کے بعد انہیں ذوالخلصہ کو گرانے کے لیے بھیجا گیا۔ پھر انہوں نے یمن کا رخ کیا۔ جب واپس آنے لگے تو انہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کی خبر مل گئی۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ ذوالخلصہ کی جگہ ایک جامع مسجد بنائی گئی۔ وہاں سرزمین خثعم میں عبدات نامی شہر تھا۔

سریہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ابنی کی طرف روانہ فرمایا۔ یہ علاقہ سرزمین شام میں بلقاء کے پاس ہی تھا۔ یہ آخری سریہ تھا۔ جیسا کہ غزوۂ تبوک آخری غزوہ تھا۔ جب 11ھ ماہ صفر کے آخری چار ایام باقی تھے۔ پیر کا مبارک دن تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل روم پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ دوسرے روز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو یاد فرمایا۔ اور فرمایا ''اس جگہ کے لیے روانہ ہو جاؤ۔ جہاں تمہارے باپ کو شہید کیا گیا تھا۔ انہیں اپنے گھوڑوں سے روندھ ڈالو۔ میں تمہیں اس لشکر کا والی بناتا ہوں۔ صبح اہل ابنی پر حملہ آور ہونے کے لیے عازم سفر ہو جاؤ۔ سفر کرنے میں جلدی کرنا۔ اپنے جاسوس آگے آگے رکھنا۔ اگر

رب تعالیٰ تمہیں ظفر و فتح یابی عطا فرما دے، اپنے ساتھ ایسے لوگوں کو لے جانا جو راستے کے خم و پیچ سے خوب آگاہ ہوں' بدھ کے روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شدید بخار اور سخت درد شروع ہو گیا۔ اگلی صبح جمعرات کے روز آپ نے اپنے دست اقدس کے ساتھ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے لیے جھنڈا باندھا۔ پھر فرمایا ''اللہ کا نام لے کر راہ خدا میں عازم سفر ہو جاؤ۔ جو رب تعالیٰ کے ساتھ کفر کرے اس کے ساتھ جنگ کرو' حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ اپنا جھنڈا لے کر نکلے۔ انہیں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا اور لشکر سمیت جرف کے مقام پر خیمہ زن ہو گئے۔ مہاجرین اولین اور انصار میں سے کوئی شخص بھی لشکر سے پیچھے نہ رہا۔ سب نے روانگی کی تیاری کی۔ ان میں حضرات ابوبکر، عمر فاروق، ابوعبیدہ بن جراح، سعد بن ابی وقاص رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسی ہستیاں بھی شامل تھیں۔ لوگوں نے شکوک و شبہات کا اظہار کیا۔ انہوں نے کہا ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہاجرین اولین اور انصار پر اس بچے کو امیر مقرر کر دیا ہے'' اس وقت حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی عمر سترہ برس تھی۔ دوسرے قول کے مطابق بیس برس تھی۔ ایک اور روایت کے مطابق بیس سال تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک بھی یہ خبر پہنچ گئی۔ جسے سن کر آپ کو بہت زیادہ غصہ آیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے کاشانۂ اقدس سے باہر تشریف لائے۔ سر اقدس کپڑے سے باندھ رکھا تھا۔ چادر مبارک اوپر اوڑھ رکھی تھی۔ منبر پر جلوہ افروز ہوئے۔ پہلے رب تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی، پھر فرمایا:

''امابعد! میں نے اسامہ کو امیر لشکر مقرر کیا ہے۔ تم میں سے بعض کی طرف سے مجھے اس طرح کی خبر ملی ہے۔ اگر تمہیں اسامہ کے امیر لشکر بنانے پر اعتراض ہے تو تم ہی نے ان کے والد گرامی کو بھی امیر لشکر بنانے پر اعتراض کیا تھا۔ بخدا! زید بھی اس امارت کے مستحق تھے۔ ان کے بعد ان کے فرزند دلبند بھی اس امارت کے مستحق ہیں۔ یہ مجھے سارے لوگوں سے بڑھ کر پیارے ہیں۔ انہوں نے بھلائی کے بارے ہی سوچا ہے۔ ان کے متعلق عمدہ خیالات رکھو۔ وہ تم میں سے بہترین لوگوں میں سے ہیں''۔

پھر آپ منبر مبارک سے نیچے تشریف لائے۔ حجرۂ مقدسہ میں داخل ہو گئے۔ یہ واقعہ ہفتہ کے روز پیش آیا۔ ماہ ربیع الاول کے دس دن بیت چکے تھے۔ ہجرت کا گیارہواں سال تھا۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ عازم سفر ہونے والے صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں الوداعی سلام پیش کرنے کے لیے حاضر ہوئے۔ پھر وہ لشکر گاہ جرف چلے گئے۔ جب مرض شدت اختیار کر گئی تو آپ نے فرمایا ''لشکر اسامہ کو بھیج دو'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مستثنیٰ قرار دیا اور انہیں لوگوں کو امامت کرانے کا حکم دیا۔ اب ان دونوں روایتوں میں اختلاف نہ رہا۔ جن میں سے ایک میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس لشکر میں تھے۔ دوسری میں ہے کہ آپ اس لشکر کے ساتھ نہ گئے تھے۔ کیونکہ آپ پہلے اس لشکر میں شامل تھے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں مستثنیٰ قرار دیا اور انہیں لوگوں کو نماز پڑھانے کا حکم دیا۔ اس سے رافضیوں کے اس قول کا رد بھی ہو جاتا ہے جس سے وہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ذات والا صفات کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں کہ آپ لشکر اسامہ سے پیچھے رہ گئے تھے۔ اور آپ نے اس لشکر سے پیچھے رہ جانے والوں کو برا بھلا کہا ہے۔ کیونکہ آپ کا پیچھے رہ جانا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی وجہ سے تھا، کیونکہ آپ نے لوگوں کو امامت کرانا تھی۔ اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی خلیفہ ہوں گے۔ جس لعنت کا ذکر رافضی کرتے ہیں۔ وہ کسی حدیث طیبہ میں نہیں۔

اتوار کے روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا درد شدت اختیار کر گیا۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ سر جھکا کر چہرۂ انور کا بوسہ لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گفتگو نہیں فرمارہے تھے۔ پھر آپ نے اپنے دست اقدس آسمان کی طرف بلند کر دیئے۔ پھر انہیں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے اوپر رکھ دیا'' اسامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''مجھے علم ہو گیا کہ آپ میرے لیے دعا فرمارہے ہیں'' پھر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اپنی لشکر گاہ کی طرف لوٹ آئے۔ سوموار کے روز پھر حاضر خدمت ہو گئے۔ آپ نے انہیں فرمایا ''رب تعالیٰ کی برکت کے ساتھ عازم سفر ہو جاؤ'' حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو الوداعی سلام عرض کیا۔ اپنے مجاہدین کے پاس آگئے اور لوگوں کو کوچ کا حکم دیا۔ وہ خود سوار ہونے کا ارادہ فرمارہے تھے۔ دوسری روایت کے مطابق وہ جرف تک پہنچ چکے تھے تو ان کی زوجہ محترمہ حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا نے ان کی طرف یہ پیغام بھیجا ''جلدی نہ کریں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری وقت ہے'' حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ حاضر ہوئے۔ ان کے ہمراہ حضرات عمر فاروق اور ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مگر آپ کا وصال تو سورج کے ڈھلنے کے وقت ہو چکا تھا۔ جرف میں خیمہ زن سارے مجاہدین مدینہ طیبہ واپس آگئے۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ حضرت اسامہ کا جھنڈا لے کر آئے اور آپ کے پاس وہ مبارک علم گاڑھ دیا۔ جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی گئی تو انہوں نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ جھنڈا حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے گھر لے جائیں اور جب وہ حکم فرمائیں تو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ عازم سفر ہو جائیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال مشہور ہو گیا تو نفاق ظاہر ہو گیا۔ منافقین کو تقویت نصیب ہوئی۔ نصرانی اور یہودی بھی خود کو طاقتور سمجھنے لگے۔ مسلمانوں کی حالت سردرات میں منتشر بھیڑوں کی طرح ہو گئی۔ عرب کے بہت سے قبائل مرتد ہو گئے۔ انہوں نے کہا ''ہم نماز تو پڑھیں گے لیکن زکوٰۃ نہیں دیں گے''۔ سارے فتنے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کی روانگی سے قبل رونما ہو چکے تھے۔ ان حالات میں لوگوں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بات چیت کی کہ وہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو روانہ ہونے سے روک دیں۔ انہوں نے کہا ''یہ لشکر اہل روم کی طرف کیسے جائے گا؟ حالانکہ مدینہ طیبہ کے اردگرد کے عرب مرتد ہو چکے ہیں۔ مگر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا۔ انہوں نے کہا ''بخدا! اگر مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس حکم کے نفاذ سے زیادہ کسی اور چیز کا نفاذ پسند ہو تو مجھے پرندے اچک لیں'' دوسری روایت کے مطابق حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا ان سے کہا ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ کے پاس جائیں اور انہیں کہیں کہ وہ مجھے اجازت دے دیں کہ میں لوگوں سمیت واپس آجاؤں۔ مجھے خطرہ ہے کہ مشرکین مسلمانوں اور ان کے سامان پر ٹوٹ پڑیں گے'' انصار نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کہا ''اگر خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لشکر اسامہ کو بھیجنے پر ہی بضد ہوں تو انہیں ہماری طرف سلام عرض کرنا اور کہنا'' وہ ہمارا معاملہ اس شخص کے سپرد کر دیں جو عمر میں ہم سے بڑھ کر ہو'' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بارگاہ صدیقی میں گئے اور انہیں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا پیغام دیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اگر مجھے بھیڑیے اور کتے بھی اٹھا کر لے جائیں۔ میں پھر بھی اس فیصلہ کو نہیں لوٹاؤں گا جسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کر دیا ہو'' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انصار کا پیغام حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تک پہنچایا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پہلے بیٹھے ہوئے تھے۔ پھر فوراً اٹھ کھڑے ہوئے۔ حضرت عمر

فاروق رضی اللہ عنہ کی داڑھی پکڑ لی اور فرمایا "تمہاری ماں تم پر روئے۔ تمہیں گم کرے۔ ابن خطاب! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کیا ہے۔ تم مجھے کہتے ہو کہ میں انہیں اس منصب سے ہٹا دوں"۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ لشکر کی طرف چلے گئے۔ فرمایا "تمہاری مائیں تم پر روئیں۔ میں نے تمہاری وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ سے بھلائی حاصل نہیں کی" شاید انصار نے یہ بات اس لیے کی تھی کیونکہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان نہ پہنچا ہو۔ یا ان کا گمان ہو کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس یہ اختیار ہو۔ آپ اس میں مصلحت دیکھ کر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو اس منصب سے ہٹا دیں۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو پیچھے چھوڑ جائیں، تاکہ وہ ان کے ساتھ امور خلافت میں مشورہ کر سکیں" حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو پیچھے چھوڑ گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا حضرت اسامہ سے اس طرح کہنا ان کی تسلی خاطر کے لیے تھا۔ ربیع الآخر 11ھ کو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ عازم سفر ہوئے۔ ان کے ہمراہ تین ہزار صحابہ کرام تھے۔ ایک ہزار گھوڑے بھی ہمراہ تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں الوداع کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے پہلو میں کچھ دیر چلتے رہے۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے پر سوار تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی سواری ہانک رہے تھے۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ! یا آپ سوار ہو جائیں یا مجھے نیچے اترنے کی اجازت دیں" انہوں نے فرمایا "بخدا! نہ آپ نیچے اتریں گے، نہ میں سوار ہوں گا"۔ پھر انہوں نے فرمایا "میں تمہارے دین اور امانت اور اعمال کے خاتموں کو رب تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں"۔

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اہل ابنی کی طرف عازم سفر ہو گئے۔ ان پر شب خون مارا۔ ان کا شعار "یا منصور امِتْ" تھا۔ جو قتل ہوئے انہیں قتل کیا۔ جو اسیر ہوئے انہیں اسیر کیا۔ ان کے گھر جلا دیے۔ ان کے میدانوں میں گھوڑے دوڑائے۔ مسلمانوں میں سے ایک شخص بھی شہید نہ ہوا۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اپنے والد گرامی کے گھوڑے پر سوار تھے۔ اس پر اپنے والد گرامی کے قاتل کو واصل جہنم کیا۔ گھڑ سوار کو دو حصے پیادہ کو ایک حصہ دیا۔ اپنے لیے بھی اتنا کچھ ہی لیا۔ جب واپس آنے لگے تو مدینہ طیبہ ایک شخص کو بشارت دے کر جلدی جلدی بھیج دیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور وہ صحابہ کرام جو اس سریہ میں نہیں گئے تھے۔ وہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اور ان کے لشکر کے استقبال کے لیے باہر نکل آئے۔ انہوں نے فرحت وانبساط کے ساتھ اس لشکر کا استقبال کیا۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اپنا جھنڈا اپنے سامنے لے کر چلے حتیٰ کہ مسجد نبوی کے دروازہ کے پاس پہنچ گئے۔ مسجد میں داخل ہوئے۔ دو رکعتیں ادا کیں، پھر اپنے گھر لوٹ آئے۔ اس لشکر کا روانہ ہونا ایک عظیم نعمت ثابت ہوا۔ اس کی وجہ سے عرب کے بہت سے قبائل مرتد ہونے سے رک گئے۔ انہوں نے کہا "اگر محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام میں قوت نہ ہوتی تو وہ اس سطوت وشوکت کے ساتھ عازم سفر نہ ہوتے" وہ اسلام پر ثابت قدم رہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے عہد خلافت میں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو دیکھتے تو فرماتے "السلام علیک یا ایھا الامیر" حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کہتے "امیر المومنین! اللہ تعالیٰ آپ کی لغزشیں معاف کرے۔ آپ مجھے اس طرح کہہ رہے ہیں" وہ کہتے! جب تک میں زندہ ہوں میں تمہیں امیر ہی کہتا رہوں

گا۔ جب حضور ﷺ نے وصال فرمایا تو تم امیر سپاہ تھے"۔

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ کے محبوب اور آپ کے محبوب کے فرزند کہا جاتا تھا۔ صحیحین میں ہے کہ حضور ﷺ حضرت حسن اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہما کو پکڑ لیتے اور عرض کرتے مولا! "میں انہیں محبوب رکھتا ہوں تو بھی ان دونوں سے محبت فرما"۔

اس مخزومیہ عورت کے متعلق روایت میں ہے جس نے چوری کی تھی اور حضور ﷺ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا ارادہ فرمایا تھا "حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ اور کوئی حضور ﷺ سے اس کی سفارش کے بارے گفتگو نہ کر سکا" انہوں نے آپ ﷺ سے عرض کی تو آپ نے فرمایا "کیا تم رب تعالیٰ کی حدود میں سے ایک حد کے بارے سفارش کرتے ہو"۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے مناقب بے شمار ہیں۔ انہوں نے 54ھ یا 55ھ میں مدینہ طیبہ یا وادی القریٰ میں وصال فرمایا۔ اس وقت ان کی عمر 75 سال تھی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بطور امیر حج

حضور ﷺ نے 9ھ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حج کا امیر بنا کر بھیجا۔ 8ھ کو حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو حج کرائیں۔ وہ اہل مکہ کے امیر تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ سے تین سو حضرات کے ساتھ عازم سفر ہوئے۔ حضور ﷺ نے ان کے ہمراہ بیس اونٹ بھیجے۔ انہیں اپنے ہاتھ سے قلادے پہنائے اور شعار کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پانچ اونٹ لے کر گئے۔ پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی حضور ﷺ کی اونٹنی قصواء پر سوار ہو کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے پیچھے عازم سفر ہو گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا "کیا حضور ﷺ نے آپ کو امیر حج مقرر کیا ہے؟ انہوں نے کہا "نہیں! بلکہ مجھے آپ ﷺ نے اس لیے بھیجا ہے تاکہ میں لوگوں کو سورۃ برأت پڑھ کر سناؤں۔ یہ معاہدہ کرنے والے کا معاہدہ اس کی طرف لوٹا دوں" حضور ﷺ کے مشرکین کے ساتھ دو قسم کے عہد تھے ❶ عام ❷ خاص۔ عام معاہدہ یہ تھا کہ بیت اللہ سے کسی کو روکا نہیں جائے گا۔ اشہر حرام میں کسی کو خوفزدہ نہیں کیا جائے گا۔ خاص معاہدے وہ تھے جو حضور ﷺ اور مشرکین کے مابین مدت مقررہ تک تھے۔ اہل عرب کی عادات میں سے تھا کہ معاہدہ کرنے والے کا قریبی رشتہ دار معاہدہ کو ختم کرنے کا اعلان کرتا تھا۔ اسی لیے حضور ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ کو بھیجا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حج کرایا۔ ایک روایت کے مطابق اس سال حج ذوالقعدہ میں ہوا تھا۔ اس کا سبب وہ نسات تھا جو اہل عرب کیا کرتے تھے۔ مگر صحیح مؤقف یہی ہے کہ یہ حج ذوالحجہ میں ہی ہوا تھا۔ ایک اور روایت کے مطابق جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ سے عازم سفر ہو چکے تھے تو سورۃ برأت کا نزول ہوا۔ آپ ﷺ سے عرض کی گئی کہ کاش آپ یہ سورت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک بھیج دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا "میرے اہل بیت سے کوئی فرد ہی اس کا صحیح حق ادا کر سکتا ہے"۔ پھر آپ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا "سورۃ برأت لے کر مکہ مکرمہ کی طرف عازم سفر ہو جاؤ۔ جب لوگ یوم نحر کو منیٰ میں جمع ہوں تو یہ سورت پڑھ کر سنانا" حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے سورت برأت یوم نحر کو پڑھ کر

سنائی۔ فرمایا "آج کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کر سکے گا۔ کوئی عریاں جسم طواف نہیں کرے گا"۔ کیونکہ مشرکین مسلمانوں کے ہمراہ حج کرتے تھے۔ رات کے وقت عریاں جسم طواف کرتے تھے۔ وہ یہ کلمات بلند آواز سے کہتے تھے "لاشریك لك الا شریکا ھولك تملکه وماملك" نعوذ باللہ۔ وہ رات کے وقت عریاں ہو کر طواف کرتے تھے۔ ان پر ایک کپڑا بھی نہیں ہوتا تھا۔ ان میں سے ایک کہتا "میں آج اس طرح طواف کر رہا ہوں جس طرح میری ماں نے مجھے جنم دیا تھا۔ مجھ پر ایسی کوئی چیز نہیں جس کے ساتھ ظلم ملا ہوا ہو" جو کپڑوں میں طواف کرنا چاہتا تو وہ صرف حمس کے کپڑوں میں طواف کر سکتا تھا" یہ وہ کپڑے ہوتے تھے جنہیں یا تو قریش ادھار دیتے تھے یا کرایہ پر دیتے تھے۔ اگر کوئی اپنے کپڑوں میں طواف کرتا تو وہ اپنے کپڑے پھینک دیتا تھا۔ اسے ہاتھ تک نہیں لگاتا تھا۔ ایک اور روایت کے مطابق عورتیں کھلی سی زرہ میں محو طواف ہوتی تھیں۔ ایک عورت عریاں مصروف طواف تھی اس کا ہاتھ اپنی شرم گاہ پر تھا۔ وہ کہہ رہی تھی۔۔۔۔۔ شرم گاہ کو ڈھانپنے کے وجوب کے لیے رب تعالیٰ نے یہ آیت طیبہ نازل کی: "یابنی آدم خذوا زینتکم"۔

ایک اور روایت کے مطابق جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جا کر ملے تو انہوں نے کہا "امیر بن کر آئے ہیں یا مامور" انہوں نے کہا "مامور" حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس سارے سفر میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہے حتیٰ کہ وہ مدینہ طیبہ لوٹ آئے۔ اس روایت میں ان رافضیوں کا رد بھی ہے جو یہ گمان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سفر میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امارت حج سے معزول کر کے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو متعین فرمایا تھا۔ حالانکہ یہ بات تواتر سے ثابت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو معزول نہیں کیا گیا تھا بلکہ انہوں نے لوگوں کو حج کرایا۔ اس سفر میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہے حتیٰ کہ وہ مدینہ طیبہ واپس آ گئے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اٹھے، انہیں حج کے مناسک کی تعلیم دی، جب وہ فارغ ہو گئے تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو سورۃ برأت پڑھ کر سنائی۔ روایت ہے کہ انہوں نے یہ سورت یوم ترویہ، یوم عرفہ، یوم نحر اور یوم نفر کو پڑھ کر سنائی۔

رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی کی ہلاکت

یہ 9ھ ماہ ذوالقعدہ میں واصل جہنم ہوا۔ اس کے فرزند دلبند حضور کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے عرض کی "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم میرے باپ کا آخری وقت ہے۔ وہ پسند کرتا ہے کہ اس حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے پاس تشریف لے چلیں اور اس کی نماز جنازہ پڑھائیں" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا "تمہارا نام کیا ہے؟ انہوں نے عرض کی "حباب" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تمہارا نام عبد اللہ ہے۔ حباب شیطان کا نام ہے" ان کا شمار فضلاء صحابہ کرام میں ہوتا تھا۔ یہ اپنے والد کے معاملہ کو ظاہری اسلام پر محمول کرتے تھے۔ یہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ آپ سے التجاء کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قمیص عنایت کریں تاکہ وہ اس میں اپنے باپ کو کفن دے سکیں۔ بلکہ طبرانی اور امام عبد الرزاق نے تو حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ عبد اللہ بن ابی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف پیغام بھیجا۔ جب وہ آپ کی خدمت میں آیا تو

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''کیا یہود کی محبت ختم ہوگئی ہے؟ اس نے عرض کی ''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! مجھے آپ کے پاس اس لیے بھیجا گیا ہے کہ آپ میرے لیے مغفرت طلب کریں نہ کہ مجھے جھڑکیں۔ پھر اس نے آپ سے قمیص طلب کی۔ جس میں اسے کفن پہنایا جاسکے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب عبداللہ بن ابی مرضِ موت میں گرفتار ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے پاس تشریف لے گئے اور اس سے بات چیت فرمائی۔ اس نے عرض کی ''میں آپ کی بات سمجھ چکا ہوں۔ اب آپ مجھ پر احسان فرمائیں۔ مجھے کفن کے لیے اپنی قمیص عطا فرمائیں۔ اور میری نماز جنازہ پڑھائیں'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اپنی قمیص عطا کی۔ پھر اس کی نماز جنازہ پڑھنا چاہی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جلدی سے اٹھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ عرض کی ''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی نماز جنازہ پڑھائیں گے۔ اس نے فلاں فلاں روز یہ یہ بات کہی تھی'' انہوں نے عبداللہ بن ابی کے سارے بکواسات شمار کیے مثلاً اس کے یہ قبیح اقوال ذکر کیے:

لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا (المنافقون: 7) اور نہ خرچ کروان (درویشوں) پر جو اللہ کے رسول کے پاس ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ (بھوک سے تنگ آکر) تتر بتر ہو جائیں۔

لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ (المنافقون: ۸) تو ضرور اس سے معزز ذلیل کو نکال دے گا۔

دوسری روایت کے مطابق حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جلدی سے اٹھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مبارک کپڑا پکڑا۔ عرض کی ''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی نماز جنازہ پڑھائیں گے، حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رب نے آپ کو منع فرمایا ہے کہ آپ اس کی نماز جنازہ پڑھائیں'' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے یہ مفہوم سمجھا:

ماکان للنبی والذین آمنوا ان یستغفروا للمشرکین۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''مجھے رب تعالیٰ نے ان کے لیے استغفار کرنے یا نہ کرنے کے بارے اختیار دیا ہے۔ اس نے ارشاد فرمایا:

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ (توبہ: 80)

''آپ ان کے لیے دعائے استغفار کریں یا دعائے استغفار نہ کریں اگر آپ ان کے لیے ستر دفعہ بھی دعائے استغفار کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی بخشش نہیں کرے گا''۔

میں اس کے لیے ستر سے بھی زیادہ مرتبہ استغفار کروں گا'' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''وہ منافق ہے'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی کیونکہ ابھی منافق کی نماز جنازہ نہ پڑھنے کے متعلق صریح حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے ظاہری اسلام پر عمل پیرا ہوتے ہوئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بات قبول نہ فرمائی۔ آپ نے اس طرح عبداللہ بن ابیّ کے فرزند ارجمند کی دلداری بھی کی۔ جو پکے سچے مؤمن تھے۔ اس کا اثر منافقین کی جماعت پر بھی ہوا، کیونکہ اس روز بہت سے منافقین نے توبہ کرلی۔ جب انہوں نے عبداللہ بن ابی کو دیکھا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قمیص مانگ رہا ہے تاکہ اس میں اسے کفن دیا جائے۔ اور یہ بھی عرض کر رہا تھا کہ آپ اس کی نماز جنازہ پڑھائیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی

عبد اللہ بن ابیؔ کی نماز جنازہ پڑھی۔ اور اپنی رائے کو چھوڑ دیا۔ آپ نے اس کی نماز جنازہ میں طوالت اختیار فرمائی۔ اور عبد اللہ بن ابیؔ کے لیے بہت زیادہ استغفار کیا۔ حضرت مجمع بن جاریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جتنی طویل نماز جنازہ عبد اللہ بن ابیؔ کی پڑھائی تھی میں نے نہیں دیکھا کہ آپ نے کسی اور کی نماز جنازہ میں اتنی طوالت اختیار فرمائی ہو"۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس کی میت کے ساتھ گئے۔ اس کی قبر پر قیام فرمایا حتیٰ کہ لوگ اسے دفنانے سے فارغ ہو گئے۔ اس کی نماز جنازہ پڑھانے میں اس کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کمال شفقت عیاں ہوتی ہے۔ جس کا دین متین کے ساتھ کچھ بھی تعلق ہو۔ عبد اللہ بن ابی کے فرزند دلبند ایک سچے پکے مؤمن تھے۔ آپ نے ان کی دلداری کے لیے اور بنوخزرج کی تالیف قلبی کے لیے اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس کے فرزند کی بات نہ مانتے اور نہ ہی قبل ہی اس کی نماز جنازہ نہ پڑھاتے تو یہ اس کے فرزند دلبند اور اس کی قوم کے لیے باعث عار ہوتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سیاست میں دونوں امور میں سے احسن پر عمل کیا حتیٰ کہ اس کے متعلق رب تعالیٰ نے واضح حکم نازل فرما دیا۔ آپ نے ابن ابیؔ کا بدلہ چکانے کے لیے اسے قمیص بھی دی۔ کیونکہ اس نے اس روز حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو قمیص دی تھی جب وہ غزوۂ بدر کے روز گرفتار ہو گئے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر یہ آیت طیبہ نازل فرما دی:

وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۴﴾ (توبہ)

"ان میں جو آدمی فوت ہو جائے اس کی کبھی بھی نماز جنازہ نہ پڑھیں اور نہ ہی کسی کی قبر پر آپ کھڑے ہوں۔

• کیونکہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا ہے یہ مرے جبکہ وہ فاسق تھے"۔

اس آیت طیبہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی رائے کی تائید تھی۔ یہ آیت ان آیات میں سے ایک ہے جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی رائے کے موافق نازل ہوئیں۔ یہ آیت طیبہ اس وقت نازل ہوئی جب لوگ ابن ابیؔ کو دفنانے سے فارغ ہو چکے تھے۔ دوسرے قول کے مطابق نماز جنازہ پڑھا لینے کے بعد نازل ہوئی۔ مگر پہلا قول درست ہے۔ صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھی، پھر واپس تشریف لائے۔ کچھ ہی دیر بعد یہ آیت طیبہ نازل ہو گئی۔

امام طبرانی نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں میری قمیص اسے کوئی فائدہ نہیں دے گی۔ مگر مجھے امید ہے کہ اس کی قوم کے ایک ہزار افراد اس کی وجہ سے حلقہ بگوش اسلام ہو جائیں گے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کسی منافق کی نماز جنازہ نہیں پڑھی حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وصال ہو گیا۔ بخاری کی شرح قسطلانی میں ہے کہ جب اس کی قوم نے دیکھا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قمیص سے شفاعت کی لو لگائے بیٹھا ہے اور اسے عذاب کے دور ہو جانے کی امید ہے تو ان میں سے ایک ہزار افراد نے اسلام قبول کر لیا۔ واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ یمن کی طرف

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع سے قبل 10 ھ کو حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا۔ بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں 9 ھ غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد یا عام الفتح کو 8 ھ کو وہاں بھیجا۔ یمن کے دو حصے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کو ایک ایک حصہ کا والی مقرر فرمایا۔ یمن کی زبان میں حصہ کو مخلاف، الکورہ، اقلیم اور رستاق بھی کہا جاتا تھا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ عدن کی طرف بلند حصے کے والی تھے۔ اسی طرف جندہ کا مشہور شہر تھا۔ وہیں ان کے نام پر مسجد بنائی گئی۔ جو آج تک مشہور ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری نشیبی حصہ کے والی تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں سے فرمایا ''آسانی پیدا کرنا۔ تنگی پیدا نہ کرنا۔ بشارت دینا۔ نفرت پیدا نہ کرنا''۔ امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''تم عنقریب ایسی قوم کے پاس جاؤ گے جو اہل کتاب ہو گی۔ جب تم ان کے پاس جاؤ تو انہیں دعوت دو کہ وہ یہ گواہی دیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے رسول مکرم ہیں۔ اگر وہ تمہاری اطاعت کر لیں تو انہیں بتاؤ کہ رب تعالیٰ نے شب و روز میں ان پر پانچ نمازیں فرض کیں ہیں۔ اگر یہ بات بھی مان لیں تو انہیں بتاؤ کہ رب تعالیٰ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے۔ جو ان کے اغنیاء سے لی جائے گی اور ان کے فقراء کو دی جائے گی۔ اگر وہ اس میں بھی تمہاری اطاعت کریں تو پھر ان کے بہترین جانور نہ لینا۔ مظلوم کی بددعا سے بچنا کیونکہ اس کی دعا اور رب تعالیٰ کے مابین کوئی حجاب نہیں۔

امام احمد نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انہوں نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے یمن بھیجا تو فرمایا ''میں تمہیں اس قوم کی طرف بھیج رہا ہوں جس کے دل بڑے رقیق ہیں۔ اس میں سے جو تمہاری اطاعت کرلے اس کے ساتھ مل کر اس کے ساتھ جہاد کرو، جو تمہاری نافرمانی کرے'' ابو یعلی نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں وصیت کرنے کے لیے نکلے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سوار تھے۔ جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی سواری کے سایہ میں چل رہے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وصیت سے فارغ ہوئے تو فرمایا ''معاذ! ممکن ہے تم اس سال کے بعد مجھ سے ملاقات نہ کر سکو، شاید تم میری مسجد اور میری قبر انور کے پاس سے گزرو'' یہ سن کر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فراق میں رونے لگے۔ ابن عساکر نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک میل تک چلتے رہے جبکہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق اپنی سواری پر سوار تھے۔ حافظ ابن حجر تحریر کرتے ہیں کہ سیرت نگاروں کا اتفاق ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ یمن میں ہی رہے، پھر حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں مدینہ طیبہ آئے۔ پھر شام چلے گئے۔ وہیں وصال فرمایا۔ سیرت نگاروں کا اختلاف اس میں ہے کہ کیا حضرت معاذ رضی اللہ عنہ والی اور قاضی تھے؟ ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ وہ صرف قاضی تھے۔ امام غسانی نے لکھا ہے کہ وہ مال پر نگران تھے۔ ابن میمون کی حدیث میں تصریح ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نماز پر بھی امیر تھے۔ اس سے اسی موقف کی تائید ہوتی ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ والی تھے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں بہت سی احادیث آئیں ہیں۔ ان میں سے ایک حدیث طیبہ یہ بھی ہے ''حضرت معاذ رضی اللہ عنہ میری

امت میں سے سب سے زیادہ حلال وحرام کو جاننے والے ہیں'' ایک حدیث مبارک یہ بھی ان ہی شان میں ہے ''حضرت معاذ رضی اللہ عنہ روز حشر علماء کے امام ہوں گے''۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حجۃ الوداع کے موقع پر بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضری کی سعادت حاصل کی، مکہ مکرمہ میں آپ سے ملاقات کی سعادت ازلی حاصل کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں یمن بھیجا۔ اسی سے علماء کرام نے ان کے علم وفطانت اور ذہانت کا استدلال کیا ہے، اگر ان میں یہ صلاحیتیں نہ ہوتیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں امارت سپرد نہ کرتے۔ اسی لیے ان پر حضرات عمر فاروق، عثمان غنی اور علی المرتضیٰ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اعتماد کیا۔ خوارج اور رافضی صفین میں تحکیم کو بنیاد بنا کر غفلت اور عدم فطانت کو ان کی طرف منسوب کرتے ہیں، مگر حق یہ ہے کہ ان سے کوئی ایسی لغزش صادر نہیں ہوئی تھی جس کی بناء پر انہیں غفلت اور کند ذہنی کی طرف منسوب کیا جائے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اجتہاد کیا کہ اس معاملہ کو بدری صحابہ کرام کی مشاورت کے ساتھ حل کیا جائے۔ کیونکہ انہوں نے صفین کے مقام پر دو گروہوں میں شدید اختلافات ملاحظہ کیے تھے۔ پھر معاملہ اسی طرح لوٹا جس طرح انہوں نے لوٹایا تھا۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھیجنا

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو حجۃ الوداع سے قبل ربیع الاول 11ھ یا ربیع الآخر یا جمادی الاولیٰ 10ھ بنو عبد المدان کی طرف بھیجا۔ عبد المدان اس قبیلہ کے جد اعلیٰ کا نام تھا۔ اس کا نام عمرو بن یزید بن قطن بن زیاد بن حارث بن مالک بن ربیعہ بن کعب بن حارث تھا۔ اسی لیے ان کو بنو حارث بھی کہا جاتا ہے۔ یہ قبیلہ نجران کے مقام پر آباد تھا۔ نجران کو نجران بن زید بن سباء کی وجہ سے اس نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ ان کے ساتھ جنگ کرنے سے قبل تین بار انہیں اسلام کی دعوت دیں۔ اگر وہ اس دعوت کو قبول کریں تو بہتر ورنہ ان کے ساتھ جنگ کریں۔ حضرت خالد عازم سفر ہو کر ان کے پاس پہنچے۔ ہر طرف اپنے کارواں بھیجے۔ جو انہیں اسلام کی طرف دعوت دیتے تھے۔ وہ کہتے تھے ''اے لوگو! اسلام قبول کرلو، سلامتی پا جاؤ گے'' انہوں نے اسلام قبول کرلیا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ وہیں قیام پذیر ہو گئے۔ وہ انہیں کتاب وسنت کی تعلیم دینے لگے۔ پھر انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف خط لکھ کر اپنی سرگرمیوں سے آگاہ کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واپسی خط میں لکھوایا کہ وہ ان کا وفد لے کر حاضر خدمت ہوں۔ بنو عبد المدان حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ آپ نے قیس بن حصین کو ان کا امیر بنایا۔ وہ شوال کے آخر یا ذوالقعدہ کی ابتداء میں اپنی قوم کی طرف لوٹ آئے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ یمن کی طرف

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے 10ھ رمضان المبارک میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا۔ ان کے لیے جھنڈا باندھا۔ انہیں اپنے ہاتھ سے عمامہ مبارک باندھا۔ انہیں فرمایا ''روانہ ہو جاؤ اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھنا'' حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

نے عرض کی ''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میں کیا کروں گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جب ان کے میدان میں جاؤ تو ان کے ساتھ جنگ نہ کرنا حتیٰ کہ وہ تمہارے ساتھ جنگ کا آغاز کریں۔ انہیں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی دعوت دو۔ اگر وہ ہاں کہہ دیں تو انہیں نماز کا حکم دو۔ اگر وہ اس دعوت پر لبیک کہیں تو ان سے اس کے علاوہ اور کچھ نہ چاہو۔ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے وسیلہ سے ان میں سے کسی ایک شخص کو بھی ہدایت دے دے تو یہ تمہارے لیے ہر اس چیز سے بہتر ہے جس پر سورج طلوع ہوتا ہے یا غروب ہوتا ہے''۔

ابوداؤد نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے یمن بھیجا، میں نے عرض کی ''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم آپ مجھے اس قوم کی طرف بھیج رہے ہیں جس میں مجھ سے عمر رسیدہ افراد موجود ہیں۔ میں نوعمر ہوں، میں فیصلہ نہیں کر سکوں گا'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دست اقدس میرے سینے پر پھیرا۔ یہ دعا مانگی ''مولا! ان کی زبان کو ثابت اور ان کے قلب کو ہدایت نصیب فرما'' پھر فرمایا ''علی! جب تمہارے سامنے دو فریق بیٹھیں تو اس وقت تک فیصلہ نہ کرنا حتیٰ کہ تم دوسرے کی بات بھی سن لو۔ جب تم اس طرح کرو گے تو تمہارے لیے فیصلہ واضح ہو جائے گا''۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''بخدا! اس کے بعد مجھے دو فریقوں کے مابین فیصلہ کرنے میں کبھی کسی تردد کا سامنا نہیں کرنا پڑا''۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تین سو سواروں کے ہمراہ عازم سفر ہوئے۔ جب اس علاقہ میں پہنچے تو اپنے ساتھیوں کو متفرق گروہوں میں منقسم کر دیا۔ وہ مال غنیمت، عورتیں اور بچے لے آئے۔ مال غنیمت جانوروں اور مویشیوں پر مشتمل تھا۔ پھر ان کے لشکر کے ساتھ آمنا سامنا ہو گیا۔ آپ نے انہیں اسلام کی دعوت کی۔ انہوں نے انکار کر دیا۔ مسلمانوں پر پتھروں اور تیروں کی بارش کر دی۔ ان میں سے مذحج کا ایک شخص نکلا۔ اس نے دعوت مبارزت دی۔ حضرت اسود بن خزاعی نے اسے جواب دیا اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس کا سامان حاصل کر لیا۔ پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کی صف بندی کی۔ حضرت مسعود بن سنان اسلمی رضی اللہ عنہ کو جھنڈا عطا کیا۔ دشمن کے بیس افراد کو تہ تیغ کر دیا۔ وہ شکست کھا کر منتشر ہو گئے۔ آپ نے ان کا تعاقب نہ کیا۔ پھر ان کے پاس جا کر انہیں اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے یہ دعوت تیزی سے قبول کر لی۔ ان کے کئی رؤساء نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اسلام پر بیعت کر لی۔ انہوں نے کہا ''یہ ہمارے صدقات ہیں۔ ان میں سے رب تعالیٰ کا حق لے لیں'' حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے مال غنیمت جمع کیا۔ اس کے پانچ حصے کیے۔ ایک حصہ پر اللہ تعالیٰ کا نام لکھا۔ اس پر قرعہ اندازی کی۔ پہلا تیر خمس کا نکلا۔ باقی مال غنیمت مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔ پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ واپس لوٹ آئے۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ میں جلوہ افروز تھے۔ آپ 10ھ کو حج کے لیے تشریف لے جا چکے تھے۔

بعض روایات میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا۔ یہ رمضان المبارک کا مہینہ تھا 10ھ تھی۔ سارے قبیلہ ہمدان نے ایک ہی دن میں اسلام قبول کر لیا۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خط لکھا۔ اس میں اس نعمت کا ذکر کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ مکتوب سنا تو فوراً سجدہ ریز ہو گئے۔ پھر فرمایا ''سارے ہمدان پر سلامتی ہو'' مگر اس روایت کی تاریخ 10ھ لکھی گئی ہے جو وہم ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ہمدان کی طرف 10ھ کو نہیں بھیجا تھا۔ بلکہ 10ھ

کو بنومذحج کی طرف بھیجا تھا۔ آپ نے ہمدان کی طرف آپ کو 8ھ فتح مکہ کے بعد بھیجا تھا۔ اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف دو بار بھیجا۔

امام بخاری نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہمراہ یمن کی طرف بھیجا۔ پھر بعد میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو حضرت خالد بن ولید کی جگہ بھیجا۔ آپ نے فرمایا ''حضرت خالد کے ساتھیوں کو حکم دو کہ جو ان میں سے آپ کے ساتھ واپس جانا چاہے، وہ واپس چلا جائے'' میں بھی ان افراد میں سے تھا جو واپس چلے گئے۔ مجھے کئی اوقیہ چاندی بطور مال غنیمت ملی'' بعض روایات میں یہ اضافہ ہے ''جب ہم اس قوم کے قریب پہنچے تو وہ ہماری طرف نکلے، انہوں نے ہماری طرف صفیں بنا کر نماز پڑھی پھر وہ ہمارے سامنے آ گئے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مکتوب گرامی پڑھ کر سنایا۔ جسے سن کر سارا قبیلہ ہمدان دولت اسلام سے مالا مال ہو گیا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کے اسلام کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خط ارسال کیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ خط سنا تو فوراً سجدہ ریز ہو گئے۔ پھر سر اقدس بلند فرمایا اور فرمایا ''ہمدان پر سلامتی ہو'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ طائف سے واپسی اور جعرانہ میں مال غنیمت تقسیم کرنے کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ہمدان کی طرف بھیجا۔ اس میں اس امر کی صراحت موجود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو پہلی بار 8ھ کے آخر میں ہمدان کی طرف بھیجا۔ دوسری بار رمضان المبارک 10ھ کو مذحج کی طرف بھیجا۔

حجۃ الوداع

10ھ کو تاجدار حرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع ادا فرمایا۔ اس حج کو حجۃ الوداع اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ اسی سال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو الوداع فرمایا۔ اس حج کے کچھ ہی عرصہ بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وصال فرمایا۔ اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کی مراد سمجھ گئے۔ اسی سال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو وصیت کے ساتھ الوداع کیا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کفر کی طرف نہ لوٹ جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر اپنے اس وداع کو محکم فرمایا۔ آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گواہ بنایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رب غفور کا پیغام کسی کم وکاست کے بغیر ان تک پہنچا دیا۔

اس حج کو حجۃ الاسلام کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ کیونکہ حج فرض ہو جانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ سے اس کے علاوہ اور کوئی حج ادا نہیں فرمایا۔ اسے حجۃ البلاغ بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سال قول وفعل کے اعتبار سے احکام شرعیہ لوگوں تک پہنچائے۔ اس حج کو حجۃ التمام والکمال بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (المائدہ:3)

''آج میں نے مکمل کر دیا ہے تمہارے لیے تمہارا دین اور پوری کر دی ہے تم پر اپنی نعمت اور میں نے پسند کر لیا ہے تمہارے لیے اسلام کو بطور دین''۔

اس وقت حضور اکرم ﷺ میدان عرفہ میں جلوہ افروز تھے۔ مدینہ طیبہ ہجرت فرما ہو جانے کے بعد آپ مدینہ منورہ میں ہی قیام فرما رہے۔ آپ ﷺ وہیں ہر سال قربانی کرتے رہے۔ آپ جہاد کے لئے سفر فرماتے رہے۔ مختلف سرایا اور بعوث بھیجتے رہے۔ کیونکہ جہاد کا حکم مل چکا تھا۔ جب 10ھ ذوالقعدہ کا ماہ مبارک آیا تو آپ ﷺ نے حج ادا فرمانے کا عزم فرمایا۔ خود بھی تیاری فرمائی۔ صحابہ کرام کو بھی تیاری کا حکم دیا آپ ﷺ نے ہجرت فرمانے کے بعد اس کے علاوہ اور کوئی حج ادا نہیں فرمایا۔

حضرت ابو اسحاق السبیعی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ سے ایک اور حج بھی ادا فرمایا۔ لیکن اس روایت میں ''ایک اور'' ان الفاظ سے وہم پیدا ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے ہجرت سے قبل صرف ایک ہی حج کیا۔ لیکن یہ قول درست نہیں۔ کیونکہ آپ ﷺ نے ہجرت سے قبل کئی حج کیے۔ ایک اور قول کے مطابق آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ سے دو حج کئے۔ ایک اور روایت میں تین حجوں کا بھی ذکر ہے۔ لیکن وہ حقیقت جو ہر قسم کے گردوغبار سے پاک ہے وہ یہ ہے۔ شرح زرقانی میں بھی اسی حقیقت کو عیاں کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ جب تک مکہ مکرمہ میں جلوہ افروز رہے۔ آپ ﷺ نے ایک حج بھی ترک نہیں فرمایا۔ کیونکہ زمانہ جاہلیت میں قریش حج ترک نہیں کرتے تھے۔ حج سے صرف وہی پیچھے رہتا تھا جو مکہ معظمہ میں موجود نہ ہوتا تھا۔ یا اسے کمزوری اور بڑھاپا آجاتا۔ بلکہ وہ تو ان لوگوں کو بھی حج کی دعوت دیتے تھے جو ان کے دین پر نہیں ہوتا تھا۔ حج کرنا ان کے لئے باعث فخر ہوتا تھا۔ اسی لیے وہ دیگر اہل عرب پر امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔ آپ ﷺ کے متعلق یہ ادنیٰ سا شائبہ بھی کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ نے حج ترک کر دیا ہو۔ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت بھی ہے کہ انہوں نے جاہلیت میں حضور اکرم ﷺ کی زیارت بھی کی۔ اس وقت آپ ﷺ عرفہ میں جلوہ نما تھے۔ یہ صرف آپ ﷺ کے لئے توفیق ایزدی ہی تھی۔ قریش وقوف تو کرتے تھے۔ لیکن حرم سے باہر نہیں نکلتے تھے۔ مگر حضور ﷺ ان کی مخالفت کرتے تھے۔ حضور ﷺ عرفہ تشریف لے جاتے۔ وہاں بقیہ عرب کے ساتھ وقوف فرماتے۔ صحیح روایت کے مطابق آپ ﷺ منیٰ میں لگاتار مختلف قبائل کو اسلام کے چشمہ صافی کی طرف دعوت بھی دیتے رہے۔ علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں ''ابن سعد کا یہ قول قبول نہیں کیا جائے گا کہ حضور اکرم ﷺ نے بعثت کے بعد صرف حجۃ الوداع ہی ادا فرمایا۔ کیونکہ مثبت نافی پر مقدم ہوتا ہے۔ خصوصاً اس وقت جبکہ اس کے اثبات کی کوئی دلیل بھی ہو۔ اور نافی کے پاس اس کی نفی کی دلیل نہ ہو''

ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ تحریر کرتے ہیں ''آپ ﷺ نے بہت سے حج کیے جن کی صحیح تعداد کسی کو معلوم نہیں'' علامہ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ''نہایہ'' میں لکھا ہے ''ہجرت سے قبل حضور ﷺ ہر سال حج ادا فرماتے تھے''۔

10ھ کو ابھی ذوالعقدہ کے پانچ دن باقی تھے کہ ہفتہ کے روز آپ ﷺ نماز ظہر اور نماز عصر کے درمیان عازم سفر ہوئے۔ مدینہ طیبہ میں حضرت ابودجانہ الساعدی رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا۔ دوسری روایت کے مطابق نیابت کے فرائض حضرت سباع بن عرفطہ الغفاری رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمائے۔ ساری امہات المومنین رضی اللہ عنہن کو رفاقت کا ابدی شرف حاصل تھا۔ جب آپ ﷺ عازم سفر ہونے لگے تو اس رات اپنی ساری ازواج مطہرات سے وظیفۂ زوجیت ادا فرمایا۔ پہلے غسل

فرمایا پھر احرام کے لیے ایک اور غسل فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتوار کے روز چار ذوالحجہ کو صبح سویرے مکہ مکرمہ میں رونق افزا ہو گئے۔ آپ کے ہمراہ نوے ہزار مسلمانوں کا جم غفیر تھا۔ دوسری روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ ایک لاکھ چوبیس ہزار مسلمان تھے۔ بعض روایات میں اس سے بھی زیادہ تعداد کا ذکر ہے۔ یہ ان مسلمانوں کی تعداد ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ غازم سفر ہوئے تھے۔ جن فرخندہ فال لوگوں کو آپ کے ہمراہ حج کرنے کی سعادت ازلی نصیب ہوئی ان کی تعداد کہیں زیادہ تھی۔ مثلاً مکہ مکرمہ کے باسی، حضرت علی المرتضی اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ہمراہ آنے والے حضرات۔

حدیث مبارک ہے کہ اللہ رب العزت نے اس مقدس گھر سے وعدہ کیا ہے کہ ہر سال چھ لاکھ افراد اس کا حج کریں گے۔ اگر آدمیوں کی تعداد اس سے کم ہوئی تو رب تعالیٰ اپنے فرشتے بھیج کر یہ تعداد پوری کر دے گا۔

حجۃ الوداع کے مباحث پر طویل گفتگو ہوئی ہے۔ جو سیرت کی کتب میں مرقوم ہے۔ اس کے تذکرہ کی کوئی ضرورت نہیں۔

وفود کی بارگاہ رسالت پناہ میں حاضری

اس باب میں ان وفود کا تذکرہ کیا جائے گا جنہیں بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضری کا شرف سرمدی نصیب ہوا اور ان کا تذکرہ پہلے نہیں ہوا۔ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ بنو ہوازن کا وفد آپ کی خدمت اقدس میں جعرانہ کے مقام پر حاضر ہوا۔ اسی طرح مالک بن عوف نصری نے حاضری دی۔ یہ 8ھ کے آواخر کی بات ہے۔ اسی طرح سریہ حضرت عیینہ بن حصن میں بنو تمیم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ وفد ۹ھ میں حرم میں حاضر خدمت ہوا تھا۔

نصاریٰ نجران کا وفد

ہجرت کے بعد نجران کے عیسائیوں کا وفد مدینہ طیبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ تعداد میں ساٹھ تھے۔ یہ حضرت عیسیٰ رضی اللہ عنہ کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مجادلہ کرنے آئے تھے۔ نجران ایک بہت بڑا شہر تھا۔ جو مکہ مکرمہ سے یمن کی سمت سات مراحل پر تھا۔ یہ تہتر (73) گاؤں پر مشتمل تھا۔ جب یہ وفد مدینہ طیبہ میں آیا اور مسجد نبوی میں حاضر ہوا تو صحابہ کرام نماز عصر ادا کر چکے تھے۔ یہ لوگ بھی مسجد نبوی میں نماز پڑھنے لگے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انہیں منع کرنا چاہا۔ کیونکہ اس طرح ان کے باطل دین کا اظہار تھا۔ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "انہیں چھوڑ دو" یہ حسن سلوک ان کی تالیف قلبی، ان کے اسلام لانے کی امید اور ان کے امان میں داخل ہونے کی وجہ سے تھا۔ اس میں باطل کا اقرار مضمر نہیں۔ بلکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے ایک وسیلہ مقرر کیا تاکہ وہ حق میں داخل ہو جائیں۔ نصاریٰ نے مشرق کی طرف منہ کیا۔ اور اپنی نماز پڑھی۔ جب وہ مسجد نبوی میں داخل ہوئے تو انہوں نے عمدہ پوشاکیں پہن رکھی تھیں۔ ریشمی چادریں زیب بدن کر رکھی تھیں۔ سونے کی انگوٹھیاں پہن رکھی تھیں۔ وہ تحائف بھی لے کر آئے تھے۔ ان تحائف اور ہدایا میں ریشمی چادریں شامل تھیں۔ جن پر تصاویر تھیں۔ وہ کچھ کمبل بھی لے کر حاضر خدمت ہوئے تھے۔ لوگ وہ تصاویر دیکھنے لگے۔ حضور تاجدار حرمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ان چادروں کی تو مجھے کوئی ضرورت نہیں۔ البتہ تم مجھے کمبل دو گے تو میں انہیں قبول کر لوں گا"۔ نصاریٰ نے عرض کیا

"ہاں! ہم یہ کمبل آپ کی خدمت میں پیش کر دیتے ہیں" جب فقراء مسلمانوں نے ان کی آرائش وزیبائش کو دیکھا تو ان کے نفوس دنیا کی طرف مائل ہونے لگے۔ اللہ رب العزت نے یہ آیت طیبہ نازل کی۔

قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝ (آل عمران)

"آپ فرمائیے کیا بتاؤں میں تمہیں اس سے بہتر چیز ان کیلئے جو متقی ہیں ان کے رب کے ہاں باغات ہیں۔ رواں ہیں ان کے نیچے نہریں ہمیشہ رہیں گے (متقی) ان میں اور (ان کے لیے) پاکیزہ بیویاں ہونگی اور حاصل ہوگی انہیں خوشنودی اللہ کی اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھنے والا ہے اپنے بندوں کو"۔

جب عیسائی نماز سے فارغ ہوگئے تو حضور مبلغ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر سلام پیش کیا۔ ان پر قرآن مجید کی تلاوت کی۔ مگر انہوں نے اسلام قبول نہ کیا۔ انہوں نے کہا "ہم آپ سے قبل ہی مسلمان ہیں" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تم نے جھوٹ بولا ہے۔ تین چیزیں تمہیں اسلام سے روکتی ہیں۔ ❶ صلیب کی عبادت ❷ سؤر کا گوشت کھانا ❸ تمہارا یہ گمان کہ اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے۔ (نعوذ باللہ منہ)

ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نجران کا وفد بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی "آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے صاحب کا تذکرہ کس طرح کرتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تمہارے کس صاحب کا"؟ انہوں نے عرض کی "حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گمان ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ہاں" انہوں نے عرض کی "کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثل کسی کو دیکھا ہے۔ یا کسی ایسی ذات سے آگاہ ہیں؟ پھر وہ آپ کے پاس سے چلے گئے۔ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے عرض کی" جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں تو انہیں یوں فرمائیں۔

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝ (آل عمران)

دوسری روایت کے مطابق ان میں سے ایک شخص نے کہا "مسیح اللہ کے بیٹے ہیں۔ کیونکہ وہ بن باپ کے پیدا ہوئے" دوسرے شخص نے کہا "مسیح اللہ ہیں۔ کیونکہ انہوں نے مردے زندہ کیے۔ غیب کے متعلق بتایا، ساری امراض سے شفایاب کیا، مٹی سے پرندہ بنایا"۔ ان کے افضل شخص نے کہا "آپ انہیں برا بھلا کیوں کہتے ہیں۔ آپ کا گمان ہے کہ وہ بندے ہیں" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "وہ اللہ تعالیٰ کے بندۂ (خاص) ہیں اور وہ پاکیزہ کلمہ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم رضی اللہ عنہا کی طرف پھینکا تھا" یہ فرمان حق ترجمان سن کر عیسائی غضبناک ہوگئے۔ انہوں نے کہا "ہم صرف اس صورت میں آپ سے راضی ہوں گے جب آپ کہیں گے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام الہ ہیں۔ اگر آپ سچے ہیں تو ہمیں اللہ تعالیٰ کا ایک ایسا بندہ دکھائیں جو مردہ کو زندہ کرتا ہو۔ مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو صحت یاب کرتا ہو۔ جو مٹی سے پرندہ بنائے پھر اس میں پھونک مارتا ہو تو وہ پرندہ بن کر محو

پرواز ہو جاتا ہو"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سکوت اختیار فرمایا۔ پھر یہ آیت طیبہ تلاوت فرمائی۔

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۵۹﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۶۰﴾ فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ۫ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۱﴾ (آل عمران)

"بے شک مثل عیسیٰ علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک آدم علیہ السلام کی مانند ہے۔ بنایا اسے مٹی سے پھر فرمایا اسے ہو جا تو وہ ہو گیا۔ (اے سننے والے) یہ حقیقت (کہ عیسیٰ انسان ہیں) تیرے رب کی طرف سے (بیان کی گئی) ہے پس تو نہ ہو جا شک کرنے والوں سے۔ پھر جو شخص جھگڑا کرے آپ سے اس بارے میں اس کے بعد کہ آ گیا آپ کے پاس علم تو آپ کہہ دیجئے کہ آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹوں کو بھی اور تمہارے بیٹوں کو بھی اور اپنی عورتوں کو بھی اور تمہاری عورتوں کو بھی اپنے آپ کو بھی اور تم کو بھی پھر بڑی عاجزی سے اللہ کے حضور التجا کریں پھر بھیجیں اللہ تعالیٰ کی لعنت جھوٹوں پر"۔ (جمال القرآن)

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں فرمایا "اللہ رب العزت نے مجھے حکم دیا ہے کہ اگر تم اسلام کے لیے سر تسلیم خم نہیں کرتے تو میں تمہارے ساتھ مباہلہ کروں یعنی ہم دعا کرتے ہیں۔ دعا میں انتہائی مبالغہ کرتے ہیں۔ جھوٹے پر لعنت بھیجتے ہیں۔ ان عیسائیوں نے عرض کی "ابو القاسم علیہ الصلوٰۃ والسلام! ہم واپس چلے جاتے ہیں اور اپنے معاملہ میں غور و فکر کرتے ہیں" انہوں نے باہم مشاورت کی۔ ان میں سے ایک نے کہا "بخدا! تم خوب جانتے ہو کہ یہ ہستی نبی مرسل ہے۔ کوئی قوم کسی بھی نبی پر لعنت نہیں کرتی مگر اسے جڑ سے اکھیڑ دیا جاتا ہے۔ اگر تم اپنے دین کو ہی اختیار کرنا چاہتے ہو تو انہیں چھوڑ دو۔ ان کے ساتھ صلح کر لو اور اپنے شہر لوٹ چلو"۔

دوسری روایت کے مطابق وہ عیسائی بنو قریظہ اور بنو قینقاع کے پاس گئے۔ اور ان کے بقیہ افراد کے ساتھ مشاورت کی۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ وہ آپ سے صلح کریں، مباہلہ نہ کریں۔ ایک اور روایت کے مطابق انہوں نے آئندہ کل کا وعدہ کیا۔ دوسرے روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طرح رونق افروز ہوئے کہ آپ کے ہمراہ حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء حضرت علی المرتضیٰ، حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہم تھے۔ ان کے لارڈ پادری نے کہا "میں ایسے نورفشاں چہرے دیکھ رہا ہوں کہ وہ اگر رب تعالیٰ سے التجاء کریں کہ وہ ان کے لیے پہاڑ ہٹا دے تو وہ ضرور پہاڑ ہٹا دے گا، ان کے ساتھ مباہلہ نہ کرو۔ ورنہ تم ہلاک ہو جاؤ گے اور روئے زمین پر ایک عیسائی بھی باقی نہیں رہے گا" انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی "ہم آپ کے ساتھ مباہلہ نہیں کریں گے"۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر آپ نے ان کے ساتھ مباہلہ کیا تو آپ کے دست اقدس میں کس کس کا ہاتھ ہو گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میں علی، فاطمہ، حسن، حسین، عائشہ اور حفصہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پکڑ کر ان کے ساتھ مباہلہ کروں گا" روایت کی یہ زیادتی اللہ رب

العزت کے اس فرمان کے ساتھ موافقت رکھتی ہے ''وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ (آل عمران: 61)

حضور تاجدار ختم النبوۃ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''مجھے اس ذات کریمانہ کی قسم جس کے دست تصرف میں میری جان ہے۔ اہل نجران پر عذاب نیچے لٹک چکا تھا۔ اگر وہ میرے ساتھ مباہلہ کرتے تو وہ بندروں اور خنزیروں میں مسخ ہو جاتے۔ ان کے لیے آگ کی وادی شعلہ بار ہو جاتی۔ اللہ رب العزت نجران اور اس کے اہل کو جڑ سے اکھیڑ پھینکتا۔ حتیٰ کہ پرندے درختوں پر ہلاک ہو جاتے'' ان عیسائیوں کو ایک سال بھی نہیں گزرا تھا کہ وہ مر گئے۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جزیہ پر مصالحت کر لی کہ وہ ایک ہزار حلے صفر میں اور ایک ہزار حلے رجب میں پیش کیا کریں گے۔ ہر حلہ کے ساتھ ایک اوقیہ چاندی بھی ہوگی'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے مکتوب گرامی لکھوایا۔ انہوں نے عرض کی کہ آپ ہمارے ہمراہ کوئی امین بھیجیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ہمراہ حضرت ابو عبیدہ عامر بن الجراح رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ ان سے فرمایا ''یہ اس امت کے امین ہیں'' دوسری روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''یہ قوی امین ہیں'' اسی لیے صحابہ کرام میں انہیں امین کے نام ساتھ پکارا جاتا تھا۔ اہل نجران بھی انہیں امین کہتے تھے۔ اہل نجران کے رد میں اللہ رب العزت نے سورۂ آل عمران کی اکثر آیات طیبات نازل کیں۔ اس مبارک سورت کا آغاز توحید سے فرمایا۔ پھر فرمایا۔

هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ (آل عمران: 6)

''وہی ہے جو تمہاری تصویریں بناتا ہے (ماؤں کے) رحموں میں جس طرح چاہتا ہے''۔ (جمال القرآن)

وہ جیسے چاہے تمہاری تخلیق کرے۔ خواہ تمہیں ماں اور باپ سے پیدا کرے یا باپ کے بغیر ماں سے پیدا کرے۔

حضرت تمیم داری اور ان کے ساتھیوں کا وفد

داریوں میں سے حضرت ابو تمیم داری، ان کے بھائی نعیم اور دیگر چار افراد حاضر خدمت ہوئے۔ یہ پہلے عیسائی تھے۔ پھر دولت اسلام سمیٹ لی۔ ان کا وفد دو بار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ایک بار ہجرت سے قبل مکہ مکرمہ میں حاضر ہوئے۔ دوسری بار ہجرت کے بعد حاضر خدمت ہوئے۔ پہلی بار انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کہ آپ انہیں سر زمین شام سے زمین کا ایک ٹکڑا عنایت فرمائیں۔ حضور، پیکر جود و کرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جہاں سے چاہو مانگ لو'' اس وفد میں حضرت ابو ہند رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ انہوں نے فرمایا ''ہم آپ کی بارگاہ سے اٹھے۔ تاکہ مشاورت کر لیں کہ کون سی زمین لیں'' حضرت تمیم نے کہا ''ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیت المقدس اور اس کے اردگرد کا علاقہ مانگ لیتے ہیں'' حضرت ابو ھند نے انہیں کہا ''یہ عجمی بادشاہوں کا علاقہ ہے۔ یہ عنقریب عرب بادشاہوں کا علاقہ بن جائے گا۔ مجھے خدشہ یہ کہ ہے مکمل علاقہ ہمیں نہیں مل پائے گا'' حضرت تمیم رضی اللہ عنہ نے کہا ''ہم آپ سے بیت جیرون کا علاقہ طلب کرتے ہیں'' ہم اٹھ کر بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہو گئے اور یہی عرض کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چمڑے کا ایک ٹکڑا منگوایا اور ہمارے لیے یہ خط لکھوایا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

''یہ وہ مکتوب گرامی ہے جس میں اس عنایت کا تذکرہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے داریوں کو عطا فرمائی ہے۔ اللہ

رب العزت نے آپ کو زمین عطا فرما دی۔ آپ نے داریوں کو بیت عینون، جیرون، مرطوم اور بیت ابراہیم کا علاقہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے عطا فرما دیا ہے''۔

حضرت عباس بن عبد المطلب، خزیمہ بن قیس اور شرحبیل بن حسنہ نے اس تحریر پر اپنے دستخط کیے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ مکتوب گرامی ہمیں عطا فرما دیا۔ اور فرمایا'' واپس لوٹ جاؤ حتیٰ کہ سن لو کہ میں نے ہجرت کر لی ہے'' حضرت ابوہند رضی اللہ عنہ نے فرمایا'' ہم واپس آ گئے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت فرمائی تو ہم دوبارہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ ہم نے عرض کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مکتوب گرامی کی تجدید کریں'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک اور مکتوب گرامی لکھوایا۔ جس کا مضمون یہ تھا۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یہ وہ عنایت ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمیم داری اور ان کے ساتھیوں کو عطا فرمائی۔ میں نے تمہیں بیت عینون، جیرون، مرطوم، بیت ابراہیم کا علاقہ اور اس میں موجود سب کچھ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بخش دیا۔ میں نے انہیں اور ان کی اولاد کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بخش دیا۔ جو انہیں اذیت دے۔ اللہ تعالیٰ اسے اذیت سے دوچار کرے''۔

اس مکتوب گرامی پر حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، علی المرتضی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہم کے دستخط دیے۔ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کے فضائل میں سے ایک فضلیت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے روایت کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا اور فرمایا'' مجھے تمیم داری نے بیان کیا ہے'' آپ نے بہترین جاسوس کا ذکر فرمایا۔ اس روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا '' حضرت تمیم رضی اللہ عنہ کشتی پر سوار ہوئے۔ کشتی راستہ بھول گئی، وہ ایک جزیرے پر جا پہنچے۔ وہ پانی کی تلاش میں کشتی سے باہر نکلے۔ انہیں ایک انسان ملا جو اپنے بال کھینچ رہا تھا۔ انہوں نے اس سے پوچھا'' تو کون ہے؟ اس نے کہا'' میں جاسوس ہوں'' مسافروں نے پوچھا'' ہمیں کچھ بتاؤ؟ اس جاسوس نے کہا'' میں تمہیں کچھ نہیں بتاؤں گا۔ لیکن تم اس جزیرے میں چلے جاؤ''۔ ہم اس جزیرے میں داخل ہو گئے۔ وہاں ایک شخص دیکھا جو پابند سلاسل تھا۔ اس نے پوچھا'' تم کون ہو؟ ہم نے کہا '' ہمارا تعلق عرب کے ساتھ ہے'' اس نے کہا'' اس نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا بنا جن کا ظہور تم میں سے ہوا''۔ ہم نے کہا'' لوگ ان پر ایمان لے آئے ہیں۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق اور اتباع کر لی ہے'' اس شخص نے کہا'' یہی ان کے لیے بہتر تھا۔ کیا تم مجھے اس مبہوت آنکھ کے متعلق نہیں بتاتے کہ اس نے کیا کیا ہے؟ ہم نے اسے اس کے متعلق بتایا تو وہ فوراً اچھلا۔ پھر اس نے کہا'' بیسان کی کھجور نے کیا کیا؟ کیا اس نے بعد میں کھلایا'' ہم نے اسے بتایا کہ اس نے کھلایا تو فوراً اچھلا پھر کہا'' اگر مجھے خروج کا حکم دیا گیا تو میں طیبہ کے علاوہ سارے شہروں کو روندھ ڈالوں گا''۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے یہ روایت حاصل کی اور صحابہ کرام کے سامنے بیان کی پھر فرمایا'' یہ شہر خوباں طیبہ ہے وہ دجال تھا۔ ابن عبد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا'' محدثین جو کبار کی صغار سے روایت لینے کے متعلق تذکرہ کرتے ہیں۔ یہ ان سب سے افضل ہے'' اہل سیر نے لکھا ہے کہ مکہ مکرمہ فتح ہو گیا۔ قریش آپ کے قریب ہوئے تو اہل عرب جان گئے کہ ان کے پاس حضور نبی کریم کے ساتھ جنگ کرنے کی سکت نہیں۔ آپ کے ساتھ عداوت رکھنے کی طاقت نہیں۔ کیونکہ عرب کی زمام اقتدار قریش

کے ہاتھ میں تھی۔ جب انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو لوگ دین اسلام میں جوق در جوق داخل ہونے لگے۔ لگاتار وفود آپ ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہونے لگے۔

وفد ثقیف

جب حضور داعیٔ اعظم ﷺ رمضان المبارک میں تبوک سے واپس تشریف لائے تو اسی ماہ مقدس میں ثقیف کا وفد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان کی داستان عشق انگیز یہ ہے۔ ''جب حضور ﷺ بنو ثقیف کے محاصرہ سے واپس تشریف لائے تو عروہ بن مسعود آپ ﷺ کے پیچھے عازم سفر ہوئے۔ وہ آپ کے مدینہ طیبہ پہنچنے سے پہلے ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ دولت اسلام سے مالا مال ہو گئے۔ انہوں نے التجاء کی کہ وہ اپنی قوم کے پاس لوٹ جائیں اور انہیں اسلام کے چشمہ صافی کی طرف دعوت دیں۔ مگر حضور ﷺ نے فرمایا ''وہ تمہیں شہید کر دیں گے''۔ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''یا رسول اللہ ﷺ میں انہیں ان کی اولاد سے بڑھ کر محبوب ہوں'' دوسری روایت میں ہے ''میں انہیں ان کی آنکھوں سے زیادہ محبوب ہوں''، وہ اپنی قوم کو دین حق کی دعوت دینے کے لیے نکلے۔ انہیں اپنے مقام و منصب کی وجہ سے امید تھی کہ ان کی قوم ان کی مخالفت نہیں کرے گی۔ کیونکہ وہ ان کے پسندیدہ اور قابل اطاعت تھے۔ وہ یہ قول انہی کے متعلق کہتے تھے جسے رب تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ﴿۳۱﴾ (الزخرف)

''اور کہنے لگے کیوں نہ اتارا گیا یہ قرآن کسی ایسے آدمی پر جو ان دو شہروں میں بڑا ہے''۔

دو بستیوں سے مراد طائف اور مکہ مکرمہ کے شہر ہیں۔ دو آدمیوں سے مراد ولید بن مغیرہ اور حضرت عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ اپنی قوم کی طرف تشریف لے گئے۔ جب ان کے درمیان جلوہ نما ہوئے تو انہیں اسلام کی طرف دعوت دی۔ اپنے دین کا اظہار کر دیا۔ ان کی قوم نے ان پر ہر جہت سے تیر اندازی شروع کر دی۔ ایک تیر انہیں لگا اور وہ پیک اجل کو لبیک کہہ گئے۔ دوسری روایت کے مطابق وہ عشاء کے وقت طائف پہنچے بنو ثقیف انہیں سلام کرنے آئے۔ انہوں نے اپنی قوم کو اسلام کی طرف دعوت دی۔ ان کے لیے خیر خواہی کا اظہار کیا۔ مگر قوم نے ان کی نافرمانی کی۔ انہیں اذیت ناک باتیں سنائیں۔ جن کی انہیں قوم سے امید نہ تھی۔ قوم اٹھ کر چلی آئی۔ وقت سحر طلوع فجر کے وقت یہ اپنے ایک کمرہ پر کھڑے ہوئے اور کلمہ شہادت پڑھا۔ بنو ثقیف کے ایک شخص نے انہیں تیر مار کر شہید کر دیا۔ وصال سے قبل ان سے پوچھا ''تم اپنے خون میں کیا دیکھتے ہو؟ انہوں نے فرمایا مجھے اس میں وہ کرامت نظر آ رہی ہے جس سے رب تعالیٰ نے مجھے سرفراز فرمایا ہے۔ مجھے اس میں وہ شہادت بھی نظر آ رہی ہے جسے رب تعالیٰ نے مجھے عنایت فرمایا ہے۔ مجھ میں وہی کچھ پنہاں ہے جو کچھ ان شہداء میں مخفی تھا جو حضور ﷺ کے ہمراہ یہاں شہید ہوئے تھے۔ مجھے ان شہداء کے ساتھ ہی دفن کرنا'' قوم نے انہیں ان شہداء کے ساتھ ہی دفن کر دیا حضور نبی اکرم ﷺ نے ان کے متعلق فرمایا یہ اپنی قوم میں صاحب یٰسین کی طرح تھے۔ اس نے اپنی قوم سے کہا

اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۰﴾ (یٰسین) ''مرسلین کا اتباع کرو''۔

مگر اس کی قوم نے اسے شہید کر دیا۔ اس سے مراد وہ مرد مومن ہے جس کا تذکرہ سورۃ یٰسین میں ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی فرمان ایک اور شخص کے متعلق بھی فرمایا۔ جسے قرہ بن حصن یا ابن الحرث کہا جاتا تھا۔ حضور ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بنو ہلال بن عامر کی طرف بھیجا تاکہ وہ انہیں اسلام کی طرف دعوت دیں۔ مگر انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے متعلق بھی فرمایا ''اس کی مثال صاحب یٰسین کی مانند ہے''۔

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کے بعد بنوثقیف کچھ مدت وہیں ٹھہرے رہے۔ پھر باہم مشاورت کی۔ انہوں نے دیکھا کہ ان کے پاس طاقت نہیں کہ وہ اپنے اردگرد کے عربوں سے جنگ کر سکیں۔ انہوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ وہ بارگاہ رسالت پناہ میں ایک شخص بھیجیں۔ انہوں نے اس کی بابت عبد یالیل بن عمر سے بات کی۔ یہ حضرت عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ہم عمر ہی تھا۔ مگر اس نے اس اندیشہ سے انکار کر دیا کہ اس کے ساتھ بھی اسی طرح کا سلوک نہ کیا جائے جیسا سلوک حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے کیا گیا۔ ایک اور روایت کے مطابق بنوثقیف نے مسعود بن عبد یالیل سے گفتگو کی۔ اس نے کہا ''میں اس طرح ہرگز نہیں کروں گا حتیٰ کہ تم میرے ہمراہ کچھ افراد بھیج دو''۔ انہوں نے اس کے ہمراہ پانچ افراد بھیجے جن میں بنوثقیف کا رئیس شرحبیل بن غیلان بھی تھا۔ دوسری روایت کے مطابق بنوثقیف کے انیس افراد نے بارگاہ رسالت میں حاضری کا شرف حاصل کیا۔ ان میں کنانہ بن عبد یالیل بھی تھا۔ یہ اس وقت ان کا رئیس تھا۔ ان میں عثمان بن ابی العاص بھی شامل تھا۔ یہ سب سے کم عمر تھا۔ جب یہ مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے تو انہیں حضرت مغیرہ بن شعبہ الثقفی رضی اللہ عنہ نے دیکھ لیا۔ وہ جلدی سے گئے تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے آنے کا مژدہ جانفزا سنائیں۔ انہیں راستہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ملے۔ انہوں نے یہ بات حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے گوش گزار کی۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا ''میں تمہیں قسم دے کر کہتا ہوں کہ تم مجھ سے پہلے بارگاہ نبوت میں حاضر نہیں ہو گے۔ حتیٰ کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل کر لوں''۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے ان کی بات مان لی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ اور بنوثقیف کے آنے کا مژدہ جانفزا سنایا۔ پھر حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ باہر نکلے انہوں نے بنوثقیف کو بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آداب سکھائے۔ مگر انہوں نے اس طرح سلام کرنے پر ہی اصرار کیا ''عِمْ صَبَاحًا'' پھر وہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو گئے۔ ان کے لیے مسجد نبوی کے ایک کونہ میں خیمہ لگا دیا گیا۔ تاکہ وہ قرآن پاک سماعت کر سکیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ سکیں۔ وہ ہر روز بارگاہ رسالت پناہ میں حاضر ہوتے۔ اپنے سامان کے پاس عثمان بن ابی العاص کو چھوڑ آتے۔ جب بنوثقیف واپس جاتے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہو جاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دین متین کے مسائل سیکھتے۔ قرآن پاک کا علم حاصل کرتے۔ جب یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محو استراحت پاتے تو یہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں حاضر ہو جاتے۔ وہ یہ بات اپنے دیگر رفقاء سے مخفی رکھتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے اس زیبا فعل پر تعجب کا اظہار کیا اور ان سے شفقت فرمائی۔

حضرت ابن مندہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے عامل مقرر کیا۔ حالانکہ میں ان بنوثقیف میں سے سب سے چھوٹا تھا۔ جو وفد کی صورت میں آپ کی بارگاہ والا

میں حاضر ہوئے تھے۔ کیونکہ میں نے وہیں قیام کے دوران سورۃ البقرۃ پڑھ لی تھی''۔ انہی سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''میں نے عرض کی'' یارسول اللہ! ﷺ قرآن مجید مجھ سے چھوٹ جاتا ہے''۔ آپ ﷺ نے اپنا دست حق نما میرے سینے پر رکھا اور فرمایا ''اے شیطان! عثمان کے سینے سے نکل جا'' اس کے بعد مجھے وہ چیز کبھی بھی فراموش نہ ہوئی جسے میں یاد کرنے کا ارادہ کرتا'' ان ہی سے مرفوع روایت ہے میں نے عرض کی'' یارسول اللہ! ﷺ رب تعالیٰ سے التجاء کریں کہ وہ مجھے دین حق کی سوجھ بوجھ سکھادے اور مجھے نعمت علم سے آراستہ کردے'' آپ نے فرمایا ''تم نے کیا مانگا ہے؟ میں نے اپنی گذارش دوبارہ عرض کی تو فرمایا ''تم نے مجھ سے وہ چیز مانگی ہے جو تمہارے ساتھیوں میں سے کسی نے نہیں مانگی۔ جاؤ تم ہی ان کے امیر ہو'' صحیح مسلم میں حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''میں نے عرض کی'' یا رسول اللہ! ﷺ شیطان میرے اور میری نماز کے مابین حائل ہوجاتا ہے'' آپ ﷺ نے فرمایا'' یہ شیطان ہے۔ اس کا نام خنزب ہے۔ جب اسے محسوس کرو تو رب تعالیٰ کی پناہ حاصل کرلیا کرو۔ اور اپنے بائیں طرف تھوک دیا کرو'' میں نے اسی طرح کیا اللہ تعالیٰ اس لعین کو مجھ سے دور لے گیا''۔

اس وفد میں ایک مجذوم شخص بھی تھا۔ حضور ہادی اعظم ﷺ نے اس کی طرف یہ پیغام بھیجا ''ہم نے تمہیں بیعت کرلیا ہے۔ واپس لوٹ چلو''۔ مرفوع روایت میں ہے کہ مجذوموں کی طرف نظر گاڑھ کر نہ دیکھو۔ ایک اور روایت میں ہے ''مجذوم کے ساتھ اس حال میں گفتگو کرو کہ تمہارے اور اس کے درمیان ایک یا دو نیزوں کا فاصلہ ہو''۔ یہ روایت حضور ﷺ کے اس فرمان کے منافی ہے کہ لَا عَدْوٰی وَلَا طِیَرَۃَ یعنی بیماری چھوت سے نہیں پھیلی۔

دیگر احادیث طیبہ میں ہے کہ حضور رحمت مجسم ﷺ نے مجذوم کے ساتھ کھانا تناول فرمایا۔ اس کا ہاتھ پکڑا۔ اور اسے اپنے دست شفاء بخش کے ساتھ پیالہ میں ڈال دیا۔ اور فرمایا'' رب تعالیٰ پر اعتماد اور بھروسہ کرتے ہوئے کھاؤ'' اس اختلاف کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ امر میں مجذوم سے اجتناب کرنے کی ہدایت ہے اور آپ کا اس کے ساتھ کھانا تناول فرمالینا جواز کے بیان کے لیے ہے۔ یہ مخالفت اس شخص کے لیے جائز ہے۔ جس کا ایمان قوی ہے۔ عدم جواز اسی شخص کے لیے ہے جس کا ایمان کمزور ہو۔ تاکہ وہ تحفظ اور احتیاط کا طریقہ اختیار کرے۔ تاثیر کو صرف ذات والا ہی پیدا کرتی ہے اور عدویٰ وغیرہ سے جو کچھ سمجھا جاتا ہے وہ ان اسباب کے متعلقہ ہے جو عاریہ ہے۔ جن کی کوئی تاثیر نہیں ہوتی بلکہ ان کے ہوتے ہوئے وہ چیز حاصل ہوتی ہے نہ کہ ان کے ساتھ۔ فعل تو صرف ذات باری تعالیٰ کے ہی ذمہ کرم پر ہے۔ جو وحدہ لاشریک ہے اور ہر چیز کا خالق ہے۔

جب بنو ثقیف واپس ہونے لگے تو انہوں نے عرض کی'' یارسول اللہ! ﷺ کسی مرد مومن کو ہمارا امیر مقرر کردیں'' آپ ﷺ نے حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر مقرر کردیا۔ کیونکہ آپ ﷺ نے ملاحظہ فرمایا کہ وہ اسلام، قرآن مجید پڑھنے اور دین سیکھنے کے بڑے حریص تھے۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کی'' یارسول اللہ ﷺ میں اس بچے کو دیکھتا ہوں کہ یہ ان سب سے بڑھ کر اسلام اور قرآن مجید سیکھنے کا حریص ہے'' ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کی'' یارسول اللہ! ﷺ مجھے اپنی قوم کا امام بنادیں''۔

فرمایا "تم ان کے امام سفر ہو جب انہیں نماز پڑھاؤ تو اسے مختصر کرنا۔ ایسے شخص کو موذن بنانا جو اذان کی اجرت نہ لے"۔

حضرت خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بنو ثقیف کے مابین معاملات طے کر رہے تھے۔ حتیٰ کہ انہوں نے بنو ثقیف کے لیے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ گرامی نامہ لکھا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

(جان عالم) محمد النبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے اہل ایمان کی طرف

بلاشبہ وج (وادی طائف یا طائف) کا درخت کاٹنا اور وہاں شکار کرنا حرام ہے۔ جو اس طرح وہاں کرتا ہوا پایا گیا اس کی مدد نہیں کی جائے گی بلکہ اسے کوڑے مارے جائیں گے۔ اس کے کپڑے اتار دیے جائیں گے۔

امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ وج کا شکار اور اس کا درخت حرام محرم ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دو اقوال میں سے ایک قول یہ ہے کہ مدینہ طیبہ کی وادی میں شکار کرنے والے کا سامان سلب کر لیا جائے گا" وج اور مدینہ طیبہ کے حرم کے متعلق ان کا مشہور قول یہ ہے کہ ان کے شکار کے ساتھ تعرض کرنا حرام ہے۔ مگر شکار کر لینے والے پر کوئی جزاء نہیں ہوگی۔ جمہور علمائے کرام کا یہی نقطہ نظر ہے۔

جو کھانا بھی بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آتا۔ یہ وفد اسے ہاتھ نہ لگاتا تھا حتیٰ کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ اسے کھا لیتے۔ حتی کہ وہ دامن اسلام سے وابستہ ہو گئے۔ انہوں نے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عرض کی "انہیں نماز چھوڑنے کی اجازت دی جائے" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اس دین میں کوئی بھلائی نہیں جس میں نماز نہیں" انہوں نے عرض کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں بدکاری، سود خوری، اور شراب نوشی کی اجازت مرحمت فرما دیں۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سختی سے انکار کر دیا۔ انہوں نے عرض کی" ان کے بت طاغیہ کو تین سال تک نہ گرایا جائے" یہی لات تھا جسے وہ الربۃ کہا جاتا تھا۔ یہ ان کا بت تھا مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا بھی سختی سے انکار فرما دیا۔ انہوں نے عرض کی "اسے ایک سال تک نہ گرایا جائے۔ مگر آپ نے انکار فرما دیا۔ حتیٰ کہ انہوں نے ایک ماہ تک کی مہلت مانگی ان کا مدعا یہ تھا تا کہ اسلام ان کی قوم کے دلوں میں گھر کر جائے اور ان کے بت کے گرنے کی وجہ سے ان کے بے وقوف، خواتین اور اولاد کسی خدشے کا شکار نہ ہو جائیں۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا بھی سختی سے انکار فرما دیا۔

جب یہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے باہر نکلے تو حضرت کنانہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا "میں تم سب سے زیادہ بنو ثقیف کو جانتا ہوں۔ تم اپنا اسلام مخفی رکھو۔ انہیں جنگ سے ڈراؤ۔ انہیں بتاؤ کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم سے عظیم امور کا مطالبہ کیا۔ مگر ہم نے انکار کر دیا۔ انہوں نے ہم سے کہا کہ ہم الطاغیہ کو گرا دیں۔ بدکاری، شراب نوشی اور سود خوری چھوڑ دیں"۔ جب یہ حضرات بنو ثقیف کے پاس گئے اور انہوں نے اس سفر کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا "ہم ایسے شخص کے پاس سے آ رہے ہیں جو بڑا غضبناک اور تند خو ہے۔ اس نے تلوار کے ساتھ غلبہ پایا ہے۔ لوگوں نے ان کا دین اختیار کر لیا ہے۔ انہوں نے ہمارے سامنے بڑے سخت امور رکھے ہیں"۔ انہوں نے وہ باتیں کہیں جو پہلے طے کر چکے تھے۔ بنو ثقیف

نے کہا "بخدا! ہم انہیں کچھ بھی نہیں دیں گے۔ ہم یہ شرائط کبھی بھی قبول نہیں کریں گے" اس وفد نے کہا "پھر اپنے ہتھیار درست کرلو۔ جنگ کی تیاری کرلو۔ اپنے پیکان درست کرلو" دو یا تین ایام تک بنوثقیف کی یہی حالت رہی۔ پھر رب تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ انہوں نے کہا "محمد عربی ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے کی ہم میں طاقت نہیں۔ ان کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ۔ اور وہ جو فرماتے ہیں انہیں پیش کردو"۔ اس وقت ان کے وفد نے کہا "ہم نے فیصلہ کرلیا ہے۔ ہم اسلام قبول کر چکے ہیں"۔ بنوثقیف نے کہا "پھر تم نے ہم سے اسلام مخفی کیوں رکھا؟ انہوں نے کہا "ہم نے چاہا کہ رب تعالیٰ تمہارے دلوں سے شیطان کی نخوت دور کردے"۔ وہ سارے دولت اسلام سے مالا مال ہو گئے۔ کچھ ایام کے بعد حضور ﷺ کے قاصد ان کے پاس پہنچ گئے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے حضرات ابوسفیان بن حرب اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما کو بھیجا تاکہ وہ طاغیہ کو منہدم کردیں۔ انہوں نے اسے پیوند خاک کردیا۔ اس کے اموال اور زیورات کے لیے۔ جب یہ بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئے تو حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ حضرت عروہ اور ان کے بھائی اسود کے مابین طاغیہ کے مال کے متعلق فیصلہ کردیں۔ انہوں نے یہ فیصلہ کردیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ابوملیح ابن عروہ بن مسعود اور ان کے چچا زاد قارب بن اسود نے حضور ﷺ سے التجاء کی تھی۔ یہ حالت اسلام میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب بنوثقیف نے حضرت عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو شہید کردیا۔ ابھی بنوثقیف نے اسلام کا اجالا نہیں پایا تھا۔ حضور ﷺ نے ان دونوں کی بات کا حکم دے دیا۔

وفد بنی عامر بن صعصعہ

اس وفد میں اللہ رب العزت کا دشمن عامر بن طفیل، اربد بن قیس اور جبار بن سلمی بھی شامل تھے۔ یہ تینوں اپنی قوم کے رؤساء تھے عامر بن طفیل ان کا سردار تھا۔ اس کا منادی عکاظ کے میلے میں یہ صدا بلند کرتا تھا۔

"اگر کوئی پیادہ ہے تو آئے ہم اسے سواری عطا کریں گے۔ اگر کوئی بھوکا ہے تو آئے ہم اسے کھانا کھلائیں گے اگر کوئی خائف اور ہراساں ہے تو ہم اسے امان عطا کریں گے"۔

عامر بہت زیادہ باجمال تھا۔ یہ حضور تاجدار عرب و عجم ﷺ کو شہید کرنا چاہتا تھا۔ اس نے لبید شاعر کے بھائی اربد سے کہا تھا "جب ہم اس ہستی پاک کے پاس پہنچ جائیں گے تو میں انہیں گفتگو میں مصروف رکھوں گا۔ جب تم دیکھو کہ میں نے انہیں محو گفتگو کردیا ہے تو تلوار سے وار کر کے ان کا کام تمام کردینا"۔ اس کی قوم نے اسے کہا "عامر! لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو رہے ہیں تم بھی اسلام لے آؤ" اس تیرہ بخت نے کہا "میں نے قسم اٹھا رکھی ہے کہ میں ہرگز اسلام قبول نہیں کروں گا"۔ جب یہ وفد بارگاہ رسالت پناہ میں پہنچا تو عامر بن طفیل نے عرض کی "محمد عربی! ﷺ مجھے اپنا دوست اور صدیق بنالو" حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا "بخدا! ہرگز نہیں حتیٰ کہ تو وحدہ لاشریک ذات پر ایمان لے آئے"۔ اس نے کہا "محمد مصطفیٰ ﷺ مجھے اپنا دوست بنالیں" وہ حضور ﷺ سے گفتگو کرنے لگا۔ اربد کی طرف سے اس امر کا انتظار کرنے لگا جو ان کے مابین طے ہو چکا تھا۔ اربد اسے عملی جامہ نہیں پہنا رہا تھا۔ اس کا ہاتھ تلوار پر شل ہو چکا تھا۔ اسے سونتنے کی سکت اس میں نہ تھی۔

دوسری روایت کے مطابق عامر کو آپ ﷺ نے تکیہ عنایت فرمایا۔ تا کہ اس کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ جائے پھر فرمایا ''عامر! اسلام قبول کر لے'' عامر نے عرض کی ''مجھے آپ سے ایک ضروری کام ہے'' حضور ﷺ نے فرمایا ''قریب ہو جا'' وہ قریب ہو گیا، حتیٰ کہ وہ حضور ﷺ پر جھک گیا۔ اس نے کہا ''کیا آپ مجھے اپنے بعد جانشین بنائیں گے۔ اگر میں اسلام قبول کر لوں'' حضور ﷺ نے فرمایا ''اس میں تیرا اور تیری قوم کا کوئی عمل دخل نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے وہ جسے میرا جانشین بنا دے گا۔ البتہ میں تجھے گھڑ سوار دستے کا امیر بنا دوں گا''۔ اس نے کہا ''میں اب بھی نجد کے گھڑ سوار دستے کا امیر ہوں۔ آپ عرب کے صحراء نشین قبائل کا امیر مجھے بنا دیں اور بڑے بڑے شہروں کی امارت اپنے پاس رکھ لیں'' آپ ﷺ نے فرمایا ''ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا'' دوسری روایت کے مطابق اس نے کہا ''محمد عربی ﷺ اگر میں نے اسلام قبول کر لیا تو مجھے کیا ملے گا؟ آپ نے فرمایا ''تیرے وہی حقوق ہوں گے جو دیگر مسلمانوں کے ہوں گے اور تیرے وہی فرائض ہوں گے جو دیگر مسلمان سرانجام دیں گے''۔ اس نے بکواس کی ''بخدا! میں پیادہ اور گھڑ سواروں سے وادی بھر دوں گا''۔ دوسری روایت کے مطابق اس نے کہا ''میں جوان گھوڑوں اور جوان مردوں سے وادی بھر دوں گا۔ ہر ہر کھجور کے ساتھ ایک ایک گھوڑا باندھ دوں گا''۔ حضور ہادی اعظم ﷺ نے فرمایا ''رب تعالیٰ تمہیں روک دے گا''۔ پھر آپ ﷺ کچھ ایام اس کے لیے یہ بددعا مانگتے رہے''۔ مولا! تو جس طرح چاہے عامر بن طفیل کے لیے کافی ہو جا۔ اس پر ایسی مرض مسلط فرما دے جو اس مار ڈالے اور اس کی قوم کو ہدایت نصیب فرما'' پھر فرمایا مجھے اس ذات کی قسم جن کے دست تصرف میں میری جان ہے اگر عامر اسلام قبول کر لیتا تو بنو عامر سارے حلقہ بگوش اسلام ہو جاتے۔ یہ قریش سے ان کے منابر پر مزاحمت کرتے۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا ''اے قوم! ایمان لے آ۔ پھر یہ دعا کی ''مولا! بنو عامر کو ہدایت نصیب فرما۔ عامر کو مجھ سے جس طرح چاہے جیسے چاہے دور فرما''۔ بخاری شریف کی روایت کے مطابق عامر بن طفیل نے حضور ﷺ سے عرض کی ''میں آپ کو تین اشیاء میں اختیار دیتا ہوں۔ یا تو صحرائی علاقہ آپ کے لیے اور شہری علاقہ میرے لیے یا میں آپ کے بعد آپ کا خلیفہ بنوں۔ یا میں بنو غطفان کے ایک ہزار گھوڑے لا کر آپ سے جنگ کروں گا''۔

جب یہ بارگاہ رسالت مآب سے رخصت ہوئے تو عامر نے اربد سے کہا ''تیرے لیے ہلاکت تو نے وہ کام کیوں نہ کیا جس کا میں نے تمہیں حکم دیا تھا۔ میں روئے زمین پر تیرے علاوہ کسی اور سے نہیں ڈرتا تھا۔ اللہ کی قسم! آج کے بعد میں تم سے بھی خوفزدہ نہیں ہوں گا''۔ اربد نے کہا ''تیرا باپ مرے! میرے متعلق فیصلہ کرنے میں جلدی نہ کر۔ بخدا جب بھی میں نے تیرے منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کا ارادہ کیا تو تو میرے اور ان کے مابین داخل ہو گیا۔ مجھے تیرے علاوہ کچھ اور نظر نہیں آتا تھا۔ کیا میں تجھے تلوار مار کر ختم کر دیتا'' دوسری روایت کے مطابق اس نے کہا ''جب میں نے تلوار کے دستہ پر اپنا ہاتھ رکھا تو وہ شل ہو گیا۔ مجھ میں اتنی سکت بھی نہ تھی کہ میں اسے حرکت دے سکتا''۔ ایک اور روایت کے مطابق اس نے کہا ''جب میں نے تلوار کا وار کرنا چاہا تو میں نے اپنے سامنے اچانک ایک نر اونٹ دیکھا۔ جو میری طرف لپک کر آ رہا تھا۔ اگر میں اپنی تلوار سونت لیتا تو مجھے خدشہ تھا کہ وہ میرا سر نگل جاتا''۔

ممکن ہے اس سیاہ بخت نے بار بار آپ ﷺ کو شہید کرنے کی جسارت کی ہو اور ہر دفعہ اسے علیحدہ صورت حال کا سامنا کرنا پڑا ہو۔ جس کا ابھی تذکرہ ہوا ہے۔

پھر عامر بن طفیل اور اس کے ساتھی اپنے وطن لوٹنے کے لیے عازم سفر ہوئے۔ ابھی انہوں نے کچھ رستہ ہی طے کیا تھا تو عامر کی گردن میں طاعون کی گلٹی نکل آئی۔ وہ بنو سلول کی ایک عورت کے گھر ٹھہرا۔ یہ ایک کمینہ خاندان تھا۔ عامر کو سب سے زیادہ افسوس یہ تھا کہ اسے اس خاندان کی ایک عورت کے گھر موت آ رہی تھی۔ وہ اپنی گلٹی کو چھوتا اور کہتا ''بنو عامر! اونٹ کی گلٹی کی طرح کی ایک گلٹی نکل آئی ہے۔ میں بنو سلول کی ایک عورت کے گھر پڑا ہوں۔ میرے پاس میرا گھوڑا لے کر آؤ''۔ پھر وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا۔ اپنا نیزہ لیا اور اپنے گھوڑے پر جھولنے لگا حتیٰ کہ کہ مردہ حالت میں اپنے گھوڑے سے نیچے گر پڑا۔ وہ لڑکھڑاتے ہوئے یہ کہہ رہا تھا ''فرشتۂ اجل! سامنے آ جا'' دوسری روایت میں ہے ''موت! میرے سامنے آ جا۔ میں تمہارے ساتھ لڑائی کروں گا۔ یہ اس کی فرط حماقت کی دلیل ہے۔ بعض لوگوں کو وہم ہوا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ عامر بن طفیل کی موت اسلام پر ہوئی۔ مگر وہ حضرت عامر بن طفیل الاسلمی رضی اللہ عنہ ہیں جنہیں صحابیت کا شرف نصیب ہوا۔ انہوں نے عرض کی ''یا رسول اللہ! ﷺ مجھے ایسے کلمات سکھائیں جن کا میں زندگی بھر ورد کرتا رہوں'' آپ ﷺ نے فرمایا ''عامر! اسلام پھیلاؤ۔ کھانا کھلاؤ۔ رب تعالیٰ سے اس طرح حیاء کرو جس طرح اپنے اہل خانہ کے کسی فرد سے حیاء کرتے ہو۔ جب لغزش ہو جائے تو فوراً عمل صالح کرو۔ نیکیاں برائیوں کو مٹا کر رکھ دیتی ہیں''۔

البتہ عامر بن طفیل عامری کافر تھا۔ یہ اپنے کفر پر ہی مرا۔ اس کی موت کے بعد اس کے دونوں ساتھی اپنی قوم کے پاس آ گئے۔ اس کی قوم نے اربد سے پوچھا ''اربد! پیچھے کیا خبر ہے؟ اس نے کہا'' کچھ بھی نہیں۔ انہوں نے ہمیں ایک چیز کی طرف دعوت دی۔ میری تمنا ہے کہ کاش وہ اس وقت میرے پاس ہوتے تو میں نیزہ مار کر شہید کر دیتا''۔ وہ اپنی اس بکواس کے ایک یا دو دن کے بعد نکلا۔ اس کے پیچھے اس کا اونٹ بھی تھا۔ اللہ رب العزت نے اس پر اور اس کے اونٹ پر بجلی پھینکی جس نے انہیں جلا کر خاکستر بنا ڈالا۔ حالانکہ وہ دن سخت گرم تھا۔ بادل کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔

وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيبُ بِهَا مَنْ يَشَاءُ (الرعد:13)

''اور اللہ تعالیٰ کڑکتی بجلیاں بھیجتا ہے پھر گراتا ہے انہیں جس پر چاہتا ہے''۔

جبار بن سلمی ان میں سے تیسرا شخص تھا۔ یہ اپنی قوم بنو عامر کے ہمراہ اسلام لے آئے اور اپنے اسلام کو بہت عمدہ کیا۔

حضرت ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کا وفد

ایک روایت ہے کہ یہ ۵ھ کو بارگاہ رسالت مآب میں باریاب ہوئے۔ مگر صحیح قول یہ ہے کہ یہ ۹ھ کو درگاہ نبوت پر حاضر ہوئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ''ہم نے کسی وفد کے متعلق نہیں سنا جو ضمام بن ثعلبہ سے افضل ہو''۔ حضور ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین تکیہ لگا کر جلوہ افروز تھے تو ایک بدوی شخص اپنے اونٹ پر سوار ہو کر آیا۔ اس نے مسجد نبوی میں اپنا اونٹ بٹھایا۔ اس کا گھٹنا باندھا اور پوچھا ''عبد المطلب کے فرزند ارجمند کہاں ہیں؟ دوسری روایت کے مطابق پوچھا ''محمد

عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہاں ہیں؟ صحابہ کرام نے فرمایا ''یہ تکیہ لگائے جلوہ افروز ہیں'' اس نے عرض کی ''میں آپ سے چند سوالات پوچھنے لگا ہوں۔ ممکن ہے ان میں شدت بھی ہو آپ ناراض نہ ہوں'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''پوچھو'' اس نے کہا ''محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہمارے پاس آپ کا قاصد گیا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ آپ گمان کرتے ہیں کہ رب تعالیٰ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: اس نے سچ کہا ہے'' اعرابی: میں آپ کو اس ہستی کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں جو آپ سے پہلے اور آپ سے بعد مخلوق کا رب ہے۔ جس نے آسمان اور زمین تخلیق کیے۔ یہ فلک بوس پہاڑ گاڑھے۔ کیا رب تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ ہمیں حکم دیں کہ ہم اس وحدہ لاشریک ذات کی عبادت کریں۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ ہم ان معبودان باطلہ کو چھوڑ دیں ہمارے آباء جن کی پوجا کرتے تھے''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ہاں! اعرابی: میں آپ کو رب تعالیٰ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا رب تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ہم اپنے اغنیاء کے اموال لیں اور اسے اپنے فقراء پر خرچ کریں''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ہاں! اعرابی: میں آپ کو رب تعالیٰ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا رب تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ہم بارہ مہینوں میں سے ماہ رمضان المبارک کے روزے رکھیں''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''ہاں'' اعرابی: میں آپ کو رب غفور کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا اس نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ہم میں سے وہ اس بیت اللہ کا حج کرے جس میں استطاعت ہو''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''ہاں!'' اس اعرابی نے عرض کی ''میں ایمان لے آیا۔ میں نے تصدیق کر دی۔ میں ضمام بن ثعلبہ ہوں'' جب یہ اپنی قوم کے پاس گئے۔ تو سب سے پہلے انہوں نے لات وعزی کو برا بھلا کہا ان کی قوم نے اس سے کہا ''ضمام! کوہڑ کے مرض سے بچو۔ جذام سے بچو۔ جنون سے بچو'' حضرت ضمام رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''تمہارے لیے ہلاکت! بخدا! یہ بت نہ فائدہ دے سکتے ہیں نہ ہی نقصان'' اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث فرما دیا ہے۔ اس نے ان پر کتاب مبین نازل فرما دی ہے۔ وہ تمہیں اس گندگی سے بچاتے ہیں جس میں تم لت پت نظر آتے ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ وہ وحدہ لاشریک ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ میں ان کی طرف سے ایسے امور لے کر آیا ہوں جن کا انہوں نے حکم دیا ہے اور ایسے امور بھی لے کر آیا ہوں جن سے آپ نے منع فرمایا ہے''۔ ان کی قوم کا کوئی مرد یا عورت نہ رہے مگر سارے حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

وفد عبدالقیس

ان کے مساکن بحرین میں تھے۔ اس وفد میں جارود بھی بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوا تھا۔ یہ پہلے عیسائی تھا۔ اس نے سابقہ کتب کا مطالعہ کیا ہوا تھا۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کر کے کچھ اشعار پڑھے جن میں سے دو اشعار یہ ہیں۔

يَا نَبِيَّ الْهُدٰى اَتَاكَ رِجَالٌ قَطَعَتْ فَدْ فَدًا وَ آلًا فَآلَا

اے رشد و ہدایت کے نبی! یہ لوگ وسیع جنگلات اور عریض سیرابوں کو طے کرتے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔

لَا تَتَّقِي وَقْعَ يَوْمٍ عَبُوْسٍ اَوْجَلَ الْقَلْبَ ذِكْرُهٗ ثُمَّ هَالَا

وہ اس ترش دن کے وقوع سے ڈرتے ہیں جس کا ذکر ہی دلوں کو خوفزدہ اور ہراساں کر دیتا ہے۔

یہ وفد ۱۰ھ کو بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوا۔ جارود نے یہ اشعار پڑھنے کے بعد عرض کی ''محمد عربی! ﷺ میں پہلے ایک دین پر تھا۔ میں اپنا دین آپ کے دین کے لیے چھوڑتا ہوں۔ آپ میرے گناہوں کے ضامن بن جائیں'' حضور ﷺ نے فرمایا ''میں ضامن ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے تمہاری راہ نمائی اس دین کی طرف کی ہے جو تمہارے دین سے بہتر ہے''۔ یہ سن کر جارود اور ان کے سارے ساتھی اسلام لے آئے۔

دوسری روایت کے مطابق حضرت جارود کے ہمراہ سلمہ بن عیاض الاسدی بھی تھے۔ حضرت جارود نے سلمہ سے کہا ''ایک شخص کا ظہور ہوا ہے۔ اس کا گمان ہے کہ وہ نبی ہے۔ کیا ہم ان کے پاس نہ جائیں۔ اگر ہمیں ان کے دین میں بھلائی نظر آئی تو اسے اختیار کر لیں گے۔ مجھے امید ہے کہ وہ وہی نبی تاجدار ﷺ ہیں جن کی بشارت حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے دی تھی۔ لیکن ہم میں سے ہر ایک اپنے تین مسائل سوچ لے۔ جو آپ سے پوچھے۔ جن کے بارے میں وہ اپنے ساتھی کو بھی نہ بتائے۔ مجھے اپنی حیاتی کی قسم! اگر انہوں نے ان مخفی رازوں سے ہمیں آگاہ کر دیا تو وہ نبی برحق ہوں گے'' جب یہ دونوں بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے تو سب سے پہلے جارود عرض پیرا ہوا ''محمد عربی ﷺ آپ کے پروردگار نے آپ ﷺ کو کس چیز کے ساتھ مبعوث کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''رب تعالیٰ نے مجھے اس شہادت کیساتھ مبعوث فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ میں اس کا بندہ اور رسول ہوں۔ اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں معبودان باطلہ سے اپنا تعلق ختم کر لوں۔ نماز کو اس کے وقت پر ادا کروں۔ مال کی زکوٰۃ ادا کروں۔ رمضان المبارک کے روزے رکھوں۔ الحاد کے بغیر حج کروں۔ جس نے نیک عمل کیا تو اس کا اجر اس کے اپنے ہی نفس کو ملے گا۔ جس نے برا فعل کیا اس کی سزا اسی پر ہے۔ آپ کا رب بندوں پر ظلم نہیں کرتا''۔

جارود پھر عرض گزار ہوا ''محمد مصطفیٰ ﷺ اگر آپ نبی برحق ہیں تو ہمیں ان امور کے متعلق بتائیں جنہیں ہم اپنے سینوں کے نہاں خانہ میں چھپائے ہوئے ہیں۔ اس پیکر علم نے کچھ دیر توقف کیا گویا کہ آپ کو اونگھ آئی ہو۔ پھر سر اقدس بلند فرمایا۔ پسینے کے قطرات طلعتِ زیبا سے گر رہے تھے۔ پھر یوں گوہر افشانی کی'' جارود تمہارے نہاں خانہ دل میں یہ بات مخفی ہے کہ تم مجھ سے جاہلیت کے خون، جاہلیت کے معاہدوں اور جاہلیت کے عطیات کے متعلق پوچھنا چاہتے ہو۔ اسے کان کھول کر سنو جاہلیت کا خون رائیگاں ہے۔ جاہلیت کے معاہدے بھی مردود ہیں۔ بہترین صدقہ یہ ہے کہ تو اپنے بھائی کو سواری کا جانور پیش کرے یا شیر دار بکری پیش کرے۔ اے سلمہ! تو مجھ سے یہ پوچھنا چاہتا ہے کہ بتوں کی پرستش کے بارے کیا حکم ہے یوم سباسب اور عقل ہجین کی کیا حیثیت ہے؟ بتوں کی پوجا کے متعلق ارشاد ربانی ہے۔

اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ﴿۹۸﴾ (انبیاء)

''تم اور جن بتوں کی تم عبادت کیا کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر سب جہنم کا ایندھن ہونگے تم اس میں داخل ہونے والے ہو''۔ (جمال القرآن)

یوم سباسب کے عوض رب تعالیٰ نے وہ رات عطا فرمائی ہے جو ایک ہزار ماہ سے بہتر ہے۔ اسے رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں تلاش کرو۔ یہ ایسی رات ہوتی ہے جس کی صبح روشن ہوتی ہے۔ ہوا آہستہ چلتی ہے اس رات تیز ہوا نہیں چلتی۔ سورج اپنی شعاعیں بکھیرتا ہوا طلوع ہوتا ہے۔ عقل ہجین کے متعلق یہ ہے کہ تمام اہل ایمان بھائی بھائی ہیں۔ ان کا خون برابر ہے۔ ان کا دور کا شخص قریب کے شخص کے خلاف پناہ دے سکتا ہے بارگاہ ربوبیت میں معزز وہ ہے جو ان سے بڑھ کر متقی ہے"

یہ حقیقت افزا کلمات سن کر ان دونوں نے کلمہ طیبہ پڑھ لیا۔ اور حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

بعض علمائے کرام نے وضاحت فرمائی ہے کہ وفد عبد القیس فتح مکہ سے قبل حاضر خدمت ہوا تھا۔ ممکن ہے یہ وفد دوبار حاضر ہوا ہو جیسا کہ مواہب میں مرقوم ہے۔ دوسری روایت کے مطابق اسی اثناء میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام کے ساتھ محو تکلم تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "مشرق سے ایک ایسا کارواں آرہا ہے۔ جنہیں اسلام لانے پر مجبور نہیں کیا گیا۔ انہوں نے اپنی سواریاں تھکا دی ہیں۔ ان کا زاد راہ ختم ہو چکا ہے۔ مولا! وفد عبد القیس کو معاف کر دے" حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اٹھے اور اس سمت چلے گئے جس طرف سے یہ وفد آرہا تھا۔ انہوں نے تیرہ سواروں سے ملاقات کی۔ دوسری روایت کے مطابق ان کی تعداد بیس تھی۔ تیسری روایت کے مطابق ان کی تعداد چالیس تھی۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے پوچھا "تمہارا تعلق کس قبیلہ کے ساتھ ہے" انہوں نے کہا "بنو عبد القیس کے ساتھ" انہوں نے فرمایا "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان حق ترجمان پر ابھی تمہارا ذکر تھا"۔ آپ نے انہیں بھلائی کے ساتھ یاد کیا ہے۔ پھر ان کے ہمراہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہو گئے۔

پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا "یہی وہ ہستی والا ہیں جن کی زیارت کے تم مشتاق ہو"۔

وہ سوار مسجد نبوی کے دروازہ پر اپنی سواریوں سے نیچے اتر پڑے۔ سفر کے کپڑوں میں ہی بارگاہ رسالت پناہ میں حاضر ہو گئے۔ انہوں نے جلدی کی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست اقدس اور پاؤں مبارک کو چومنے لگے۔ ان میں عبد اللہ بن عوف الاشج بھی تھے۔ یہ ان کے رئیس تھے۔ یہ سب سے کمسن تھے۔ یہ سواریوں کے پیچھے ٹھہر گئے، انہوں نے سواریاں بٹھائیں۔ انہوں نے سامان اکٹھا کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب کچھ ملاحظہ فرما رہے تھے۔ انہوں نے دو سفید کپڑے نکالے۔ انہیں پہنا، پھر بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو گئے۔ آپ کا دست حق نما پکڑا اور بوسہ لینے کی سعادت حاصل کی۔ یہ حسین صورت نہ تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی طرف دیکھا تو انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کی جلدوں میں کچھ پیا نہیں جاتا۔ انسان اس چیز کا محتاج ہوتا ہے جو اس سے چھوٹی ہوتی ہے یعنی اس کی زبان اور دل" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تم میں دو خصلتیں ہیں" دوسری روایت کے مطابق آپ نے فرمایا "دو ایسی خصلتیں ہیں جن سے رب تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیار کرتے ہیں۔ حلم اور وقار"۔ انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا میں ان دو اوصاف سے متصف ہوں یا وہ رب تعالیٰ نے مجھ میں تخلیق کیے ہیں"۔ آپ نے فرمایا "رب تعالیٰ نے وہ تم میں تخلیق کیے ہیں" انہوں نے کہا "ساری تعریفیں رب تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے مجھے دو ان خصلتوں پر تخلیق کیا جن سے اللہ رب العزت اور اس کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محبت کرتے ہیں"۔

حدیث مبارک میں ہے "وقار، میانہ روی اور خاموشی نبوت کے چوبیس اجزاء میں سے ایک جز ہے"۔ دوسری روایت کے مطابق جب یہ وفد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا "تمہارا تعلق کس قوم کے ساتھ ہے؟ انہوں نے عرض کی "ربیعہ سے" آپ نے فرمایا "اس قوم کو خوش آمدید!" دوسری روایت کے مطابق انہیں یوں خوش آمدید کہا "اس وفد کو مرحبا جو نہ رسوا ہو نہ شرمندہ!" انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم بعید مسافت طے کر کے آپ کی خدمت میں پہنچے ہیں۔ آپ کے اور ہمارے مابین مضر کا کافر قبیلہ حائل ہے۔ ہم صرف حرمت والے مہینوں اشہر حرام میں ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہو سکتے ہیں۔ ہم کو ان امور کا حکم فرمائیں جنہیں ہم مضبوطی سے تھام لیں۔ اپنے ساتھیوں کو بتائیں اور وہ جنت میں داخل ہو جائیں" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میں تمہیں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا حکم دیتا ہوں۔ کیا تم جانتے ہو ایمان باللہ کیا ہے؟ وہ یہ شہادت دینا ہے کہ رب تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے رسول ہیں۔ نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا، رمضان المبارک کے روزے رکھنا اور مال غنیمت سے پانچواں حصہ نکالنا ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ان امور میں حج کا ذکر کیا ہے۔ آپ نے انہیں الدباؔ، الحنتم، النقیر سے منع فرمایا۔ دوسری روایت میں المقیر کا ذکر ہے۔ آپ نے انہیں ان برتنوں میں نبیذ بنانے سے منع کر دیا۔ کیونکہ ان برتنوں میں نبیذ جلد خمیر ہو جاتی تھی جو نشہ کا سبب تھا۔ الدباء، القرع، الحنتم یہ ایسے گھڑے تھے جنہیں سبز رنگ سے لیپ کر دیا جاتا۔ المقیر وہ برتن تھا جسے کھجور کے تنے سے بنایا جاتا تھا پھر اس میں نبیذ تیار کی جاتی تھی۔ المقیدوہ برتن تھا جس پر تارکول لیپ کر دیا جاتا تھا۔ الزفت بھی اسی کو کہتے ہیں۔ بعض روایات میں الزفت کا ذکر ہے۔ ایک اور روایت کے مطابق آپ نے انہیں حکم دیا کہ وہ چمڑے کے برتنوں میں نبیذ تیار کیا کریں" انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری زمین میں بہت سے چوہے ہوتے ہیں۔ وہاں چمڑے کے برتن نہیں رہ سکتے"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "خواہ انہیں چوہے بھی کھا جائیں" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو یا تین بار یہ فرمان عالی شان فرمایا" حضرت اشج نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری زمین ثقیل اور اس کی آب وہوا مضر صحت ہے۔ اگر ہم نے یہ شراب نہ پی تو ہمارے پیٹ پھول جائیں گے، ہمیں اتنی شراب کی رخصت عنایت کریں۔ انہوں نے اپنے ہاتھوں سے اشارہ کیا" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اشج! اگر میں تمہیں اتنی اتنی (دست اقدس سے اشارہ فرمایا) شراب کی اجازت دے دوں تو تم میں سے کوئی ایک شراب کے نشہ میں مخمور ہو کر اپنے چچازاد پر تلوار لے کر چڑھ دوڑے گا۔ اور تلوار کے ساتھ اس کی پنڈلی کاٹ کر رکھ دے گا"۔ اس قوم میں ایک شخص تھا جس کا نام جہم بن قسم تھا۔ اس نے کہا "جب میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان حق ترجمان سے یہ سنا تو میں اپنا کپڑا لٹکانے لگا۔ تاکہ میں اس زخم کا نشان چھپا سکوں۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ظاہر کر دیا۔

دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے نبیذ کے متعلق سوال کیا۔ انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری سرزمین کی آب وہوا مضر صحت ہے۔ نبیذ کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہیں" حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "پھر النقیر نہ پینا۔ گویا کہ میں تمہیں دیکھ رہا ہوں کہ جب تم نے النقیر میں نبیذ پی تو تم ایک دوسرے کے خلاف تلواریں لے کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ تم میں

سے ایک شخص کو زخم آیا۔ وہ اس کی وجہ سے تا قیامت لنگڑاتا رہے گا''۔ آپ کا یہ فرمان سن کر وہ سب مسکرانے لگے'' آپ نے ان کے اس مسکرانے کا سبب پوچھا تو انہیں نے عرض کی ''بخدا! ہم نے النقیر میں شراب پی۔ ہم میں سے بعض بعض کے ساتھ شمشیر زنی کرنے لگے۔ اس شخص کو تلوار کا زخم آگیا جس سے یہ لنگڑا کر چلنے لگا جیسا کہ آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں''۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے شہر کی کھجوروں کی اقسام بیان فرمائیں۔ فرمایا ''تمہارے ہاں ایک کھجور پیدا ہوتی ہے جس کو اس نام سے پکارتے ہو۔ ایک اور قسم پیدا ہوتی ہے جسے تم فلاں نام سے موسوم کرتے ہو۔ وفد میں سے ایک شخص نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے والدین آپ پر فدا! اگر آپ ہجر کے وسط میں پیدا ہوتے پھر بھی آپ ان کے متعلق اس سے زیادہ نہ جانتے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جب سے تم میرے پاس بیٹھے ہو تمہاری زمین اٹھا کر میرے سامنے رکھ دی گئی ہیں۔ میں نے اسے نزدیک سے لے کر دور تک دیکھا ہے'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں فرمایا ''بہترین کھجور البرنی ہے، یہ مرض ختم کر دیتی ہے۔ مگر اس میں کوئی مرض نہیں''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ممنوعات میں سے صرف مذکورہ برتنوں میں نبیذ نہ بنانے پر اقتصار کیا حالانکہ ممنوعات میں سے ایسی اشیاء بھی ہیں جو حرام ہونے میں ان سے بڑھ کر ہیں۔ کیونکہ وہ ان کے بہت زیادہ عادی تھے۔ ان برتنوں میں نبیذ نہ پینے کا حکم شراب کی حرمت کے آغاز میں تھا۔ جب کہ اس وقت ان کے نفوس شراب پینے کے عادی تھے اور اس میں رغبت رکھتے تھے۔ پھر جب حرام ہونے کا امر محکم ہو گیا ان کے نفوس اسے ترک کرنے کے عادی ہو گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''میں تمہیں ان برتنوں میں نبیذ بنانے سے منع کرتا تھا۔ اب ہر برتن میں نبیذ بنا لیا کرو۔ مکر سے بچو۔ اب ان برتنوں میں نبیذ بنانے کا حکم منسوخ ہو گیا۔ مقصد یہ ہے کہ ہر نشہ آور چیز سے اجتناب کیا جائے۔ واللہ اعلم

وفد بنی حنیفہ

یہ وفد بھی بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوا۔ یہ سترہ افراد پر مشتمل تھا۔ ان کے ہمراہ مسیلمہ کذاب بھی تھا۔ روایت ہے کہ بنو حنیفہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ ان کے ہمراہ مسیلمہ بھی تھا۔ وہ اس کی تعظیم کرتے ہوئے اسے کپڑوں سے چھپائے ہوئے تھے۔ وہ اس شخص کے ساتھ اسی طرح کرتے تھے جس کی تعظیم بجالاتے تھے۔ اس کی قوم اسے عظیم سمجھتی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام کے مابین تشریف فرما تھے۔ آپ کے پاس کھجور کی ایک شاخ تھی۔ جس پر چھوٹے چھوٹے پتے تھے۔ جب مسیلمہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچا۔ اس کی قوم اسے کپڑے میں چھپائے ہوئی تھی۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بات چیت کی۔ اس نے کہا کہ آپ اسے نبوت کے معاملہ میں شریک کر لیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اگر تم مجھ سے یہ شاخ خرما مانگو تو میں یہ بھی تمہیں نہیں دوں گا''۔ دوسری روایت کے مطابق بنو حنیفہ اسے کجاووں کے پاس رکھ آئے تھے۔ جب انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو انہیں وہ یاد آیا۔ انہوں نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارا ایک ساتھی ہمارے کجاووں کے پاس ہے۔ وہ ہمارے سامان کی حفاظت کر رہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے لیے بھی اسی طرح حکم دیا جس طرح وفد کے کسی اور شخص کے لیے حکم دیا فرمایا ''وہ مقام میں تم سے کم مرتبہ نہیں ہے'' جب یہ وفد واپس آیا۔ یمامہ پہنچا مسیلمہ

نے دعویٰ کر دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بھی نبوت میں شریک کرلیا ہے اس نے اپنے ساتھ جانے والوں میں سے ایک شخص سے کہا" جب تم نے مجھے آپ کے حضور یاد کیا تو آپ نے فرمایا تھا" وہ تم سے کم مرتبہ نہیں" آپ نے یہ صرف اس لیے فرمایا تھا۔ کیونکہ آپ نے مجھے اپنی نبوت میں شریک کرلیا تھا" حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کا مفہوم یہ ہے کہ آپ نے یہ ارادہ فرمایا کہ وہ اپنے ساتھیوں کے سامان کی حفاظت کر رہا تھا۔

امام بخاری اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ حضور تاجدار حرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے۔ آپ کے ہمراہ حضرت ثابت بن قیس بن شماس بھی تھے۔ آپ کے دست اقدس میں کھجور کی شاخ تھی۔ حتیٰ کہ آپ مسیلمہ کے پاس کھڑے ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک یہ خبر پہنچ چکی تھی کہ مسیلمہ نے کہا ہے کہ اگر آپ نے مجھے اپنا جانشین بنالیا تو میں آپ کی اتباع کرلوں گا۔ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" اگر تو مجھ سے یہ شاخ مانگے تو یہ بھی تجھے عطا نہیں کروں گا۔ میں نے تجھے اسی طرح دیکھا ہے جس طرح خواب میں دیکھا جاتا ہے۔ یہ حضرت قیس ہیں جو میری طرف سے تمہیں جواب دیں گے" پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے واپس تشریف لے آئے۔

حضور صادق وامین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ آپ نے اپنے دست اقدس میں سونے کے دو کنگن پہنے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" مجھے یہ امر بڑا عجیب لگا۔ خواب میں رب تعالیٰ نے مجھ پر وحی کی کہ میں انہیں پھونک ماروں۔ میں نے انہیں پھونک ماری تو وہ اڑ گئے۔ میں نے ان کی تعبیر یہ کی ہے کہ دو کذاب پیدا ہوں گے" وہ اسود عنسی صاحب صنعاء اور مسیلمہ صاحب یمامہ تھا۔ ان دونوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ میں ہی جھوٹی نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا۔ اسود عنسی کہتا تھا" ذوالنون نامی ایک فرشتہ میرے پاس آتا ہے جس طرح جبرائیل محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آتا ہے" جب اس کی یہ بکواس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" اس نے ہمیں آسمان کے ایک عظیم فرشتے کی یاد دلا دی ہے جسے ذوالنون کہا جاتا ہے"۔

بعض سیرت نگاروں نے مذکورہ بالا دونوں روایات سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ممکن ہے مسیلمہ دو دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا ہو۔ پہلی بار اس کی حیثیت ایک تابع کی سی تھی۔ اسی لیے بنو حنیفہ اسے چھپا کر لائے۔ حتیٰ کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچ گیا۔ یا وہ کجاوؤں کی حفاظت کے لیے باہر ٹھہرا رہا۔ جب وہ دوسری بار حاضر خدمت ہوا تو اس کی حیثیت متبوع کی تھی۔ وہ تکبر اور غرور کی وجہ سے آپ کے خدمت میں حاضر نہ ہوا۔ آپ نے تالیف قلب کرتے ہوئے اس کے ساتھ کریم لوگوں کا سا معاملہ کیا آپ اس کی قوم میں اس کے پاس تشریف لے گئے۔

اسود العنسی نے صنعاء میں جھوٹی نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صنعاء کے گورنر حضرت مہاجر بن امیہ رضی اللہ عنہ پر غلبہ پالیا۔ روایت ہے کہ وہ اس کے پاس سے گزرے۔ اس کے سامنے آئے تو ان کا گدھا پھسلا، اسود نے دعویٰ کر دیا کہ گدھے نے اسے سجدہ کیا ہے۔ گدھا نہ اٹھا حتیٰ کہ اسود نے اپنی زبان سے کچھ کہا۔ اسود کے ہمراہ دو شیطان تھے۔ ایک کا نام سحیق دوسرے کا نام شقیق تھا۔ وہ اسے لوگوں میں رونما ہونے والے ہر واقعہ کے متعلق بتا دیتے تھے۔ حضرت باذان رضی اللہ عنہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے صنعاء کے عامل تھے۔ ان کا انتقال ہو گیا۔ شیطان اسود کے پاس آیا اور اسے ان کے وصال

کی خبر دی۔ اسود اپنی قوم لے کر نکلا حتیٰ کہ وہ صنعاء کا مالک بن گیا۔ حضرت باذان کی زوجہ مرزبانہ سے شادی کر لی۔ اس عورت نے فیروز دیلمی وغیرہ کے ساتھ وقت طے کر لیا تھا۔ وہ رات کے وقت اسود کے پاس گئے۔ وہ شراب کے نشہ میں مدہوش پڑا تھا۔ اس کے دروازہ پر ایک ہزار پہرے دار تھے۔ فیروز نے دیوار میں نقب زنی کی۔ اندر جا کر اسود کو قتل کر دیا اس کا سرتن سے جدا کیا۔ وہ اس کی عورت اور پسندیدہ سامان لے کر گھر سے باہر نکل آئے وہ اس کے ساتھ مدینہ طیبہ بھی پہنچ گئی۔ اسی روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہو گیا۔ ابوالاسود نے حضرت عروہ سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی حرمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال سے ایک دن اور ایک رات قبل اسود موت کے گھاٹ اترا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نزول وحی ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو آگاہ فرمایا پھر یہ خبر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک بھی پہنچ گئی۔ دوسری روایت کے مطابق یہ خبر اس دن کی صبح کو مدینہ طیبہ پہنچ گئی جس روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دفن کیا گیا۔

حضرت ابومسلم الخولانی رضی اللہ عنہ کی اسود عنسی کے ساتھ داستان بڑی مشہور و معروف ہے۔ سارے محدثین نے اسے کثیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے۔ حتیٰ کہ بعض محدثین نے لکھا ہے کہ یہ روایت مشہور و مستفیض ہے۔ اس کا لب لباب یہ ہے کہ اسود عنسی نے نبوت کا دعویٰ کیا تو اس نے حضرت ابومسلم خولانی رضی اللہ عنہ کی طرف پیغام بھیجا۔ جب حضرت ابومسلم رضی اللہ عنہ اسود کے پاس پہنچے تو اس نے کہا ''کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں'' انہوں نے فرمایا ''میں نے یہ نہیں سنا'' اسود نے کہا ''کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں'' انہوں نے فرمایا ''ہاں!'' اسود نے کئی بار یہ سوال دہرایا۔ حضرت ابومسلم خولانی رضی اللہ عنہ نے اسے ایک ہی جواب دیا۔ اسود نے آگ کا آلاؤ روشن کرنے کا حکم دیا۔ آگ بڑھکائی گئی۔ پھر حضرت ابومسلم خولانی رضی اللہ عنہ کو اس میں پھینک دیا گیا۔ مگر آگ نے ان کا بال بھی بیکا نہ کیا اسود سے کہا گیا ''اسے خود سے دور کر دو۔ ورنہ یہ تیرے پیروکاروں کو خراب کر دے گا۔ اس نے انہیں چلے جانے کا حکم دیا۔ اس وقت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہو چکا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر جلوہ افروز ہو چکے تھے حضرت ابومسلم خولانی رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی کے دروازہ پر اپنی سواری بٹھائی اور ستون کے پاس جا کر نماز پڑھنے لگے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انہیں ملاحظہ کر لیا۔ پوچھا ''کہاں سے آئے ہو؟ انہوں نے کہا ''یمن سے'' انہوں نے فرمایا ''ہمارے اس دوست کا کیا بنا جسے کذاب نے نذر آتش کیا تھا'' انہوں نے کہا ''میں ہی وہ ذات ہوں'' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پوچھا ''میں تمہیں رب تعالیٰ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کیا تم وہی ہو؟ انہوں نے کہا ''بخدا ہاں'' حضرت عمر فاروق نے انہیں گلے لگایا اور رونے لگے۔ وہ انہیں لے کر حضرت ابوبکر صدیق کے پاس آ گئے۔ انہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور اپنے مابین بٹھا لیا پھر یوں مدح خوانی کی ''ساری تعریفیں اللہ رب العزت کے لیے ہیں جس نے میرا وصال نہ کیا حتیٰ کہ مجھے امت محمدیہ میں سے ایسے شخص کی زیارت سے بہرہ ور کیا جس کے ساتھ اس طرح کیا گیا جس طرح حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے ساتھ کیا گیا''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''میں نے امداد خولان کو پایا۔ بنو عبس میں سے امداد کو کہا جاتا تھا'' تمہارے کذاب ساتھی نے ہمارے صاحب کو آگ میں پھینکا مگر آگ نے انہیں کچھ نہ کہا''۔

مسیلمہ کذاب نے جھوٹی نبوت کا دعویٰ کیا تو ہذیان بکنے لگا۔ تا کہ اس سے قرآن مجید کی نقل کر سکے۔ ان بکواسات میں سے اس کا یہ قول بھی ہے ''لَقَدْ انعم اللہ عَلَی الحبْلٰی، اخرج منھا نسمۃ تسعٰی مِن بین صفاق وحشٰی'' اللہ تعالیٰ نے حاملہ پر انعام کیا اس سے جان نکالی جو دوڑتی پھرتی ہے۔ جو ایک جھلی اور رحم مادر کے درمیان ہوتی ہے۔ اس نے کئی مسجع عبارات بنائیں۔ اس نے سورۃ الکوثر کے پاکیزہ اور مقدس کلمات کی ان کلمات کے ساتھ نقل اتارنے کی کوشش کی۔

''انا اعطیناك الجواھر فصل لربك وھاجران مبغضك رجل فاجر''

دوسرے قول کے مطابق اس نے یہ نقل اتاری

''انا اعطیناك الکواثر فصل لربك وبادر فی اللیالی الغوادر'' تیسرے قول کے مطابق اس نے یہ کوشش اس طرح کی ''انا اعطیناك الجباھر فخذ لِنفسك وَبادر وَاحذَر ان تحرص اوتِکاثر'' اس رسوا اور لعین نے گمان کیا کہ جواھر کوثر کی مانند ہے۔ وہ لغت عربیہ سے کس قدر جاہل تھا کیونکہ کوثر تو خیر کثیر کو کہا جاتا تھا۔ کاش وہ سمجھ لیتا کہ اس کا کلام کتنا لغو ہے۔ اس نے قرآن مجید کا لفظ لیا اس کے کلمات تبدیل کیے۔ اس نے ''شانئك'' کی جگہ ''مُبغضك'' رکھ دیا۔ فاجر ہونے کی وجہ سے اس کی زبان پر فجور کا ہی تذکرہ رہا۔ وہ قرآن پاک جیسا مقدس اور بے مثل کلام نہ لا سکا۔ وہ نادان نہ سمجھ سکا کہ وہ اپنا مطلوب کس طرح حاصل کر سکتا ہے یہ کمزور سی تسجیع کتنی کمزور ہے یہ تو فصحاء کے کلام میں سے ادنیٰ کلام کے مساوی نہیں ہو سکتی۔ چہ جائیکہ اس کا مقابلہ رب العالمین کے لاریب کلام سے کیا جائے۔ پھر اس لعین نے نماز ساقط کر دی۔ ان کے لیے شراب اور زنا حلال کر دیا تا کہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس کے حلقہ ارادت میں آ سکیں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی گواہی دیتا تھا۔ وہ دعویٰ کرتا تھا کہ حضور تاجدار ختم النبوۃ نے اسے اپنی رسالت میں شریک کر لیا ہے۔ یہ اس کی کم عقلی کی علامت تھی۔ کیونکہ نبی حرام کردہ اشیاء کو حلال نہیں کرتا۔ مسیلمہ کذاب نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ میں ہی نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا۔ لیکن سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اس کی سطوت ظاہر ہوئی۔ ان ہی کے عہد خلافت میں اس کے ساتھ جنگ آزمائی ہوئی۔ بنو حنیفہ کی طرف سے فتنہ کے اسباب میں سے مسیلمہ سب سے قوی فتنہ تھا۔ اس نے بہت سی افواج جمع کر لیں۔ تا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ جنگ کرے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی لشکر تیار فرمایا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اس کا امیر مقرر کیا۔ انہوں نے مسیلمہ کے لشکر کے ساتھ جہاد کیا۔ مسیلمہ کے قتل کے ساتھ یہ فتح مکمل ہوئی۔ اسے حضرت عبد اللہ بن زید بن عاصم انصاری المازنی یا حضرت عدی بن سہیل یا ابو دجانہ رضی اللہ عنہما نے تہ تیغ کیا تھا۔ ایک روایت کے مطابق حضرت وحشی نے اسے جہنم واصل کیا۔ پہلا قول مشہور ہے۔ شاید حضرت عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے اسے ضرب اولین لگائی ہو۔ دیگر حضرات نے بعد میں اس کا کام تمام کر دیا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت وحشی سے اس طرح روایت ہے ''جب مسیلمہ نکلا تو میں نے کہا'' میں اس کی طرف ضرور جاؤں گا شاید میں اسے قتل کر سکوں اور اس سے میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا بدلہ چکا سکوں۔ میں لوگوں کے ہمراہ نکلا مجھے اچانک ایک کھڑا شخص نظر آیا۔ وہ ایک مست اونٹ کی طرح تھا۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ میں نے اپنا نیزہ اس کی

طرف پھینک دیا جو اس کے سینے کے وسط میں لگا۔ کندھوں کے درمیان سے وہ باہر نکل گیا۔ ایک انصاری صحابی نے اس کی کھوپڑی پر تلوار سے ضرب کاری لگائی۔ اس وقت اس کی عمر 150 سال تھی۔

نبو حنیفہ کا ایک شخص اس کا مرثیہ لکھتے ہوئے کہتا ہے۔

لَهْفِي عَلَيْكَ اَبُو ثُمَامه　　لَهْفِي عَلٰى رُكْنَيْ شَمَامَة

اے ابوثمامہ! میرا تجھ پر افسوس! ثمامہ کے دو رکنوں پر میرا افسوس!

كَمْ اٰيَةٍ لَكَ فِيهِمْ　　كَالشَّمْسِ تَطْلُعُ مِنْ غَمَامَة

ان میں کتنی ہی تیری نشانیاں ہیں جو اس سورج کی طرح ہیں جو بادل سے طلوع ہوتا ہے۔

امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ اس مرثیہ گو کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''اس مرثیہ گو نے جھوٹ بولا ہے۔ بلکہ اس کی نشانیاں تو الٹ ہو جاتی تھیں۔ اس مسیلمہ نے ایک شخص کے دو بیٹوں کے لیے دعا کی۔ وہ شخص گھر گیا تو اس کا ایک بیٹا کنویں میں گر گیا۔ دوسرے کو بھیڑیا کھا گیا۔ ایک دفعہ اس نے ایک کنویں میں تھوک پھینکا تو اس کا پانی نمکین ہو گیا۔ ایک دفعہ اس نے ایک بچے کے سر پر ہاتھ رکھا تو وہ بری طرح گنجا ہو گیا۔

وفد طی ء

وفد طیٔ بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ ان میں قبیصہ بن اسود بھی تھے۔ ان کے سردار حضرت زید الخیل تھے۔ ان کے پانچ گھوڑے تھے اس لیے انہیں زید الخیل کہا جاتا تھا۔ یہ جود وسخا، خلق وعادات، حسن وزیبائی میں اپنی قوم میں سے فائق تھے۔ ان کے بال بہت خوبصورت تھے۔ وہ ایک طویل گھوڑے پر سوار ہوتے تھے۔ وہ اتنے بلند قامت تھے کہ ان کی ٹانگیں یوں زمین پر لٹک رہی ہوتیں تھیں گویا کہ وہ گدھے پر سوار ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انہیں فرمایا حالانکہ آپ کی ان کے ساتھ پہلی ملاقات تھی ''ساری تعریفیں اللہ رب العزت کے لیے ہیں جو تمہیں دشوار گزار گھاٹیوں اور ناہموار میدانوں سے گزار کر یہاں لایا۔ اور تمہارے دل کو ایمان کے لیے ہموار کر دیا'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا ''تم کون ہو؟ انہوں نے عرض کی ''میں زید الخیل بن مہلہل ہوں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ رب العزت کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ آپ اس کے بندے اور رسول ہیں''۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انہیں فرمایا ''نہیں بلکہ تم زید الخیر ہو'' آپ نے انہیں اور ان کے ساتھیوں کو اسلام کی طرف دعوت دی۔ وہ سارے اسلام سے مالا مال ہو گئے۔ انہوں نے اپنا اسلام بہت عمدہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت زید الخیر رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا ''مجھ سے عرب میں سے جس بھی شخص کی فضیلت بیان کی گئی پھر وہ میرے پاس آیا تو میں نے اسے فضیلت کے اس درجہ سے کم تر پایا جو مجھ سے بیان کیا گیا تھا سوائے زید الخیل کے جو کچھ ان کے متعلق مجھے بتایا گیا وہ اس سے بڑھ کر تھے''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انہیں زید الخیر کے لقب سے یاد فرمایا۔ آپ نے اس وفد کے ہر آدمی کو پانچ اوقیہ چاندی عطا فرمائی۔ مگر حضرت زید الخیر رضی اللہ عنہ کو بارہ اوقیہ چاندی دی۔ آپ نے انہیں دو جاگیریں اور ایک سند بھی تحریر فرما دی۔ جب یہ باہر نکل کر

اپنی قوم کی طرف عازم سفر ہوئے۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا ''زید مدینہ طیبہ کے بخار سے نجات پا گئے'' انہیں راستہ میں بخار نے آلیا۔ دوسری روایت کے مطابق حضور نبی اکرم ﷺ نے انہیں فرمایا ''زید! ام ملام (بخار) تمہارے وصال کا سبب بنے گا''۔ جب ان کا وصال ہو گیا تو حضرت قبیصہ بن اسود ایک سال تک ان کی نوحہ خوانی کرتے رہے۔ پھر ان کی سواری اور کجاوہ لے کر عازم سفر ہو گئے۔ اسی میں حضور ﷺ کی وہ تحریر بھی تھی جس میں حضور ﷺ نے انہیں دو جاگیریں عطا فرمائیں تھیں۔ جب حضرت زید الخیر رضی اللہ عنہ کی زوجہ نے خالی کجاوہ دیکھا تو اسے آگ میں پھینک دیا وہ مکتوب گرامی بھی اسی آگ میں جل گیا۔ دوسری روایت کے مطابق یہ حضرت زید الخیر رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت تک بحیات رہے۔ جب حضور ﷺ کے وصال کے وقت بہت سے اہل عرب مرتد ہو گئے تو یہ اسلام پر ثابت رہے۔ انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف یہ دو اشعار لکھے۔

اَمَا تَخْشِيْنَ اللهَ بَيْتَ اَبِي نَصْرٍ فَقَدْ قَامَ بِالْاَمْرِ الْجَلِيِّ اَبُوْبَكْرٍ

اے ابونصر کے گھر! کیا تو اللہ رب العزت کا خوف نہیں کھاتا۔ اب روشن امر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سپرد ہو چکا ہے۔

نَجِيُّ رَسُوْلِ اللهِ فِي الْغَارِ وَحْدَهُ وَصَاحِبُه الصِّدِّيْقُ فِي مُعْظَمِ الْاُمُوْرِ

جو کہ غار میں تنہا رسول اللہ ﷺ کے یار فائز تھے اور تمام بڑے بڑے امور میں رسول کریم ﷺ کے ساتھی ہیں۔

وفد عدی بن حاتم الطائی رضی اللہ عنہ

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ خود ہی اپنے اسلام کا واقعہ بیان کرتے ہیں ''میں اپنی قوم کا سردار تھا۔ میں اس کے مال غنیمت کا چوتھا حصہ لیتا تھا جیسا کہ جاہلیت میں عرب سرداروں کی عادت ہوتی تھی۔ جب میں نے حضور ﷺ کے متعلق سنا تو مجھے سخت ناگواری محسوس ہوئی۔ عرب کے کسی آدمی کو اتنی ناگواری محسوس نہیں ہوئی ہوگی جتنی آپ کے ذکر کے وقت مجھے محسوس ہوتی تھی۔ میرا ایک غلام میرے اونٹ چراتا تھا۔ میں نے اسے کہا ''تیرا باپ مرے۔ میرے لیے ایک موٹا اور مطیع اونٹ علیحدہ کر دے۔ اسے میرے قریب ہی رکھ۔ جب تجھے محمد عربی ﷺ کے لشکر کے متعلق خبر ملے کہ وہ ان شہروں کی طرف آ گئے ہیں تو مجھے بتا دینا''۔ پھر ایک دن میرا وہ غلام میرے پاس آیا۔ اس نے مجھے کہا ''عدی! جو کچھ تو اس وقت کرے گا جب محمد عربی ﷺ تیرے لشکر پر چھا جائیں گے وہ ابھی کر گزر۔ مجھے جھنڈے نظر آئے۔ میں نے ان کے متعلق پوچھا تو مجھے بتایا گیا کہ محمد عربی ﷺ کے لشکر ہیں''۔ میں نے اسے کہا ''میرا اونٹ میرے قریب کر'' اس نے اونٹ میرے قریب کیا۔ میں نے اپنی اولاد اور بیوی کو اس پر سوار کیا اور شام میں اپنے ہم مذہب عیسائیوں کے ساتھ آ کر مل گیا۔ حاتم کی نور نظر وہیں رہی۔ اسے بھی وہی کچھ پہنچا جو وہاں کے باشندوں کو پہنچا تھا۔ یعنی اسے قیدی بنا لیا گیا۔ جب وہ قیدیوں میں بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئی اور حضور ﷺ کو علم ہوا کہ میں شام کی طرف بھاگ گیا ہوں۔ تو حاتم کی نور نظر پر حضور ﷺ نے احسان فرمایا۔ آپ نے اسے چادر عطا فرمائی اسے سواری بخشی، زاد راہ دیا اور وہ عازم سفر ہو کر شام آ گئی۔ بخدا! میں اپنے اہل خانہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ میں نے ایک ہوج دیکھا جو ہماری طرف آ رہا تھا۔ میں نے کہا ''شاید اس میں حاتم کی بیٹی ہو'' میں نے دیکھا تو اس

میں وہی تھی۔ جب وہ میرے پاس آئی تو اس نے کہا ''قطع تعلقی کرنے والے ظالم! تو نے اپنے اہل وعیال کو سوار کیا۔ اپنے والدین کی یادا ور خاتون کو وہیں چھوڑ آیا'' میں نے کہا ''بہنا! میرے متعلق صرف بھلائی ہی کہو۔ بخدا! میرے لیے اور کوئی چارۂ کار نہ تھا''۔ میں نے اپنی داستان سنادی۔ وہ اپنی سواری سے نیچے اتری اور میرے ہاں قیام پذیر ہوگئی۔ میں نے اسے کہا۔ وہ ایک دانا عورت تھی۔ ''اس شخص کے متعلق تمہارا کیا گمان ہے؟ اس نے کہا ''میری رائے یہ ہے کہ تم جلد از جلد اس کے ساتھ جاملو۔ اگر وہ نبی ہوئے تو ان کے ساتھ ملنے میں پہل کرنا ہی فضیلت ہے۔ اگر وہ بادشاہ ہوئے تو پھر بھی تمہیں نقصان نہ ہوگا'' میں نے کہا ''یہ رائے بہت عمدہ ہے'' میں عازم سفر ہوکر مدینہ طیبہ پہنچا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔ آپ نے استفسار فرمایا ''کون ہو؟ میں نے عرض کی ''عدی بن حاتم'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھ کھڑے ہوئے۔ مجھے اپنے کاشانہ اقدس میں لے گئے۔ بخدا! آپ آگے آگے تھے آپ سے ایک کمزور سی بڑھیا ملی۔ اس نے آپ کو رکنے کے لیے کہا۔ آپ کافی دیر تک اس کے پاس ٹھہرے رہے۔ میں نے کہا ''بخدا! یہ بادشاہ نہیں ہوسکتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے بڑھے۔ اپنے کاشانۂ اقدس میں داخل ہوگئے۔ آپ نے چمڑے کا تکیہ اٹھایا جس میں کھجور کے پتے بھرے ہوئے تھے۔ آپ نے اسے میری طرف بڑھایا اور فرمایا ''اس پر بیٹھ جاؤ'' میں نے کہا ''نہیں! آپ اس پر تشریف رکھیں'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''نہیں! تم اس پر بیٹھ جاؤ'' میں اس تکیہ پر بیٹھ گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلوہ افروز ہوگئے''۔ میں نے کہا ''بادشاہ کا یہ رویہ نہیں ہوسکتا'' پھر فرمایا ''عدی! کیا تمہارا تعلق اس قوم کے ساتھ نہیں جو ایک دین رکھتی ہے'' میں نے عرض کی ''ہاں'' آپ نے فرمایا ''کیا تم اپنی قوم سے مال غنیمت کا چوتھا حصہ نہیں لیتے تھے'' میں نے عرض کی ''ہاں!'' آپ نے فرمایا ''یہ تو تمہارے دین میں حلال نہیں'' میں نے عرض کی ''ہاں! میں نے جان لیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی مرسل ہیں۔ جنہیں علم وعرفان عطا کیا گیا ہے''۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''عدی! شاید تم اس قوم کا افلاس دیکھ کر اس دین میں داخل نہیں ہورہے۔ بخدا! عنقریب ان میں مال کی اتنی فراخی ہوگی کہ لینے والا کوئی نہیں رہے گا۔ شاید تم اس دین میں اس لیے داخل نہیں ہورہے کہ ان کے دشمنوں کی تعداد کثیر اور یہ تعداد میں قلیل ہیں۔ بخدا! عنقریب تم سنو گے کہ ایک عورت قادسیہ سے اپنے اونٹ پر عازم سفر ہوئی اور اس نے بیت اللہ کی زیارت کی۔ اسے کسی کا کوئی خوف وڈر نہ تھا۔ عدی! شاید تم یہ دین اس لیے قبول نہیں کررہے ہو کہ سلطنت اور شاہی دوسرے ادیان میں ہے۔ بخدا! شاید کہ تم سنو کہ سرزمین بابل میں سفید محلات کو مسلمانوں نے فتح کرلیا ہے'' حضرت عدی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں نے ایک خاتون دیکھی جو قادسیہ سے اپنے اونٹ پر روانہ ہوئی حتیٰ کہ اس نے بیت اللہ کا حج کیا۔ بخدا! دوسرا فرمان نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی صحیح ثابت ہوگا۔ اس امت مرحومہ کے پاس اتنا مال ہوگا کہ لینے والا کوئی نہیں رہے گا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

وفد عروۃ المرادی

کندہ کے بادشاہ سے تعلق توڑ کر عروہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوگئے۔ آفتاب اسلام کے طلوع ہونے سے قبل ان کے قبیلہ مراد اور ہمدان کے مابین خونریز جنگ ہوئی تھی۔ اس میں مراد کے قبیلہ کو ہزیمت اٹھانا پڑی۔ تاریخ میں اس دن کو ''الردم'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جو اذیت تمہاری قوم کو پہنچی ہے کیا اس کی وجہ سے

تمہیں تکلیف پہنچی ہے'' انہوں نے حضور ﷺ سے عرض کی ''یا رسول اللہ ! ﷺ ایسا کون سا سنگدل ہے کہ اس کی قوم کو ایسی صورت حال کا سامنا کرنا پڑے جس کا سامنا میری قوم کو کرنا پڑا اور وہ مغموم نہ ہو'' حضور ﷺ نے انہیں فرمایا ''اسلام لانے کے بعد اس کی وجہ سے تمہاری قوم کی بھلائی میں ہی اضافہ ہوگا'' آپ ﷺ نے انہیں مراد قبیلہ پر اپنا عامل مقرر کیا۔ ان کے ہمراہ حضرت خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ تاکہ وہ صدقہ کا مال جمع کرنے میں ان کی اعانت کریں۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ ہی رہے حتیٰ کہ حضور ﷺ کا وصال ہوگیا۔

وفد بنی زبید

بنو زبید کا وفد بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوا۔ ان میں عمرو بن معدی کرب الزبیدی بھی تھا۔ یہ نغز گو شاعر اور جری انسان تھا۔ اسے فارس العرب کہا جاتا تھا۔ ایک دن اس نے اپنے بھتیجے قیس المرادی سے کہا ''تم اپنی قوم کے سردار ہو۔ ہمیں علم ہوا ہے کہ قریش کے ایک شخص محمد عربی ﷺ نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ نبی مرسل ہیں۔ آؤ ہم ان کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ ان کے متعلق جانتے ہیں۔ اگر وہ نبی ہوئے جیسا کہ وہ کہتے ہیں یہ امر تم پر مخفی نہیں رہے گا تو ہم ان کے ساتھ مل کر ان کی اتباع کرلیں گے۔ اگر وہ کچھ اور ہوئے پھر بھی ہمیں ان کے متعلق علم ہوجائے گا'' قیس نے اس کی بات ماننے سے انکار کردیا اور اسے بے وقوف کہا۔ عمرو اپنے اونٹ پر سوار ہوا اور اپنی قوم کے ساتھ بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوگیا۔ شمع اسلام سے اجالا پالیا جب یہ خبر قیس تک پہنچی تو اس نے حضرت عمرو بن معدی کرب رضی اللہ عنہ کو دھمکی دی۔ حضرت عمرو نے بھی قیس کے بارے کچھ اشعار کہے جن میں سے بعض یہ ہیں۔

فمن ذا عاذ ری من ذی سفاہ　　ھر　　دبنفسه　　شدالمرادی

ارید　　حیاته　　ویرید　　قتلی　　عذیرک من خلیلك من مرادی

اس پاگل کے خلاف میری مدد کون کرے گا جو اپنے نفس سے بہت زیادہ شدید مقصد پورا کرنا چاہتا ہے۔ میں اس کی زندگی چاہتا ہوں۔ وہ میری موت کا ارادہ کیے ہوئے ہے۔ تیرے دوست سے مدد حاصل کرنا میرا مدعا ہے۔

قیس نے حضور نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد اسلام قبول کرلیا اسے صحابیت کا شرف نصیب نہ ہوسکا دوسرا قول یہ ہے کہ اس نے حضور ﷺ کے وصال سے قبل اسلام قبول کرلیا اور اسے صحابیت کا شرف حاصل ہے۔

وفد کندہ

کندہ یمن کا قبیلہ تھا۔ یہ کندہ کی طرف منسوب ہوتے تھے۔ کندہ ان کے دادا نور بن عفیر کا لقب تھا۔ حضور ﷺ کی ایک دادی کا تعلق انہی کے ساتھ تھا۔ یہ کلاب کی والدہ تھی۔ یہ وفد اسی یا ساٹھ افراد پر مشتمل تھا۔ ان میں اشعث بن قیس بھی تھا۔ یہ خوبصورت تھا۔ اس کی قوم اس کی اطاعت بجالاتی تھی حالانکہ یہ ان سب سے کم عمر تھا۔ جب یہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہونے لگے تو انہوں نے اپنے بالوں میں کنگھی کی۔ سرمہ ڈالا، حیرہ کے جبے زیب تن کیے جن کے کنارے پر ریشم لگی

ہوئی تھی۔ جب یہ بارگاہ رسالت مآب میں داخل ہوئے تو انہوں نے عرض کی ''اَبَیْتَ اللَّعْنَ'' حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ''میں بادشاہ نہیں ہوں۔ میں محمد بن عبداللہ (فداہ روحی وابی وامی) ہوں''۔ انہوں نے عرض کی ''ہم آپ کا نام لے کر آپ کو مخاطب نہیں کر سکتے'' آپ ﷺ نے فرمایا ''میں ابوالقاسم ہوں'' انہوں نے عرض کی ''ابوالقاسم! ہم نے ایک چیز چھپا رکھی ہے۔ بتائیں وہ کیا ہے؟

حضور ﷺ نے فرمایا ''سبحان اللہ! اس طرح تو کاہنوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ کہانت اور کاہن آگ کا ایندھن بنیں گے'' انہوں نے عرض کی ''ہم کیسے جانیں کہ آپ ﷺ رب تعالیٰ کے رسول ہیں؟ آپ ﷺ نے مٹھی بھر سنگریزے اٹھائے'' فرمایا ''یہ گواہی دیں گے کہ میں رب تعالیٰ کا رسول ہوں'' ان سنگریزوں نے آپ کے دست حق نما پر تسبیح خوانی کی۔ یہ سن کر وہ سب بیک زبان بولے ''ہم سب گواہی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ رب تعالیٰ کے سچے رسول ہیں'' حضور ﷺ نے فرمایا ''رب تعالیٰ نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ اس نے مجھ پر ایک ایسی کتاب منیر اتاری ہے کہ باطل نہ جس کے آگے سے آسکتا ہے نہ پیچھے سے'' انہوں نے عرض کی ''آپ ﷺ ہمیں اس میں سے کچھ پڑھ کر سنائیں'' حضور ﷺ نے ان آیات طیبات کی تلاوت کی۔

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۝ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ۝ فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ۝ اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ۝ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ۝ (الصافات)

پھر حضور ﷺ نے سکوت اختیار فرمایا۔ حتیٰ کہ جسد اطہر میں سے کچھ بھی متحرک نہ تھا۔ آنسوؤں کے موتی ریش مبارک سے رواں تھے۔ یہ وفد عرض پیرا ہوا ''آپ گریہ بار ہیں۔ کیا یہ رونا اس ہستی کے خوف سے ہے جس نے آپ کو بھیجا ہے'' آپ ﷺ نے فرمایا ''اس کی خشیت نے مجھے رلا دیا ہے۔ اس نے مجھے صراط مستقیم پر بھیجا ہے یہ تلوار کی دھار کی مانند ہے۔ اگر میں اس سے تھوڑا سا بھی ٹیڑھا ہو گیا تو میں ہلاک ہو جاؤں گا'' پھر آپ ﷺ نے یہ آیت طیبہ تلاوت فرمائی۔

وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ (بنی اسرائیل:86)

''اگر ہم چاہتے تو سلب کر لیتے وہ وحی جو ہم نے آپ کی طرف کی''۔

پھر فرمایا ''کیا تم نے دولت اسلام سمیٹ نہیں لی'' انہوں نے عرض کی ''ہاں!'' فرمایا ''پھر تمہارے جبوں پر یہ ریشم کیوں لگی ہے؟ یہ فرمان سماعت فرما کر انہوں نے جبوں کے کنارے اکھیڑ پھینکے۔ شاید یہ ریشم جائز شرعی حد سے متجاوز تھی۔ اس وقت حضور ﷺ نے یمنی جبہ زیب بدن فرما رکھا تھا۔ یہ ذی یزن کا حلہ تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح کے حلے زیب تن فرما رکھے تھے۔ حضور ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب کوئی وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو آپ عمدہ کپڑے زیب تن فرماتے اور اپنے صحابہ کرام کو بھی عمدہ کپڑے پہننے کا حکم دیتے۔ اشعث بن قیس نے کہا ''ہم بھی آکلہ مراد کی اولاد میں ہیں۔ آپ بھی آکلہ المراد کی اولاد میں ہیں'' اس سے اس نے مراد حضور ﷺ کی دادی ام کلاب لی تھی۔ کیونکہ اس کا تعلق بنو کندہ سے تھا۔ آکل المراد سے مراد حارث بن عمر ہے۔ جب اس نے ایک درخت کھایا جسے

مراد کہا جاتا تھا۔ تو اس کا یہ نام پڑ گیا۔ جب اشعث نے یہ بات کی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''ہم آکل المراد کی نسل سے نہیں۔ ہم نضر بن کنانہ کی اولاد سے ہیں۔ ہم اپنے نسب باپوں کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اپنی ماؤں کی طرف منسوب نہیں کرتے'' اشعث بن قیس نے کہا ''اے گروہ کندہ! اب میں نے جسے بھی یوں کہتے ہوئے سنا اسے میں اسی کوڑے ماروں گا''۔ یہ اشعث حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد مرتد ہو گیا تھا۔ پھر خلافت صدیقی میں دوبارہ اسلام لے آیا۔ اسے گرفتار کر لیا گیا اور قیدی بنا کر حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو اس نے کہا ''مجھے جنگوں کے لیے باقی رکھیں۔ اپنی بہن کا عقد نکاح مجھ سے کر دیں''۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنی بہن حضرت ام فروہ کا نکاح اس سے کر دیا۔ اشعث نے دوبارہ اسلام قبول کر لیا۔ وہ مدینہ طیبہ کے اونٹوں کے بازار میں داخل ہو گئے۔ اپنی تلوار بے نیام کی اور جو اونٹ نظر آتا اس کی کونچیں کاٹ دیتے۔ لوگ چیخ پڑے مگر انہوں نے رکنے سے انکار کر دیا۔ جب فارغ ہوئے تو اپنی تلوار پھینک دی اور کہا ''بخدا! میں نے اس کام سے رکنے سے انکار صرف اس لیے کیا ہے کیونکہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی بہن کا عقد نکاح مجھ سے کر دیا ہے۔ اگر ہم اپنے شہر میں ہوتے تو ولیمہ کی شان کچھ اور ہی ہوتی۔ پھر کہا ''اے اہل مدینہ ان اونٹوں کو ذبح کر لو اور کھاؤ'' انہوں نے ہر اونٹ کے مالک کو اس کی قیمت دے دی۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشعث سے پوچھا ''کیا تمہاری اولاد ہے؟'' اس نے عرض کی ''میرا ایک بچہ ہے جو اسی وقت پیدا ہوا جس وقت میں آپ کی خدمت میں آنے کے لیے تیاری کر رہا تھا۔ میری خواہش ہے کہ اس کی بجائے سات بچے ہوتے۔ کیونکہ یہ باعث بخل اور باعث بزدلی ہوتا ہے۔ یہ آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا ٹکڑا ہوتا ہے'' حضرت اشعث رضی اللہ عنہ نے جنگ یرموک، قادسیہ اور عراق کی جنگوں میں شرکت کی۔ کوفہ کو اپنا مسکن بنایا جنگ صفین میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف سے شرکت کی۔ اس کے چالیس روز بعد وصال کر گئے حضرت حسن المجتبیٰ رضی اللہ عنہ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔ دوسری روایت میں انہوں نے 42ھ میں وصال کیا۔

وفد ازد شنوءۃ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ازد کا وفد حاضر ہوا۔ ان میں حضرت صرد بن عبد اللہ ازدی بھی تھے۔ یہ اس وفد میں موجود لوگوں سے افضل تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ان کی قوم کے اہل ایمان کا امیر مقرر کیا اور حکم دیا کہ وہ اپنے اردگرد بسنے والے اہل شرک سے جہاد کریں۔ ان کے اردگرد یمن کے قبائل آباد تھے۔ وہ عازم سفر ہوئے اور جرش کے مقام پر خیمہ زن ہوئے۔ یہیں یمنی قبائل کا بسیرا تھا۔ مسلمانوں نے قریباً ایک ماہ تک ان کا محاصرہ کیے رکھا۔ پھر واپس لوٹ آئے۔ جب مسلمان ''شکر'' نامی پہاڑ کے پاس پہنچے تو اہل جرش نے گمان کیا کہ مسلمان ہزیمت اٹھا کر واپس چلے گئے ہیں۔ وہ ان کے تعاقب میں نکلے۔ جب یہ مسلمانوں کے قریب پہنچے تو مسلمانوں نے پلٹ کر ان پر حملہ کر دیا اور ان کا قتل عام کیا۔ اہل جرش نے دو جاسوس مدینہ طیبہ بھیج رکھے تھے تاکہ وہ مسلمانوں کے متعلق خبریں لے کر آئیں۔ یہ دونوں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں تھے کہ آپ نے ان سے پوچھا ''شکر پہاڑ کس جگہ ہے؟'' انہوں نے عرض کی ''ہمارے علاقے میں ایک پہاڑ ہے جسے کشر کہا جاتا ہے'' حضور

نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''وہ کشر نہیں شکر ہے'' ان دونوں نے عرض کی ''یا رسول اللہ ﷺ آپ اس کے بارے کیوں استفسار فرما رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''اس وقت وہاں اللہ تعالیٰ کے اونٹ ذبح ہو رہے ہیں'' یعنی ان کی قوم کا قتل عام ہو رہا ہے۔ آپ ﷺ نے استعارہ یا تشبیہ بلیغ کے اعتبار سے انہیں اونٹ فرمایا۔ معنی یہ ہے کہ تمہاری وہ قوم جو عقل کے اعتبار سے اونٹوں کی طرح ہے۔ انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا اور مسلمانوں کے ساتھ جنگ آزما ہوئے انہیں اونٹوں کی طرح ذبح کیا جا رہا ہے'' یہ دونوں آدمی حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو انہوں نے کہا ''تمہارے لیے ہلاکت! حضور ﷺ تمہیں تمہاری قوم کے قتل عام کی خبر دے رہے ہیں'' آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ اور اپنی قوم کی سلامتی کے لیے دعا کراؤ''۔ انہوں نے بارگاہ رسالت مآب میں یہ عرض کی تو حضور اکرم ﷺ نے یہ دعا کی ''مولا! ان سے یہ قتل عام اٹھا لے'' پھر وہ اپنی قوم کی طرف عازم سفر ہو گئے۔ انہیں علم ہوا کہ جس دن اور جس وقت حضور اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا تھا اسی روز ان کی قوم کو زخم کاری لگا۔ پھر جرش کا وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ حضور تاجدار حرم ﷺ نے انہیں فرمایا ''اس قوم کو خوش آمدید! جس کے چہرے تمام لوگوں سے زیادہ حسین ترین ہیں۔ تم مجھ سے اور میں تم سے ہوں''

حارث بن کلال اور ان کے ساتھیوں کا قاصد حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں

اس کی وجہ یہ ہے کہ حارث بن کلال اور قبیلہ ہمدان نے حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں ایک خط بھیجا جس میں اپنے اسلام کا تذکرہ کیا۔ حضور ﷺ نے ان کی طرف یہ مکتوب گرامی لکھوایا۔

محمد رسول اللہ کی طرف سے حارث بن کلال، نعمان، معافر اور ہمدان کی طرف!

میں رب ذوالجلال کی ستائش کرتا ہوں جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔

امابعد! تمہارا قاصد ہمارے پاس اس وقت پہنچا جب ہم سرزمین روم (غزوہ تبوک) سے واپس آئے اس نے مدینہ طیبہ میں ہمارے ساتھ ملاقات کی۔ اس نے تمہارا پیغام ہمیں پہنچایا۔ جو کچھ تم نے قبول کر لیا اس کے بارے بتایا۔ تمہارا مشرکین کو قتل عام کرنے کے متعلق بھی ہمیں بتایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہدایت سے نوازا ہے۔ تم اپنی اصلاح کرو۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کی اطاعت بجالاؤ، نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، مال غنیمت میں سے خمس نکالو۔

محمد عربی ﷺ نے زرعہ ذی یزن کی طرف یا ابی زرعہ بن سیف ذی یزن کی طرف اپنے قاصد بھیجے ہیں۔ جب میرے قاصد تمہارا ہاں جلوہ افروز ہوں تو ان کے ساتھ بھلائی سے پیش آنا۔ ان میں حضرات معاذ بن جبل، عبداللہ بن زید، مالک بن عبادہ، عقبہ بن نمر، مالک بن مرارہ اور ان کے ساتھی موجود ہیں۔ جو تم صدقہ یا جزیہ جمع کرو۔ وہ میرے قاصدین تک پہنچا دو۔ ان کے امیر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ راضی ہو کر ہی تمہاری طرف سے واپس لوٹیں۔ نہ خیانت کرو۔ نہ کمزوری دکھاؤ۔ بلاشبہ حضور ﷺ تمہارے اغنیاء اور فقراء کے آقا ہیں۔ بلاشبہ صدقہ محمد مصطفیٰ ﷺ اور آپ کے اہل بیت کے لیے حلال نہیں۔ یہ وہ صدقہ ہے جسے مسلمانوں کے فقراء اور مسافروں پر خرچ کیا جائے گا۔

فروہ بن عمرو الجذامی کا قاصد

حضرت فروہ رضی اللہ عنہ نے بھی بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اپنا قاصد بھیجا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا کہ وہ بھی دامن اسلام سے وابستہ ہو چکا ہے۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ایک خچر "فضہ" ایک دراز گوش "یعفور" ایک گھوڑا "الظرب" پارچہ جات اور ایسی قباء بھیجی جو سونے سے مرصع تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے یہ تحائف قبول فرمائے اور ان کے قاصد کو بارہ اوقیہ چاندی عطا کی۔ حضرت فروہ رضی اللہ عنہ شاہ روم کی طرف سے ان کے علاقوں کے گورنر تھے جو عرب کے ساتھ ملحق تھے۔ ان کا مسکن معان تھا۔ جب شاہ روم تک ان کے اسلام کی خبر پہنچی تو اس نے انہیں پکڑا اور پابند سلاسل کر دیا اس نے انہیں کہا "محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین متین سے رجوع کر لو ہم تمہیں تمہارا منصب واپس کر دیں گے"۔ اس عاشق صادق نے برملا جواب دیا "میں کبھی بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین متین سے جدا نہیں ہوں گا تو خوب جانتا ہے کہ آپ وہی ہستی پاک ہیں جن کا مژدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سنایا تھا۔ مگر تم صرف اپنا تخت بچانے کی فکر میں ہو"۔

وفد حارث بن کعب

یہ پہلے تذکرہ ہو چکا ہے کہ سپہ سالار اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ان کی طرف بھیجا۔ جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ واپس آئے تو ان کے ہمراہ ان کا وفد بھی تھا۔ یہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "زمانہ جاہلیت میں تم اپنے دشمن پر کیسے غالب آتے تھے؟ وہ عرض پیرا ہوئے" ہم باہم متفق ہو جاتے تھے۔ نا اتفاقی نہیں کرتے تھے۔ ہم پہلے کسی پر ظلم نہیں کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تم سچ کہتے ہو"۔ آپ نے حضرت زید بن حصین کو ان کا امیر مقرر کیا۔ یہ اپنی قوم میں چار ماہ بھی قیام پذیر نہ ہوئے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہو گیا۔

وفد رفاعہ بن زید الخزاعی

یہ بارگاہ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے اور مشرف باسلام ہوئے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک غلام پیش کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ان کی قوم کے لیے ایک مکتوب گرامی عطا فرمایا۔ وہ خط مبارک یہ تھا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے رفاعہ بن زید کے لیے!

میں نے انہیں ان کی عام قوم کی طرف امیر بنا کر بھیجا ہے۔ وہ انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف دعوت دیں گے ان میں سے جو ایمان لے آیا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمرہ مبارکہ میں شامل ہو جائے گا جس نے روگردانی کی تو اسے دو ماہ کی امان ہے"۔

جب حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ اپنی قوم کے پاس گئے تو انہوں نے ان کی دعوت پر لبیک کہا اور حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

وفد ہمدان

ہمدان کا وفد بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ ان میں مالک بن نمط بھی تھے جو بڑے قادر الکلام شاعر تھے۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس وقت ملاقات کی جب آپ تبوک سے واپس تشریف لائے تھے۔ انہوں نے یمنی چادریں اور عدنی عمامے پہن رکھے تھے۔ وہ مسیس لکڑی کے کجاوؤں اور مہرلی اور ارجسی اونٹوں پر سوار تھے۔ حضرت مالک بن نمط حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے یہ رجز پڑھنے لگے

اِلَيْكَ جَاوَزْنَ سَوَادَ الرِّيْفِ فِيْ هَبَوَاتِ الصَّيْفِ وَالْخَرِيْفِ

مُخَطَّمَاتٍ بِحَبَالِ اللِّيْفِ

ان اونٹنیوں کو پکڑ لو جو موسم گرما اور موسم خزاں کے اڑتے ہوئے غبار میں سے گزر گئیں ہیں جن کی مہاریں چھال کی بنی ہوئی رسیوں کی ہیں۔

انہوں نے یہ اشعار بھی پڑھے۔

حَلَفْتُ بِرَبِّ الرَّاقِصَاتِ اِلٰى منيٰ صَوَادِرَ بِالرُّكْبَانِ مِنْ هَضْبِ قَرْدَدِ

مجھے ان اونٹنیوں کے رب کی قسم جو منی کی طرف سے رقصاں جاتی ہیں۔ جو اپنے شہ سواروں کو بلند جگہوں سے واپس لاتیں ہیں۔

بِاَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ فِيْنَا مُصَدَّقٌ رَسُوْلٌ اَتٰى مِنْ عِنْدِذِي الْعَرْشِ مُهْتَدِ

کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہم میں تصدیق کی جائے گی۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صاحب عرش کی طرف سے تشریف لائے ہیں اور ہدایت یافتہ ہیں۔

فَمَا حَمَلَتْ مِنْ نَاقَةٍ فَوْقَ رَحْلِهَا اَشَدَّ عَلٰى اَعْدَ ائِهٖ مِنْ مُحَمَّدِ

کسی اونٹنی نے اپنے کجاوے میں کسی ایسے شخص کو سوار نہیں کیا جو محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر اپنے دشمنوں پر شدید ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت مالک بن نمط رضی اللہ عنہ کو ان کی قوم کا امیر مقرر کیا۔ پہلے تذکرہ ہو چکا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ان کی طرف بھیجا پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو واپس آجانے کا حکم دیا۔ نیز آپ نے حکم دیا جو مجاہدین حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہیں وہ چاہیں تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ ٹھہرے رہیں اور اگر چاہیں تو واپس آجائیں۔ جب آپ کو اس قبیلہ کے اسلام لانے کی خبر ملی تو آپ فوراً سجدہ ریز ہو گئے۔ پھر فرمایا ''ہمدان پر سلامتی ہو''۔ روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''بہترین قبیلہ ہمدان ہے۔ انہوں نے نصرت کرنے میں کتنی جلدی کی ہے۔ کوشش وسعی پر ان کا صبر کتنا عظیم ہے۔ ان میں اسلام کے ابدال اور اوتاد ہیں''۔

وفد تجیب

تجیب کندہ کا ایک قبیلہ تھا۔ اس قبیلہ کے تیرہ افراد بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئے۔ ان کے ہمراہ زکوٰۃ اور صدقات کے اموال بھی تھے۔ انہیں دیکھ کر حضور ﷺ بڑے مسرور ہوئے۔ اور ان کے ٹھہرانے کا انتظام بہت عمدہ کیا۔ انہوں نے عرض کی "یارسول اللہ! ﷺ ہم آپ کے پاس اپنے اموال میں سے رب تعالیٰ کا حق لے کر حاضر خدمت ہوئے ہیں"۔ حضور ﷺ نے فرمایا "یہ اموال واپس لے جاؤ اور انہیں اپنے فقراء پر خرچ کرو وہ عرض پرداز ہوئے" یارسول اللہ! ﷺ ہم آپ کی بارگاہ میں وہ اموال لے کر حاضر ہوئے ہیں جو ہمارے فقراء سے بچ گئے تھے"۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی "یارسول اللہ! ﷺ پورے عرب میں سے اس طرح کا کوئی وفد ہمارے پاس نہیں آیا"۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "ہدایت رب تعالیٰ کے دست تصرف میں ہے جس کے ساتھ رب تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ دین کے لیے کھول دیتا ہے"۔ یہ اہل وفد آپ سے قرآن مجید اور سنن مطہرہ کے بارے عرض کرنے لگے حضور ﷺ ان میں زیادہ رغبت لینے لگے۔ انہوں نے ارادہ کیا کہ وہ اپنے اہل خانہ کے پاس جائیں، ان سے کہا گیا "اتنی سرعت کیوں؟ انہوں نے عرض کی "ہم چاہتے ہیں کہ اپنے بقیہ لوگوں کے پاس جائیں۔ انہیں کہیں کہ وہ حضور اکرم ﷺ کی زیارت سے بہرہ ور ہوں۔ آپ سے ملاقات اور ہم کلام ہونے کا شرف حاصل کرلیں۔ آپ کے فرمان عالی شان سماعت کرلیں" پھر وہ حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو گئے۔ انہوں نے آپ کو الوداعی سلام عرض کیا۔ آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور سب وفود سے بڑھ کر عطیات سے نوازا۔ پھر پوچھا "کوئی فرد ان عنایات خسروانہ سے رہ تو نہیں گیا" انہوں نے عرض کی "ایک نوجوان ہے جو ہمارے سامان کی حفاظت پر مامور ہے۔ وہ ہم سب سے کم عمر ہے" حضور ﷺ نے فرمایا "اسے ہماری خدمت میں بھیج دو" وہ نوجوان بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہو گیا۔ اس نے عرض کی "یارسول اللہ! ﷺ میرا تعلق اس وفد کے ساتھ ہے جو ابھی ابھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہے۔ آپ نے ان کی ضروریات پوری کردیں ہیں میری مراد بھی برلائیں" حضور ﷺ نے پوچھا "تمہاری احتیاج کیا ہے؟ وہ عرض پیرا ہوا "یارسول اللہ! میری حاجت میرے ہمراہیوں کی حاجات سے جداگانہ ہے۔ اگرچہ وہ بھی اسلام میں رغبت رکھتے ہیں۔ آپ رب تعالیٰ سے التجاء کریں کہ وہ میرے گناہ معاف کردے۔ مجھ پر رحم کرے اور میرے دل کو غنا عطا کردے" حضور ﷺ یوں دعا گو ہوئے "مولا! اسے معاف کردے، اس پر رحم کر۔ اس کے دل کو غنا کی دولت عطا فرما" حضور ﷺ نے فرمایا تھا "جس کے ساتھ رب تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو وہ اس کے نفس میں اور اس کے دل میں تقویٰ ڈال دیتا ہے۔ جب وہ کسی بندے کے ساتھ برائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کی آنکھوں کے سامنے افلاس رکھ دیتا ہے" پھر آپ نے اسے بھی اسی طرح عطیہ سے نوازنے کا حکم دیا جس طرح اس وفد کے دیگر افراد کو عنایات بخشی گئیں تھیں۔ پھر اس نوجوان کے علاوہ دیگر افراد نے حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ حج کے ایام میں منیٰ میں ملاقات کرنے کا شرف حاصل کیا۔ حضور ﷺ نے ان سے اس نوجوان کے متعلق استفسار فرمایا۔ انہوں نے عرض کی "یارسول اللہ! ﷺ ہم نے اس کی مثل آج تک کوئی نوجوان نہیں دیکھا۔ اتنا قناعت پسند شخص کبھی نہیں

دیکھا۔ وہ اسی رزق پر قانع ہے جو رب تعالیٰ نے اسے عطا فرما رکھا ہے۔ اگر لوگ دنیا تقسیم کر لیں پھر بھی وہ اس کی طرف نہ دیکھے گا نہ توجہ کرے گا'' حضور داعی اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''الحمد للہ! اسے مکمل موت آئے گی'' اس وفد میں سے ایک شخص نے عرض کی ''کیا آدمی پر مکمل موت طاری نہیں ہوتی؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''انسان کی تمنائیں اور خواہشات دنیا کی متفرق وادیوں میں بکھری ہوتی ہیں۔ موت اسی کو ان وادیوں میں کسی ایک وادی میں آجاتی ہے۔ رب تعالیٰ کوئی پرواہ نہیں کرتا کہ وہ اسے کس وادی میں ہلاک کرتا ہے'' وہ عرض گزار ہوئے ''وہ شخص ہمارے مابین بہترین حالت پر زندگی بسر کر رہا ہے۔ دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر رکھی ہے اور رب تعالیٰ کے عطا کردہ رزق پر قانع ہے'' جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد بہت سے اہل یمن اسلام سے منحرف ہو گئے تو یہ جوان اپنی قوم میں کھڑا ہو گیا۔ انہیں رب تعالیٰ اور دین حق کی یاد دلائی۔ مگر ان میں سے ایک بھی واپس نہ لوٹا۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس جوان کا تذکرہ فرماتے۔ اس کے متعلق پوچھتے۔ حتیٰ کہ ان تک اس کی حالت اور قیام گاہ کی خبر پہنچ گئی۔ انہوں نے حضرت زیاد بن ولید رضی اللہ عنہ کی طرف لکھا کہ وہ اس جوان کے ساتھ حسن سلوک کریں۔ کیونکہ حضرت زیاد حضرموت کے والی تھے۔

وفد بنی ثعلبہ

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جعرانہ سے واپس تشریف لائے تو بنو ثعلبہ کے چار افراد اسلام کا طوق آویزاں کیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی ابھی غسل فرما کر اپنے کاشانۂ اقدس سے باہر نکلے تھے۔ گیسوئے معنبر سے پانی کے قطرات ٹپک رہے تھے۔ اس وفد کے ایک شخص نے بیان کیا ''جب آپ نے ہمیں ملاحظہ کیا۔ تو ہم جلدی سے آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نماز کی اقامت کہہ رہے تھے۔ ہم نے آپ کی خدمت میں ہدیہ سلام پیش کیا اور عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم اپنی قوم کے قاصد ہیں۔ ہم صدق دل وجان سے اسلام لے آئے ہیں۔ ہمیں کہا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے ہجرت نہ کی اس کا کوئی اسلام نہیں ہے''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جہاں کہیں بھی رہو، رب تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں دے گا''۔ پھر آپ نے ہمیں نماز ظہر پڑھائی۔ پھر اپنے کاشانہ اقدس میں تشریف لے گئے۔ چند لمحات ہی گزرے تھے کہ ہمارے پاس جلوہ افروز ہوئے۔ ہمیں یاد فرمایا۔ فرمایا ''تمہارے شہروں کی کیا حالت ہے؟ ہم نے عرض کی ''وہ سرسبز وشاداب ہیں'' آپ نے فرمایا ''الحمد للہ! ہم نے کچھ ایام وہیں بسر کیے۔ آپ کی ضیافت سے لطف اٹھاتے رہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو الوداعی سلام پیش کرنے کے لیے حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عاشق صادق حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا ''انہیں کچھ عطا کرو'' انہوں نے اس وفد کے ہر ہر رکن کو پانچ اوقیہ چاندی عطا کی۔ ایک اوقیہ میں چالیس درہم ہوتے ہیں۔

وفد بنی سعد ہدیم بن قضاعہ

حضرت نعمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''میں اپنی قوم کا وفد لے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر

ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غلبہ وقہر سے سارے شہروں کو پاؤں مبارک سے روندھ ڈالا تھا۔ ان پر غلبہ پالیا تھا۔ لوگوں کی دو اقسام تھیں۔ (۱) وہ جو اسلام میں رغبت رکھتے ہوئے اس میں داخل ہوئے تھے۔ (۲) جو تلوار کے ڈر سے مسلمان ہوئے تھے۔ ہم مدینہ طیبہ کے ایک کونے میں خیمہ زن ہوئے۔ پھر مسجد نبوی کے دروازہ کے پاس آ گئے۔ ہم نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں نماز جنازہ ادا فرما رہے تھے۔ وہ حضرت سہیل بن بیضاء رضی اللہ عنہ کا جنازہ تھا۔ ہم آپ کے پیچھے کھڑے رہے۔ لوگوں کے ساتھ نماز جنازہ نہ پڑھی۔ ہم نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز جنازہ ادا فرمالیں تو ہم آپ کی بیعت کرلیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا روئے تاباں ہماری طرف کیا۔ ہمیں دیکھا تو ہمیں یاد فرمایا۔ ارشاد فرمایا "تمہارا تعلق کن لوگوں کے ساتھ ہے؟ ہم نے عرض کی "ہمارا تعلق بنوسعد ہذیم کے ساتھ ہے" آپ نے ارشاد فرمایا "کیا تم مسلمان ہو؟" ہم نے عرض کی "ہاں!" آپ نے فرمایا "تم نے اپنے بھائی کی نماز جنازہ کیوں نہیں پڑھی؟" ہم نے عرض کی "یا رسول اللہ! ہمارا گمان تھا کہ نماز جنازہ پڑھنا ہمارے لیے اس وقت تک جائز نہیں جب تک ہم آپ کی بیعت نہ کرلیں"۔ حضور نبی رحمت نے فرمایا "تم جہاں بھی دولت اسلام سمیٹ لو تم مسلمان ہو"۔ ہم نے اسلام قبول کرلیا۔ اسلام پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست اقدس پر بیعت کی۔ پھر اپنے خیموں میں واپس آ گئے۔ ہم خود سے کم سن لڑکے کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ گئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمارے پیچھے ایک شخص کو بھیجا۔ کمسن لڑکا بھی اب ہمارے ہمراہ تھا وہ آگے بڑھا اور بیعت سے مشرف ہو گیا۔ ہم عرض پیرا ہوئے "یہ ہم سے چھوٹا ہے اور ہماری خدمت گزاری کرتا ہے"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "قوم میں سے چھوٹا اس کا خادم ہوتا ہے۔ اللہ رب العزت اس میں برکت ڈالے"۔ حضرت نعمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا "بخدا! وہ لڑکا ہم سب سے بہتر تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاکیزہ دعا کے طفیل وہ ہم سب سے زیادہ قاری قرآن تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے ہمارا امیر مقرر فرمایا۔ وہ ہمیں امامت کراتا تھا۔ جب ہم نے واپسی کا ارادہ کیا تو حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ ہم میں سے ہر شخص کو ایک ایک اوقیہ چاندی عطا کریں، ہم اپنی قوم کے پاس آ گئے" اللہ تعالیٰ نے انہیں نعمت اسلام سے سرفراز فرما دیا۔

وفد بنی فزارہ

بنو فزارہ میں سے دس سے زائد افراد بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ ان میں عیینہ بن حصن کے بھائی حضرت خارجہ بن حصن اور ان کے بھتیجے حضرت جد بن قیس بن حصن بھی تھے۔ یہ عمر میں سب سے چھوٹے تھے۔ یہ سب اسلام کا اقرار کرتے ہوئے حاضر خدمت ہوئے۔ ان کے شہر لگاتار قحط سالی کا شکار تھے۔ ان کے جانور بھی سوکھ کر ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے ان کے شہروں کے متعلق پوچھا تو حضرت خارجہ رضی اللہ عنہ عرض گزار ہوئے "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے شہر قحط سالی کا شکار ہیں۔ ہمارے مویشی ہلاک ہو گئے ہیں۔ ہمارا علاقہ بنجر ہو گیا ہے۔ اہل و عیال بھوک سے جان بلب ہیں۔ اپنے رب تعالیٰ سے التجاء کریں کہ وہ ابر کرم نازل کرے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہمارے لیے سفارش کریں"، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر تشریف لے گئے۔ دست حق نما بلند فرمائے حتیٰ کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی۔ آپ نے دعا کی۔ اس دعا کے بعض پاکیزہ کلمات یہ تھے۔

اللّٰهُمَّ اسْقِ بَلَدَكَ غَيْثًا مُغِيْثًا مُرْتِعًا طَبَقًا وَاسِعًا عَاجِلًا غَيْرَ اٰجِلٍ نَافِعًا غَيْرَ ضَارٍّ اللّٰهُمَّ سَقْيَا رَحْمَةٍ لَا سَقْيَا عَذَابٍ وَلَا غَرَقٍ وَمَحْقٍ اللّٰهُمَّ اسْقِنَا الْغَيْثَ وَنْصُرْنَا عَلَى الْاَعْدَاءِ۔

مولا! اپنے شہر کو ایسی بارش سے سیراب فرما جو فریاد رسی کرنے والی ہو۔ سرسبز وشاداب کرنے والی ہو۔ وسیع خطے پر محیط ہو جلدی ہو تاخیر سے نہ ہو۔ نفع دینے والی ہو ضرر دینے والی نہ ہو۔ مولا! یہ تیری رحمت کا باعث ہو۔ عذاب کا باعث نہ ہو۔ اس سے مکان نہ گریں، مویشی نہ ڈوبیں۔ کوئی چیز نہ جلے۔ مولا! ہمیں بارش سے سیراب فرما۔ اور دشمنوں پر ہماری نصرت فرما۔

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری کھجوریں ہمارے مربد میں ہیں''۔ انہوں نے تین بار یہی گذارش کی۔ حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرض کی ''مولا! ہم پر ابر رحمت فرما'' حتیٰ کہ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ عریاں پاؤں اٹھ کھڑے ہوئے تاکہ مربد کا سوراخ اپنے ازار کے ساتھ بند کر دیں۔ انہوں نے فرمایا ''بخدا! آسمان پر بادل کا نام ونشان نہ تھا۔ مسجد نبوی اور کوہ سلع کے مابین کوئی گھر یا عمارت بھی نہ تھی۔ کوہ سلع کے پیچھے سے ڈھال کی مانند بادل ابھرا۔ وہ آسمان کے وسط میں پہنچ کر پھیل گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ پرکیف منظر دیکھ رہے تھے۔ پھر موسلا دھار بارش برسنے لگی۔ حضرت ابولبابہ عریاں پاؤں بھاگ کر نکل گئے تاکہ مربد کا سوراخ بند کر سکیں اس سے کھجوریں باہر نہ نکل سکیں۔ بخدا! سات روز تک آفتاب جہانتاب نظر نہ آیا۔ پھر وہ شخص کھڑا ہو گیا جس نے ابر کرم کے لیے التجا کی تھی۔ وہ عرض گزار ہوا ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اموال برباد ہو گئے۔ راستے منقطع ہو گئے'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پاک پر جلوہ افروز ہوئے۔ دعا فرمائی۔ دست ہدایت بخش بلند فرمائے حتیٰ کہ مبارک بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی۔ عرض کی ''پروردگار! ہمارے اردگرد بارش نازل فرما نہ کہ ہمارے اوپر۔ چھوٹے بڑے ٹیلوں پر، وادیوں کے دامنوں میں اور درخت اگنے کی جگہوں پر بارش نازل فرما''۔ بادل درمیان سے اس طرح پھٹ گیا جس طرح کپڑا پھٹتا ہے''۔

''السیرۃ الحلبیہ'' میں ہے ''یہ ابر کرم مدینہ طیبہ اور اس شہر خوباں کے اردگرد کے لیے عام تھا۔ یہ اس وفد کے گھروں تک تھا۔ ابر کرم کے لیے دعا کی روایت بہت سی اور تکرار کے ساتھ ہیں۔ یہ روایت اس روایت کے علاوہ ہے جس میں ایک اعرابی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اس وقت ابر رحمت کے لیے التجاء کی تھی جب آپ منبر پر رونق افروز تھے۔ صاحب الھمزیہ نے اس ایمان افروز معجزہ کی طرف یوں تحریر فرمایا ہے

وَدَعَا لِلْاَنَامِ اِذْ دَهَمَتْهُمْ سَنَةٌ مِنْ مُحُوْلِهَا شَهْبَاءُ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کے لیے اس وقت ابر کرم کی دعا مانگی جب انہیں سخت قحط سالی نے آلیا تھا۔

فَاسْتَهَلَّتْ بِالْغَيْثِ سَبْعَةَ اَيَّامٍ عَلَيْهِمْ سَحَابَةٌ وَطْفَاءُ

ان پر مسلسل سات ایام تک ہر جوانب سے کثیر ابر کرم برستا رہا۔

تَتَحَرّٰى مَوَاضِعَ الرَّعْيِ السَّقْيِ وَحَيْثُ الْعِطَاشُ تُوْهِيَ السِّقَاءُ

بادل نے سیراب کرنے کے لیے ایسی چراگاہیں اور زمینیں تلاش کرلیں جہاں پیاس نے مشکیزہ کو بھی جلا دیا تھا۔

وَاَتَی النَّاسُ یَشْتَکُوْنَ اَذَاھَا　　وَرَخَاءٌ یُؤْذِیْ الْاَنَامَ غَلَاءٌ

لوگ قحط سالی کی شکایت لے کر بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے۔ اور زندگی کی فراخی کا بیش قیمت ہونا لوگوں کو اذیت دیتا ہے۔

فَدَعَا فَانْجَلَی الْغَمَامُ فَقُلْ فِی　　وَصْفِ غَیْثٍ اِقْلَاعُہُ اسْتِسْقَاءُ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی تو بادل آ گیا اور تو بادل کے وصف میں کہہ دے کہ اس کا رکنا ہی ابر رحمت طلب کرنا ہے۔

ثُمَّ اَثْرَی الثَّرٰی فَقَرَّتْ عُیُوْنٌ　　بِقُرَاھَا وَاُحْیِیَتْ اَحْیَاءُ

پھر مٹی بھی سیراب ہو گئی۔ آنکھوں کو ٹھنڈک نصیب ہوئی اور قبائل کو حیات نو نصیب ہو گئی۔

فَتَرَی الْاَرْضَ غِبَّہُ کَسَمَاءٍ　　اَشْرَقَتْ مِنْ نُجُوْمِھَا الظَّلْمَاءُ

تو زمین کو دیکھے گا کہ اس کا پست حصہ بھی بلند و بالا آسمان کی طرح نظر آئے گا۔ جس کے ستاروں سے تاریکیاں کافور ہو گئیں۔

تُخْجِلُ الدُّرَّ وَالْیَوَاقِیْتَ مِنْ　　نُوْرِ رُبَاھَا الْبَیْضَاءُ وَالْحَمْرَاءُ

اس کے بلند و بالا سفید اور سرخ حصوں نے موتیوں اور یاقوتوں کو بھی ندامت سے بھر دیا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "حضور تاجدار عرب و عجم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد ہمایوں میں لوگوں کو سخت قحط سالی کا سامنا کرنا پڑا۔ جمعۃ المبارک کا دن تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر رونق افروز تھے۔ ایک اعرابی اٹھ کھڑا ہوا"۔ اس نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مال ہلاک ہو گیا۔ اہل و عیال بھوکے ہو گئے۔ رب تعالیٰ سے دعا مانگیں کہ وہ ہمیں ابر کرم سے نواز دے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست اقدس بلند فرما دیئے۔ آسمان پر بادل کا ایک ٹکڑا بھی نہ تھا۔ پہاڑوں کی طرح بادل گھومنے لگا۔ ابھی آپ اپنے منبر مبارک سے نیچے بھی نہیں اترے تھے کہ ہم نے آپ کی ریش مبارک کے بارش سے قطرات گرتے ہوئے دیکھے۔ پھر اگلے جمعۃ المبارک تک لگاتار ابر رحمت نازل ہوتا رہا۔ اگلے جمعۃ المبارک وہی اعرابی یا اس کے علاوہ کوئی اور کھڑا ہو گیا۔ وہ عرض کرنے لگا "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر گر گئے۔ مال غرق ہو گیا۔ ہمارے لیے رب تعالیٰ سے دعا فرمائیں۔ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دست اقدس بلند فرمائے۔ یوں عرض کی "ہمارے اردگرد بارش برسا۔ ہم پر نہ برسا"۔ جونہی آپ نے اپنے دست حق نما سے آسمان کی طرف اشارہ کیا تو فوراً بادل پھٹ گیا اور مدینہ طیبہ کی فضا بالکل صاف ہو گئی۔ حتیٰ کہ ایک ماہ تک وادیاں پانی سے بہتی رہیں۔ مدینہ طیبہ کے اطراف سے جو بھی آتا وہ کثیر بارش کا تذکرہ کرتا"۔

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عیدگاہ کی طرف تشریف لے گئے۔ آپ نے یہ دن صحابہ کرام کے لیے متعین فرما رکھا تھا کہ وہ اس روز باہر نکلیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے منبر پاک رکھ دیا گیا۔ آپ نے ابر کرم کے لیے دعا فرمائی جو درِ اجابت پر

فوراً قبول ہوئی۔ ابر رحمت برسنے لگا۔ ایک دفعہ ایک اعرابی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اس حالت میں حاضر ہوئے ہیں کہ ہمارا کوئی اونٹ بلبلانے والا نہیں رہا۔ کوئی بچہ آواز نکالنے والا نہیں۔ سخت قحط سالی نے آلیا ہے"۔ پھر اس نے چند اشعار عرض کیے جن میں سے ایک شعر یہ بھی تھا۔

لَیْسَ لَنَا اِلَّا اِلَیْكَ فِرَارُنَا وَاَیْنَ فِرَارُ النَّاسِ اِلَّا اِلَی الرُّسُلِ

حضور! ہم نے بھاگ کر آپ کے دامن کرم میں ہی پناہ لی ہے۔ لوگوں کا فرار تو صرف رسل عظام کی طرف ہی ہوتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھ کھڑے ہوئے۔ ردائے پاک نیچے گھسٹ رہی تھی۔ آپ منبر مبارک پر جلوہ افروز ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابر کرم کی دعا مانگی تو رحمت کا مینہ برسنے لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اگر آج ابو طالب زندہ ہوتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں۔ ان کا وہ شعر مجھے کون سنائے گا؟ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اٹھے۔ عرض گزار ہوئے "یا رسول اللہ! شاید آپ یہ شعر مراد لے رہے ہیں۔

وَاَبْیَضُ یُسْتَسْقَی الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ ثِمَالُ الْیَتَامٰی عِصْمَةٌ لِلْاَرَامِلِ

وہ سفید رنگ والے ہیں۔ جن کے چہرے کے طفیل بارش طلب کی جاتی ہے۔ وہ یتیموں کی پناہ گاہ اور بیواؤں کے محافظ ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ہاں"

دوسری روایت میں ہے کہ جب یہ وفد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! بارش رک گئی، درخت خشک ہو گئے۔ جانور ہلاک ہو گئے۔ لوگ قحط سالی کا شکار ہو گئے۔ ہمارے لیے رب تعالیٰ سے ابر کرم کی دعا مانگیں"۔ آپ باہر تشریف لے آئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے ہمراہ تھے۔ وہ سب وقار اور سکون کے ساتھ چل رہے تھے۔ آپ عید گاہ تشریف لے آئے۔ آپ مصلیٰ امامت پر تشریف لے گئے۔ صحابہ کرام کو دو رکعتیں نماز پڑھائی۔ ان میں بلند آواز سے قراءت فرمائی۔ آپ نماز عیدین اور نماز استسقاء میں پہلی رکعت سورۂ فاتحہ کے بعد سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۝ اور دوسری رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ۝ پڑھتے تھے۔ نماز پڑھنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا چہرۂ انور صحابہ کرام کی طرف کیا۔ اپنی چادر مبارک کو الٹ کر دیا۔ تاکہ قحط سالی خوش حالی میں تبدیل ہو جائے۔ پھر آپ گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے دست اقدس بلند فرمائے۔ پھر یہ دعا مانگی۔

اللّٰھم اسقفا غیثا مغیثا واسعا طبقا مخدقا عاما ھنیئًا مریئًا مریعا مربّعًا وابلا شاملا مجللا دارا نافعا غیر ضار عاجلا غیر اجل، اللّٰھم غیثا تحی بہ انبلا دو ثغیث بہ العباد و تجعلہ بلا غا للحاضر منا والباد اللّٰھم انزل فی ارضنا زینتھا و انزل علینا سکینتھا، اللّٰھم انزل علینا من السماء ماء طھورا تحی بہ بلدك المیت و تسقیہ مما خلقت انعاما و اناسی کثیرا

"مولا! ہم پر ایسی بارش برسا جو فریاد رسی کرنے والی ہو۔ جو وسیع ہو۔ جو عام ہو۔ جو خوشگوار ہو۔ کثیر ہو۔ وہ مشقت کے بغیر حاصل ہونے والی ہو۔ وہ موسم بہار کی بارش ہو۔ وہ راحت افزا ہو۔ وہ موسلا دھار اور لگا تار ہو۔

عام ہو وہ نفع رساں ہو۔ نقصان دینے والی نہ ہو۔ جلد آنے والی ہو دیر سے آنے والی نہ ہو۔ پروردگار! ہم پر ایسی بارش نازل کر دے جس سے تو شہروں کو حیات نو عطا کرے۔ جس کے ساتھ تو اپنے بندوں کی مدد کرے۔ اسے ہمارے شہری اور دیہاتی کے لیے پیغام بنا دے۔ مولا! ہماری زمین پر اس کی زینت اتار دے۔ ہم پر اس کی سکینت اتار دے۔ مولا! ہم پر پاکیزہ پانی نازل فرما۔ جس کے ساتھ تو اپنے مردہ شہر کو نئی زندگی نصیب فرما۔ اس سے اپنے تخلیق کردہ جانوروں اور بہت سے لوگوں کو سیراب فرما''۔

صحابہ کرام وہیں موجود رہے۔ حتیٰ کہ آسمان سے بادل کے ٹکڑے آپس میں مل گئے۔ پھر سات شب و روز تک لگاتار بارش برستی رہی مدینہ طیبہ سے بارش نہ رکی۔ حتیٰ کہ صحابہ کرام آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ آپ اپنے منبر پر جلوہ افروز تھے۔ انہوں نے عرض کی ''زمین ڈوب گئی۔ گھر برباد ہو گئے۔ راستے منقطع ہو گئے۔ اللہ رب العزت سے دعا مانگیں کہ وہ یہ بادل ہم سے پھیر لے۔ ابن آدم کے جلد تنگ دل ہو جانے کی وجہ سے حضور ﷺ مسکرانے لگے حتیٰ کہ آپ ﷺ کے مبارک دندان نظر آنے لگے۔ پھر آپ ﷺ نے اپنے دست اقدس بلند فرما دیے۔ یہ دعا مانگی ''مولا! ہمارے اردگرد بارش نازل فرما۔ ہم پر نازل نہ کر۔ مولا! چھوٹے بڑے ٹیلوں پر، درخت اگنے کی جگہوں پر اور وادیوں کے دامنوں میں بارش نازل کر'' پھر بادل مدینہ طیبہ سے چھٹ گیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا ''خدا کی شان والا! اگر آج ابو طالب زندہ ہوتے تو ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک نصیب ہوتی۔ ان کا وہ شعر ہمیں کون سنائے گا؟ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! شاید آپ کی مراد ان کا یہ شعر ہے۔

وابیض یستسقی الغمام بوجهه

آپ ﷺ نے فرمایا ''ہاں'' یہ تمام روایات اس امر پر دلالت کرتی ہیں آپ ﷺ سے کئی بار باران رحمت کے لیے دعا کی التجا کی گئی۔ ہر مرتبہ انہیں ابر رحمت سے نوازا گیا یہ بھی آپ ﷺ کا معجزہ ہے

پھر آپ ﷺ نے بنو فزارہ کو اسی طرح اجازت دے دی جس طرح آپ نے دیگر وفود کو اجازت مرحمت فرمائی تھی۔ وہ اپنی قوم کی طرف لوٹ آئے۔

وفد بنی اسد

بنو اسد کے بعض افراد آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ ان میں حضرت حضرمی بن عامر تھے۔ یہ مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے۔ حضور نبی کریم ﷺ اس وقت اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ مسجد نبوی میں جلوہ افروز تھے۔ ان میں سے ایک شخص نے عرض کی ''یا رسول اللہ! ﷺ میں گواہی دیتا ہوں کہ رب تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ وہ وحدہ لاشریک ہے۔ آپ اس کے بندے اور رسول مکرم ہیں''۔ پھر بقیہ افراد بھی مشرف باسلام ہو گئے۔ انہوں نے عرض کی ''یا رسول اللہ! ﷺ ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ آپ نے ہماری طرف کوئی پیغام بھی نہیں بھیجا جو لوگ ہمارے پیچھے رہ گئے ہیں۔ ہم ان کے ذمہ دار ہیں''۔

دوسری روایت کے مطابق حضرت حضرمی بن عامر نے عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم تاریک رات کے پردہ میں قحط کے سال میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ آپ نے ہماری طرف اپنا نمائندہ بھی نہیں بھیجا''۔ ایک اور روایت کے مطابق انہوں نے عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم اسلام لے آئے ہیں۔ ہم نے آپ کے ساتھ جنگ نہیں کی جس طرح اہل عرب نے آپ کے ساتھ جنگ کی ہے۔ اللہ رب العزت نے اپنے محبوب کرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ آیت طیبہ نازل کی۔

يَمُنُّونَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ؕ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۷﴾ (الحجرات)

''وہ احسان جتلاتے ہیں آپ پر کہ وہ اسلام لے آئے۔ فرمایئے مجھ پر احسان نہ جتلاؤ اپنے اسلام کا۔ بلکہ اللہ نے احسان فرمایا ہے تم پر کہ تمہیں ایمان کی ہدایت بخشی اگر تم (اپنے ایمان کے دعویٰ میں) سچے ہو''۔ (جمال القرآن)

اس وفد نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زمانہ جاہلیت کے امور عیافہ (پرندوں سے فال پکڑنے) کہانت اور کاہنوں کے متعلق پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں منع فرما دیا۔ انہوں نے عرض کی ''یارسول اللہ! ایک خصلت باقی رہ گئی ہے۔ آپ نے استفسار فرمایا ''کون سی؟ انہوں نے عرض کی ''خط یعنی خط رمل اور اس کی پہچان۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اسے ایک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانتے تھے جو ان جیسا علم رکھتا ہو وہ اسے جان لے''۔ امام مسلم کی روایت کے مطابق آپ نے فرمایا ''جن کا خط ان کے ساتھ موافق آ گیا تو یہ اس کے لیے مباح ہے مگر یہ اباحت موافقت کے عیاں ہو جانے کے ساتھ مشروط ہے'' شرح صحیح مسلم میں ہے۔ علماء کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کے خط کے ممنوع ہونے پر بھی اتفاق ہے کیونکہ کوئی ایسا ذریعہ نہیں جس کے ذریعہ ہمیں موافقت کا یقینی علم ہو سکے۔ گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اگر تم وہ موافقت جان لو تو۔۔۔۔ لیکن اس موافقت کا تمہیں علم نہیں۔

یہ وفد کافی عرصہ مدینہ طیبہ میں ٹھہرا رہا وہ علم سیکھتا رہا۔ پھر یہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہو گیا۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو الوداعی سلام پیش کیا آپ نے انہیں چاندی عطا کرنے کا حکم دیا۔ پھر یہ وفد اپنے اہل خانہ کے پاس لوٹ آیا۔

وفد بنی عذرہ

بنو عذرہ یمن کا قبیلہ تھا۔ بارہ افراد کا وفد بارگاہ رسالت پناہ میں حاضر ہوا۔ انہوں نے زمانہ جاہلیت کا سلام عَمَّ صَبَاحًا عرض کیا۔ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا ''تمہارا تعلق کس قوم کے ساتھ ہے؟ ان میں سے ایک شخص نے عرض کی ''ہم وہ ہیں جنہوں نے قصی کی مدد کی تھی۔ خزاعہ اور بنو بکر کو مکہ مکرمہ کی وادی سے نکال دیا تھا۔ ہمارے کئی قرابتیں اور رشتہ داریاں ہیں'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں فرمایا ''تمہیں خوش آمدید! انس و محبت محسوس کرو، وحشت محسوس نہ کرو'' پھر فرمایا ''تمہیں اسلام کے سلام سے کس چیز نے روکا؟ وہ عرض گزار ہوئے ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم اپنے آباء کے دین پر تھے۔ ہم اپنے رشتہ داروں اور قوم کے دین سے منہ موڑ کر آپ کے پاس پہنچے ہیں۔ آپ کس کی طرف دعوت دیتے ہیں؟ حضور داعی اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''میں رب تعالیٰ وحدہ لاشریک کی عبادت کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ نیز یہ گواہی دو کہ میں سارے لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں''۔ ان میں سے ایک شخص نے عرض کی ''اس کے بعد کیا ہے؟'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''نمازیں! جنہیں پاک و صاف ہو کر ان کے

وقت پر ادا کیا جائے یہ افضل عمل ہے"۔ پھر آپ ﷺ نے ان کے لیے بقیہ فرائض روزہ، زکوۃ اور حج کا تذکرہ فرمایا۔ انہوں نے اسلام لانے کی سعادت ابدی حاصل کر لی۔ حضور ہادی اعظم ﷺ نے انہیں شام کی فتح کی بشارت دی۔ ہرقل کے بھاگ جانے کا مژدہ سنایا۔ انہیں کاہنوں سے سوال کرنے سے منع کیا کیونکہ انہوں نے عرض کی تھی "یارسول اللہ! ﷺ ہم میں ایک کاہنہ عورت موجود ہے۔ قریش اور دیگر عرب ان کے پاس فیصلے کرانے کے لیے جاتے ہیں۔ کیا ہم اس سے امور کے متعلق پوچھ لیا کریں؟" حضور ﷺ نے فرمایا "اس سے کسی چیز کے متعلق نہ پوچھو" حضور ﷺ نے انہیں بتوں کے ناموں پر جانوروں ذبح کرنے سے منع کر دیا" انہوں نے عرض کی "یارسول اللہ! ﷺ ہم آپ کے انصار اور مددگار ہیں" حضور ﷺ نے انہیں انعامات سے نوازا۔ ان میں سے ہر ایک کو چادر عطا کی۔ وہ واپس لوٹ آئے۔

وفد بلّی

بلّی بنو قضاعہ کے ایک قبیلہ کا نام تھا۔ یہ بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئے۔ انہیں ان کے شیخ ابو الضبیب نے جمع کیا۔ یہ حضرت رویفع بن ثابت البلوی رضی اللہ عنہ کے ہاں بطور مہمان ٹھہرے۔ وہ انہیں لے کر بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہو گئے۔ عرض کناں ہوئے "یارسول اللہ! یہ میری قوم ہے" حضور نبی رحمت ﷺ نے انہیں فرمایا "تمہیں اور تمہاری قوم کو خوش آمدید!" اس وفد نے قبول اسلام کا شرف حاصل کیا۔ حضور ﷺ نے ان سے فرمایا "تمام تعریفیں اللہ رب العزت کے لیے ہیں جس نے تمہیں شرف اسلام سے مشرف فرمایا۔ تم میں سے جو بھی اسلام کے علاوہ کسی اور دین پر مرے گا وہ آگ کا ایندھن بنے گا"۔

دوسری روایت میں حضرت رویفع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ انہوں نے فرمایا "میرے ہاں میری قوم کا وفد آیا۔ میں نے انہیں اپنے ہاں ٹھہرایا۔ پھر انہیں لے کر بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہو گیا۔ آپ اپنے صحابہ کرام میں تشریف فرما تھے۔ ہم نے آپ کو سلام عرض کیا۔ آپ نے فرمایا "رویفع!" میں نے عرض کی "لبیک!" آپ نے فرمایا "یہ کون لوگ ہیں؟" میں نے عرض کی "یہ میری قوم ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "تمہیں اور تمہاری قوم کو خوش آمدید!" میں نے عرض کی "یا رسول اللہ! ﷺ یہ اسلام کا اقرار کرتے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ یہ اپنی قوم کے ذمہ دار ہیں"۔ حضور ﷺ نے فرمایا "اللہ رب العزت جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ رکھتا ہے۔ اس کی راہ نمائی اسلام کی طرف کرتا ہے" شیخ وفد حضرت ابوضبیب آگے بڑھے۔ وہ حضور ﷺ کے سامنے بیٹھ گئے۔ انہوں نے عرض کی "ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ تاکہ آپ ﷺ کی تصدیق کریں۔ ہم گواہی دیں کہ آپ ﷺ رب تعالیٰ کے نبی برحق ہیں۔ ان معبودان باطلہ کو چھوڑ دیں جن کی پوجا ہمارے آباء کرتے تھے"۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "ساری تعریفیں اللہ رب العزت کے لیے ہیں جس نے تمہیں اسلام کی طرف ہدایت دی۔ جو بھی اسلام کے علاوہ کسی اور دین پر مرے گا اس کا ٹھکانہ آتش جہنم ہو گا"۔ حضرت ابوضبیب نے عرض کی "یارسول اللہ! ﷺ مجھے ضیافت کا بہت شوق ہے۔ کیا مجھے اس کا اجر ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا "ہاں! کسی بھی غنی یا فقیر کے ساتھ تم جو بھلائی کرو گے وہ صدقہ ہے" انہوں نے عرض کی "یارسول اللہ!

ضیافت کی مدت کتنی ہے؟ آپ نے فرمایا ''تین دن'' انہوں نے عرض کی ''اس کے بعد کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا'' وہ صدقہ ہے۔ مہمان کے لیے روا نہیں کہ وہ اس کے بعد بھی تمہارے ہاں ٹھہرا رہے اور تمہارے لیے تنگی پیدا کرے'' دوسری روایت میں ہے ''تمہیں گناہ پر مجبور کرے کہ تم اس کے متعلق بری بات کرو'' انہوں نے عرض کی ''یا رسول اللہ! انہیں۔ اس بکری کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں جو مجھے جنگل میں ملے؟ آپ نے فرمایا'' وہ تمہارے لیے یا تمہارے بھائی کے لیے یا بھیڑیے کے لیے ہے'' انہوں نے عرض کی ''اونٹ کے متعلق کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا ''تمہیں اس کے ساتھ کیا سروکار! اسے چھوڑ دو حتیٰ کہ اس کا مالک اسے پالے''۔

حضرت رویفع رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''پھر وہ اہل وفد اٹھ کھڑے ہوئے اور میرے گھر آ گئے۔ حضور ﷺ بھی میرے گھر میں جلوہ افروز ہوئے۔ آپ کے ہمراہ کھجوریں تھیں۔ آپ نے فرمایا ''مہمانوں کی ضیافت میں انہیں استعمال کرو''۔ وہ ان میں سے اور دیگر کھجوروں میں سے کھاتے رہے۔ وہ تین دن تک میرے ہاں ہی قیام پذیر رہے۔ پھر انہوں نے حضور ﷺ کو الوداعی سلام عرض کیا۔ آپ نے انہیں اجازت مرحمت فرما دی۔ وہ اپنے شہر کی طرف لوٹ آئے''۔

وفد بنی مرّۃ

بنو مرہ کے تیرہ افراد بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئے۔ ان کے سردار حارث بن عوف تھے۔ انہوں نے عرض کی ''یا رسول اللہ! ﷺ ہم آپ کا خاندان اور آپ کی قوم ہیں۔ ہمارا تعلق بنو لوئی بن غالب سے ہے'' یہ سن کر حضور ﷺ تبسم ریز ہوئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''اہل و عیال کو کہاں چھوڑ آئے ہو؟'' انہوں نے عرض کی ''اسلحہ اور ان کے مابین جو اس کے ساتھ محبت کرے'' حضور ﷺ نے فرمایا ''شہروں کی حالت کیا ہے؟'' انہوں نے عرض کی ''بخدا! ہم قحط سالی کا شکار ہیں۔ آپ ہمارے لیے بارش کی دعا فرمائیں''۔ حضور ﷺ نے یہ دعا فرمائی ''مولا! ان پر ابر کرم نازل فرما'' وہ کچھ دیر مدینہ طیبہ میں ہی قیام پذیر رہے۔ پھر اپنے شہر کی طرف جانے کا ارادہ کیا۔ وہ حضور ﷺ کو الوداعی سلام عرض کرنے کے لیے حاضر خدمت ہوئے۔ آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ ان میں سے ہر شخص کو دس دس اوقیہ چاندی عنایت کریں اور حضرت حارث بن عوف رضی اللہ عنہ کو بارہ اوقیہ چاندی دیں''۔ وہ اپنے شہر واپس لوٹ آئے۔ انہوں نے دیکھا کہ وہاں بارش برسی تھی۔ اپنی قوم سے اس بارش کے متعلق سوال کیا کہ تم پر کب بارش کرم نازل ہوئی؟ وہ وہی دن تھا جب حضور رحمت عالم ﷺ نے ان کے لیے ابر کرم کی دعا مانگی تھی۔ اس کے بعد وہ شہر سرسبز و شاداب ہو گئے۔

وفد خولان

یہ یمن کا وفد تھا۔ خولان کے دس افراد بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے عرض کی ''یا رسول اللہ! ﷺ ہم اپنی بقیہ قوم کے ذمہ دار ہیں۔ ہم اللہ رب العزت پر ایمان لے آئے ہیں اور اس کے رسول مکرم ﷺ کی تصدیق کرتے ہیں۔ یا رسول اللہ! ﷺ آپ کے پاس آنے کے اشتیاق میں ہم نے اپنی سواریوں کو کمزور کر دیا ہے۔ ہم

نے زمین کے نشیب وفراز کو روندھ ڈالا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہم پر بڑا احسان ہے۔ ہم آپ کی زیارت کی غرض سے حاضر خدمت ہوئے ہیں''۔ حضور تاجدار حرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جوتم نے میری طرف آنے کا ذکر کیا ہے تو تمہارے ہر اونٹ کے ہر قدم کے عوض تمہیں نیکی ملے گی۔ جوتم میری زیارت کی نیت سے آئے ہو تو جس نے مدینہ طیبہ میں میری زیارت کی وہ روز حشر میرے پڑوس میں ہوگا''۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بت خولان کے متعلق پوچھا۔ جس کا نام عم انس تھا خولان اس کی پوجا کرتے تھے۔ انہوں نے عرض کی ''اس کے عوض رب تعالیٰ نے ہمیں وہ دین متین عطا کیا ہے جسے لے کر آپ رونق افروز ہوئے ہیں۔ ہمارے صرف چند بوڑھے اور بوڑھیاں اس کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں۔ ہم واپس جا کر اسے نیچے گرادیں گے۔ اس نے ہمیں بہت زیادہ دھوکہ اور فریب میں مبتلا رکھا ہے''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''تم نے اس کا سب سے بڑا فتنہ کیا دیکھا ہے؟'' انہوں نے عرض کی ''ایک دفعہ ہمیں سخت قحط سالی نے آلیا حتیٰ کہ ہم بوسیدہ ہڈیاں کھانے پر مجبور ہو گئے۔ ہم نے اپنی استطاعت کے مطابق اس کے لیے کچھ روپیہ پیسہ جمع کیا اس سے ایک سو بیل خریدے۔ پھر ایک ہی وقت سارے اس بت کے لیے قربان کردیے۔ ہم نے ان کا گوشت درندوں کے لیے چھوڑ دیا حالانکہ ہم درندوں سے زیادہ اس کے محتاج تھے۔ اسی وقت ہم پر بارش برسنے لگی۔ ہم نے سرسبز وشاداب گھاس دیکھی جو لوگوں کو چھپار ہی تھی۔ ہم میں سے کہنے والے نے کہا ''عم انس نے ہم پر انعام کیا'' انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اپنے اموال، جانوروں اور کھیتوں میں سے جو کچھ اس بت کے لیے وقف کرتے تھے اس کا بھی تذکرہ کیا۔ انہوں نے کہا ''ہم کھیتی کاشت کرتے۔ اسے دو حصوں میں تقسیم کردیتے۔ ایک حصہ بت کے لیے دوسرا حصہ اللہ تعالیٰ کے لیے رکھ دیتے۔ اگر بت کے حصہ میں سے ہوا کچھ کھیتی برباد کردیتی تو اللہ تعالیٰ کے حصہ میں سے لے کر اسے پورا کردیتے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے حصہ میں کمی ہو جاتی تو بت کے حصہ میں سے لے کر اس کمی کو پورا نہ کیا جاتا'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''رب تعالیٰ نے اسی قبیح حرکت کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ آیت طیبہ نازل کی ہے۔

وَجَعَلُوا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ۗ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾ (الانعام)

''اور انہوں نے بنا رکھا ہے اللہ کے لیے اس سے جو وہ پیدا فرماتا ہے فصلوں اور مویشیوں سے مقررہ حصے اور کہتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کیلئے ہے ان کے خیال میں اور یہ ہمارے شریکوں کیلئے تو وہ (حصہ) جو ہوان کے شریکوں کے لیے تو وہ نہیں پہنچتا اللہ تعالیٰ کو اور جو (حصہ) ہو اللہ تعالیٰ کیلئے تو وہ پہنچ جاتا ہے ان کے شریکوں کو کیا ہی برا فیصلہ کرتے ہیں''۔ (جمال القرآن)

انہوں نے عرض کی ''جب ہم فیصلہ کرانے کے لیے اس بت کے پاس جاتے تو وہ ہمارے ساتھ باتیں بھی کرتا تھا'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''وہ شیاطین تھے جو تمہارے ساتھ باتیں کرتے تھے''۔

اس وفد نے آپ سے دین کے فرائض کے متعلق پوچھا آپ نے انہیں ان سے آگاہ فرمایا۔ آپ نے انہیں وفائے عہد، پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور کسی پر ظلم نہ کرنے کا حکم دیا۔ روز حشر ظلم تہ در تہ تاریکیوں میں ظاہر ہوگا۔ چند ایام کے بعد انہوں نے آپ کو الوداعی سلام کیا۔ آپ نے انہیں اجازت مرحمت فرمادی۔ ہر فرد کو ساڑھے بارہ اوقیہ چاندی عطا فرمائی۔ یہ حضرات اپنی قوم کے پاس گئے انہوں نے اپنا سامان سفر نہ کھولا حتیٰ کہ بت ''عم انس'' کو پیوند خاک کر دیا۔

وفد بنی محارب

بنو محارب کا دس افراد کا وفد بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوا۔ ان میں حزیمہ بن سواد بھی تھے۔ جب حضور مبلغ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ میں تبلیغ اسلام کے لیے حج کے ایام میں متفرق قبائل کے پاس تشریف لے جاتے تھے تو اس قبیلہ نے سب سے زیادہ درشت اور سخت جواب دیا تھا۔ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز ظہر سے نماز عصر تک ان میں تشریف فرما رہے۔ آپ نے ایک شخص کو بغور دیکھا۔ آپ نے فرمایا ''میں نے تمہیں پہلے بھی کہیں دیکھا ہے؟ اس شخص نے عرض کی ''بخدا! حضور آپ نے مجھے دیکھا ہے۔ میں نے آپ کے ساتھ فحش کلامی کی تھی۔ عکاظ کے میلہ میں آپ سے سخت لہجہ میں بات چیت کی تھی۔ آپ اس وقت مختلف قبائل کے پاس تشریف لے جا رہے تھے''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''ہاں! اس شخص نے عرض کی ''اس روز میرے ساتھیوں میں سے کوئی ایسا شخص نہ تھا۔ جس کا لہجہ مجھ سے زیادہ سخت تھا اور مجھ سے زیادہ اسلام سے دور تھا۔ میں رب تعالیٰ کی ستائش کرتا ہوں جو مجھے آپ کی خدمت میں لے آیا۔ حتیٰ کہ میں نے آپ کی تصدیق کر دی۔ اس وقت کے میرے سارے ساتھی اپنے دین پر ہی مر گئے''۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''یہ دل رب تعالیٰ کے دست تصرف میں ہیں''۔ وہ عرض گزار ہوا ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے لیے مغفرت کی دعا کریں'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اسلام پہلے کی خطائیں مٹا دیتا ہے'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حزیمہ بن سواد کے چہرہ کو مس کیا تو ان کے چہرہ پر سفید نشان پڑ گیا۔ دیگر وفود کی طرح اس وفد کو انعامات شاہانہ سے نوازا! یہ وفد واپس آ گیا۔

وفد صداء

صداء یمن کے عربوں کا ایک قبیلہ تھا۔ صداء کے پندرہ افراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضور سپہ سالار اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں میں سے چار سو مجاہدین کا لشکر تیار فرمایا۔ حضرت قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر مقرر فرمایا۔ آپ نے انہیں سفید جھنڈا اور سیاہ پرچم عطا فرمایا۔ آپ نے انہیں حکم دیا کہ وہ یمن کے اس علاقہ میں لشکر کشی کریں جس جگہ صداء کا قبیلہ آباد ہے۔ اس قبیلہ کا ایک فرد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا۔ اسے اس لشکر کا علم ہو گیا۔ وہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہو گیا۔ عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اپنی قوم کو وفد کی صورت میں آپ کی خدمت میں پیش کر دوں گا۔ آپ اس لشکر کو واپس بلا لیں''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت قیس رضی اللہ عنہ کو واپس آ جانے کا حکم دیا۔ وہ صدائی اپنی قوم کے پاس گئے۔ پھر اسے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ حضرت سعد بن عبادہ

عرض گزار ہوئے "یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں میرے ہاں فروکش ہونے کی اجازت عطا فرمائیں"۔ یہ وفد ان کے ہاں بطور مہمان ٹھہرا۔ انہوں نے انہیں عطیات اور نوازشات عطا کیں۔ انہیں پوشاکیں زیب تن کیں۔ پھر انہیں لے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ انہوں نے آپ کے دست حق نما پر بیعت کی اور عرض کی "ہماری اس قوم کے ہم ذمہ دار ہیں جو پیچھے رہ گئی ہے"۔ یہ حضرات اپنی قوم میں چلے گئے۔ اور اسلام کو پھیلانے کی سعی جمیل کرنے لگے۔ حجۃ الوداع میں اس قبیلہ کے ایک سو افراد نے آپ سے ملاقات کا شرف ابدی حاصل کیا وہ عظیم شخصیت جس نے لشکر لوٹانے اور اپنی قوم کا وفد بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر کرنے کی سعادت حاصل کی تھی۔ وہ حضرت زیاد بن حارث الصدائی تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں فرمایا "اے صداء کے بھائی! تمہاری قوم میں تمہاری اطاعت کی جاتی ہے۔ انہوں نے عرض کی" بلکہ یہ اللہ رب العزت اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا احسان ہے" دوسری روایت کے مطابق انہوں نے عرض کی "بلکہ رب تعالیٰ نے انہیں اسلام کی طرف ہدایت دی۔ حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "کیا میں تمہیں ان کا امیر نہ بنادوں؟ میں نے عرض کی "ضرور یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ان کے صدقات میں سے بھی میرے لیے حکم لکھوا دیں" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ہاں" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک اور مکتوب میرے لیے لکھوا دیا۔ حضرت زیاد رضی اللہ عنہ نے فرمایا "سفر میں مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت کا شرف حاصل تھا۔ میں ایک قوی شخص تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری کے جانور کی رکاب تھامنے کا شرف ابدی نصیب تھا۔ صحابہ کرام الگ الگ گروہوں میں رواں دواں تھے۔ وقت سحر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "صداء کے بھائی آذان دو" میں نے اپنی سواری پر ہی آذان دی۔ ہمارا سفر جاری رہا حتیٰ کہ ہم ایک جگہ فروکش ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے۔ پھر واپس تشریف لائے تو فرمایا "صداء کے بھائی! کیا تمہارے پاس پانی ہے؟ میں نے عرض کی "میرے مشکیزے میں تھوڑا سا پانی ہے۔ وہ پانی تھوڑا ہے۔ ممکن ہے آپ کے لیے ناکافی ہو" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اسے لے آؤ" میں نے وہ پانی آپ کی خدمت میں پیش کر دیا"۔ آپ نے فرمایا "وہ پانی انڈیل دو" میں نے پانی بڑے پیالے میں انڈیل دیا۔ صحابہ کرام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ آکر ملنے لگے۔ پھر آپ نے اپنا وہ دست اقدس اس پانی میں رکھ دیا۔ مجھے آپ کی ہر دو انگلیوں کے مابین سے پانی اچھلتا ہوا نظر آیا۔ پھر آپ نے فرمایا "صداء کے بھائی! اگر مجھے رب تعالیٰ سے حیاء نہ آتی تو ہم پانی پیتے رہتے، پلاتے رہتے" پھر آپ نے وضو فرمایا اور فرمایا "میرے صحابہ کرام میں اعلان کر دو کہ جسے پانی کی ضرورت ہو وہ پانی لے جائے۔ آخری شخص تک پانی لینے آ گئے۔ پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ اقامت کہنے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "صداء کے اس بھائی نے آذان دی ہے جو آذان دے وہی اقامت کہے" میں نے اقامت کہی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں امامت کرائی۔ آپ نے سلام پھیرا تو ایک شخص اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے اپنے عامل کی شکایت کی۔ اس نے عرض کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ ہم سے ہر وہ چیز لے لینا چاہتا ہے جو ہمارے اور اس کے مابین زمانہ جاہلیت میں تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "مسلمان شخص کے لیے امارت میں کوئی بھلائی نہیں" پھر ایک اور شخص اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ عرض پیرا ہوا "یارسول اللہ! مجھے صدقہ عطا فرمائیں"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "رب تعالیٰ نے صدقہ کی تقسیم کسی مقرب فرشتہ اور نبی مرسل کے سپرد نہیں کی۔ بلکہ اس کے آٹھ جزو بنا دیے

ہیں۔ اگر تمہارا حصہ بنتا ہو گا تو میں تمہیں وہ حصہ دے دوں گا۔ اگر تو اس سے مستغنی ہوا تو پھر یہ سر کا درد اور پیٹ کی بیماری ہے" پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اپنی قوم کے اس شخص کے متعلق مجھے بتاؤ جسے میں عامل مقرر کروں"۔ میں نے آپ سے ان میں سے ایک شخص کے متعلق عرض کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے عامل بنا دیا۔ میں نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ہمارا ایک کنواں ہے۔ موسم سرما میں تو ہمیں اس کا پانی کافی مل جاتا ہے۔ البتہ موسم گرما میں وہ پانی قلیل ہو جاتا ہے ہم متفرق کنوؤں پر چلے جاتے ہیں مسلمانوں کی تعداد کم ہے۔ ہمیں دشمن سے خطرہ ہے۔ ہمارے کنویں کے متعلق رب تعالیٰ سے دعا مانگیں"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا "مجھے سات سنگریزے پکڑاؤ"۔ میں نے سات کنکریاں پیش کیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اپنے دست اقدس میں پھیرایا۔ پھر مجھے عنایت فرما دیں۔ فرمایا "جب اس کنویں پر پہنچو تو اس میں ایک ایک کر کے گراتے جانا اور بسم اللہ پڑھتے جانا"۔ میں نے اسی طرح کیا۔ آج تک ہمیں اس کنویں کی تہہ معلوم نہیں ہو سکی۔

وفد غسان

غسان ایک چشمہ کا نام تھا۔ جہاں ازد قوم آباد تھی۔ وہ اسی چشمہ کی طرف منسوب ہوتے تھے۔ بنو حنیفہ انہی میں سے تھے۔ دوسرے قول کے مطابق اس قبیلہ کا نام ہی غسان تھا۔ اس قبیلہ کے تین افراد بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے۔ دولت اسلام سے بہرہ مند ہوئے۔ انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم نہیں جانتے کہ ہماری قوم ہماری پیروی کرے گی یا کہ نہیں۔ کیونکہ وہ اپنی سلطنت کی بقاء اور قیصر کا قرب بہت پسند کرتے ہیں"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں عنایات خسروانہ سے نوازا وہ اپنی قوم کے پاس لوٹ گئے۔ جب یہ تینوں حضرات اپنی قوم کے پاس گئے تو اسے دعوت اسلام دی جسے اس نے قبول نہ کیا۔ انہوں نے اپنا اسلام چھپالیا۔

وفد سلامان

اہل عرب کے تین گروہ سلامان کی طرف منسوب ہوتے تھے۔ ازد کا گروہ، طئی کا گروہ، قضاعہ کا گروہ۔ سلامان کے سات افراد بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ ان میں حضرت خبیب بن عمرو السلامانی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ انہوں نے دولت اسلام سمیٹی۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا "ہم نے مسجد نبوی سے باہر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی۔ آپ نماز جنازہ کے لیے تشریف لے جا رہے تھے۔ ہم نے یوں سلام عرض کیا "السلام علیک یا رسول اللہ! آپ نے جواب مرحمت فرمایا اور فرمایا "تمہارا تعلق کس قوم کے ساتھ ہے؟" ہم نے عرض کی "سلامان سے ہم آپ کی خدمت میں بیعت کا شرف سرمدی حاصل کرنے کے لیے حاضر ہوئے ہیں۔ ہم اپنی پیچھے رہ جانے والی قوم کے ذمہ دار ہیں"۔ آپ نے اپنے غلام حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی طرف توجہ فرمائی اور انہیں فرمایا "انہیں ٹھہراؤ"۔ حضرت خبیب فرماتے ہیں۔ میں نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم افضل عمل کون سا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "وقت پر نماز!" انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ نماز ظہر اور نماز عصر پڑھی اور اپنے علاقے میں قحط سالی کا شکوہ کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا مانگی "مولا! ان کے علاقہ میں ابر کرم برسادے"۔

میں نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم اپنے دست اقدس مزید بلند فرمائیں تاکہ زیادہ اور بابرکت بارش نازل ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبسم ریز ہوئے۔ اپنے دست اقدس بلند فرما دیئے۔ حتیٰ کہ میں نے آپ کی بغل مبارک کی سفیدی دیکھی۔ پھر آپ اٹھ کھڑے ہوئے۔ ہم بھی آپ کے ساتھ ہی اٹھے ہم نے مدینہ طیبہ میں تین روز ٹھہرنے کی سعادت حاصل کی۔ ضیافت کے خوب مزے لوٹے۔ پھر آپ کو الوداعی سلام پیش کیا۔ آپ نے ہمیں انعامات دینے کا حکم دیا۔ عاشق صادق حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ہمیں پانچ پانچ اوقیہ چاندی عطا کی۔ پھر معذرت کرتے ہوئے فرمایا ''آج ہمارے پاس اس سے زائد نہیں'' ہم نے کہا ''یہ بھی بہت زیادہ اور بہت بابرکت ہے۔ پھر اپنے وطن لوٹ آئے۔ ہم نے پایا کہ وہاں اسی روز ابر کرم برساتھا۔ جس دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی تھی''۔

وفد بنی عبس

بنو عبس کے تین افراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ہمارے قراء حضرات ہمارے پاس آئے ہیں۔ انہوں نے ہمیں بتایا ہے کہ اس شخص کا کوئی اسلام نہیں جس نے ہجرت نہ کی ہو۔ ہمارے اموال اور جانور ہیں۔ ہماری معیشت کا انحصار انہی پر ہے۔ اگر حقیقت یہ ہے کہ اس شخص کا کوئی اسلام نہیں جس کی کوئی ہجرت نہیں تو ہم انہیں فروخت کر دیتے ہیں۔ اور ہجرت کر کے ہمارا آخری فرد بھی آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو جاتا ہے'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''تم جہاں کہیں بھی ہو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو وہ ذات باری تعالیٰ تمہارے اعمال میں کسی قسم کی کوئی کمی نہیں کرے گا'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خالد بن سنان کے متعلق پوچھا کہ اس کی کوئی اولاد ہے؟ انہوں نے عرض کی ''اس کی کوئی نسل نہیں۔ اس کی صرف ایک بیٹی تھی۔ جو مر گئی تھی''۔

وفد مزینہ

یہ قبیلہ عمرو بن اد بن طابخہ بن الیاس بن مضر کی بیوی کی طرف منسوب ہوتا تھا۔ امام بیہقی نے حضرت نعمان بن مقرن المزنی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''ہمارا چار سو افراد پر مشتمل وفد بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوا (دوسری روایت کے مطابق ان میں بنو جھینہ کے بھی بعض افراد شامل تھے) جب ہم نے واپس جانے کا ارادہ کیا تو ہم میں سے بعض افراد نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں کچھ عطا فرمائیں جسے ہم بطور زاد راہ استعمال کر سکیں''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''عمر انہیں زاد راہ دو'' انہوں نے عرض کی ''میرے پاس تو تھوڑی سی کھجوریں ہیں۔ جو اس قوم کے لیے ناکافی ہیں کچھ اور تو ہے ہی نہیں''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جاؤ اور انہیں زاد راہ دو'' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہی بیان فرماتے ہیں ''جب ہم اس کمرے میں داخل ہوئے تو وہاں کھجوروں کا ڈھیر لگا ہوا تھا گویا کہ وہاں خاکستری رنگ کا اونٹ بیٹھا ہوا تھا۔ اس قوم نے بقدر حاجت کھجوریں لے لیں'' حضرت نعمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''میں سب سے آخر میں اس کمرہ سے نکلا۔ میں نے اسی ڈھیر کی طرف دیکھا تو مجھے وہاں ایک کھجور کی کمی بھی محسوس نہ ہوئی۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کا معجزہ تھا۔ کھجوریں اگرچہ قلیل تھیں وہ بڑھتی رہیں۔ حتیٰ کہ اس قوم نے اپنا زادراہ لے لیا۔ کھجوریں پھر بھی بچ گئیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ چار سو افراد نے ان میں سے کھجوریں لیں۔ ان میں پھر بھی کمی نہ ہوئی۔

وفد اشعریین

یہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی قوم تھی۔ یہ اشعر بن ادد کی طرف منسوب ہوتے تھے۔ ان کا ایک وفد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ ان کے ساتھ کچھ یمن کے مکین بھی تھے۔ جن کا تعلق حمیر بن سباء کے ساتھ تھا۔ ان میں ایاس بن عمرو الحمیری بھی تھے۔ انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ہم آپ کی خدمت عالیہ میں دین سیکھنے آئے ہیں"۔ محققین سیرت نگاروں کا موقف یہ ہے کہ اشعری حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ ۷ ھ فتح خیبر کے وقت آئے تھے۔ جبکہ حمیر ۹ ھ کو آئے تھے۔ اسی لیے یہ بنوتمیم کے ساتھ جمع تھے۔ حضرت حمید بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تمہارے پاس ایسی قوم آرہی ہے۔ جن کے دل تمہارے دلوں سے نرم ہیں" کچھ دیر بعد اشعری آگئے۔۔۔۔ وہ یہ رجز پڑھ رہے تھے۔

غَدًا نَلْقِى الْاَحِبَّه　　مُحَمَّدًا وَحِزْبَه

کل ہم اپنے محبوبوں یعنی محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے وفا کیش دوستوں سے ملاقات کرلیں گے۔

امام احمد نے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تمہارے پاس اہل یمن آرہے ہیں گویا کہ وہ بادل ہیں۔ وہ اہل زمین میں سے بہترین ہیں"۔ ایک انصاری صحابی نے عرض کی "سوائے ہمارے" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش رہے۔ انہوں نے دوبارہ عرض کی "سوائے ہمارے" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاموشی اختیار فرمائی۔ انہوں نے سہ بارہ عرض کی "یا رسول اللہ! سوائے ہمارے" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "سوائے تمہارے" جب اس فرخندہ فال وفد نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کی تو فوراً اسلام لے آئے اور آپ کی بیعت سے مشرف ہوگئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اشعری اس تھیلی کی مانند ہیں جس میں مشک ہو" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا اہل یمن آئے ہیں۔ وہ دل کے اعتبار سے سب سے نرم ہیں۔ ایمان بھی یمنیوں کا ہے حکمت بھی یمنیوں کی ہے۔ بکریاں پالنے والوں میں طمانیت ہوتی ہے۔ اونٹ پالنے والوں میں فخر اور تکبر ہوتا ہے۔ ان کا مسکن مشرق کی سمت ہے"۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایمان کو اہل یمن کی طرف منسوب فرمایا کیونکہ دل کی پاکیزگی اور دقت ونرمی وہ گوہر آبدار ہے جو حق کے عرفان اور اس کی تصدیق کی طرف بلاتی ہے۔ یہ ایمان اور انقیاد ہے۔ حضرت ابوعبیدہ نے اس حدیث طیبہ کا ایک اور مفہوم بھی بیان کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "ایمان کا نکتہ آغاز مکہ مکرمہ ہے۔ جبکہ مکہ مکرمہ تہامہ اور تہامہ یمن سے ہے" بعض علماء کرام نے اس سے مراد انصار لیے ہیں کیونکہ وہ اصل میں یمنی ہیں۔ کیونکہ وہ ایمان کے انصار تھے اسی لیے ایمان کو ان کی طرف منسوب کردیا گیا۔ اس حدیث پاک کی وضاحت میں اور بھی بہت کچھ بیان کیا گیا ہے۔ اس حدیث طیبہ میں ان لوگوں کا وصف بیان کیا گیا ہے جو قوت ایمان اور کمال ایمان کے ساتھ حاضر خدمت ہوئے۔ یہ حدیث پاک اس امر پر دلالت نہیں

کرتی کہ وہ صحابہ کرام اس طرح نہ تھے جن کی طرف روئے خطاب تھا۔ پھر اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس وقت مدینہ طیبہ میں موجود تھے۔ ہر زماں کے سارے اہل یمن مراد نہیں ہیں۔ اس حدیث پاک میں ہر وہ شخص شامل ہوگا۔ جو سکونت اور قبیلہ کے اعتبار سے یمن کی طرف منسوب ہوگا یعنی جو یمن کی طرف رہتے ہوں گے تو ان کی غالب اکثریت کے دل اور ابدان نرم ہوں گے۔ مگر اہل شمال اس کے برعکس ہیں۔ ان کے دل اور اجسام سخت ہوں۔

امام بخاری نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ بنوتمیم کا ایک وفد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''بنوتمیم تمہیں بشارت ہو'' انہوں نے عرض کی ''آپ ہمیں بشارت دے رہے ہیں۔ ہمیں کچھ عطا بھی کریں''۔ یہ سن کر آپ کے چہرۂ انور کا رنگ متغیر ہوگیا۔ پھر اہل یمن کا وفد آ گیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا ''تم یہ بشارت قبول کرلو بنوتمیم نے تو اسے قبول نہیں کیا''۔ انہوں نے عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم نے اسے قبول کرلیا ہے۔ ہم آپ کی خدمت اقدس میں دین سیکھنے کے لیے آئے ہیں۔ ہم آپ سے تخلیق کے آغاز کے متعلق سوال کرتے ہیں''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اس وقت صرف اللہ تعالیٰ تھا۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔ اس کا عرش پانی پر تھا اس نے ''الذکر'' میں ہر چیز کا تذکرہ کر دیا ہے۔

بزار نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ میں موجود تھے''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اللہ اکبر! اللہ تعالیٰ کی نصرت اور فتح آ گئی۔ اہل یمن آ گئے۔ ان کے دل پاکیزہ ہیں۔ ان کی اطاعت عمدہ ہے۔ ایمان بھی یمنیوں کا اور حکمت بھی یمنیوں کی ہے''

الطبرانی نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عیینہ بن حصن سے فرمایا ''کون سے لوگ بہتر ہیں''۔ انہوں نے عرض کی ''اہل نجد!'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''تم نے درست نہیں کہا۔ بلکہ وہ اہل یمن ہے۔ ایمان یمنیوں کا ہے۔

وفد دوس

یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی قوم تھی۔ اس کا نسب ازد پر ختم ہوتا تھا۔ یہ ۷ھ کو خیبر کے مقام پر حضور سپہ سالار اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اس وفد کی تفصیل رقم کرتے ہوئے حضرت امام ابن اسحاق تحریر کرتے ہیں۔

حضرت طفیل بن عمرو الدوسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ مکہ مکرمہ گئے۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ میں ہی تشریف فرما تھے۔ قریش کے چیدہ چیدہ افراد چل کر ان کے پاس گئے۔ حضرت طفیل ایک شریف، نغز گو شاعر اور ذہین وفطین انسان تھے۔ اہل قریش نے کہا ''تم ہمارے شہر میں آئے ہو۔ ہمارے درمیان سے اس شخص کا ظہور ہوا ہے۔ اس نے ہماری جمعیت بکھیر دی ہے۔ ہماری آراء کو منتشر کر رہا ہے۔ اس کی باتیں جادو نما ہیں جو آدمی اور اس کے لخت جگر، آدمی اور اس کے بھائی، آدمی اور اس کی بیوی میں جدائی ڈال دیتی ہیں۔ ہمیں تمہارے اور قوم کے متعلق خدشہ ہے۔ اس شخص سے نہ بات کرنا نہ ہی اس کی بات سننا''۔ حضرت طفیل رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''بخدا! وہ برابر اصرار کرتے رہے حتیٰ کہ میں نے عزم کرلیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی چیز نہ سنوں گا۔ نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بات چیت کروں گا حتیٰ کہ جب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف جاتا تو میں اپنے

کانوں میں روئی ٹھوس لیتا تاکہ ان کی کوئی بات مجھ تک نہ پہنچنے پائے۔ ایک روز میں صبح سویرے مسجد حرام کی طرف گیا۔ حضور داعی اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعبہ مشرفہ کے پاس نماز ادا کر رہے تھے۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب ہی کھڑا ہو گیا۔ اللہ رب العزت نے انکار کر دیا مگر یہ کہ وہ مجھے آپ کا کلام دلنشین سنا دے۔ میں نے عمدہ کلام سنا۔ میں نے کہا "میری ماں مجھ پر روئے۔ میں ایک قادر الکلام شاعر ہوں۔ حسن وقبح مجھ پر عیاں ہے۔ مجھے کیا چیز روکتی ہے اگر میں اس ہستی پاک کا کلام سن لوں کہ وہ کیا کہتی ہے؟ اگر وہ کلام عمدہ ہوا تو اسے قبول کر لوں گا۔ اگر برا ہوا تو اسے چھوڑ دوں گا۔ میں وہیں منتظر رہا حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے کاشانۂ اقدس کی طرف تشریف لانے لگے۔ میں بھی آپ کے پیچھے پیچھے چل دیا۔ جب آپ اپنے کاشانۂ اقدس میں داخل ہوئے تو میں نے دروازہ پر دستک دی۔ آپ باہر تشریف لائے تو میں نے عرض کی "محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کی قوم نے مجھے یوں یوں کہا ہے۔ بخدا! وہ مجھے برابر آپ کے اس امر سے ڈراتے رہے۔ حتیٰ کہ میں نے اپنے کانوں میں روئی داخل کر لی۔ تاکہ میں آپ کا کلام نہ سن سکوں۔ پھر رب غفور نے مجھے آپ کا کلام سنا دیا۔ میں نے ایک عمدہ کلام سنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قریش کا مکر ان کی طرف لوٹا دیا ہے۔ ان کا فریب ان کی طرف ہی لوٹ گیا ہے۔ مجھ پر اپنا امر پیش فرمائیں"۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ پر اسلام پیش فرمایا۔ قرآن حکیم کی تلاوت کی۔ بخدا! میں نے آج تک اتنا شیریں کلام نہیں سنا تھا۔ اتنے عدل پر مبنی امر کا مشاہدہ نہیں کیا تھا۔ میں نے اسلام قبول کر لیا حق کی گواہی دے دی۔ میں عرض گزار ہوا "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میری قوم میری اطاعت کرتی ہے۔ میں ان کے پاس جانے لگا ہوں اور انہیں اسلام کی طرف دعوت دینے لگا ہوں۔ دعا فرمائیں رب تعالیٰ میرے لیے ایک علامت مقرر کر دے"۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا فرمائی "مولا! ان کے لیے نشانی مقرر کر دے"۔ دوسری روایت کے مطابق یہ دعا کی "مولا! ان کے لیے نور بنا دے"۔ حضرت طفیل رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں اپنی قوم کی طرف عازم سفر ہوا۔ جب میں اس گھاٹی میں پہنچا جس کے دامن میں میری قوم آباد تھی۔ تو میری آنکھوں کے مابین چراغ کی مانند نور چمکنے لگا۔ میں نے عرض کی "مولا! یہ نور میری آنکھوں کے وسط کے علاوہ کسی اور جگہ عیاں فرما۔ مجھے خطرہ ہے کہ میری قوم اسے مثلہ سمجھے گی۔ جو میرے چہرے پر میرے دین کو چھوڑنے کی پاداش میں ظاہر ہوا ہے"۔ وہ نور میرے عصا کے کنارے پر ضوفشاں ہو گیا۔ وہ اس طرح تاباں تھا جس طرح تاریک رات میں لالٹین چمکتی ہے۔ جب وہ اپنی قوم کی طرف جا رہے تھے وہ نور ان کی قوم نے دیکھ لیا۔ حضرت طفیل رضی اللہ عنہ فرمایا "وقت صبح والد گرامی میرے پاس آئے۔ وہ عمر رسیدہ تھے۔ میں نے کہا "میں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کی اتباع کر لی ہے"۔ انہوں نے کہا "فرزند دلبند! میرا دین وہی ہے جو تمہارا دین ہے"۔ میں نے کہا "آپ جائیں۔ غسل کریں۔ پاکیزہ کپڑے پہنیں پھر میرے پاس تشریف لائیں۔ میں آپ کو وہ علم سکھاؤں گا۔ جو میں نے سیکھا ہے" وہ گئے غسل کیا۔ پاکیزہ کپڑے زیب بدن کیے۔ پھر میرے پاس آ گئے۔ میں نے انہیں اسلام پیش کیا انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ پھر میری رفیقہ حیات میرے پاس آئی۔ میں نے اسے کہا "میرا اور تمہارا تعلق ختم۔ مجھ سے دور ہو جا"۔ اس نے کہا "کیوں؟" میں نے کہا "اسلام نے میرے اور تیرے مابین تفریق ڈال دی ہے۔ میں نے اسلام قبول کر لیا اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کر لی ہے" میری زوجہ نے کہا "میرا دین وہی ہے جو

تمہارا دین ہے'' انہوں نے شریک حیات کو حکم دیا۔ وہ گئیں۔ غسل کر کے آگئیں۔ انہوں نے اس پر اسلام پیش کیا تو اس نے فوراً دین متین قبول کر لیا۔ پھر حضرت طفیل رضی اللہ عنہ نے قبیلہ دوس کو اسلام کی طرف بلایا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان کی صدا پر لبیک کہا۔ باقی قوم نے تردّد کا اظہار کیا۔ حضرت طفیل نے فرمایا ''میں مکہ مکرمہ میں بارگاہ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوا۔ میں نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم دوس پر بدکاری کی محبت غالب آگئی ہے۔ ان کے لیے بددعا کریں۔ حضور رحمت مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا کی ''مولا! دوس کو ہدایت نصیب فرما اور انہیں لے آ'' پھر حضرت دوس رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''اپنی قوم کے پاس جاؤ۔ انہیں رب تعالیٰ کی طرف دعوت دو۔ ان کے ساتھ نرمی اختیار کرو''۔ میں اپنی قوم کے پاس لوٹ آیا۔ انہیں اللہ رب العزت کی طرف بلاتا رہا۔ حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لے گئے۔ جب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ خیبر میں جلوہ افروز تھے''۔

یہ وفد مدینہ طیبہ میں آیا۔ یہ دوس کے ستر یا اسی گھرانوں پر مشتمل وفد تھا۔ کیونکہ ان کی تعداد چار سو تھی۔ پھر یہ خیبر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جا کر مل گئے۔ جب تاجدار حرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ملاحظہ فرمایا تو فرمایا ''لوگوں میں سے حسین ترین چہروں کو خوش آمدید! لوگوں میں سے عمدہ کلام اور بہترین امینوں کو مرحبا''۔

امام بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''ہم مدینہ طیبہ آئے۔ ہم دوس کے اسی گھر تھے۔ ہم نے نماز صبح حضرت سباع بن عرفطہ غفاری رضی اللہ عنہ کے پیچھے ادا کی۔ انہوں نے پہلی رکعت میں سورۂ مریم اور دوسری رکعت میں وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝ پڑھی۔ جب انہوں نے یہ آیت پڑھی۔

إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ۝ (مطففین)

''جب وہ لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں''۔

تو مجھے خیال آیا کہ میں نے اپنے چچا کو اس حال میں چھوڑا کہ اس کے دو پیمانے ہیں۔ جب وہ کوئی چیز لیتا ہے تو بڑے پیمانہ سے لیتا ہے اور جب کوئی چیز دیتا ہے تو چھوٹے پیمانے سے دیتا ہے۔ جب ہم نماز سے فارغ ہوئے تو ہمیں خبر ملی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو خیبر میں تشریف فرما ہیں۔ آپ واپس تشریف لانے ہی والے ہیں۔ میں نے کہا ''میں نے جس جگہ کے متعلق بھی سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں جلوہ افروز ہیں تو میں وہاں ضرور جاؤں گا''۔ حضرت سباع رضی اللہ عنہ نے ہمیں زادِ راہ عطا کیا۔ ہم خیبر آگئے۔ ہم نے دیکھا کہ آپ ''النطاۃ'' کا قلعہ فتح کر چکے تھے ''الکتیبہ'' کا محاصرہ کیے ہوئے تھے۔ ہم آپ کی خدمت میں ہی رہے حتیٰ کہ رب تعالیٰ نے ہمیں فتح عطا فرمائی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ نے دیگر مسلمانوں کے ہمراہ ہمیں بھی مال غنیمت میں سے حصہ دیا''۔

روایت ہے کہ حضرت طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں ہی رہا۔ حتیٰ کہ مکہ مکرمہ فتح ہو گیا۔ میں نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم مجھے دوس کے بت کی طرف بھیجیں تا کہ میں اسے جلا دوں'' حضور ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اس بت کی طرف بھیجا۔ انہوں نے انہیں گرایا اور اسے آگ میں جھونک دیا۔ اس وقت وہ یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

يَا ذَا الْكَفَّيْنِ لَسْتُ مِنْ عِبَادِكَ	مِيْلَادُنَا اَقْدَمُ مِنْ مِيْلَادِكَ
اِنِّي حَشَوْتُ النَّارَ فِي فُؤَادِكَ

اے ذوالکفین! میرا شمار تیرے بندوں میں نہیں ہوتا۔ ہماری پیدائش تیری پیدائش سے بہت پہلے کی ہے۔ میں نے تیرے دل میں آگ جھونک دی ہے۔

پھر وہ مدینہ طیبہ میں واپس آگئے اور تادمِ واپسیں اسی شہر خوباں میں رہے۔ جب بہت سے اہل عرب مرتد ہو گئے تو حضرت طفیل رضی اللہ عنہ بھی مسلمانوں کے ہمراہ جنگ آزما ہو گئے۔ حتیٰ کہ وہ یمامہ وغیرہ کے مرتدین کے ساتھ جہاد کرنے سے فارغ ہو گئے۔ ان کے ہمراہ ان کا لخت جگر عمرو بھی تھا۔ جب یہ یمامہ میں نبرد آزما تھے تو انہوں نے ایک خواب دیکھا۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا "میں نے ایک خواب دیکھا ہے تم مجھے اس کی تعبیر بتاؤ۔ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میرے سر کا حلق کر دیا گیا ہے۔ میرے منہ سے ایک پرندہ نکلا ہے مجھے ایک عورت ملی ہے اس نے مجھے اپنی شرم گاہ میں داخل کر لیا ہے۔ میرے فرزند دلبند نے میری بہت جستجو کی ہے۔ لیکن اسے مجھ سے روک دیا گیا ہے" ان کے دوستوں نے کہا "یہ عمدہ خواب ہے" انہوں نے فرمایا "میں نے اس کی تعبیر نکال لی ہے"۔ دوستوں نے پوچھا "وہ کیا؟" انہوں نے فرمایا "میرے سر کے حلق سے مراد اس کا جسم سے علیحدہ ہونا ہے۔ وہ پرندہ جو میرے منہ سے نکلا ہے وہ میری روح ہے۔ جس عورت نے مجھے اپنی شرم گاہ میں داخل کیا ہے۔ وہ زمین ہے۔ وہ جستجو جو میرے نور نظر نے کی ہے وہ یہ ہے کہ وہ بھی شہادت کے لیے اسی طرح تگ و دو کرے گا"۔

حضرت طفیل رضی اللہ عنہ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔ ان کا لخت جگر شدید زخمی ہو گیا۔ پھر ان کے زخم مندمل ہو گئے۔ انہوں نے جنگ یرموک میں جام شہادت نوش کیا۔ ابن حبان نے اسی طرح یقین کے ساتھ لکھا ہے۔ موسیٰ بن عقبہ نے لکھا ہے کہ یہ اجنادین کی جنگ میں شہید ہو گئے۔

امام بغوی نے حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے مجھے قرآن مجید سنایا تو میں نے ایک گھوڑا بطور ہدیہ انہیں پیش کر دیا"۔

وفد طارق بن عبداللہ المحاربی رضی اللہ عنہ

امام بیہقی نے جامع بن شداد المحاربی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "مجھے یہ روایت اس شخص نے بیان کی ہے جس کا نام طارق بن عبداللہ محاربی تھا۔ انہوں نے کہا "میں ذوالمجاز کے بازار میں کھڑا تھا۔ (یہ بازار عرفہ سے ایک فرسخ دور کبکب کی سمت تھا۔ اچانک ایک شخص آیا۔ وہ یوں فرما رہا تھا "اے لوگو! لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ دو۔ دو جہانوں میں فلاح پا جاؤ گے۔ ایک اور شخص اس ہستئ پاک کے پیچھے پیچھے تھا۔ جوان پر پتھر پھینک رہا تھا۔ ان کے دو ٹخنوں سے خون نکل رہا تھا۔ یہ بدنصیب شخص کہہ رہا تھا "لوگو! یہ جھوٹا ہے۔ اس کی تصدیق نہ کرنا" میں نے پوچھا "یہ من موہنا شخص کون ہے؟" مجھے بتایا گیا "یہ بنو ہاشم کا جوان ہے۔ یہ گمان کرتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا رسول ہے"۔ میں نے پوچھا "انہیں اذیتیں دینے والا کون ہے؟

لوگوں نے مجھے بتایا کہ یہ ان کا چچا ابولہب عبدالعزیٰ ہے"۔

"جب لوگوں نے اسلام قبول کر لیا اور ہجرت بھی کر لی تو ہم الربذۃ سے عازم سفر ہوئے۔ (الربذہ ایک معروف جگہ ہے۔ اسی جگہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی آخری آرام گاہ ہے) ہم مدینہ طیبہ جانا چاہتے تھے تاکہ کھجوریں خریدیں۔ جب ہم مدینہ منورہ کے نخلستانوں اور اس کی در و دیوار کے پاس پہنچے تو ہم نے کہا "کاش ہم نیچے اتریں اور یہ سفر کے کپڑے تبدیل کر لیں"۔ ہم نے ایک ہستی پاک کی زیارت کی۔ اس نے پرانے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ اس نے سلام کیا اور پوچھا "یہ قوم کہاں سے آئی ہے؟" ہم نے عرض کی "الربذۃ" سے انہوں نے فرمایا "کہاں کا ارادہ ہے؟" ہم نے عرض کی "مدینہ طیبہ کا" انہوں نے فرمایا "وہاں کیا کرنے جا رہے ہو؟ ہم نے عرض کی "کھجوریں خریدنے"۔

حضرت طارق بن عبداللہ عنہ نے فرمایا "ہمارے ہمراہ ایک عورت بھی تھی اور ایک سرخ اونٹ بھی" اس پاکباز ہستی نے فرمایا "کیا تم یہ اونٹ فروخت کرو گے؟" ہم نے عرض کی "ہاں! اتنی اتنی کھجوروں کا" انہوں نے اس اونٹ کی نکیل پکڑی اور چل دیئے وہ مدینہ طیبہ کے نخلستان اور در و دیوار میں اوجھل ہو گئے تو ہم نے ایک دوسرے سے کہا "ہم نے کیا کیا ہے؟ بخدا! ہم نے اس شخص کو اونٹ نہیں دیا جس سے ہماری جان پہچان ہو۔ نہ ہی اونٹ کی قیمت لی ہے۔ ہم نے وہ اونٹ ضائع کر دیا ہے۔ جو عورت ہمارے ہمراہ تھی اس نے کہا "بخدا! میں نے ایسی پاکباز ہستی کی زیارت کی ہے جس کا روئے تاباں بدر تمام کی مانند درخشاں تھا۔ میں تمہاری قیمت کی ضامن ہوں"۔ دوسری روایت میں ہے کہ اس عورت نے کہا "ایک دوسرے کو ملامت نہ کرو۔ میں نے اس ہستی صالح کی زیارت کی جو کسی سے دھوکہ نہیں کرتی۔ بخدا اس کا چہرہ انور چودھویں کے چاند کی طرح چمک رہا تھا۔ رات کے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قاصد ہمارے پاس آیا۔ اس نے کہا یہ تمہارے اس اونٹ کی قیمت ہے جو تم نے آپ کے ہاتھوں فروخت کیا ہے۔ کھاؤ، سیر ہو جاؤ، ماپ لو اور پورا کر لو"، ہم نے جی بھر کر کھایا۔ پھر ماپ کر کھجوریں پوری کر لیں۔ ہم مدینہ طیبہ میں داخل ہو گئے۔ جب ہم مسجد نبوی میں داخل ہوئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پاک پر جلوہ افروز ہو کر صحابہ کرام کو خطبہ دے رہے تھے۔ آپ فرما رہے تھے "صدقہ دیا کرو۔ صدقہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ اوپر والا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے۔ ابتداء ان سے کرو جو تمہاری کفالت میں ہیں۔ مثلاً تمہاری ماں، باپ، بہن پھر رشتہ دار، پھر دور کے رشتہ دار" ایک انصاری صحابی کھڑے ہوئے۔ انہوں نے عرض کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم یہ بنو ثعلبہ بن یربوع ہیں جنہوں نے زمانہ جاہلیت میں فلاں شخص کو قتل کیا تھا۔ ان سے ہمارا انتقام لیں"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست اقدس بلند فرما دیے حتیٰ کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بغلوں کی سفیدی دیکھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ماں اپنے بچے پر دوبارہ ظلم نہیں کرتی"۔

اس وفد نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست ہدایت بخش پر اسلام قبول کیا۔ پھر اپنے اہل و عیال کے پاس واپس آ گئے۔

وفد بہراء

یہ قضاعہ کا ایک قبیلہ تھا۔ امام واقدی نے حضرت کریمہ بنت مقداد سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں نے اپنی والدہ ماجدہ حضرت ضباعہ بنت زبیر بن عبدالمطلب سے یوں فرماتے ہوئے سنا "بہراء کا وفد یمن سے حاضر خدمت ہوا۔ یہ وفد

تیرہ افراد پر مشتمل تھا۔ یہ وفد اپنی سواریاں ہانکتا ہوا آیا اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کے دروازہ پر آکر رک گیا۔ ہم انصار کے گھروں میں مقیم تھے۔ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ ان کے پاس تشریف لے گئے۔ انہیں مرحبا کہا اور انہیں حلوہ کا بڑا پیالہ پیش کر دیا۔ انہوں نے خوب سیر ہو کر اس میں سے کھایا۔ حلوہ ابھی باقی تھا۔ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے وہ حلوہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بھیج دیا۔ یہ حلوہ حضرت ضباعہ کی خادمہ حضرت سدرہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اس وقت آپ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مقدسہ میں جلوہ افروز تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سارے اہل بیت نے جی بھر کر کھایا۔ وہ حلوہ پھر بھی باقی تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''باقی کھانا اپنے مہمانوں کے پاس لے جاؤ''۔ حضرت سدرۃ وہ کھانا لے کر اپنے اہل خانہ کے پاس واپس آگئیں۔ مہمان جب تک وہیں رہے اسی کھانا سے تناول کرتے رہے۔ مگر اس میں ذرہ بھر کمی نہ ہوئی۔ وہ کہنے لگے ''مقداد! آپ لگاتار ہمیں پسندیدہ کھانا عطا کر رہے ہیں۔ جو ہمیں گھر میں کبھی کبھی ہی نصیب ہوتا ہے''۔ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس معجزہ نمائی کے متعلق بتایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے کھانا تناول فرمایا۔ بقیہ واپس کر دیا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک انگلیوں کی برکت ہے'' یہ معجزہ نمائی دیکھ کر وہ وفد کہنے لگا ''ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول برحق ہیں''۔ ان کے یقین میں اضافہ ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارادہ بھی یہی تھا۔ اہل وفد نے اسلام کا اظہار کر دیا اور کلمہ شہادت پڑھ کر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ فرائض سیکھنے لگے۔ کچھ مدت مدینہ طیبہ میں ہی قیام فرمایا پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو الوداعی سلام عرض کرنے کے لیے حاضر ہوئے۔ آپ نے ان کو انعام واکرام دینے کا حکم فرمایا۔ وہ یمن کی طرف واپس آگئے۔

وفد غامد

ان کا تعلق بھی یمن کے قبیلہ ازد سے تھا۔ یہ ۱۰ ھ کو بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ اور بقیع الغرقد میں اپنے خیمے لگا دیے۔ اس وقت وہاں جھاڑیاں اور پودے تھے۔ پھر بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہو گئے۔ اپنے میں سے کمسن کو اپنے خیموں کے پاس ٹھہرایا۔ انہوں نے اسلام کا اقرار کر لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں سلام پیش کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے ایک دستاویز تحریر کرائی جس میں اسلام کے احکام لکھوائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا ''اپنے خیموں کے پاس کس کو چھوڑا ہے'' انہوں نے عرض کی ''جو ہم میں سے سب سے زیادہ کم عمر تھا'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''وہ تمہارے سامان سے غافل ہو کر سو گیا تھا۔ حتیٰ کہ ایک چور آیا اور تم میں سے کسی ایک کا تھیلا لے کر بھاگ نکلا'' اس وفد کے ارکان میں سے ایک نے عرض کی ''یا رسول اللہ! میرے علاوہ کسی اور کے پاس تھیلا تھا ہی نہیں'' پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اب وہ تھیلا پکڑ لیا گیا اور اسے اس کی جگہ پر لوٹا دیا گیا ہے'' وہ وفد وہاں سے اپنے سامان کے پاس آیا۔ اور اپنے اس کمسن محافظ سے پوچھا۔ اس نے کہا ''میں نیند سے بیدار ہوا تو میں نے تھیلا غائب پایا۔ میں اس کی جستجو میں اٹھ کھڑا ہوا۔ میں نے ایک شخص دیکھا جو بیٹھا ہوا تھا۔ وہ مجھے دیکھ کر بھاگ نکلا۔ میں اس جگہ پہنچا جہاں وہ بیٹھا ہوا تھا۔ تو وہاں زمین کھودنے کے اثرات تھے۔ اس نے اس جگہ تھیلا دفن کر دیا تھا۔ میں نے اسے باہر نکال لیا''۔ یہ سن کر اس سارے وفد نے کہا ''ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ آپ نے جس طرح ہمیں فرمایا واقعی اسی طرح ہوا۔ وہ سارے بارگاہ رسالت مآب

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ اور اس واقعہ کی خبر دی۔ وہ کمسن غلام بھی حاضر خدمت ہوا اور دولت ایمان سے مالا مال ہو گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ انہیں قرآن پاک کی تعلیم دیں۔ پھر آپ نے اس وفد کو بھی انعام سے نوازا اور یہ اپنے وطن لوٹ آئے۔

وفد ازد

قوم ازد کا ایک وفد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ اپنے جد اعلیٰ کی طرف منسوب ہوتے تھے۔ جس کا نام ازد بن غوث بن نبت بن مالک بن ادد بن زید بن کھلان بن سبا بن یشجب بن یعرب بن قحطان تھا۔ ابو نعیم نے حضرت سوید بن حارث ازدی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''میری قوم کے سات افراد پر مشتمل ایک وفد بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوا۔ جب وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ان کی شکل وصورت اور لباس دیکھ کر متعجب ہوئے۔ آپ نے فرمایا ''تم کون ہو؟'' انہوں نے عرض کی ''ہم مومن ہیں''۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبسم ریز ہوئے۔ فرمایا ''ہر بات کی حقیقت ہوتی ہے۔ تمہاری اس بات کی حقیقت کیا ہے؟'' ہم نے عرض کی ''پندرہ خصائل اس کی حقیقت ہیں۔ ان میں سے پانچ کا آپ کے قاصدوں نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم ان پر ایمان لائیں۔ پانچ خصلتوں کا آپ نے حکم فرمایا ہے کہ ہم ان پر عمل پیرا ہوں۔ پانچ خصلتیں ایسی ہیں جو زمانہ جاہلیت سے ہم میں پائی جاتی ہیں۔ ہم ان پر عمل پیرا ہیں۔ جب ان میں سے کوئی چیز ہمیں ناپسند لگتی ہے تو ہم انہیں ترک کر دیتے ہیں''۔ حضور شفیع الامم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''وہ پانچ خصلتیں کون سی ہیں جن کا حکم میرے قاصدوں نے تمہیں دیا ہے؟ ہم نے عرض کی ''انہوں نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر، اس کے ملائکہ پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسل عظام پر اور موت کے بعد جی اٹھنے پر ایمان لائیں''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''وہ پانچ خصلتیں کون سی ہیں جو میں نے تمہیں سکھائی ہیں؟ ہم نے عرض کی ''آپ نے حکم دیا ہے کہ ہم لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھیں۔ نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں، رمضان المبارک کے روزے رکھیں، اور اگر استطاعت ہو تو بیت اللہ کا حج کریں''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''وہ پانچ خصلتیں کون سی ہیں جن پر تم زمانہ جاہلیت سے عمل پیرا ہو'' ہم نے عرض کی ''فراخی کے وقت شکر، مصیبت کے وقت صبر، قضا پر رضا، دشمن کے ساتھ نبرد آزما ہوتے وقت ثابت قدمی اور دشمن کی مصیبت پر نہ ہنسنا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''یہ حکماء علماء ہیں۔ قریب تھا کہ یہ اپنی عقل و دانائی کی وجہ سے انبیاء بن جاتے''۔ پھر فرمایا ''میں تمہیں پانچ مزید خصلتوں کا تذکرہ کر دیتا ہوں۔ یہ تمہاری بیس خصلتیں بن جائیں گی''۔ وہ چیز جمع نہ کرو جسے تم کھا نہ سکو۔ ایسی عمارات تعمیر نہ کرو جن میں رہائش نہ رکھ سکو۔ ایسی چیز میں مقابلہ نہ کرو جس سے کل تم نے دستبردار ہونا ہو۔ رب تعالیٰ سے ڈرو جس کی طرف تم نے لوٹ کر جانا ہے جس کے حضور تم نے پیش ہونا ہے اور اس اس چیز میں رغبت کرو۔ جہاں تم نے جانا ہے اور ہمیشہ وہیں رہنا ہے'' یہ اہل وفد واپس لوٹ گئے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وصیت کو یاد کر لیا تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی توفیق اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے ان پر عمل پیرا تھے۔

وفد بنی المنفق

یہ عامر بن صعصعۃ کا قبیلہ تھا۔ بنومنفق کا ایک گروہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان میں حضرت لقیط بن عامر بن صبرہ بن عبد اللہ بن المنفق بھی شامل تھے۔ انہوں نے فرمایا "ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس وقت ملاقات کرنے کا شرف حاصل کیا۔ جب آپ صبح کی نماز ادا فرما کر تشریف لا رہے تھے۔ آپ نے لوگوں کو خطبہ ارشاد فرمایا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فارغ ہوئے تو میں نے عرض کی "یا رسول اللہ! ہم کس چیز پر آپ کی بیعت کریں؟ آپ نے دست ہدایت بخش آگے بڑھایا۔ اور فرمایا "نماز قائم کرنے، زکوٰۃ دینے پر اور اس بات پر کہ تم کسی کو رب تعالیٰ کا شریک نہیں ٹھہراؤ گے"۔ میں عرض گزار ہوا "یا رسول اللہ! مشرق و مغرب کے مابین جو کچھ ہے وہ ہمارا ہے" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جہاں چاہو خیمہ زن ہو جاؤ۔ صرف تمہارا نفس ہی تمہاری طرف گناہ منسوب کرے"۔ جب ہم واپس آ گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "یہ دنیا اور آخرت میں رب تعالیٰ سے سب سے زیادہ ڈرنے والے لوگ ہیں"۔ ایک صحابی نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ کون ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین بار فرمایا "وہ بنو المنفق ہیں"۔

وفد النخع

یہ بھی یمن کا قبیلہ تھا۔ یہ سب سے آخر میں بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوا تھا۔ یہ لوگ ۱۱ھ محرم الحرام کے نصف میں حاضر ہوئے۔ یہ وفد دو سو افراد پر مشتمل تھا۔ سارے حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تھے۔ انہوں نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی تھی۔ ان میں سے ایک شخص حضرت زرارہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میں نے اس سفر میں عجیب چیز دیکھی ہے" یا انہوں نے عرض کی "میں نے ایک ہولناک خواب دیکھا ہے" انہوں نے عرض کی "میں نے اپنی گدھی کو دیکھا ہے جس نے سیاہی مائل سرخ بچہ جنا ہے۔" رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "کیا حاملہ لونڈی گھر چھوڑ آئے تھے"۔ انہوں نے عرض کی "ہاں" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اس نے ایک بچہ جنم دیا ہے جو تمہارا بچہ ہے" انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! وہ سیاہی مائل سرخ کیوں ہے؟" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں فرمایا "میرے قریب ہو جاؤ" وہ آپ کے قریب ہو گئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "کیا تمہارے جسم پر برص کا داغ ہے جسے لوگوں سے چھپائے رکھتے ہو؟ انہوں نے عرض کی "مجھے اس ذات کریمانہ کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ میرے جسم پر ایک داغ ہے جس پر آپ کے علاوہ کوئی آگاہ نہیں ہوا"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اس بچے کی وہ رنگت اسی وجہ سے ہے" انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے خواب میں نعمان بن منذر کو دیکھا ہے۔ اس کے کانوں میں آویزے تھے"۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اس سے مراد عرب کی سلطنت ہے جو اپنے حسن و جمال اور شوکت و سطوت کی طرف لوٹ آئے گی"۔ انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! میں نے ایک بوڑھی عورت خواب میں دیکھی ہے جس کے سر کے بال سفید تھے"۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "وہ بقیہ عمر ہے"۔ انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے زمین سے نکلتی ہوئی ایک آگ دیکھی ہے جو میرے اور

میرے فرزند کے مابین حائل ہوگئی ہے۔ وہ آگ کہہ رہی ہے "آگ! آگ! بینا، اندھی! مجھے کھلاؤ۔ میں تمہیں، تمہارے اہل وعیال اور اموال کو کھا جاؤں گی" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "یہ فتنہ ہے جو آخری زمانہ میں ہوگا"۔ انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کون سا فتنہ؟" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "لوگ اپنے امام کو قتل کر دیں گے۔ لوگ آپس میں لڑنے لگیں گے۔ گناہ گار خود کو محسن سمجھے گا۔ مومن کا خون دوسرے مومن کے نزدیک پانی سے زیادہ ارزاں نہ ہوگا"۔ دوسری روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "یہ میٹھے پانی سے زیادہ شیریں لگے گا اگر تمہارا فرزند مر گیا تو تم یہ فتنہ پالو گے اور اگر تمہارا وصال ہوگیا تو تمہارا بیٹا یہ فتنہ پالے گا"۔

انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا مانگیں کہ میں یہ فتنہ نہ پاسکوں" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا مانگی "مولا! اسے اس فتنہ کی آزمائش میں مبتلاء نہ کرنا" حضرت زرارہ رضی اللہ عنہ کا وصال ہوگیا۔ ان کے فرزند عمرو نے یہ فتنہ پالیا۔ حضرت عمرو نے شرف صحابیت نہ پایا۔ یہ تابعی تھے۔

ایک اور روایت کے مطابق نخع نے اپنے دو افراد ارطاۃ بن شرجی اور ارقم کو اپنے اسلام کی خبر دے کر بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بھیجا۔ جب یہ دونوں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے انہیں اسلام پیش کیا۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور اپنی قوم کی طرف سے بھی بیعت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی نرالی شان اور حسن ہیبت کو عجیب سمجھا۔ فرمایا "کیا تم نے جو قوم پیچھے چھوڑی ہے وہ اسی طرح ہے"۔ انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! ہم نے اپنی قوم کے ستر افراد ایسے چھوڑے ہیں جو سب کے سب ہم سے افضل ہیں۔ ہر ایک کا حکم قطعی ہے اور وہ جو چاہے نافذ کرسکتا ہے"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے اور ان کی قوم کے لیے دعائے خیر کی۔ عرض کی "مولا! نخع میں برکت فرما" آپ نے حضرت ارطاۃ کے لیے ایک جھنڈا باندھا۔ یہ جھنڈا فتح مکہ کے روز بھی ان کے ہاتھ میں تھا۔ انہوں نے جنگ قادسیہ میں شرکت کی اور جام شہادت نوش کیا۔ البتہ راوی کا یہ قول کہ فتح مکہ کے روز یہ جھنڈا ان کے ہاتھ میں تھا درست معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ وفد فتح مکہ کے بعد ۱۱ھ محرم الحرام کو حاضر خدمت ہوا تھا۔ مگر یہ کہ یوں کہا جائے" یہ دونوں حضرات وفد نخع سے پہلے بھی بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے تھے۔

مکتوبات گرامی

اس باب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان مکتوبات گرامی کا تذکرہ کیا جائے گا جن میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شاہان عالم کو دین حق کی دعوت دی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شاہان عالم کو خطوط لکھنے کا ارادہ فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی گئی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم بادشاہ ایسے خطوط پڑھتے ہیں جن پر مہر لگی ہو۔ کیونکہ اس طرح انہیں یہ شعور ملتا ہے کہ جن حالات سے انہیں آگاہ کیا جا رہا ہے۔ وہ ایسے امور ہیں جن سے ان کے علاوہ کسی اور کو آگاہ نہیں ہونا چاہیے۔

اگر خطوط کو تہ کر کے ان پر مہر لگائی جائے تو یہ امر اور واضح ہو جاتا ہے۔ اگر موم وغیرہ لگا کر مہر لگائی جائے تو مہر اور زیادہ واضح لگتی ہے۔ لیکن یہ بات ظاہر ہے کہ اس وقت یہ چیز نہ تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وقت چاندی کی انگوٹھی بنوالی۔ پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی بنوائی۔ آپ کو دیکھ کر اہل ثروت صحابہ کرام نے بھی سونے کی انگوٹھیاں بنوالیں۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی پہنی تو ان صحابہ کرام نے بھی وہ انگوٹھیاں پہن لیں۔ وقت صبح حضرت جبرائیل امین علیہ السلام یہ وحی لے کر آ گئے کہ سونا پہننا آپ کی امت کے مردوں پر حرام ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ انگوٹھی پھینک دی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اپنی اپنی انگوٹھیاں پھینک دیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چاندی کا نقش تین سطروں پر مشتمل تھا۔ ایک سطر میں ''محمد'' فداہ روحی وابی وامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسری سطر میں ''رسول'' اور تیسری سطر میں ''اللہ'' مرقوم تھا۔ تینوں سطور نیچے سے اوپر کی طرف پڑھی جاتی تھیں۔ لفظ ''محمد'' سب سے نچلی سطر میں، لفظ ''رسول'' درمیان میں اور لفظ ''اللہ'' سب سے اوپر مرقوم تھا۔ یہ مبارک انگوٹھی آپ کے دست اقدس میں رہتی تھی۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق، پھر حضرت عمر فاروق پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم کے پاس رہی۔ حتیٰ کہ یہ اس سال اریس کے کنویں میں گر پڑی جس سال حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ اس کو مسلسل تین روز تک تلاش کیا گیا مگر یہ نہ مل سکی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ انگوٹھی کس انگشت مبارک میں پہنتے تھے۔ اس میں اختلاف ہے ایک روایت کے مطابق آپ بائیں دست اقدس کی خنصر (چھنگلیا) انگشت مبارک میں پہنتے تھے۔

عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسی طرح روایت کیا ہے۔ دوسری روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دائیں دست اقدس کی خنصر میں پہنتے تھے۔ صحابہ کرام کے ایک گروہ جن میں حضرت ابن عباس اور حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی ہیں سے روایت ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان روایات کو اس طرح جمع کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی اپنے دائیں دست اقدس اور کبھی اپنے بائیں دست اقدس میں انگوٹھی پہنتے تھے۔ لیکن بائیں دست اقدس میں انگوٹھی پہننا آپ کا آخری معمول تھا۔

اشعب الطائع نے حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دائیں دست اقدس میں انگوٹھی پہنتے تھے۔ امام نووی تحریر کرتے ہیں ''دائیں یا بائیں دونوں دست اقدس میں انگوٹھی پہننے کی روایات صحیح ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سے مروی ہیں۔ البتہ دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا افضل ہے۔ کیونکہ اس میں زیادہ زیبائش ہے۔ اور دایاں ہاتھ اس کا زیادہ مستحق ہے"۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابوزرعہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دائیں دست اقدس میں بائیں دست اقدس سے زیادہ انگوٹھی پہنتے تھے۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شاہان عالم کو مکتوبات گرامی لکھنے کا عزم فرمایا تو اس کے متعلق اپنے صحابہ کرام سے بھی گفتگو فرمائی۔ آپ نے ایک دن انہیں خطبہ ارشاد فرمایا تو فرمایا۔

"اے لوگو! رب تعالیٰ نے مجھے سراپا رحمت اور سارے عالم کے لیے نبی اور رسول بنا کر مبعوث کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے۔ میری طرف سے فریضہ ادا کرو اور میرے بارے اختلاف نہ کرو جس طرح حواریوں نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے بارے اختلاف کیا" صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم حواریوں نے ان کے بارے کیسے اختلاف کیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "انہوں نے بھی اسی طرح دعوت دی جس طرح میں نے تمہیں دعوت حق دی۔ انہوں نے جس شخص کو دعوت دے کر قریب ہی بھیجا۔ وہ راضی ہو گیا اور اس نے سر تسلیم خم کیا۔ جس کو انہوں نے دور بھیجا اس نے ناپسند کیا اور انکار کر دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ ربوبیت میں اس بات کی شکایت کر دی۔ تو ان میں سے ہر شخص اس قوم کی زبان میں گفتگو کرنے لگا جس کی طرف انہوں نے اسے بھیجا تھا"۔

قیصر روم کی طرف مکتوب گرامی

اس مبارک خط میں ہرقل کو دعوت دی گئی تھی۔ یہ روم کا بادشاہ تھا اسے قیصر کہا جاتا تھا۔ اس کا معنی ہے ایسا بچہ جسے اس کی ماں کا پیٹ چیر کر باہر نکالا جائے۔ کیونکہ قیصر کی ماں دردزہ میں مر گئی۔ اس کا پیٹ چیرا گیا اور یہ بچہ باہر نکالا گیا اس لیے اس کا نام قیصر رکھا گیا۔ قیصر کو اس بات پر بڑا ناز تھا۔ وہ کہتا تھا "میں شرم گاہ سے نہیں نکلا"۔ پھر روم کے ہر بادشاہ کا لقب قیصر پڑ گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صلح حدیبیہ سے واپس آ کر ۶ ھ کو اسے مکتوب گرامی لکھا تھا۔ وہ مکتوب پاک اسے ۷ ھ محرم الحرام کو ملا۔ آپ نے یہ مکتوب حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ روانہ فرمایا تھا۔ آپ نے وہ خط قیصر تک پہنچانے کا حکم دیا۔ اس سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جو شخص میرا یہ مکتوب گرامی ہرقل تک پہنچائے گا اس کے لیے جنت ہے" حضرت دحیہ نے عرض کی "میں یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ مکتوب مبارک انہیں عطا فرمایا۔ دوسری روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ یہ خط عظیم بصریٰ کے سپرد کر دیں وہ اسے قیصر تک پہنچا دے گا۔ اس وقت بصریٰ کے بادشاہ کا نام حارث ملک غسان تھا۔ جب حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ حارث تک پہنچے تو اس نے عدی بن حاتم کو ان کے ہمراہ بھیجا تا کہ انہیں قیصر کے دربار تک پہنچا دیں۔ ابھی تک عدی نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ عدی انہیں دربار قیصر تک لے گئے۔ حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کی قوم نے ان سے کہا "جب تم بادشاہ کو دیکھو تو فوراً اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جاؤ۔ پھر اس وقت تک سر نہ اٹھانا جب تک وہ سر اٹھانے کا حکم نہ دے" حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں اس طرح تو کبھی نہیں کر سکتا۔ میں رب تعالیٰ کے علاوہ کسی اور

کو سجدہ نہیں کر سکتا''۔ قوم نے کہا ''پھر وہ تمہارا مکتوب کبھی وصول نہیں کرے گا''۔ اس قوم کے ایک شخص نے کہا ''میں آپ کو ایک ایسے امر سے آگاہ کرتا ہوں جس کی بناء پر وہ آپ سے خط بھی لے لے گا اور آپ کو سجدہ بھی نہیں کرنا پڑے گا'' حضرت دحیہ نے پوچھا ''وہ کیا ہے؟'' اس شخص نے کہا ''اس کی ہر دہلیز پر ایک منبر ہے وہ اس پر بیٹھتا ہے منبر کے سامنے اس مقدس خط کو رکھ دینا۔ کوئی شخص اس خط کو نہیں چھیڑے گا حتیٰ کہ وہ اسے خود اٹھالے گا۔ پھر وہ خط لے کر آنے والے کو بلالے گا''۔ جب قیصر نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گرامی نامہ لیا تو اس نے اس پر عربی میں کچھ لکھا ہوا دیکھا۔ اس نے اپنے عربی ترجمان کو بلایا۔ پھر کہا ''ذرا عرب قوم کا کوئی باشندہ دیکھو جس سے ہم اس ہستی کے بارے سوالات کر سکیں''۔ اس وقت ابوسفیان شام میں ہی تھے۔ ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ یہ قریش کے تجارتی کارواں کے ساتھ غزہ میں موجود تھے۔ یہ ان ایام کی بات ہے جب صلح حدیبیہ رونما ہوا تھا۔ ۶ ھ ماہ ذوالعقدہ کی تاریخ تھی۔ دوسری روایت کے مطابق حضور شہنشاہ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۷ ھ کو قیصر کو مبارک گرامی نامہ لکھوایا۔ ان روایات میں تطبیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیصر کو دو بار خط لکھوایا۔ ابوسفیان نے کہا ''ہمارے پاس قیصر کا قاصد آیا۔ وہ ہمیں بیت المقدس میں قیصر کے پاس لے گیا۔ قیصر وہیں براجمان تھا۔ اس کے سر پر تاج تھا۔ روم کے بڑے بڑے سردار اس کے اردگرد جمع تھے۔ اس نے اپنے ترجمان سے کہا ''اس ہستی کا قریبی رشتہ دار تم میں سے کون ہے جو نبوت کا دعویٰ کرتی ہے؟'' ابوسفیان نے کہا: میں نسب میں ان کا سب سے زیادہ قریبی ہوں۔ کیونکہ اس تجارتی کارواں میں بنو عبد مناف کا کوئی شخص موجود نہ تھا۔ عبد مناف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوسفیان کے چوتھے جداعلیٰ تھے۔

قیصر نے پوچھا ''تمہاری ان کے ساتھ کیسی رشتہ داری ہے؟'' میں نے کہا ''وہ میرے چچازاد ہیں''۔ قیصر نے اپنے ترجمان سے کہا ''اسے میرے قریب کر دو'' پھر اس نے میرے ساتھیوں کو میرے پیچھے ہو جانے کا حکم دیا۔ پھر اس نے اپنے ترجمان سے کہا ''ابوسفیان کے ساتھیوں کو بتا دو کہ میں نے ابوسفیان کو آگے اس لیے کیا ہے تاکہ اس سے اس شخص کے متعلق سوال کر سکوں جو خود کو نبی گمان کرتے ہیں۔ میں نے تمہیں اس کے پیچھے اس لیے کیا ہے تاکہ اگر وہ جھوٹ بولے تو اس کا رد کر سکو۔ ممکن ہے اس کے سامنے تم اس کے جھوٹ کو رد نہ کر سکو''۔ ابوسفیان نے کہا ''بخدا! اگر اس روز مجھے یہ خوف دامن گیر نہ ہوتا کہ یہ لوگ مجھے جھوٹا کہیں گے تو میں ضرور جھوٹ بول دیتا۔ لیکن مجھے حیاء آئی اور میں نے ناپسندیدگی کے باوجود سچ اگل دیا''۔ دوسری روایت کے مطابق ابوسفیان نے کہا ''اگر مجھے اپنے ساتھیوں سے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ وہ میرا یہ جھوٹ میری قوم تک منتقل کر دیں گے اور میرے شہر میں میرے بارے باتیں کرتے پھیریں گے تو میں ضرور جھوٹ بولتا'' اس قول سے عیاں ہوتا ہے جھوٹ بولنا زمانہ جاہلیت اور اسلام کے سنہری دور میں قبیح ترین تھا۔

پھر قیصر نے اپنے ترجمان سے کہا ''ابوسفیان سے پوچھو کہ اس شخص کا نسب کیسا ہے؟'' میں نے کہا ''وہ نسب پاک میں ہم سب سے افضل و اعلیٰ ہیں''۔ قیصر نے کہا ''اس سے پوچھو کہ کیا اس سے قبل ان کے خاندان میں سے کسی نے دعویٰ نبوت کیا ہے''۔ میں نے کہا ''نہیں!'' قیصر نے کہا ''اس سے پوچھو کہ کیا دعویٰ نبوت کرنے سے پہلے اس ہستی پاک نے کبھی تم سے جھوٹ بولا تھا''۔ میں نے کہا ''نہیں'' دوسری روایت کے مطابق قیصر نے پوچھا ''کیا وہ پہلے بہت زیادہ قسمیں اٹھانے

والے، بہت زیادہ جھوٹ بولنے والے اور دھوکہ باز تھے" میں نے کہا "نہیں" قیصر نے کہا "کیا ان کے خاندان میں کوئی بادشاہ گزرا ہے؟" میں نے کہا "نہیں" قیصر نے پوچھا "ان کی عقل ورائے کیسی ہے؟" میں نے کہا "عقل ورائے کی وجہ سے ہم نے ان پر کبھی عیب نہیں لگایا"۔ قیصر نے پوچھا "کیا مالدار ان کی اتباع کر رہے ہیں یا کمزور؟ میں نے کہا "کمزور" (قیصر نے ثروت مندوں کے لیے اشراف الناس کا لفظ استعمال کیا اس سے اہل نخوت وتکبر مراد ہیں۔ اس سے حضرت ابوبکر، حضرت عمر فاروق اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہم جیسی بلند پایہ شخصیات مراد نہیں جو اس سوال سے قبل اسلام لا چکی تھیں۔ کیونکہ وہ پاک اور کریم انساب والی ہستیاں تھیں۔ وہ نخوت اور تکبر کرنے والے نہ تھے۔ اس نے اس اعتبار سے انہیں ضعفاء میں شمار کیا)

ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ ابوسفیان نے کہا "ہم میں سے کمزور، مسکین اور نوعمر ان کی پیروی کر رہے ہیں بلند نسب اور اشراف میں سے کسی ایک نے بھی ان کی پیروی نہیں کی" اس بات کو اکثر اور اغلب پر محمول کیا جائے گا۔ یعنی ان کے اکثر پیروکار کمزور ہیں۔ قیصر نے پوچھا "کیا ان کی تعداد بڑھ رہی ہے یا کم ہو رہی ہے؟" میں نے کہا "ان میں اضافہ ہو رہا ہے" قیصر نے پوچھا "کیا ان میں سے دین قبول کر لینے کے بعد کوئی مرتد بھی ہوا"۔ میں نے کہا "نہیں" قیصر نے کہا "کیا وعدہ کر لینے کے بعد وہ وعدہ خلافی بھی کرتے ہیں؟" میں نے کہا "نہیں۔ ابھی ابھی ہمارے اور ان کے مابین ایک معاہدہ ہوا ہے۔ دیکھئے اب ان کا کردار کیسا ہوتا ہے"؟

قیصر نے پوچھا "کیا تم نے کبھی ان کے ساتھ جنگ کی ہے؟" میں نے کہا "ہاں" قیصر نے پوچھا "نتیجہ کیا نکلا؟" میں نے کہا "کبھی وہ غالب آگئے اور کبھی ہم" دوسری روایت کے مطابق ابوسفیان نے قیصر سے کہا "ایک دفعہ یوم بدر کو وہ ہم پر غالب آگئے۔ میں نے اس جنگ میں شرکت نہیں کی۔ پھر میں نے ان کے گھروں کے پاس ان کے ساتھ جنگ کی ہم نے ان کے صحابہ کے پیٹ چاک کر دیے۔ ان کے کان، ناک اور شرم گاہیں کاٹ لیں"۔ اس سے ابوسفیان کا اشارہ غزوۂ احد کی طرف تھا۔ قیصر نے پوچھا "وہ تمہیں کیا حکم دیتے ہیں؟" میں نے کہا "اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کی عبادت کرو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ وہ ان معبودان باطلہ کی عبادت سے ہمیں روکتے جن کی پوجا ہمارے آباء کرتے تھے۔ وہ ہمیں نماز پڑھنے، سچ بولنے اور پاکدامن رہنے کا حکم دیتے ہیں۔ وہ ہمیں مروت، وفائے عہد اور امانت ادا کرنے کا حکم دیتے ہیں"۔

قیصر نے اپنے ترجمان سے کہا "اسے کہو کہ میں نے تم سے اس ہستی کے نسب کے بارے سوال کیا۔ تم نے کہا کہ وہ نسب کے اعتبار سے افضل واعلیٰ ہے۔ رسل عظام کو اپنی قوم کے اعلیٰ نسب میں ہی مبعوث کیا جاتا ہے۔ میں نے تم سے پوچھا کہ ان سے قبل ان کے خاندان کے کسی فرد نے یہ دعویٰ کیا۔ تم نے کہا "نہیں"، اگر کسی اور شخص نے یہ دعویٰ کیا ہوتا تو میں کہتا کہ یہ شخص بھی اس کی پیروی کر رہا ہے۔ میں نے تم سے پوچھا کیا تم نے انہیں کبھی جھوٹ بولتے سنا ہے" تم نے کہا "نہیں" میں سمجھ گیا کہ جو شخص لوگوں سے جھوٹ نہیں بولتا وہ رب تعالیٰ کے متعلق کیسے جھوٹ بول سکتا ہے" میں نے پوچھا "کیا اس کے آباء میں سے کوئی بادشاہ گزرا ہے تم نے کہا "نہیں" اگر کوئی بادشاہ گزرا ہوتا تو میں کہتا کہ وہ اپنے آباء کا تاج وتخت ڈھونڈ رہا ہے"۔ میں نے پوچھا "کیا کمزور لوگ اس کی اتباع کر رہے ہیں یا کہ طاقتور" تم نے جواب دیا "کمزور" رسل عظام کی اتباع اکثر کمزور لوگ

ہی کرتے ہیں"۔ میں نے پوچھا "ان کے پیروکاروں کی تعداد بڑھ رہی ہے یا کم ہو رہی ہے" تم نے کہا "بڑھ رہی ہے۔ایمان کی حالت یہی ہوتی ہے حتیٰ کہ مکمل ہو جائے"۔ میں نے پوچھا "کیا ان کے دین میں داخل ہو جانے کے بعد کوئی مرتد بھی ہوا" تم نے کہا "نہیں" ایمان کی حالت یہی ہوتی ہے حتیٰ کہ دل میں اس کی حلاوت اور مٹھاس سرایت کر جائے اور اس سے انشراح صدر حاصل ہو جائے"۔ میں نے تم سے پوچھا "کیا تم نے اس کے ساتھ کبھی جنگ کی" تم نے کہا "ہاں" میں نے کہا "نتیجہ کیسا نکلا؟" تم نے کہا "کبھی وہ غالب آئے اور کبھی ہم" رسل عظام کو اسی طرح آزمایا جاتا ہے بالآخر کامیابی ان کے قدم ہی چومتی ہے"۔ میں نے تم سے پوچھا "وہ تمہیں کیا حکم دیتے ہیں" تم نے کہا "وہ تمہیں نماز، صدق، عفت، وفائے عہد اور ادائے امانت کا حکم دیتے ہیں"۔ میں نے پوچھا "کیا انہوں نے کبھی دھوکا کیا ہے" تم نے کہا "نہیں" اسی طرح رسل عظام دھوکہ نہیں کرتے کیونکہ دنیا ان کا مطمع نظر نہیں ہوتی۔ جس کو طلب کرنے والا دھوکہ اور فریب کے بغیر اسے حاصل نہیں کر سکتا۔ میں نے جان لیا ہے کہ وہ نبی برحق ہیں۔ مجھے علم تھا کہ ان کا ظہور ہونے والا ہے۔ لیکن میرا یہ گمان ہرگز نہ تھا کہ ان کا ظہور تم میں سے ہو گا۔ اگر جو باتیں تم نے مجھے بتائی ہیں وہ سچ ہیں تو عنقریب وہ اس جگہ کے مالک بن جائیں گے جس جگہ میں کھڑا ہوں"۔

قیصر نے جو علامات ابوسفیان سے پوچھی تھیں وہ حضور نبی کریم ﷺ کی وہ علامات تھیں جو ان کے ہاں سابقہ کتب میں موجود تھیں۔ پھر قیصر نے کہا "اگر مجھے علم ہوتا کہ میں ان تک پہنچ سکتا تو میں مشقیں اٹھا کر بھی ان کے پاس پہنچ جاتا"۔ دوسری روایت کے مطابق اس نے کہا "میں اپنی قوم کو شکست دینے کی استطاعت نہیں رکھتا۔ اگر میں نے یوں کر دیا یعنی اسلام قبول کر لیا تو میری سلطنت ختم ہو جائے گی اور اہل روم مجھے قتل کر دیں گے"۔

قیصر کے اس قول پر امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اپنا تبصرہ یوں رقم فرماتے ہیں "قیصر روم کا یہ عذر قابل قبول نہیں۔ کیونکہ وہ حضور تاجدار عرب و عجم ﷺ کی صداقت کو جان چکا تھا۔ مگر وہ ریاست و سلطنت کا حریص بنا رہا۔ اس نے اپنی مملکت کو اسلام پر ترجیح دی۔ اگر اللہ رب العزت ارادہ فرماتا تو اسے بھی اسی طرح ہدایت کی توفیق فرماتا جس طرح اس نے نجاشی کو اسلام لانے کی توفیق عطا کی تھی۔ کیونکہ جب نجاشی نے دولت اسلام سمیٹ لی تو دنیا کی سلطنت اس سے نہیں چھینی گئی تھی۔

حضرت حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں "اگر قیصر حضور ﷺ کے اس فرمان کو سمجھ لیتا" اسلم تسلم " اسلام لے آ۔ سلامتی پا جائے گا۔ تو اسے دنیا اور آخرت کی جزاء کی عمومیت پر محمول کرتا۔ یعنی اسے ہر اس چیز سے سلامتی کی نوید جانفزا تھی جس سے اسے اندیشہ یا خوف تھا۔ لیکن توفیق تو رب تعالیٰ کے دست اقدس میں ہے۔

پھر قیصر نے کہا "اگر میں حضور ﷺ کے پاس ہوتا تو آپ کے قدمین شریفین دھوتا۔ آپ سے کسی عہدہ یا منصب کا تقاضا نہ کرتا"۔ ابوسفیان نے کہا "پھر قیصر نے حضور نبی اکرم ﷺ کا گرامی نامہ منگوایا۔ اسے پڑھ کر سنایا گیا۔ وہ مبارک، مقدس اور مطہر مکتوب یہ تھا۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

محمد عربی ﷺ جو اللہ رب العزت کے بندے اور اس کے رسول مکرم ہیں کی طرف سے قیصر عظیم الروم کی طرف! سلامتی

ہو اس پر جو ہدایت کی اتباع کرے!

اما بعد! میں تمہیں اسلام کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ تو اسلام قبول کر لے سلامتی پا جائے گا۔ اللہ رب العزت تجھے دوگنا اجر عطا کرے گا۔ اگر تو نے روگردانی کی تو تمہارے کسانوں کے انکار کا گناہ بھی تمہارے سر ہوگا۔ اے اہل کتاب! آ جاؤ اس کلمہ کی طرف جو ہمارے اور تمہارے مابین یکساں ہے۔ وہ یہ ہے کہ ہم رب تعالیٰ کے بغیر کسی کی عبادت نہیں کریں گے۔ اور کسی کو اس کا شریک نہیں بنائیں گے۔ اور ہم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ایک دوسرے کو اپنا رب نہیں بنائیں گے۔ اگر اس دعوت کے باوجود وہ روگردانی کریں تو تم کہو "اے روگردانی کرنے والو! گواہ رہنا ہم مسلمان ہیں"۔

دعاية السلام سے مراد کلمہ توحید ہے۔ قیصر کو دوگنا اجر ملنے سے مراد یہ ہے کہ اسے حضرت عیسیٰ روح اللہ اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر اسلام لانے کا اجر و ثواب ملے گا۔ کیونکہ کسان بھی قیصر کی رعایا تھے۔ جو اس کی اتباع کرتے تھے۔ اس کے ہر حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرتے تھے۔ اس لیے اگر وہ اسلام نہ لائے تو اس کا بار گراں بھی قیصر پر ہوگا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے کسانوں کا ذکر اس لیے کیا کیونکہ یہ دوسروں کی بنسبت جلدی سر تسلیم خم کر دیتے ہیں۔ کیونکہ ان پر جہالت، جفاء اور قلت دین کا غلبہ ہوتا ہے۔

ابوسفیان نے کہا "جب قیصر کی بات ختم ہوگئی۔ وہ خط پڑھنے سے فارغ ہو گیا۔ تو ان لوگوں کی آوازیں بلند ہوگئیں۔ جو اس کے ارد گرد تھے۔ وہ شور و غوغا کرنے لگے۔ اس نے ہمیں چلے جانے کا حکم دیا۔ میں اور میرے ساتھی باہر نکل آئے تو میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا "ابن ابی کبشہ (محمد عربی ﷺ) کا امر اتنا عظیم ہو گیا ہے کہ بنو اصفر کا بادشاہ بھی ان سے ڈرنے لگا ہے۔ مجھے یہ یقین ہو رہا ہے کہ حضور ﷺ غالب آ جائیں گے۔ حتیٰ کہ رب تعالیٰ نے مجھے اسلام لے آنے کی توفیق عطا فرما دی"۔ دوسری روایت میں ہے "میں محمد عربی ﷺ سے مرعوب رہا۔ حتیٰ کہ میں نے اسلام قبول کر لیا"۔ ابوسفیان نے حضور ﷺ کو ابن ابی کبشہ اس لیے کہا کیونکہ ابو کبشہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے آباء میں سے تھے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ جب قیصر نے ابوسفیان سے پوچھا "کیا تم نے اس ہستیٔ پاک کو کبھی جھوٹ بولتے سنا ہے تو اس نے کہا "نہیں! البتہ شاہ والا! میں آپ کو اس کے متعلق ایک ایسی بات بتاتا ہوں جس سے اس کا جھوٹ عیاں ہو جائے گا"۔ قیصر نے پوچھا "وہ کیا ہے؟" ابوسفیان نے کہا "وہ گمان کرتے ہیں کہ وہ ایک رات سرزمین حرم سے نکلے۔ وہ اسی رات کو تمہاری اس مسجد میں آئے اور صبح ہونے سے قبل واپس حرم شریف میں چلے گئے"۔

ایک پادری قیصر کے سر کے پاس کھڑا تھا۔ اس نے کہا "شہنشاہ والا! اس ہستیٔ پاک نے سچ فرمایا ہے۔ وہ ہماری اس مسجد میں تشریف لائے تھے"۔ قیصر نے اس پادری کی طرف دیکھا۔ اور پوچھا "تمہیں اس بات کا علم کیسے ہوا؟ اس پادری نے کہا "میں رات کو اس وقت تک نہ سوتا تھا جب تک میں مسجد اقصیٰ کے سارے دروازے مقفل نہ کر لیتا تھا۔ جب شب معراج آئی تو میں نے سارے دروازے مقفل کر دیے۔ مگر ایک دروازہ مجھ سے بند نہ ہو سکا۔ میں نے اپنے مزدوروں اور حاضرین سے مدد طلب کی۔ لیکن ہم سب مل کر اسے حرکت بھی نہ دے سکے۔ گویا کہ ہم کسی پہاڑ کو ہٹا رہے تھے۔ صبح کے وقت میں اس مسجد

میں آیا۔ تو اس کے کونہ میں پڑے ہوئے پتھر میں سوراخ تھا۔ وہاں جانور کے باندھے جانے کے نشانات بھی موجود تھے۔ میں نے اپنے دوستوں سے کہا "آج رات یہ دروازہ اسی لیے بند نہیں ہو سکا"۔

قیصر روم نے اپنی قوم سے کہا "اے میری قوم! کیا تم بیان نہیں کرتے تھے کہ قیامت سے پہلے ایک نبی مکرم کا ظہور ہوگا۔ جن کی بشارت تمہیں حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے دی تھی۔ تمہیں امید تھی کہ رب تعالیٰ انہیں تم میں سے پیدا کرے گا"۔ حاضرین نے جواب دیا "ہاں!" قیصر نے کہا "اللہ تعالیٰ نے انہیں تم سے علاوہ کسی اور قوم میں ظاہر کر دیا ہے۔ یہ رب تعالیٰ کی رحمت ہے وہ جہاں چاہتا ہے فرماتا ہے" پھر قیصر نے حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کی مہمان نوازی اور عزت دینے کا حکم دیا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ قیصر کے بھتیجے نے شدید غصے کا اظہار کیا۔ اس نے اپنے چچا سے کہا "یہ خط لکھنے والے نے خط کی ابتداء اپنے آپ سے کی ہے۔ اس نے تمہیں صاحب الروم لکھا ہے۔ اس کا یہ خط پھینک دو" قیصر نے اسے کہا "اللہ کی قسم! تمہاری یہ رائے بہت کمزور ہے۔ تم کہتے ہو کہ میں اس عظیم ہستی کا مبارک نامہ پھینک دوں۔ جس کے پاس ناموس اکبر آتا ہے۔ وہ اس بات کا مستحق ہے کہ وہ اپنے آپ سے ابتداء کرے۔ اس نے سچ کہا ہے۔ میں اہل روم کا ساتھی ہوں۔ اللہ تعالیٰ میرا اور اس کا مالک ہے"۔

دوسری روایت کے مطابق جب قیصر کے بھائی نے ترجمان کو یوں پڑھتے ہوئے سنا "من محمد رسول اللہ الی قیصر صاحب الروم" تو اس نے ترجمان کے سینہ میں ضرب کاری لگائی۔ اس کے ہاتھ سے خط چھین لیا۔ اس نے اس کو کاٹنا چاہا۔ قیصر نے اسے پوچھا "تجھے کیا ہوا ہے؟" اس نے کہا "تم اس شخص کا خط پڑھ رہے ہو جس نے ابتداء خود سے کی ہے۔ تمہیں قیصر صاحب الروم لکھا ہے۔ تمہیں ملک الروم نہیں لکھا ہے"۔ قیصر نے اسے کہا "تو چھوٹا احمق یا بڑا پاگل ہے۔ تو خط کو پڑھے بغیر اسے پھاڑنا چاہتا ہے۔ مجھے اپنی زندگانی کی قسم! اگر وہ ہستی اللہ تعالیٰ کے رسول مکرم ہی ہوں جس طرح کہ وہ کہتے ہیں تو اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ خود سے شروع کریں۔ اگر انہوں نے مجھے صاحب الروم لکھا ہے تو انہوں نے سچ ہی لکھا ہے۔ میں ان کا صاحب ہی ہوں۔ ان کا مالک نہیں ہوں۔ لیکن رب تعالیٰ نے انہیں میرے لیے مسخر فرما دیا ہے۔ اگر وہ چاہے تو انہیں مجھ پر مسلط کر دے۔ جس طرح اس نے اہل ایران کو کسریٰ پر مسلط کر دیا۔ انہوں نے اسے تہ تیغ کر دیا"۔ جب قیصر کی یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اس کا ملک ثابت رہا" دوسری روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "عنقریب ان کے لیے بقیہ ہوگا"۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچ فرمایا تھا۔

حضرت حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ ملک منصور قلاوون نے اپنے ایک امیر کو مغرب کے بادشاہ کے پاس تحفہ دے کر بھیجا۔ اس نے ملک مغرب کو افرنگی بادشاہ کے پاس سفارشی بنا کر بھیج دیا۔ اس نے اس تحفہ کو بوسہ دیا۔ اور اس کی انتہائی تکریم کی۔ اسے کہا کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے میرے پاس ٹھہر جاؤ۔ مگر اس نے انکار کر دیا۔ پھر اس نے ایک صندوق باہر نکالا جس پر سونا چڑھا ہوا تھا۔ اس کے اندر سے سونے کی شیشی نکالی۔ اس نے ایک خط باہر نکالا۔ اس کے اکثر حروف مٹ چکے تھے۔ اس نے اس پر ریشم کا لباس پہنا رکھا تھا۔ اس نے کہا "یہ تمہارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مکتوب گرامی ہے۔ جو آپ نے میرے دادا

قیصر کی طرف لکھا تھا۔ یہ ابھی تک نسل درنسل ہمارے پاس آرہا ہے۔ ہمارے آباء نے ان کے آباء سے روایت کیا ہے کہ جب تک یہ مکتوب مبارک ہمارے پاس رہے گا۔ یہ ملک ہمارے پاس رہے گا۔ ہم اس کی بہت زیادہ حفاظت کرتے ہیں اس کی تعظیم کرتے ہیں۔ اسے نصاریٰ سے چھپاتے ہیں تاکہ سلطنت ہمیشہ ہمارے پاس ہی رہے"۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی یہ حدیث پاک اس کے منافی نہیں "جب قیصر ہلاک ہوگیا تو اس کے بعد قیصر نہ ہوگا"۔ کیونکہ اس سے مراد یہ ہے کہ جب شام سے اس کی سلطنت ختم ہوگئی تو پھر وہاں اس کا جانشین نہ بیٹھے گا۔ پھر اسی طرح ہوا جس طرح اس صادق وامین رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا۔ سوائے روم کے چند شہروں سے اس کی سلطنت ختم ہوگئی۔

روایت ہے کہ جب قیصر نے "الفرس" پر غلبہ پالیا۔ اور وہاں کے باشندوں کو ان کے شہر سے نکال دیا تو اس نے نذر مانی کہ وہ رب تعالیٰ کا شکرادا کرتے ہوئے پیدل بیت المقدس جائے گا۔ جب اس نے پیدل بیت المقدس جانے کا ارادہ کیا تو اس کے لیے قالین بچھادیے گئے۔ ان پر خوشبوئیں چھڑک دی گئیں۔ وہ ان پر چلتا چلتا بیت المقدس پہنچ گیا۔ جب حمص واپس آیا۔ اس جگہ اس کا ایک عظیم محل تھا۔ اس نے اس کے دروازے بند کردیے۔ ایک منادی نے اعلان کیا کہ ہرقل محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آیا ہے۔ ان کی اتباع کرلی ہے۔ یہ سنتے ہی فوجیں اسلحہ لے کر آگئیں۔ محل کا گھیراؤ کرلیا قیصر کو قتل کرنے کے درپے ہوگئیں۔ قیصر نے ان کی طرف پیغام بھیجا "میں تو دین میں تمہاری پختگی کو آزمارہا تھا۔ میں تمہارے دین پر راضی ہوں"۔ وہ افواج اس سے راضی ہوگئیں۔

بخاری شریف میں ہے کہ جب قیصر حمص واپس آیا تو وہاں کے امراء کو محل سرائے میں جمع ہونے کا حکم دیا۔ پھر اس محل کے دروازے بند کرنے کا حکم دیا۔ پھر اس نے کہا "اہل روم! اگر تم چاہتے ہو کہ تمہیں رشد وفلاح نصیب ہو۔ تمہارا ملک برقرار رہے تو اس نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کرلو" یہ سن کر وہ امراء جنگلی گدھوں کی طرح دولتیاں مارنے لگے۔ وہ دروازوں کی طرف دوڑ پڑے۔ انہوں نے دروازوں کو مقفل پایا۔ انہوں نے اسے کہا "کیا تو چاہتا ہے کہ ہم نصرانیت کو ترک کردیں۔ ایک عربی کے غلام بن جائیں"۔

جب قیصر نے ان کی یہ نفرت دیکھی اور ان کے ایمان سے مایوس ہوگیا تو اس نے کہا "ان امراء کو میرے پاس لے آؤ"۔ پھر اس نے کہا "میں نے تم سے بات اس لیے کی ہے تاکہ تمہارے دین میں تمہاری پختگی کو دیکھوں۔ میں نے وہ دیکھ لی ہے" اہل روم نے اسے سجدہ کیا اور اس سے راضی ہوگئے۔ اس وقت اس نے ایک خط لکھا۔ اور اسے حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیج دیا۔ اس نے اس میں لکھا۔

"میں نے اسلام قبول کرلیا ہے۔ لیکن میں مغلوب ہوں"۔ اس نے آپ کی خدمت اقدس میں ایک تحفہ بھی بھیجا جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا خط پڑھا تو فرمایا "اللہ کے دشمن نے جھوٹ بولا ہے۔ اس نے اسلام قبول نہیں کیا" اس کا تحفہ آپ نے قبول کرلیا اور اسے مسلمانوں کے مابین تقسیم کردیا۔

صحیح ابن حبان میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیصر کو تبوک سے بھی ایک مکتوب گرامی لکھا۔

جس میں اسے اسلام کی دعوت دی۔ قریب تھا کہ وہ اس دعوت پر لبیک کہتا مگر وہ یوں نہ کر سکا"۔

کسریٰ کی طرف گرامی نامہ

حضور ﷺ نے کسریٰ ایران کی طرف بھی اپنا مکتوب گرامی بھیجا۔ آپ ﷺ کا یہ گرامی نامہ حضرت عبداللہ بن حذافہ السہمی رضی اللہ عنہ لے کر گئے۔ کیونکہ دربار کسریٰ میں ان کا آنا جانا بہت زیادہ تھا۔ اس مبارک نامہ کی عبارت یہ تھی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

من محمد رسول اللہ ﷺ الی کسریٰ عظیم فارس!

سلامتی ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ پر ایمان لے آیا۔ اس نے گواہی دی کہ رب تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں وہ وحدہ لاشریک ہے۔ محمد عربی ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ میں تجھے رب تعالیٰ کی دعوت کی طرف بلاتا ہوں۔ میں سارے لوگوں کی طرف اللہ رب العزت کا رسول بن کر آیا ہوں۔ تا کہ اسے بروقت خبردار کروں جو زندہ ہو۔ اور کافرین پر حجت پوری ہو جائے۔ اسلام لے آ۔ سلامتی پا جائے گا۔ اگر تو نے انکار کر دیا تو مجوسیوں کا گناہ بھی تیرے کندھے پر ہو گا۔ جو تیرے ہی پیروکار ہیں۔

حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں کسریٰ کے دروازہ کے پاس آیا۔ اجازت طلب کی اور اس تک پہنچ گیا۔ میں نے اسے حضور ﷺ کا گرامی نامہ دیا۔ جب اسے پڑھ کر سنایا گیا تو اس نے اسے لیا اور پھاڑ دیا"۔

دوسری روایت کے مطابق جب کسریٰ کو حضور ﷺ کے مبارک نامہ کا علم ہوا تو اس نے یہ مبارک خط لانے والے کو حاضر خدمت کرنے کا حکم دیا۔ جب حضرت عبداللہ بن حذافہ تک کسریٰ کا یہ حکمنامہ پہنچا کہ وہ گرامی نامہ دے دیں تو انہوں نے فرمایا "میں یہ نامہ مبارک کسی اور کو ہرگز نہیں دوں گا۔ میں یہ بذات خود کسریٰ کو دوں گا جس طرح کہ مجھے حضور اکرم ﷺ نے حکم فرمایا ہے" کسریٰ نے کہا "انہیں میرے پاس لے آؤ۔ اس نے گرامی نامہ پکڑا۔ اپنے ترجمان کو بلایا۔ اس نے یہ نامہ پاک پڑھ کر سنایا۔ اس نے پہلا مبارک فقرہ ہی پڑھا "من محمد رسول اللہ الی کسریٰ عظیم فارس؟" تو وہ غصے میں ہو گیا۔ حضور ﷺ نے پہلے اپنا ذکر خیر فرمایا تھا۔ وہ چلایا اور خط مبارک کو پڑھے بغیر ہی پھاڑ دیا اور یہ خط مبارک لانے والی ہستی کو دربار سے باہر نکال دینے کا حکم دیا۔ انہیں باہر نکال دیا گیا۔ وہ اپنی سواری پر بیٹھے اور واپس روانہ ہو گئے۔ جب کسریٰ کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو اس نے نامہ پاک لانے والے کو تلاش کیا۔ مگر بے سود! جب حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت مآب میں پہنچے اور کسریٰ کی بات بتائی تو حضور تاجدار حرم ﷺ نے فرمایا "کسریٰ کے ملک کو ریزہ ریزہ کر دیا گیا ہے" دوسری روایت میں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے اس کی سلطنت کو پارہ پارہ کر دیا" تیسری روایت کے مطابق آپ ﷺ نے یہ دعا مانگی "مولا! اس کی سلطنت کو ریزہ ریزہ کر دے"۔

کسریٰ نے یمن کے امیر باذان کی طرف خط لکھا "مجھے خبر ملی ہے کہ مکہ مکرمہ میں خاندان قریش سے ایک شخص کا ظہور ہوا ہے۔ اس کا گمان ہے کہ وہ نبی ہے اس کے پاس جاؤ۔ اسے توبہ کے لیے کہو اگر وہ توبہ کر لے تو بہتر! ورنہ اس کا سر میرے

پاس بھیج دو" (نعوذ باللہ منہ) اس نے مجھے خط لکھا ہے جس میں پہلے اپنا ذکر کیا ہے۔ حالانکہ وہ میرا غلام ہے (نعوذ باللہ منہ) دوسری روایت کے مطابق اس نے باذان کو لکھا "اگر تم اس شخص کے لیے کافی نہ ہو گئے جس کا ظہور تمہاری زمین سے ہوا ہے جس نے مجھے اپنے دین کی طرف دعوت دی ہے تو میں تمہیں بھی یوں یوں کر دوں گا۔ اس کے پاس دو مضبوط شخص بھیجو۔ جو اسے لے کر آئیں۔

باذان نے کسریٰ کا خط اپنے وکیل کو دے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ اس کے ہمراہ ایک اور ایرانی شخص کو بھیجا۔ ان کے ساتھ اپنا خط بھی بھیجا جس میں لکھا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان دونوں کے ہمراہ کسریٰ کے پاس جائیں۔ یہ دو اشخاص عازم سفر ہوئے۔ پہلے طائف پہنچے۔ طائف میں چند قریشیوں سے ملے ان سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق پوچھا۔ انہوں نے کہا "آپ تو مدینہ طیبہ میں تشریف فرما ہیں"۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کہ شہنشاہ کسریٰ نے باذان کی طرف پیغام بھیجا ہے کہ وہ آپ کے پاس ایسے افراد بھیجے جو آپ کو گرفتار کر کے لے آئیں۔ ہمیں آپ کے پاس بھیجا گیا ہے۔ اگر آپ نے انکار کیا تو آپ کو، آپ کے اہل خانہ اور آپ کی قوم کو ہلاک کر دیا جائے گا اور آپ کے شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے گی"۔ یہ شخص ایرانیوں کے لباس میں تھا۔ داڑھی مونڈھی ہوئی اور مونچھیں لمبی لمبی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی طرف دیکھا۔ پھر پوچھا "تمہارے لیے ہلاکت! یہ حکم تمہیں کس نے دیا ہے؟" انہوں نے کہا "ہمیں یہ حکم ہمارے آقا کسریٰ نے دیا ہے" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "لیکن میرے رب نے تو مجھے داڑھی بڑھانے اور مونچھیں پست کرنے کا حکم دیا ہے"۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اس وقت تم چلے جاؤ صبح میرے پاس آنا"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے بتایا کہ رب تعالیٰ نے کسریٰ پر اس کے بیٹے کو مسلط کر دیا ہے۔ اس نے اسے فلاں مہینہ اور فلاں رات کو مار ڈالا ہے (یعنی منگل کی رات جمادی الاول ۷ ھ کو) وقت صبح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کو بلایا اور انہیں کسریٰ کے متعلق بتایا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باذان کی طرف گرامی نامہ لکھا کہ رب تعالیٰ نے میرے ساتھ وعدہ کیا ہے کہ کسریٰ فلاں مہینے اور فلاں تاریخ کو قتل کر دیا جائے گا۔ جب یہ گرامی نامہ باذان کے پاس پہنچا تو اس نے توقف کیا۔ اس نے کہا "اگر یہ نبی برحق ہوئے تو عنقریب اسی طرح ہو گا جس طرح انہوں نے فرمایا ہے"۔ کسریٰ اسی روز قتل ہو گیا جس دن کے متعلق سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا۔ اس کے بیٹے شیرویہ نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ دوسری روایت کے مطابق اس نے اپنے باپ کو اس وقت قتل کیا جب رات کی سات ساعتیں بیت چکی تھیں۔ اس صورت میں روایت میں "یوم" سے مراد مطلق وقت ہو گا۔

ایک اور روایت کے مطابق حضور تاجدار عرب و عجم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باذان کے قاصد سے فرمایا "اپنے صاحب سے کہو کہ میرے رب تعالیٰ نے آج رات تمہارے آقا کو قتل کر دیا ہے"۔ پھر یہ خبر عام ہو گئی کہ کسریٰ اسی رات کو قتل ہو گیا جس کے بارے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا۔ جب کسریٰ کی ہلاکت کی خبر آئی تو حضور تاجدار حرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "رب تعالیٰ کسریٰ پر لعنت کرے۔ پہلے اہل فارس ہلاک ہوں گے پھر اہل عرب"۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "مسلمانوں یا مؤمنین کا ایک گروہ یا میری امت کا

ایک گروہ (راوی کو شک ہے) کسریٰ کے وہ خزانے ضرور فتح کرے گا۔ جو قصر ابیض میں ہیں"۔ مجھے اور میرے والد گرامی کو اس لشکر میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی۔ ہمیں اس سے ایک ہزار درہم بطور مال غنیمت ملے"۔ شیرویہ نے باذان کی طرف یہ خط لکھا۔

اما بعد! میں نے کسریٰ کا کام تمام کر دیا ہے۔ میں نے اہل ایران کی وجہ سے غصہ میں آکر اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ اس نے ایرانی سرداروں کو مار کر ان کی جمعیت کو منتشر کر دیا تھا۔ جونہی میرا خط تمہارے پاس پہنچے تو اس طرف کے لوگوں سے میرے حق میں بیعت لے لو۔ اس شخص پر بھی نظر رکھنا جس کے متعلق کسریٰ نے تمہیں لکھا تھا۔ اسے مزید نہیں ستانا حتیٰ کہ میرا نیا حکم تمہارے پاس پہنچ جائے"۔

باذان نے اپنے اور اپنے ساتھیوں کے اسلام لانے کی خبر بارگاہ رسالت مآب میں بھیج دی۔ پھر رب تعالیٰ نے مسلمانوں کو کسریٰ کی سلطنت، اس کے خزائن اور اموال کا مالک بنا دیا۔ یہ معجزہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں رونما ہوا۔ رب تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کی قبولیت کا اظہار کرتے ہوئے کسریٰ کے ملک کو پارہ پارہ کر دیا۔

حبشہ کے بادشاہ نجاشی کی طرف گرامی نامہ

حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمرو بن امیہ الضمری رضی اللہ عنہ ٦ ھ کو گرامی نامہ دے کر نجاشی کی طرف بھیجا۔ اس گرامی نامہ کی عبارت یہ تھی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے نجاشی ملک حبشہ کی طرف!

تم سلامت رہو!

میں تمہارے سامنے اللہ رب العزت کی تعریف کرتا ہوں۔ جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ وہ حقیقی بادشاہ ہے۔ وہ ہر عیب سے پاک ہے۔ سلامت رکھنے والا ہے۔ امان دینے والا ہے۔ وہ نگہبان ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی روح اور اس کا وہ کلمہ ہیں جو اس نے کنواری مریم علیہا السلام کی طرف القاء کیا تھا۔ وہ مریم جو رب تعالیٰ سے لو لگائے ہے۔ وہ پاک ہے۔ وہ مطہرہ ہے۔ وہ خوشبودار ہے۔ پاک دامن ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے گوہر بطن میں رہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی روح اور پھونک سے حاملہ ہوئیں۔ جس طرح کہ اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے دست اقدس سے تخلیق فرمایا۔ میں تمہیں رب تعالیٰ کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ جو وحدہ لاشریک ہے۔ ہمیشہ اس کی اطاعت کرو۔ اگر تم میری اتباع کرو گے اور اس پیغام حق پر ایمان لے آؤ گے۔ جو میرے پاس آتا ہے تو بلاشبہ میں رب تعالیٰ کا رسول ہوں۔ میں تمہیں اور تمہارے لشکر کو اللہ رب العزت کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ میں نے پیغام حق پہنچا دیا۔ نصیحت کا فریضہ ادا کر دیا۔ میری نصیحت قبول کر لو۔ اس شخص پر سلامتی ہو جو ہدایت کی اتباع کرے"۔

جب نجاشی شاہ حبشہ کے پاس گرامی نامہ پہنچا تو اس نے اسے اپنی آنکھوں پر رکھا۔ اپنے تخت شاہی سے نیچے اتر آیا۔

زمین کے اوپر بیٹھ گیا۔ اس نے اسلام قبول کرلیا۔ اس نے ہاتھی دانت کی ڈبیہ منگوائی۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گرامی نامہ بڑے اہتمام کے ساتھ رکھا۔ اس نے کہا "جب تک یہ نامہ مبارک اہل حبشہ کے پاس رہے گا۔ اس وقت تک وہ خیر و عافیت سے رہیں گے"۔ دوسری روایت کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ نجاشی کی طرف دو خطوط بھیجے۔ ایک میں اسے اسلام کی دعوت دی۔ جبکہ دوسرے میں اسے حکم دیا کہ وہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نکاح مبارک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کردے۔ اس نے دونوں مکتوبات لیے اور انہیں اپنے سر اور آنکھوں پر رکھا۔ عاجزی کرتے ہوئے اپنے تخت شاہی سے نیچے اتر آیا۔ پھر اس نے اسلام قبول کرلیا۔ حق کی گواہی دی۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرامی نامہ کا یہ جواب دیا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نجاشی اصحمہ کی طرف سے!

السلام علیک یا نبی اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

رب تعالیٰ کی ذات نے مجھے اسلام کی طرف ہدایت دی ہے۔ وہ وحدہ لاشریک ہے۔

امابعد! یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم مجھے آپ کا والا نامہ موصول ہوا۔ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے امر کے بارے تذکرہ فرمایا ہے۔ آسمانوں اور زمین کے رب کی قسم! حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سے کچھ بھی زائد نہیں جس کا آپ نے تذکرہ فرمایا ہے۔ ہم نے اس پیغام حق کو پہچان لیا ہے۔ جس کے ساتھ آپ کو مبعوث فرمایا گیا ہے۔ آپ کے چچا زاد حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور دیگر مسلمان ہمارے قرب میں ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سچے اور برحق رسول ہیں۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت کرلی ہے۔ میں نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی بیعت بھی کرلی ہے اور ان کے دست اقدس پر اسلام لے آیا ہوں"۔

دوسری روایت کے مطابق نجاشی نے لکھا "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آپ کی طرف اپنا نور نظر بھیج رہا ہوں۔ اگر آپ حکم فرمائیں تو آپ کی خدمت اقدس میں خود بھی حاضر ہونے کے لیے تیار ہوں۔

السلام علیک یا نبی اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

پھر اس نے حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے کارواں کے پیچھے اپنے فرزند کو سات افراد کے ساتھ بھیجا۔ جب یہ قافلہ سمندر کے وسط میں پہنچا تو نجاشی کا بیٹا اور اس کے سات ساتھی ڈوب گئے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک نجاشی کا خط پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تم نے تو حبشہ چھوڑ دیا مگر اہل حبشہ نے تمہیں نہ چھوڑا"

دوسری روایت کے مطابق جب حضرت عمرو بن امیہ نے نجاشی کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گرامی نامہ دیا تو کہا "اے اصحمہ! بات کرنا مجھ پر ہے۔ تم پر صرف سننا ہے۔ گویا کہ تم ہم سے ہو۔ ہم گویا کہ تم میں سے ہیں۔ کیونکہ ہم نے جب تمہارے ساتھ خیر کی امید وابستہ کی ہم نے اسے پالیا۔ جب ہم نے معمولی سا شر بھی تمہاری طرف منسوب کیا تو ہم اس سے بھی محفوظ رہے۔ ہم نے انجیل میں سے ہی تمہارے خلاف دلیل حاصل کی۔ یہ ہمارے اور تمہارے مابین ایسا گواہ ہے جسے رد نہیں کیا جاسکتا۔ یہ ایسا

فیصلہ ہے جو کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ اسی میں سعی جمیل کے پورا ہونے کی توقع اور صحیح فیصلے کا یقین ہے۔ ورنہ تم اس نبی الامی ﷺ کے بارے اسی طرح ہو جس طرح یہودی حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے متعلق ہیں۔ حضور ﷺ نے اپنے قاصد دوسرے لوگوں کی طرف بھی بھیجے جب دیگر لوگوں سے آپ کو امید نہ رہی تو آپ نے اپنی امید تجھ سے وابستہ کی اور اس پر تجھے امین بنایا جس کے بارے آپ کو خدشہ تھا"۔ نجاشی نے کہا "میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ وہی نبی محترم ﷺ ہیں جن کا انتظار اہل کتاب کر رہے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بشارت دراز گوش کے سوار کی حیثیت سے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اونٹ کے شہ سوار کی حیثیت سے آپ کی بشارت دی ہے۔ لیکن خبر معاینہ کی طرح نہیں۔ لیکن حبشہ میں میرے ساتھی بہت قلیل ہیں۔ مجھے مہلت دو حتیٰ کہ میرے مددگار زیادہ ہو جائیں اور دل نرم ہو جائیں"۔

دوسری روایت میں ہے۔ نجاشی نے کہا "اگر مجھ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کی استطاعت ہوتی تو حاضری کا شرف ضرور حاصل کرتا"۔ اس نجاشی نے ۹ ھ یا ۸ ھ میں وصال فرمایا۔ حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام نے اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ اس نجاشی کو اسلام لانے کا شرف نصیب ہوا۔ اس نے حضور ﷺ کے صحابہ کرام کی تکریم کی۔ البتہ اس کے بعد جو حبشہ کے امور کا والی بنا تو وہ کافر تھا۔ نہ ہی اس کے اسلام کا کچھ علم ہے نہ ہی اس کا نام معلوم ہے۔

بعض روایات میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے جب قیصر و کسریٰ کو خط لکھوائے تو اس دوسرے نجاشی کی طرف بھی خط لکھوایا اسے اسلام کی دعوت دی۔ امام بیہقی نے امام ابن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے نجاشی عظیم الحبشہ کی طرف یہ خط لکھا

"اس پر سلامتی ہو جس نے ہدایت کی اتباع کی۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ پر ایمان لایا۔ اس نے گواہی دی کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ نہ اس کی بیوی ہے نہ ہی بچہ۔ محمد عربی ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ میں تمہیں رب تعالیٰ کی دعوت کی طرف بلاتا ہوں۔ میں اس کا رسول محترم ﷺ ہوں۔ اسلام لے آ۔ سلامتی پا جائے گا"۔

يَاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّ لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾

"اے اہل کتاب آؤ اس بات کی طرف جو یکساں ہے ہمارے اور تمہارے درمیان (وہ یہ کہ) ہم نہ عبادت کریں (کسی کی) سوائے اللہ کے اور نہ شریک ٹھہرائیں اسکے ساتھ کسی چیز کو اور نہ بنا لے کوئی ہم میں سے کسی کو رب تعالیٰ کے سوا۔ پھر اگر وہ روگردانی کریں (اس سے) تو تم کہہ دو۔ گواہ رہنا (اہل کتاب) کہ ہم مسلمان ہیں"۔ (آل عمران)

اگر تو نے انکار کر دیا تو تمہاری قوم کے عیسائیوں کا گناہ بھی تمہارے سر ہوگا۔

"مواہب" میں ہے "بعض سیرت نگاروں نے دونوں نجاشیوں کو خلط ملط کر دیا ہے۔ انہیں ایک ہی شمار کیا ہے۔ جبکہ صحیح

مسلم میں ایسی روایت موجود ہے جو اس بات پر صراحۃً دلالت کرتی ہے کہ یہ دونوں علیحدہ علیحدہ تھے۔ اس میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسریٰ، قیصر، نجاشی اور ہر جابر بادشاہ کی طرف گرامی نامہ ارسال فرمایا۔ انہیں رب تعالیٰ کی طرف بلایا۔ یہ وہ نجاشی نہیں جس پر نماز جنازہ پڑھی تھی۔

مقوقس کو گرامی نامہ

مقوقس ہر اس بادشاہ کا لقب تھا جو قبط کا والی بنتا۔ اس سے مراد اہل مصر اور اہل سکندریہ ہیں۔ ان کا تعلق بنو اسرائیل سے نہیں تھا۔ جب حضور حدیبیہ سے واپس تشریف لائے تو فرمایا ''اے لوگو! تم میں سے کون شخص ہے جو میرا خط مصر کے بادشاہ کے پاس لے کر جائے گا۔ اس کا اجر وثواب اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم پر ہوگا''۔ حضرت حاطب جلدی سے اٹھے۔ عرض کی ''یا رسول اللہ! یہ سعادت میں حاصل کروں گا'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''حاطب! اللہ تعالیٰ تم میں برکت ڈالے''۔

حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں نے گرامی نامہ لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو الوداعی سلام کیا۔ اپنے گھر گیا اپنی سواری کو تیار کیا۔ اہل خانہ کو الوداع کیا اور عازم سفر ہو گیا''۔

دوسری روایت کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کے ہمراہ حضرت ابورھم الغفاری رضی اللہ عنہ کے غلام جبر کو بھیجا۔ مگر یہ والا نامہ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کے پاس ہی تھا۔ خط کی عبارت یہ تھی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

من محمد رسول اللہ الی مقوقس عظیم القبط! اس پر سلامتی ہو جس نے ہدایت کی پیروی کی!

اما بعد! میں تمہیں اسلام قبول کر لینے کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام لے آؤ سلامتی پا جاؤ گے۔ اللہ رب العزت تمہیں دوگنا اجر وثواب عطا فرمائے گا۔ اگر تم نے روگردانی کی تو قبطیوں کے گناہوں کے بارگراں بھی تم پر ہی ہوگا۔

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْــًٔـا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾ (آل عمران)

''اے اہل کتاب آؤ اس بات کی طرف جو یکساں ہے ہمارے اور تمہارے درمیان (وہ یہ کہ) ہم نہ عبادت کریں (کسی کی) سوائے اللہ کی اور نہ شریک ٹھہرائیں اسکے سوا کسی چیز کو اور نہ بنالے کوئی ہم میں سے کسی کو رب اللہ کے سوا۔ پھر اگر وہ روگردانی کریں (اس سے) تو تم کہہ دو گواہ رہنا (اے اہل کتاب) کہ ہم مسلمان ہیں''۔

حضرت حاطب رضی اللہ عنہ یہ مبارک خط لے کر عازم سفر ہوئے۔ پہلے مصر تشریف لے گئے مگر مقوقس وہاں نہ ملا۔ پھر اسکندریہ تشریف لے گئے۔ انہیں بتایا گیا کہ اس نے سمندر میں ایک محل بنا رکھا ہے۔ وہ وہیں ہے'' حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کشتی پر سوار ہو کر اس کے محل کے قریب پہنچے۔ اسے خط کی طرف اشارہ کیا۔ جب اس نے مکتوب مبارک دیکھا تو انہیں اپنے پاس آنے کے لیے کہا۔ اس نے مکتوب گرامی کی طرف دیکھا اس کی مہر توڑی۔ اسے پڑھا پھر حضرت حاطب رضی اللہ عنہ سے یوں مخاطب ہوا ''اگر وہ نبی ہیں تو پھر انہیں کیا چیز روکتی ہے کہ اپنی مخالف قوم کے لیے بددعا کریں اور انہیں اپنے شہر سے نکال دیں''۔ حضرت

حاطب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''کیا تم یہ گواہی نہیں دیتے ہو کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام اللہ رب العزت کے رسول ہیں۔ پھر انہیں کیا تھا کہ ان کی قوم نے انہیں اذیتیں بھی دیں۔ انہیں صلیب پر چڑھانے کا ارادہ بھی کیا۔ لیکن انہوں نے ان کے لیے بددعا نہ کی کہ رب تعالیٰ انہیں ہلاک کردے۔ حتیٰ کہ رب تعالیٰ نے انہیں اوپر اٹھالیا''۔

یہ حکمت آموز بات سن کر مقوقس نے کہا ''تم نے بہت اچھی بات کی ہے۔ ایک دانا شخص ایک دانا شخص کے پاس سے آیا ہے'' پھر حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے اسے فرمایا ''تمہارے پہلے بھی ایک شخص گزرا ہے۔ اس کا گمان تھا کہ وہ رب اعلیٰ ہے یعنی فرعون۔ رب تعالیٰ نے اسے دنیا اور آخرت کے عذاب میں مبتلا کردیا۔ پھر اس سے انتقام لیا۔ تم دوسرے لوگوں سے عبرت حاصل کرو نہ کہ دوسرے لوگ تم سے عبرت حاصل کریں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو حق کی طرف دعوت دی ہے تو قریش نے سب سے زیادہ آپ کو اذیتیں دیں۔ یہودی آپ سے عداوت کے اعتبار سے سب سے بڑھ کر تھے۔ البتہ ان سب سے قریب عیسائی تھے۔ مجھے اپنی حیاتی کی قسم! حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے اسی طرح ہے جس طرح کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق مژدہ سنایا تھا۔

قرآن مجید کی طرف ہمارا تمہیں بلانا اسی طرح ہے جس طرح اہل تورات نے تمہیں انجیل کی طرف دعوت دی۔ ہر نبی نے ایک قوم کو پایا وہی اس کی امت ہے۔ اس قوم کا فرض تھا کہ وہ اپنے نبی کی اطاعت بجالائے۔ تم نے اس نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد ہمایوں کو پالینے کی سعادت حاصل کی ہے۔ ہم تمہیں دین مسیح کو رد کرنے کا حکم نہیں دیں گے بلکہ اسے بھی ماننے کا حکم دیں گے''۔

مقوقس نے کہا ''میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معاملہ میں غور و فکر کیا ہے۔ آپ پسندیدہ کام کا حکم دیتے ہیں ناپسندیدہ امر سے روکتے ہیں۔ ایسا حکم دیتے ہیں جسے روشن دل اور سلیم عقل فوراً قبول کرلیتی ہے۔ میں نے آپ کو نہ تو جادوگر پایا۔ نہ ہی جھوٹا کاہن پایا۔ میں نے آپ میں نبوت کی علامت پالی ہے۔ آپ مخفی امور کا اظہار کرتے ہیں اور غیب کی خبریں دیتے ہیں۔ میں آپ کے معاملہ میں مزید غور و فکر کروں گا''۔

اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نامہ مبارکہ لیا۔ اسے ہاتھی دانت کی ڈبیہ میں رکھ دیا۔ اس پر مہر لگادی اس نے اسے ایک لونڈی کے سپرد کردیا۔ اپنے کاتب کو بلایا جو عربی زبان میں لکھ سکتا تھا۔ حضور تاجدار عرب و عجم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف یہ خط لکھا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

محمد بن عبداللہ (فداہ روحی) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف المقوقس عظیم القبط کی طرف سے!

سلام علیک!

امابعد! میں نے آپ کا مبارک خط پڑھا۔ اس میں جو کچھ لکھا گیا تھا اسے سمجھا۔ آپ کی دعوت حق کے متعلق غور و فکر کیا۔ مجھے علم تھا کہ ایک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ابھی باقی تھی۔ میرا گمان تھا کہ ان کا ظہور شام سے ہوگا۔ میں نے آپ کے قاصد کی

تعظیم کی ہے"۔

(اس نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کو ایک سو دینار، پانچ کپڑے دیے) "میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں دو لونڈیاں بھیج رہا ہوں۔ جن کا قبطیوں میں بڑا مقام ہے۔ وہ لونڈیاں ماریہ اور سیرین ہیں۔ نیز مصر کے بیس کپڑے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیج رہا ہوں"۔

دوسری روایت کے مطابق اس مقوقس نے آپ کی بارگاہ میں عمامے، کپڑے، خوشبو، عود، مشک اور ایک ہزار مثقال سونا بھیجا۔ ایک شیشے کا پیالہ بھی بھیجا جس میں حضور شہنشاہ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پانی نوش فرماتے تھے۔ پھر اس نے لکھا "میں ایک خچر بھی بطور تحفہ بھیج رہا ہوں"

السلام علیک!

اس نے مزید کچھ نہ لکھا۔ نہ ہی اسے اسلام قبول کرنے کی سعادت عظمیٰ ملی۔ ایک اور روایت کے مطابق اس نے ان دو لونڈیوں کے ہمراہ تیسری لونڈی بھی بھیجی جس کا نام قیس تھا۔ یہ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کی بہن تھی۔ ایک اور روایت میں چوتھی لونڈی کا تذکرہ بھی ہے جس کا نام بریرہ تھا۔ یہ سیاہ فام تھی۔ ان لونڈیوں میں سے ایک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوجہم بن حذیفہ العدوی رضی اللہ عنہ کو عطا کر دی۔ یہ ان کے فرزند زکریا کی والدہ تھی۔ یہ زکریا حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے مصر پر جانشین تھے۔ دوسری لونڈی حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو عنایت کر دی۔ یہ حضرت عبدالرحمن بن حسان رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں۔

ایک اور روایت کے مطابق مقوقس نے ان لونڈیوں کے ہمراہ ایک سیاہ فام غلام بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ اس کا نام مابور تھا۔ نیز یہ کہ اس نے خچر کے ساتھ ایک گدھا بھی بھیجا جسے یعفور کیا جاتا تھا۔ البتہ وہ خچر جسے دلدل کہا جاتا تھا۔ یہ سیاہی مائل سفید تھی۔ اس وقت پورے عرب میں اس طرح کی کوئی اور خچر نہ تھی۔ اس نے آپ کو ایک گھوڑا بھی بھیجا۔ اس کا نام "اللزاز" تھا۔ ایک روایت کے مطابق مقوقس نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ سے کہا "تمہارے صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کون سے گھوڑے پسند ہیں؟ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ سے کہا "اشقر (سرخ زرد رنگ کا) میں نے آپ کے پاس ایک گھوڑا چھوڑا ہے جسے المرتجز کہا جاتا تھا"۔ مقوقس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ایک گھوڑا پسند کیا۔ اس پر زین کسی اسے لگام ڈالی۔ اس گھوڑے کو "المیمون" کہا جاتا تھا۔ اس نے "بنہا" (ایک مصری قصبہ) کی شہد بھی بطور تحفہ بھیجی۔ آپ نے وہ بہت پسند فرمائی اور بنہا کی شہد کے لیے دعا بھی کی۔ اسے تناول بھی فرمائی۔ آپ نے فرمایا "اگر یہ تمہاری شہد زیادہ شرف والی ہے تو یہ شیریں بہت ہے"۔ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ایک ڈبہ بھیجی جس میں سرمہ، تیل کی شیشی، کنگھی، قینچی اور مسواک رکھی جاتی تھی۔ اس نے عیدان کی سرمہ دانی، ایک آئینہ اور کنگھی بھی بھیجی۔

ایک اور روایت کے مطابق مقوقس نے ایک طبیب بھی بھیجا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اپنے اہل خانہ کی طرف لوٹ جاؤ۔ ہم ایسی قوم ہیں جو اس وقت تک نہیں کھاتی جب تک بھوک نہ لگے۔ جب ہم کھاتے ہیں تو خوب سیر ہو کر نہیں کھاتے"۔

پھر مقوقس نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ سے کہا "اپنے صاحب (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس واپس چلے جاؤ۔ یہ قبطی تم سے ایک

حرف بھی نہ سنیں"۔ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے فرمایا" میں وہاں سے عازم سفر ہوا۔ اس نے میرے ہمراہ ایک لشکر بھیجا جو میری حفاظت کرتا رہا۔ حتیٰ کہ میں جزیرۂ عرب میں داخل ہو گیا۔ میں نے شام کا ایک قافلہ پایا جو مدینہ طیبہ جا رہا تھا۔ میں نے لشکر کو واپس کر دیا اور اس قافلہ کے ساتھ عازم سفر ہو گیا" سیرت طیبہ کی بعض کتب میں ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بنو ثقیف کے کچھ افراد کے ساتھ مقوقس کے پاس گئے۔ ابھی تک انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ جب یہ مقوقس کے پاس گئے تو اس نے پوچھا "تم نے اس دعوت کا کیا کیا جس کی طرف تمہیں محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلاتے ہیں"۔ اس وفد نے کہا "ہم میں سے ایک شخص نے بھی ان کی پیروی نہیں کی"۔ اس مقوقس نے پوچھا "ان کی قوم نے ان کے ساتھ کیسا رویہ اختیار کیا؟" انہوں نے جواب دیا "اس کے نوجوانوں نے ان کا مذہب قبول کر لیا ہے۔ ان کی اپنے مخالفین کے ساتھ بہت سی جنگیں ہوئیں ہیں"۔ مقوقس نے کہا "وہ کس چیز کی طرف دعوت دیتے ہیں؟" وفد نے کہا "یہ کہ ہم رب تعالیٰ وحدہ لاشریک کی عبادت کریں۔ ان معبودان باطلہ کو چھوڑ دیں جن کی پرستش ہمارے آباء کرتے تھے۔ وہ نماز، زکوٰۃ، صلۂ رحمی، وفائے عہد، بدکاری کے حرام ہونے اور سود اور شراب کے حرام ہونے کی طرف دعوت دیتے ہیں"۔ یہ سن کر مقوقس نے کہا "یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برحق ہیں جنہیں سارے لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔ اگر وہ قبط اور روم تک پہنچ جائیں تو یہ سارے ان کی پیروی کریں گے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں یہی حکم دیا تھا۔ اسی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف سابقہ انبیاء بیان کرتے رہے۔ بالآخر فتح انہی کو نصیب ہو گی۔ حتیٰ کہ ان کے ساتھ کوئی بھی جھگڑا نہیں کرے گا۔ ان کا دین متین ہر جگہ پھیل جائے گا"۔

بنو ثقیف نے کہا "اگر سارے لوگ بھی ان کا دین اختیار کر لیں ہم پھر بھی ان کے دین میں داخل نہیں ہوں گے"۔ یہ سن کر مقوقس نے سر ہلایا۔ اور کہا "تم کھیل اور کود میں ہو" پھر اس نے اسی طرح کے سوالات کیے جس طرح کے سوالات ہرقل نے ابوسفیان سے کیے تھے۔ پھر کہا "یثرب کے یہودیوں نے ان کے ساتھ کیا کیا؟" انہوں نے کہا "انہوں نے ان کی مخالفت کی ہے۔ انہوں نے ان کے ساتھ سخت جنگ کی ہے"۔ یہ سن کر مقوقس نے کہا "یہ سب کچھ حسد کی وجہ سے ہے۔ وہ بھی انہیں اسی طرح جانتے ہیں جس طرح ہم ان کو جانتے ہیں" امام واقدی اور ابن ابی الحکم نے حضرت ابان بن صالح رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا "جب حضرت حاطب رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گرامی نامہ لے کر مقوقس کے پاس گئے۔ تو مقوقس نے انہیں اپنے دربار میں بلایا۔ اور کہا "میں تم سے تین سوالات کرنے لگا ہوں"۔ انہوں نے کہا "تم جو بھی مجھ سے پوچھو گے میں تم سے سچ بولوں گا"۔ مقوقس نے کہا "وہ کس چیز کی طرف دعوت دیتے ہیں؟ میں نے کہا "اس امر کی طرف کہ صرف رب تعالیٰ وحدہ لاشریک کی عبادت کی جائے، وہ پانچ نمازوں کا حکم دیتے ہیں۔ وہ رمضان المبارک کے روزے رکھنے، بیت اللہ کا حج کرنے اور وعدہ پورا کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ وہ ہمیں مردار اور خون کھانے سے روکتے ہیں۔

مقوقس نے کہا "مجھ سے ان کا مبارک حلیہ بیان کرو" میں نے آپ کا مختصر سا حلیہ بیان کیا تو اس نے کہا "تم نے چند اشیاء کا ذکر نہیں کیا۔ کیا ان کی چشمان مقدس میں سرخی ہے؟ میں نے کہا "یہ سرخی ان کی چشمان مقدس سے کبھی جدا نہیں ہوئی۔ ان کے مبارک شانوں کے مابین مہر نبوت ہے۔ وہ گدھے پر سوار ہوتے ہیں۔ چادر زیب بدن فرماتے ہیں۔ آپ کھجوریں اور

روٹی کے ٹکڑے تناول فرماتے ہیں۔ وہ اپنے کسی چچا یا چچا زاد سے ملنے سے پرواہ نہیں کرتے'' مقوقس نے کہا'' میں جانتا تھا کہ ایک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور ابھی باقی ہے۔ میرا خیال تھا کہ ان کا ظہور ملک شام سے ہوگا۔ کیونکہ ان سے پہلے انبیائے کرام کا ظہور وہیں ہوتا رہا۔ لیکن میں دیکھتا ہوں کہ ان کا ظہور سرزمین عرب سے ہوا جو شدت اور مشقت کی زمین ہے۔ قبطی ان کی اتباع کرنے کے لیے میرا حکم نہیں مانیں گے۔ میں بھی اپنا وطن و سلطنت چھوڑنے پر تیار نہیں۔ اس نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غلبہ عنقریب شہروں پر ہوگا۔ ان کے وصال کے بعد ان کے صحابہ کرام ہمارے ملک میں بھی آئیں گے۔ یہ بھی ان کے زیر نگیں ہو گا۔ میں اہل قبط سے اس واقعہ کا تذکرہ نہیں کروں گا۔ نہ ہی میں پسند کرتا ہوں کہ تم کسی سے اس کے متعلق بات کرو''۔

حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے فرمایا'' میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مقوقس کے متعلق گذارش کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا'' اس خبیث نے اپنی سلطنت کی وجہ سے بخیلی کی ہے لیکن اس کی سلطنت باقی نہیں رہے گی''۔ پھر اسی طرح ہوا جس طرح اس صادق و مصدوق نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا۔ مقوقس نے نہ تو اس سے زیادہ کسی امر کا اضافہ کیا نہ ہی اسلام قبول کیا۔ بلکہ اپنی عیسائیت پر قائم رہا حتیٰ کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مسلمانوں نے اس سے ملک مصر فتح کر لیا۔

منذر بن ساوی التمیمی کی طرف نامہ مبارک

منذر بن ساوی بحرین کا والی تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کو اپنا گرامی نامہ دے کر اس کی طرف بھیجا۔

شرح المواہب میں ہے'' ہم کسی سیرت نگار کو نہیں جانتے جس نے اس مکتوب گرامی کے الفاظ ذکر کیے ہوں۔ جب منذر کو آپ کا نامہ مبارک ملا تو فوراً اسلام لے آیا۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں یہ خط بھیجا۔

اما بعد!

یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میں نے اہل بحرین کو آپ کا نامہ مبارکہ پڑھ کر سنایا ان میں سے بعض نے اسلام کو پسند کیا۔ اس سے محبت کی اور دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ بعض نے اسے ناپسند کیا اور حلقہ اسلام میں داخل نہ ہوئے۔ اس زمین میں یہودی اور مجوسی بھی رہتے ہیں۔ ان کے متعلق کیا حکم ہے؟ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی طرف یہ والا نامہ لکھوایا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے منذر بن ساوی کی طرف!

سلام علیک! میں اس رب تعالیٰ کی ستائش بیان کرتا ہوں جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ رب تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے رسول ہیں۔

اما بعد! میں تمہیں رب تعالیٰ کی یاد دلاتا ہوں۔ بلاشبہ جو خیر خواہی کرتا ہے۔ یہ خیر خواہی اس کے اپنے ہی نفس کے لیے ہے۔ جس نے میرے قاصدوں کی پیروی کی۔ ان کے حکم کی اتباع کی اس نے میری ہی اطاعت کی۔ جس نے ان کے لیے خیر خواہی کا اظہار کیا۔ اس نے میرے لیے خلوص کا اظہار کیا۔ میرے قاصدوں نے تمہاری بہت تعریف کی ہے۔ میں تمہاری قوم کے متعلق تم سے سفارش کرتا ہوں۔ مسلمانوں کو اسی پر چھوڑ دو جس پر انہوں نے اسلام قبول کیا ہے۔ یعنی مال۔ صرف چار عورتوں

کے ساتھ نکاح کرنا ان کے لیے جائز ہے۔ ان کی سابقہ ساری لغزشیں معاف ہوگئیں ہیں۔ جب تک تم امور کو درست بجالاتے رہے، ہم تمہیں اس منصب سے معزول نہیں کریں گے۔ جو شخص یہودیت یا مجوسیت پر ہی برقرار رہے تو اس پر جزیہ ہے"۔

دوسری روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لکھا "ان پر اسلام پیش کرو۔ اگر وہ انکار کریں تو ان سے جزیہ لو۔ البتہ تم نہ ان کی عورتوں سے نکاح کرو نہ ہی ان کے ذبائح کھاؤ"۔

امام سہیلی نے "الروف الانف" میں تحریر کیا ہے "جب حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ منذر کے پاس گئے تو انہوں نے اس سے کہا "منذر! دنیا کے متعلق تمہاری عقل و دانائی بہت عظیم ہے۔ تم آخرت کو سمجھنے سے عاجز نہ آجانا۔ یہ مجوسیت بہت برا راستہ ہے۔ ان میں نہ عرب جیسی عزت و تکریم ہے نہ ہی اہل کتاب جیسا علم ہے۔ ایسی عورتوں سے نکاح کرتے ہیں جن سے نکاح کرتے ہوئے حیاء آتی ہے۔ ایسی چیزیں کھاتے ہیں جنہیں کھانا قابل نفرت ہے۔ یہ دنیا میں آگ کی پوجا کرتے ہیں جو روز حشر انہیں کھائے گی۔ تمہیں عقل و دانائی کی فراوانی بخشی گئی ہے۔ کیا یہ روا ہے کہ جو ہستی جھوٹ نہ بولے ہم اس کی تصدیق نہ کریں۔ جو خیانت نہ کرے ہم اسے امین نہ سمجھیں۔ جو وعدہ خلافی نہ کرے ہم اس پر اعتماد نہ کریں۔ اگر یہ سارے حقائق ہیں تو بخدا یہ ہستی پاک ہی نبی امی ہیں جن کے متعلق کوئی صاحب یہ کہنے کی جرات نہیں کرسکتا" کاش! وہ چیز جس کا آپ نے حکم دیا ہے اس سے منع کردیتے یا جس سے منع کیا ہے اس کا حکم فرمادیتے یا عفو و درگزر میں اضافہ کردیتے یا سزا میں کمی کردیتے۔ آپ کی ہر ہر بات اور ہر ہر فرمان اہل عقل کی آرزو اور اہل نظر کی فکر کے مطابق ہے"۔

منذر نے کہا "میں نے اس امر میں غور و فکر کیا جو میرے سامنے ہے۔ میں نے اسے پایا کہ یہ دنیا کے لیے ہے۔ آخرت کے لیے نہیں۔ مجھے ایسے دین متین کو قبول کرنے سے کیا چیز روک سکتی ہے جس میں دنیا کی آرزوئیں بھی ہیں اور موت کی راحت بھی ہے۔ کل میری حالت یہ تھی کہ میں اس شخص پر تعجب کرتا تھا جو اسے قبول کرتا تھا۔ آج میری کیفیت یہ ہے کہ میں اس پر تعجب کر رہا ہوں جو اسے رد کرتا ہے۔ جو جانفزاء پیغام لے کر وہ آئے ہیں۔ اس کی تکریم کرنے کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ان کے قاصد کی تعظیم کی جائے۔ اب میں دیکھتا ہوں کہ میں آپ کی خدمت میں خود پیش ہو جاؤں یا خط بھیج دوں"۔

طبرانی اور ابن قانع نے حضرت سلیمان بن نافع العبدی اور انہوں نے اپنے والد گرامی سے روایت کیا ہے کہ منذر بن ساوی کا وفد بحرین سے آیا۔ اس کے ہمراہ اور افراد بھی تھے۔ میں بھی ان کے ہمراہ تھا۔ انہوں نے اپنے اونٹ ایک وادی میں روک لیے اور اپنے ہتھیار لے کر بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوگئے۔ انہوں نے سید مرسلاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کیا۔ حضرت منذر نے اپنے ہتھیار رکھے۔ خوبصورت کپڑے زیب بدن کیے۔ اپنی ڈاڑھی کو تیل لگایا۔ اور بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوگئے۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہو رہا تھا۔ حضرت منذر نے کہا "مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میں تم میں ایسی چیز دیکھ رہا ہوں۔ جو مجھے تمہارے دیگر ساتھیوں میں نظر نہیں آرہی" میں نے عرض کی "کیا یہ ایسی چیز ہے جسے میری فطرت میں رکھ دیا گیا ہے یا میں نے بعد میں اسے بنایا ہے" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "نہیں! بلکہ وہ تمہاری فطرت میں شامل ہے" پھر اس سارے وفد نے دولت اسلام سمیٹ لی۔

بعض اہل سیر نے لکھا ہے'' یہ اشتباہ ہے۔ یہ وفد اشج کے نام سے معروف ہے۔ اس کا نام منذر بن عائذ تھا۔ حضرت منذر بن ساوی کا وفد لے کر آنا ثابت ہی نہیں۔

امام ابوجعفر الطبری نے روایت کیا ہے کہ حضرت منذر بن ساوی کی وفات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے قریب ہوئی۔ اس وقت حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ان کے پاس تھے۔ ان پر نزع کا عالم طاری ہوا تو انہوں نے کہا ''مرنے والے کے لیے کتنے مال میں وصیت کرنا جائز ہے؟'' انہوں نے کہا ''ایک تہائی میں'' حضرت منذر نے کہا ''آپ کی کیا رائے ہے کہ میں ایک تہائی مال کو کس مصرف میں خرچ کرنے کی وصیت کروں'' انہوں نے فرمایا ''اگر چاہو تو اسے بھلائی کے رستہ میں خرچ کرنے کی وصیت کر دو یا پسند کرو تو اس کا غلہ اپنے بعد کسی کے لیے مختص کر دو'' حضرت منذر نے کہا ''میں اپنے مال کو سائبہ کی مانند نہیں کرنا چاہتا۔ بلکہ اسے لوگوں میں تقسیم کروں گا''۔

عمان کے بادشاہوں کی طرف گرامی نامہ

عمان یمن کا شہر تھا۔ اسے عمان بن سباء کے نام سے بسایا گیا تھا۔ جبکہ عمان شام کا شہر ہے۔ یہاں اول الذکر مراد ہے۔

امام مسلم نے حضرت برزہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی قوم کی طرف ایک شخص بھیجا۔ انہوں نے اسے برا بھلا بھی کہا اور مارا بھی۔ وہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اگر تو اہل عمان کے پاس جاتا تو وہ نہ تو تمہیں برا بھلا کہتے نہ ہی تمہیں مارتے''۔

امام احمد نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا'' میں ایک سرزمین سے آگاہ ہوں جسے عمان کہا جاتا ہے۔ جس کے ایک طرف سمندر ہے۔ اگر میرا قاصد ان کے پاس جائے تو وہ اسے نہ تو تیر ماریں نہ ہی پتھر''۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذوالقعدہ ۸ ھ کو حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو اپنا گرامی نامہ دے کر عمان بھیجا۔ آپ نے وہ خط اس طرح تحریر کر دیا۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں کی طرف سے جیفر اور عبد کی طرف جو جلندی کے فرزند ہیں! اس پر سلام ہو جس نے ہدایت کی اتباع کر لی۔

امابعد! میں تم دونوں کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ تم دونوں اسلام لے آؤ۔ سلامتی پا جاؤ گے۔ مجھے نوع انسان کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ تاکہ میں اسے ڈراؤں جو زندہ ہے اور کفار پر حجت پوری ہو جائے۔ اگر تم نے اسلام کا اقرار کر لیا تو میں عمان کی زمام اقتدار تمہارے حوالے کر دوں گا۔ اگر تم نے انکار کر دیا تو یہ سلطنت تم سے چلی جائے گی۔ میرے گھوڑے تمہارے صحن میں اتریں گے اور میری نبوت تمہاری سلطنت پر غالب آجائے گی''۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے یہ گرامی نامہ لکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر مہر لگا دی۔

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں عازم سفر ہوا حتیٰ کہ میں عمان پہنچ گیا۔ پہلے میں ''عبد'' کے پاس گیا۔ یہ زیادہ حلیم اور خلیق تھا۔ میں نے اسے کہا ''میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قاصد ہوں۔ آپ نے مجھے تمہاری طرف یہ خط دے کر بھیجا ہے''۔ عبد نے کہا ''میرا بھائی جیفر عمر اور مملکت کے اعتبار سے مجھ سے بڑا ہے۔ میں آپ کو اس تک پہنچا دیتا ہوں۔ حتیٰ کہ آپ اسے یہ خط پڑھ کر سنا دیں''۔

پھر اس نے پوچھا ''آپ کس کی طرف دعوت دیتے ہیں؟'' میں نے کہا ''میں رب تعالیٰ کی عبادت کرنے اور اس کے علاوہ دیگر معبودان باطلہ کی پرستش چھوڑنے کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ نیز یہ کہ تم گواہی دو کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ رب العزت کے بندے اور اس کے رسول ہیں''۔ اس نے کہا ''عمرو! تم اپنی قوم کے سردار کے بیٹے ہو۔ تمہارے باپ نے کیا کیا؟ بلاشبہ اس کے عمل میں ہمارے لیے نمونہ ہے''۔ میں نے کہا ''وہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان نہیں لایا۔ میری شدید خواہش تھی کہ وہ ایمان لے آتا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کرتا۔ پہلے میری رائے بھی اپنے باپ کی رائے کی طرح کی تھی۔ حتیٰ کہ رب تعالیٰ نے مجھے اسلام کی طرف ہدایت دے دی''۔ اس نے مجھ سے پوچھا ''تم نے کہاں اسلام قبول کیا؟'' میں نے کہا ''نجاشی کے پاس''۔ میں نے اسے بتایا کہ نجاشی نے بھی اسلام قبول کر لیا ہے''۔ اس نے پوچھا ''نجاشی کی قوم نے اس کے اقتدار کے متعلق کیا فیصلہ کیا؟'' میں نے کہا ''انہوں نے اسے مسند اقتدار پر برقرار رکھا اور اس کی پیروی کی ہے''۔ اس نے پوچھا ''کیا پادریوں اور راہبوں نے اس کی پیروی کی ہے؟'' میں نے کہا ''ہاں!'' اس نے اس واقعہ کو بہت عظیم سمجھا۔ اس نے کہا ''عمرو! ذرا دیکھو تم کیا کہہ رہے ہو؟ جھوٹ سے بڑھ کر اور کوئی ایسی خصلت نہیں جس سے انسان کو ندامت محسوس ہوتی ہے''۔ میں نے کہا ''میں نے جھوٹ نہیں بولا۔ جھوٹ بولنا ہمارے مذہب میں جائز بھی نہیں''۔ پھر اس نے کہا ''کیا ہرقل کو نجاشی کے اسلام کا علم ہو گیا ہے؟ میں نے کہا ''ہاں!'' اس نے پوچھا ''اسے کس طرح یہ علم ہوا؟'' میں نے اسے کہا ''نجاشی ہرقل کو خراج دیتا تھا۔ جب نجاشی نے اسلام قبول کر لیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کر لی تو اس نے کہا ''بخدا! اب اگر اس نے مجھ سے ایک درہم بھی مانگا تو میں اسے عطا نہیں کروں گا''۔ ہرقل تک بھی اس کی یہ بات پہنچ گئی۔ اس کے بھائی نے کہا ''کیا تو اپنے غلام کو چھوڑ دے گا کہ وہ مجھے خراج نہ دے اور ایک نیا دین اختیار کر لے''۔ ہرقل نے کہا ''ایک شخص نے ایک دین کو پسند کیا۔ اس نے اسے اپنے آپ کے لیے پسند کر لیا۔ میں اس کے ساتھ کیا کر سکتا ہوں؟ بخدا! اگر مجھ کو سلطنت کا بار گراں نہ ہوتا تو میں بھی اسی طرح کرتا جس طرح نجاشی نے کیا ہے''۔

یہ سن کر عبد نے مجھے کہا ''عمرو! دیکھو تم کیا کہہ رہے ہو؟'' میں نے کہا ''بخدا! میں سچ کہہ رہا ہوں''۔ عبد نے کہا ''مجھے بتاؤ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس چیز کا حکم دیتے ہیں اور کس چیز سے منع کرتے ہیں؟'' میں نے کہا ''وہ رب تعالیٰ کی اطاعت کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ اس کی نافرمانی سے روکتے ہیں۔ وہ نیکی اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں۔ وہ ظلم وستم سے روکتے ہیں۔ وہ بدکاری، شراب نوشی، بتوں، اصنام اور صلیب کی عبادت سے منع کرتے ہیں''۔ یہ سن کر عبد نے کہا ''ان کی دعوت کتنی عمدہ ہے؟'' اگر میرا بھائی میری پیروی کرے تو ہم سوار ہو جائیں۔ حتیٰ کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آئیں اور ان کی تصدیق کر لیں۔ لیکن

میرے بھائی کو اپنی مملکت سے بڑا پیار ہے۔ وہ اسے چھوڑ کر کسی کے تابع نہیں بننا چاہتا۔ کیونکہ اب وہ سردار اور مخدوم ہے"۔ میں نے عبد سے کہا "اگر اس نے اسلام قبول کر لیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے اس کی قوم کا سردار بنا دیں گے۔ وہ اپنی قوم کے امراء سے صدقات لے گا اور انہیں اپنی قوم کے غرباء پر خرچ کرے گا"۔ یہ سن کر اس نے کہا "یہ خلق تو کتنا حسین ہے۔ یہ صدقہ کیا ہے؟ میں نے اموال میں صدقات کے متعلق اسے بتایا حتیٰ کہ میں نے اونٹوں میں زکوٰۃ تک اسے بتا دیا۔ اس نے کہا "عمرو! کیا یہ زکوٰۃ ہمارے چرنے والے جانوروں میں سے بھی لی جائے گی۔ جو درخت کھاتے ہیں اور مختلف جگہوں سے پانی پیتے ہیں"۔ میں نے کہا "ہاں!" اس نے کہا "بخدا! میں نہیں دیکھتا کہ میری قوم اپنی کثیر تعداد اور گھروں کے دور ہونے کی وجہ سے اس امر کی اطاعت کریں"۔

میں کئی روز تک وہیں ٹھہرا رہا۔ وہ اپنے بھائی سے ملاقات کرتا اور میری ہر ہر بات اس تک پہنچاتا۔ پھر ایک دن اس نے مجھے بلایا تاکہ میں اس کے ساتھ اس کے بھائی کے پاس جاؤں۔ میں اس کے پاس گیا۔ اس کے نگرانوں نے مجھے بازو سے پکڑ لیا۔ اس نے کہا "انہیں چھوڑ دو"۔ میں بیٹھنے کے لیے گیا۔ انہوں نے عجم کے بادشاہوں کی عادت کے مطابق مجھے بیٹھنے کی اجازت نہ دی۔ میں اس کی طرف دیکھتا رہا۔ اس نے مجھے کہا "اپنی ضرورت بیان کرو" میں نے اسے گرامی نامہ دیا۔ اس نے مہر توڑی اور سارا پڑھا۔ پھر اپنے بھائی کو دیا اس نے بھی سارا پڑھا۔ میں نے دیکھا کہ اس کا بھائی اس سے زیادہ نرم دل تھا۔ جیفر نے مجھے کہا "تم نے مجھے بتایا نہیں کہ قریش نے ان کے ساتھ کیسا سلوک کیا؟" میں نے کہا "انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کر لی ہے۔ یا تو اس دین متین میں رغبت کرتے ہوئے یا تلوار سے مجبور ہو کر" اس نے پوچھا "جو لوگ آپ کے ہمراہ تھے۔ انہوں نے کیا کیا؟" میں نے کہا "لوگ اسلام میں رغبت رکھتے ہیں۔ انہوں نے دوسرے ادیان کو چھوڑ کر اسے پسند کیا ہے انہوں نے رب تعالیٰ کی ہدایت کے ساتھ اپنی عقل سے یہ جان لیا ہے کہ وہ کھلی گمراہی میں تھے۔ اس جھنڈ میں صرف تم ہی باقی رہ گئے ہو۔ اگر آج تم نے ان کی اتباع نہ کی۔ اسلام قبول نہ کیا تو مجاہدین کے گھوڑے تمہیں روندھ ڈالیں گے۔ تیری قوم کو ہلاک کر دیں گے۔ اسلام قبول کر لو سلامتی پا جاؤ گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہیں تمہاری قوم کا گورنر بنا دیں گے۔ اسلام کے ساتھ ساتھ تمہیں سلطنت بھی مل جائے گی۔ نہ گھوڑے تم پر حملہ آور ہوں گے نہ پیادہ فوج۔ اس کے ساتھ ساتھ دارین کی سعادت بھی اور قتل سے نجات بھی"۔

اس گفتگو میں واضح دلیل ہے کہ رب تعالیٰ نے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کو کتنی قوت نفس عطا کر رکھی تھی۔ ان میں کتنی خودداری تھی۔ انہوں نے اس بادشاہ کو یوں مخاطب کیا۔ اسے اس کے محل میں اس کے معاونین کی موجودگی میں اسے جنگ اور ہلاکت سے ڈرایا۔ حالانکہ وہ اس کے سامنے کھڑے تھے۔ اس نے انہیں بیٹھنے کی بھی اجازت نہیں دی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے آپ کے قاصد کو بچا لیا۔ جیفر نے انہیں کوئی اذیت نہ دی، سخت بات بھی نہ کی، بلکہ ان کے ساتھ نرمی سے گفتگو کرتا رہا۔ اس نے کہا "مجھے آج تنہا چھوڑ دو صبح میرے پاس آنا" حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں اس کے بھائی کے پاس گیا۔ اس نے مجھے کہا "عمرو! مجھے امید ہے کہ میرا بھائی اسلام قبول کر لے گا۔ اگر اس نے اپنی مملکت کے ساتھ بخل سے کام نہ لیا"

دوسرے دن میں اس کے پاس گیا۔ مگر اس نے مجھے اندر داخل ہونے کی اجازت نہ دی۔ میں اس کے بھائی کے پاس گیا۔ اسے بتایا کہ میں بادشاہ تک رسائی حاصل نہ کر سکا۔ اس نے مجھے اس کے محل تک پہنچا دیا۔ اس نے مجھے کہا ''میں نے تمہاری دعوت میں غور و فکر کیا ہے۔ اگر میں ایسے شخص کا مالک بن جاؤں جو میرے ہاتھ میں نہیں تو میں سارے عرب سے کمزور ترین ہوں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ان کے گھوڑے اس جگہ پہنچ ہی نہیں سکیں گے۔ اگر وہ پہنچ بھی گئے تو انہیں ایسی جنگ کا سامنا کرنا پڑے گا کہ اس سے قبل انہوں نے ایسی جنگ نہیں کی ہو گی۔

حضرت عمرو نے فرمایا میں نے کہا ''میں صبح واپس جانے لگا ہوں'' جب اسے میرے جانے کا یقین ہوا تو اس کے بھائی نے اس کے ساتھ خلوت میں ملاقات کی۔ اسے کہا ''ہم ان پر غلبہ نہیں پا سکتے۔ جس شخص کی طرف بھی انہوں نے پیغام بھیجا ہے۔ اس نے ان کی دعوت پر لبیک کہا۔ حضور ﷺ کی تصدیق کی۔ وہ میرے اور صدقات کو اکٹھا کرنے کے مابین سے ہٹ گئے۔ بلکہ جو میری مخالفت کرتا۔ اس کے خلاف یہ دونوں بھائی میری مدد کرتے۔ ان کے ساتھ بہت سی مخلوق دائرہ اسلام میں داخل ہو گئی۔ جس نے اسلام قبول نہ کیا اس پر جزیہ لاگو کیا گیا''۔ پھر حضرت عمرو رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے وصال تک عمان میں ہی رہے''۔

ابن سعد نے لکھا ہے ''عمان میں ان کا قیام شاید حضور ﷺ کے حکم یا اشارہ کے مطابق تھا۔ یا اپنے اجتہاد سے تھا۔ حتیٰ کہ انہوں نے صدقات جمع کر لیے۔

ہوذہ بن علی الحنفی کی طرف مکتوب گرامی

یہ یمامہ کا بادشاہ تھا۔ یہ مشرق کی طرف ایک شہر تھا۔ جہاں بہت زیادہ کھجوریں ہوتی تھیں۔ یہ مکہ مکرمہ سے سولہ مرحلہ دور تھا۔ حضور ﷺ نے ہوذہ بن علی الحنفی کے نام مکتوب گرامی لکھوایا اور اسے حضرت سلیط بن عمرو العامری رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں ارسال فرمایا۔ حضرت سلیط بن عمرو رضی اللہ عنہ قدیم الاسلام تھے۔ پہلے انہوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ پھر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی غزوۂ بدر اور دیگر غزوات میں شرکت کی سعادت حاصل کی۔ اہل ردہ سے جہاد کرتے ہوئے یمامہ کے مقام پر جام شہادت نوش کر گئے۔ آپ ﷺ نے ہوذہ کی طرف یہ والا نامہ لکھوایا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ہوذہ بن علی کی طرف!

اس پر سلام ہو جس نے ہدایت کی اتباع کر لی!

خوب جان لے کہ میرا دین حق عنقریب دنیا کی انتہائی وسعتوں تک پھیل جائے گا۔ اسلام لے آ۔ سلامتی پا جائے گا۔ میں اس علاقہ کی زمام اقتدار تمہیں سونپ دوں گا''۔

جب حضرت سلیط رضی اللہ عنہ ہوذہ بن علی کے پاس پہنچے تو اس نے ان کی بڑی تعظیم کی اور دعوت حق کو سختی سے نہ ٹھکرایا۔

امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں ''حضرت سلیط رضی اللہ عنہ نے ہوذہ سے فرمایا'' ہوذہ! تمہاری یہ سیادت ختم ہو جائے گی ارواح آگ

کے سپرد ہو جائیں گے۔

بلاشبہ سردار وہ ہوتا ہے جو ایمان لانے سے لطف اندوز ہو۔ پھر تقویٰ کو زاد راہ کے طور پر اختیار کرلے۔ بلاشبہ تمہاری قوم تمہاری رائے کا احترام کرتی ہے۔ اس کے لیے بدبختی اس کا مقدر نہ بن جائے۔ میں تمہیں بہترین چیز کا حکم دیتا ہوں۔ بدترین چیز سے روکتا ہوں۔ میں تمہیں رب تعالیٰ کی عبادت کا حکم دیتا ہوں۔ شیطان کی پوجا سے تمہیں روکتا ہوں۔ رب تعالیٰ کی عبادت کرنے والے جنت میں ہوں گے۔ جبکہ شیطان کے پجاری جہنم میں پھینکیں جائیں گے۔ اگر تم نے دعوت حق کو قبول کر لیا تو تمہیں اپنا مقصد زیست مل گیا۔ خوف سے امن میں ہو گیا۔ اگر تم نے انکار کر دیا تو پھر ہمارے اور تمہارے مابین وہ دن بطور وعدہ ہے جس روز سارے پردے اٹھ جائیں گے اور انجام ہولناک ہو گا''۔ ہوذہ نے کہا ''سلیط! مجھے اس شخص نے سردار بنایا ہے اگر وہ تجھے سردار بناتا تو تو تاباں ہو جاتا۔ کبھی میری ایک رائے ہوتی تھی جس سے میں امور آزماتا تھا۔ لیکن اب وہ رائے مفقود ہے۔ مجھے کچھ مدت کے لیے مہلت دیں۔ جس میں میری رائے لوٹ آئے۔ پھر میں اس رائے سے تمہیں جواب دوں گا۔ انشاء اللہ!

امام واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے تذکرہ کیا ہے کہ دمشق کے پادریوں کا رئیس اعظم ہوذہ کے پاس تھا۔ ہوذہ نے اسے کہا ''مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ایک خط آیا ہے۔ انہوں نے مجھے اسلام کی دعوت دی ہے۔ مگر میں نے وہ دعوت قبول نہیں کی''۔ رئیس نے کہا ''تم نے وہ دعوت قبول کیوں نہیں کی؟'' ہوذہ نے کہا ''میں نے اپنے دین پر بخل کا اظہار کیا۔ میں اپنی قوم کا بادشاہ ہوں۔ اگر میں نے ان کی پیروی کر لی تو میری سلطنت ختم ہو جائے گی''۔ رئیس اعظم نے کہا ''بخدا! اگر تم ان کی پیروی کر لیتے تو وہ تمہیں زمام اقتدار عطا فرما دیتے۔ تمہارے لیے بہتری اسی میں ہے کہ تم ان کی اتباع کرو۔ وہ وہی نبی عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ جن کا مژدہ جانفزاء حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے سنایا تھا۔ ہماری انجیل میں ان کا ذکر پاک یوں ہے ''محمد رسول اللہ''۔

اس رئیس نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں حضرت خالد بن ولید کے دست اقدس پر اسلام قبول کر لیا تھا۔ پھر اسی ہوذہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکتوب گرامی کا جواب یوں لکھا۔

''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کتنی حسین اور زیبا ہے۔ میں اپنی قوم کا شاعر ہوں۔ ان کا خطیب ہوں۔ اہل عرب میرے مقام سے لرزہ براندام ہیں۔ مجھے اپنے امر میں شریک کر لیں۔ میں آپ کی پیروی کر لوں گا''۔ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نبوت میں شرکت یا آپ کے بعد خلافت حاصل کرنے کا ارادہ کیا۔ اس نے حضرت سلیط رضی اللہ عنہ کو انعامات دیے۔ انہیں کپڑے دیے۔ یہ ہوذہ کا خط لے کر بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہوذہ کا خط پڑھا تو فرمایا ''اگر وہ مجھ سے زمین کا ایک ٹکڑا بھی مانگے۔ میں یہ بھی اسے دینے کے لیے تیار نہیں۔ وہ سب کچھ برباد ہو گیا جو کچھ اس کے ہاتھ میں ہے''۔

جب سپہ سالار اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتح مکہ سے واپس آئے تو حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے آپ کو بتایا کہ ہوذہ اپنے کفر پر مر گیا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''عنقریب یمامہ میں ایک کذاب کا ظہور ہو گا۔ جو نبوت کا دعویٰ کرے گا۔ میرے بعد اسے واصل جہنم کر دیا جائے گا۔ پھر اسی طرح ہوا جس طرح اس زبان حق ترجمان سے نکلا تھا۔ یمامہ سے مسیلمہ کا ظہور ہوا اور

وہیں جہنم واصل ہو گیا۔

ایک اور روایت میں ہے "ایک صحابی نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے کون قتل کرے گا"۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تم اور تمہارے ساتھی"

بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ ظاہر ہے کہ مخاطب کو بھی مسیلمہ کو قتل کرنے والوں کے ساتھ شرکت کی سعادت نصیب ہوئی ہو گی۔ جس لشکر نے مسیلمہ کو واصل جہنم کرنے کی سعادت حاصل کی۔ ان کے سپہ سالار حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تھے۔

حارث بن ابی شمر الغسانی

یہ قیصر کی طرف سے دمشق کا امیر تھا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت شجاع بن وہب الاسدی رضی اللہ عنہ کو اپنا گرامی نامہ دے کر اس کی طرف بھیجا۔ یہ اس وقت غوطہ دمشق میں تھا۔ غوطہ دمشق شام میں ایک جگہ ہے۔ وہاں پانی اور درختوں کی کثرت تھی۔ حضرت وہب اسدی رضی اللہ عنہ سابقین اولین میں سے تھے۔ وہ جنگ یمامہ میں جام شہادت نوش کر گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے یہ خط لکھا۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

محمد رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف حارث بن ابی شمر کی طرف!

اس پر سلامتی ہو جس نے ہدایت کی اتباع کی۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آیا اور اس کی تصدیق کی!

میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ تم رب تعالیٰ وحدہ لاشریک پر ایمان لے آؤ۔ تمہارا ملک تمہارے پاس ہی رہے گا"۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس خط پر مہر لگائی۔ حضرت شجاع رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں حارث کے پاس پہنچا تو وہ قیصر کی ضیافت کی تیاری میں مصروف تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ایران کے لشکر سے محفوظ رکھا تو وہ اس کا شکر ادا کرنے کے لیے حمص سے ایلیا آیا تھا۔ میں دو یا تین روز تک اس کے دروازہ پر ٹھہرا رہا۔ میں نے اس کے نگران سے کہا "میں اللہ تعالیٰ کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قاصد ہوں" اس کے حاجب نے کہا "تم اس تک نہیں پہنچ سکو گے۔ حتیٰ کہ وہ فلاں روز خود باہر نکلے"۔ وہ حاجب مجھ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق پوچھنے لگا۔ آپ کی دعوت حق کے بارے استفسار کرنے لگا۔ میں اسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے بتانے لگا۔ حتیٰ کہ اس پر رقت طاری ہو گئی۔ حتیٰ کہ اس پر گریہ غالب آ گیا۔ اس نے کہا "میں نے خود انجیل پڑھی ہے۔ میں نے خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف اس میں پڑھے ہیں۔ میرا خیال تھا کہ اس نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور ملک شام سے ہو گا۔ مگر ان کا ظہور قدسی درخت سلم کی زمین سے ہوا ہے۔ میں ان پر ایمان لاتا ہوں اور ان کی تصدیق کرتا ہوں۔ مجھے حارث سے خدشہ ہے کہ وہ مجھے قتل کر دے گا"۔ یہ حاجب رومی تھا۔ اس کا نام مری تھا۔ حضرت شجاع رضی اللہ عنہ نے فرمایا "یہ مری میری بہت تکریم کرتا تھا۔ انتہائی عمدہ ضیافت کرتا تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ حارث ایمان نہیں لائے گا کیونکہ وہ قیصر سے بہت زیادہ ڈرتا ہے"۔

ایک دن حارث اپنے محل سے باہر نکلا۔ اس نے تاج پہنا ہوا تھا۔ اس نے مجھے اذن باریابی دیا۔ میں نے اسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا والا نامہ دیا۔ اس نے اسے پڑھا اور نیچے پھینک دیا۔ اس نے کہا "کون ہے جو مجھ سے میرا ملک چھینے گا۔ میں

اس کی طرف جا رہا ہوں۔ اگر وہ یمن میں بھی ہوا۔ میں پھر بھی لوگوں کو لے کر اس پر حملہ آور ہو جاؤں گا۔ وہ رات گئے تک بیٹھا رہا۔ اس نے گھوڑوں کو نعل لگانے کا حکم دے دیا۔ اس نے مجھے کہا ''جو تیاری کا سماں دیکھ رہے ہو۔ اس کے متعلق اپنے صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتا دینا''۔ پھر اس نے قیصر کو خط لکھا اور اس میں میری آمد کا تذکرہ کیا۔ اس وقت قیصر ایلیا میں تھا اور حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ وہیں تشریف فرما تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں قیصر کی طرف بھیجا تھا۔ جب قیصر نے حارث کا خط پڑھا تو اس نے اسے لکھا کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نہ جائے۔ ان کا خیال دل سے نکال دے اور اسے ایلیا میں آکر ملے۔ جب اسے قیصر کا یہ خط ملا تو میں اس وقت اس کے پاس ہی تھا۔ اس نے مجھے کہا ''اپنے صاحب کے پاس کب روانہ ہونے کا ارادہ ہے؟'' میں نے کہا ''کل'' اس نے مجھے ایک سو مثقال سونا دینے کا حکم دیا۔ اس کے حاجب حضرت مری نے مجھے خرچہ اور کپڑے دیئے گئے۔ اس نے کہا ''حضور سید انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میرا اسلام عرض کرنا اور عرض کرنا کہ میں نے ان کے دین کی اتباع کر لی ہے۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور حارث کے بارے بتایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اس کا ملک برباد ہو گیا'' میں نے مری کی طرف سے سلام عرض کیا اور اس کی عرض گذارش کی تو فرمایا ''اس نے سچ کہا ہے''

بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ حارث نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ لیکن اس نے کہا ''اگر میں نے اسلام کا اظہار کر دیا تو مجھے خطرہ ہے کہ قیصر مجھے موت کے گھاٹ اتار دے گا''۔ ابن ہشام نے ذکر کیا ہے کہ حضرت شجاع رضی اللہ عنہ جبلہ ابن الایہم کی طرف گئے۔ دوسری روایت کے مطابق انہیں حارث اور جبلہ کی طرف بھیجا گیا۔ حضرت شجاع رضی اللہ عنہ نے جبلہ سے کہا ''جبلہ! تمہاری قوم (انصار) نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے گھر منتقل کیا۔ انہیں پناہ دی۔ ان کا دفاع کیا اور ان کی مدد کی۔ یہ دین جسے تم نے اختیار کر رکھا ہے۔ یہ تمہارے آباء کا دین نہیں ہے۔ لیکن تم شام کے بادشاہ اور روم کے پڑوس میں ہو۔ اگر تم کسریٰ کے پڑوس میں ہوتے تو اہل ایران کا دین اختیار کر لیتے۔ اگر تم نے اسلام قبول کر لیا تو اہل شام تمہاری اطاعت کریں گے۔ اہل روم تم سے خوف کھائیں گے۔ اگر انہوں نے اس طرح نہ بھی کیا تو پھر ان کے لیے دنیا اور تمہارے لیے آخرت ہوگی۔ تم نے مساجد کو گرجوں اذان کو ناقوس اور جمعہ کو شعانین میں بدلنا چاہا ہے۔ اللہ رب العزت کے ہاں جو اجر و ثواب ہے وہ بہترین اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے''۔ جبلہ نے کہا ''بخدا! میری تمنا ہے کہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اس طرح جمع ہوں جس طرح وہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق پر جمع ہیں۔ مجھے اس چیز سے خوشی نصیب ہوئی ہے کہ میری قوم ان کے ارد گرد جمع ہو گئی ہے۔ قیصر نے یوم موتہ کو مجھے ان کے صحابہ کرام کے ساتھ جنگ لڑنے کے لیے کہا تھا۔ مگر میں نے انکار کر دیا تھا۔ البتہ میں اس میں نہ حق دیکھتا ہوں نہ باطل۔ میں مزید غور و فکر کروں گا''۔

بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے ''اس حارث نے خفیہ اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نامہ مبارک کا جواب بھی لکھا۔ اور اپنے اسلام کے متعلق بھی تحریر کیا۔ ہدیہ بھی حاضر خدمت کیا۔ یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت تک اپنے اسلام پر ثابت قدم رہا۔ اس نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خط لکھا اور حاضر خدمت ہونے کی التجاء کی۔ خط پڑھ کر حضرت عمر فاروق بہت خوش ہوئے۔ اور اسے اجازت دے دی۔ وہ اپنے گھر کے دو سو پچاس افراد کے ساتھ عازم سفر ہوا۔ جب یہ

مدینہ طیبہ کے قریب پہنچا تو اس نے اپنے ساتھیوں کو گھوڑوں پر سوار کیا۔ انہیں سونے اور چاندی کے قلادے پہنائے۔ ریشم اور دیباج زیب تن کر دیا۔ اپنے سر پر تاج سجایا۔ سارے لوگ ان کی زیب و زینت دیکھنے کے لیے گھروں سے باہر نکل آئے۔ جب یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے اسے خوش آمدید کہا اور اپنے قریب جگہ دی۔ یہ مدینہ طیبہ میں آپ کے پاس ایک معزز مہمان کی حیثیت سے ٹھہرا رہا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حج کے ارادہ سے عازم سفر ہوئے تو یہ بھی ان کے ساتھ ہی عازم سفر ہوا۔ جب یہ بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا۔ تو بنوفزارہ کے ایک شخص نے اس کے ازار پر پاؤں رکھ دیا۔ یہ غصہ میں ہو گیا اور فزاری کے ایسا تھپڑ مارا جس سے اس کا ناک اور دانت ٹوٹ گئے۔ دوسری روایت کے مطابق اس کی آنکھ پھوڑ دی۔ فزاری نے دربار فاروقی میں شکایت کی اور مدد طلب کی۔ آپ نے حارث کو بلایا اور پوچھا "تو نے اس کی ناک کیوں توڑی ہے۔ یا اس کی آنکھ کیوں پھوڑی ہے" اس نے کہا "امیر المومنین! اس نے میرا ازار روندھ ڈالا۔ اگر بیت اللہ کی حرمت کا لحاظ نہ ہوتا تو تلوار سے اس کی گردن جدا کر دیتا"۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا "تو نے زیادتی کی ہے۔ یا تو اس فزاری کو راضی کر لو۔ ورنہ میں تم سے قصاص لوں گا" جبلہ نے کہا "میرے ساتھ کیا کیا جائے گا؟" حضرت عمر فاروق نے فرمایا "اسی طرح جس طرح تم نے اس کے ساتھ کیا ہے" حارث نے کہا "کیا اس کے لیے مجھ سے برابر قصاص لیا جائے گا۔ میں بادشاہ ہوں اور یہ معمولی آدمی ہے" حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اسلام نے تم دونوں کے مابین مساوات قائم کر دی ہے تمہاری اس پر کوئی فضیلت نہیں سوائے تقویٰ کے"۔

اس نے کہا "اگر میں اور یہ معمولی شخص دین میں برابر ہیں تو پھر میں نصرانیت اختیار کر لیتا ہوں۔ امیر المومنین! میرا تو خیال تھا کہ اسلام میں مجھے زمانہ جاہلیت سے زیادہ عزت ملے گی"۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اگر تو نے عیسائیت قبول کر لی تو میں تمہاری گردن اڑا کر رکھ دوں گا"۔ اس نے کہا "آج کی رات مجھے مہلت دیں تاکہ میں اپنے معاملہ میں غور و فکر کر سکوں" حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا "یہ اختیار تمہارے اس خصم کے پاس ہے" اس شخص نے کہا "امیر المومنین! میں نے اسے مہلت دی ہے"۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مہلت دے دی۔ حارث نے اپنے چچازادوں کو ساتھ لیا اور راتوں رات قسطنطنیہ کی طرف بھاگ گیا۔ قیصر کے پاس جا کر نصرانیت اختیار کر لی۔ یہ مسلمانوں کے خلاف اہل روم کے ساتھ جنگ آزما رہا۔ حتیٰ کہ نصرانیت پر ہی ہلاک ہو گیا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اس نے دوبارہ اسلام قبول کر لیا۔ اور حالت اسلام میں مرا۔ مگر یہ قول صحیح نہیں"۔

جبلہ ایک دراز قد انسان تھا۔ اس کا قد بارہ ہاتھ تھا۔ جب یہ سواری پر سوار ہوتا تو اس کے پاؤں زمین کو چھو رہے ہوتے۔ ہرقل اس سے خوش ہوا۔ اس نے اس کی شادی اپنی بہن سے کر دی۔ اپنی مملکت میں اسے بھی شریک کر لیا۔ طرابلس اور لاذقیہ کے مابین اس کیلئے ایک شہر تعمیر کیا گیا جس کا نام جبلہ رکھا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم بن ادھم کی قبر انور بھی اسی جگہ ہے۔

بنونہد کی طرف خط مبارک

بنونہد یمن کا ایک قبیلہ تھا۔ جو عجیب و غریب الفاظ میں گفتگو کرتا تھا۔ اکثر اہل عرب ان کی زبان نہیں سمجھ سکتے تھے۔ حضور

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر قوم کے ساتھ اس کی زبان میں ہم کلام ہوتے تھے۔ یہ بھی آپ کی بلاغت کی اقسام میں سے ایک قسم ہے۔ آپ ہر اجنبی لغت والے کے ساتھ اس کی زبان میں ہی گفتگو فرماتے تھے۔ ہر بلیغ زبان والے کے ساتھ بھی اس کی زبان میں گفتگو فرماتے تھے۔ یہ آپ کی فصاحت کی وسعت تھی۔ آپ کی الفت ومحبت کا اظہار تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہل شہر سے گفتگو فرماتے تو وہ مضبوط گھوڑے سے زیادہ ثابت ہوتی۔ وہ تیز تلوار سے زیادہ تسلسل کے ساتھ ہوتی۔

ذرا اس دعا کو ملاحظہ کرو جو آپ نے اہل مدینہ کے لیے اس وقت کی تھی جب انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی تھی۔ آپ نے یہ دعا مانگی ''مولا! ان کے پیمانہ میں برکت ڈال۔ ان کے صاع اور مد میں برکت ڈال''۔ دوسری روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا مانگی ''مولا! ہمارے لیے ہماری کھجوروں میں برکت ڈال دے۔ ہمارے لیے شہر میں برکت ڈال دے۔ ہمارے صاع کو بابرکت کردے۔ ہمارے مد کو بابرکت کردے۔ مولا! میں مدینہ طیبہ کے لیے اسی طرح دعا کرتا ہوں جس طرح حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے مکہ معظمہ کے لیے دعا مانگی تھی''۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ دعا بنظر غائر پڑھو جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی نہد کے لیے کی تھی۔ جب وہ وفد کی صورت میں آپ کے پاس حاضر ہوئے تھے۔ حضرت طہفہ بن رہم النہدی رضی اللہ عنہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے قحط سالی کی شکایت کرتے ہوئے التجاء کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم آپ کی خدمت میں تہامہ کی نشیبی زمین سے میس (درخت کا نام) کے کجاؤوں سمیت حاضر ہوئے ہیں۔ ہمیں اونٹنیاں لے کر آئیں۔ ہم نے صبر کرنے والی اونٹنیوں کا دودھ دوہا۔ ہم نے اونٹوں کے جسموں پر خراشیں لگائیں۔ درخت پیلو کے پھل چنے۔ ہم نے غیر شکاری پرندوں کے غول دیکھے۔ بے بارش بادل کو ہم لے گئے۔ دور کی تکلیف دہ زمین سے، ہم آئے ہیں جس پر چلنا دشوار ہے۔ اس نے تالاب کو جذب کرلیا ہے۔ ہر چیز خشک ہوگئی ہے۔ املوج کے پتے گر پڑے ہیں۔ نرم شاخیں ختم ہوگئیں ہیں۔ جانور مر گئے ہیں۔ کھجور کے درخت بھی سوکھ گئے ہیں۔ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ہم آپ کی بارگاہ میں ان بتوں اور اصنام سے برأت کا اظہار کرتے ہیں۔ ہم اسلام کی دعوت کو قبول کرنے اور شرائع اسلام پر عمل پیرا ہونے کا اعلان کرتے ہیں۔ جب تک سمندر بھرا رہے۔ جب تک چوپائے پھرتے رہیں۔ وہ تعداد میں کثیر ہیں۔ مگر آسودگی سے محروم ہوگئے ہیں۔ انہیں انتہائی قحط سالی اور تنگ دستی کا سامنا ہے۔ نہ پہلی بار پانی دستیاب ہوتا ہے نہ ہی دوسری بار''۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے یہ دعا کی ''مولا! ان کے خالص دودھ میں اضافہ فرما۔ اس دودھ میں بھی برکت فرما جس میں پانی ملایا گیا ہو۔ مولا! ان کے چرواہوں کی کثیر گھاس اور درختوں کی طرف راہ نمائی کر۔ ان کے قلیل پانی کو کثیر بنا دے۔ ان کے مال اور اولاد میں برکت فرما۔ جس نے نماز ادا کی وہ مسلمان ہے۔ جس نے زکوٰۃ ادا کی وہ محسن ہے۔ جس نے لآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی گواہی دی وہ مخلص ہے۔ اے بنو نہد! تمہارے اور مشرکین کے مابین معاہدے ہیں ان کی پاسداری کرنا، تم پر وہی صدقات لازم ہیں جو دیگر مسلمانوں پر لازم ہیں۔ وہ نہ تم سے ساقط ہوں گے اور نہ ہی ان میں تمہارے لیے اضافہ ہوگا۔ نہ تو زکوٰۃ تم سے ساقط ہوگی اور نہ ہی تادم واپسیں تم نے کفر کی طرف لوٹنا ہوگا۔ نہ ہی نماز کو اس کے وقت پر پڑھنے سے سستی کا

مظاہرہ کرنا ہوگا''۔

پھر آپ نے اس کے ساتھ ساتھ بنونہد کے لیے ایک تحریر بھی لکھوا دی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

محمد رسول اللہ ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے بنونہد بن زید کی طرف !

سلامتی ہو اس پر جو اللہ رب العزت اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لایا !

اے بنونہد ! تم پر واجب حق ہے۔ ہم تم سے زکوٰۃ میں انتہائی بوڑھی اونٹنی نہیں لیں گے۔ نہ ہی بیمار اور نہ ہی اونٹ کا بچہ قبول کریں گے۔ نہ ہی زکوٰۃ میں ایسا گھوڑا قبول کریں گے جو سواری کے لیے تیار ہو۔ نہ ہی چھوٹا بچھڑا قبول کریں گے۔ نہ ہی ایسا بچھڑا لیں گے جس پر سواری کرنا مشکل ہو۔ جانوروں کو چراگاہ سے چرنے سے روکا نہیں جائے گا۔ تمہارے بے ثمر درخت کاٹے نہیں جائیں گے۔ تمہارے شیر آور جانوروں کو بھی دوسرے جانوروں کے ساتھ چرنے سے روکا نہیں جائے گا۔ جب تک کہ تم دھوکہ اور بغض نہ کرو اور جب تک کہ تم اس عہد کو نہ توڑو۔ جس خوش بخت نے اس خط کے مشتملات کا اقرار کر لیا تو اس کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے وعدہ اور ذمہ ہے۔ جس نے انکار کر دیا تو اس سے زائد لیا جائے گا''۔

العسکری نے حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''ہم نے عرض کی ''یا رسول اللہ ! صلی اللہ علیک وسلم ہمارے آباؤ اجداد ایک ہی ہیں۔ ہم نے ایک ہی شہر میں نشوونما پائی ہے۔ آپ ایسی عربی میں گفتگو فرماتے ہیں جس کا اکثر حصہ ہم نہیں سمجھ پاتے''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اللہ رب العزت نے مجھے ادب سکھایا ہے۔ اس نے مجھے بہترین ادب سکھایا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ میں بنوسعد بن بکر میں پروان چڑھا ہوں''

''المواہب اللدنیہ'' میں ہے کہ ذرا اس دعائے مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کو دیکھو اور اس خط کو دیکھو جسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنونہد کی زبان میں ہی لکھا۔ بلکہ آپ نے حسن وزیبائی کے اعتبار سے اس میں اضافہ کیا۔ یہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص میں سے ہے کہ آپ ہر شخص سے اس کی زبان میں محو تکلم ہوتے تھے۔ جبکہ اہل عرب کی لغتیں بھی الگ الگ تھیں۔ ان کے الفاظ کی تراکیب اور گفتگو کرنے کے اسالیب بھی جدا جدا تھے۔ جب کلام پاک کی یہ حد ہے اور اس کے الفاظ کے برمحل استعمال کی یہ حد ہے کہ وہ نہ صرف فصاحت سے بھرپور ہیں۔ بلکہ فصاحت کے بلند درجہ پر ہیں۔ اگر اس میں کوئی غریب لفظ ہے تو وہ دوسرے لوگوں کے اعتبار سے غریب ہے۔ جبکہ وہ ان لوگوں کے اعتبار سے فصیح ہے جن کی زبان کا وہ لفظ ہوتا ہے۔ حالانکہ عام آدمی اپنی زبان سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ اگر وہ کسی اور کی لغت سنتا ہو تو وہ اس کے لیے عجمی کی مانند ہوگی۔ یہ آپ پر صرف اور صرف انعام خداوندی اور عطائے ربانی ہے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سارے انسانوں کی طرف مبعوث کیا گیا تھا۔ اس لیے رب تعالیٰ نے آپ کو ساری لغات سکھا دیں۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔

وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوۡمِهٖ (ابراہیم: 4)

''اور ہم نے نہیں بھیجا کسی رسول کو مگر اس قوم کی زبان کے ساتھ''۔

اللہ رب العزت نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سارے انسانوں کے لیے مبعوث فرمایا تھا۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سارے لوگوں کی زبانیں سکھادیں۔ یہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل حبشہ سے ان کی زبان میں، اہل فارس سے ان کی زبان میں گفتگو فرمائی۔ یہ ساری گفتگو سیرت کی کتب میں موجود ہے۔ شفاء کی شرح شہاب الخفاجی میں ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت مبارکہ ہوئی تو ایک وفد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ وفد مسجد حرام میں آیا۔ اس نے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت نہیں کی تھی۔ یہ عربی سے بھی آشنا نہ تھے۔ ان میں سے ایک شخص نے اپنی زبان میں کہا ''من ابون اسران''، یعنی کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہستی پاک تم میں تشریف فرما ہے'' تمام حاضرین یہ کلام نہ سمجھ سکے۔ حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اشکد اور'' یہاں آجاؤ۔ حضور سید دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی زبان میں جواب دیا۔ دیگر اہل عرب اسے نہ سمجھ سکے۔ اس وفد نے اسلام قبول کیا۔ آپ کی بیعت کی اور اپنی قوم کے پاس لوٹ گیا۔ حضور تاجدار حرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان مغ آنے اور ان کی زبان کے بارے بتایا ہے۔

پاک ہے وہ ذات کریمانہ جس نے آپ کو اتنا وسیع علم عطا فرمایا، وہ منعم اور کریم ہے۔ آپ کی فصاحت و بلاغت اور جوامع الکلم اور حکمت آموز گفتگو کے متعلق علمائے کرام نے کتابیں رقم کیں ہیں۔ جن میں فصاحت سے لبریز الفاظ اور ان کے معانی رقم کیے ہیں۔ نہ تو آپ کی فصاحت و بلاغت کا مقابلہ ہو سکتا ہے۔ نہ ہی اس کی وضاحت! البتہ مواہب اور شفاء شریف اور ان کی شروح میں کافی کچھ کا تذکرہ ہے۔

مشعار ہمدانی کی طرف نامہ مبارکہ

مشعار یمن کی ایک جگہ کا نام تھا۔ یہ مالک بن نمط الہمدانی کا لقب تھا۔ ہمدان بہت بڑا قبیلہ تھا۔ مالک کی کنیت ابوثور تھی۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوہ تبوک سے واپس تشریف لائے۔ یہ وفد کی شکل میں حاضر ہوا۔ عرض گزار ہوا ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ہمدان کے شہری اور دیہاتی سردار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے ہیں۔ یہ تیز رفتار، جوان اونٹوں پر حاضر ہوئے ہیں۔ یہ اسلام کے عہد اور مواثیق کے ساتھ متصل ہو گئے ہیں۔ خارف اور وہام کے کناروں تک انہیں رب تعالیٰ کے بارے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا کوئی خطرہ نہیں۔ کوئی چغل خور اور فسادی شخص ان کے عہد کو نہیں توڑ سکتا۔ نہ ہی کوئی آفت انہیں اسلام سے پیچھے کر سکتی ہے۔ جب تک ''العلع پہاڑ'' قائم ہے اور جب تک ہرن کا بچہ جلتا رہے گا۔ جب تک چٹیل میدان اپنی جگہ پر برقرار ہے''۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے یہ خط مبارک لکھوایا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے سلطنت خارف، جناب ہضب، خفاف الرمل، مشعار مالک بن نمط اور ان کی قوم کے مسلمانوں کی طرف!

ان کیلئے ہی بلند و بالا پہاڑ، وہط اور چٹیل میدان ہیں۔ جب تک کہ وہ نماز قائم کرتے رہیں اور زکوٰۃ دیتے رہیں۔ وہ ہی

ان کے چارہ کے مالک ہوں گے۔ میدانوں میں ان کے جانور چرتے رہیں گے۔ ان کے جانوروں اور کھجوروں میں سے ہمارا حصہ وہی ہوگا جسے وہ وعدہ اور امانت کے مطابق ادا کرتے رہیں گے۔ بوڑھا اونٹ، بوڑھی اونٹنی، اونٹ کا شیر خوار بچہ، پالتو جانور، اور جس جانور کی صوف میں سرخی ہوگی یہ ان کے لیے ہی ہوں گے۔ ان کو ان میں سے مکمل گائے اور جوان بکری دینا ہوگی''۔

قطن بن حارثہ العلیمی کی طرف گرامی نامہ

یہ اپنی قوم کے ساتھ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوا۔ اسلام کی دولت لازوال سمیٹ لی۔ اور بارگاہ رسالت مآب میں یہ ہدیۂ عقیدت پیش کیا۔

رَائَیتُکَ یَاخَیرَ البَرِیَّۃِ کُلِّھَا نَبَتَ نَضَارًا فِی الاُرُومَۃِ مِن کَعبِ

اے ساری نسل انسانی سے بہترین! میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ کعب کے کریم النسل قبیلہ سے عمدہ اور بہترین حالت میں پروان چڑھے۔

اَغَرَّ کَاَنَّ البَدرَ سَنَّۃُ وَجھِہٖ اِذْ لَصَایِدًا لِلنَّاسِ فِی خَلَلِ الغَضبِ

وہ روشن جبیں ہیں۔ گویا کہ ماہ تمام ان کے چہرے کی چمک ہے۔ وہ غصہ کی حالت میں بھی لوگوں کو شکار کر لیتے ہیں۔

اَقَمتَ سَبِیلَ الحَقِّ بَعدَ اِعوِجَاجِھَا وَدَنَتِ الیَتَامیٰ فِی السَّقَایَۃِ وَالجَدبِ

آپ نے حق کے رستہ کو سیدھا کر دیا۔ حالانکہ وہ ٹیڑھا ہو چکا تھا۔ بارش اور قحط سالی میں یتیم آپ کے قریب ہو گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں دعاؤں سے نوازا۔ ان کے لیے آپ نے ایک مکتوب گرامی لکھوایا۔ اس میں ان کی قوم کو ان کی زبان میں ہی کچھ فرمایا۔

وہ مکتوب گرامی یہ ہے۔

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے بنو کلب اور ان کے حلیفوں کی طرف اور دیگر ان قبائل کی طرف جنہیں اسلام نے ایک جگہ جمع کر دیا ہے جو قطن بن حارثہ العلیمی کے قبیلہ سے ہیں۔ وہ نماز کو اس کے وقت پر ادا کریں۔ زکوٰۃ دیں۔ ہر معاہدہ یا وفائے عہد مسلمانوں کے گواہوں کی موجودگی میں کریں۔ پھر آپ نے حضرت دحیہ بن خلیفہ الکلبی، حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہم کے نام لکھوائے۔ پھر فرمایا ''چرنے والے، بچوں والے شیر دار پچاس اونٹوں میں سے ایک ایسی اونٹنی لی جائے گی جس میں کوئی عیب نہ ہوگا۔ وہ اونٹ جوان کے لیے کھانا لے کر آتے ہیں۔ ان سے زکوٰۃ نہیں لی جائے گی۔ بکریوں میں سے دو سال کی بکری بطور زکوٰۃ لی جائے گی۔ وہ زمین جسے رواں پانی سیراب کرے گا اس میں عشر ہوگا اور وہ زمین جسے صرف بارش کا پانی سیراب کرتا ہوگا تو اس میں سے عدل کرنے والے کے اندازے کے مطابق عشر لیا جائے گا۔ ان پر یہ فریضہ زیادہ نہ کیا جائے گا''۔

ان مکتوب گرامی کو حضرت ثابت بن قیس بن شماس نے لکھا۔

وائل بن حجر کی طرف نامہ مبارکہ

ان کا نسب مالک بن مرہ بن حمیر بن زید الحضرمی پر ختم ہوتا ہے۔ ان کے والد کا شمار یمن کے سرداروں میں ہوتا تھا۔ یہ اپنے وفد کے ساتھ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جاگیر عطا کرنے کے لیے گذارش کی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں جاگیر عنایت کر دی۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ساتھ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو بھیجا تاکہ وہ جاگیر ان کے حوالے کریں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ عریاں پاؤں تھے۔ انہیں سورج کی گرمی محسوس ہوئی۔ انہوں نے ان سے کہا کہ انہیں اپنے پیچھے سوار کر لیں مگر حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا۔ انہوں نے انہیں اپنا کفو نہ سمجھا کہ اپنے پیچھے سوار کریں۔ انہوں نے کہا "تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو جنہیں بادشاہ اپنے پیچھے سوار کریں"۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے پہننے کے لیے جوتے مانگے۔ مگر انہوں نے پھر انکار کر دیا۔ انہوں نے کہا "تمہارے لیے میری اونٹنی کا سایہ ہی کافی ہے۔ اسی میں چلو" حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو سخت گرمی کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ امر ان پر بڑا شاق گزرا۔ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت تک بحیات رہے۔ ان کے پاس وفد کی صورت میں گئے۔ انہوں نے ان سے ملاقات کی اور نہایت عزت و تکریم سے پیش آئے۔ حضرت وائل رضی اللہ عنہ نے کہا "میں نے آرزو کی تھی کہ کاش میں انہیں اپنے آگے بٹھالیتا"۔

دولت اسلام سے مالا مال ہونے سے قبل ان کے پاس عقیق کا ایک پتھر تھا۔ یہ اسی کی عبادت کرتے تھے۔ اسی کے سامنے سجدہ ریز ہوتے تھے۔ ایک دن وقت دوپہر اس کے پاس سو رہے تھے کہ اچانک اس سے ایک ہولناک آواز سنی۔ وائل اس کے پاس آئے۔ اسے سجدہ کیا انہوں نے ہاتف غیبی کو یوں کہتے ہوئے سنا۔

وَاعَجَبًا لِوَائِلِ ابْنِ حَجَرٍ　　تَخَيَّلُ يَدْرِى وَهُوَلَيْسَ يَدْرِى

ہائے! وائل بن حجر پر تعجب! وہ خیال کرتا ہے کہ وہ اس بات سے آگاہ ہے حالانکہ وہ کچھ نہیں جانتا۔

مَاذَا تَرَجِّى مِنْ نحو صَخْرٍ　　لَيْسَ بِذِى عَرَفٍ وَلَا ذِى نُكْرٍ

تو نے اس پتھر کی مورتی سے کیسی امیدیں وابستہ کر رکھی ہیں جسے نہ جان پہچان ہے نہ عقل و شعور۔

وَلَا بِذِى نَفْعٍ وَلَا ذِى ضَرٍّ　　لَوْ كَانَ ذَا حَجَرٍ اَطَاعَ اَمْرِى

نہ وہ نفع دے سکتا ہے نہ ہی نقصان۔ کاش کہ ابن حجر میرے حکم کی اطاعت کر لے۔

انہوں نے اپنا سر بلند کیا اور کہا "تو مجھے کس چیز کا حکم دیتا ہے"۔ ہاتف نے یہ اشعار پڑھے۔

اِرْحَلْ اِلٰى يَثْرَبَ ذَاتَ النَّخْلِ　　وَسِرْ اِلَيْهَا سَيْرَ مُسْتَقِلٍّ

تو یثرب (مدینہ طیبہ) چلا جا جو کھجوروں والی سرزمین ہے۔ تو اس شہر خوباں کی طرف سرعت کے ساتھ جا

فَدِنْ بِدِيْنِ الصَّائِمِ الْمُصَلِّى　　محمد رسول خَيْرُ الرُّسُلِ

روزہ رکھنے والے اور نماز ادا کرنے والے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین متین کو اختیار کر لے وہ سارے رسولوں میں سے

بہترین ہیں۔

پھر وہ پتھر گر پڑا۔ حضرت وائل رضی اللہ عنہ اس کی طرف گئے اور اسے ریزہ ریزہ کر دیا۔ پھر عازم سفر ہو کر مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ مسجد نبوی میں گئے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اپنے قرب میں جگہ دی۔ ان کے لیے اپنی مبارک چادر پھیلا دی اور اس پر انہیں بٹھایا۔ پھر منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور فرمایا "اے لوگو! یہ وائل بن حجر ہیں جو رئیسوں کے سردار ہیں۔ یہ دور دراز زمین سے اسلام میں رغبت رکھتے ہوئے تمہارے پاس آئے ہیں"۔

وہ عرض کناں ہوئے "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے آپ کے ظہور قدسی کی خبر ملی۔ میں ایک عظیم سلطنت میں تھا۔ میں نے اسے چھوڑا اور رب تعالیٰ کے دین پاک کو اختیار کر لیا"۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تم نے سچ کہا ہے۔ مولا! وائل بن حجر، ان کی اولاد، اولاد کی اولاد پھر اس کی اولاد میں برکت فرما"۔

حضرت وائل رضی اللہ عنہ نے عمر کے آخری حصہ میں کوفہ کو اپنا مسکن بنا لیا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں ان کا وصال ہوا۔ ان کی اولاد کوفہ میں ہی رہی۔ "شفا شریف" میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں "الکندی" فرمایا۔ مگر یہ روایت درست نہیں۔ یہ حضرمی تھے۔ ابن جوزی نے الحضرمی یا الجوزی کہا ہے۔ ممکن ہے یہ حضرمی کندی ہوں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے یہ نامہ مبارک لکھا۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

محمد رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ان رئیسوں کی طرف جو اپنے اپنے منصب پر فائز ہیں! جو حسن و زیبائی میں سب سے فائق ہیں!

چالیس بکریوں میں ایک بکری بطور زکوٰۃ دی جائے گی۔ اس سے کم نہیں۔ نہ ہی عمدہ مال بطور زکوٰۃ لیا جائے گا۔ اپنا درمیانہ مال بطور زکوٰۃ دو۔ رکاز اور کانوں میں سے پانچواں حصہ پیش کرنا ہوگا۔ جو غیر شادی شدہ بدکاری کرے تو اسے ایک سو کوڑے مارو۔ اور اسے ایک سال کے لیے جلا وطن کر دو۔ جو شادی شدہ بدکاری کا مرتکب ہو تو اسے سنگسار کر دو۔ حدود کو قائم کرنے میں کوئی عار نہیں۔ رب تعالیٰ کے فرائض کو مخفی نہیں رکھا جائے گا۔ ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کو تمام رؤساء کا سردار بنایا جاتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکتوبات میں سے یہ چند خطوط مبارک بطور نمونہ پیش کیے گئے۔ تاکہ قارئین کرام کو معلوم ہو جائے کہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عرب و عجم کی ہر زبان میں گفتگو فرماتے تھے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساری مخلوق سے زیادہ فصیح اور شیریں کلام تھے۔ آپ جلد ادائیگی فرماتے تھے اور آپ کی گفتگو مٹھاس میں سب سے بڑھ کر تھی۔ آپ کا کلام معجز دل کی گہرائیوں میں اتر جاتا۔ گویا کہ وہ ارواح نکال رہا ہوتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان حق ترجمان کی فصاحت کی انتہاؤں سے کوئی آگاہ نہیں۔ اس کے مقام و منصب سے کوئی آگاہ نہیں۔ اسی لیے بعض علمائے کرام نے فرمایا۔ "آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام مبارک بھی معجزہ ہے"۔

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے "بنوسلیم کے ایک شخص نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أَيُدَالِكُ الرَّجُلُ اِمْرَاتَهٗ" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اِذَا كَانَ مُلْفِجًا" اس وقت حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی حاضر خدمت تھے۔ انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس شخص نے کیا عرض کی ہے اور آپ نے اسے کیا جواب ارشاد فرمایا ہے" حضور تاجدار حرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اس شخص نے مجھ سے پوچھا کہ کیا ایک اپنی زوجہ سے ٹال مٹول کر سکتا ہے؟" میں نے کہا "ہاں! بشرطیکہ وہ شخص مفلس ہو"۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عرض گذار ہوئے "میں پورے عرب میں گھوما ہوں۔ میں نے اہل عرب کے فصحاء کی باتیں سنیں ہیں۔ میں نے آپ سے زیادہ فصیح کسی کو نہیں سنا" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میرے رب عظیم نے مجھے ادب سکھایا ہے۔ میں بنوسعد میں پروان چڑھا ہوں"۔

ایک اور روایت کے مطابق اس صحابی نے جو کچھ عرض کیا تھا اس کا معنی یہ ہے "کیا ایک شخص اپنی زوجہ کے ساتھ وظیفہ زوجیت کرنے سے قبل اس سے مداعبت کر سکتا ہے" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ہاں! جبکہ اس شخص کی شہوت کمزور ہو تا کہ یہ مداعبت اس کی شہوت کی محرک بنے"۔

ایک اور قول کے مطابق اس روایت کا مفہوم اس طرح ہے۔ اس صحابی نے عرض کی "کیا ایک شخص اپنی زوجہ کو حق مہر کی ادائیگی میں ٹال مٹول کر سکتا ہے! تو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا "ہاں! بشرطیکہ وہ شخص نادار ہو" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سائل کو اس طرح جواب ارشاد فرمایا جو ان سارے معانی کا احتمال رکھتا ہے۔ جس طرح کہ اس صحابی کا سوال کئی احتمالات رکھتا تھا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فصاحت و بلاغت کا ہی کمال ہے جس کے ساتھ رب تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخصوص فرمایا ہے۔

حضرت عطیہ سعدی رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں وفد کی صورت میں بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوا۔ میرے ہمراہ میری قوم تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں فرمایا "اگر رب تعالیٰ نے تجھے اپنے فضل و کرم سے غنی فرما دیا ہے تو لوگوں سے نہ مانگا کر۔ اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے۔ اگر رب تعالیٰ سے التجاء کی جائے تو وہ ضرور اسے شرف قبولیت سے نوازتا ہے"۔

شفاء شریف کی "شرح الشہاب" میں صحیح سند کے ساتھ یہ روایت منقول ہے کہ ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ اچانک بادل نمودار ہوا۔ صحابہ کرام عرض گذار ہوئے "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم یہ بادل ہے" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اس کی اساس کیسی ہے؟" وہ عرض گذار ہوئے "یہ کتنا عمدہ اور بلند مرتبہ ہے" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تم اس کا وسط کیسا دیکھتے ہو؟" وہ عرض پیرا ہوئے "وہ بھی کتنا حسین ہے اور ان کا گھومنا کتنا تیز ہے؟" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تم اس میں سے بلند بادل کو کیسے دیکھتے ہو؟" انہوں نے گذارش کی "وہ کتنا زیبا ہے اور اس کی استقامت کتنی شدید ہے" حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تم اس کی بجلی کو کیسے دیکھتے ہو؟ کیا اس کی چمک ہلکی سی ہے یا تیز" انہوں نے کہا "اس کی چمک بہت تیز ہے" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اس کی سیاہی کیسی ہے؟" انہوں نے عرض کی "یہ کتنا خوبصورت ہے۔ یہ کتنا سیاہ بادل ہے" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اس سے کم بارش ہوگی" صحابہ کرام نے عرض کی

''یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ سے بڑھ کر فصیح ہماری نگاہوں نے نہیں دیکھا'' حضور ﷺ نے فرمایا ''فصاحت و بلاغت کی ان رفعتوں سے مجھے کون روک سکتا ہے قرآن پاک واضح عربی زبان میں اترا ہے''۔

حضور اکرم ﷺ نے آفاق میں اپنے مکتوبات مبارکہ ارسال فرمائے۔ آپ نے شاہان عالم کو اپنی اطاعت کرنے اور شریعت بیضاء پر عمل پیرا ہونے کا حکم دیا۔ باذان بن ساسان نے آپ کی اس دعوت پر لبیک کہا۔ یہ پہلے کسریٰ کی طرف سے یمن کا بادشاہ تھا۔ جب حضور ﷺ کے فرمان عالی شان کے عین مطابق کسریٰ ہلاک ہو گیا تو اس خبر کی صداقت عیاں ہو جانے پر اس نے دل وجان سے اسلام قبول کر لیا۔ اس نے حضور ﷺ کے کئی معجزات کے بارے بھی سن رکھا تھا۔ اس نے اپنے اور اپنے ساتھیوں کے اسلام کے متعلق بارگاہ رسالت مآب میں اطلاع بھیجی۔ حضور ﷺ نے اسے یمن کا والی برقرار رکھا۔ کیونکہ آپ نے باذان کے قاصد سے یہ وعدہ فرمایا تھا۔ آپ ﷺ نے باذان کو پیغام بھیجا تھا ''اگر تم نے اسلام قبول کر لیا تو میں تمہیں اسی مسند اقتدار پر برقرار رہنے دوں گا''۔ حضرت باذان اسلام میں یمن کے پہلے امیر تھے۔ اور عجم کے بادشاہوں میں سے سب سے پہلے انہوں نے ہی دولت اسلام سمیٹی۔ جب ان کا وصال ہو گیا تو حضور ﷺ نے ان کے لخت جگر شہر بن باذان کو زمام اقتدار سونپ دی۔ روایت ہے کہ حضرت باذان رضی اللہ عنہ وفد لے کر عازم سفر ہوئے تا کہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضری کا شرف حاصل کریں۔ العنسی الکذاب نے انہیں راستہ میں شہید کر ڈالا۔ دوسری روایت کے مطابق اسود العنسی نے شہر بن باذان کو شہید کیا تھا۔ پھر ان کی بیوی سے شادی کر لی تھی۔ وہ مسلمان تھی۔ اس نے فیروز دیلمی کی مدد کی تو انہوں نے اسود کا کام تمام کر دیا۔ یہ اس بلند اقبال عورت کی وساطت سے ہی رات کے وقت اس کے گھر داخل ہو سکے تھے۔ اور اسے موت کے گھاٹ اتار سکے تھے۔ حضور ﷺ نے حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کو صنعاء کا، حضرت زیاد بن لبید الانصاری کو حضر موت کا، حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کو زبید اور عدن کا حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو الجند اور اس کے مضافات کا اور حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کو نجران کا والی بنا دیا۔

بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ جب حضور سید الانبیاء ﷺ کا وصال ہوا تو اس وقت حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں تھے۔ شاید اس امارت کی مدت طویل نہ تھی۔ آپ نے یزید بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو تیماء کا والی بنا دیا۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شام کیلئے لشکر تیار کیے تو انہوں نے سب سے پہلے جس امیر کا جھنڈا باندھا وہ حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں یہ شام کے والی بنے۔ ان سے پہلے حضرت ابوعبیدہ کے عامل تھے۔ حضرت یزید رضی اللہ عنہ کا شام میں ہی وصال ہوا۔ یہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑے تھے۔ ان کا شمار فضلاء صحابہ کرام میں ہوتا تھا۔

آپ نے حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ کا والی بنایا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو یمن میں منصب قضاء عطا فرمایا۔ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو عمان کا والی بنایا۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

معجزات

سید المرسلین، شفیع المذنبین، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات بے شمار اوران گنت ہیں۔ انہیں شمار کرنا ممکن نہیں۔ ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشہور معجزات کا ہی تذکرہ کریں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض معجزات کا تذکرہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت سے لے کر بعثت تک کے حالات میں گزر چکا ہے۔ کچھ معجزات کا ذکر خیر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غزوات اور سرایا میں گزر چکا ہے۔ اگر ان معجزات میں سے بعض کا تذکرہ دوبارہ آجائے تو قارئین کو اکتاہٹ محسوس نہیں کرنی چاہیے کیونکہ معجزات کا بار بار تذکرہ فائدہ سے خالی نہیں ہوتا۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

أَعِدْ ذِكْرَ نُعْمَانَ لَنَا اِنَّ ذِكْرَهُ هُوَ الْمِسْكُ مَا كَرَّرْتَهُ يَتَضَوَّعُ

ہمارے لیے نعمان کا تذکرہ کرو۔ بلاشبہ اس کا ذکر مشک (کی طرح) ہے۔ تم جتنا زیادہ اس کا تذکرہ کرتے ہو اس کی خوشبو اتنی زیادہ آتی ہے۔

معجزہ اس امر کو کہا جاتا ہے جو عادت کے خلاف وقوع پذیر ہو۔ معجزہ دکھانے والا اس کے ساتھ چیلنج کرے۔ جس طرح کہ چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا اور مبارک انگلیوں سے پانی رواں ہو جانا۔ اسے معجزہ اس لیے کہا جاتا ہے۔ کیونکہ بشر اس جیسی چیز لانے سے عاجز ہوتا ہے کیونکہ اسے ان کے کسب کے ساتھ منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ یہ عادت کے خلاف وقوع پذیر ہوتا ہے یہ اس ہستی پاک کی صداقت پر دلالت کرتا ہے۔ جس کے دست حق نما سے اس کا ظہور ہوتا ہے۔ اسے معجزہ کہنے کے لیے شرط یہ ہے کہ یہ اس ہستی والا کے دست اقدس سے رونما ہو جس نے رسالت کا دعویٰ کیا ہو۔ اور اس کا ظہور اس کے دعویٰ کے بالکل مطابق ہو۔ خلاف عادت امر کو معجزہ اور کرامت وغیرہ میں تقسیم کیا گیا ہے جو کتب کلام میں موجود ہیں۔ اس کے تذکرہ کی ضرورت نہیں۔ ہمارے نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کے دلائل کثیر ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شان والا کی رفعت کے متعلق بے شمار روایات منقول ہیں۔

ان میں وہ روایات بھی شامل ہیں جو تورات، انجیل اور دیگر الہامی کتب میں موجود ہیں۔ ان میں آپ کا ذکر خیر موجود ہے آپ کے ایسے اوصاف کا تذکرہ ہے جو آپ کے ساتھ ہی مختص ہیں۔ ان کتب میں یہ تذکرہ بھی ہے کہ آپ کا ظہور قدسی سر زمین عرب سے ہوگا۔ آپ کی ولادت مبارکہ اور بعثت سے قبل فلاں فلاں عجیب وغریب امور رونما ہوں گے۔ جس طرح کہ اصحاب فیل کا قصہ۔ اس داستان سے اہل عرب کی شان بھی عیاں ہوتی ہے نیز یہ اس طرف بھی اشارہ ہے کہ عنقریب اہل عرب کے لیے ایک عظیم خبر ظاہر ہوگی۔ یہ خبر اس وقت ظاہر ہوگی جس وقت سرور سروراں سید مرسلاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور ہوگا۔ جس طرح کہ آپ کی ولادت مبارکہ کے وقت ایران کی اس آگ کا بجھ جانا جس کی پوجا اہل ایران کرتے تھے۔ یہ آگ ایک ہزار سال سے نہیں بجھی تھی۔ ایوان کسریٰ کے چودہ کنگروں کا زمین بوس ہو جانا۔ بحیرہ ساوہ کا پانی خشک ہو جانا۔ اس کی چوڑائی چھ

فرسخ سے زائد تھی۔ اس میں کشتیاں چلتی تھیں۔ جن پر سوار ہو کر اس کے ارد گرد کے شہروں میں جایا جاتا تھا۔ یہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شب کو یوں خشک ہو گیا گویا کہ اس میں کبھی پانی تھا ہی نہیں۔

اسی طرح ولادت مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی شب مجوسیوں کے جج موبذان نے خواب میں دیکھا کہ سرکش اونٹ عربی گھوڑوں کو ہانک رہے ہیں۔ انہوں نے دریائے دجلہ عبور کر لیا ہے اور شہروں میں بکھر گئے ہیں۔ کسریٰ نے اس سے پوچھا ''اس خواب کی تعبیر کیا ہو سکتی ہے؟'' اس نے کہا ''عرب کی طرف کوئی واقعہ رونما ہو سکتا ہے'' اسی طرح ہواتف غیبیہ کو سنا گیا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف میں رطب اللسان تھے۔ اسی طرح اس مبارک شب کو بتوں کا اوندھے ہو کر گر جانا۔ اسی طرح اس ضمن میں اور بھی بہت سی روایات منقول ہیں۔ جن میں ایسے امور کا ذکر پاک ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت، رضاعت اور اس کے بعد بعثت تک جلوہ نما ہوئے۔ جو شخص بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق عالیہ، پاکیزہ سیرت، علم کی وسعت، عقل وحلم کی فراوانی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیگر شمائل حمیدہ میں غور وفکر کرے گا اسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت میں کوئی شک نہیں رہے گا۔ آپ کے عہد ہمایوں میں بہت سے لوگوں نے ان اشیاء کا مشاہدہ کیا تو فوراً دولت ایمان سے مالا مال ہو گئے۔ اور سر اطاعت آپ کے سامنے خم کر دیا۔ انہیں علم ہو گیا کہ ایسے اوصاف حمیدہ سے نبی کے علاوہ اور کوئی متصف نہیں ہو سکتا۔

امام ترمذی نے حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے۔ یہ یہودیوں کے جید عالم تھے۔ انہوں نے کہا ''جب سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ میں جلوہ افروز ہوئے تو میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے لیے حاضر خدمت ہوا۔ جب میں چہرۂ والضحیٰ کی زیارت سے بہرہ ور ہوا تو میں نے بے ساختہ کہہ دیا ''یہ ضوفشاں چہرہ کسی جھوٹے کا نہیں ہو سکتا''۔ انہوں نے آپ کی تصدیق کی۔ آپ پر ایمان لے آئے۔ اور یہودیوں سے کہا ''اے گروہ یہود! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اس حیات آفریں پیغام کو قبول کر لو جسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لے کر تمہارے پاس آئے ہیں۔ اللہ کی قسم! تم خوب جانتے ہو کہ آپ وہی رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جن کا اسم مبارک اور اوصاف حمیدہ تم اپنے پاس لکھے ہوئے پاتے ہو۔ میں آپ پر ایمان لے آیا ہوں اور آپ کی تصدیق کرتا ہوں''۔

حضرت ابو رمثہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ جب چہرۂ انور کی زیارت سے بہرہ یاب ہوا تو میں بے ساختہ پکار اٹھا ''یہ اللہ رب العزت کے سچے نبی ہیں''۔ جب انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت دیکھی۔ نور نبوت کی زیارت کی تو رب تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت کا علم ضروری ان کے دل میں ڈال دیا۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت ضماد بن ثعلبہ بعثت سے قبل تاجدار عرب وعجم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوست تھے۔ یہ اپنی قوم میں چلے گئے تھے۔ پھر ایک وفد کی صورت میں مکہ مکرمہ آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اعلان نبوت فرمائے تھوڑی سی مدت ہی گزری تھی۔ انہوں نے سنا کہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساحر، کاہن اور مجنون کہہ رہے تھے (نعوذ باللہ) ضماد ایک حاذق طبیب بھی تھے اور زمانہ جاہلیت میں دم بھی کرتے تھے۔ جب انہوں نے اہل مکہ کو سنا وہ کہہ رہے تھے کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جنوں

لاحق ہو گیا ہے (نعوذ باللہ) تو وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عرض کی "میں دم کر لیتا ہوں۔ کیا آپ کو کوئی اذیت ہے تو میں آپ کو دم کر دوں"۔ جب ان کی بات ختم ہوئی تو آپ ﷺ نے یہ پاکیزہ کلمات پڑھے۔

اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

یہ نور فشاں اور پر جلال کلمات سن کر ضماد نے عرض کی "یہ پاکیزہ کلمات پھر پڑھیں۔ میں بحر بے کراں کے وسط میں غوطہ زن ہو گیا ہوں"۔ حضور اکرم ﷺ نے ان کلمات مقدسہ کو پھر دہرا دیا تو انہوں نے عرض کی "اپنا دست حق نما آگے بڑھائیں تا کہ میں آپ کی بیعت کروں"۔ وہ آپ ﷺ پر ایمان لے آئے۔ آپ کی تصدیق کی اور حلقہء اسلام میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے کسی تردد کے بغیر سر تسلیم خم کر دیا۔ انہوں نے صرف ان کلمات پر ہی اکتفاء کیا جو آپ ﷺ کی صداقت پر دلالت کر رہے تھے۔ ان سے آپ ﷺ کی انتہائی فصاحت و بلاغت بھی آشکارہ ہو رہی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے آپ کے چہرہ انور پر نور اور حسن و زیبائی کا بھی مشاہدہ کر لیا تھا۔

بعض سیرت نگار اللہ رب العزت کے اس فرمان عالی شان

يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ (قد افلح۔نور:35)

"قریب ہے کہ اسکا تیل روشن ہو جائے اگر چہ اسے آگ نہ چھوئے"۔

کی تفسیر میں تحریر کیا ہے کہ اللہ رب العزت نے یہ ضرب المثل اپنے نبی کریم ﷺ کے لیے بیان فرمائی ہے۔ یعنی آپ کا چہرہ انور اور اس پر انوار و تجلیات کا پیہم نزول ہی آپ کی نبوت کی بہت بڑی دلیل ہے۔ اگر آپ کسی معجزہ کا اظہار نہ بھی فرمائیں۔ جس طرح کہ حضرت ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے۔

لَوْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ آيَاتٌ مُبَيِّنَةٌ   لَكَانَ مَنْظَرُهٗ يُنَبِّئُكَ الْخَبَرَ

اگر آپ ﷺ میں واضح معجزات کا ظہور نہ بھی ہوتا پھر بھی آپ کا حسن و جمال ہی آپ کی صداقت کی خبر تجھے دے دیتا۔

حضور ﷺ کے پاس مال و ثروت کے انبار نہیں تھے کہ لوگوں کے دل ان میں لالچ کرتے ہوئے آپ کی طرف مائل ہوتے۔ قوت و سطوت نہ تھی جس سے طاقت کے ذریعے لوگوں کی گردنیں خم ہو جاتیں۔ دین کی نصرت کرنے والے مددگار نہ تھے جو آپ کی دین حق کے لیے نصرت کرتے۔ بلکہ وہ لوگ تو بتوں کی عبادت اور اصنام کی تعظیم پر جمع تھے۔ وہ عصبیت، حمیت، سرکشی، تمرد، خونریزی اور فساد جیسی جاہلیت کی عادات میں منہمک تھے۔ نہ انہیں دین کی الفت جمع کر سکتی تھی نہ ہی برے انجام میں غور و فکر انہیں افعال بد سے بچا سکتا تھا۔ نہ انہیں کسی سزا کا خوف تھا کہ ملامت کرنے کا اندیشہ ہوتا مگر سرور کائنات ﷺ نے ان کے دل باہم جوڑ دیے۔ ان کی گفتگو اکٹھا کر دی۔ ان کی آراء متفق کر دیں۔ ان کے دل ایک دوسرے کی تائید کرنے لگے۔ ان کے ہاتھ ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنے لگے۔ حق کے اظہار کے لیے انہوں نے ایک دوسرے کی مدد کی۔ وہ حضور ﷺ کی نصرت کرنے میں ایک جمیعت بن گئے۔ ان کی نظریں چہرہ والضحی پر لگی رہتیں

تھیں۔ تاکہ دیکھیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کون سی چیز ناپسندیدہ ہے اسے دور کریں۔ اور جو آپ کا عزم ہے اس پر آپ کی اعانت کریں۔ انہوں نے آپ کی محبت میں اپنے شہر چھوڑے۔ اپنے وطنوں کو خیر آباد کہا۔ حتیٰ کہ اپنی قوم اور قبیلہ کو بھی چھوڑ آئے۔ انہوں نے آپ کی نصرت کے لیے اپنے جسموں کو بھی قربان کر دیا۔ اپنے چہروں پر زخم کھائے۔ سینوں کو گھائل کیا تاکہ آپ کے پاکیزہ کلمہ کو غلبہ ہو جائے۔ آپ کے دین متین کو رفعت و غلبہ نصیب ہو جائے۔ اس کے عوض آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں دنیا کی آسائشیں نہیں دیں۔ مال و دولت نہیں دیا۔ کوئی جلد ملنے والا مقصد سامنے نہ رکھا جسے حاصل کرنے کا انہیں لالچ دیا۔ جس کی وجہ سے صحابہ کرام علیہم الرضوان آپ میں رغبت رکھتے تھے۔ آپ نے انہیں سلطنت یا دنیا نصب العین نہیں دیا جس کے لیے وہ سردھڑ کی بازی لگا دیتے۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ شان والا تھی کہ آپ نے غنی کو فقیر بنا دیا۔ کیونکہ آپ اغنیاء کو برانگیختہ کرتے تھے کہ وہ جہاد اور قرب الٰہی کے حصول کے لیے اپنے اموال خرچ کریں۔ آپ نے بلند مرتبہ شخص کے نفس کو مہذب بنا کر اور فخر و تکبر کے وصف کو مٹا کر عاجز کر دیا۔ ان میں تکبر جیسے گھٹیا اوصاف ختم کر دیے۔ کیا ایسے نازیبا امور کسی ایک شخص کے لیے اختیار عقلی اور تدبیر فکری سے مسخر ہو سکتے ہیں۔ نہیں! اس ذات والا کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ ہرگز نہیں۔ رب تعالیٰ نے ہی آپ کے لیے یہ امور مسخر فرما دیئے تھے۔ کوئی دانا اس میں ذرہ بھر بھی شک نہیں کر سکتا۔ یہ امر الٰہی ہے، یہ آسمانی امر ہے، یہ عادات کے خلاف ہے بشری اعضاء ان تک پہنچنے سے عاجز ہیں۔ وہی ذات پاک اس پر قدرت رکھتی ہے جس کے لیے خلق بھی ہے اور امر بھی۔ تبارك الله رب العالمين

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اکثر معجزات متواتر روایت کیے گئے ہیں۔ انہیں کثیر لوگوں نے کثیر لوگوں سے نقل کیا ہے۔ یہ معجزات ایسے مقامات پر ظہور پذیر ہوتے تھے جہاں صحابہ کرام کا جم غفیر ہوتا تھا۔ جیسا کہ یوم خندق اور بقیہ غزوات میں رونما ہونے والے معجزات، مسلمانوں کی محافل اور لشکروں اور فوجوں کے جمع ہونے کی جگہوں پر معجزہ نمایاں! کسی ایک صحابی سے بھی انکار یا مخالفت روایت نہیں۔ ان میں سے خاموش رہنے والے کی خاموشی اسی طرح دلیل ہے جس طرح گفتگو کرنے والے کی گفتگو۔ کیونکہ باطل پر خاموش رہنا ان کی فطرت میں شامل ہی نہ تھا۔ جھوٹ میں چاپلوسی سے وہ پاک تھے۔ وہ مجسمۂ عدل تھے۔ اللہ تعالیٰ کے امور میں وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خوف نہیں کھاتے تھے۔ جو کچھ انہوں نے سنا اگر وہ منکر ہوتا ان کے ہاں معروف نہ ہوتا تو وہ اس کا انکار کر دیتے۔ جس طرح کہ انہوں نے سنن اور سیر میں سے بعض امور کا انکار کیا تھا۔ پھر یہ روایات ان کے بعد نسل در نسل منتقل ہوتی رہیں۔ ایک گروہ دوسرے گروہ سے اخذ کرتا رہا۔ ایک جماعت دوسری جماعت سے روایت کرتی رہی''۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے ''شفا'' میں لکھا ہے ''جو شخص روایات کی اسناد میں غور و فکر کرتا ہے تو اسے ان معجزات اور خوارق العادات کی صحت میں کوئی شک نہیں رہتا۔ جس طرح کہ آپ کا غیب کی خبریں دینا۔ یہ بات بعید از وقوع نہیں کہ ایک شخص کو تو کسی روایت کے متواتر ہونے کا علم ہو جبکہ دوسرے کو وہ علم نہ ہو۔ مثلاً اکثر لوگ خبر متواتر کے ساتھ جانتے ہیں کہ بغداد شہر موجود ہے وہ جانتے ہیں کہ وہ ایک عظیم شہر ہے، وہ دار الخلافہ ہے۔ لیکن ایک شخص اس شہر کے نام سے بھی آگاہ نہیں تو اس

کے لیے اس کے اوصاف سے آگاہ ہونا دور کی بات ہے تو نہ جاننے والے کا علم نہ ہونا تواتر کی نفی نہیں کرتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے دلائل میں سے ایک عظیم دلیل یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امی تھے۔ اپنے دست اقدس سے لکھ نہیں سکتے تھے، نہ پڑھ سکتے تھے۔ آپ ایسی قوم میں جلوہ افروز ہوئے جو ان پڑھ تھی۔ آپ نے ایسے شہر میں نشو ونما پائی جس میں ایک بھی ایسا عالم نہیں تھا جو ماضی کی سرگزشتوں کو جانتا ہو۔ آپ نے ساری زندگی علم حاصل کرنے کی نیت سے سفر بھی نہیں کیا تھا۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کے پاس تورات، انجیل اور سابقہ اقوام کی داستانیں لے کر آئے۔ حالانکہ وہ داستانیں ان اصل کتب سے بھی محو کر دی گئیں تھیں۔ بعض میں تحریف کر دی گئی تھی۔ بہت ہی کم لوگ ان داستانوں کی صحت سے آگاہ تھے۔ ان میں سے کبھی بھی ایک بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر نہ ہوا تھا کہ یہ گمان کیا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے یہ علم حاصل کیا ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مخالف اقوام میں سے ہر ہر قوم کے ساتھ ایسے دلائل اور براہین کے ساتھ مجادلہ کیا کہ ان کے ماہر متکلمین اور ذہین دانشمند بھی رد نہ کر سکے۔ یہ اس امر کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کا نزول ہوتا تھا۔ اس میں کسی انسان کا کوئی عمل دخل نہیں۔

قرآن پاک کا اعجاز

قرآن کریم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات میں سے سب سے بڑا معجزہ ہے۔ یہ دلائل نبوت میں سے سب سے بڑی دلیل ہے۔ اس میں اتنا زیادہ اعجاز ہے کہ اس نے لوگوں کو چیلنج کیا۔ انہیں اپنے ساتھ مقابلہ کرنے کی دعوت دی۔ انہیں اپنے جیسی ایک ہی صورت پیش کرنے کے لیے کہا۔ لیکن مخالفین ایک چھوٹی سی سورت بھی پیش نہ کر سکے۔ یہ قرآن کریم ہی تھا جس نے ان لوگوں کو عاجز کر دیا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت اور نبوت کی مردے زندہ کرنے، کوڑھیوں کو تندرست کرنے اور مادر زاد اندھوں کو بینا کرنے سے بھی بڑی دلیل ہے۔ کیونکہ قرآن پاک ان لوگوں کے پاس آیا جو فصاحت و بلاغت کے میدان کے شہ سوار تھے جو زبان اور بیان کے رئیس تھے۔ قرآن مجید کا ان لوگوں کو عاجز کر دینا یہ ان لوگوں کے عجز سے زیادہ تعجب خیز تھا جو حضرت مسیح علیہ السلام کے مردوں کو زندہ کرتے وقت آپ کے پاس تھے۔ کیونکہ وہ لوگ مردوں کو زندہ کرنے، کوڑھیوں کو تندرست کرنے اور مادر زاد اندھوں کو بینا کرنے میں کوئی رغبت نہیں رکھتے تھے۔

جبکہ عرب بالخصوص قریش فصاحت و بلاغت کی بلندیوں پر فائز تھے۔ وہ محافل میں فوراً فصیح و بلیغ کلام کرنے پر قادر تھے۔ اللہ رب العزت نے فصاحت اور بلاغت ان کی فطرت اور طبیعت میں رکھی ہوئی تھی۔ وہ فوراً ایسا کلام کرتے تھے جو فصاحت و بلاغت سے مرقع ہوتا تھا۔ وہ ہر مجلس میں ایسی تقاریر کرتے تھے جو فصاحت و بلاغت سے لبریز ہوتیں تھیں۔ وہ شمشیر کی دھار اور نیزے کی نوک کے سامنے بھی رجزیہ اشعار پڑھا کرتے تھے۔ اس کی وجہ سے وہ میدان جنگ میں کامیاب ہو جاتے تھے۔ جس کی مدح خوانی کرتے تھے تعریف کی بنا پر رفعتوں پر آشیاں بند کر دیتے تھے۔ جس کی مذمت کرتے اسے ذلالت کے گڑھے میں پھینک دیتے۔ وہ اپنی بلاغت سے محفل پر سحر طاری کر دیتے۔ لوگوں کی عقل و دانش چھین لیتے۔ شیر دل بہادروں کو رسوائی کے گڑھے میں پھینک دیتے۔ دشمن کو ہوا کر دیتے۔ قبیح کو حسین اور حسین کو قبیح کر دیتے۔ بزدلوں کو جرات مند

بنادیتے۔ بخیل کو سخی بنادیتے ناقص کو کامل کر دیتے۔ معزز کو ذلیل بنادیتے۔

ان فصحاء اور بلغاء میں سے کچھ صحرا نشیں تھے۔ جو عظیم الشان الفاظ، بہترین اقوال اور عمدہ کلام کے مالک تھے۔ نظم ونثر دونوں پر ان کی گرفت مضبوط تھی۔ بعض شہروں کے ساکنین تھے۔ وہ بھی فصاحت و بلاغت کے دلدادہ تھے۔ عمدہ الفاظ اور جامع کلمات استعمال کرتے تھے۔ وہ سہل پسند تھے وہ الفاظ کم استعمال کرتے تھے۔ لیکن ان کا مفہوم بڑا وسیع ہوتا تھا۔ شہری اور بدوی دونوں قسم کے لوگوں کے پاس نفیس دلائل اور عمدہ براہین ہوتی تھیں۔ کسی شخص کو کوئی شبہ نہیں کہ فصاحت ان کے سامنے سرافگندہ تھی۔ بلاغت ان کے گھر کی لونڈی تھی۔ وہ اس کے سارے طریقوں سے آشنا تھے۔ وہ فصاحت و بلاغت کے چشمے رواں کر دیتے۔ وہ اس کے ہر دروازے سے داخل ہوتے۔ ان اہل عرب کو صرف اور صرف رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہی خوفزدہ کیا۔ وہ ایک کتاب عزیز لے کر تشریف فرما ہوئے جس میں باطل کو نہ آگے سے داخل ہونے کی جرات نہ ہی پیچھے سے آنے کی ہمت ہے۔ ایک حکیم اور حمید ذات والا نے اسے نازل کیا۔ اس کی آیات بڑی مستحکم اور اس کے کلمات بڑے مفصل ہیں۔ اس کی بلاغت نے عقل پر تسلط جمالیا۔ اور اس کی فصاحت نے ہر قول پر غلبہ پالیا۔ اس کے ایجاد اور اعجاز نے ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کیا، حقیقت اور مجاز نے ایک دوسرے کی مدد کی، اس کی آیات بینات مطالعہ اور پختہ دلیل کے لحاظ سے سبقت لے گئیں۔ قرآن مجید میں فصاحت و بلاغت کی ہر نوع کے جملے شامل ہیں۔ قرآن پاک ان کے پاس اس وقت آیا جب وہ فصاحت اور بلاغت میں بڑے طاق تھے۔ خطابت میں یکتا تھے۔ خوبصورت اشعار فوراً کہہ لیتے تھے۔ قرآن پاک اسی زبان میں آیا جس میں وہ روزمرہ گفتگو کرتے تھے۔ قرآن حکیم پورے اکیس سال انہیں مقابلہ کی دعوت دیتا رہا۔ ان کے اجتماعات میں فصحاء اور بلغاء کے سامنے انہیں چیلنج کرتا رہا۔ انہیں زجر و توبیخ کرتا رہا۔ انہیں بے وقوف اور احمق کہتا رہا۔ ان کے نظام پر طعنہ زنی کرتا رہا۔ ان کے معبودان باطلہ اور ان کے آباؤ اجداد کی مذمت کرتا رہا۔ ان کی زمین، شہر اور اموال کو مباح قرار دیتا رہا۔ لیکن وہ اس جیسا کلام پیش کرنے سے عاجز ہی رہے۔ یہ چیلنج اور مقابلہ کی دعوت صرف اس لیے تھی کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم تھا کہ قرآن پاک آپ کی رسالت کی صداقت اور نبوت کی صحت پر حجت قاطع ہے۔ یہ واضح دلیل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ معجزہ ابھی تک باقی ہے۔ تا قیامت باقی رہے گا۔ اس سے احکام شرعیہ نکالے جاتے ہیں۔ علوم عقلیہ بھی اسی سے مستنبط کیے جاتے ہیں۔ اتنے زیادہ علوم اور احکام کسی اور معجزہ سے اخذ نہیں کیے جاسکتے۔ دیگر انبیاء کرام کے معجزات ان کے وقت گزرنے کے ساتھ ختم ہو گئے۔ ان معجزات کا صرف ان لوگوں نے مشاہدہ کیا جو وہاں حاضر تھے لیکن قرآن مجید وہ معجزہ ہے جو قیامت تک باقی رہے گا۔ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ بات قطعی طور پر جانتے تھے کہ قرآن مجید کے باز بار چیلنج کرنے کے باوجود وہ لوگ اس کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہیں۔ ارشاد ربانی ہے۔

فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ ۖ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٢٣﴾ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَن تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ (البقرۃ)

"تو لے آؤ ایک سورت اس جیسی اور بلا لو اپنے حمایتیوں کو اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو پھر اگر ایسا نہ کر سکے اور ہر گز نہ

کرسکو گے تو ڈرو اس آگ سے"۔

اگر آپ ﷺ کو علم نہ ہوتا کہ یہ کتاب زندہ علام الغیوب کی طرف سے ہے اور قریش کہ قرآن پاک کے اس چیلنج کا جواب نہیں دے سکیں گے۔ تو آپ ﷺ انہیں ہرگز یہ نہ فرماتے۔

لَنْ تَفْعَلُوْا (البقرہ: 24) تم ہرگز ایسا نہیں کرسکو گے۔

کیونکہ آپ ﷺ اپنے زمانہ کے سارے لوگوں سے زیادہ دانا تھے۔ بلکہ مطلق ساری مخلوق سے زیادہ دانشمند تھے۔ اسی کمال عقل کی وجہ سے ہی آپ ﷺ کو رب تعالیٰ کی خبر میں کبھی شک یا تردد نہیں ہوا۔ بلکہ اپنے رب کی طرف سے ملنے والی خبر کا قطعی علم ہو گیا کہ یہ لوگ اس جیسا کلام معجز نظام پیش نہیں کرسکیں گے۔ اس میدان میں آپ کا یہ فرمان عالی شان انتہائی حسین، بدیع اور واضع ہے کہ آپ ﷺ نے پہلے ہی اعلان کر دیا تھا کہ نہ تو اب لوگ اس کلام معجز نظام کا مقابلہ کرسکیں گے اور نہ ہی مستقبل میں ان سے ایسا ہو سکے گا۔ اسی لیے آپ ﷺ نے یوں فرمایا **لَنْ تَفْعَلُوْا** (البقرہ: 24)

اگر وہ ایسا کلام پیش کرنے پر قادر ہوتے تو وہ ضرور کر گزرتے۔ لیکن انہوں نے ایسا نہ کیا۔ ان کا عجز طشت از بام ہو گیا۔ ان میں سے ایک شخص بھی ایسا کلام پیش نہ کرسکا۔ حالانکہ انہیں اس امر کی بہت ضرورت تھی۔ وہ ہر وقت قرآن پاک کا مقابلہ کرنے سے عاجز رہے۔ وہ اسے جھٹلا کر یا افتراء کہہ کر اپنے آپ کو دھوکا دیتے رہے۔ وہ کبھی اس لاریب کلام کو جادو کہتے۔ کبھی کہتے کہ آپ نے خود اسے گھڑا ہے۔ کبھی کہتے کہ یہ پہلے لوگوں کے افسانے ہیں۔ وہ کمینگی پر راضی ہو گئے۔ جیسے کہ انہوں نے کہا تھا۔

قُلُوْبُنَا غُلْفٌ (سورۃ البقرہ: 88)

"ہمارے دلوں پر تو غلاف چڑھے ہیں"۔

وَفِيْۤ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ (سورۃ حم سجدہ: 5)

"اور ہمارے کانوں میں گرانی اور ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان ایک حجاب ہے"۔

وہ ایسا کلام پیش کرنے پر قدرت کا دعویٰ کرتے رہے حالانکہ وہ ایسا کلام پیش کرنے سے عاجز تھے۔ جیسا کہ رب تعالیٰ نے ان کی حکایت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے۔

لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَاۤ (انفال: 31)

"اگر ہم چاہیں تو کہہ لیں ایسی آیتیں"۔

یہ صرف ان کا بکواس تھا۔ عداوت کی زیادتی کی وجہ سے صرف ان کی بڑھتی۔ اگر وہ ایسا کلام پیش کرنے کی استطاعت رکھتے تھے تو انہیں ایسا کرنے سے کس چیز نے روکا۔ قرآن پاک تو انہیں چیلنج کرتا رہا۔ انہیں تقریباً اکیس سال مقابلہ کی دعوت دیتا رہا۔ پھر انہیں تلواروں کے ذریعے شکست دی گئی لیکن فصاحت و بلاغت میں متکبر اور مغرور ہونے کے باوجود وہ ایسا کلام پیش نہ کرسکے۔ اللہ رب العزت نے ان کے اس عجز کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ الخ (الاسراء:88)

یہ آیت طیبہ کفار کے اس قول کا رد ہے۔ لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ (انفال:31)

اللہ رب العزت نے اس آیت میں جنات کا تذکرہ اعجاز قرآن کی عظمت کے اظہار کے لیے کیا ہے۔ ورنہ چیلنج صرف انسانوں کو ہے۔ اس میں جن شامل نہیں ہیں۔ کیونکہ جنات کی زبان عربی نہیں ہے۔ نہ ہی ان کی زبان کا وہ اسلوب ہے۔ جو قرآن پاک کا اسلوب ہے لیکن اللہ رب العزت نے دونوں فریقوں کو اس جیسا کلام لانے کے لیے چیلنج کیا۔ اس چیلنج میں جن وانس شامل تھے۔ انہیں ایک دوسرے کی اعانت کرنے کی بھی اجازت تھی۔ لیکن اس کے باوجود وہ اس چیلنج کا مقابلہ نہ کر سکے۔ تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب دو فریق (جن وانس) ایسا کلام لانے سے عاجز ہیں تو صرف ایک فریق (انسان) اس جیسا کلام لانے سے عاجز تر ہے۔

اسلام کے خلاف کفار نے کتنی ہی شمشیریں بے نیام کیں۔ کتنی ہی غارت گری کی۔ اگر وہ اس جیسا کلام پیش کرنے سے عاجز نہ ہوتے تو وہ جنگ وجدل کرنے کی بجائے صرف ایسا کلام پیش کر دیتے۔ لیکن وہ ایسا کلام پیش نہ کر سکے۔ یہ ان کی عاجزی کی بہت بڑی دلیل ہے۔ جو ان کے اس قول کا رد ہے۔

لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ (انفال:31) اس لیے ان کے قول کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ ان میں سے بہت اہل فصاحت وبلاغت نے اقرار کیا تھا کہ قرآن پاک کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا نیز یہ کہ یہ کسی بشر کا کلام نہیں۔

عتبہ بن وبیعہ کا اعتراف

ان سرداران قریش میں سے ایک عتبہ بھی تھا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں گیا۔ اس نے عرض کی "میرے بھتیجے! اگر آپ کو مال و دولت درکار ہے تو ہم آپ کے لیے اموال جمع کر لیتے ہیں۔ اگر آپ شرف کے طلب گار ہیں تو ہم آپ کو اپنا سردار بنا لیتے ہیں۔ اگر آپ کے پاس کوئی جن آتا ہے تو پھر بھی آپ کا علاج کرانے کے لیے ہم اپنے اموال خرچ کر دیتے ہیں"۔ جب عتبہ اپنی گفتگو سے فارغ ہوا تو حضور تاجدار حرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اب ذرا میرا کلام پاک سنو۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حٰمٓ ۚ﴿۱﴾ تَنْزِیْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۚ﴿۲﴾ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰیٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لِّقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۙ﴿۳﴾ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ ﴿۴﴾ وَ قَالُوْا قُلُوْبُنَا فِیْۤ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَاۤ اِلَیْهِ وَ فِیْۤ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّ مِنْۢ بَیْنِنَا وَ بَیْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ﴿۵﴾ قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یُوْحٰۤى اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِیْمُوْۤا اِلَیْهِ وَ اسْتَغْفِرُوْهُ ؕ وَ وَیْلٌ لِّلْمُشْرِكِیْنَ ۙ﴿۶﴾ الَّذِیْنَ لَا یُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۷﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ ۠﴿۸﴾ قُلْ اَىِٕنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ وَ تَجْعَلُوْنَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۚ﴿۹﴾ وَ جَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِهَا وَ بٰرَكَ فِیْهَا وَ قَدَّرَ فِیْهَاۤ اَقْوَاتَهَا فِیْۤ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآىِٕلِیْنَ ﴿۱۰﴾ ثُمَّ

اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ وَ هِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَ لِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَاۤ اَتَیْنَا طَآىٕعِیْنَ ﴿۱۱﴾ فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ وَ اَوْحٰى فِیْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا وَ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ وَ حِفْظًا ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ﴿۱۲﴾ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ ﴿۱۳﴾ (حم سجدہ)

عتبہ نے فوراً اپنا ہاتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منہ مبارک پر رکھ لیا۔ عرض کی "آپ ہمارے لیے بددعا نہ کریں"۔ پھر عتبہ قریش کے پاس واپس آیا۔ قریش نے پوچھا "کیا خبر لائے ہو؟" اس نے کہا "بخدا! میں نے ایسا شیریں کلام سنا ہے جس طرح کا شیریں کلام پہلے کبھی نہیں سنا۔ اللہ کی قسم! وہ نہ تو شعر ہے، نہ جادو ہے، نہ ہی کہانت ہے۔ بخدا! میں نے ان کا جو فرمان سنا ہے وہ سچ ثابت ہوگا۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا کلام پاک سن کر اسلام قبول کر لینا

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت مبارکہ کی خبر ملی تو انہوں نے اپنے بھائی انیس کو مکہ مکرمہ بھیجا تاکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معاملہ میں غور وفکر کریں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اپنے بھائی انیس کی تعریف یوں کرتے تھے۔ "اللہ کی قسم! میں نے اپنے بھائی انیس سے عمدہ شاعر کوئی نہیں دیکھا۔ انہوں نے زمانہ جاہلیت میں بارہ شعراء کے ساتھ مقابلہ کیا تھا"۔ حضرت انیس رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ گئے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق آگہی لے کر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس واپس آ گئے۔ انہوں نے کہا "میں نے مکہ معظمہ میں ایسی ذات بابرکات دیکھی ہے۔ وہ گمان کرتی ہے کہ رب تعالیٰ نے انہیں رسول بنا کر بھیجا ہے"۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے پوچھا "ان کے متعلق لوگوں کی رائے کیا ہے؟" حضرت انیس نے کہا "لوگ انہیں شاعر، کاہن اور جادوگر کہتے ہیں۔ میں نے کاہنوں کا کلام بھی سنا ہے۔ مگر اس شیریں کلام کو ان کے کلام کے ساتھ کوئی مشابہت نہیں۔ میں نے ان کے کلام کو شعر کی ساری اصناف پر پرکھ کر دیکھا ہے۔ لیکن اسے کسی بھی شعری صنف کے ساتھ مطابقت نہیں۔ وہ ذات پاک سچی ہے۔ لوگ بکواس کرتے ہیں"۔

ولید بن مغیرہ کی رائے

امام بیہقی نے ولید بن مغیرہ کے متعلق لکھا ہے "یہ فصاحت میں قریش کا سردار تھا۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی "میرے سامنے قرآن پاک تلاوت کریں۔ تاکہ میں اس میں غور وفکر کروں"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت طیبہ کی تلاوت کی۔

اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰى وَ یَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ وَ الْبَغْیِ یَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۹۰﴾ (نحل)

"بیشک اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ ہر معاملے میں انصاف کرو اور (ہر ایک کے ساتھ) بھلائی کرو اور اچھا سلوک کرو رشتہ داروں کے ساتھ اور منع فرماتا ہے بے حیائی سے اور برے کاموں اور سرکشی سے۔ اللہ تعالیٰ نصیحت کرتا ہے

تمہیں تا کہ تم نصیحت قبول کرو"۔

ولید نے کہا "یہ پاکیزہ کلمات دوبارہ پڑھیں"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں دوبارہ تلاوت فرمایا۔ اس نے کہا "اللہ کی قسم! اس میں شیرینی ہے۔ اس کے اوپر چمک ہے۔ اس کا اوپر والا حصہ ثمر آور ہے۔ اس کا نچلا حصہ خوشگوار ہے۔ ایسا دلکش کلام کوئی بشر نہیں کہہ سکتا"۔ پھر اس نے اپنی قوم سے کہا "تم میں ایک شخص بھی ایسا نہیں جو مجھ سے زیادہ اشعار سے آگاہ ہو۔ یا جنات کے اقوال سے زیادہ آشنا ہو۔ اللہ کی قسم! یہ کلام پاک اس کے ساتھ ذرہ بھر بھی مشابہت نہیں رکھتا۔ بلاشبہ اس کلام مقدس میں شیرینی ہے۔ اس کے اوپر چمک ہے۔ اس کا اوپر والا حصہ ثمر آور ہے۔ اس کا نچلا حصہ خوشگوار ہے۔ یہ غالب تو آ جاتا ہے مگر اس پر غلبہ نہیں پایا جا سکتا۔ جو اس کے نیچے آئے وہ اس کو چور چور کر دیتا ہے"۔

عمرو بن جموح کا قرآن سے محظوظ ہونا

ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے بنو سلمہ کے ایک شخص سے روایت کیا ہے۔ اس نے کہا "جب بنو سلمہ نے اسلام قبول کر لیا تو عمرو بن جموح نے اپنے لخت جگر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے کہا "اس ہستی پاک کے کلام میں سے مجھے بھی کچھ سناؤ"۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اپنے والد گرامی سے قبل اسلام قبول کر لیا تھا۔ انہوں نے اپنے والد گرامی کو سورۃ الفاتحہ کی ابتداء کی آیات

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۙ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۭ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۭ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ (سورۃ الفاتحہ)

سنائیں۔ انہوں نے اپنے فرزند دلبند سے کہا "یہ کلام کتنا عمدہ ہے۔ یہ کتنا حسین اور جمیل ہے کیا ان کا سارا کلام اسی طرح ہے"۔ انہوں نے کہا "میرے والد گرامی! ان کا بقیہ کلام اس سے بھی زیادہ حسین اور جمیل ہے"۔

"المواہب اللدنیہ" میں کسی بزرگ کا یہ قول منقول ہے کہ اگر قرآن کریم کا کوئی نسخہ جنگل میں پڑا ہوا کسی کو مل جائے۔ اسے خبر نہ ہو کہ اسے کس نے رکھا ہے تو وہ صاحب عقل سلیم اسے پڑھ کر گواہی دے گا یہ اللہ رب العزت کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔ کسی انسان کی یہ طاقت نہیں کہ وہ اس جیسا کلام بنا سکے۔ اب جبکہ یہ کلام پاک ایک ایسی ہستی لے کر آئی جو ساری مخلوق سے زیادہ سچی ہے۔ جو ساری مخلوق سے زیادہ متقی اور تقویٰ شعار ہے۔ اس نے فرمایا بھی ہے "یہ اللہ رب العزت کا کلام ہے۔ اس نے ساری مخلوق کو چیلنج کیا ہے کہ وہ اس کلام معجز نظام کی مثل ایک سورت پیش کر دیں۔ مگر مخلوق اس سے عاجز آ گئی"۔ پھر اس کے کلام الٰہی ہونے میں شک کیسے ہو سکتا ہے"

اعجاز قرآن کی وجوہات

(۱) ایجاز

قرآن مجید کے اعجاز کی وجوہات اعداد و شمار سے ماوراء ہیں۔ ان میں سے ایک ایجاز بھی ہے۔ یعنی قلیل الفاظ، کثیر

معانی۔ ایسی بلاغت جو اہل عرب کی عادت کے خلاف ہے۔ یہ سب کچھ اس میں اعلیٰ صورت میں موجود ہے۔ مثلاً اللہ رب العزت کا ارشاد پاک ہے۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ (البقرہ:179) اور تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے۔

یہ چند کلمات ہیں۔ مگر معانی کا ایک سمندر ان میں موجزن ہے۔ حضرت ابو عبیدہ رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ ایک اعرابی نے قرآن پاک کی یہ آیت طیبہ سنی۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ (الحجر:94) ''سو آپ اعلان کر دیجئے اس کا جس کا آپ کو حکم دیا گیا'' تو وہ سجدہ ریز ہو گیا۔ اس نے کہا ''اس کلام مجید کی فصاحت نے مجھے سجدہ ریز کر دیا ہے۔ ایک اور اعرابی نے کسی شخص کو یہ آیت طیبہ پڑھتے ہوئے سنا۔

فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوا مِنْهُ خَلَصُوا نَجِيًّا (سورۃ یوسف:80) ''پھر جب وہ مایوس ہو گئے یوسف سے تو الگ جا کر سرگوشی کرنے لگے''۔ اس نے کہا ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کلام پاک کی بلاغت کے اعجاز پر مخلوق قادر نہیں ہے۔ ایسا کلام مخلوق کے گلے سے نہیں نکل سکتا''۔

امام اصمعی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ انہوں نے ایک کمسن بچی دیکھی جس کی عمر پانچ یا چھ سال تھی وہ یہ ورد کر رہی تھی۔ استغفر اللہ من ذنوبی کلھا امام اصمعی کہتے ہیں میں نے اس سے کہا ''تو کس چیز سے مغفرت طلب کر رہی ہے حالانکہ تو کم سن ہے۔ نابالغ ہے''۔ اس نے کہا

أَسْتَغْفِرُ اللهَ لِذَنْبِي كُلِّهِ قَتَلْتُ إِنْسَانًا لِغَيْرِ حِلِّهِ

مِثْلَ غَزَالٍ نَاعِمٍ فِي دَلِّهِ إِنْتَصَفَ اللَّيْلُ وَلَمْ أُصَلِّهِ

میں اپنے سارے گناہوں کی رب تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتی ہوں۔ میں ایک بے گناہ انسان کی قاتل ہوں جو اپنے نخرہ میں نازک اندام ہرن کی طرح تھا۔ آدھی شب بیت گئی ہے۔ ابھی تک میں نے نماز عشاء نہیں پڑھی۔

یہ اشعار سن کر میں نے اسے کہا ''تم تو بلا کی بلیغ ہو'' اس نے مجھے کہا ''کیا رب تعالیٰ کا یہ فرمان عالی شان پڑھ لینے کے بعد بھی تم میری فصاحت و بلاغت پر حیران ہو۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِيْ وَلَا تَحْزَنِيْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ (القصص)

''اور ہم نے الہام کیا موسیٰ کی والدہ کی طرف کہ اسے (بے خطر) دودھ پلاتی رہ۔ پھر جب اس کے متعلق تمہیں اندیشہ لاحق ہو تو ڈال دینا اسے دریا میں اور نہ ہراساں ہونا نہ غمگین ہونا۔ یقیناً ہم لوٹا دیں گے اسے تیری طرف اور ہم بنانے والے ہیں اسے رسولوں میں سے''۔

اللہ رب العزت نے اس ایک آیت طیبہ میں دو حکم، دو نہی، دو خبریں اور دو بشارتیں جمع فرما دی ہیں۔ دو حکم اَرْضِعِيْهِ اور فَاَلْقِيْهِ ہیں۔ دو نہی وَلَا تَخَافِيْ، وَلَا تَحْزَنِيْ ہیں۔ دو خبریں اَوْحَيْنَآ اور فَاِذَا خِفْتِ ہیں۔ دو بشارتیں اِنَّا رَآدُّوْهُ

اِلَيْكِ اور جَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ہیں۔ یہ ایک جہت سے خبر اور ایک جہت سے بشارت ہے۔

روایت ہے کہ ایک روز حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں محو استراحت تھے۔ اچانک ایک شخص آیا اور ان کے سر پر کھڑا ہو کر کلمہ حق کی گواہی دینے لگا۔ حضرت عمر فاروق نے اسے پوچھا تو اس نے عرض کی "وہ رومی پادریوں کا رئیس تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا جو عربی اچھی طرح سمجھ لیتے تھے۔ اس نے مسلمان قیدیوں کو قرآن پاک کی ایک آیت طیبہ پڑھتے ہوئے سنا وہ خود کہتا ہے "میں نے اس آیت طیبہ میں غور و فکر کیا تو اس میں رب تعالیٰ نے ان سب امور کو جمع کر دیا تھا جو اس نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام پر دنیا اور آخرت کے احوال میں سے اتارے تھے"۔ وہ قرآن پاک کی یہ آیت طیبہ تھی۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۵۲﴾ (سورۃ النور)

"اور جو شخص اطاعت کرتا ہے اللہ اور اس کے رسول کی اور ڈرتا رہتا ہے اللہ سے اور بچتا رہتا ہے اسکی نافرمانی سے تو یہی لوگ کامیاب ہیں"۔

ان سرکش اور باغیوں میں سے بعض افراد نے اس لاریب کلام جیسا کلام لانے کی کوشش کی جنہیں کچھ بلاغت عطا کی گئی تھی اور بعض کو قوت بیان سے نوازا گیا تھا تا کہ یہ کلام مقدس لوگوں پر مشتبہ ہو جائے اور وہ گمان کریں کہ یہ قرآن مجید کے مشابہ ہے۔ مگر وہ اس سے عاجز آ گئے۔ انہیں یوں لگا گویا کہ وہ زمین پر کھڑے ہو کر آسمان سے تارے اتارنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان میں سے ایک نے سورۃ الکوثر کی نقل اتارنے کی سعی لاحاصل کی۔ تا کہ ان جاہلوں کو شبہ ہو جائے جن کی عقول حسن اور قبح کی پہچان سے عاجز ہیں۔ وہ ایسا کلام لے کر آیا جو اس کی عقل کی کمی، طبیعت کے جمود اور اس کے سوء فعل پر دلالت کرتا ہے۔ اہل تمیز فوراً پہچان گئے کہ اس کلام کا تعلق ان کی فصاحت کی نوع کے ساتھ نہیں اور نہ ہی اس کا تعلق بلاغت کی جنس کے ساتھ ہے۔ وہ اس قبیح کلام سے روگرداں ہو کر چلے گئے۔ انہوں نے سر تسلیم خم کرتے ہوئے قرآن پاک کی حقیقت کا اعتراف کر لیا۔ اسی قبیح کلام میں سے مسیلمہ کذاب کا یہ قول ہے۔

یا ضفدع کم تنقین اعلاك فی الماء و اسفلك فی الطین لا الماء تکدرین ولا الشرب تمنعین

اے مینڈک تو کب تک ٹراتا رہے گا۔ تیرا اوپر والا حصہ پانی میں ہے اور نچلا حصہ کیچڑ میں۔ نہ تو پانی کو گدلا کر سکتا ہے۔ نہ تو پانی پینے سے روک سکتا ہے۔

جب مسیلمہ کذاب نے رب تعالیٰ کا یہ فرمان سنا

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ﴿۱﴾ (النازعات)

تو اس نے یہ قبیح کلام لکھی۔

والزارعات زرعا۔ والحاصدات حصدا۔ والزاریات قمعا والطاجنات طحنا والحافرات حفرا والناردات نردا۔ واللاقمات لقما لقد فضلتم علی اهل الوبر و ما سبقکم اهل المدر۔

یہ بکواس نما کلام اس کے عقل کے ضعف پر دلالت کرتا ہے۔ بلکہ اس کلام کو تو ادنیٰ سی فصاحت سے بھی محروم کر دیا گیا ہے

تا کہ یہ اس کے خلاف ہی حجت بنے۔

اس نے سورۃ الفیل کا مقابلہ کرنے کے لیے اس طرح کوشش کی۔

الم ترکیف فعل ربك بالحبلی۔ خرج من بطنها نسمة تسعی۔ من بین شراسیف واحشاء

ایک احمق نے سورۃ الفیل کی نقل اتارنے کی یوں سعی لاحاصل کی ہے۔

الفیل ما الفیل وما ادرك ما الفیل له ذنب وثیل ومشفر طویل وان ذالك من خلق ربنا تعلیل۔

اس کلام میں فصاحت و بلاغت کا جو استہزاء کیا گیا ہے وہ اس سے بھی مخفی نہیں جو علم سے آشنا نہیں۔ علماء کی کیفیت کیا ہو گی۔ اسے جو بھی سنتا ہے اسے ابکائیاں آنے لگتیں ہیں۔ اس پر اس کی لغویت عیاں ہو جاتی ہے۔

(2) نظم، نثر، خطبہ، رسالۃ اور سجع میں بے مثل

قرآن مجید کے اعجاز کی وجوہات میں سے ایک اس کا خاص وصف ہے جس کی وجہ سے یہ اہل عرب کے کلام کی تمام اجناس مثلاً نظم، نثر، خطبہ اور سجع وغیرہ سے خارج ہو گیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ یہ کلام مجید کی نظم، نثر، خطبہ اور سجع سے کوئی مشابہت نہیں رکھتا۔ اس کے باوجود کہ یہ لاریب کتاب انہی کے کلمات سے بنائی گئی ہے۔ بلاغت میں انہی کے اسالیب کے مطابق اتری ہے۔ لیکن کتاب زندہ فصاحت اور بلاغت میں ان کے کلام سے بہترین ہے۔ قرآن مجید کے اعجاز کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ عربوں کے عجیب وغریب اسالیب جو عموماً ان میں مروج تھے کے خلاف ہے۔ اس کا انداز بیان عجیب ہے۔ اس کا اسلوب انوکھا ہے۔ قرآن پاک کا یہ انداز کہ اس میں آیات بینات ایک دوسرے سے جدا جدا ہیں اور اس کے کلمات آپس میں ملتے ہیں بڑا انوکھا اور منفرد ہے۔ قرآن پاک سے پہلے یہ انداز موجود نہ تھا۔ اور نہ ہی اس کے بعد مروج ہوا۔ اس کی وجہ سے اہل عرب کی عقلیں متحیر ہو گئیں۔ ان کے اذہان مبہوت ہو گئے۔ وہ قرآن پاک جیسا کلام پیش کرنے سے عاجز آ گئے۔ قرآن پاک کی یہ واضح دلیل اور بین حجت ہے کہ جس بدبخت نے بھی اس کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی وہ اس طرح گر پڑا جس طرح پروانے چراغ پر گر پڑتے ہیں۔ وہ اس طرح ذلیل و رسوا ہوا جس طرح بھیڑ تند خو اور غضبناک شیروں میں رسوا ہوتی ہے۔ کئی لوگوں کی داستانیں بیان کی گئیں ہیں جنہوں نے اس کلام مقدس کا مقابلہ کرنے کا قصد کیا۔ لیکن انہیں ایسی ہیبت اور گھبراہٹ نے آلیا جس کی وجہ سے وہ یوں نہ کر سکے۔ جس طرح کہ عیسیٰ بن حکیم اندلسی کے متعلق کہا جاتا ہے۔ وہ اپنے زمانے میں اندلس کا ایک بلیغ انسان تھا۔ اس نے قرآن پاک کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی۔ اس نے سورت اخلاص کو سامنے رکھا۔ تا کہ اس جیسی سورت بنا سکے۔ لیکن جب وہ اس جیسی سورت بنانے لگا تو اس کے دل پر رب تعالیٰ کی خشیت اور رقت طاری ہو گئی۔ جس نے اسے توبہ کرنے پر مجبور کر دیا۔ اس واقعہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ کوئی انسان یہ طاقت نہیں رکھتا کہ اس جیسا کلام پیش کر سکے۔

ابن المقفع کے بارے بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے زمانے کا فصیح ترین شخص تھا۔ وہ زمانہ تابعین میں موجود تھا جب اس نے قرآن پاک کا چیلنج سنا تو اس نے قرآن مجید کا مقابلہ کرنے کے لیے مفصل کلام بنایا۔ اس کے مختلف حصوں کے نام رکھے۔ ایک دن وہ ایک بچے کے پاس سے گزرا جو قرآن مقدس کی یہ آیت طیبہ تلاوت کر رہا تھا۔

وَ قِيْلَ يٰۤاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَ يٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَ قُضِيَ الْاَمْرُ وَ اسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَ قِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾ (ہود)

''اور حکم دیا گیا اے زمین نگل لے اپنے پانی کو اور اے آسمان تھم جا اور اتر گیا پانی اور حکم الٰہی نافذ ہو گیا اور ٹھہر گئی کشتی جودی (پہاڑ) پر اور کہا گیا ہلاکت و بربادی ہو ظالم قوم پر''۔

اتنا فصیح اور بلیغ کلام سن کر اس نے کہا ''میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ کسی بشر کا کلام نہیں ہے۔ اس کا مقابلہ کوئی شخص نہیں کر سکتا''۔ وہ گھبر گیا۔ اس نے جو کچھ لکھا تھا اسے مٹا دیا۔ اسے یقین ہو گیا کہ اس کے ہاتھ سے لگے ہوئے کلام کو رب تعالیٰ کے کلام پاک سے کوئی مناسبت نہیں۔

اگر انسان قرآن پاک میں غور و فکر کرے گا۔ تو اس کے لیے بے شمار اور ان گنت عجائب کا ظہور ہو گا۔ ذرا اللہ رب العزت کے اس فرمان عالی شان میں تو غور و فکر کرو۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ (البقرۃ:179) اور تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے۔

اللہ رب العزت کے اس فرمان میں تذکر و تدبر کرو۔

وَ لَوْ تَرٰۤى اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ (سبا:51) کاش! تم دیکھو جب یہ گھبرائے ہونگے۔ بچ نکلنے کی کوئی صورت نہ ہو گی۔

اب ذرا اس آیت طیبہ میں غور و فکر کرو۔

يٰۤاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ (ہود:44) اے زمین نگل لے اپنے پانی کو

اب ذرا اس آیت طیبہ کو اپنے غور و فکر کا مرکز بناؤ۔

فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا (العنکبوت:40)

''پس ہر (سرکش) کو ہم نے پکڑا اس کے گناہ کے باعث۔ پس ان میں سے بعض پر ہم نے برسائے پتھر اور ان میں سے بعض کو آلیا شدید کڑک نے اور بعض کو ہم نے غرق کر دیا زمین میں اور بعض کو ہم نے (دریا میں) ڈبو دیا''۔

اسی طرح قرآن پاک کی کثیر آیات بینات فصاحت و بلاغت سے بھرپور ہیں۔ بلکہ سارا قرآن پاک ہی فصاحت و بلاغت سے لبریز ہے۔ اگر انسان اس میں غور و فکر کرے گا تو اس کے لیے عیاں ہو گا کہ ہر لفظ کے نیچے بہت سے جملے پوشیدہ ہیں۔ وہ اس کلام پاک میں الفاظ کے ایجاز اور معانی کی کثرت کے ساتھ ساتھ رفعت و عظمت کا بھی مشاہدہ کرے گا۔ اگر انسان قرآن پاک میں تفکر کرے گا تو اسے معلوم ہو گا کہ قرآن پاک کی عبارات کتنی لطیف ہیں۔ نیز اسے یہ بھی علم ہو گا کہ قرآن پاک نے توحید کی طرف دعوت دی ہے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ حلال اور حرام اشیاء میں امتیاز کرنے کا حکم دیا ہے۔ وعظ و نصیحت کی ہے، عمدہ اخلاق اپنانے کی تلقین کی ہے۔ برائیوں سے کنارہ کشی کا حکم دیا ہے۔ ہر شے اپنی جگہ پر اس طرح مناسب اور موزوں ہے کہ اس سے بہتر کسی اور جگہ کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

اگر انسان قرآن مجید میں تامل کرے گا تو اسے یہ علم بھی حاصل ہو گا کہ اس میں سابقہ امتوں کے حالات بھی بیان کیے گئے ہیں۔ مستقبل کی خبریں بھی دی گئیں ہیں۔ نفیس اور عمدہ دلائل بھی بیان کئے گئے ہیں۔ اتنی زیادہ اشیاء کو اتنے عمدہ اور اچھے اسلوب اور انداز سے بیان کرنا اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کسی اور کے لیے ممکن ہی نہیں۔

قرآن پاک میں غور و فکر کرنے سے قریش مکہ کا یہ دعویٰ کہ قرآن مجید حضور ﷺ خود بنا لیتے تھے یقیناً غلط ثابت ہو جائے گا۔ انسان کو علم یقینی حاصل ہو جائے گا۔ کہ یہ وہ کلام مقدس ہے جو آقا علیہ الصلوٰۃ السلام کی زبان اقدس پر اللہ رب العزت کی طرف سے آیا ہے اور اہل عرب اس جیسا کلام پیش کرنے سے عاجز آ گئے۔ اسی طرح ایک انسان کو یہ یقینی علم بھی حاصل ہو گا اور قرآن پاک نے تمام لوگوں کو چیلنج کیا لیکن وہ اس کا مقابلہ نہ کر سکے۔ تمام منکرین اس کا مقابلہ کرنے سے عاجز آ گئے انہوں نے قرآن پاک کی بلاغت کو معجزہ مان لیا۔

اسی طرح طویل داستانیں بیان کرنے اور سابقہ امتوں کی خبریں دینے کے اعتبار سے بھی قرآن پاک معجزہ ہے۔ فصحاء کے نزدیک کسی قصہ کے طویل ہو جانے کی وجہ سے اس کلام کی فصاحت اور بلاغت میں ضعف آ جاتا ہے۔ لیکن لاریب کتاب نے کئی طویل داستانیں بیان کیں ہیں۔ لیکن ان میں کلام کا آپس میں صحیح ربط ہے۔ الفاظ اور معنی کا حسین امتزاج ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کو ملاحظہ کریں۔ یہ داستان کتنی طویل ہے۔ پھر رب تعالیٰ نے اسے کتنی عجیب ترتیب اور احسن انداز سے بیان کیا ہے۔ اس کے اول اور آخر میں ربط ہے۔ اس میں کوئی کمی اور کجی نہیں ہے۔ پھر جب قرآن پاک ان داستانوں کو بار بار بیان کرتا ہے تو ہر دفعہ ان میں عبارت مختلف ہوتی ہے۔ ہر بار ان کا اسلوب جداگانہ ہوتا ہے ہر بار مختلف عبارات مختلف انداز اور مختلف الفاظ کے ساتھ ذکر کی جاتی ہیں۔ اگرچہ ان تمام عبارات کا معنی ایک ہی ہوتا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ قصہ پہلی بار ہی بیان کیا گیا ہے۔ سننے والا یہی سمجھتا ہے کہ اس نے یہ داستان پہلی بار سنی ہے۔ اس کا ذکر پہلے نہیں گزرا۔ ان داستانوں کو بار بار دھرانے یا اعادہ کرنے سے دل میں کسی قسم کی نفرت یا کراہت پیدا نہیں ہوتی۔

علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے ''شفاء'' میں لکھا ہے ''ہر وہ شخص جسے بلاغت کے علوم پر آگہی حاصل ہے۔ اس کا دل اور زبان اس سے آشنا ہے۔ قرآن پاک کو دیکھ کر اس پر یہ امر مخفی نہیں رہے گا کہ یہ رب تعالیٰ کا کلام ہے۔ قرآن پاک کے اعجاز کی ساری وجوہات میں سے ہر وجہ بذات خود معجزہ ہے۔ وہ اسی طرح معجزہ ہے جس طرح مردوں کو زندہ کرنا، عصا کا سانپ بن جانا اور سنگریزوں کا تسبیح خواں ہونا معجزات ہیں۔ بلکہ وہ ان سے بھی عظیم الشان معجزہ ہے۔ کیونکہ یہ معجزہ اس چیز (کلام) پر مشتمل ہے جس کے اہل عرب عادی تھے۔ لیکن اس کے باوجود وہ اس جیسا کلام پیش نہ کر سکے۔ انہوں نے جلاوطن ہونے اور قتل ہو جانے پر صبر کیا۔ انہوں نے ذلت و رسوائی اٹھائی۔ وہ لوگ بڑی عزت نفس کے مالک تھے۔ انہوں نے اس ذلت و رسوائی کو جان بوجھ کر برداشت نہیں کیا۔ اس شرمندگی کو مجبوراً برداشت نہیں کیا۔ بلکہ اگر وہ ایسا کلام پیش کرنے پر قادر ہوتے تو اسے پیش کرنا ان کے لیے کتنا آسان تھا۔ ان کے ہاتھوں میں اپنی کامیابی اور کامرانی کے لیے کتنی عمدہ دلیل تھی۔ جس کی وجہ سے وہ اپنے ہر دشمن کو خاموش کرا سکتے تھے۔ وہ کلام کی ہر صنف پر قادر تھے۔ اس کے ہر اسلوب سے آشنا تھے۔ وہ کلام کی تمام اقسام

کو سارے لوگوں سے زیادہ جانتے تھے۔ ان میں سے کوئی ایک بھی نہ تھا جس نے اسلام کو مٹانے اور اس نور تاباں کو بجھانے کی پوری کوشش نہ کی ہو۔ اگر ان کے لیے ایسا کلام پیش کرنا ممکن ہوتا تو وہ ضرور کر دیتے۔ لیکن ان کے لیے ایسا کرنا ممکن نہ ہوا۔ وہ ذلیل و رسواء ہوئے۔

(3) امور غیبیہ پر آگاہ کرنا

قرآن کے اعجاز کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس نے غیب کے بارے خبریں دیں۔ گزشتہ اقوام کی خبریں دیں۔ وقت نزول کی خبروں سے آگاہ فرمایا اور مستقبل میں ظہور پذیر ہونے والے واقعات کے متعلق بتایا۔ جنہیں اللہ رب العزت کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا تھا۔ وہ واقعہ بعینہا اسی طرح رونما ہوا جس طرح قرآن پاک نے بیان کر دیا تھا۔ مثلاً ارشاد ربانی ہے۔

لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ (الفتح:27)

''تم ضرور داخل ہو گے مسجد حرام میں جب اللہ نے چاہا امن و امان سے''۔

حضور تاجدار حرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو بتایا کہ آپ صحابہ کرام کے ہمراہ مسجد حرام میں داخل ہوں گے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ میں جلوہ افروز تھے۔ صلح حدیبیہ سے پہلے کی بات ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سمجھا کہ شاید وہ اسی سال مسجد حرام میں داخل ہوں گے۔ جب مشرکین مکہ نے انہیں مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے روک دیا تو یہ بات ان پر بڑی شاق گزری۔ جب وہ صلح حدیبیہ سے واپس آئے تو اللہ رب العزت نے سورۃ الفتح نازل فرمائی۔ اس میں یہ آیت مبارکہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بتادیا کہ عنقریب ایسا ہی ہوگا۔ جس طرح تمہیں خبر دی گئی ہے۔ جب مسلمان شوکت و سطوت کے ساتھ مسجد حرام میں داخل ہوئے۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''میں نے تمہیں اسی واقعہ کی خبر دی تھی''۔

ارشاد ربانی ہے۔

غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۙ﴿۲﴾ فِيْۤ اَدْنَى الْاَرْضِ وَ هُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۙ﴿۳﴾ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ (روم)

''ہرا دیئے گئے رومی پاس کی زمین میں اور وہ ہار جانے کے بعد ضرور غالب آئیں گے۔ چند برس کے اندر''۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے غیب کے متعلق یہ خبر دی ہے کہ چند سالوں میں روم پھر ایران پر غالب آجائے گا۔ ''بضع سنین'' کا لفظ تین سے لے کر نو سال تک بولا جاتا ہے۔ کچھ ہی سال گزرے تھے کہ قرآن پاک کی یہ پیش گوئی بھی سچ ثابت ہوگئی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ رومی اہل کتاب تھے جبکہ ایرانی اہل کتاب نہ تھے۔ وہ مشرکین کی طرح تھے جب ایران اور روم باہم نبرد آزما ہوتے تو مشرکین مکہ ایران کی فتح کی آرزو کرتے تھے۔ وہ مسلمانوں کو تنگ کرنے کے لیے اہل ایران کی فتح پر خوشیاں مناتے تھے۔ کسریٰ نے روم کی طرف ایک لشکر جرار بھیجا۔ باذرعات اور بصریٰ کے مقامات پر یہ دونوں لشکر جنگ آزما ہوئے۔ ایران نے روم کو شکست دے دی۔ جس سے مشرکین نے مسرت کا اظہار کیا۔ جبکہ مسلمانوں پر یہ بات بڑی گراں گزری۔

اللہ رب العزت نے مذکورہ بالا آیت طیبہ نازل کی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مشرکین مکہ کو اس غیب کی خبر سے آگاہ

کیا۔ آپ نے فرمایا ''اتنی زیادہ مسرت وشادمانی کا اظہار نہ کرو۔ عنقریب روم ایران کو شکست فاش سے دوچار کر دے گا۔ اللہ رب العزت نے ہمارے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس کی خبر دی ہے۔ امیہ بن خلف اور دوسری روایت کے مطابق ابی بن خلف نے آپ سے کہا ''آپ جھوٹ بول رہے ہیں''۔ یہ سن کر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اے دشمن خدا! دروغ گوئی تیرا کام ہے''۔ انہوں نے امیہ بن خلف سے کہا کہ اس پر دس اونٹنیوں کی شرط لگا لیتے ہیں ہم میں سے جس کا قول سچا ہوگا دوسرے سے اونٹنیاں لے گا (یہ واقعہ شرط اور جوئے کے حرام ہونے سے پہلے کا ہے'' انہوں نے اپنے مابین تین سال کا عرصہ مقرر کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس خبر کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گذارش کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اس مدت میں توسیع کر دو اور شرط میں اضافہ کر دو۔ کیونکہ اللہ رب العزت نے بضع سنین کہا ہے۔ اس کا اطلاق تین سے لے کر نو تک ہوتا ہے''۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسی طرح کیا۔ اونٹنیوں کی تعداد کو ایک سو اور مدت شرط کو نو سال کر دیا گیا۔ یہ خبر بھی اسی طرح سچ ثابت ہوئی جس طرح قرآن نے فرمایا تھا حدیبیہ کے سال اہل روم، اہل ایران پر غالب آ گئے۔ ابھی نو سال کی مدت نہیں گزری تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق نے امیہ بن خلف کے ورثاء سے ایک سو اونٹنیاں وصول کر لیں۔ کیونکہ امیہ بن خلف غزوۂ بدر میں واصل جہنم ہو چکا تھا۔ اگر شرط لگانے والا ابی بن خلف ہو تو اسے بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ احد کے دن اپنے دست اقدس سے واصل جہنم کیا تھا۔ یہ پیش گوئی ان دونوں کی موت کے بعد سچ ثابت ہوئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے ورثاء سے اونٹنیاں لے کر اللہ تعالیٰ کے رستہ میں صدقہ کر دیں۔ اگرچہ یہ اونٹنیاں شرط اور جوئے کی حرمت سے پہلے ملیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے قول کی تصدیق اور دشمن کے قول کی تکذیب ظاہر ہونے پر شکرانے کے طور پر ان اونٹنیوں کو صدقہ کرنے کا حکم دیا۔

اسی طرح اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا

لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ (الفتح: 28)

''تاکہ غالب کر دے اسے تمام دینوں پر''۔

اس آیت طیبہ میں اللہ رب العزت نے اپنے نبی کریم، رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وعدہ فرمایا کہ عنقریب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین سارے ادیان پر غلبہ اور تسلط حاصل کرلے گا۔ آپ کی امت دیگر امم کو روح فرسا شکست سے دوچار کرے گی۔ یہ پیش گوئی بھی اسی طرح سچ ثابت ہوئی جس طرح اللہ رب العزت نے قرآن پاک میں خبر دی تھی۔

اسی طرح غیب کی خبر دیتے ہوئے اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا۔

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا ۚ يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا (النور: 55)

''وعدہ فرمایا ہے اللہ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے تم میں سے اور نیک عمل کیے کہ وہ ضرور خلیفہ بنائے گا

انہیں زمین میں۔ جس طرح اس نے خلیفہ بنایا ان کو جو ان سے پہلے تھے اور مستحکم کر دے گا ان کیلئے ان کے دین کو جسے اس نے پسند فرمایا ہے ان کیلئے اور وہ ضرور بدل دے گا انہیں ان کی حالت خوف کو امن سے۔ وہ میری عبادت کرتے ہیں کسی کو میرا شریک نہیں بناتے''۔

یعنی اللہ رب العزت انہیں اپنی زمین پر خلفاء مقرر کرے گا۔ انہیں اس کی ملکیت عطا فرمائے گا۔ انہیں اپنے اعداء پر فتح اور کامرانی حاصل ہوگی۔ یہ آیت طیبہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور دیگر خلفاء راشدین کے بارے نازل ہوئی۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد زریں میں صحابہ کرام کو مرتدین پر غلبہ اور اور تسلط حاصل ہوا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ایران جیسا عظیم ملک فتح ہوا۔ اسی طرح اللہ رب العزت نے صحابہ کرام کو مختلف ممالک پر تسلط عطا فرمایا۔ ان کے خوف کو امن میں تبدیل کر دیا۔ قرآن پاک کی یہ پیش گوئی حق ثابت ہوئی۔ اللہ رب العزت نے دین اسلام کو زمین کے مشارق اور مغارب تک وسعت بخشی۔ مشرق و مغرب کو مسلمانوں کے زیر نگیں کر دیا۔ وہ اس زمین پر رب تعالیٰ کے خلفاء بن گئے۔ جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میں نے زمین کے مشارق و مغارب کا مشاہدہ کیا ہے۔ جہاں تک میرے لیے زمین سمیٹی گئی عنقریب میری امت ان مقامات پر قبضہ کرے گی''۔

اسی طرح مستقبل کی پیشین گوئی کرتے ہوئے قرآن پاک نے فرمایا

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَ رَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ (النصر)

جب اللہ کی مدد آ پہنچے اور فتح (نصیب ہو جائے) اور آپ دیکھ لیں لوگوں کو کہ وہ داخل ہو رہے ہیں اللہ کے دین میں فوج در فوج تو (اس وقت) اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے اسکی پاکی بیان کیجئے اور (اپنی امت کیلئے) اس سے مغفرت طلب کیجئے۔ اگر چہ ان آیات مبارکہ میں ہر قسم کی فتح کا مژدہ جانفزا سنایا گیا ہے لیکن یہ اپنے دامن میں فتح مکہ کی بشارت عظمیٰ لیے ہوئے تھیں۔ جب یہ آیات بینات نازل ہوئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عم محترم حضرت عباس رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''میرے محترم چچا! آپ کس وجہ سے گریہ کناں ہیں''۔ انہوں نے عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان آیات بینات میں آپ کے وصال کی خبر دی گئی ہیں۔'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''میرے چچا! آپ نے سچ فرمایا ہے'' مکہ معظمہ فتح ہو گیا۔ لوگ اللہ تعالیٰ کے دین متین میں گروہ در گروہ اور جماعت در جماعت داخل ہونے لگے۔ جب اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو غلبہ عطا فرمایا اور ثقلین میں اس کو شہرت دوام حاصل ہوئی جب بلاد عرب میں کوئی مقام ایسا نہ رہا جہاں اسلام کا اجالا داخل نہ ہوا ہو اور سارے لوگوں نے دین اسلام قبول کر لیا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہو گیا۔ قرآن پاک کی یہ خبر بھی سچ ثابت ہوئی۔

اسی طرح اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ (الحجر)

''بے شک ہم ہی نے اتارا ہے اس ذکر (قرآن مجید) کو اور یقیناً ہم ہی اس کے محافظ ہیں''۔

اس آیت طیبہ میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا ہے کہ قرآن پاک کا محافظ وہ خود ہے۔ ہر زمان میں یہ کتاب لاریب تبدل وتغیر سے پاک رہے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے اس آیت مبارکہ کو رب تعالیٰ نے بطور جملہ اسمیہ ذکر کیا ہے۔ پھر اس میں کئی تاکیدیں لگائیں۔ قرآن پاک کی یہ خبر بھی سچ ثابت ہوئی۔ کسی کو بھی قرآن پاک کا ایک کلمہ تک بدلنے کی جرأت نہ ہوئی۔ جبکہ دیگر کتب میں تحریف وتبدل ہو چکا ہے۔ کیونکہ اللہ رب العزت نے ان کتب کی حفاظت ان امم کے سپرد کی جن پر ان کتب کا نزول ہوا تھا۔ جیسا کہ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ (المائدہ:44)

''اس واسطہ کہ محافظ ٹھہرائے گئے تھے اللہ کی کتاب کے''۔

اس لیے ان کتب میں تغیر رونما ہو گیا۔ حتیٰ کہ اب ان کتب کی یہ کیفیت ہو چکی ہے کہ ان میں سے منقول کسی بھی بات پر وثوق نہیں کیا جا سکتا۔ مذکورہ بالا آیت طیبہ میں ذکر سے مراد قرآن مجید ہے۔ بے دینوں نے قرآن پاک میں تبدیلی کرنے کی سعی پیہم کی۔ اپنے مکر وفریب اور تاب وطاقت سے کام لیا۔ لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے اس نور تاباں کو بجھانے سے ناکام رہے۔ وہ لاریب کتاب میں ایک کلمہ کا بھی اضافہ نہ کر سکے۔ وہ مسلمانوں کے قلوب میں قرآن پاک کے حروف میں سے ایک حرف کے بارے بھی شک پیدا نہ کر سکے۔ اس کلام مقدس کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لیا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں جن امور غیبیہ کی خبر دی ہے ان میں سے ایک یہ خبر بھی ہے۔

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۝٤٥ (القمر) ''عنقریب پسپا ہو گی یہ جماعت اور پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے''۔

یہ آیت طیبہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اس وقت مسلمان ضعیف ونزار تھے۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ وہ کون سا اجتماع ہو گا جو شکست سے دوچار ہو گا۔ وہ اس آیت کی مراد کو نہیں جانتے تھے۔ جب اس آیت طیبہ کے نزول کے بعد غزوۂ بدر رونما ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زرہ زیب تن فرمائی اور اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس تشریف لے آئے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان اقدس پر اسی آیت طیبہ کی تلاوت جاری تھی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اس آیت کے مفہوم کا علم مجھے آج ہوا ہے'' یعنی کفار مکہ عنقریب شکست خوردہ ہو جائیں گے۔ وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔

شکست کو بلیغ ترین عبارت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس میں لفظاً اور معناً دونوں طرح کا اعجاز پایا جاتا ہے۔

وہ امور غیبیہ جن کے متعلق قرآن پاک نے خبر دی ہے ان میں اللہ رب العزت کا یہ فرمان بھی ہے۔

قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ۝١٤

(التوبہ)

''جنگ کرو ان سے۔ عذاب دے گا انہیں اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں سے اور رسوا کرے گا انہیں اور مدد کرے گا تمہاری ان کے مقابلہ میں اور (یوں) صحت مند کر دے گا اس جماعت کے سینوں کو جو اہل ایمان ہیں''۔

اس آیت طیبہ میں بھی غیب کی ایک خبر دی گئی ہے۔ بنو خزاعہ اور یمن کے کچھ لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ وہ مکہ مکرمہ

میں ہی قیام پذیر رہے۔ جبکہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بہت سے صحابہ کرام مکہ مکرمہ کو خیر آباد کہہ کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے تھے۔ انہوں نے مشرکین مکہ سے بہت سی تکالیف اور اذیتیں برداشت کیں۔ انہوں نے بارگاہ رسالت مآب میں ان تکالیف کی شکایت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں صبر کرنے کا حکم دیا۔ اور ساتھ ہی یہ بشارت بھی دی کہ عنقریب یہ ظلم کے بادل چھٹ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جہاد کا حکم دیا اور جہاد کے بارے بہت سی آیات اتار دیں۔ مذکورہ بالا آیت انہی آیات طیبات میں سے ایک ہے۔ اس آیت طیبہ کے بعد مشرکین کا قتل عام شروع ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین کی مدد اور نصرت فرمائی جس سے مسلمانوں کے قلوب کو چین اور سکون نصیب ہوا۔ حتیٰ کہ مشرکین کی بستیاں اجڑ گئیں۔ انہیں قیدی بنا لیا گیا۔ بعض کو جلاوطن کر دیا گیا۔ ان سے نعمتیں چھین لیں گئیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ۭ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۣ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ (آل عمران)

"کچھ نہ بگاڑ سکیں گے تمہارا سوائے ستانے کے اور اگر لڑیں گے تمہارے ساتھ تو پھیر دیں گے تمہاری طرف اپنی پیٹھیں (اور بھاگ جائیں گے) پھر ان کی امداد نہ کی جائیگی"۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہود کے بارے خبر دی ہے کہ وہ صرف تمہیں زبان سے ہی دھمکیاں دینے پر قادر ہیں۔ وہ کبھی اگر تم سے نبرد آزما ہوئے تو وہ میدان جنگ سے راہ فرار اختیار کر جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ صرف مومنین کی مدد کرتا ہے۔

قرآن پاک نے جو غیب کی خبریں دیں ہیں ان میں سے منافقین کے ان رازوں کو بھی افشا کرنا ہے۔ جنہیں وہ چھپایا کرتے تھے۔ جنہیں اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا تھا۔ اسی طرح اہل یہود کے رازوں کو طشت ازبام کرنا، ان کے جھوٹ کا اظہار کرنا جو وہ کلام آپس میں کیا کرتے تھے جسے ان کے خیال کے مطابق اور کوئی نہیں جانتا تھا انہیں بیان کرنا بھی امور غیبیہ میں سے ہے۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں آ کر قسمیں اٹھاتے تھے کہ وہ سچے مومن ہیں۔ لیکن اللہ رب العزت نے ان کے اس قول کی تکذیب کی ارشاد فرمایا۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۴۲﴾ (توبہ) اور اللہ جانتا ہے کہ وہ قطعاً جھوٹے ہیں۔

وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ (مجادلہ: 8)

"اور وہ کہا کرتے ہیں آپس میں کہ (اگر یہ سچے رسول ہیں) تو اللہ تعالیٰ ہماری ان باتوں پر ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا"۔

یہود کی یہ عادت تھی کہ جب وہ خلوت میں بیٹھتے تو کہتے "ہم جو کچھ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے کہتے ہیں اس کی وجہ سے ہم پر عذاب کیوں نہیں نازل ہوتا۔ اگر یہ سچے ہوتے تو ہمارے لیے بددعا کرتے اللہ تعالیٰ ہم پر عذاب نازل کرتا"۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس پوشیدہ قول کو ظاہر فرمایا۔ ان کی خلوت کی اس گفتگو کو عیاں کر دیا۔ ارشاد فرمایا۔

حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۸﴾ (مجادلہ)

"کافی ہے انہیں جہنم۔ اس میں داخل ہونگے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے"۔

مزید ارشاد فرمایا:

يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ (آل عمران: 154)

''چھپائے ہوئے ہیں اپنے دلوں میں جو ظاہر نہیں کرتے آپ پر''۔

اس آیت طیبہ میں منافقین کی حالت اور ان کے مکر و فریب کو ظاہر کیا گیا ہے۔ وہ خلوت میں ایک دوسرے سے جو باتیں کرتے تھے ان کا اظہار کیا گیا ہے۔ مثلاً انہوں نے غزوہ احد کے روز ایک دوسرے سے کہا تھا۔

لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا (آل عمران: 154)

''اگر ہوتا ہمارا اس کام میں کوئی دخل تو نہ مارے جاتے ہم یہاں (اس بے دردی سے)''۔

اللہ رب العزت نے ان کے اس قول سے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آگاہ فرمایا۔ ان کی خفیہ گفتگو کی خبر دینا غیب کے امور میں سے ہے۔

ارشاد ربانی ہے سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ (المائدہ: 42)

''قبول کرنے والے ہیں جھوٹ کو''۔

اسی طرح اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔

يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ (النساء: 46)

''پھیر دیتے ہیں (اللہ کے) کلام کو اس کی اصل جگہوں سے اور کہتے ہیں ہم نے سنا اور ہم نے نافرمانی کی (اور کہتے ہیں) سنو تم نہ سنائے جاؤ اور (کہتے ہیں) راعنا بل دیتے ہوئے اپنی زبانوں کو اور طعنہ زنی کرتے ہوئے دین میں''۔

یہودی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جھٹلاتے تھے۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مذاق اڑاتے تھے۔ اللہ رب العزت نے یہ خبر دی کہ انہوں نے اپنی کتاب میں تحریف کر دی۔ ان کے اقوال سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آگاہ کیا۔ آپ کو یہ بھی بتایا کہ اطاعت شعاری ان یہودیوں کی عادت نہیں۔ وہ اپنے قول (راعنا) سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مذاق اڑانے کا جو قصد کرتے تھے۔ اللہ رب العزت نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس سے بھی آگاہ فرما دیا۔

اسی طرح اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا

وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ

''اور یاد کرو جب وعدہ فرمایا تم سے اللہ نے ایک کا ان گروہوں سے کہ تمہارے لیے۔ اور تم پسند کرتے تھے کہ نہتہ گروہ تمہارے حصہ میں آئے''۔ (انفال: 7)

اس آیت طیبہ میں مومنین کے دلوں میں پیدا ہونے والی ایک خواہش کا ذکر کیا گیا ہے جس کی تکمیل کے وہ بڑے

خواہشمند تھے۔ جب آیت طیبہ نازل ہوئی تو حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے دو امور میں سے ایک امر کا وعدہ فرمایا ہے۔ یا تو اللہ تعالیٰ آپ کو اس قافلہ پر فتح عطا فرمائے گا جو شام سے آرہا ہے۔ جس میں قریش کا بہت سامال ہے۔ یا اللہ تعالیٰ آپ کو ان قریش مکہ پر غلبہ عطا فرمائے گا۔ جو مکہ مکرمہ سے اس قافلہ کی حفاظت کے لیے روانہ ہوئے ہیں۔ صحابہ کرام کے دل میں اس قافلہ پر حملہ کرنے کی خواہش تھی۔ کیونکہ ان کے پاس ہتھیار اور افرادی قوت کی کمی تھی۔ قافلہ سے بہت سامال ملنے کی توقع تھی۔ اللہ رب العزت نے انہیں یہ توفیق عطا فرمائی کہ وہ دشمن سے جنگ آزما ہوں اور کافروں کی پشتوں کو کاٹ کر رکھ دیں۔ اس غزوہ میں بہت سے سردار واصل جہنم ہوئے۔ اللہ رب العزت نے اہل ایمان کی تائید فرمائی اور اسلام کو غلبہ عطا فرمایا۔

اسی طرح ارشاد ربانی ہے۔

اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ﴿۹۵﴾ (الحجر) ہم کافی ہیں آپکو مذاق اڑانے والوں کے شر سے بچانے کیلئے۔

اس آیت مبارکہ میں بھی رب تعالیٰ نے غیب کی خبر دی ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے پانچ کافر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت زیادہ اذیتیں دیتے تھے۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تمسخر اڑاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کی ہلاکت کی خبر دے دی۔ وہ اسی طرح ہلاک ہوئے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر دی تھی۔ جب مذکورہ بالا آیت طیبہ نازل ہوئی تو اللہ تعالیٰ کے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کو ان کی ہلاکت کی خبر دی۔ اس واقعہ کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

اسی طرح اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (المائدہ: 67) اور اللہ تعالیٰ بچائے گا آپکو لوگوں (کے شر) سے

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کرتے تھے۔ جب یہ آیت طیبہ اتری تو آپ نے انہیں آپ کی نگہبانی سے روک دیا۔ اس آیت طیبہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی اس طرح حفاظت کرے گا کہ کوئی دشمن آپ کو شہید نہیں کر سکے گا۔ بہت سے لوگوں نے آپ کو شہید کرنے کا ارادہ کیا لیکن آپ ہمیشہ محفوظ رہے۔ مسلم شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "ایک دفعہ ہم جہاد میں شرکت کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ نجد کی طرف جا رہے تھے۔ ہم ایک ایسی وادی میں فروکش ہوئے جہاں کانٹوں والے بڑے بڑے درخت تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہیں ایک درخت کے نیچے تشریف فرما ہو گئے۔ آپ نے اپنی تلوار مبارک اس درخت کی شاخ کے ساتھ لٹکا دی۔ صحابہ کرام سایہ کی تلاش میں اس وادی میں بکھر گئے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم استراحت فرما ہو گئے تو ایک شخص آپ کے پاس آیا۔ اس نے آپ کی تلوار مبارک کو اتارا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نیند سے بیدار ہوئے تو وہ آپ کے سر مبارک کے پاس شمشیر بے نیام لیے کھڑا تھا۔ اس نے آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کر کے کہا "آج مجھ سے آپ کو کون بچائے گا؟" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اللہ" اس شخص نے دوبارہ یہی کہا تو آپ نے یہی جواب ارشاد فرمایا۔ یہ سن کر اس شخص پر لرزہ طاری ہو گیا۔ تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تلوار اٹھالی۔ اور فرمایا "تجھے مجھ سے آج کون بچائے گا؟ اس نے کہا "آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو نرم دل اور رحیم ہیں۔ میں آپ

ﷺ سے التجا کرتا ہوں"۔ آپ ﷺ نے اسے معاف کر دیا۔ وہ شخص یہ کہتے ہوئے واپس چلا گیا "میں اس قوم میں کبھی بھی شرکت نہیں کروں گا۔ جو آپ کے ساتھ نبرد آزما ہوگی"۔

گزشتہ اقوام، سابقہ امم اور ان کی شریعتوں کا تذکرہ

اسی طرح قرآن پاک نے گزشتہ اقوام، سابقہ امم اور ان کی شریعتوں کا تذکرہ کیا ہے۔ یہ تمام ایسی داستانیں ہیں جنہیں اہل کتاب کے اس عالم کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا تھا۔ جس نے ساری زندگی تحصیل علم میں گذاری تھی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ تمام حکایات اور داستانیں مکمل اور احسن انداز میں اپنے محبوب کریم ﷺ پر نازل فرما دیں۔ اہل کتاب کے علماء نے بھی ان واقعات کی صحت کا اعتراف کیا ان کی تصدیق کی۔ حالانکہ حضور ﷺ نے کوئی تعلیم حاصل نہیں کی تھی۔ آپ امی تھے۔ لکھ اور پڑھ نہ سکتے تھے۔ نہ آپ نے کسی مدرسہ میں زانوئے تلمذ طے کیا تھا۔ نہ آپ اپنی قوم سے اتنا عرصہ غائب رہے جس میں یہ احتمال ہو کہ آپ نے علم حاصل کر لیا ہوگا۔ نہ آپ کی ولادت باسعادت سے لے کر وصال تک آپ کے حالات زندگی کسی سے پوشیدہ تھے۔ جس سے یہ گمان ہو سکے کہ آپ ﷺ اہل کتاب سے ان واقعات کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ بلکہ یہود اور نصاریٰ کے بہت سے علماء گزشتہ اقوام کے بارے آپ سے سوالات کرتے تھے۔ آپ پر قرآن پاک نازل ہوتا جو آپ ان علماء کو سناتے تھے۔ مثلاً انبیائے کرام کے قصص اور ان کی اقوام کی حکایات۔ حضور ﷺ ان کے لیے یہ تمام داستانیں بلیغ ترین عبارات اور لطیف ترین اشارات میں بیان فرماتے تھے۔ مثلاً حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کا واقعہ، حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کی داستان، اصحاب کہف کا قصہ، ذوالقرنین، حضرت لقمان، اور ان کے بیٹے کی حکایات اور گزشتہ امم کے حالات قرآن پاک میں مذکور ہیں۔ اسی طرح زمین و آسمان کی تخلیق، حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کی تخلیق، تورات اور انجیل میں مذکورہ احکام اور شریعتیں، توحید باری تعالیٰ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے صحف کی تعلیمات بھی قرآن پاک میں موجود ہیں۔ اہل کتاب کے علماء ان کی تصدیق کیا کرتے تھے۔ وہ ان میں سے کسی ایک چیز پر بھی قادر نہ تھے۔ بلکہ ان کی تصدیق کا اعتراف کرتے تھے۔ ان پر یقین کامل رکھتے تھے۔ ان علماء میں سے بعض کو سعادت ابدی حاصل ہوئی۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ بعض نے حسد اور عناد کی وجہ سے آپ ﷺ کی نبوت کا انکار کر دیا اگرچہ یہود و نصاریٰ حضور اکرم ﷺ سے بہت زیادہ بغض اور عناد رکھتے تھے۔ وہ حضور ﷺ کی عداوت میں پیش پیش تھے۔ وہ آپ کو جھٹلانے میں بڑے حریص تھے۔ لیکن اس کے باوجود وہ آپ ﷺ کی لائی ہوئی کسی چیز کی بھی تکذیب نہ کر سکے۔ وہ آپ ﷺ سے بہت زیادہ سوالات کیا کرتے تھے۔ وہ آپ سے انبیائے کرام کے حالات زندگی دریافت کیا کرتے تھے۔ وہ ان کے علوم کے اسرار آپ سے پوچھا کرتے تھے۔ حضور ﷺ سابقہ انبیائے کرام اور ان کی کتب کے بارے ان علماء کو بتایا کرتے تھے۔ اسی طرح انہوں نے آپ ﷺ سے روح کے متعلق بھی سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ "امر ربی" ہے۔ اسی طرح حضور ﷺ نے فرمایا "شادی شدہ زانی کی سزا رجم ہے"۔ ساتھ ہی آپ ﷺ نے یہ بتا دیا کہ یہ سزا تورات میں موجود ہے۔ حالانکہ یہودی انکار کیا کرتے تھے کہ رجم کی سزا ان کی شریعت میں

موجود نہیں۔ اسی طرح یہودیوں نے آپ ﷺ کو آزمانے کے لیے پوچھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے اوپر کیا حرام کیا ہوا تھا۔ حضور ختمی مرتبت ﷺ نے فرمایا ''انہوں نے اونٹ کا گوشت اور اس کا دودھ اپنے اوپر حرام کر رکھا تھا''۔ علمائے یہود نے اس واقعہ کی تصدیق کی۔

اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے نذر مانی ''اگر میں تمام آفات اور امراض سے محفوظ ہو کر بیت المقدس میں داخل ہو گیا تو میں اپنا آخری بچہ راہ خدا میں قربان کر دوں گا''۔ جب حضرت یعقوب علیہ السلام سفر پر روانہ ہوئے۔ وہ بیت المقدس کے قریب پہنچے تو اللہ رب العزت نے ایک فرشتہ بھیجا۔ جس نے آپ کی ران کو چھوا تو آپ عرق النساء کے مرض میں مبتلاء ہو گئے۔ آپ کو اس مرض کی وجہ سے شدید درد ہوا۔ اس مرض کا لاحق ہونا آپ پر رب تعالیٰ کے فضل وکرم کی وجہ سے تھا۔ تاکہ آپ پر اپنے بچے کو ذبح کرنا لازم نہ آئے۔ کیونکہ آپ نے یہ نذر مانی تھی کہ اگر آپ امراض اور آفات سے بچ کر بیت المقدس میں داخل ہوئے تو آپ اپنے آخری بچے کی قربانی دیں گے۔ آپ علیہ السلام کی یہ شرط پوری نہ ہوئی۔ آپ علیہ السلام نے اپنے اوپر اونٹوں کا گوشت اور دودھ حرام کر دیا کیونکہ یہ دونوں عرق النساء میں نقصان دہ ہوتے ہیں۔ یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرف سے اجتہاد تھا۔ اور انبیائے کرام کے لیے اجتہاد کرنا جائز ہے''۔

اسی طرح یہودیوں نے آپ ﷺ سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر وہ کون سی چیزیں حرام کر دیں جو پہلے ان کے لیے حلال تھیں؟ اس وقت اللہ رب العزت نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی۔

وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ ۖ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَا إِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَا أَوِ الْحَوَايَا أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۚ ذَٰلِكَ جَزَيْنَاهُم بِبَغْيِهِمْ ۖ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ۝ (الانعام)

''اور ان لوگوں پر جو یہودی بنے تھے ہم نے حرام کر دیا ہر ناخن والا جانور اور گائے اور بکری سے ہم نے حرام کی ان پر دونوں (گائے، بکری) کی چربی۔ مگر جو اٹھا رکھی ہو ان کی پشتوں یا آنتوں میں یا جو ملی ہو ہڈی کے ساتھ۔ یہ ہم نے سزا دی تھی انہیں بسبب ان کی سرکشی کے اور یقیناً ہم سچے ہیں''۔

اللہ رب العزت نے بنی اسرائیل پر ہر اس چوپائے اور پرندے کو حرام کر دیا تھا جن کی انگلیاں کھلی نہیں ہوتیں۔ جیسا کہ اونٹ، شتر مرغ، مرغابی اور بطخ۔ ایک قول کے مطابق ہر وہ پرندہ جس کا پنجہ تھا اور ہر وہ جانور جس کا کھر تھا ان پر حرام کر دیا گیا۔ اسی طرح ان پر گائے اور بھیڑ کی چربی اور ان کے گردے حرام تھے۔ مگر وہ چربی جو ان کی پشتوں یا پہلوؤں میں ہوتی تھی۔ وہ ان کے لیے حلال تھی۔ جیسا کہ مفسرین نے اس امر کی وضاحت بیان کی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان **بِبَغْيِهِمْ** سے مراد ان کی وہ سرکشی ہے جس کی وجہ سے وہ انبیائے کرام کو قتل کیا کرتے تھے۔ اور لوگوں کے اموال ناجائز طریقے سے حاصل کرتے تھے۔ وہ یہودی حضور ﷺ سے کہتے تھے ''اللہ تعالیٰ نے ہم پر کوئی چیز حرام نہیں کی اگر اللہ تعالیٰ نے ہم پر کوئی چیز حرام کی ہے۔ تو آپ اسے بیان کریں''۔ اللہ رب العزت نے ان کی تکذیب کرتے ہوئے مذکورہ بالا آیت طیبہ نازل فرمائی۔

یہودی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور آپ سے کہنے لگے "آپ یہ گمان کرتے ہیں کہ آپ ملت ابراہیمی پر ہیں حالانکہ آپ اونٹوں کا گوشت کھاتے ہیں۔ ان کا دودھ پیتے ہیں۔ جبکہ یہ چیزیں ان کی شریعت میں حرام تھیں۔ اس وقت اللہ رب العزت نے یہ آیت طیبہ نازل فرمائی۔

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْھَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۳﴾ (آل عمران)

"سب کھانے کی چیزیں حلال تھیں۔ بنی اسرائیل کیلئے مگر وہ جسے حرام کیا اسرائیل نے اپنے آپ پر۔ اس سے پہلے کہ نازل کی گئی تورات۔ آپ فرماؤ لاؤ تورات پھر پڑھوا سے اگر تم سچے ہو"۔

لیکن جب انہوں نے ان اشیاء کو اپنی کتاب میں اپنے دعویٰ کے مطابق نہ پایا تو خود اپنے ہاتھ سے انہیں لکھ لیا۔

ان امور غیبیہ میں سے ایک خبر یہ بھی ہے کہ اللہ رب العزت کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام کا ذکر خیر تورات اور انجیل میں کیا پھر اس آیت طیبہ میں اس طرف اشارہ کیا۔

سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ (الفتح 29:) ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر نمایاں ہیں۔

ان اشیاء میں سے ایک چیز کو بھی یہودیوں نے جھٹلایا نہیں۔ بلکہ ان میں سے اکثر نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کی اگرچہ انہوں نے آپ کی نبوت اور رسالت کا انکار کیا تو اس کی وجہ صرف اور صرف ان کا حسد اور بغض تھا۔ اس لیے جب نجران کے عیسائیوں سے مباہلہ کا مطالبہ کیا گیا تو انہوں نے انکار کر دیا اور عذاب کے نازل ہونے سے ڈر گئے۔ انہوں نے آپ کی نبوت کا اعتراف تو کر لیا لیکن سرکشی اور عناد کی وجہ سے آپ کی اتباع کرنے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے صلح کر لی اور واپس آ گئے۔ ام المومنین حضرت صفیہ بن حیی بن اخطب رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں "میرا چچا ابو یاسر میرے باپ سے کہیں زیادہ صائب الرائے تھا۔ وہ میرے باپ سے کہا کرتا تھا "کیا وہ وہی ذات نہیں ہے جس کے اوصاف ہم اپنی کتب میں پاتے ہیں" میرا والد کہتا "ہاں! ہاں! بعینہٖ وہی ہیں" میرا چچا پوچھتا "پھر تمہارا کیا ارادہ ہے؟" میرا باپ کہتا "جب تک میں زندہ ہوں ان سے عداوت ہی کرتا رہوں گا"۔ وہ اہل کتاب جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حسد کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہر کام پر شرمندہ کیا۔ ایسی بہت سی اشیاء جن کو وہ چھپاتے تھے ان کا اظہار کیا جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَاۗءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ (المائدہ 15)

"اے اہل کتاب بیشک آ گیا تمہارے پاس ہمارا رسول۔ کھول کر بیان کرتا ہے تمہارے لیے بہت سی ایسی چیزیں جنہیں تم چھپایا کرتے تھے کتاب سے اور درگزر فرماتا ہے بہت سی باتوں سے"۔

بیان کردہ واقعات کا سچ ثابت ہونا

قرآن پاک کے اعجاز کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے کسی قوم کے کسی فیصلہ کو نہ کرنے پر آگاہ فرمایا ہے۔ اور یہ

بتا دیا ہے کہ وہ قوم ایسا فیصلہ نہیں کر سکے گی۔ تو وہ قوم اس فیصلہ کو کرنے پر قادر نہ ہوئی۔ نہ ہی اس نے ایسا فیصلہ کیا۔ مثلاً جب یہودیوں نے یہ باطل دعویٰ کیا کہ ان کے علاوہ اور کوئی جنت میں نہیں جائے گا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب کی اور ان کی تکذیب کرتے ہوئے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا۔

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۴﴾ (البقرہ)

''آپ فرمائیے اگر تمہارے لیے ہی دار آخرت (کی راحتیں) اللہ کے ہاں مخصوص ہیں تمام لوگوں کو چھوڑ کر تو بھلا آرزو تو کرو موت کی اگر تم سچ کہتے ہو''۔

یعنی اگر تم سچے ہو کہ تم ہی اہل جنت ہو۔ وہ تمہارے ساتھ مختص ہے تو پھر موت کی تمنا کرو۔ کیونکہ جسے یقین ہوتا ہے کہ وہ جنت میں جائے گا۔ وہ تو موت کا بڑا مشتاق ہوتا ہے۔ وہ جنت کے حصول کا متمنی ہوتا ہے۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا۔

وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ (البقرہ: 95)

''اور وہ ہرگز کبھی بھی اس کی تمنا نہ کریں گے اپنی کارستانیوں کے خوف سے''۔

اللہ رب العزت نے مستقبل کے تمام زمانہ میں ان کی ایسی خواہش کرنے کی نفی فرما دی۔ جو کچھ ان کے برے افعال تھے۔ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ (البقرہ: 95) سے مراد ان کے برے افعال تھے مثلاً اللہ رب العزت کے ساتھ کفر کرنا۔ تورات میں تحریف کرنا وغیرہ۔ حقیقت میں وہی ہوا جس کی خبر رب تعالیٰ نے دی تھی۔ انہوں نے موت کی خواہش نہ کی۔ اگر ان میں سے ایک بھی موت کی تمنا کرتا تو وہ ضرور مر جاتا۔ اگرچہ انہوں نے اس کتاب کے بارے بہت کچھ کہا ہے لیکن ان میں سے ایک نے بھی ایسی خواہش نہیں کی۔ اگر وہ کوئی ایسی تمنا کرتے تو ان کے ہاں بھی منقول ہوتا۔ اگر کوئی یہ سوال کرے کہ تمنا کا تعلق دل کے خفیہ اعمال کے ساتھ ہے۔ اس کا کیسے اظہار ہو سکتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان کا اپنی زبان سے تو یہ کہنا ممکن تھا کہ ہم نے موت کی تمنا کی۔

امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت لکھی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ''اگر یہودی ایسی تمنا کرتے تو وہ مر جاتے۔ اس ذات پاک کی قسم جس کے دست تصرف میں میری جان ہے ان میں سے جو بھی موت کی تمنا کرتا وہ اسی وقت مر جاتا''، لیکن اللہ رب العزت نے انہیں ایسی تمنا کرنے سے پھیر دیا تا کہ اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی صداقت عیاں ہو جائے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی فرمائی ہے اس کی سچائی کا اظہار ہو۔ ان میں سے کسی ایک نے بھی موت سے ڈرتے ہوئے اس کی تمنا نہ کی۔ وہ زندگی کے زیادہ طالب تھے اس سے قرآن پاک کا معجزہ ہونا ثابت ہو گیا۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۠ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ (البقرہ)

''اور اگر تمہیں شک ہو اس میں جو ہم نے نازل کیا اپنے (برگزیدہ) بندے پر تو لے آؤ ایک سورۃ اس جیسی اور بلالو اپنے حمائیتوں کو اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو پھر اگر ایسا نہ کر سکو اور ہرگز نہ کر سکو گے تو ڈرو آگ سے''۔

لیکن ان میں سے کسی ایک نے بھی ایسا کلام پیش کرنے کی جسارت نہ کی۔

جلال اور وقار

قرآن پاک کے اعجاز کے اسباب میں سے ایک سبب اس کا وہ وقار اور جلال بھی ہے جو سامع کے دل پر اسے سنتے ہی طاری ہو جاتا ہے۔ اس کی وہ ہیبت ہے جو تلاوت کے وقت دل پر غالب آجاتی ہے۔ اس میں ایسے مواعظ اور انذار ہیں جو قاری اور سامع کے دل پر جلال طاری کر دیتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے۔

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ (الحشر:21)

''اگر ہم نے اتارا ہوتا اس قرآن کو کسی پہاڑ پر تو آپ اسکو دیکھتے کہ وہ جھک جاتا (اور) پاش پاش ہو جاتا اللہ کے خوف سے''۔

جب اس کا جلال پہاڑوں پر لرزہ طاری کر دیتا ہے تو انسانوں کے متعلق تیرا خیال کیا ہے۔ اس کا جلال کفار پر مومنین کی بنسبت زیادہ ظاہر ہوتا ہے۔ حتی کہ وہ اسے سننا ہی پسند نہیں کرتے۔ کیونکہ ان کے دل اسے برداشت نہیں کر سکتے۔ قرآن پاک کی سماعت ان کے دلوں میں حق سے نفرت پیدا کرتی ہے۔ وہ اپنی طبیعتوں کی خباثت کی وجہ سے قرآن پاک سننا پسند نہیں کرتے۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِى الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴿۴۶﴾ (الاسراء)

''اور جب آپ ذکر کرتے ہیں صرف اپنے رب کا قرآن میں تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے ہیں۔ نفرت کرتے ہوئے''۔

وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ (الزمر:45)

''اور جب ذکر کیا جائے اکیلے اللہ کا تو کڑھنے لگتے ہیں ان لوگوں کے دل جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے''۔

اسی وجہ سے حضور ﷺ نے فرمایا ''جو شخص قرآن مجید کو ناپسند کرتا ہے۔ اس پر اس کا سننا مشکل اور گراں گزرتا ہے۔ قرآن پاک حق اور باطل، نیک اور فاسق کے مابین فیصلہ کرنے والا ہے۔ مومن پر اس کے مواعظ، پند و نصائح اور وعیدوں کی وجہ سے جلال طاری ہو جاتا ہے۔ اس کے دل میں اس کی محبت پیدا ہوتی ہے۔ وہ اس کی تصدیق کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔

تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ

''اور کانپنے لگتے ہیں اس کے (پڑھنے) سے بدن انکے جو ڈرتے ہیں اپنے پروردگار سے۔ پھر نرم ہو جاتے ہیں ان کے بدن اور ان کے دل اللہ کے ذکر کی طرف''۔ (الزمر:23)

یعنی جب کوئی شخص اس میں غور وفکر کرتا ہے اور اللہ سے ڈرتا ہے تو قرآن پاک کی ہیبت کی وجہ سے اس پر کپکپاہٹ طاری ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اس کا دل اور اس کی جلد اس سے محبت کرتے ہیں۔ اسے قرآن پاک میں راحت وسکون ملتا ہے۔ اس لیے بعض صالحین اور اولیائے کرام ایسے بھی ہیں جن پر قرآن پاک پڑھتے ہوئے وجد طاری ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات ان پر بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے۔ وہ اپنے کپڑے پھاڑ دیتے ہیں۔ لیکن جس نے قرآن مجید کی لذت کو چکھا ہی نہیں۔ اس پر یہ کیفیت کیسے طاری ہو سکتی ہے۔ قرآن پاک کی یہ ہیبت اور جلال اس شخص پر بھی طاری ہو جاتا ہے جو اس کے معانی اور تفسیر کو نہیں سمجھ سکتا۔ یہ صرف امر ربانی اور اس راز کی وجہ سے ہے جو اس میں پنہاں ہے۔ اسی وجہ سے اس کے سننے والے اور پڑھنے والے کو ثواب ملتا ہے۔ اگرچہ وہ اس کو سمجھنے کی طاقت نہ بھی رکھتے ہوں۔ جبکہ اور کسی کلام پر اس طرح ثواب نہیں ملتا۔

''الشفاء'' میں حضرت قاضی عیاض علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ ایک عیسائی ایک قاری کے پاس سے گزرا۔ جو باآواز بلند قرآن پاک کی تلاوت کر رہا تھا۔ وہ تلاوت سننے کے لیے رک گیا۔ اس نے رونا شروع کر دیا۔ جب اس سے کہا گیا کہ تو کس وجہ سے گریہ بار ہوا ہے تو اس نے کہا ''قرآن پاک میں جو حسن ادائیگی اور رونق ہے۔ اس نے مجھے رونے پر مجبور کر دیا''۔ قرآن مجید نے اس کے دل پر اتنا اثر کیا کہ اس عیسائی نے رونا شروع کر دیا۔ حالانکہ اس نے اسے سمجھا ہی نہیں تھا۔ کئی لوگوں پر قرآن پاک کا جلال اور وقار طاری ہو جاتا تھا۔ وہ اسی وقار کی وجہ سے حلقہ اسلام میں داخل ہو جاتے تھے اور قرآن حکیم کی تصدیق کرتے تھے۔

امام بخاری اور امام مسلم علیہما الرحمۃ نے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ ''میں نے نماز مغرب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سورہ طور کی تلاوت کرتے ہوئے سنا'' (اس وقت تک انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ وہ بدر کے قیدیوں کے بارے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفتگو کرنے آئے تھے) وہ کہتے ہیں ''جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت طیبہ کی تلاوت کی۔

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَیْرِ شَیْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿٣٥﴾ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا یُوْقِنُوْنَ ﴿٣٦﴾ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآىِٕنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَیْطِرُوْنَ ﴿٣٧﴾ (الطور)

''کیا وہ پیدا ہو گئے بغیر کسی (خالق) کے یا وہ خود ہی (اپنے) خالق ہیں؟ کیا انہوں نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو؟ (ہرگز نہیں) بلکہ وہ یقین سے محروم ہیں۔ کیا ان کے قبضہ میں ہیں آپ کے رب کے خزانے یا انہوں نے ہر چیز پر تسلط جما لیا ہے''۔

قریب تھا کہ میرا دل سینے کو چیر کر باہر نکل جاتا۔ وہ پہلا دن تھا جب میرے دل میں اسلام کی عزت پیدا ہو گئی۔

دوسری روایت میں ہے۔ انہوں نے فرمایا ''جب میں نے یہ آیات سنیں۔

وَالطُّوْرِ ﴿١﴾ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ﴿٢﴾ فِیْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ﴿٣﴾ (الطور)

''قسم ہے (کوہ) طور کی اور کتاب کی جو لکھی گئی ہے کھلے ورق پر''۔

تو مجھ پر حیرت اور دہشت طاری ہو گئی۔ جب میں نے سرور انبیاء علیہ التحیۃ والثناء کو یہ آیات تلاوت کرتے سنا۔

اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۙ﴿۷﴾ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ﴿۸﴾ (الطور)

"یقیناً آپ کے رب کا عذاب واقع ہو کر رہے گا اسے کوئی ٹالنے والا نہیں"۔

تو مجھ میں کھڑا رہنے کی تاب نہ رہی۔ میں بیٹھ گیا۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ ابھی عذاب الٰہی کی بجلی کوندے گی اور مجھے جلا کر خاکستر کر دے گی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیات طیبات پڑھیں۔

يَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا ۙ﴿۹﴾ وَّتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ﴿۱۰﴾ فَوَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۱﴾ (الطور)

"جس روز آسمان بری طرح تھر تھرائے گا اور پہاڑ (اپنی جگہ چھوڑ کر) تیزی سے چلنے لگیں گے۔ پس بربادی ہو گی اس روز جھٹلانے والوں کے لیے"۔

یہ سن کر مجھ پر شدید خوف طاری ہو گیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت بینات تلاوت کیں۔

اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ (الطور)

"کیا ان کے قبضہ میں ہیں آپ کے رب کے خزانے یا انہوں نے ہر چیز پر تسلط جما لیا ہے"۔

تو انہیں سن کر مجھے یوں محسوس ہونے لگا کہ میرا دل سینے کو چیر کر باہر نکلا جاتا ہے۔ یہی ہیبت و جلال ہی حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا سبب بنا۔

قاری اکتاہٹ محسوس نہیں کرتا

قرآن پاک کے اعجاز میں سے ایک یہ بھی ہے کہ قاری اس سے تھکتا نہیں۔ اگرچہ وہ اسے کتنی ہی مرتبہ دہرائے۔ جبکہ قلوب بار بار دہرانے والی چیز سے اکتا جاتے ہیں۔ اسی طرح سامع بھی اس سے عراض نہیں کرتا۔ نہ ہی اسے بار بار پڑھا جانا اس کی سماعت پر گراں گزرتا ہے۔ بلکہ اس کی تلاوت جتنی دفعہ زیادہ کی جائے اس کی شیرینی میں اتنا اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ اسے بار بار دہرانا اس کی محبت، رونق اور حسن کا سبب بنتا ہے۔ یہ ہمیشہ سرسبز و شاداب رہتا ہے۔ اس کی رونق اور شادابی میں کوئی فرق نہیں آتا۔ جب بھی اس کی تلاوت کی جائے ایسے محسوس ہوتا ہے کہ اس کا نزول ابھی ہوا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر جتنے بھی کلام ہیں خواہ وہ کتنے ہی حسن و بلاغت سے لبریز ہوں۔ ان کو بار بار دہرانے سے انسان اکتا جاتا ہے۔ خلوت میں قرآن پڑھنے سے لذت نصیب ہوتی ہے۔ مصائب کے وقت اسے پڑھنے سے اس کی محبت فزوں تر ہو جاتی ہے۔ جبکہ دیگر کتب میں یہ خوبیاں معدوم ہیں۔ قراء حضرات اس کی تلاوت مختلف آوازوں اور مختلف انداز سے کرتے ہیں۔ اس کے پڑھنے سے ان کے لطف و سرور میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "قرآن مجید کو جتنی مرتبہ پڑھا جائے یہ پرانا نہیں ہوتا"۔ اس کے پند و مواعظ ختم نہیں ہوتے۔ اس کے عجائب فنا نہیں ہوتے۔ یہ کتاب زندہ حق و باطل میں فیصلہ کرنے والی ہے۔ یہ مذاق نہیں۔ علماء اس سے سیر نہیں ہوتے۔ اس کی برکات سے خواہشات نفسانی میں کجی پیدا نہیں ہوتی۔ زبان سے تلفظ ادا کرتے وقت کسی اور کلام کے ساتھ التباس پیدا نہیں ہوتا۔ یہ وہ کتاب ہے جسے جب جنات نے سنا تو وہ یہ کہنے پر مجبور ہو

گئے کہ آج ہم نے عجیب وغریب کلام سنا ہے۔ جو ہدایت کی طرف راہ نمائی کرتا ہے۔

وَّ اَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰۤى اٰمَنَّا بِهٖ (الجن:13)

''اور (اے جن بھائیو!) ہم نے جب پیغام ہدایت سنا تو ہم اس پر ایمان لے آئے''۔

جس نے اس کے ساتھ گفتگو کی اس نے سچ کہا۔ جس نے اس کے ساتھ فیصلہ کیا اس نے عدل کیا۔ جس نے اس کے مطابق عمل کیا اسے اجر وثواب ملا۔ جس نے اس کی طرف بلایا، اسے صراط مستقیم کی طرف ہدایت نصیب ہوئی۔

علوم ومعارف کا بحر بے کراں

قرآن مجید کے اعجاز کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ یہ تمام علوم اور معارف کا جامع ہے۔ ایسے علوم اور معارف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت سے پہلے نہ ہی عرب میں موجود تھے نہ ہی دنیا کے کسی اور خطے میں پائے جاتے تھے۔ دیگر امم کے علماء بھی ان علوم سے آشنا نہ تھے۔ نہ ہی دیگر امم کی کتب ایسے علوم پر مشتمل تھیں۔ اس کتاب حکیم میں شریعت کا علم بھی ہے اور عقلی دلائل بھی ہیں۔ دیگر امم کا دلائل اور براہین سے رد بھی کیا گیا ہے۔ یہ دلائل آسان پیرایہ میں بیان کئے گئے ہیں۔ دشمنوں نے اس جیسے دلائل بنانے کی کوشش کی لیکن وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ (المومن:57)

''بیشک پیدا کرنا آسمانوں اور زمین کا بہت بڑا کام ہے لوگوں کے پیدا کرنے سے''۔

اَوَ لَیْسَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ (یٰسین:81)

''کیا وہ (قادر مطلق) جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو قدرت نہیں رکھتا کہ پیدا کر سکے اس جیسی (چھوٹی سی) مخلوق''۔

قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْۤ اَنْشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ (یٰسین:79)

''آپ فرمایئے (اے گستاخ سن) زندہ فرمائے گا انہیں وہی جس نے انہیں پہلی بار پیدا کیا تھا''۔

لَوْ كَانَ فِیْهِمَاۤ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (انبیاء:22)

''اگر ہوتے زمین وآسمان میں کوئی اور خدا سوائے اللہ تعالیٰ کے تو یہ دونوں برباد ہو جاتے''۔

اس کتاب حکیم میں علم نجوم کے بھی کئی نکات ہیں۔ مثلاً ارشاد ربانی ہے۔

وَ الْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ ﴿۳۹﴾ (یٰسین)

''اور (ذرا) چاند کو دیکھو ہم نے مقرر کر دی ہیں اس کے لیے منزلیں آخر کار ہو جاتا ہے کھجور کی بوسیدہ شاخ کی مانند''۔

قرآن پاک میں علم الہندسہ بھی موجود ہے۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔

اِنْطَلِقُوْۤا اِلٰى ظِلٍّ ذِیْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ﴿۳۰﴾ لَّا ظَلِیْلٍ وَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ اللَّهَبِ ﴿۳۱﴾ (المرسلات)

''چلو اس سایہ کی طرح جو تین شاخوں والا ہے۔ نہ وہ سایہ دار ہے اور نہ وہ بچاتا ہے آگ کی لپیٹ سے''۔

اس آیت طیبہ میں ایک مثلث کی طرف اشارہ ہے۔ اس کے متعلق ایسی باتیں بتائی گئیں ہیں جن کو صرف وہ لوگ ہی جان سکتے ہیں جو علم الہندسہ کے ماہر ہوتے ہیں۔

قرآن پاک میں علوم سیر، اخلاق حمیدہ، تزکیہ نفس، سابقہ امم کی خبریں، مواعظ، حکمت سے لبریز باتیں، جوامع الکلم، آخرت کے بارے معلومات ہیں۔ محاسن، آداب، ضرب الامثال، وہ اشیاء جو قیامت پر دلالت کرتی ہیں، ماضی اور مستقبل کی خبریں امر بالمعروف، نہی عن المنکر، قریبی رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی اور فساد نہ کرنے کے بارے حکم دیا گیا ہے۔ الغرض جس چیز کو انسان کی احتیاج تھی وہ اس میں بیان کر دی گئی ہے۔

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا۔

مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ (الانعام:38)

''نہیں نظر انداز کیا ہم نے کتاب میں کسی چیز کو''۔

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (النحل:89)

''اور ہم نے اتاری ہے آپ پر یہ کتاب اسمیں تفصیلی بیان ہے ہر چیز کا''۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ (اسراء:89)

''اور بلاشبہ ہم نے طرح طرح سے (بار بار) بیان کی ہیں لوگوں کیلئے اس قرآن میں ہر قسم کی مثالیں (تاکہ وہ ہدایت پائیں)''۔

ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے کہ اللہ رب العزت نے اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا۔ ''میں آپ پر تورات کی طرح کی عظیم کتاب نازل کرنے لگا ہوں۔ اس کے ذریعے آپ اندھی آنکھوں کو بینا کر دیں گے۔ بہرے کانوں کو قابل سماعت بنا دیں گے۔ غفلت کے غلافوں میں لپٹے دلوں کو بیدار کر دیں گے۔ اس میں علم کے چشمے ابل رہے ہیں۔ یہ حکمت کا مفہوم بتاتی ہے۔ یہ دلوں کی بہار ہے''

حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''قرآن مجید کو لازم پکڑو۔ بلاشبہ یہ عقل کی روشنی اور حکمت کا نور ہے''۔ ارشاد ربانی ہے۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۷۶﴾ (النمل)

''بلاشبہ یہ قرآن بیان کرتا ہے بنی اسرائیل کے سامنے اکثر ان امور (کی حقیقت) کو جن میں وہ جھگڑا کرتے ہیں''۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا۔

هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۸﴾ (آل عمران)

''یہ ایک بیان ہے لوگوں (کے سمجھانے) کیلئے اور ہدایت اور نصیحت ہے پرہیز گاروں کے واسطے''۔

اگرچہ قرآن پاک کے کلمات کم ہیں۔ اس کے الفاظ تھوڑے ہیں اس کے باوجود اللہ رب العزت نے اس میں بہت سے علوم اور معارف جمع کیے ہیں۔ یہ علوم اور معارف سابقہ کتب سے کئی گنا زیادہ ہیں۔ جبکہ ان کتب کے الفاظ قرآن حکیم سے کئی گنا زیادہ تھے۔

دلیل اور مدلول کی وضاحت

قرآن پاک کے اعجاز میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں دلیل اور مدلول کو جمع فرمایا ہے۔ قرآن کریم کا انوکھا انداز بیان، نرالا اسلوب، حسن ادائیگی، حسن تالیف، اس کا اعجاز اور اس کی بلاغت اس کی دلیل ہے۔ اس میں موجود امر، نہی، وعدہ، وعید اور دیگر تمام بلند مقاصد اس کے مدلول ہیں۔ قرآن پاک کا قاری ایک ہی کلام پاک سے اور ایک ہی سورت سے دلیل کو بھی جان لیتا ہے۔ اور مدلول کو بھی۔

حفظ میں آسانی

قرآن حکیم کے معجزہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے یاد کرنا آسان کر دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ (القمر: 17) اور بے شک ہم نے آسان کر دیا ہے قرآن کو نصیحت پذیری کیلئے۔

سابقہ امم کی عمریں اگرچہ بہت زیادہ ہوا کرتی تھیں لیکن ان کی کتابوں کو کوئی شاذ و نادر ہی یاد کر سکتا تھا۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''بنی اسرائیل میں سے کوئی شخص بھی تورات کو یاد نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اسے اوپر سے دیکھ کر پڑھتے تھے۔ تورات شریف صرف انبیائے کریم حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت یوشع اور حضرت عزیر علیہم السلام کو ہی یاد تھی۔ لیکن امت مسلمہ پر رب تعالیٰ نے یہ احسان فرمایا ہے کہ قرآن پاک حفظ کرنا اس پر آسان کر دیا ہے۔ اس کے ان گنت حفاظ ہیں بچے اس کتاب حکیم کو بالکل تھوڑی سی مدت میں یاد کر لیتے ہیں۔

تمام اجزاء میں حسن تالیف

قرآن پاک کے اعجاز کی وجوہات میں سے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس کے اجزاء ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔ اس کے تمام اجزاء میں حسن تالیف ہے۔ ایک واقعہ کا دوسرے واقعہ کے ساتھ ایک خاص تعلق ہے۔ معانی کے اختلاف کے باوجود ایک قسم سے دوسری قسم کی طرف خروج کیا گیا ہے۔ ایک ہی سورت میں امر، نہی، وعدہ، وعید، توحید کے دلائل، اثبات نبوت کے دلائل، ترتیب و ترغیب اور شریعت کے کئی احکام بیان کیے گئے ہیں۔ اسی طرح قرآن پاک میں کئی ضرب الامثال بیان کی گئی ہیں۔ طویل داستانیں بیان کی گئی ہیں۔ ان کی طوالت کے باوجود ان میں کسی قسم کا کوئی ضعف نہیں۔ ایک فصیح کلام میں جب اتنی زیادہ چیزیں جمع ہو جائیں تو اس کی قوت میں ضعف، اس کی عظمت میں کمی، اس کی رونق اور سرور میں قلت آ جاتی ہے۔ لیکن قرآن پاک ہر مقام پر فصاحت و بلاغت سے لبریز ہے۔ اسی طرح اس لاریب کتاب میں کفار کی خبریں بیان کی گئی

ہیں۔ انہیں ڈرایا اور دھمکایا گیا ہے۔ سابقہ اقوام کی ہلاکت کی لرزہ خیز داستانیں بیان کی گئی ہیں۔ کفار جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جھٹلاتے تھے ان کا حسد اور عاجزی، ان کی توہین دنیا اور آخرت میں ان کی رسوائی کا بھی تذکرہ ہے۔ اسی طرح اس میں سابقہ امم کا اپنے اپنے انبیاء کرام کو جھٹلانا۔ اللہ تعالیٰ کا انہیں وادی ہلاکت میں پھینکنا، کفار کو عذاب سے ڈرانا نیز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کفار کی اذیتوں پر تسلی اور تشفی دی گئی ہے۔ دیگر انبیائے کرام علیہم السلام مثلاً حضرت داؤد علیہ السلام حضرت سلیمان علیہ السلام، اور حضرت ایوب علیہ السلام کے قصے قرآن پاک میں موجود ہیں۔ ان تمام اشیاء کے باوجود قرآن پاک کا اعجاز اور حسن تالیف اپنی جگہ برقرار ہے۔ اس میں کسی قسم کا کوئی خلل نہیں آیا۔ نہ ہی اس کی رونق کم ہوئی۔ نہ ہی اس کی فصاحت میں کوئی فرق پڑا۔

مشہور قراتوں میں پڑھنے کی اجازت

اس کے اعجاز کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت پر کرم فرمایا ہے کہ اسے قرآن پاک کو مشہور قراءتوں میں پڑھنے کی وسعت بخشی ہے۔ جس قراءت سے بھی قرآن پاک کو پڑھا جائے اس کی فصاحت و بلاغت میں کمی واقع نہیں ہوتی۔ بلکہ فصاحت و بلاغت کا معیار برقرار رہتا ہے۔ کسی بشر کے کلام میں ایسا ہونا ناممکن ہے۔ اگر کوئی شاعر کتنا ہی بلیغ ہو۔ وہ اپنے قصیدے کی فصاحت و بلاغت کی کتنی ہی کوشش کرے۔ اگر اس کے قصیدے کے کلمات کو بدل دیا جائے تو اس کی فصاحت و بلاغت ختم ہو جاتی ہے یا اس کی فصاحت و بلاغت میں خلل آجاتا ہے۔ یہ قرآن حکیم کی شان ہے کہ اس کی فصاحت و بلاغت ہر حالت میں دائمی اور ابدی ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَ لَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا ﴿۸۸﴾ (الاسراء:88)

"(بطور چیلنج) کہہ دو کہ اگر اکٹھے ہو جائیں سارے انسان اور سارے جن اس بات پر کہ وہ لے آئیں اس قرآن کی مثل تو ہرگز نہیں لاسکیں گے اس کی مثل۔ اگرچہ وہ ہو جائیں ایک دوسرے کے مددگار"۔

نہ تو آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں کسی کو کلام پیش کرنے کی جسارت ہوئی۔ نہ ہی اس زمانہ میں کوئی اس جیسا کلام پیش کر سکا۔ یقیناً قیامت تک کوئی شخص ایسا کلام پیش نہیں کر سکے گا۔ جب عرب کے فصحاء اور بلغاء ایسا کلام پیش کرنے سے عاجز آگئے تو پھر دوسرے لوگ ایسا کلام کیسے پیش کر سکتے ہیں۔

اہل عرب جانتے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعثت سے قبل چالیس سال تک حساب و کتاب میں سے کوئی چیز نہیں سیکھی تھی آپ کا خود شاعر ہونا تو دور کی بات ہے آپ تو دوسرے شعراء کا کلام بھی نہیں پڑھتے تھے۔ آپ نے نہ تو کسی سے خبر روایت کی اور نہ ہی اثر نقل کیا۔ حتیٰ کہ رب تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل فرمادی۔ آپ کو لاریب کتاب سے نوازا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اس کتاب کے ساتھ دعوت دی اور اس کی تبلیغ فرمائی۔ ارشاد ربانی ہے۔

قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَیْكُمْ وَ لَاۤ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِیْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶﴾ (یونس)

"آپ فرمادیجئے اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو میں نہ پڑھتا اسے تم پر اور نہ ہی وہ آگاہ کرتا تمہیں اس سے۔ میں تو گزار چکا ہوں تمہارے درمیان عمر (کا ایک حصہ) اس سے پہلے کیا تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے"۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝۴۸ (العنکبوت)

"نہ آپ پڑھ سکتے تھے اس سے پہلے کوئی کتاب اور نہ ہی اسے لکھ سکتے تھے اسے اپنے دائیں ہاتھ سے (اگر آپ لکھ پڑھ سکتے) تو ضرور شک کرتے اہل باطل"۔

قرآن پاک کے اعجاز کے بے شمار اسباب ہیں۔ اس کے عجائب ان گنت ہیں۔ قرآن پاک کے معجزات کو ایک ہزار یا دو ہزار میں نہیں گنا جاسکتا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرب کو ایک سورت لانے کا چیلنج کیا لیکن وہ اس سے عاجز آ گئے، سب سے چھوٹی سورت "الکوثر" ہے۔ اس سورت کی ہر آیت معجزہ ہے۔ پھر اس سورت میں بذات خود کئی معجزات ہیں۔

حدیث قدسی ہے

"جس کو قرآن پاک نے مجھ سے التجاء کرنے اور مانگنے سے روکے رکھا تو میں اسے شاکرین سے افضل ثواب عطا کروں گا"۔

اَللّٰهُمَّ فَاجْعَلْهُ رَبِيْعَ قُلُوْبِنَا وَشِفَاءَ هُمُوْمِنَا وَغُمُوْمِنَا وَنُوْرَ اَبْصَارِنَا وَاجْعَلْنَا مِنَ الْمُنْتَفِعِيْنَ بِهٖ الْعَامِلِيْنَ بِمَا فِيْهِ وَالتَّالِيْنَ لَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (آمین ثم آمین)

چاند اشارے سے ہو چاک

معجزات کی تین اقسام ہیں (۱) وہ معجزات جو آپ کے دنیا میں جلوہ نما ہونے سے قبل رونما ہوئے (۲) وہ معجزات جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد ظہور پذیر ہوئے (۳) ایسے معجزات جن کا ظہور آپ کی ولادت سے لے کر تادم وصال ہوا۔ وہ معجزات جو آپ کے جلوہ افروز ہونے سے پہلے رونما ہوئے وہ بھی بہت زیادہ ہیں۔ جیسے قصہ فیل، انبیائے کرام علیہم السلام کا آپ کے بارے بشارات دینا۔ کاہنوں کا آپ کے بارے مژدہ جانفزا سنانا۔ یہ آپ کی نبوت کی تاسیس اور رسالت کے لیے ارھاص تھے۔ معجزات کی اس قسم کو بعض علماء نے ارہاص لکھا ہے۔ بعض نے انہیں معجزہ کہنا درست لکھا ہے۔ دوسری قسم ان معجزات کی ہے جو آپ کے وصال کے بعد رونما ہوئے۔ یہ بھی ان گنت ہیں کیونکہ ہر لمحہ ہر آن آپ کی امت مرحومہ کے اولیائے عظام کے ہاتھوں ایسی کرامات کا ظہور ہو رہا ہے جو حد و شمار سے پرے ہے۔ اولیائے کرام کی کرامات آپ کے معجزات کے تتمات ہیں۔ امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے:

والکرامات منهم معجزات ؂ حازها من نوالك الاولياء

اولیاء کرام کی کرامات درحقیقت آپ کے معجزات ہی ہیں جنہیں آپ کی نظر عنایت سے اولیائے کرام نے جمع کیا ہے۔
جہاں تک تیسری قسم کے معجزات کا تعلق ہے۔ وہ ایسے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت مبارکہ سے لے کر وصال تک رونما

ہوتے رہے۔ بعثت مبارکہ سے قبل رونما ہونے والے معجزات کو ارہاص بھی کہا جاتا ہے جیسے کہ وہ نور مبارک جس کا ظہور آپ کی ولادت کے وقت ہوا حتیٰ کہ آپ کے لیے شام اور اس کے بازار روشن ہو گئے۔ حتیٰ کہ آپ کی والدہ ماجدہ نے بصریٰ کے محلات دیکھے۔

ابن سعد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا "جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت مبارکہ ہوئی تو آپ کے ہمراہ ایک نور نکلا جس سے مشرق و مغرب روشن ہو گئے"۔ اس طرح وہ معجزات بھی ہیں جو آپ کی رضاعت کی مدت میں ظہور پذیر ہوئے۔ جیسا کہ بادلوں کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سایہ فگن ہونا۔ البتہ وہ معجزات جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت مبارکہ کے بعد رونما ہوئے ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان میں سے ایک چاند کا دو ٹکڑے ہونا بھی ہے۔ قرآن پاک نے بھی اس معجزہ کا تذکرہ کیا ہے۔

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ① وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ② (القمر)

"قیامت قریب آ گئی ہے اور چاند شق ہو گیا ہے اور اگر وہ کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہنے لگتے ہیں کہ یہ بڑا زبردست جادو ہے"۔

اس عظیم معجزہ کے متعلق روایات امام بخاری، امام مسلم، امام احمد، امام بیہقی دیگر اہل السنن نے لکھیں۔ انہوں نے یہ روایات حضرت علی المرتضیٰ، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عمر، حضرت جبیر بن مطعم، حضرت انس بن مالک، حضرت عبد اللہ بن عباس اور حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابہ کرام سے نقل کیں ہیں۔ پھر ان صحابہ کرام سے یہ روایات کثیر تعداد نے روایت کی ہیں۔ پھر ان سے ایک پوری جماعت نے نقل کیں ہیں۔ حتی کہ یہ روایات حد تواتر تک پہنچ گئیں ہیں۔

علامہ عبد الوہاب ابن السبکی نے لکھا ہے کہ انشقاق قمر کی روایات متواتر ہیں۔ علاوہ ازیں قرآن پاک میں بھی اس کا تذکرہ موجود ہے۔ صحیحین میں بھی یہ روایات موجود ہیں۔ شق القمر ایسا عظیم معجزہ ہے جو ہمارے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی اور نبی کے لیے رونما نہیں ہوا اس کا شمار آپ کے عظیم معجزات میں ہوتا ہے۔

"المواہب" میں ہے "اہل السنۃ اور مفسرین کا اجماع ہے کہ یہ بے مثال معجزہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے رونما ہوا۔ علامہ خطابی نے لکھا ہے "انشقاق قمر ایک عظیم معجزہ ہے۔ دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے معجزات میں اس جیسی کوئی چیز نہیں ملتی۔ کیونکہ اس معجزہ کا تعلق ملکوت اعلیٰ کے ساتھ ہے۔ جہان رنگ و بو کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی شق قمر ان معجزات میں سے ہے جن کو ظاہر کرنے کے لیے کسی حیلہ کے ذریعے کوشش کی جا سکے۔ اسی لیے یہ رسالت مصطفویہ کی صداقت کی دلیل بن گیا۔

صحیحین میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "عہد رسالت مآب میں چاند دو حصوں میں منقسم ہو گیا تھا۔ ایک ٹکڑا پہاڑ پر جب کہ دوسرا دور جا گرا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اس کا مشاہدہ کر لو"۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اہل مکہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے التجاء کی کہ آپ انہیں کوئی نشانی دکھائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں چاند کو دو ٹکڑوں میں منقسم کر دکھایا۔ یہ معجزہ ہجرت سے پانچ سال قبل رونما ہوا تھا۔ اس وقت حضرت انس رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ میں تھے۔ ان کی عمر

بہت چھوٹی تھی۔ البتہ انہوں نے یہ روایت حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بیان کی ہے۔ اس طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی کسی اور صحابی سے سن کر ہی یہ معجزہ روایت کیا کیونکہ وہ اس وقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ امام بیہقی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ اس آیت مبارکہ

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ① (القمر) کے متعلق انہوں نے فرمایا ''یہ معجزہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد ہمایوں میں رونما ہوا تھا۔ چاند دو حصوں میں منقسم ہو گیا تھا۔ ایک حصہ پہاڑی کے اوپر اور دوسرا پہاڑی سے پرے جا گرا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''گواہ بن جاؤ''۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں چاند دو حصوں میں منقسم ہو گیا تھا۔ ایک حصہ اس پہاڑی پر دوسرا حصہ دوسرے پہاڑ پر جا گرا تھا۔ کفار مکہ نے کہا ''محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جادو کر دیا ہے''۔ ابوجہل نے کہا تھا ''اگر انہوں نے ہم پر جادو کر دیا ہے تو پھر سارے لوگوں پر تو جادو نہیں کر سکتے''۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کفار قریش نے کہا ''ابن ابی کبشہ نے تم پر جادو کر دیا ہے''۔ ان میں سے ایک شخص نے کہا ''اگر محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جادو کر دیا ہے تو ان کا سحر سارے زمین میں تو نہیں پھیل سکتا۔ ان مسافروں سے اس واقعہ کے متعلق پوچھ لو جو کسی دوسرے شہر سے آئے ہیں''۔ انہوں نے مسافروں سے پوچھا تو انہوں نے بھی کہا کہ انہوں نے چاند کو دو حصوں میں تقسیم ہوتے دیکھا ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں چاند دو حصوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔ کفار مکہ نے کہا ''یہ تو ابن ابی کبشہ کا جادو ہے'' پھر انہوں نے کہا ''کسی دور دراز کے علاقوں سے آنے والے مسافروں سے پوچھ لو۔ وہ سارے لوگوں پر تو جادو نہیں کر سکتے''۔ مسافر آئے تو انہوں نے بھی کہا کہ انہوں نے چاند کو دو حصوں میں تقسیم ہوتے دیکھا ہے۔

امام بیہقی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ مکہ مکرمہ میں چاند شق ہوا۔ کفار مکہ نے کہا ''ابن ابی کبشہ نے تم پر جادو کر دیا ہے۔ دیگر کفار سے اس واقعہ کے متعلق پوچھ لو۔ اگر انہوں نے بھی چاند کو دو حصوں میں بٹتے دیکھا ہو تو پھر یہ سچے ہیں۔ یہ سارے لوگوں پر تو جادو نہیں کر سکتے۔ اگر مسافروں نے اس واقعہ کا مشاہدہ نہ کیا جس کا تم نے مشاہدہ کیا ہے تو پھر یہ جادو ہے'' اہل مکہ نے مسافروں سے پوچھا جو دور دراز کے علاقوں سے آئے تھے۔ انہوں نے کہا ''ہم نے بھی چاند کو دو حصوں میں منقسم ہوتے دیکھا ہے''۔ یہ سن کر کفار نے کہا ''یہ تو بڑا زبردست جادو ہے''۔

ابونعیم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا ''مشرکین بارگاہ رسالت مآب میں جمع ہوئے۔ ان مشرکین میں ولید بن مغیرہ، ابوجہل، عاص بن وائل، اسود بن مطلب، نضر بن حارث اور ان جیسے دیگر سردار بھی شامل تھے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی ''اگر آپ سچے ہیں تو ہمیں چاند دو حصوں میں منقسم کر کے دکھائیں''۔ آپ نے

چاند کو شق کر دیا۔

ایک اور روایت کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اگر میں نے تمہارے لیے چاند کو دو حصوں میں منقسم کر دیا تو کیا تم ایمان لے آؤ گے؟ قریش نے کہا "ہاں"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب تعالیٰ کے حضور اس معجزہ کی التجاء کر دی۔ چاند دو حصوں میں منقسم ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آواز دی "فلاں! فلاں! گواہ رہو!" امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ چاند حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک زمانہ میں شق ہو گیا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اگرچہ یہ واقعہ دیکھا نہ تھا۔ مگر انہوں نے اسے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا تھا۔

امام عبدالرزاق اور امام بیہقی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں نے چاند کو دیکھا وہ دو حصوں میں منقسم ہو کر گر پڑا تھا۔ اس کا ایک حصہ کوہ ابی قبیس پر جب کہ دوسرا حصہ سویداء پر تھا"۔

المواہب کی شرح میں ہے کہ کوہ ابی قبیس سے تعبیر کرنا بعض راویوں کی اپنی تبدیلی ہے۔ کیونکہ روایت کا مدعا یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے چاند کو یوں دیکھا کہ اس کا ایک ٹکڑا ایک پہاڑ پر جب کہ اس کا دوسرا ٹکڑا دوسرے پہاڑ پر تھا۔ یہ دوسری روایت میں اس قول کے مخالف ہے جس میں تذکرہ ہے "میں نے ان دونوں ٹکڑوں کے مابین پہاڑ دیکھا" کیونکہ جب چاند کا ایک ٹکڑا پہاڑ کے دائیں طرف گر گیا تو اس راوی کی بات بھی سچ ہو گئی یعنی ان کے درمیان ایک اور پہاڑ تھا جو اس کے دائیں یا بائیں سمت تھا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت منیٰ میں تشریف فرما تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی روایات میں ہے کہ آپ اس وقت مکہ مکرمہ میں تھے۔ ان دونوں روایات میں تعارض نہیں۔ کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مراد یہ ہے "یہ معجزہ اس وقت رونما ہوا تھا جب کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ میں جلوہ نما تھے۔ ابھی تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ ہجرت نہیں فرمائی تھی"۔ منیٰ والی روایت بھی درست ہے کیونکہ منیٰ مکہ مکرمہ میں ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی روایات میں تو یہ صراحت بھی موجود ہے انہوں نے فرمایا "جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد ہمایوں میں شق القمر ہوا تو اس وقت ہم مکہ مکرمہ میں تھے۔ ابھی تک ہجرت کر کے مدینہ طیبہ نہیں آئے تھے۔ اس سے یہی عیاں ہوتا ہے کہ اس سے مراد مکہ مکرمہ کا ذکر کرنا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول روایت میں ہے کہ یہ معجزہ ہجرت سے قبل رونما ہوا تھا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ شق القمر کا معجزہ کئی بار ظہور پذیر ہوا تھا۔ ایک دفعہ مکہ مکرمہ میں، ایک دفعہ منیٰ میں۔ ایک روایت کے مطابق چاند عصر سے لے کر رات تک دو حصوں میں منقسم رہا۔ یہ احتمال بھی ہے کہ وہ منیٰ میں ہوں۔ پھر مکہ مکرمہ آ گئے ہوں۔ ایک دفعہ انہوں نے حراء اور ایک دفعہ کوہ ابی قبیس کا ذکر کیا ہے۔

ابونعیم نے دلائل میں ذکر کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ چودھویں کی شب چاند دو حصوں میں تقسیم ہوا۔ اس کا نصف حصہ صفا اور نصف حصہ مروہ پر تھا۔ یہ عصر سے لے کر رات تک اسی طرح رہا۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ دونوں حصے دور دور گرے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار مکہ کو پہلے ایک حصہ دکھایا۔ فرمایا "گواہ رہو! پھر دوسرا حصہ دکھایا تو فرمایا "گواہ رہو!" اس لیے بعض روایات کو اس امر پر محمول کیا جائے گا کہ یہ معجزہ دو بار ظہور پذیر ہوا۔ بعض سیرت نگاروں نے یقین

کے ساتھ یہ لکھا ہے کہ انشقاق قمر کا معجزہ دوبار رونما ہوا۔ اس لیے ان تمام روایات میں کوئی تعارض نہ رہا۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے الشفاء میں لکھا ہے "تمام مفسرین اور اہل سنت کا اس بات پر اجماع ہے کہ یہ معجزہ رونما ہوا تھا۔ اس کے متعلق احادیث بھی متواترہ ہیں اس لیے کسی احمق کے اس اعتراض کی طرف کوئی توجہ نہیں دی جائے گی کہ اگر یہ انشقاق قمر کا معجزہ ہوتا تو اہل ارض پر یہ مخفی نہ رہتا۔ کیونکہ چاند ایک ایسی چیز ہے جو سب کے لیے عیاں ہے۔ اسے جو جواب دیا جائے گا اس کا لب لباب یہ ہے کہ ہمیں سارے اہل زمین کے متعلق یہ خبر نہیں ملی کہ وہ اس رات چاند کو دیکھ رہے تھے۔ وہ اس کے مطلع کو بغور دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے چاند کو شق ہوتے نہ دیکھا۔ بلکہ اگر فرض کر لیا جائے کہ وہ لوگ چاند کو دیکھ رہے ہوں تو پھر بھی یہ ہمارے خلاف دلیل نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ سارے روئے زمین کے لیے چاند ایک حصہ میں ہو نہیں سکتا کیونکہ اس کے مطالع کے اختلاف کی بنا پر اس کے احوال میں بھی فرق ہوتا ہے۔ ایک رات کسی ایک شہر میں تو یہ طلوع ہوتا ہے جب کہ دوسرے شہر میں نظر نہیں آتا کسی قوم پر پہلے اور کسی پر بعد میں نمودار ہوتا ہے۔ یا اس کے اور لوگوں کے مابین بادل حائل ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے چاند گرہن بعض علاقوں میں ہوتا ہے بعض میں نہیں ہوتا۔ بعض جگہ میں جزوی اور بعض مقامات پر کلی ہوتا ہے بعض مقامات پر اسے صرف صاحب علم ہی پہچان سکتے ہیں۔

ذٰلِكَ تَقۡدِيۡرُ الۡعَزِيۡزِ الۡعَلِيۡمِ ﴿۳۸﴾ (یٰسین: 38)

"یہ اندازہ مقرر کیا ہوا ہے اس (خدا کا) جو عزیز (اور) علیم ہے"۔

شق قمر کا معجزہ رات کے وقت رونما ہوا تھا۔ رات کے وقت لوگ عموماً آرام کرتے ہیں۔ دروازے بند اور مصروفیت ختم ہوتی ہے آسمانی امور کو صرف وہی دیکھ پاتا ہے جس نے آسمان کی طرف نظریں گاڑیں ہوں اور انتہائی توجہ سے دیکھ رہا ہو۔ کئی دفعہ ایسا ہوا ہے کہ شہروں میں چاند گرہن لگتا ہے لیکن لوگوں کو اس کا علم نہیں ہوتا۔ بسا اوقات ثقہ لوگ عجیب انوار، ستاروں کے طلوع ہونے اور عظیم امور کا تذکرہ کرتے ہیں جو رات کے وقت آسمانوں پر ظاہر ہوتے ہیں۔ لیکن لوگوں کی اکثریت انہیں نہیں جانتی۔ اس کے علاوہ قریش مکہ نے آفاق کے بہت سے لوگوں سے اس واقعہ کے متعلق پوچھا۔ ان لوگوں نے انہیں بتایا تھا کہ انہوں نے یہ معجزہ نمائی دیکھی تھی۔ جسے سن کر قریش مکہ نے کہا تھا "زبردست جادو ہے" ان کو یہ بات مسافروں نے بتائی تھی۔ کیونکہ اکثر مسافر رات کو چاند کی چاندنی میں رات بسر کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ دیگر لوگوں پر نیند غالب ہوتی ہے لیکن اس واقعہ میں تواتر ہونا ہی کافی ثبوت ہے۔ اگر یہ اہل آفاق پر مخفی بھی رہا ہو۔

بعض ملحد فلسفی کہتے ہیں "اجرام فلکیہ میں پھٹن اور شگاف نہیں ہوسکتا۔ شب معراج میں آسمانوں کے دروازوں کے بارے بھی وہ یہی کہتے ہیں۔ وہ روز حشر سورج کو تہ کر دینے کے بارے بھی یہی کہتے ہیں۔

ان کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس مسئلہ میں عقل کو انکار کی گنجائش نہیں۔ چاند اللہ رب العزت کی مخلوق ہے۔ وہ اس کے ساتھ جس طرح چاہے کرے۔

روایت ہے کہ حضرت ابوبکر بن الطیب رحمۃ اللہ علیہ کو جب صاحب دولہ نے روم کے بادشاہ کے لیے قسطنطنیہ بھیجا اور روم کے

بادشاہ کو بتایا کہ یہ مسلمانوں کے جید علماء میں سے ہیں تو ایک پادری ان کے ساتھ مناظرہ کرنے کے لیے آیا۔ اس نے کہا ''تمہارا گمان ہے کہ تمہارے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے چاند شق ہو گیا۔ کیا چاند کے ساتھ تمہاری رشتہ داری ہے حتیٰ کہ صرف تم نے ہی اسے دیکھا۔ کسی اور نے نہ دیکھا'' انہوں نے اسے کہا ''کیا تمہارے اور مائدہ کے مابین اخوت اور نسبی تعلق تھا کہ صرف اسے تم نے ہی دیکھا۔ اسے یہودی، یونانی اور مجوسی نہ دیکھ سکے جو اس کا انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ تمہارے پڑوس میں تھے''۔ یہ سن کر وہ پادری لاجواب ہو گیا اس سے جواب نہ بن پڑا۔

تنبیہ

یہ جو بعض قصہ گو لوگوں نے گھڑ لیا ہے کہ چاند حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلو میں داخل ہو گیا اور آپ کی آستین سے نکل آیا۔ اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ سے ان دو افراد کے متعلق سوال کیا گیا جو انشقاق قمر کے متعلق جھگڑا کریں۔ ان میں سے ایک کہے کہ چاند دو حصوں میں منقسم ہو گیا تھا۔ ان میں سے ایک ٹکڑا آپ کی ایک آستین سے داخل ہو کر دوسری آستین سے نکل گیا تھا۔ جب کہ دوسرا شخص کہے کہ نہیں۔ بلکہ دونوں حصے آپ کے سامنے نازل ہوئے تھے۔ آپ کی آستین میں کوئی بھی داخل نہیں ہوا تھا۔ انہوں نے جواب دیا ''یہ دونوں غلط ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ چاند آسمان پر اپنی جگہ پر موجود ہوتے ہی شق ہوا تھا۔ اس کا ایک ٹکڑا پہاڑ پر جب کہ دوسرا اس سے دور جا گرا۔ صحیحین میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہی ثابت ہوتا ہے۔

سورج الٹے پاؤں پلٹے

حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی رفیقہ حیات حضرت اسماء بنت عمیس الخثعمیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ نکاح فرمالیا۔ پھر ان کے وصال کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنے حبالہ عقد میں لے لیا۔ ان سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نزول وحی کی کیفیت تھی۔ سر اقدس حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی آغوش میں تھا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عصر کی نماز ادا نہ کی۔ حتیٰ کہ آفتاب غروب ہو گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''علی! کیا آپ نے نماز پڑھ لی ہے؟'' انہوں نے عرض کیا ''نہیں''۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا مانگی ''مولا! علی تیری اور تیرے رسول (مکرم) کی اطاعت میں تھے۔ ان پر سورج واپس لوٹا دے''۔ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے فرمایا ''میں نے سورج کو دیکھا وہ غروب ہو چکا تھا۔ غروب کے بعد پھر میں نے اسے طلوع ہوتے دیکھا۔ یہ پہاڑ پر آ کر رک گیا۔ یہ واقعہ خیبر میں صہباء کے مقام پر رونما ہوا تھا''۔ اس روایت کو امام ابو جعفر الطحاوی نے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں ''حضرت احمد بن صالح مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے ''علم کے شیدائی کو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی حدیث مبارک کو یاد کرنے میں سستی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ یہ علامات نبوت میں سے ہے''۔ حضرت احمد بن صالح رحمۃ اللہ علیہ ثقہ اور کبار آئمہ احادیث میں سے ہیں۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں ان سے روایت کیا ہے۔ اگر ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو اپنی کتاب ''الموضوعات'' میں ذکر کیا ہے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ انہوں نے بہت سی صحیح احادیث بھی اس کتاب میں درج کر دیں ہیں۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے "آپ حیران ہوں گے کہ امام ابن جوزی نے ایسی روایات کو بھی موضوع کہا ہے جنہیں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے"۔

المواہب میں ہے کہ رجعت شمس کی روایت کو امام طحاوی اور قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح کہا ہے۔ امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے "تمہارے لیے یہی کافی ہے"۔ ابن مندہ اور ابن شاہین نے حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کی اس روایت کو حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ابن مردویہ نے اسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حسن سند سے روایت کیا ہے۔ امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے اپنی معجم الکبیر میں حسن سند سے روایت کیا ہے۔ جیسا کہ امام شیخ الاسلام، قاضی القضاۃ ولی الدین العراقی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح التقریب میں اسے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ اس روایت کے الفاظ یہ ہیں "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صہباء کے مقام پر نماز ظہر ادا کی۔ پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو کسی ضروری کام کے لیے بھیج دیا۔ جب وہ واپس آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز عصر ادا فرما چکے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا سر اقدس حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی آغوش میں رکھا اور محو استراحت ہو گئے۔ انہوں نے حرکت نہ کی۔ حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیدار ہوئے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے استفسار فرمایا "کیا آپ نے نماز پڑھ لی ہے؟"۔ انہوں نے عرض کی "نہیں"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دست دعا بلند فرما دیئے۔ عرض کی "مولا! تیرے بندے علی نے اپنے آپ کو تیرے نبی کی خدمت میں محبوس کر دیا۔ اس پر سورج لوٹا دے تا کہ وہ نماز ادا کر سکے"۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں "پھر سورج طلوع ہو گیا حتیٰ کہ اس کی دھوپ پہاڑوں پر اور زمین پر پڑنے لگی۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اٹھے وضو کیا اور نماز عصر ادا کی۔ پھر سورج غروب ہو گیا۔ یہ معجزہ صہباء کے مقام پر رونما ہوا تھا"۔

حضرت امام طبرانی نے یہ روایت حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے دیگر الفاظ میں کی ہے۔ انہوں نے فرمایا "خیبر کے روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی مال غنیمت تقسیم کرنے میں مشغول رہے۔ حتیٰ کہ آفتاب غروب ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "علی! کیا آپ نے نماز عصر پڑھ لی ہے؟"۔ انہوں نے عرض کی "نہیں یا رسول اللہ!"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو فرمایا ایک جگہ تشریف فرما ہو گئے۔ زبان اقدس سے ایک بار کلمات ادا فرمائے۔ گویا کہ وہ اہل حبشہ کی زبان کے تھے۔ سورج واپس عصر کے وقت پر لوٹ آیا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اٹھے۔ وضو کیا۔ نماز عصر ادا کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر پہلے جیسے الفاظ دہرائے۔ سورج مغرب کی طرف لوٹ گیا۔ میں نے اس کی اس طرح کی آواز سنی گویا کہ آری لکڑی چیر رہی ہے۔ پھر بعد میں ستارے نظر آنے لگے"۔

امام الطبرانی نے معجم الکبیر میں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نزول وحی کی کیفیت بڑی گراں گزرتی تھی۔ ایک دن نزول وحی کی کیفیت طاری ہوئی۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سر اقدس حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی گود میں تھا۔ جب نزول وحی کی کیفیت اختتام پذیر ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "علی! کیا نماز پڑھ لی ہے؟"۔ انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبان اقدس سے دو یا تین کلمات کہے۔ سورج واپس لوٹ آیا۔ حتیٰ کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے نماز عصر ادا کی۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے فرمایا "میں نے آفتاب جہانتاب کو دیکھا کہ وہ غروب ہونے کے بعد طلوع ہو گیا۔ حتیٰ کہ

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے نماز عصر ادا کر لی''۔

احادیث طیبہ کے قواعد میں سے ایک اصول یہ بھی ہے کہ متعدد اسناد سے حدیث کی صحت میں اضافہ ہوتا ہے۔

امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے المواہب کی شرح میں لکھا ہے کہ یہ عجیب حسین اتفاقات میں سے ہے کہ حضرت ابومظفر واعظ رحمۃ اللہ علیہ ایک دن غروب آفتاب کے قریب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فضائل بیان کر رہے تھے۔ ان کے لیے رونما ہونے والے اس معجزہ رجعت شمس کا بھی ذکر کیا۔ آسمان پر گھرے بادل چھائے ہوئے تھے۔ لوگوں نے گمان کیا کہ سورج غروب ہو گیا ہے۔ وہ واپس جانے کا ارادہ کر رہے تھے۔ اچانک مطلع صاف ہو گیا۔ سورج آب و تاب سے چمکنے لگے۔ انہوں نے لوگوں کو بیٹھ جانے کا اشارہ کیا اور فی البدیہ یہ اشعار کہے۔

لا تغربي يا شمس حتى تنتهي مدحي لآل المصطفى ولنجله

اے سورج نہ ڈوب۔ حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل پاک اور آپ کے فرزند دلبند کی مدح ختم ہو جائے۔

و اثني عنك ان اردت ثناءهم نسيت اذ كان الوقوف لاجله

اگر میں نے ان کی تعریف کا ارادہ کیا ہے تو تیری ہی تعریف کروں گا اور اگر وقوف اسی سبب سے ہو تو وہیں بھول جاؤں گا۔

ان كان للمولى وقوفك فليكن هذا الوقوف لخيله و لرجله

اگر تو ایک روز میرے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے رکا تھا تو اب ان کے ان غلاموں کے لیے رک جا جو سوار اور پیادہ ہیں۔

امام طبرانی نے اپنی معجم الاوسط میں حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورج کو حکم دیا کہ وہ غروب نہ ہو۔ حتیٰ کہ قریش کا وہ کارواں آجائے جسے آپ نے شب معراج ملاحظہ فرمایا تھا۔ پھر قریش کو فرمایا کہ وہ کارواں فلاں دن آجائے گا۔ دن ڈھل گیا۔ لیکن کارواں نہ آیا۔ سورج ایک ساعت تاخیر سے غروب ہوا حتیٰ کہ وہ قافلہ آ گیا۔

امام المغازی حضرت ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج کا شرف نصیب ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قوم قریش کو کارواں اور ان کے اونٹ کی علامت بتائی تو انہوں نے عرض کی ''وہ کارواں کب پہنچے گا؟''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''بدھ کے روز''۔ جب بدھ کا دن آیا تو قریش دور دور تک اس کارواں کو تاڑنے لگے، دن ختم ہونے کے قریب تھا۔ رات چھانے والی تھی۔ لیکن ابھی تک کارواں نہیں پہنچا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی تو دن میں ایک ساعت کا اضافہ کر دیا گیا۔ اللہ رب العزت نے اپنی قدرت کاملہ کے ساتھ سورج کو روکے رکھا۔ حتی کہ وہ کارواں غروب آفتاب سے پہلے پہنچ گیا۔ وہ روایت جس میں تذکرہ ہے ''حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے علاوہ کسی اور کے لیے سورج نہیں روکا گیا''۔ اس معنی پر محمول ہو گی کہ انبیائے کرام علیہم السلام میں سے میرے علاوہ کسی اور کیلئے سورج نہیں روکا گیا۔ سوائے یوشع بن نون علیہ السلام کے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے ''یہ حصر ان انبیائے کرام کے لیے ہے جو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے تشریف لائے۔ اس روایت میں یہ تذکرہ نہیں کہ بعد میں اسے نہیں روکا جائے گا۔ حضرت یوشع علیہ السلام کے لیے سورج روک لینا یہ حضرت

علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لیے روک لینے کے منافی نہیں۔ کیونکہ حضرت یوشع علیہ السلام کے لیے غروب سے پہلے سورج روک لیا گیا اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لیے غروب کے بعد سورج واپس لوٹایا گیا۔

حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے لیے سورج اس وقت روکا گیا جب حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے وصال کے بعد انہوں نے جبارین کے ساتھ جہاد کیا۔ حضرت یوشع علیہ السلام حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے خلیفہ تھے۔ انہوں نے رب تعالیٰ سے التجاء کی وہ انہیں ارض مقدسہ کے پتھر پھینکنے کے فاصلہ کے برابر قریب کر دے۔ جمعۃ المبارک کے روز انہوں نے جبارین کے ساتھ جہاد کیا۔ جب سورج غروب ہونے کے قریب ہوا تو انہیں اندیشہ لاحق ہوا کہ ان سے فارغ ہونے سے قبل سورج غروب نہ ہو جائے اور ہفتہ کا دن شروع نہ ہو جائے اور اس روز ان کے ساتھ قتال جائز نہ رہے۔ انہوں نے رب تعالیٰ سے التجاء کی۔ اللہ تعالیٰ نے سورج کو ایک ساعت روکے رکھا۔ حتیٰ کہ وہ ان کے قتل سے فارغ ہو گئے۔

ایک روایت ہے کہ پہلے علم نجم صحیح تھا۔ جب حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے لیے سورج روک دیا گیا تو اس کا اکثر حصہ باطل ہو گیا۔ جب اسے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لیے لوٹایا گیا تو یہ سارا باطل ہو گیا۔

دیں گواہی شجر

درختوں کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کلام کرنا، ان کا اطاعت بجالانا اور آپ کی رسالت کی گواہی دینے کی روایات کثیر اور شہیر ہیں۔ اہل سنن نے انہیں کثیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے۔ جن میں حضرت عمر فاروق، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت اسامہ بن زید، حضرت انس بن مالک اور حضرت یعلی بن مرہ رضی اللہ عنہم جیسی جلیل القدر ہستیاں شامل ہیں۔ پھر ان سے کثیر تابعین نے یہ روایات نقل کی ہیں۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے شفاء میں لکھا ہے "اتنی شہرت ہوتے ہوئے یہ روایات بہت قوی ہو گئی ہیں"۔ حضرت علامہ شہاب خفاجی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر کیا ہے "یعنی کثیر صحابہ کرام نے انہیں روایت کیا ہے ان سے کثیر تابعین نے انہیں روایت کیا ہے۔ حتی کہ یہ تواتر معنوی تک جا پہنچی ہیں۔ یہ قوت کے اس مرتبہ پر ہیں کہ ان میں کوئی دانا شخص شک نہیں کر سکتا"۔

امام بیہقی، امام بزار، امام دارمی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "ہمیں ایک سفر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت کا شرف حاصل تھا۔ ایک اعرابی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا "اعرابی کہاں جا رہے ہو؟" اس نے عرض کی "اپنے اہل خانہ کے پاس"۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "کیا تمہاری راہ نمائی خیر کی طرف کی جائے؟" اعرابی نے عرض کی "وہ کیا ہے؟"۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تم یہ گواہی دو کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ وہ وحدہ لاشریک ہے۔ محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کے بندے اور رسول ہیں"۔ اس اعرابی نے عرض کی "آپ کے اس فرمان کی گواہی کون دے گا؟"۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "یہ سمرہ (درخت) جو وادی کے کنارے واقع ہے"۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے درخت کو اشارہ کیا تو درخت اپنی جڑوں سے زمین چیرتا ہوا آیا۔ حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آ کر کھڑا ہو

گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے تین بار گواہی دینے کا حکم دیا۔ اس درخت نے گواہی دی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول برحق ہیں۔ پھر درخت اپنی جگہ پر چلا گیا۔ اعرابی اپنی قوم کے پاس چلا گیا۔ جانے سے پہلے اس نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر میری قوم نے میری اتباع کر لی تو اسے لے کر آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو جاؤں گا۔ ورنہ اکیلے ہی آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو جاؤں گا اور آپ کے ساتھ ہی رہوں گا''۔

امام بزار نے حضرت بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اعرابی نے ایسی نشانی مانگی جو آپ کی نبوت پر دلالت کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے فرمایا ''اس درخت سے کہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تجھے بلا رہے ہیں۔ اس اعرابی نے اس درخت کو بلایا۔ وہ درخت دائیں بائیں آگے اور پیچھے جھکا۔ اس کی جڑیں کٹ گئیں۔ پھر اپنی جڑوں سے زمین چیرتے ہوئے بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو گیا۔ اس نے یوں سلام عرض کیا ''السلام علیک یا رسول اللہ''۔ اعرابی نے عرض کی ''اب اسے حکم دیں کہ اپنی پہلی جگہ پر چلا جائے۔ وہ درخت اپنی پہلی جگہ پر چلا گیا۔ اس کی جڑیں پہلی جگہ پر چلی گئیں۔ وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اس اعرابی نے عرض کی ''مجھے اذن مرحمت فرمائیں کہ میں آپ کو سجدہ کروں''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا؟؟ اگر میں مخلوق میں سے کسی کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے''۔ اعرابی نے عرض کی ''مجھے اذن عطا فرمائیں کہ میں آپ کے دست اقدس اور پاؤں مبارک پر بوسہ دوں'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اجازت دے دی۔

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ لیلۃ الجن میں جنات نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گزارش کی کہ کون چیز گواہی دے گی کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول برحق ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''یہ درخت'' پھر آپ نے اس درخت کو گواہی دینے کے لیے بلایا۔ وہ درخت جڑیں کھینچتا ہوا آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو گیا۔

رکانہ پہلوان کا قصہ پہلے گزر چکا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے فرمایا ''اسلام لے آؤ'' اس نے کہا ''ہرگز نہیں۔ حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ کو علامت دکھا دیں''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اگر میں نے تجھے کوئی نشانی دکھا دی تو کیا تو اسلام قبول کر لے گا؟ اس نے کہا ''ہاں''۔ اس کے پاس ہی سمرہ کا درخت تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے فرمایا ''اللہ تعالیٰ کے حکم سے آجا'' وہ درخت دو حصوں میں منقسم ہو گیا۔ اس کا نصف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور رکانہ کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ رکانہ نے عرض کی ''آپ نے مجھے عظیم امر دکھایا ہے۔ اس درخت کو حکم دیں کہ وہ واپس چلا جائے''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اگر میں نے اسے حکم دیا اور یہ واپس چلا گیا تو کیا تو اسلام لے آئے گا؟ اس نے کہا ''ہاں''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس درخت کو حکم دیا وہ درخت واپس اپنی جگہ پر چلا گیا۔ اس کا تنا اور شاخیں دوسرے نصف کے ساتھ مل گئیں۔ آپ نے رکانہ سے فرمایا ''اسلام لے آ''۔ مگر اس نے انکار کر دیا۔ وہ عام الفتح تک اپنے کفر پر اڑا رہا۔ پھر اسی سال اسلام کی دولت لازوال سمیٹ لی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں 42ھ کو وفات پائی۔

امام بیہقی نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعثت سے قبل اور اسلام کے قوی ہو جانے سے پہلے بارگاہ ربوبیت میں عرض کی کہ قریش مکہ آپ کو خوفزدہ کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رب تعالیٰ سے عرض کی کہ وہ آپ

کو ایسی نشانی دکھائے جس کی وجہ سے مخالفین کی مخالفت آپ پر گراں نہ گزرے۔ اللہ رب العزت نے آپ ﷺ پر وحی فرمائی کہ آپ ﷺ فلاں وادی میں تشریف لے چلیں۔ اس میں فلاں درخت ہے۔ اس میں سے ایک شاخ کو اپنی طرف بلائیں۔ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو جائے گی۔ حضور مالک کون ومکان نے اس طرح کیا۔ وہ شاخ بریدہ زمین پر چلتی ہوئی آئی اور آپ ﷺ کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ آپ نے اسے کچھ دیر اپنے سامنے ٹھہرنے کی اجازت دی۔ پھر فرمایا ''اسی طرح واپس چلی جا جس طرح آئی تھی''۔ وہ شاخ واپس چلی گئی۔ حضور ﷺ نے فرمایا ''مجھے علم ہو گیا کہ اب ان کی مخالفت کا مجھے کوئی اندیشہ نہیں''۔ امام بزار، امام ابو یعلی اور امام بیہقی نے بھی اس قسم کی روایت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ جس میں ذکر ہے کہ حضور ﷺ نے بارگاہ ربوبیت میں عرض کی ''مجھے ایسی نشانی دکھا جس کے بعد جھٹلانے والوں کی پرواہ نہ ہو''۔ پھر انہوں نے یہ روایت بیان کی۔

امام بخاری نے تاریخ میں، امام ترمذی، امام بیہقی اور امام دارمی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک اعرابی بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوا۔ اس نے کہا ''میں کس طرح جان لوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول برحق ہیں''۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''اگر میں کھجور کے اس خوشے کو اپنے پاس بلالوں تو تو ایمان لے آئے گا''۔ اس نے عرض کی ''ہاں''۔ آپ نے کھجور کے خوشے کو اپنے پاس بلایا تو وہ چھلانگیں مارتا ہوا آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ آپ نے اسے فرمایا ''واپس لوٹ جا''۔ وہ اپنی جگہ پر چلا گیا۔ یہ معجزہ نمائی دیکھ کر وہ اعرابی مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ ایک اور روایت میں ہے۔ وہ خوشہ کھجور کے درخت سے آہستہ آہستہ اترا۔ زمین پر آیا۔ کبھی سر جھکاتے، کبھی سر اٹھاتے بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو گیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا ''واپس چلا جا'' وہ خوشہ واپس چلا گیا۔ وہ اعرابی اسلام لے آیا۔ اس نے عرض کی ''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں''۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک دن جبرائیل امین علیہ السلام بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے، آپ ﷺ غمزدہ بیٹھے ہوئے تھے۔ جسم اقدس سے خون مبارک رواں تھا۔ بعض اہل مکہ نے آپ کو جھٹلایا اور آپ کو مارا۔ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے عرض کی ''یا رسول اللہ! ﷺ چہرۂ انور سے غم کی کیفیت عیاں ہے'' آپ ﷺ نے فرمایا ''میرے ساتھ اہل مکہ نے یہ سلوک کیا ہے'' حضرت جبرئیل امین نے عرض کی ''کیا میں آپ کو ایسی نشانی نہ دکھاؤں جس سے آپ کا یہ سارا غم ختم ہو جائے''۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ''ضرور'' حضرت جبرائیل امین نے اس وادی میں دیکھا۔ انہوں نے اس میں ایک درخت دیکھا۔ انہوں نے عرض کی ''آپ اس درخت کو بلائیں'' حضور اکرم ﷺ نے اسے بلایا وہ چلتا ہوا آیا۔ آپ کی خدمت میں آکر کھڑا ہو گیا۔ پھر انہوں نے عرض کی کہ اب آپ اسے حکم دیں کہ یہ اپنی جگہ پر چلا جائے۔ حضور ﷺ نے اسے حکم دیا وہ اپنی جگہ پر چلا گیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا ''مجھے کافی ہے، مجھے کافی ہے''۔ دوسری روایت کے مطابق آپ ﷺ نے فرمایا ''اب مجھے پرواہ نہیں کہ مجھے کون جھٹلاتا ہے''۔ جب جمادات نے آپ کی اطاعت کر لی تو یہ اس امر پر دلالت تھی کہ لوگ بھی آپ کی اطاعت کر لیں گے۔ لیکن اس تاخیر میں کوئی حکمت کارفرما ہے۔ اس روایت کو امام

دارمی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ اور امام بیہقی نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

امام احمد، امام الطبرانی اور امام بیہقی نے حضرت یعلیٰ بن مرہ ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''ہمیں ایک سفر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت کا شرف حاصل تھا۔ ہم عازم سفر رہے۔ پھر ایک جگہ خیمہ زن ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محو استراحت ہو گئے۔ ایک درخت زمین چیرتا ہوا آیا۔ حتیٰ کہ اس نے آپ کو ڈھانپ لیا۔ دوسری روایت میں ہے اس نے آپ کا طواف کیا۔ پھر اپنی جگہ لوٹ گیا۔ جب آپ بیدار ہوئے تو میں نے اس واقعہ کا تذکرہ آپ سے کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''یہ ایک درخت ہے جس نے اپنے رب سے اجازت مانگی کہ وہ مجھے سلام عرض کرے۔ اللہ رب العزت نے اسے اجازت مرحمت فرمادی''۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''ایک سفر میں ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ عازم سفر تھے۔ حتیٰ کہ ہم ایک وسیع وادی میں قیام پذیر ہوئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے۔ میں نے بھی پانی کا برتن لیا اور آپ کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نظر فرمائی تو آپ کو ایسی چیز نظر نہ آئی جس کے پیچھے آپ قضائے حاجت فرما سکیں۔

وادی کے دور کنارے پر دو درخت تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس میں سے ایک کی طرف تشریف لے گئے۔ اس کی ایک شاخ کو پکڑا۔ اور فرمایا ''اللہ کے حکم کے ساتھ میرے ساتھ چلنے لگ جا'' وہ ایک فرمانبردار اونٹ کی طرح آپ کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ پھر آپ دوسرے درخت کے پاس تشریف لے گئے۔ اسے بھی اسی طرح فرمایا۔ پھر ان دونوں کو فرمایا ''اللہ کے حکم سے اکٹھے ہو جاؤ'' وہ درخت باہم مل گئے۔

دوسری روایت کے مطابق جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان درختوں میں ایک کی شاخ کو پکڑا تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اس درخت سے کہو کہ تجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حکم فرما رہے ہیں کہ اپنے ساتھی سے مل جا حتیٰ کہ میں تمہارے پیچھے بیٹھ جاؤں'' وہ درخت چلتا ہوا دوسرے درخت کے ساتھ مل گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پیچھے تشریف فرما ہو گئے۔ میں واپس آ گیا۔ میں ایک جگہ بیٹھ گیا اور اس عجیب وغریب امر پر غور وفکر کرنے لگا۔ پھر میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا وہ دونوں درخت اب علیحدہ علیحدہ ہو چکے تھے۔ ہر ایک اپنے تنے پر کھڑا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ دیر توقف فرمایا۔ پھر اپنے سر اقدس کو دائیں بائیں اشارہ فرمایا'' یہ ایک طویل روایت ہے جسے بعض راویوں نے مکمل طور پر اور بعض نے مختصر روایت کیا ہے۔

امام بیہقی اور امام ابو یعلی نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ کسی غزوہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں فرمایا ''کوئی جگہ تلاش کرو جہاں میں قضائے حاجت کر سکوں'' وہ فرماتے ہیں ''میں نے عرض کی ''یہ وادی تو لوگوں سے لبریز ہے'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''کیا تمہیں کھجور کے درخت یا پتھر نظر آ رہے ہیں؟'' میں نے عرض کی ''مجھے جدا جدا کھجور کے درخت نظر آ رہے ہیں''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''ان کی طرف جاؤ۔ انہیں کہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہیں حکم دے رہے ہیں کہ باہم قریب ہو جاؤ۔ یہی حکم پتھروں کو بھی دو''۔ میں نے درختوں اور پتھروں کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ حکم سنایا مجھے

اس ذات والا کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ میں نے کھجور کے درختوں کو دیکھا وہ ایک جگہ جمع ہو گئے۔ پتھر بھی ایک جگہ جمع ہو کر تہ بہ تہ ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے پیچھے قضائے حاجت فرمائی۔ پھر مجھے حکم فرمایا ''اب انہیں کہو کہ یہ سب جدا جدا ہو جائیں''۔ مجھے اس ذات بے ہمتا کی قسم جس کے دست تصرف میں میری جان ہے۔ میں نے انہیں دیکھا۔ وہ ایک دوسرے سے جدا ہو رہے تھے۔ حتیٰ کہ وہ اپنی اپنی جگہ پر چلے گئے۔

امام احمد، امام بیہقی اور امام طبرانی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت یعلی بن سبابہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''ایک سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھا'' پھر اس طرح کی روایت بیان کی۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو چھوٹی کھجوروں کو حکم دیا وہ باہم مل گئیں حضرت غیلان بن سلمہ الثقفی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح کی روایات مروی ہیں۔ امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے۔

جاءت لدعوته الاشجار ساجدة تمشى اليه على ساق بلا قدم

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بلانے پر درخت سجدہ کرتے ہوئے قدموں کے بغیر اپنی پنڈلیوں کے سہارے چلتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

كانما سطرت سطرا لما كتبت فروعها من بديع الخط فى اللقم

جب ان کی شاخوں نے عجیب وغریب خط سے لکھا تو گویا کہ انہوں نے ایک سطر رقم کی ہے۔

حجر و شجر کا سلام

امام مسلم نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اب بھی میں مکہ مکرمہ کے اس پتھر کو جانتا ہوں جو بعثت سے قبل مجھ پر سلام بھیجا کرتا تھا میں اب بھی اسے جانتا ہوں''۔ بعض شارحین نے لکھا ہے کہ وہ پتھر حجر اسود ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ وہ ایک گلی میں تھا جو بعد میں ''زقاق الحجر'' کے نام سے معروف ہوئی۔ لوگ اسے چھو کر برکت حاصل کرتے۔ وہ کہتے تھے ''یہ پتھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام عرض کرتا تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے پاس سے گزرتے تھے''۔ یہ بات المواہب میں مذکور ہے۔ پھر حضرت ابن رشید اور مالکیہ آئمہ کی ایک پوری جماعت سے روایت ہے۔ جن میں حضرت امام حفص المیانشی رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل ہیں۔ انہوں نے فرمایا ''میں مکہ معظمہ میں جس شخص سے بھی ملا اس نے مجھے یہی بتایا کہ اس پتھر نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہم کلام ہونے کی سعادت حاصل کی جو اس دیوار میں نصب ہے۔ جو دار ابی بکر رضی اللہ عنہ کے بالمقابل ہے''۔

امام ترمذی، امام دارمی اور امام حاکم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ امام حاکم نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں مکہ مکرمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مکہ مکرمہ کی ایک گلی میں چل رہا تھا۔ ہم مکہ مکرمہ کی ایک سمت باہر نکلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس درخت یا پتھر کے پاس سے گزرتے وہ یوں سلام عرض کرتا: السلام علیک یا رسول اللہ''۔

بعض علماء کرام نے لکھا ہے کہ یوں آپ کی بعثت کی ابتدا میں ہوتا تھا تا کہ آپ کو اطمینان قلب نصیب رہے اور آپ کو مژدہ جانفزا مل جائے کہ اس کے بعد ساری مخلوق آپ کے سامنے سر تسلیم خم کر دے گی اور آپ کی دعوت پر لبیک کہے گی۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جب حضرت جبرائیل امین وحی لے کر آئے تو میں جس پتھر یا درخت کے پاس سے گزرتا وہ مجھے یوں سلام کہتا: السلام علیک یارسول اللہ''۔

ابونعیم نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''جب اللہ رب العزت نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر اقدس پر کرامت وعزت کا تاج سجانا چاہا تو جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وادیوں کے دامنوں کی طرف جاتے تو آپ جس درخت یا پتھر کے پاس سے گزرتے وہ آپ کو یوں سلام عرض کرنے کی سعادت حاصل کرتا: السلام علیک یارسول اللہ!''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں اس طرح سلام کا جواب ارشاد فرماتے ''وعلیکم السلام''۔ بعض علماء کرام نے لکھا ہے کہ اس امر سے عیاں ہوتا ہے کہ پتھر کس طرح آپ کے قرب کے خواہاں تھے۔ لیکن انسان کس طرح اس کا انکار کرتا ہے (البزار، ابونعیم)

امام بیہقی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ بعثت کی ابتداء میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس پتھر یا درخت کے پاس سے گزرتے وہ آپ کے لیے سجدہ ریز ہو جاتا۔

دروازہ کی دہلیز اور گھر کی در و دیوار نے آپ کی دعا پر آمین کہی۔ اس معجزہ کا تعلق بھی اس موضوع کے ساتھ ہے۔ امام بیہقی اور ابن ماجہ نے حضرت ابواسد مالک بن ربیعہ الساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''ابوالفضل! میرے آنے تک نہ آپ اور نہ ہی آپ کی اولاد گھر سے نکلے مجھے تم میں سے ہر ایک سے ضروری کام ہے'' وہ انتظار کرنے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاشت کے بعد تشریف لائے۔ آپ نے انہیں اس طرح سلام فرمایا ''السلام علیکم'' انہوں نے یوں سلام کا جواب دیا ''وعلیک السلام ورحمۃ اللہ برکاتہ! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا ''تمہاری صبح کیسی ہوئی؟'' انہوں نے عرض کی ''الحمدللہ! ہم نے بخیر و عافیت صبح کی''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ایک دوسرے کے قریب ہو جانے کا حکم دیا۔ وہ قریب ہو گئے۔ حتیٰ کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ لگنے لگے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر اپنی ردائے پاک پھیلا دی، پھر درگاہ ربانیہ میں عرض کی ''مولا! یہ میرے چچا ہیں جو مجھے میرے والد گرامی کی مانند ہیں۔ یہ میرے اہل بیت ہیں، انہیں آگ سے اس طرح بچالے جس طرح میں نے انہیں اپنی چادر سے ڈھانپ رکھا ہے''۔ آپ کی اس دعائے پاک پر گھر کے در و دیوار اور دہلیز نے بھی آمین، آمین، آمین کہا۔ ان بلند اقبال حضرات میں یہ ہستیاں شامل تھیں۔ حضرت فضل، حضرت عبداللہ، حضرت عبیداللہ، حضرت قثم، حضرت معبد، حضرت عبدالرحمن، حضرت سعید اور ان کی بہن حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ حضرت عبداللہ الہلالی نے ان کے متعلق ہی یہ اشعار کہے ہیں۔

ما ولدت نجیبة من فحل بجبل نعلمه او سهل

کسی پہاڑ یا میدان میں ہم کسی مؤنث کو نہیں جانتے جس نے ایسے مذکر فرخندہ فال بچے جنم دیے ہوں۔

کسبعة من بطن ام الفضل اکرم بها من کهلة او کهل

عم النبی المصطفی ذی الفضل و خاتم الرسل و خیر الرسل

جیسے کہ سات بچے حضرت ام الفضل کے صدف شکم سے پیدا ہوئے۔ تمام عمر رسیدہ مردوں اور عورتوں میں سے افضل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا محترم ہیں۔ وہ حضور مصطفیٰ (پاک) خاتم الرسل اور خیر الرسل کے چچا ہیں۔

امام احمد، امام بخاری، امام ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم کو احد پر تشریف لے گئے۔ وہ ان حضرات کی وجہ سے لرزنے لگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''کوہ احد پر سکون ہو جا، تجھ پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید جلوہ افروز ہیں''۔ امام مسلم نے اسی طرح کی روایت حراء کے متعلق حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ اس میں یہ اضافہ ہے ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ حضرت علی المرتضیٰ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم بھی تھے''۔ ایک اور روایت میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا بھی تذکرہ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

انما علیك نبی او صدیق او شهید۔ اَوْ تقسیم کے لیے ہے۔

امام مسلم، امام ترمذی اور امام نسائی نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ عشرہ مبشرہ تھے'' ان میں حضرت عبد الرحمن بن عوف اور حضرت سعید بن زبیر رضی اللہ عنہما کا اضافہ ہے''۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اسی طرح کا واقعہ کوہ ثبیر پر بھی رونما ہوا تھا۔ ان سب روایات کو یوں جمع کرنا ممکن ہے کہ ایسا معجزہ کئی بار رونما ہوا تھا۔ کیونکہ کوئی مانع نہیں۔ پہاڑ کا یوں حرکت کرنا یا تو طرب میں آکر اس کا جھومنا تھا۔ کیونکہ اس پر مبارک ہستیاں جلوہ نما ہوئی تھیں یا وہ خوف، ہیبت اور جلال کی وجہ سے لرز گیا تھا۔ یہ غضب کی وجہ سے زلزلہ نہیں تھا۔ جس طرح کہ بنی اسرائیل پر اس وقت زلزلہ آیا تھا جب انہوں نے حکم الٰہی کو تبدیل کر دیا تھا۔

حضرت امام مسلم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منبر پر یہ آیت طیبہ تلاوت کی۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ (الانعام: 91)

''اور نہ قدر پہچانی انہوں نے اللہ کی جیسے حق تھا اس کی قدر پہچاننے کا''۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ جبار اپنی تعریف یوں بیان کرتا ہے ''میں جبار ہوں، میں کبیر ہوں، میں متعال ہوں''۔ منبر مبارک پر لرزہ طاری ہو گیا۔ ہمیں خدشہ لاحق ہوا کہ وہ آپ کو نیچے نہ گرا دے''۔

امام بخاری، امام مسلم، امام بزار اور امام طبرانی اور امام ابو یعلی نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت بیان کی ہے۔ یہی روایت حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ انہوں نے فرمایا ''بیت اللہ کے ارد گرد تین سو ساٹھ بت نصب تھے۔ جن کی ٹانگیں سیسہ سے پتھروں کے ساتھ جوڑی گئیں تھیں۔ جب فتح مکہ کے سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد حرام میں داخل ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس عصا مبارک سے ان بتوں کی طرف اشارہ فرما رہے تھے۔ انہیں چھو نہیں رہے تھے۔ زبان اقدس پر یہ آیت طیبہ جاری تھی۔

جَآءَ الۡحَقُّ وَ زَهَقَ الۡبَاطِلُ (بنی اسرائیل:81)

''آ گیا ہے حق اور مٹ گیا ہے باطل''۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس بت کے چہرے کی طرف اشارہ کرتے وہ گدی کے بل نیچے گر پڑتا۔ جس کی گدی کی طرف اشارہ فرماتے وہ منہ کے بل نیچے جا پڑتا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ آپ انہیں اپنا مبارک نیزہ مارتے جاتے۔ آپ کی زبان حق ترجمان پر یہ آیت طیبہ تھی:

جَآءَ الۡحَقُّ وَ مَا يُبۡدِئُ الۡبَاطِلُ وَ مَا يُعِيۡدُ ﴿۴۹﴾ (سبا:49)

''حق آ گیا اور باطل کی قوت کا خاتمہ ہو گیا''۔

ان دونوں روایات میں کوئی منافات نہیں۔ کیونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس قول کہ آپ نیزہ مارتے جاتے تھے کی تفسیر میں احتمال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مس کیے بغیر ان کی طرف اشارہ فرماتے تھے۔ یا یہ احتمال بھی ہے کہ وہ بت کثیر التعداد تھے۔ بعض کی طرف آپ نے مس کیے بغیر اشارہ فرمایا اور بعض کو اپنے نیزہ کے ساتھ ہلکا سا مس کیا۔ جس سے عموماً بت گرتا نہ تھا۔ ان دونوں حالتوں میں ان بتوں کا زمین بوس ہونا آپ کا معجزہ ہے۔

امام ترمذی اور امام بیہقی نے بحیرہ راہب کے متعلق روایت نقل کی ہے۔ بچپن میں سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ سفر پر تشریف لے گئے۔ یہ راہب کسی کے استقبال کے لیے نہیں نکلا کرتا تھا۔ اس مرتبہ وہ اپنے گرجا سے باہر نکلا اور جستجو کرنے لگا۔ بالآخر اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دست اقدس پکڑا اور کہا ''یہ عالمین کے سردار ہیں۔ اللہ رب العزت انہیں رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث فرمائے گا''۔ قریش کے سرداروں نے کہا ''تجھے یہ کیسے علم ہو گیا؟'' اس نے کہا ''میں نے دیکھا کہ ہر درخت اور پتھر ان کے لیے سجدہ ریز تھا۔ یہ صرف اور صرف نبی کو ہی سجدہ کرتے ہیں۔ نیز یہ کہ جب آپ تشریف لا رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بادل سایہ فگن تھا''۔ جب قریش قریب ہوئے۔ تو آپ کی قوم جلدی سے درخت کے سایہ کے نیچے چلی گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک جگہ تشریف فرما ہو گئے تو سایہ خود بخود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف جھک گیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک معجزہ مبارک یہ بھی ہے کہ سخت پتھر پر آپ کے قدمین شریفین کے نشانات پڑ جاتے۔ چٹان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے نرم ہو جاتی۔ حضرت شہاب الخفاجی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح شفاء میں لکھا ہے ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس معجزہ کی خبر اکناف عالم میں پھیل چکی ہے۔ شعراء نے اسے اپنے اشعار میں نظم کیا ہے۔ بعض اوقات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چلتے تو قدم مبارک پتھر کے اندر تک چلا جاتا۔ حتیٰ کہ قدمین شریفین کے نشانات اب بھی ان پتھروں پر باقی ہیں۔ لوگ ان سے تبرک حاصل کرتے ہیں۔ ان کی زیارت کے لیے جاتے ہیں اور ان کی تعظیم بجالاتے ہیں۔ مصر میں کئی مقامات پر ایسے متبرک پتھر موجود ہیں۔ حتیٰ کہ کہا جاتا ہے کہ سلطان قائیتبائی نے ایک ایسا مقدس پتھر بیس ہزار دینار میں خریدا۔ اس نے وصیت کی کہ اس مبارک پتھر کو اس کی قبر کے پاس رکھ دیا جائے۔ وہ پتھر اب تک وہیں موجود ہیں۔ نیز یہ کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ریت پر چلتے تو آپ کے قدمین شریفین کے نشانات نہ پڑتے۔

امام قسطلانی نے مواہب اللدنیہ میں لکھا ہے "جب حضور اکرم ﷺ کسی سخت چٹان پر تشریف لے جاتے تو آپ کے قدموں کے نشانات اس پر پڑ جاتے۔ آپ ﷺ کا یہ معجزہ مبارکہ زبان زد عام ہے۔ شعراء نے اپنے قصائد میں اسے نظم کیا ہے۔ بلغاء نے اپنے نثر پاروں میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ اس روایت کو حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے قدمین شریفین کے نشانات سے بھی تقویت ملتی ہے جو مقام ابراہیم میں اب بھی موجود ہیں۔ جن کے متعلق اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ (آل عمران: 97)

"اس میں روشن نشانیاں ہیں"۔

ابو طالب نے یہ شعر اس کے متعلق ہی فرمایا ہے

موطئ ابراهيم فى الصخر وطوه　على قدميه خافيا غير ناعل

اور اس پتھر کی پناہ جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم چومنے کا شرف ملا۔ اس وقت آپ عریاں پاؤں تھے آپ کے مبارک قدم کے نشانات وہیں پڑ گئے۔

امام بخاری نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے معجزہ کا ذکر کیا ہے کہ جب وہ غسل فرما رہے تھے تو ایک پتھر آپ کے کپڑے لے کر چل پڑا تو آپ نے اسے چھ یا سات ضربیں لگائیں۔ جن کے نشانات اس پر پڑ گئے۔ جس طرح کا بھی معجزہ دیگر انبیائے کرام کے لیے رونما ہوا وہ ہمارے محبوب کریم ﷺ کے لیے ضرور ظہور پذیر ہوا۔ اس کی تائید اس معجزہ سے بھی ہوتی ہے کہ ایک مسجد میں بھی آپ ﷺ کی خچر مبارک کے قدموں کے نشانات موجود ہیں۔ آج تک وہ مسجد "مسجد البغلة" کے نام سے معروف ہے۔

مواہب اللدنیہ میں ہے کہ آپ ﷺ کے قدمین شریفین اور مبارک انگلیوں کے نشانات آج تک صخرہ بیت المقدس پر موجود ہیں۔ امام سیوطی نے خصائص کبریٰ میں تحریر کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ جس چٹان کو بھی قدوم میمنت لزوم سے نوازا اس میں آپ کے قدموں کے نشانات لگ گئے۔ بعض علمائے کرام نے لکھا ہے یہ معجزہ بعثت سے قبل رونما ہوا تھا۔ مختصر یہ کہ یہ معجزہ ثابت ہے۔ آئمہ کرام کے نزدیک محقق ہے۔ بعض لوگوں کے انکار کی طرف توجہ نہیں دی جائے گی۔ حضرت جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ میں ہے۔ ان سوالات کے متعلق جن کے جوابات میں انہوں نے لکھا ہے کہ یہ باطل ہیں۔ ایک دفعہ ابو جہل نے کہا "محمد عربی (ﷺ) اگر آپ چٹان سے مور نکال کر دکھائیں جو میرے گھر میں ہے تو میں آپ پر ایمان لے آؤں گا"۔ حضور ﷺ نے رب تعالیٰ سے دعا مانگی۔ وہ چٹان اس طرح کراہنے لگی جس طرح حاملہ کراہتی ہے۔ پھر اس کے سینے سے مور نکل آیا جس کا سینہ سونے کا، سر زبرجد کا، پیر یاقوت کے اور ٹانگیں موتیوں کی بنی ہوئیں تھیں۔ ابو جہل نے یہ معجزہ دیکھا تو اس نے اعراض کیا ایمان نہ لایا۔

بعض محققین نے لکھا ہے "ہمارے نبی کریم ﷺ کے معجزات اتنے عظیم ہیں کہ انہیں اس جیسے قصے کی کوئی ضرورت نہیں۔ جس کے متعلق نہ ہی صحیح حدیث وارد ہے نہ ہی ضعیف۔ یہ قصہ باطل ہے جس طرح کہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے

اس کی وضاحت کی ہے۔

کنکریوں کا دست اقدس میں تسبیح خواں ہونا

اس معجزہ کے متعلق روایات بھی کثیر ہیں۔ بہت سے اہل سنن مثلاً امام بیہقی، امام بزار، امام طبرانی اور امام ابن عساکر نے انہیں حضرت ابوذر اور حضرت انس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خلوت میں ملاقات کا متمنی رہتا تھا، ایک دن میں نے آپ کو تنہا بیٹھے ہوئے دیکھا۔ میں نے یہ قیمتی لمحات غنیمت جانے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ آپ اکیلے ہی تشریف فرما تھے۔ آپ کے پاس کوئی بھی نہ تھا۔ مجھے گمان ہوا کہ شاید آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے۔ میں نے آپ کو سلام عرض کیا آپ نے مجھے سلام کا جواب ارشاد فرمایا۔ پھر فرمایا ''تمہیں یہاں کیا چیز لے کر آئی''، میں نے عرض کی ''اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت! آپ نے مجھے بیٹھ جانے کا حکم دیا۔ میں آپ کے پاس بیٹھ گیا۔ نہ تو میں نے آپ سے کوئی التجا کی نہ ہی آپ سے کسی چیز کا تذکرہ کیا۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہو گئے۔ انہوں نے سلام عرض کیا۔ آپ نے انہیں سلام کا جواب مرحمت فرمایا پھر فرمایا ''تمہیں کون سی چیز یہاں لے کر آئی''، انہوں نے عرض کی ''اللہ رب العزت اور اس کے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت'' آپ نے انہیں اپنے دست اقدس سے بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بیٹھ گئے پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے۔ انہوں نے اسی طرح کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اسی طرح فرمایا جس طرح ہمیں فرما چکے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پہلو میں بیٹھ گئے۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سات یا نو سنگریزے اٹھائے۔ انہوں نے آپ کے دست حق نما میں تسبیح خوانی کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست اقدس میں ان کی یوں آواز آ رہی تھی جس طرح مکھیاں آواز نکالتی ہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں زمین پر رکھ دیا۔ پھر انہیں اٹھایا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پکڑا دیا۔ ان کنکریوں نے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں بھی تسبیح خوانی کی۔ پھر آپ نے ان سے وہ لیں اور زمین پر رکھ دی۔ وہ خاموش ہو گئیں۔ پھر انہیں اٹھایا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو عطا کر دیں۔ سنگریزے اسی طرح تسبیح خوانی کرنے لگے جس طرح انہوں نے پہلے کی تھی۔ پھر آپ نے ان سے یہ سنگریزے لیے اور انہیں زمین پر رکھ دیا وہ خاموش ہو گئیں۔ پھر انہیں اٹھا کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دے دیا۔ انہوں نے اسی طرح تسبیح بیان کی جس طرح سے حضرات قدسیہ کے ہاتھوں میں کر چکے تھے۔ پھر آپ نے وہ سنگریزے ہمیں عنایت کر دیے۔ مگر انہوں نے ہمارے ہاتھوں میں تسبیح بیان نہ کی''۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔ انہوں نے فرمایا ''پھر آپ نے وہ سنگریزے ہمیں فرداً فرداً عطا فرمائے۔ لیکن انہوں نے ہم میں سے کسی ایک کے ہاتھوں میں بھی تسبیح خوانی نہیں کی''۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ قول مشکل پیدا کر رہا ہے ''پھر آپ نے وہ سنگریزے ہمارے ہاتھوں پر رکھ دیئے'' کیونکہ سابقہ روایت میں ہے کہ اس جگہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہم ہی تھے''۔ اس اشکال جواب یہ دیا گیا ہے کہ شاید معجزہ کئی بار رونما ہوا ہو یا حضرت ابوذر کی روایت معجزہ کی ابتدا کے متعلق ہو۔ پھر اور صحابہ

کرام آ گئے ہوں جن میں حضرت انس رضی اللہ عنہ بھی ہوں۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خادم تھے۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کم ہی جدا ہوتے تھے۔ اس روایت میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ نہیں۔ کیونکہ وہ اس موقع پر موجود نہیں تھے اس عدم موجودگی کی وجہ سے آپ کے بلند مقام اور رفیع منصب کو عیب نہیں لگایا جا سکتا کیونکہ آپ کے مناقب بہت زیادہ ہیں۔ اگر آپ اس محفل میں موجود ہوتے تو یہ کنکریاں ان کے ہاتھوں میں یقیناً تسبیح خوانی کرتیں۔

کھانے کا تسبیح خواں ہونا

امام بخاری اور امام ترمذی علیہما الرحمۃ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں ہوتے تھے۔ ہم کھانے کی تسبیح سنتے تھے''۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''الشفاء'' میں حضرت جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دفعہ علیل ہو گئے۔ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام ایک طبق لے کر حاضر خدمت ہوئے۔ اس میں انار اور انگور تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے تناول فرمایا تو وہ رب تعالیٰ کی تسبیح بیان کر رہے تھے۔ حضرت ابو شیخ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں ثرید پیش کی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''یہ کھانا تسبیح بیان کر رہا ہے''۔ صحابہ کرام عرض گزار ہوئے ''کیا آپ اس کی تسبیح کو سمجھ رہے ہیں؟''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''ہاں''۔ پھر آپ نے ایک صحابی سے فرمایا ''یہ پیالہ اس شخص کے قریب کرو'' انہوں نے اس شخص کے قریب کیا اس نے عرض کی ''ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ کھانا تسبیح خوانی کر رہا ہے'' پھر آپ نے اسے وہ پیالہ واپس لے آنے کا حکم دیا۔ وہ اسے واپس لے آئے۔ ظاہر یہی ہے کہ وہ کھانا اسی برتن میں ہی تسبیح خوانی کر رہا تھا۔

امام بخاری کی روایت سے عیاں ہوتا ہے کہ یہ کھانا اس وقت تسبیح کر رہا تھا جب آپ نے اسے اپنے منہ مبارک میں رکھا تھا۔ یہ دونوں احتمالات درست ہیں، کوئی مانع نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ معجزہ کئی بار رونما ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ معجزہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ہمراہ پہاڑوں کی تسبیح خوانی اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا پرندوں کی بولیاں سمجھنے سے زیادہ عظیم معجزہ ہے۔ اس طرح کنکریوں کا آپ کے دست اقدس میں تسبیح خواں ہونا بھی عظیم معجزہ ہے۔ کیونکہ پہاڑ حضرت داؤد علیہ السلام کے دست اقدس میں تسبیح خوانی نہیں کرتے تھے جب کہ سنگریزوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست ہدایت بخش میں تسبیح خوانی کی۔ بلکہ ان صحابہ کرام کے ہاتھوں میں بھی انہوں نے تسبیح خوانی کی جس کا آپ نے ارادہ فرمایا۔ کھانے کا تسبیح خواں ہونے کا معجزہ حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے رونما ہی نہیں ہوا۔ جب کہ پہاڑوں کے لیے خشوع وخضوع کا وصف بھی بیان کیا گیا ہے۔ یہ معجزہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا پرندوں کی بولیاں سمجھ لینے سے بھی عظیم تر ہے کیونکہ پرندے بولتے ہیں لیکن کھانا بولتا نہیں''۔

امام بیہقی نے حضرت ابو درداء اور حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے کہ جب ان میں سے کوئی ایک دوسرے کو خط لکھتا تو کہتا ''پیالے کی نشانی'' اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دو حضرات ایک ہی پیالہ سے کھانا کھاتے تھے۔ وہ پیالہ اور اس میں

موجود کھانا تسبیح خوانی کرتے تھے۔

ستون حنانہ کا فراق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں گریہ بار ہونا

''حنین الجذع'' سے مراد اس تنے کا حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت اور آپ کی طرف اس کا میلان ہے۔ اس سے ایسی آواز بھی پیدا ہو رہی تھی جو اس کے شوق فراواں پر دلالت کر رہی تھی۔ اس روایت کو بہت سے صحابہ کرام نے روایت کیا ہے، جس سے اس کا واقعہ ہونا قطعی ثابت ہو جاتا ہے حتیٰ کہ یہ معجزہ متواتر ہو گیا ہے۔

علامہ قاضی عیاض اور امام تاج سبکی اور امام حافظ ابن حجر علیہم الرحمۃ نے لکھا ہے ''ستون حنانہ کا گریہ بار ہونا اور چاند کا شق ہونا متواتر روایات ہیں۔ انہیں اتنے کثیر راویوں نے روایت کیا ہے جس سے قطعی علم حاصل ہوتا ہے۔ یہ ان معجزات میں سے ہیں جو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت پر دلالت کرتے ہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے ''جو کچھ رب تعالیٰ نے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا کیا وہ کسی اور کو عطا نہیں کیا۔ ان سے عرض کی گئی ''رب تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو احیائے موتی کا معجزہ عطا فرمایا۔ انہوں نے فرمایا ''اللہ رب العزت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ستون حنانہ کے رونے کا معجزہ عطا فرمایا۔ حتیٰ کہ اس کے رونے کی آواز آتی تھی یہ اس معجزہ سے عظیم تر ہے''۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے الشفاء میں لکھا ہے کہ ستون حنانہ کے بارے روایت مشہور اور منتشر ہے۔ یہ خبر متواتر ہے۔ اس روایت میں صحیح اسناد بہت زیادہ ہیں۔ ایک جماعت نے ایک جماعت سے روایت کیا ہے۔ جن کا جھوٹ پر جمع ہونا محال ہے۔ اس روایت کو اہل الصحیح نے روایت کیا ہے۔ انہوں نے اپنی کتب میں صرف صحیح احادیث کا ہی التزام کیا ہے جیسے کہ امام شافعی، امام احمد، امام بخاری، ابن خزیمہ، ابن حبان، امام ترمذی، امام ابن ماجہ، امام ابویعلیٰ، امام طبرانی، امام حاکم اور امام دارمی نے اس کو روایت کیا ہے۔ اسے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے جن میں حضرت ابی بن کعب، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت انس بن مالک، حضرت عبداللہ ابن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت سہل بن سعد، حضرت ابوسعید خدری، حضرت بریدہ بن الحصیب الاسلمی، حضرت ام سلمہ اور حضرت مطلب بن ابی راعۃ السہمی رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی ہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب مسجد نبوی کی چھت کھجور کے پتوں کی تھی تو اس وقت کھجور کے تنے ستونوں کا کام دیتے تھے۔ ستون حنانہ کو یہ شرف ابدی حاصل تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے ساتھ کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔ ایک صحابی حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے منبر نہ بنا دیا جائے جس پر کھڑے ہو کر آپ جمعۃ المبارک کے روز خطبہ ارشاد فرمایا کریں''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اجازت مرحمت فرما دی۔ انہوں نے آپ کے لیے تین سیڑھیوں والا منبر بنا دیا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت تک یہ منبر اسی طرح رہا۔ پھر مروان نے اس کی چھ سیڑھیاں بنا دیں۔ اس نے کہا ''میں نے یہ اس لیے کیا ہے کیونکہ لوگوں کا ہجوم زیادہ ہو گیا ہے۔ پھر یہ اسی طرح رہا حتیٰ کہ 654ھ میں مسجد نبوی کو آگ لگی تو یہ بھی اس آگ میں جل گیا۔ جب منبر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تیار ہو گیا اور اسے مسجد نبوی میں رکھ دیا گیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر خطبہ ارشاد فرمانے کے لیے آگے تشریف لے گئے۔ جب اس ستون

کے پاس سے گزرے جس کے ساتھ کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے تو اس تنے نے اس طرح رونا شروع کر دیا جس طرح اونٹنی بلبلاتی ہے۔ ستون کی آواز سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر سے نیچے تشریف لے آئے۔ اس پر اپنا دست اقدس پھیرا پھر منبر پر جلوہ افروز ہو گئے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے منبر تیار کروایا۔ جب جمعۃ المبارک کے روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر کی طرف تشریف لے گئے تو وہ ستون چیخ پڑا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اپنے سینہ اقدس کے ساتھ چمٹا لیا۔ وہ اس طرح سسکیاں لینے لگا جس طرح بچہ سسکیاں لیتے لیتے پرسکون ہو جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "یہ اس لیے روتا ہے کیونکہ یہ اپنے پاس ذکر خیر سنا کرتا تھا"۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ہی روایت کیا ہے کہ مسجد نبوی کی چھت کھجور کے تنوں پر قائم تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان میں سے ایک تنے کے پاس کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے منبر تیار کر دیا گیا تو ہم نے اس تنے کی اس طرح آواز سنی جس طرح اونٹنی بلبلاتی ہے۔ حتیٰ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے پاس تشریف لائے۔ اس پر اپنا دست اقدس رکھا تو وہ پرسکون ہو گیا۔

امام نسائی نے سنن الکبریٰ میں روایت کیا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "وہ ستون اس طرح مضطرب ہو گیا جس طرح وہ اونٹنی مضطرب ہوتی ہے جس کا بچہ اس سے چھین لیا جائے"۔ ابن حزیمہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ وہ ستون غمزدہ بچے کی طرح رونے لگا۔

امام احمد، امام دارمی اور امام ابن ماجہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس تنے کو چھوڑ کر آگے جانے لگے تو وہ تنا اتنا رویا کہ قریب تھا کہ وہ پھٹ جاتا"۔ حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے وہ تنا اس وقت لے لیا جب مسجد نبوی کو گرایا گیا وہ انہی کے پاس رہا حتیٰ کہ وہ بوسیدہ ہو گیا" یہ روایت اس روایت کے منافی نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس تنے کو منبر پاک کے نیچے دفن کرنے کا حکم دیا کیونکہ احتمال ہے کہ دفن کرنے کے بعد مسجد گراتے وقت یہ ظاہر ہو گیا ہو۔ اسے حضرت ابی رضی اللہ عنہ اپنے گھر لے گئے ہوں۔

حضرت ابویعلیٰ رضی اللہ عنہ کی مروی روایت میں ہے کہ تنے نے اس طرح آواز نکالی جس طرح بیل آواز نکالتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فراق میں اس نے جو آواز نکالی مسجد نبوی اس سے گونج اٹھی"۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ صحابہ کرام اسے دیکھ کر رونے لگے۔ حتیٰ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے پاس تشریف لائے، اس پر اپنا ہاتھ پھیرا تو وہ تنا پرسکون ہو گیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "مجھے اس ذات والا کی قسم جس کے دست تصرف میں میری جان ہے! اگر میں اسے اپنے ساتھ نہ چمٹاتا تو یہ تا حشر اسی طرح روتا رہتا"۔

امام دارمی نے حضرت بریدہ بن الحصیب الاسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب وہ تنا رونے لگا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اگر تو پسند کرے تو میں تجھے اسی باغ میں لوٹا دیتا ہوں جس میں تو پیدا ہوا تھا۔ پہلے کی طرح تیری جڑیں اگ آئیں گی۔

تیرے پتے اور پھل پہلے کی طرح ہی ہو گا۔ اگر تو پسند کرے تو میں تجھے جنت میں لگا دیتا ہوں۔ تیرا پھل اولیاء اللہ کھائیں گے"۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑے غور سے اس کی بات سننے لگے۔ اس تنے نے عرض کیا " آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے جنت میں لگا دیں۔ اولیاء اللہ مجھ سے کھائیں گے میں وہاں کبھی بوسیدہ نہیں ہوں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میں نے اس طرح کر دیا ہے"۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اس تنے نے دار البقاء کو دار الفناء پر ترجیح دی ہے"۔

حضرت علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے "الشفاء" میں لکھا ہے "حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ جب یہ روایت بیان کرتے تو رونے لگتے پھر فرماتے "اے اللہ کے بندو! وہ لکڑی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عشق میں گریہ بار تھی۔ تم اس بات کے زیادہ مستحق ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کا شوق رکھو"۔ المواہب میں ہے کہ رب تعالیٰ نے اس تنے میں حیات اور علم پیدا کر دیا حتیٰ کہ اس میں آواز پیدا ہو گئی اور وہ مشتاق ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے ساتھ زندہ شخص جیسا معاملہ کیا۔ آپ نے اسے اس طرح اپنے سینے کے ساتھ چمٹا لیا جس طرح ایک سفر سے واپس آنے والا شخص اپنے اہل و عیال کو اپنے سینے سے لگا لیتا ہے۔

شاعر نے کیا خوب لکھا ہے۔

و حن الیه الجذع شوقا ورقة　　و رجع صوتا کالعشار مرددا

فبادر ضما فقر لوقته　　لکل امرئ من دهره ما تعودا

عشق اور محبت کی وجہ سے تنا بھی آپ کے لیے گریہ بار ہوا۔ اور وہ بار بار اونٹنی کی طرح دردانگیز آواز نکالتا رہا۔ آپ نے جلدی سے اسے اپنے سینہ اقدس کے ساتھ لگا لیا۔ اسی وقت اسے سکون نصیب ہو گیا۔ ہر چیز کے لیے زمانہ میں وہی ہوتا ہے جس کی وہ عادی بن جاتی ہے۔

اس تنے نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فراق کا درد محسوس کیا اور غمزدہ ہو گیا۔ جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے پاس تشریف لائے تو وہ مسرور اور مطمئن ہو گیا۔ یہ ایک کھجور کے تنے کی کیفیت ہے کہ جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت سے سرشار ہو گیا تو اس پر آپ کی جدائی گراں گزری۔ اس نے اس طرح دکھ محسوس کیا جس طرح کوئی اپنے محبوب سے جدا ہو کر دکھ محسوس کرتا ہے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اپنے سینہ اقدس کے ساتھ ملا لیا تو وہ پرسکون اور مطمئن ہو گیا۔ یہ اس مقیم کی طرح ہے جس کے پاس مسافر طویل سفر کے بعد آ جائیں خصوصاً اس وقت جب کہ مقیم کو مسافروں کے آنے کی امید نہ ہو۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

والقی حتی فی الجمادات حبه　　فکانت لاهداء السلام له تهدی

جمادات میں بھی آپ کی محبت ڈال دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں اسلام کی ہدایت ڈالی تو انہیں ہدایت نصیب ہو گئی۔

و فارق جذعا کان یخطب عنده　　فان انین الام اذ تجد الفقدا

جب آپ اس تنے سے جدا ہوئے جس کے پاس خطبہ ارشاد فرماتے تھے تو وہ اس ماں کی طرح رونے لگا جسے اپنا گم شدہ بچہ مل جائے۔

یحن الیه الجذع یاقوم ھکذا　　اما نحن اولی ان نحن له وجدا

اے میری قوم! آپ کے لیے وہ تنا اس طرح رویا۔ ہم اس امر کے زیادہ مستحق ہیں کہ آپ سے محبت کرتے ہوئے روئیں۔

اذا کان جذع لم یطق فقد ساعۃ　　فلیس وفاء ان نطیق له بعدا

جب تنے نے ایک لحہ کی مفارقت بھی برداشت نہ کی تو ہم آپ سے دوری برداشت کر لیں تو یہ وفا نہیں ہے۔

اونٹ کا سجدہ ریز ہونا

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات میں سے ایک عظیم معجزہ یہ بھی ہے کہ اونٹ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے سجدہ ریز ہوا۔ اس نے شکایت کی کہ اس کا مالک اس سے زیادہ کام لیتا ہے اور اسے چارہ تھوڑا ڈالتا ہے۔

امام احمد اور امام نسائی نے جید سند کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''انصار کے ایک گھرانہ کا ایک اونٹ تھا۔ جس پر وہ پانی لایا کرتا تھا۔ اس اونٹ نے سرکشی شروع کر دی۔ وہ کسی کو اپنے اوپر سوار نہیں ہونے دیتا تھا۔ وہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے۔ عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارا ایک اونٹ ہے جس پر ہم پانی لاتے تھے۔ لیکن اب وہ سرکش ہو گیا ہے۔ وہ ہمیں سوار بھی نہیں ہونے دیتا۔ ہمارے نخلستان اور کھیت خشک ہو گئے ہیں''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا ''اٹھو'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس باغ میں تشریف لے گئے۔ انصار نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ باؤلے کتے کی طرح ہو گیا ہے۔ ہمیں خطرہ ہے کہ وہ آپ کو اذیت نہ دے''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''مجھے اس سے کوئی خطرہ نہیں''۔ جب اس اونٹ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی تو آپ کی سمت بڑھنے لگا۔ حتیٰ کہ وہ آپ کے سامنے سجدہ ریزہ ہو گیا اپنا منہ زمین پر رکھ دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے پیشانی کے بالوں سے پکڑ لیا۔ وہ تابع فرمان ہو گیا۔ اسے اس کے کام پر مامور کر دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عرض کی ''یہ انجان مخلوق آپ کو سجدہ کر رہی ہے۔ ہم تو اہل عقل ہیں۔ ہم اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ آپ کو سجدہ کریں''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''کسی بشر کے لیے روا اور جائز نہیں کہ وہ کسی بشر کو سجدہ کرے۔ اگر کسی انسان کے لیے انسان کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ کیونکہ اس پر اس کے خاوند کا حق بہت زیادہ ہوتا ہے''۔

امام احمد، امام حاکم اور امام بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت یعلی بن مرۃ الثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''ایک سفر میں ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ رواں دواں تھے۔ حتیٰ کہ ہم ایک اونٹ کے پاس سے گزرے۔ جس پر پانی لایا جاتا تھا۔ جب وہ اونٹ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے بہرہ ور ہوا تو بلند آواز سے بلبلایا اور اپنی گردن زمین پر رکھ دی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی جگہ رک گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا ''اس اونٹ کا مالک کہاں ہے؟'' وہ حاضر خدمت ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اونٹ مجھے فروخت کر دو''۔ اس نے عرض کی ''میں اسے آپ کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کرتا ہوں۔ یہ اس گھرانے کے افراد کے لیے جن کی معیشت کا انحصار صرف اس پر ہے''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اگر یہ بات ہے تو یہ اونٹ زیادہ کام اور کم چارے کی شکایت کر رہا ہے۔ تم اس پر احسان کیا کرو'' یعنی اس سے کم کام لیا کرو اور اسے زیادہ چارہ

ڈالا کرو۔

دارمی، بزار اور امام بیہقی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے جید سند سے روایت کیا ہے کہ ایک اونٹ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ والا میں حاضر ہوا۔ جب وہ آپ کے قریب پہنچا تو فوراً سجدہ ریز ہو گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا "اے لوگو! اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ ایک انصاری جوان نے عرض کیا "یہ ہمارا ہے"۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "یہ کیا کرتا رہا"۔ اس نے عرض کی "ہم بیس سال اس پر پانی لاد کر لاتے رہے ہیں۔ جب یہ بوڑھا ہو گیا تو ہم نے اسے قربان کرنے کا ارادہ کر لیا ہے"۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "کیا اسے فروخت کرو گے؟" اس نے عرض کی یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ آپ ہی کا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اس کے ساتھ احسان کرو۔ حتیٰ کہ اسے موت آ جائے"۔ صحابہ کرام نے عرض کی یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم ان چوپاؤں سے زیادہ اس امر کے مستحق ہیں کہ آپ کو سجدہ کریں"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "کسی بشر کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی بشر کو سجدہ کرے۔ اگر بشر کے لیے سجدہ جائز ہوتا تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوندوں کو سجدہ کریں"۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس اونٹ کے مالک سے فرمایا "تمہارا یہ اونٹ شکوہ کناں ہے۔ اس کا شکوہ ہے کہ جب یہ بوڑھا ہو گیا ہے تو تم اسے ذبح کرنے کا ارادہ کر رہے ہو"۔ اس نے عرض کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ نے سچ فرمایا ہے۔ مجھے اس ذات والا کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ اب میں اسے ہرگز ذبح نہیں کروں گا"۔

امام طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ کے دو اونٹ تھے۔ وہ دونوں مست ہو گئے۔ اس نے انہیں حویلی میں داخل کر دیا۔ حویلی کا دروازہ بند کر دیا۔ پھر وہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو گیا۔ اس کا ارادہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے لیے دعا فرمائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت انصاری رضی اللہ عنہ کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ اس شخص نے عرض کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ایک ضروری کام کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ میرے دو اونٹ ہیں۔ دونوں مست ہو گئے ہیں۔ میں نے انہیں حویلی میں داخل کیا ہے۔ پھر دروازہ بند کر دیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ دعا فرمائیں کہ رب تعالیٰ ان دونوں کو میرا فرمانبردار بنا دے"۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا "ہمارے ہمراہ اٹھو" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دروازہ کے پاس تشریف لائے حکم فرمایا "اسے کھولو"۔ وہ شخص جھجکا کہ کہیں اونٹ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نقصان نہ پہنچائیں۔ آپ نے اسے دوبارہ فرمایا "دروازہ کھولو" اس نے دروازہ کھول دیا۔ ایک اونٹ دروازہ کے پاس ہی تھا۔ جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے بہرہ ور ہوا تو اس نے آپ کو سجدہ کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میرے پاس ایسی کوئی چیز لے آؤ۔ جس کے ساتھ میں اس کا سر باندھ دوں اور اسے تیرے حوالے کر دوں"۔ وہ ایک رسی لے کر حاضر خدمت ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے ساتھ اس اونٹ کا سر باندھا اور اسے مالک کے سپرد کر دیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس حویلی کے دوسرے کونے کی طرف تشریف لے گئے۔ جب دوسرے اونٹ نے آپ کو دیکھا تو وہ بھی فوراً سجدہ ریز ہو گیا آپ نے اس کے مالک سے فرمایا "میرے لیے کوئی چیز لے کر آؤ تاکہ میں اس کو باندھ کر تیرے حوالے کر دوں"۔ وہ شخص ایک رسی لے کر حاضر خدمت ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے ساتھ اس اونٹ کو باندھا اور اسے مالک کے حوالے کر دیا۔ اسے فرمایا "اب انہیں لے

جاؤ یہ کبھی بھی تمہاری نافرمانی نہیں کریں گے"۔

امام احمد اور ابوداؤد بن شاہین نے حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اپنے پیچھے بٹھایا۔ مجھے راز کی بات بتائی کہ میں اس راز سے کسی کو آگاہ نہ کروں۔ جب قضائے حاجت کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پردے کی ضرورت ہوتی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پسند فرماتے کہ کوئی مٹی کا ٹیلہ ہو یا کھجوروں کا جھنڈ ہو جس کی اوٹ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قضائے حاجت کر سکیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قضائے حاجت کے لیے ایک انصاری صحابی کے باغ میں تشریف لے گئے۔ جب اس اونٹ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تو اس نے آواز نکالی اور اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے پاس تشریف لائے اور اس کی گردن پر اپنا دست شفقت پھیرا۔ وہ اونٹ پرسکون ہو گیا۔ پھر فرمایا "اس اونٹ کا مالک کون ہے؟"۔ ایک انصاری جوان حاضر خدمت ہوا۔ اس نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اس اونٹ کا مالک ہوں"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "کیا تم اس جانور کے متعلق رب تعالیٰ سے نہیں ڈرتے جس نے تمہیں اس کا مالک بنایا ہے۔ یہ شکایت کر رہا ہے کہ تم اسے بھوکا رکھتے ہو اور بہت زیادہ کام لیتے ہو"۔

دوسری روایت کے مطابق جو شخص بھی اس باغ میں جاتا وہ اونٹ اس پر حملہ آور ہو جاتا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں جلوہ نما ہوئے اور اس اونٹ کو اپنی طرف بلایا تو اس نے اپنا منہ زمین پر رکھ دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بیٹھ گیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "آسمان اور زمین کے مابین ہر چیز جانتی ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ سوائے نافرمان جنات اور انسانوں کے"۔

بکریوں کی سجدہ ریزی

امام احمد، امام بزار نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک انصاری شخص کے باغ میں تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ ایک اور انصاری صحابی بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ اس باغ میں بکریاں تھیں جب انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور نبوت کو دیکھا تو از روئے تعظیم سجدہ ریزہ ہو گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پہچان کرا دی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم بکریوں سے زیادہ مستحق ہیں کہ آپ کو سجدہ کریں"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "کسی انسان کے لیے جائز نہیں وہ کسی دوسرے انسان کو سجدہ کرے"۔

امام بیہقی نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دولت ایمان سمیٹ لی۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیبر کے قلعوں میں سے کسی ایک کے پاس تشریف فرما تھے۔ وہ شخص اہل خیبر کی بکریاں چراتا تھا۔ اس نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ان بکریوں کا کیا کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "انہیں کنکریاں مار کر ہانک دو۔ عنقریب رب تعالیٰ تمہاری طرف سے تمہاری امانت ادا فرما دے گا۔ انہیں ان کے مالک کے پاس پہنچا دے گا"۔ اس شخص نے اس طرح کیا۔ حتیٰ کہ یہ بکریاں اپنے مالک کے پاس چلی گئیں۔ یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ تھا۔ اس سے

عیاں ہوتا ہے کہ حیوانات کس طرح آپ کی اطاعت کرتے تھے۔

بھیڑیئے کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا اقرار کرنا

امام احمد نے جید سند کے ساتھ، امام ترمذی اور امام حاکم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔انہوں نے فرمایا ''ایک بھیڑیئے نے بکری پر حملہ کر دیا اور اسے پکڑ لیا۔ چرواہے نے بھیڑیئے کا تعاقب کیا اور بکری اس سے چھین لی۔ وہ بھیڑیا دم کے بل بیٹھ گیا۔ اس نے کہا ''کیا تو رب تعالیٰ سے نہیں ڈرتا تو مجھ سے وہ رزق چھین رہا ہے جسے رب تعالیٰ نے میری طرف بھیجا ہے''۔ اس چرواہے نے کہا ''تعجب ہے کہ ایک بھیڑیا دم کے بل بیٹھ کر انسانوں جیسی گفتگو کر رہا ہے''۔ اس بھیڑیئے نے کہا ''کیا میں تجھے اس سے بھی تعجب خیز بات نہ بتاؤں۔ مدینہ منورہ میں محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلوہ افروز ہو گئے ہیں۔ وہ لوگوں کو گزشتہ اقوام کی خبریں بتا رہے ہیں''۔ دوسری روایت کے مطابق اس بھیڑیئے نے کہا ''دو سنگلاخ چٹانوں کے مابین نخلستان میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلوہ نما ہیں۔ وہ لوگوں کو گزشتہ اور آئندہ زمانے کی خبریں بتا رہے ہیں''۔ ایک اور روایت کے مطابق اس نے کہا ''وہ لوگوں کو شاہراہ ہدایت کی طرف بلا رہے ہیں، حق کی طرف دعوت دے رہے ہیں۔ جب کہ لوگ انہیں جھٹلا رہے ہیں''۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''وہ چرواہا اپنی بکریاں ہانکتے ہوئے آیا حتیٰ کہ مدینہ طیبہ پہنچ گیا۔ پھر بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہو گیا۔ آپ کو اس حیرت انگیز واقعہ کے بارے بتایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو مسجد نبوی میں جمع ہو جانے کا حکم دیا۔ پھر اس اعرابی سے فرمایا ''جس واقعہ کا تم نے مشاہدہ کیا اس کے متعلق انہیں بتاؤ تا کہ یہ خوش ہو جائیں اور ان کے ایمان میں اضافہ ہو جائے''۔ اس چرواہے نے سارا حیرت افروز واقعہ دوبارہ سنا دیا۔

ایک روایت میں ہے کہ وہ شخص یہودی تھا۔ وہ حاضر خدمت ہوا اور دولت اسلام سے مالا مال ہو گیا۔ اس حیرت انگیز واقعہ کی خبر دی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے فرمایا ''یہ قیامت کی علامات میں سے ہے۔ یہ بھی قیامت کی علامت ہے کہ ایک شخص گھر سے باہر نکلے گا۔ جب واپس آئے گا تو اس کے جوتے اور اس کی لاٹھی اسے بتائے گی کہ اس کی عدم موجودگی میں اس کے اہل خانہ نے کیا کیا''۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس بھیڑیئے نے اس چرواہے سے کہا ''تیری حالت مجھ سے زیادہ تعجب خیز ہے۔ تو کھڑا اپنی بھیڑیں چرا رہا ہے۔ تو نے اس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ رکھا ہے جس سے بلند تر شان و قدر والا نبی رب تعالیٰ نے کبھی مبعوث نہیں فرمایا۔ ان کے لے جنت کے دروازوں کو کھول دیا گیا ہے۔ اہل جنت ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھ رہے ہیں۔ ان کے جنگی کارناموں کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور تیرے مابین صرف یہ گھاٹی ہے۔ تو بھی اللہ تعالیٰ کے لشکر میں داخل ہو جائے گا''۔ اس چرواہے نے کہا ''میری بھیڑوں کی حفاظت کون کرے گا؟ بھیڑیئے نے کہا ''تمہارے آنے تک میں ان کی حفاظت کروں گا''۔ اس شخص نے بھیڑیئے کو بھیڑوں کا محافظ بنایا اور بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہو گیا۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت اس وقت کی جب آپ دشمن کے ساتھ معرکہ آزما تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

اسے فرمایا ''اپنی بھیڑوں کے پاس چلے جاؤ۔ تم پاؤ گے کہ ان میں ذرہ بھی کمی واقع نہیں ہوئی''۔ وہ واپس آیا تو اس نے بھیڑوں کو اسی طرح صحیح سالم پایا۔ اس نے ان میں سے ایک بھیڑ اس بھیڑیے کے لیے ذبح کر دی۔

امام احمد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ امام بیہقی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، ابو نعیم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت سعید بن منصور نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ ایک بھیڑیا آیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بیٹھ گیا۔ وہ اپنی دم ہلانے لگا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''یہ تمہارے بھیڑیوں کا قاصد ہے۔ یہ تم سے کہہ رہا ہے کہ اپنے اموال میں سے اس کا حصہ مقرر کر دو۔ صحابہ کرام نے عرض کی ''اللہ ہم اس طرح نہیں کریں گے''۔ ایک شخص نے پتھر اٹھایا اور بھیڑیے کو دے مارا۔ وہ بھیڑیا آواز نکالتا ہوا بھاگ گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''یہ بھیڑیا کتنا بڑا بھیڑیا تھا''۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے ''الشفاء'' میں لکھا ہے۔ ابن وہب نے بھی روایت کیا ہے کہ ایک بھیڑیے نے ابو سفیان بن حرب اور صفوان ابن امیہ سے ان کے اسلام لانے سے پہلے گفتگو کی تھی۔ اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ ایک بھیڑیے نے ہرن کا تعاقب کیا۔ ہرن حرم میں داخل ہو گیا۔ بھیڑیا واپس چلا گیا۔ ان دونوں نے بھیڑیے کی اس حرکت پر تعجب کیا۔ جب بھیڑیے نے ان کا یہ تعجب دیکھا۔ تو اس نے کہا: اس سے بھی تعجب خیز بات یہ ہے کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہیں۔ وہ تمہیں جنت کی طرف بلا رہے ہیں۔ جب کہ تم انہیں آتش جہنم کی طرف بلا رہے ہو''۔ ابو سفیان نے صفوان سے کہا ''لات و عزیٰ کی قسم! اگر میں یہ واقعہ اہل مکہ کو بتا دوں تو ان میں انقلاب برپا ہو جائے۔ وہ سارے اسلام قبول کر کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کر جائیں''۔

گدھے کا آپ سے گفتگو کرنا

ابن عساکر نے حضرت ابن منظور رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے۔ انہوں نے فرمایا ''جب اللہ رب العزت نے خیبر فتح فرمایا تو مال غنیمت میں ایک سیاہ گدھا بھی ملا۔ اس گدھے نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفتگو کرنے کا شرف حاصل کیا اور آپ نے اس کے ساتھ گفتگو فرمائی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے پوچھا ''تیرا نام کیا ہے؟'' اس نے عرض کی ''یزید بن شہاب! اللہ تعالیٰ نے میرے دادا کی نسل سے ساٹھ گدھے پیدا کیے۔ ان میں سے ہر ایک پر کسی نہ کسی نبی نے سواری کی۔ مجھے امید تھی کہ اب آپ کی سواری بننے کا شرف مجھے حاصل ہو گا۔ کیونکہ اپنے دادا کی نسل میں سے صرف میں رہ گیا ہوں۔ انبیاء کرام علیہم السلام سے صرف آپ باقی رہ گئے ہیں۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قبل ایک یہودی کی ملکیت میں تھا۔ میں جان بوجھ کر پھسل جاتا تھا۔ وہ مجھے بھوکا رکھتا تھا۔ میری پشت پر مارا کرتا تھا''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''تو یعفور ہے'' ہرنی کے بچے کو یعفور کہا جاتا ہے۔ آپ نے اس کی سرعت رفتاری کی وجہ سے اسے یہ نام دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے صحابہ کرام کو بلانے کے لیے بھیجا کرتے تھے۔ یہ کسی شخص کے دروازے پر آتا۔ اپنے سر سے دروازے کو کھٹکھٹاتا۔ جب گھر کا مالک باہر نکلتا تو سر سے اشارہ کرتا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یاد فرما رہے ہیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہو گیا تو یہ اتنا غمزدہ ہوا کہ ابو الہیثم کے کنواں پر آیا اور وہاں گر کر زندگی کا خاتمہ کر لیا۔

امام واقدی نے لکھا ہے "یعفور اس وقت مر گیا تھا جب حضور سپہ سالار اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجۃ الوداع سے واپس تشریف لائے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ سے یہی روایت کیا ہے۔ اس صورت میں یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال سے قبل مر گیا تھا۔ گدھے کے بارے میں یہ روایت ابونعیم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے کی ہے۔ ابن حبان وغیرہ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ بعض لوگوں نے اس روایت کا انکار کیا ہے اور کہا ہے "یہ روایت موضوع ہے" بعض علماء نے لکھا ہے "یہ روایت ضعیف ہے۔ البتہ اس کی اسناد کئی ہیں"۔ علامہ زرقانی نے لکھا ہے "اس میں شرعی طور پر کوئی بات قابل انکار نہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے۔ موضوع نہیں"۔

گوہ کی گفتگو

یہ خشکی پر رہنے والا جانور ہے۔ ابن خالویہ نے لکھا ہے یہ پانی نہیں پیتا۔ اس کی عمر سات سو سال سے زائد ہوتی ہے۔ ہر چالیس دن کے بعد ایک قطرہ پیشاب کرتا ہے۔ اس کے دانت نہیں ہوتے۔ اس کے دانت اکٹھے ہوتے ہیں وہ جدا جدا نہیں ہوتے۔

امام بیہقی، امام طبرانی، امام حاکم، امام ابن عربی اور امام دارقطنی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت بیان کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام کے ہمراہ موجود تھے۔ بنو سلیم کا ایک اعرابی حاضر خدمت ہوا۔ اس نے گوہ شکار کر رکھی تھی۔ اسے اپنی آستین میں چھپا رکھا تھا۔ تاکہ اسے اپنے گھر لے جائے اور بھون کر خوب کھائے۔ جب اس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھا تو پوچھا "یہ کون ہے؟" صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بتایا "اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں"۔ امام دارقطنی کی روایت میں ہے کہ اس اعرابی نے پوچھا "ان لوگوں کے پاس کون شخص ہے؟" اسے بتایا گیا کہ وہ نبی پاک ہیں جو گمان کرتے ہیں کہ وہ رب تعالیٰ کے رسول برحق ہیں۔ وہ اعرابی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے کہا "محمد عربی (فداہ روحی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آج تک عورتوں نے جتنے بچے جنے۔ ان میں سے آپ سے زیادہ کذب بیانی کرنے والا کوئی نہیں۔ اگر اہل عرب مجھے جلد باز نہ کہتے تو میں آپ کو قتل کر دیتا اور پھر سارے لوگوں کو مسرور کر دیتا (نعوذ باللہ منہ) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے اذن مرحمت فرمائیں میں اس اعرابی کا کام تمام کر دوں۔ اس حکیم اور حلیم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "عمر! جانتے نہیں ہو کہ حلیم شخص کا مرتبہ کتنا بلند ہے کہ قریب ہے کہ وہ نبی بن جائے"۔ پھر اعرابی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف توجہ کی اور اپنی آستین سے گوہ باہر نکال پھینکی۔ اس نے کہا "مجھے لات وعزیٰ کی قسم! میں آپ پر ایمان ہرگز نہیں لاؤں گا حتی کہ یہ گوہ آپ پر ایمان لے آئے"۔ اس نے وہ گوہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پھینک دی۔ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اے گوہ! اس گوہ نے آپ کو فصیح اور واضح عربی میں گزارش کی۔ جسے سارے لوگ سن سکتے تھے۔ میں حاضر ہوں ساری سعادتیں اور ارجمندیاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں ہیں۔ اے ان لوگوں کی زیب وزیبائش جو قیامت کے قریب آئے! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا "تو کس کی عبادت کرتی ہے؟ اس نے عرض کی میں اس ذات بے ہمتا کی عبادت کرتی ہوں۔ جس کا عرش آسمان میں ہے۔ جس کی سلطنت زمین میں ہے۔ جس کا راستہ سمندر میں ہے۔ جس کی رحمت جنت میں ہے۔ جس

کا عذاب آگ میں ہے"۔ پھر حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا "میں کون ہوں"؟ اس نے عرض کی "آپ رسول رب العالمین اور خاتم النبیین ہیں۔ جس نے آپ کی تصدیق کی وہ فلاح پا گیا جس نے آپ کو جھٹلایا وہ گھاٹے میں رہا"۔ یہ فصیح و بلیغ جواب سن کر اعرابی دامن اسلام سے وابستہ ہو گیا۔

امام دارقطنی اور ابن عدی نے یہ اضافہ کیا ہے "اعرابی نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ اور آپ اللہ تعالیٰ کے رسول برحق ہیں۔ جب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو روئے زمین کا کوئی شخص مجھے آپ سے بڑھ کر مبغوض نہیں تھا۔ بخدا! اس لمحہ آپ مجھے میرے نفس اور اولاد سے زیادہ محبوب ہو گئے ہیں۔ میرے جسم کا لولو آپ پر ایمان لے آیا ہے۔ میری جلد، میرا اندر اور باہر میرا ظاہر اور میرا باطن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آیا ہے"۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ساری تعریفیں اس ذات کے لیے ہیں جس نے تجھے اس دین کی طرف ہدایت دی جو غالب آتا ہے۔ اس پر غلبہ نہیں پایا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ اسے نماز کے بغیر قبول نہیں کرتا۔ نماز کو قرآن حکیم کے بغیر قبول نہیں کرتا"۔ اس نے عرض کی "مجھے قرآن پاک سنائیں"، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے سورۃ الفاتحہ اور سورۃ الاخلاص سنائی۔ اس نے عرض کی یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے ایسا کلام مبارک سنا ہے جو نہ طویل اور نہ ہی مختصر کلام ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "یہ رب العالمین کا کلام ہے، شعر نہیں ہے۔ جب تم سورۃ الاخلاص ایک بار پڑھو گے گویا تم نے ایک تہائی قرآن پاک پڑھ لیا۔ اگر تم نے اسے دو مرتبہ پڑھا تو گویا کہ تم نے دو تہائی قرآن مجید پڑھ لیا اگر تم نے اسے تین بار پڑھا تو گویا کہ سارا قرآن پاک پڑھ لیا"۔

یہ فضیلت سن کر اس اعرابی نے عرض کی "ہمارا رب بہترین رب ہے۔ وہ تھوڑی سی چیز قبول کر لیتا ہے۔ وہ کثیر اجر و ثواب سے نوازتا ہے"۔ پھر حضور تاجدار ختم نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس اعرابی سے پوچھا "کیا تمہارے پاس مال ہے؟"۔ اس نے عرض کی "بنو سلیم کا کوئی رہائشی مجھ سے بڑھ کر مفلس نہیں"۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا "اسے عطا کرو اسے عنایت کرو"۔ حتیٰ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مال و دولت کی بارش کر کے اسے دولت مند کر دیا"۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اسے دس ماہ کی گابھن اونٹنی دیتا ہوں۔ وہ اونٹنی مجھے حضور نے غزوۂ تبوک میں عطا فرمائی تھی۔ جو پیچھے سے آ کر آگے نکل جاتی ہے۔ لیکن کوئی اس سے آگے نہیں نکل سکتا۔ میں اسے وہ اونٹنی دے کر رب تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ وہ بختی اونٹ سے کم اور عربی اونٹ سے زیادہ ہے"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تم نے اس اونٹنی کا وصف بیان کر دیا ہے جو تم نے اس اعرابی کو دی ہے۔ اب میں تمہیں اس اونٹنی کا بھی وصف بیان کرنے لگا ہوں۔ جو رب تعالیٰ تمہیں عطا کرے گا"۔ حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے عرض کی "ضرور!۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ رب العزت تمہیں ایسی اونٹنی عطا فرمائے گا جو موتی سے بنی ہو گی۔ جس کے پاؤں زرد زمرد کے ہوں گے اس کی گردن زرد زبرجد کی ہو گی۔ اس پر ہودج ہو گا۔ ہودج پر سندس اور استبرق ہو گا۔ وہ تمہیں پل صراط پر سے بجلی کی تیزی سے لے کر گزر جائے گی"۔

جب وہ اعرابی بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روانہ ہوا۔ تو اسے راستہ میں بنو سلیم کے ایک ہزار اعرابی ملے وہ ایک ہزار

سواریوں پر سوار تھے۔ ان کے پاس ایک ہزار نیزے اور ایک ہزار تلواریں تھیں۔ اس اعرابی نے ان سے پوچھا ''کہاں کا ارادہ ہے؟ انہوں نے بتایا ''ہم اس شخص کا کام تمام کرنے جارہے ہیں جو جھوٹا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ وہ نبی ہے''۔ اعرابی نے کہا ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ رب العزت کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں''۔ یہ سن کر ان اعرابیوں نے کہا ''تو بھی صابی ہو گیا ہے''۔ اس کے جواب میں اعرابی نے اپنی ساری داستان عشق و مستی انہیں سنادی۔ وہ سارے کلمہ طیبہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔ پھر وہ سارے بارگاہ نبوت میں حاضر ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑے شوق سے ان کا استقبال کیا وہ اپنی سواریوں سے نیچے اتر آئے۔ وہ کلمہ طیبہ کا ورد کر رہے تھے۔ انہوں نے عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں کوئی حکم فرمائیں''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو جاؤ''۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ میں بنوسلیم کے علاوہ عرب و عجم میں سے کسی قبیلہ کے ایک ہزار افراد نے یکبارگی اسلام قبول نہیں کیا۔ اس روایت کو بعض علماء نے ضعیف لکھا ہے۔ بعض نے اسے موضوع کہا ہے۔ لیکن یہ ضعیف یا موضوع کیسے ہو سکتی ہے۔ جب اسے آئمہ کبار مثلاً امام ابن عدی اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔ وہ موضوع احادیث روایت نہیں کرتے۔ امام دارقطنی کا اسے روایت کرنا ہی تمہارے لیے کافی ہے۔ نیز یہ کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس روایت کے کئی طرق بھی ہیں۔

ابونعیم اور ابن عساکر نے یہی روایت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ علامہ ابن جوزی نے اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ اسی طرح یہ روایت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ اگرچہ بعض اسناد ضعیف ہیں۔ مگر ان میں سے بعض بعض کو تقویت دیتی ہیں۔

ہرنی کا شرف ہمکلامی

امام بیہقی نے اس روایت کو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے اسے کئی اسناد سے روایت کیا ہے جو ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی کوئی نہ کوئی اصل ہے۔ یہ روایت حسن لغیرہ ہے۔ حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اسے سند کے بغیر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے جس سے اسے مزید تقویت ملی ہے۔ ابونعیم نے اسے دلائل النبوۃ میں لکھا ہے۔ انہوں نے اسے حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔

''اسی اثناء میں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحراء میں تشریف فرما تھے۔ اچانک کسی غیبی صدا نے آواز دی۔ یارسول اللہ! یارسول اللہ! یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ آپ نے توجہ فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ہرنی دیکھی جو رسی سے بندھی ہوئی تھی۔ قریب ہی ایک اعرابی چادر اوڑھے دھوپ میں سو رہا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس ہرنی سے پوچھا ''تجھے کیا ہے؟ اس نے عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس اعرابی نے مجھے شکار کیا۔ اس پہاڑ میں میرے چھوٹے چھوٹے دو بچے ہیں۔ آپ مجھے آزاد فرمائیں۔ میں انہیں دودھ پلا کر واپس آجاتی ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اگر تو نے ایسا نہ کیا تو''؟ اس نے عرض کی ''اگر میں یوں نہ کروں تو اللہ

تعالیٰ مجھے لگان وصول کرنے والوں کے عذاب میں مبتلا کرے"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی رسی کھول دی۔ اس نے بچوں کو دودھ پلایا پھر جلدی واپس آ گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے پہلے کی طرح رسی سے باندھ دیا۔ اعرابی نیند سے بیدار ہوا۔ اس نے عرض کی یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا آپ کو مجھ سے کوئی کام ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا "ہاں" اس ہرنی کو آزاد کردے"۔ اس نے وہ ہرنی آزاد کر دی۔ وہ فرحت و شادمانی سے صحراء میں بھاگتی جا رہی تھی وہ زمین پر اپنے پاؤں مارتی جا رہی تھی۔ اور یہ کہتی جا رہی تھی اشهد ان لا اله الا الله وانك رسول الله۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے فرمایا بخدا! میں نے اس ہرنی کو دیکھا وہ یوں کہتی ہوئی جنگل کی طرف جا رہی تھی۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ امام طبرانی نے بھی اسی طرح روایت نقل کی ہے۔ امام منذری نے اسے الترغیب والترہیب میں لکھا ہے۔ امام بخاری نے اس روایت کا انکار کیا۔ پھر فرمایا "یہ روایت کئی طرق سے مروی ہے جن میں سے بعض بعض کی تقویت کا سبب بنتے ہیں۔ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے "مجلس نمبر 61 مختصر الکبیر فی الاصول میں احادیث کی تخریج کے زمرے میں لکھا ہے۔ امام ابن سبکی نے اس روایت کی شرح میں لکھا ہے "سنگریزوں کا تسبیح خواں ہونا اور ہرنی کا محوِ تکلم ہونا شاید اس دور میں متواتر تھا۔ اگرچہ اب یہ روایات متواتر نہیں"۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے "جو بات میں کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ یہ روایت لوگوں میں مشہور ہے"۔

پالتو جانوروں کا عشق مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

امام احمد، امام بزار، قاسم بن ثابت، سرقسطی اندلسی علیہم الرحمہ نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "ہمارے ہاں ایک پالتو جانور تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے ہاں تشریف فرما ہوتے تو وہ جانور پر سکون اور آرام سے بیٹھ جاتا، نہ اچھلتا، نہ کودتا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف لے جاتے تو وہ اچھلنا کودنا شروع کر دیتا۔ کیونکہ اب گھر میں ایسا کوئی فرد نہ ہوتا جس سے وہ خوفزدہ ہوتا"۔ اس کی اس بے چینی کا ایک اور سبب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کیونکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے بہرہ ور نہیں ہوتا تھا اس لیے اسے قرار نہیں آتا تھا۔ مذکورہ بالا دونوں اسباب درست ہیں۔ کیونکہ یہ جانور آپ سے ازحد عشق بھی کرتے تھے اور آپ کے خوف سے لرزاں اور ترساں بھی رہتے تھے۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے "الشفاء" میں حضرت قاسم ثابت اور حضرت عبد اللہ بن قرط رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ عید کے روز پانچ چھ یا سات اونٹ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو جاتے۔ ان میں سے ہر ایک کی تمنا ہوتی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے پہلے ذبح کریں۔ یہ اللہ رب العزت کی طرف سے ان پر الہام ہوتا تھا۔

امام طبرانی نے حضرت زید بن ثابت اور امام حاکم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "ایک غزوہ میں ہمیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت کا شرف حاصل ہوا۔ مدینہ طیبہ کی راہ پر ہم نے ایک اعرابی دیکھا جو اپنے اونٹ کی مہار تھامے ہوئے تھا۔ وہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوا۔ اس نے اس طرح سلام عرض کیا "السلام علیک یا نبی اللہ! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے سلام کا جواب دیا۔ ایک اور شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے عرض کی "یا رسول

اللہ! ﷺ اس اعرابی نے یہ اونٹ چوری کیا ہے۔ وہ اونٹ بلبلانے لگا۔ حضور ﷺ خاموشی سے اس کی آواز سماعت فرماتے رہے۔ پھر اس شخص سے فرمایا تو چلا جا۔ یہ اونٹ گواہی دے رہا ہے کہ تو جھوٹا ہے۔ ''الشفاء'' کی عبارت ہے کہ حضور ﷺ کے معجزات میں سے یہ بھی ہے کہ حضور ﷺ کے پاس ایک اونٹنی نے اپنے مالک کے لیے گواہی دی کہ اس نے اسے چرایا نہیں۔ بلکہ وہ اس کا مالک ہے۔

حضور ﷺ کسی سفر میں تھے۔ آپ کے پاس گھوڑا تھا۔ آپ نے اسے کھلا چھوڑا اور اسے فرمایا ''اللہ تعالیٰ تجھ میں برکت ڈالے۔ یہاں سے حرکت نہیں کرنا حتی کہ ہم نماز سے فارغ ہو جائیں'' حضور ﷺ نے اسے اپنے قبلہ کی سمت چھوڑ دیا۔ جب تک حضور ﷺ نے نماز مکمل نہ کر لی۔ اس کے ایک عضو نے بھی حرکت نہ کی۔ اس میں بھی آپ کا معجزہ ہے۔ کیونکہ ایک حیوان نے آپ کی بات سمجھی۔

امام بخاری نے اپنی تاریخ میں اور امام بیہقی نے اپنی سنن میں بہت سی ایسی روایات درج کی ہیں۔ حضور ﷺ نے اپنے خادم حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا۔ راستے میں انہیں شیر ملا۔ انہوں نے اسے کہا ''میں حضور اکرم ﷺ کا قاصد ہوں۔ میرے پاس آپ ﷺ کا گرامی نامہ بھی ہے'' اللہ رب العزت نے ہی شیر کو الہام فرمایا۔ اس نے حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کی کلام کو سمجھا اور راستے سے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ انہوں نے فرمایا کہ یمن سے واپسی پر بھی اس طرح کا واقعہ پیش آیا۔

امام بزار، امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔ امام سیوطی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے کہ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کشتی میں سوار تھے۔ کشتی سمندر کی موجوں پر رواں دواں تھی اچانک وہ ٹوٹ گئی۔ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ ایک جزیرے کی طرف چلے گئے۔ وہاں اچانک ایک شیر دیکھا وہ فرماتے ہیں ''میں نے اسے کہا ''میں حضور اکرم ﷺ کا قاصد ہوں۔ وہ شیر اپنے کندھے سے مجھے اشارہ کرتا رہا۔ حتی کہ اس نے مجھے راستہ پر ڈال دیا''۔

ایک دفعہ حضور ﷺ نے ایک بکری کا کان پکڑا پھر اسے چھوڑ دیا۔ بکری کے اس کان پر نشان پڑ گیا وہ نشان اس کی نسل میں بھی تھا۔

ان دو روایات کے ساتھ اس بحث کو بھی ملایا جا سکتا ہے جسے امام واقدی نے روایت کیا ہے کہ جب حضور ﷺ نے شاہان عالم کی طرف اپنے قاصد روانہ کیے تو ان میں سے چھ ایک روز ہی روانہ ہوئے۔ ان میں سے ہر ایک اس زبان میں گفتگو کرنے لگا جس کی طرف حضور ﷺ نے اسے روانہ فرمایا تھا۔ امام واقدی ایک جلیل القدر امام ہیں۔ وہ ثقہ ہیں۔ شہاب الخفاجی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے۔ اس روایت کی صحت کے لیے یہی کافی ہے کہ اسے امام شافعی نے روایت کیا ہے۔ امام ذہبی اور ابن سید الناس نے اس طرح کی روایت بیان کی ہے۔ اس باب میں بہت سی روایات مذکور ہیں۔ میں نے صرف مشہور کا ہی تذکرہ کیا۔

مبارک انگلیوں سے پانی رواں ہونا

امام قرطبی نے لکھا ہے ''مبارک انگلیوں سے پانی رواں ہونے کا معجزہ کئی بار رونما ہوا۔ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی

موجودگی میں رونما ہوا۔ یہ معجزہ کئی طرق سے مروی ہے جن کا مجموعہ اس علم قطعی کا فائدہ دیتا ہے جو تواتر معنوی سے حاصل ہوتا ہے"۔ حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے" یہ روایت ثقہ راویوں نے کثیر تعداد سے روایت کی ہے یہ صحابہ کرام تک متصل روایات ہیں یہ معجزہ اس جگہ رونما ہوا جہاں بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جمع تھے یا پورا لشکر اکٹھا تھا۔ اس روایت کا ان میں سے کسی ایک نے بھی انکار نہیں کیا۔ آپ کے معجزات میں سے یہ قسم علم قطعی کا فائدہ دیتی ہے۔

مبارک انگلیوں سے پانی رواں ہونے کی روایت شیخین اور امام احمد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پانچ طرق سے روایت کی ہے۔ انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے چار طرق سے یہ روایت نقل کی ہے۔ امام بخاری اور امام ترمذی علیہما الرحمۃ نے اسے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے دو اسناد سے امام احمد اور امام طبرانی نے اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دو اسناد سے روایت کیا ہے۔ ابن بطال کا یہ قول کہ اس روایت کو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے مردود ہے۔ یہ روایت نہیں کہ کسی اور نبی سے اس طرح کا عظیم معجزہ رونما ہوا ہو۔ یہ معجزہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے پتھر سے پانی جاری ہونے والے معجزہ سے عظیم تر ہے۔ جب انہوں نے پتھر پر اپنا عصا مبارک مارا تو اس سے بارہ چشمے رواں ہو گئے۔ کیونکہ پتھر سے پانی رواں ہوتا رہتا ہے۔ جب کہ پانی اور گوشت کے مابین سے پانی جاری نہیں ہوتا۔ کسی شاعر نے کیا خوب لکھا ہے۔

ان کان موسی سقی الاسباط من حجر فان فی الکف معنی لیس فی الحجر

اگرچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسباط کو چٹان سے سیراب کیا لیکن دست اقدس کی کیفیت وہ ہے جو پتھر کی نہیں۔

المواہب میں ہے۔ مبارک انگلیوں سے پانی رواں ہونے کا معجزہ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت ہے جن میں حضرت انس، حضرت جابر، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس اور حضرت ابولیلیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین جیسے جلیل القدر صحابہ شامل ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ حدیث پاک صحیحین میں موجود ہے۔ انہوں نے فرمایا" میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی۔ نماز عصر کا وقت قریب تھا۔ آپ زوراء کے مقام پر تشریف فرما ہوئے۔ صحابہ کرام نے وضو کے لیے پانی تلاش کیا۔ مگر وہ پانی نہ پا سکے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پانی پیش کیا گیا آپ نے اپنا دست حق نما اس برتن میں رکھا۔ صحابہ کرام کو وضو کرنے کا حکم دیا۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک انگلیوں سے پانی نکلتا ہوا دیکھا۔ سارے صحابہ کرام نے اس پانی سے وضو کر لیا۔ وہاں ستر یا اسی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے۔

ایک اور روایت میں ہے" ہم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا" آپ اس وقت وہاں کتنی تعداد میں موجود تھے؟ انہوں نے فرمایا" ہم وہاں تین سو سے زائد افراد موجود تھے۔ کیونکہ یہ معجزہ کئی بار ظہور پذیر ہوا۔ اس لیے صحابہ کرام کی مختلف تعداد مختلف مقامات پر محمول کی جائے گی۔ یعنی ایک دفعہ ان کی تعداد ستر یا اسی تھی۔ دوسری بار تین سو تھی۔ جیسا کہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔ یہ واقعہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں دو بار رونما ہوا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ فقرہ" حتیٰ کہ آخری شخص نے بھی وضو کر لیا"۔ یہ پانی کی عمومیت میں مبالغہ کے لیے ہے۔ حتیٰ کہ آخری شخص وہ ہو جائے جس نے سب سے پہلے وضو کیا تھا۔ گویا کہ وہ وضو کرنے والا پہلا شخص تھا۔

ابن شاہین نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں غزوۂ تبوک میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے اونٹ اور سواری کے جانور پیاسے ہو گئے"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا "کیا کسی کے پاس پانی ہے؟ ایک شخص اپنے مشکیزے میں تھوڑا سا پانی لے کر آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک پیالہ لانے کا حکم دیا۔ پانی اس میں انڈیل دیا گیا۔ آپ نے اپنا دست اقدس پانی میں رکھ دیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں نے انگلیوں کے نیچے سے چشموں کو ابلتے دیکھا۔ ہم نے اپنے اونٹ اور سواری کے جانوروں کو سیراب کر لیا اور اپنے مشکیزے بھی بھر لیے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "کیا یہ پانی اب تمہارے لیے کافی ہے؟ ہم نے عرض کی "ہاں۔ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ہاتھ مبارک پیالے سے اٹھا لیا۔

امام بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قباء کی طرف تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک چھوٹا سا پیالہ پیش کیا گیا۔ آپ نے اپنا دست اقدس اس میں ڈالا۔ مگر پیالہ تنگ تھا۔ آپ نے اپنی چار مبارک انگلیاں اس میں داخل کیں۔ انگوٹھا مبارک اندر داخل نہ ہوا پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا "آؤ پانی پی لو"۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میری آنکھوں نے دیکھا کہ پانی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک انگلیوں سے نکل رہا تھا۔ صحابہ کرام اس پیالہ سے پانی نوش کرتے رہے۔ حتیٰ کہ سارے صحابہ کرام نے پانی پی لیا"۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے شیخین نے اس طرح یہ معجزہ روایت کیا ہے۔ حدیبیہ کے روز صحابہ کرام کو پیاس لگی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک برتن تھا۔ جس سے آپ وضو فرماتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جلدی سے اس کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس نہ وضو کے لیے پانی ہے نہ پینے کے لیے۔ یہی پانی ہے جو آپ کے پاس ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دست اقدس اس برتن میں رکھ دیا۔ پانی مبارک انگلیوں سے چشموں کی طرح نکلنے لگا۔ ہم نے پانی پی بھی لیا اور وضو بھی کیا۔ حضرت انس سے حضرت سالم رضی اللہ عنہ نے پوچھا "تم تعداد میں کتنے تھے؟ انہوں نے فرمایا "اگر ہم ایک لاکھ افراد بھی موجود ہوتے تو یہ پانی ہمیں کافی ہو جاتا ہم اس وقت تعداد میں پندرہ سو تھے"۔

امام بخاری نے یہی معجزہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "ہماری تعداد چودہ سو تھی"۔ ان دونوں روایات کو اس طرح جمع کیا جائے گا کہ صحابہ کرام کی تعداد چودہ سے زائد تھی۔ بعض نے چودہ سو سے زائد افراد کو شمار کیا ہے اور بعض نے شمار نہیں کیا۔ امام بخاری نے ہی روایت کیا ہے۔ "ہماری تعداد چودہ سو یا اس سے زائد تھی"۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف روایات کے مابین اس طرح تطبیق دی ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں نے اس طرح اس لیے کیا ہے کیونکہ اس کے متعلق ساری روایات صحیح ہیں"۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس طرح کا معجزہ غزوۂ بواط میں بھی رونما ہوا تھا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے ارشاد فرمایا "لوگوں کو وضو کرنے کا حکم دو"۔ میں نے تین بار یہ صدا لگائی "وضو کر لو"۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کارواں کے پاس تو پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں"۔ ایک انصاری صحابی حضور

اکرم ﷺ کے لیے پانی ٹھنڈا کرتے تھے۔ وہ ڈول میں پانی ٹھنڈا کرتے تھے۔ حضور ﷺ نے مجھے فرمایا ''فلاں انصاری صحابی کے پاس جاؤ اور دیکھو اس کے ڈول میں کچھ پانی ہے''۔ میں اس صحابی کے پاس گیا۔ میں نے دیکھا کہ اس کے ڈول میں تھوڑا سا پانی تھا۔ اگر میں اسے پینے کے لیے انڈیلتا تو پانی خشک ہو جاتا۔ میں بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوا۔ آپ کو بتایا۔ آپ نے فرمایا ''جاؤ وہی پانی لے آؤ''۔ میں نے وہ پانی آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ نے زبان اقدس سے کچھ پڑھا جس کا مجھے علم نہ ہو سکا۔ ہاتھ کا اشارہ کیا اور وہ برتن مجھے عطا فرما دیا۔ فرمایا ''جابر! کوئی بڑا سا پیالہ لے کر آؤ''۔ ایک بڑا سا پیالہ لایا گیا جسے آپ کے سامنے رکھ دیا گیا۔ آپ نے اپنے دست اقدس سے اشارہ کیا اس طرح۔ آپ نے اپنی مبارک انگلیاں پھیلائیں۔ پھر اس پیالہ کے پیندہ میں رکھ دیں۔ پھر فرمایا ''پانی اوپر سے انڈیلو اور اپنی زبان سے بسم اللہ کہو''۔ میں نے پانی انڈیلا اور بسم اللہ پڑھی۔ میں نے پانی کو حضور اکرم ﷺ کی انگلیوں کے مابین سے نکلتا ہوئے دیکھا۔ حتیٰ کہ وہ پیالہ بھر گیا۔ پھر فرمایا ''جابر! آواز دو۔ جسے پانی کی ضرورت ہو وہ آکر پانی لے جائے''۔ صحابہ کرام حاضر خدمت ہوئے۔ انہوں نے سیراب ہو کر پانی پیا۔ پانی پھر بھی بچ گیا۔ آپ نے فرمایا ''پانی کی اور ضرورت ہے؟ آپ نے اس پیالے سے ہاتھ اٹھا لیا۔ وہ لبالب بھرا ہوا تھا۔

حضرت حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے ''یہ واقعہ دیگر اس قسم کے واقعات میں سے سب سے زیادہ بلیغ ہے۔ کیونکہ اس میں پانی انتہائی قلیل تھا اور پینے والوں کی تعداد بہت زیادہ تھی''۔

امام احمد نے اپنی مسند میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پیاس کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے ایک بہت بڑا پیالہ منگوایا۔ اس میں کچھ پانی ڈالا گیا۔ حضور اکرم ﷺ نے اس میں اپنا دست اقدس رکھ دیا۔ فرمایا ''پانی پیو''۔ سارے صحابہ کرام نے پانی پیا۔ میں دیکھ رہا تھا۔ آپ کی مبارک انگلیوں کے مابین سے پانی کے چشمے رواں تھے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے اپنا ہاتھ برتن میں رکھا۔ پھر فرمایا بسم اللہ، پھر فرمایا وضو کرو''۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''مجھے اس ذات والا کی قسم! جس نے مجھے بصارت کی آزمائش میں مبتلا کیا ہے۔ (کیونکہ یہ اپنی عمر کے اواخر میں نابینا ہو گئے تھے) میں نے پانی کے چشموں کو دیکھا جو آپ ﷺ کی انگلیوں سے رواں تھے۔ آپ نے دست اقدس نہ اٹھایا حتیٰ کہ سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے وضو کر لیا۔ امام بیہقی نے دلائل میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''ایک سفر میں حضور ﷺ کی رفاقت کا شرف حاصل تھا۔ ہمیں شدید پیاس نے آلیا۔ ہم جلدی سے بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو گئے۔ حضور ﷺ نے پتھر یا پتیل کے برتن میں اپنا دست اقدس رکھا۔ پانی آپ کی مبارک انگلیوں سے چشموں کی طرح ابلنے لگا۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اسے لے جاؤ''۔ ہم نے وہ پانی لیا۔ اسے پیا، وہ پانی ہمیں کافی ہو گیا۔ اگر ہماری تعداد ایک لاکھ ہوتی تو وہ پانی پھر بھی ہمیں کافی ہو جاتا۔

امام بخاری نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''ایک سفر میں ہم حضور ﷺ کے ہمراہ تھے۔ اس سفر سے مراد حدیبیہ کا سفر ہے۔ ابو نعیم نے اسے غزوۂ خیبر کا سفر قرار دیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے اسی قول کو ترجیح دی

ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا "ہمارے پاس پانی نہیں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "دیکھو کسی کے پاس پانی ہو تو لے آؤ"۔ آپ کی خدمت میں پانی پیش کیا گیا۔ دوسری روایت کے مطابق صحابہ کرام ایک برتن لے آئے۔ جس میں تھوڑا سا پانی تھا۔ آپ نے اپنا دست اقدس اس پانی میں رکھ دیا۔ پانی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست اقدس سے نکلنے لگا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں جلدی جلدی اس پانی کی طرف گیا۔ حصول برکت کے لیے اسے اپنے پیٹ میں داخل کرنے لگا"۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم ایسی نشانیوں کو برکت سمجھتے تھے۔ تم انہیں باعث خوف سمجھتے ہو۔ ایک سفر میں ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ پانی کم ہو گیا۔ آپ نے فرمایا "کسی سے تھوڑا سا پانی تلاش کرو"۔ صحابہ کرام نے آپ کی خدمت میں پیالہ یا برتن پیش کیا جس میں تھوڑا سا پانی تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دست اقدس اس برتن میں داخل کر دیا اور فرمایا "مبارک اللہ کی طرف سے برکت اور پاکیزہ پانی کی طرف آؤ"۔ میں نے دیکھا پانی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک انگلیوں سے نکل رہا تھا۔ ہم کھانے کی تسبیح سنتے تھے۔ جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے تناول فرما رہے ہوتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رب تعالیٰ کا ادب کرتے ہوئے تھوڑا سا پانی صحابہ کرام سے طلب فرمایا۔ پھر اس میں اپنا ہاتھ رکھا۔ آپ نے اسے مس کیے بغیر پانی نہ نکالا۔ نہ ہی برتن رکھے بغیر پانی نکالا۔ وہ ذات پاک معدوم چیز کو بنانے اور اصل کے بغیر اسے ایجاد کرنے میں منفرد ہے۔ نیز اس لیے کہ بعض ناقص العقل یہ نہ سمجھیں کہ آپ نے پانی خود ایجاد کیا ہے۔ یہ اس طرف بھی اشارہ ہے کہ رب تعالیٰ دنیا میں سبب کے ساتھ کسی چیز کو پیدا فرماتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہی حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی ہے۔ اس روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو پانی لانے کا حکم دیا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کی "بخدا! مجھے پانی نہیں ملا"۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مشکیزہ منگوایا۔ آپ نے اس میں اپنا دست اقدس رکھ دیا۔ آپ کے دست اقدس کے نیچے سے پانی کا چشمہ ابل پڑا۔ اس روایت کو دارمی اور ابو نعیم نے ذکر کیا ہے۔ ابو نعیم اور طبرانی نے اسے حضرت ابو لیلیٰ رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی روایت کیا ہے۔ ابو نعیم نے اسے حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی نقل کیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا، مس اور برکت سے قلیل پانی کا کثیر ہو جانا

اس معجزہ کا تذکرہ غزوۂ تبوک میں ہو چکا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ تھے۔ وہ چشمہ تبوک تک پہنچے۔ اس چشمہ سے جوتے کے تسمے کے مانند پانی رس رہا تھا۔ اس معجزہ کے راوی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ "ہم نے اس چشمہ سے تھوڑا تھوڑا پانی جمع کر لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پانی سے اپنا چہرہ انور اور اپنے دست شفا بخش دھوئے۔ پھر پانی اس چشمہ میں پھینک دیا۔ پھر اس سے بہت زیادہ پانی نکلنے لگا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ وہ چشمہ پانی سے پھٹ گیا۔ اس سے بجلی کی سی آواز نکلتی تھی۔ صحابہ کرام نے جی بھر کر پانی پیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اے معاذ! اگر تمہیں طویل زندگی نصیب ہوئی تو تم دیکھو گے کہ یہ جگہ باغوں اور آبادی سے بھر جائے گی"۔ پھر اسی طرح ہوا جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا۔

امام بخاری نے غزوۂ حدیبیہ میں حضرت مسعود بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مقام حدیبیہ کے ایک گڑھے کے پاس اترے جس میں پانی بہت کم تھا۔ صحابہ کرام نے جلدی جلدی اس کا پانی نکال لیا۔ انہوں نے بارگاہ رسالت مآب میں پیاس کی التجاء کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ترکش سے تیر نکالا۔ آپ نے اسے اس پانی کے گڑھے میں گاڑھنے کا حکم دیا۔ بخدا! وہ گڑھا پانی سے ابلتا رہا حتیٰ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہاں سے واپس تشریف لے آئے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو فرمایا، کلی کی، دعا فرمائی۔ پھر وہ پانی حدیبیہ کے کنویں میں پھینک دیا۔ جس سے وہ کنواں پانی سے بھر گیا۔ مغازی ابوالاسود محمد بن عبدالرحمن اسدی مدنی میں حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس ڈول سے وضو فرمایا۔ کلی کی۔ پھر وہ پانی ڈول میں پھینک دیا۔ پھر وہ پانی کنویں میں انڈیلنے کا حکم دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکالا۔ اسے بھی کنویں میں پھینک دیا۔ پھر رب تعالیٰ سے دعا مانگی۔ پانی لگاتار بلند ہونے لگا حتیٰ کہ کنویں کی دیواروں کے کنارے تک آ گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کناروں پر بیٹھ کر پانی کے چلو بھرنے لگے۔

امام بخاری کی اس روایت میں اختصار ہے۔ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ اور آپ کے اسلحہ کی برکت عیاں ہے۔ ہر اس چیز کی برکت آشکارا ہو رہی ہے جس کی آپ کی طرف نسبت ہو۔ یہ معجزہ اس معجزہ کے علاوہ ہے جس کا تذکرہ ابھی گزرا ہے۔

امام بخاری اور امام مسلم نے مغازی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''پانی آپ کی مبارک انگلیوں سے نکلنے لگا''۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے وضو کا پانی کنویں میں پھینک دیا'' لہٰذا یہ دونوں معجزات جدا جدا ہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث مبارک میں ہے کہ پانی مبارک انگلیوں سے اس وقت رواں ہوا جب نماز عصر کا وقت تھا اور وضو کے لیے پانی نہ تھا، جب کہ حضرت مسعود اور حضرت براء رضی اللہ عنہما کی حدیث پاک میں ہے کہ آپ کی برکت سے کنویں کا پانی کثیر ہو گیا۔ یہ معجزہ پہلے معجزے سے زیادہ اہم ہے۔ کیونکہ اس سے صحابہ کرام نے نوش بھی فرمایا تھا اور جانوروں نے بھی پانی پیا تھا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ آپ کی مبارک انگلیوں سے پانی رواں ہوا جب کہ آپ کا دست اقدس اس برتن میں تھا سارے صحابہ کرام نے وضو بھی کر لیا اور پی بھی لیا تو آپ نے بقیہ پانی کنویں میں پھینکنے کا حکم دیا ہو۔ جس سے پانی کثیر ہو گیا ہو۔

فتح الباری میں ہے حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حدیبیہ کے مقام پر ان پر ابر کرم برسا۔ یہ بارش مذکورہ دونوں معجزات کے بعد ہوئی تھی۔ حضرت براء اور سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ وہاں پر چودہ سو صحابہ کرام موجود تھے۔ پہلے اس کنویں میں صرف اتنا پانی تھا جو پچاس بکریوں کو بھی سیراب نہیں کر سکتا تھا۔ ہم نے اس کا سارا پانی نکال لیا۔ ایک قطرہ بھی نہ چھوڑا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے کنارے پر رونق افروز ہوئے۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک ڈول پیش کیا گیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس میں لعاب دہن ملایا۔ رب تعالیٰ سے دعا مانگی۔ پھر پانی اس کنویں میں پھینک دیا۔ پھر فرمایا ''اسے کچھ دیر کے لیے چھوڑ دو''۔ ہم نے اسے تھوڑی دیر کے لیے چھوڑ دیا۔ پھر اس نے ہمیں اور ہماری سواریوں

کو سیراب کر دیا"۔ ایک اور روایت میں ہے۔ صحابہ کرام نے خود بھی سیر ہو کر پیا اور اپنی سواریوں کو بھی پانی پلایا۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "ایک سفر میں ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں تھے۔ (شاید یہ سفر حدیبیہ کی طرف، تبوک کی طرف یا کسی اور سمت ہو) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بارگاہ رسالت مآب میں پیاس کی شکایت کی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سواری سے نیچے تشریف لائے۔ آپ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو یاد فرمایا اور فرمایا "تم دونوں جاؤ اور پانی تلاش کرو۔ یہ دونوں حضرات پانی کی جستجو میں نکلے۔ انہوں نے ایک اونٹ پر ایک عورت دیکھی جو اپنے پاؤں لٹکائے بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے سامنے دو توشہ دان تھے۔ وہ اسے بارگاہ رسالت مآب میں لے آئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک برتن منگوایا۔ ان دونوں مشکیزوں سے پانی انڈیلا۔ پھر ان کا منہ بند کر دیا۔ پھر اس پانی میں اپنا دست اقدس رکھ دیا۔ پانی کے چشمے نکلنے لگے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں یہ اعلان کر دیا گیا "پانی پی لو۔ پانی لے جاؤ"۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسی طرح کیا۔ وہ عورت کھڑی دیکھ رہی تھی کہ اس کے پانی کے ساتھ کیا کیا جا رہا ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام سے فرمایا "اس عورت کی تسلی خاطر کے لیے کچھ جمع کرو"۔ کیونکہ اسے کافی دیر رکنا پڑا تھا۔ اور اسے یہ خدشہ بھی لاحق ہو گیا تھا کہ اس سے پانی لیا جائے گا۔

بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے "صحابہ کرام نے اس عورت سے پانی اس لیے لیا اور اس کا پانی جائز سمجھا کیونکہ وہ حربیہ تھی۔ اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ اس کی قوم کے ساتھ عہد تھا پھر بھی پیاس کی ضرورت مسلمان کے لیے عوض دے کر وہ پانی مباح کر دیتی ہے جو کسی غیر کی ملکیت میں ہو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس عورت کے لیے عجوہ، آٹا اور ستو جمع کیے۔ حتیٰ کہ اس کے لیے بہت سا غلہ جمع ہو گیا۔ انہوں نے یہ ساری چیزیں ایک کپڑے میں باندھیں اور انہیں اس کے اونٹ پر رکھ دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ہم نے تمہارے پانی سے کچھ کم نہیں کیا۔ بلکہ رب تعالیٰ نے ہمیں پانی پلایا ہے"۔ وہ عورت اپنے اہل خانہ کے پاس گئی۔ اسے کافی دیر ہو چکی تھی۔ اس کے اہل خانہ نے کہا: فلانہ! تجھے کس چیز نے روکے رکھا؟ اس نے کہا "تعجب نے۔ مجھے دو شخص ملے جو مجھے اس ذات کے پاس لے گئے جسے صابی کہا جاتا ہے۔ انہوں نے یوں یوں کیا"۔ اس عورت نے سارا ایمان افروز معجزہ بیان کر دیا۔ پھر اس عورت نے کہا "یا تو انہوں نے سارے لوگوں پر جادو کر دیا یا وہ رب تعالیٰ کے رسول برحق تھے"۔ صحابہ کرام اس عورت کے قبیلہ کے ارد گرد مشرکین پر حملہ آور ہوتے تھے۔ لیکن اس قبیلہ کے ساتھ کسی قسم کا تعارض نہیں کرتے تھے۔ ایک دن اس عورت نے اپنی قوم سے کہا "میری رائے یہ ہے کہ یہ لوگ تمہیں جان بوجھ کر چھوڑ رہے ہیں۔ کیا اب تمہیں اسلام میں کچھ رغبت ہے"۔ اس کی قوم نے اس کی بات مان لی اور حلقہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

یہ معجزہ غزوۂ تبوک میں گزر چکا ہے۔ وہاں یہ بھی تذکرہ تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے برتن سے وضو کیا۔ اس میں کچھ پانی بچ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا "اس برتن کی حفاظت کرنا۔ اس سے عنقریب عظیم خبر رونما ہو گی"۔ پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شدید پیاس نے آلیا۔ انہوں نے یہ تذکرہ بارگاہ رسالت مآب میں کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہی برتن منگوایا۔ اس سے اپنے پیالہ میں انڈیلا۔ اور صحابہ کرام کو سیراب کر دیا۔ امام احمد نے یہ اضافہ کیا

ہے" سارے صحابہ نے پانی پی لیا۔ اپنے اونٹوں اور جانوروں کو بھی سیراب کرلیا۔ اپنے مشکیزے اور برتن بھی بھر لیے۔ حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور میرے علاوہ سب نے پانی پی لیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانی انڈیلا مجھے فرمایا "پانی پی"۔ میں نے عرض کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اس وقت تک پانی نہیں پیئوں گا حتیٰ کہ آپ پانی پی لیں"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "قوم کو پلانے والا سب سے آخر میں پیتا ہے"۔ میں نے پانی پیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانی نوش کیا۔

بنوفزارہ کے وفد کے سلسلے میں پہلے تذکرہ ہو چکا ہے کہ انہوں نے بارگاہ رسالت مآب میں قحط سالی کا ذکر کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے دست التجاء بلند کیے۔ سات ایام تک ان پر ابر کرم برستا رہا۔ حتیٰ کہ انہوں نے عرض کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمارات گرنے لگی ہیں۔ مال غرق ہونے لگا ہے"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دست دعا بلند فرمائے اور عرض کی "مولا! ہمارے اردگرد برسا۔ ہمارے اوپر نہ برسا"۔ آپ نے یونہی بادل کی طرف اشارہ فرمایا۔ بادل فوراً پھٹ گیا۔ وادیٔ قناۃ ایک ماہ تک بہتی رہی۔ اطراف واکناف سے جو بھی آتا وہ یہی کہتا "کثیر بارش ہوئی ہے"۔

پہلے تذکرہ ہو چکا ہے کہ غزوۂ تبوک میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شدید پیاس لگی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رب تعالیٰ آپ کی دعائیں قبول کرلیتا ہے۔ دعا فرمائیں کہ رب تعالیٰ ہمارے لیے سحاب رحمت نازل فرما دے"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "کیا تم یہ پسند کرتے ہو"۔ انہوں نے عرض کی ہاں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آسمان کی طرف ہاتھ بلند فرمائے۔ پھر انہیں واپس نہ لوٹایا۔ حتیٰ کہ آسمان ابر آلود ہو گیا، خوب ابر کرم برسا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے سارے برتن بھر لیے۔ پھر ہم بارش دیکھنے کے لیے گئے تو ہم نے دیکھا کہ بارش نے لشکر گاہ کے آگے تجاوز نہیں کیا تھا۔

ابن اسحاق نے اپنے مغازی میں حضرت عمرو بن شعیب سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوطالب نے کہا "میں ذوالمجاز میں تھا۔ (یہ عرفہ کے قریب ایک بازار کا نام تھا۔ جس میں لوگ زمانہ جاہلیت میں جمع ہوتے تھے) مجھے وہاں پیاس نے آلیا۔ میں نے اپنے بھتیجے (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے عرض کی اے میرے بھتیجے! مجھے پیاس لگی ہے"۔ میں نے یہ بات تو آپ سے کر دی۔ مگر مجھے علم تھا کہ آپ کے پاس ایسی کوئی چیز نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی سواری سے نیچے اترے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابو طالب کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "چچا جان! آپ کو پیاس لگی ہے؟ میں نے کہا ہاں"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا پاؤں زمین پر مارا۔ وہاں پانی کا چشمہ رواں ہو گیا۔ فرمایا "چچا جان! پانی پیو"۔ میں نے سیر ہو کر پانی پیا۔ اس روایت کو ابن مسعود اور ابن عساکر نے روایت کیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت اور دعا سے قلیل کھانے کا کثیر ہو جانا

امام بخاری اور امام مسلم علیہما الرحمۃ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے خندق کی کھدائی کے متعلق روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی۔ بھوک کی شدت کی وجہ سے آپ نے شکم اقدس پر پتھر باندھ رکھے تھے۔ میں نے ایک توشہ دان باہر نکالا۔ جس میں ایک صاع جو تھے۔ میرے پاس ایک بکری کا بچہ تھا۔ میں نے بکری کا بچہ ذبح کیا۔ جو پیسے یا اپنی زوجہ کو حکم دیا انہوں نے جو پیسے"۔

دوسری روایت میں ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''ہم خندق کھود رہے تھے۔ اسی دوران ہمیں سخت چٹان کا سامنا کرنا پڑا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ والا میں حاضر ہوئے۔ عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں ایک سخت چٹان کا سامنا ہے''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''چلو میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں''۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھے تو مجھے آپ کے شکم اطہر پر ایک بندھا ہوا پتھر نظر آیا۔ تین روز سے ہم نے کچھ نہیں کھایا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کدال لے کر چٹان پر ایک ضرب لگائی جس سے وہ چٹان ریزہ ریزہ ہوگئی۔ میں نے عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے گھر جانے کی اجازت مرحمت فرمائیں'' آپ نے مجھے گھر جانے کا اذن عطا کر دیا۔ میں گھر آیا اپنی زوجہ سے کہا ''میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ کیفیت دیکھی ہے جسے برداشت نہیں کرسکتا۔ کیا تمہارے پاس کوئی جز ہے؟ اس نے کہا ''میرے پاس جو اور بکری کا ایک بچہ ہے۔ میں نے بکری کا بچہ ذبح کیا۔ میری زوجہ نے آٹا گوندھا۔ جب کھانا تیار ہوگیا تو میں نے اسے بڑے پیالے میں رکھا۔ میری بیوی نے مجھ سے کہا ''مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کے سامنے شرمندہ نہ کرنا'' میں بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوا اور سرگوشی کے انداز میں کہا ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم نے بکری کا ایک بچہ ذبح کیا ہے اور ایک صاع جو کے آٹے کی روٹیاں پکائی ہیں۔ آپ اپنے چند صحابہ کرام کے ہمراہ تشریف لائیں اور کھانا تناول فرمائیں''۔

ایک اور روایت میں ہے۔ میں نے عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم نے آپ کے لیے کھانا تیار کیا ہے۔ اپنے ایک یا دو صحابہ کرام کے ساتھ تشریف لائیں'' میری خواہش تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تنہا تشریف لائیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے پوچھا ''کھانا کتنا ہے؟ میں نے کھانے کی مقدار بتائی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''بہت ہے، عمدہ ہے''۔ اپنی زوجہ سے کہو کہ جب تک میں نہ آجاؤں وہ ہنڈیا کو آگ سے نہ اتارے اور روٹی کو تنور سے نہ نکالے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلند آواز سے پکارا، ''اے اہل خندق! جابر نے تمہارے لیے ضیافت کا بندوست کیا ہے۔ تم جلدی جلدی ان کے گھر پہنچو''۔ دوسری روایت کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اٹھو، مہاجرین وانصار کھڑے ہوگئے۔ جب حضرت جابر رضی اللہ عنہ اپنی زوجہ کے پاس آئے تو کہنے لگے ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مہاجرین اور انصار کے ساتھ تشریف لا رہے ہیں''۔ زوجہ محترمہ نے کہا ''کیا آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کھانے کی مقدار کے متعلق بتادیا تھا؟ میں نے کہا ''ہاں۔ میں نے یہ عرض کی تھی''۔

ایک اور روایت میں ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام مہاجرین وانصار کو دعوت کے لیے بلایا تو مجھے بہت حیاء آئی۔ میں نے سوچا کہ ایک صاع جو ایک بکری کے بچے کو کھانے کے لیے اتنی زیادہ مخلوق آرہی ہے۔ میں اپنی زوجہ کے پاس آیا۔ میں نے کہا ''آج بہت ندامت ہوگی''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجاہدین سمیت تشریف لا رہے ہیں۔ اس نے پوچھا ''کیا آپ نے کھانے کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتادیا تھا''۔ میں نے کہا ہاں۔ اس عظیم خاتون نے کہا ''اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں۔ ہم نے تو آپ کو اس کھانے کے متعلق بتادیا ہے جو ہمارے پاس موجود ہے''۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی زوجہ نے ان سے کہا ''جب آپ کو تمام حالات کا علم تھا تو آپ نے حضور

اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیوں نہیں کی"۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سارے حالات بتا دیئے ہیں"۔ اس وقت اس عظیم خاتون نے کہا "اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہتر جانتے ہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ کا یہ جملہ اس بات کی عکاسی کرتا ہے کہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزہ کے ظہور کا امکان نظر آ رہا تھا۔ یہ چیز ان کی ذہانت اور فضیلت پر دلالت کرتی ہے۔ ان کا نام مبارک سہیلہ بنت معوذ رضی اللہ عنہا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میرے آنے سے پہلے ہنڈیا بھی نہ اتارنا، نہ ہی آٹے کی روٹیاں پکانا"۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے غریب خانے پر تشریف لائے۔ میری زوجہ نے آپ کے سامنے آٹا رکھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا لعاب مبارک اس میں ملایا اور برکت کی دعا کی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنڈیا کی طرف تشریف لے گئے۔ اس میں بھی اپنا لعاب مبارک ڈالا اور برکت کی دعا کی۔ پھر فرمایا "روٹی پکانے والی کو بلا لو تاکہ وہ تمہاری زوجہ کے ساتھ مل کر روٹیاں پکائے"۔ پھر ان کی زوجہ سے فرمایا "تم ہنڈیا آگ کے اوپر ہی رہنے دو۔ اس سے سالن نکالتی رہو"۔ وہ صحابہ کرام جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تشریف لائے تھے ان کی تعداد ایک ہزار تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں دس دس کے گروہ میں بٹھاتے رہے۔ وہ کھانا کھاتے رہے۔ اللہ کی قسم! وہ جی بھر کر کھاتے رہے۔ حتیٰ کہ وہ خوب سیر ہو گئے۔ ہماری ہنڈیا اسی طرح لبریز رہی ہمارا آٹا اسی طرح رہا"۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا "اندر داخل ہو جاؤ لیکن بھیڑ نہ بنانا"۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روٹیاں توڑ توڑ کر صحابہ کرام کو عطا فرماتے رہے۔ حتیٰ کہ تمام صحابہ کرام خوب سیر ہو گئے۔ پھر آپ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی زوجہ سے فرمایا "خود بھی کھاؤ اور دیگر افراد کو بھی ہدیہ دو"۔ تمام لوگ کھانا کھاتے رہے۔ لیکن ہنڈیا اور تندور اسی طرح بھرے رہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "ہم نے خود بھی خوب کھانا کھایا، اہل محلہ کو بھی دیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے گھر سے تشریف لے گئے تو ساتھ ہی کھانے کی یہ برکت بھی ختم ہو گئی"۔

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوطلحہ زید بن سہل انصاری رضی اللہ عنہ نے حضرت انس کی والدہ ماجدہ سے کہا۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت ام انس رضی اللہ عنہا کے دوسرے خاوند تھے۔ یہ ام سلیم کے نام سے معروف تھیں۔ اس کے شوہر نامدار نے انہیں کہا "میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز میں نقاہت محسوس کی ہے۔ مجھے اس میں بھوک نظر آئی ہے"۔ امام مسلم کی روایت کے مطابق حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پیٹ پر پٹی باندھ رکھی تھی۔ میں نے اس کا سبب پوچھا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بتایا "بھوک کی وجہ سے"۔ امام احمد کی روایت میں ہے کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کپڑے لپیٹے ہوئے دیکھا۔ وہ حضرت ام سلیم کے پاس گئے۔ ان سے پوچھا "کیا تمہارے پاس کچھ ہے جسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تناول فرما سکیں۔ انہوں نے کہا ہاں۔ انہوں نے جو کی روٹی کے چند ٹکڑے نکالے۔ پھر اپنی چادر لی۔ کچھ میں وہ روٹی کے ٹکڑے لپیٹ دیئے، انہیں میری بغل کے نیچے دبا دیا اور بعض چادر میرے سر پر ڈال دی۔ پھر مجھے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بھیجا۔ میں نے دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے۔ صحابہ کرام آپ کی خدمت میں حاضر تھے۔ میں نے سلام عرض کیا۔ دوسری روایت میں ہے۔ میں

وہیں کھڑا ہو گیا۔ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا تمہیں ابوطلحہ نے بھیجا ہے؟ میں نے عرض کی ہاں۔ آپ نے فرمایا ''کھانے کے لیے''۔ میں نے عرض کی ہاں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہمراہ صحابہ کرام سے فرمایا ''اٹھو''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روانہ ہوئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ساتھ ہی روانہ ہوئے۔ ان کی تعداد ستر یا اسی تھی'' میں آگے آگے تھا ابونعیم کی روایت کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا ہاتھ زور سے تھام لیا۔ پھر صحابہ کرام کے ہمراہ تشریف لے گئے۔ جب ہمارے گھر کے قریب پہنچے تو میرا ہاتھ چھوڑ دیا۔ میں گھر کے اندر چلا گیا میں غمزدہ تھا۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ بہت سے صحابہ کرام تشریف لے آئے تھے۔ میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام کی تشریف آوری کے متعلق بتایا انہوں نے فرمایا ''انس! تم نے ہمیں رسوا کر دیا''۔

طبرانی میں ہے ''حضرت ابوطلحہ مجھے پتھر مارنے لگے''۔ پھر فرمایا ''ام سلیم! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ تشریف لا رہے ہیں۔ ہمارے پاس اتنا کھانا نہیں جو ان سب کو پورا ہو سکے''۔ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا ''اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہتر جانتے ہیں۔ گویا کہ انہیں علم ہو گیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمداً اس طرح کیا ہے تا کہ کھانا کثیر بن جانے کا معجزہ رونما ہو سکے۔ اس سے حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کی فضیلت اور عقل و دانائی کی خصوصیات عیاں ہو رہی ہیں۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا استقبال کیا عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے انس کو بھیجا تھا کہ تنہا آپ کو بلا لائے۔ ہمارے پاس اتنے زیادہ افراد کا کھانا نہیں ہے''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس میں برکت ڈالے گا''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اندر تشریف لے گئے۔ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا سے فرمایا ''ام سلیم! جو کچھ بھی تمہارے پاس ہے۔ اسے میرے سامنے لے آؤ''۔ انہوں نے وہ روٹی حاضر خدمت کر دی جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ہمراہ بھیجی تھی۔ حضور تاجدار عرب و عجم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس روٹی کو توڑنے کا حکم دیا۔ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے اس پر سرکہ ڈال دیا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضور ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''کیا تمہارے پاس گھی ہے؟ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''ہماری ڈبیہ میں تھوڑا سا گھی تھا'' یہ دونوں اسے نچوڑنے لگے تھے کہ وہ گھی نکل آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اپنی مبارک انگلی سے مس کیا پھر روٹی کو مس کیا اور اس پر پھونک ماری پھر فرمایا ''بسم اللہ''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی طرح کرتے رہے۔ وہ روٹی بڑھ رہی۔ حتیٰ کہ میں نے پیالے میں گھی کو پھیلتے ہوئے دیکھا۔ پھر آپ نے اس پر کچھ پڑھا۔ امام احمد کی روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بسم اللہ پڑھی۔ امام مسلم نے لکھا ہے کہ آپ نے اسے مس کیا اور اس میں برکت کی دعا کی۔ امام احمد کی روایت ہے وہ روٹی حاضر خدمت کی گئی۔ آپ نے اسے کھولا اور یہ پڑھا بسم اللہ اللھم اعظم البرکۃ فیھا پھر فرمایا ''دس دس صحابہ کرام کو اندر آنے کی اجازت دو''۔ دس صحابہ کرام اندر آئے انہوں نے جی بھر کر کھایا۔ صحابہ کرام کی تعداد ستر یا اسی تھی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل خانہ نے کھانا کھایا۔ کھانا پھر بھی بچ گیا۔ امام مسلم کی روایت میں ہے وہ کھانا پھر بھی بچ گیا حتیٰ کہ ہم نے اسے اپنے پڑوسیوں کو بطور ہدیہ دے دیا۔

یہ معجزہ خندق کی کھدائی سے قبل رونما ہوا تھا۔ مسجد سے مراد وہ جگہ ہو گی جسے نماز کے لیے ان ایام میں بنایا گیا تھا جب غزوۂ

خندق میں احزاب نے مدینہ طیبہ کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ یہ واقعہ متفرق روایات میں مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے عصیدہ (ایک کھانا) تیار کیا تھا۔ اس سے عیاں ہوتا ہے کہ یہ واقعہ متعدد بار ظہور پذیر ہوا تھا۔ غزوۂ حدیبیہ میں بھی اسی قسم کا واقعہ گزر چکا ہے۔

غزوۂ تبوک میں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھوک نے آلیا۔ انہوں نے اپنی کچھ سواریوں کو ذبح کرنے کا اذن مانگا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اجازت مرحمت فرما دی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کاش آپ انہیں حکم فرمائیں کہ وہ اپنا بقیہ زاد راہ جمع کریں۔ پھر آپ ان کے لیے برکت کی دعا کریں''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''ٹھیک ہے''۔ صحابہ کرام کو اپنا اپنا زاد راہ جمع کرنے کا حکم دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس میں برکت کی دعا کی۔ پھر فرمایا۔ ''اپنے اپنے توشہ دان لے آؤ''۔ صحابہ کرام نے وہ کھانا لے لیا اپنے سارے برتن بھر لیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور میں اس کا رسول (مکرم) ہوں جو شخص بھی رب تعالیٰ کے ساتھ ان کلمات کے ساتھ ملاقات کرے گا بشرطیکہ اسے ان میں کسی قسم کا شک نہ ہو تو وہ اسے جنت سے نہیں روکے گا''۔

امام بخاری اور امام مسلم وغیرہما نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تو مجھے میری امی جان حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے فرمایا ''کاش! آج ہم بارگاہ رسالت مآب میں کوئی چیز بطور تحفہ بھیج سکیں''۔ میں نے عرض کی ''آپ کچھ بھیج دیں'' آپ کھجور اور گھی کے پاس گئیں۔ اس سے حیس بنایا اسے برتن میں ڈالا۔

امام بخاری کی روایت میں ہے کہ انہوں نے وہ کھانا ہنڈیا میں ڈالا۔ پھر فرمایا ''انس! یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کر آؤ۔ عرض کرو۔ یہ کھانا میری امی جان نے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے وہ آپ کو سلام پیش کر رہی ہیں''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''یہ برتن نیچے رکھ دو''۔ پھر فرمایا ''میرے لیے فلاں فلاں صحابی کو بلا لاؤ۔ جو بھی تمہیں ملے اسے بلا لاؤ''۔ جن حضرات کا آپ نے نام لیا تھا میں انہیں بلا لایا نیز جو مجھے راستہ میں ملتا گیا میں اسے بھی بلاتا گیا۔ جب میں کاشانہ اقدس میں پہنچا تو وہ صحابہ کرام سے بھر چکا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا ''اس وقت کتنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے؟ انہوں نے فرمایا ''ہاں تین سو سے زائد صحابہ کرام موجود تھے''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حیس پر ہاتھ رکھا۔ پھر کچھ پڑھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دس دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بلایا۔ آپ نے انہیں فرمایا ''اللہ تعالیٰ کا نام لے کر کھاؤ''۔ ہر شخص اپنے آگے سے کھائے۔ ان سارے صحابہ کرام نے خوب سیر ہو کر کھانا کھایا پھر مجھے فرمایا ''انس! یہ برتن اٹھا لو'' مجھے معلوم نہیں کہ اس میں کھانا اس وقت زیادہ تھا جب میں نے اسے رکھا تھا یا اس وقت زیادہ تھا جب میں نے اسے اٹھایا تھا''۔

امام مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ام مالک انصاریہ رضی اللہ عنہا ایک ڈبیہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے گھی بھیجا کرتی تھی۔ ان کے پاس ان کے بچے آتے۔ ان سے سالن کا مطالبہ کرتے ان کے پاس کچھ نہ ہوتا۔ وہ اس ڈبیہ کی طرف جاتیں جس میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے گھی بھیجا کرتی تھیں۔ انہیں اس میں سے گھی مل جاتا۔ وہ گھی ان کے بیٹوں

کے لیے بطور سالن کام آتا رہا۔ حتیٰ ایک دن انہوں نے اسے نچوڑ لیا۔ حضرت ام مالک رضی اللہ عنہا بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئیں اور اس بات کا ذکر کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا تم نے اسے نچوڑ لیا تھا۔ انہوں نے عرض کی ہاں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اگر تم اسے چھوڑے دیتے تو اس سے اسی طرح گھی نکلتا رہتا''۔

ابن ابی عاصم اور ابن ابی خیثمہ نے حضرت ام مالک انصاری رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ وہ ایک ڈبیہ میں گھی لے کر بارگاہ رسالت مآب حاضر ہوئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اس میں سے گھی نکال لیں۔ پھر وہ ڈبیہ حضرت ام مالک رضی اللہ عنہا کو دی تو وہ گھی سے لبریز تھی۔ وہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئیں۔ عرض کی یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ نے میرا ہدیہ قبول کیوں نہیں فرمایا۔ اسے واپس لوٹا دیا ہے''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان سے پوچھا۔ انہوں نے عرض کی ''مجھے اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں نے اس سے اتنا زیادہ گھی نکالا حتی کہ مجھے شرم آنے لگی''۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''ام مالک! تمہیں مبارک ہو۔ یہ تمہارے لیے برکت ہے۔ یہ تمہارے لیے برکت ہے اس کا ثواب تمہیں رب تعالیٰ نے بہت جلدی دے دیا ہے۔ پھر فرمایا ''ہر نماز کے بعد یہ ذکر کیا کرو۔ دس دفعہ سبحان اللہ!، دس دفعہ الحمدللہ! دس دفعہ اللہ اکبر!''۔

امام طبرانی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ اپنی والدہ ماجدہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا ''میرے پاس ایک بکری تھی۔ میں نے اس کا گھی ایک ڈبیہ میں ڈالا۔ اسے حضرت زینب کے ہمراہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بھیج دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اس ڈبیہ کو نچوڑ دو''۔ حضرت زینب نے اسے نچوڑ دیا۔ دوبارہ ڈبیہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے پاس لے آئیں۔ انہوں نے دیکھا کہ ڈبیہ بھری ہوئی تھی جس سے گھی کے قطرات گر رہے تھے۔ انہوں نے کہا ''زینب! کیا میں نے تمہیں حکم نہیں دیا تھا کہ یہ ڈبیہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پیش کر دو۔ تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس گھی کو بطور سالن استعمال فرمائیں۔ انہوں نے کہا ''میں نے اسی طرح کیا ہے۔ اگر آپ کو یقین نہیں تو میرے ساتھ بارگاہ رسالت مآب میں چلو''۔ وہ ان کے ساتھ بارگاہ رسالت پناہ میں حاضر ہوئیں اور عرض کی کہ کیا حضرت زینب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاں۔ یہ گھی کی ڈبیہ لے کر آئیں تھیں۔ میں نے عرض کی ''مجھے اس ذات والا کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے یہ تو گھی سے لبریز ہے اس سے گھی کے قطرے گر رہے ہیں''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اے ام سلیم! کیا تم تعجب کر رہی ہو! یہ رزق تمہیں رب غفور نے عطا کیا ہے''۔

امام مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ صحراء کا ایک شخص بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوا اور غلہ مانگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے نصف صاع جو عطا فرمائے۔ وہ، اس کی بیوی اور ان کے مہمان اس جو سے کھاتے رہے۔ حتیٰ کہ انہوں نے انہیں ناپ لیا۔ پھر وہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوا اور اس واقعہ کی خبر دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اگر تم اسے نہ ناپتے تو اسے ہمیشہ کھاتے رہتے لیکن اس میں کمی نہ آتی''۔ اس شخص کے متعلق بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ یہ حضرت سعید بن حارث رضی اللہ عنہ کے دادا تھے۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے نکاح کے متعلق مدد طلب کی۔ جو انہوں نے مانگا

آپ نے اس کی جستجو کی۔ مگر وہ نہ مل سکا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابورافع اور حضرت ابوایوب کو اپنی زرہ دے کر بھیجا۔ انہوں نے وہ زرہ ایک یہودی کے پاس بطور رہن رکھی۔ اور اس سے نصف صاع جو لے گئے۔ حضور تاجدار حرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ جو اس شخص کو عطا فرما دیئے۔ اس آدمی کا اپنا ہی بیان ہے۔ ''ہم نے ڈیڑھ سال تک ان جو میں سے خود بھی کھایا اور مہمانوں کو بھی کھلایا۔ پھر انہیں ناپا تو وہ اتنے ہی تھے جتنے ہم نے ڈالے تھے''۔ وہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ اور اس واقعہ کی خبر دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں فرمایا ''اگر تم انہیں نہ ناپتے تو تم ساری زندگی انہیں کھاتے رہتے مگر یہ ختم نہ ہوتے۔

جب حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے اس ڈبیہ کو نچوڑ لیا تو اس میں سے گھی ختم ہو گیا اور جب اس شخص نے جو ناپ لیے تو وہ بھی ختم ہو گئے۔ ان افعال میں یہ حکمت کارفرما نظر آتی ہے ان کا نچوڑنا اور اس شخص کا جو ناپ لینا رب تعالیٰ پر توکل اور تسلیم و رضا کے خلاف ہے۔ طاقت، تدبیر اور قوت سے لینے کو متضمن ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کے فضل کے اسرار کو جاننے کا تکلف ہے۔ لہٰذا یہ کام کرنے والے کو بطور تنبیہ یہ سزا دی گئی کہ ان سے یہ نعمت ختم کر دی گئی۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مسلم میں لکھا ہے ''اور یہ بھی کہا گیا ہے یہ اس لیے ہوا کیونکہ انہوں نے رب تعالیٰ کے اسرار میں سے ایک سر افشاء کرنے کی کوشش کی تھی جس کا مخفی رہنا ہی بہتر تھا۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کے منافی نہیں ''اپنے غلہ کو ناپا کرو اس میں تمہارے لیے برکت ڈال دی جائے گی''۔ کیونکہ یہ اس شخص کے متعلق ہے جسے خیانت کا خدشہ ہو یا اس سے مراد یہ ہے جو غلہ خرچہ کے لیے نکال لو اسے ناپ لیا کرو تاکہ ضرورت سے زیادہ یا کم نہ نکل آئے۔ نیز بقیہ غلہ کا بھی علم ہو سکے یا اس سے مراد یہ ہے کہ خرید و فروخت کے وقت ناپ لیا کرو۔ یا گھر داخل کرتے وقت ناپ لیا کرو۔

امام ترمذی اور ان کے شیخ حضرت امام دارمی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ ہمارے پاس ایک پیالہ میں گوشت تھا جسے ہم صبح سے لے کر رات تک کھاتے رہے۔ دس افراد اس میں سے کھا کر اٹھتے تو دس اور بیٹھ جاتے''۔ ہم نے کہا ''کس چیز سے اس میں اضافہ ہو رہا ہے''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''تم کس چیز پر تعجب کر رہے ہو۔ یہ کھانا تو وہاں سے آ رہا ہے''۔ آپ نے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ مراد یہ ہے کہ رب تعالیٰ کے احسان کے ساتھ آپ کے لیے بطور معجزہ اس میں اضافہ ہو رہا ہے۔

دوسری روایت میں ہے جسے امام ترمذی، امام دارمی، امام ابن شیبہ، امام حاکم، امام بیہقی اور امام ابونعیم نے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت کیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک پیالہ پیش کیا گیا جس میں گوشت تھا۔ اس میں سے دس صحابہ کرام کے بعد دس صحابہ کرام کھاتے رہے۔ وہ صبح و شام تک کھاتے رہے۔ ایک گروہ اٹھتا تو دوسرا آ جاتا۔ ایک شخص نے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا ''کیا اس کھانے میں اضافہ ہوتا رہا؟ انہوں نے فرمایا اس میں وہاں سے اضافہ ہوتا رہا''۔ انہوں نے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ امام احمد، امام ترمذی، امام نسائی علیہم الرحمۃ نے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔

امام بخاری، امام مسلم نے حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''ہم ایک سو تیس افراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''کیا تم میں سے کسی شخص کے پاس کھانا ہے؟ ایک شخص کے

پاس ایک صاع کھانا تھا۔ اسے گوندھا گیا۔ پھر ایک مشرک آیا۔ اس کے بال لمبے اور بکھرے ہوئے تھے۔ وہ اپنی بکریاں ہانک رہا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "یہ فروخت کرو گے یا بطور ہدیہ دو گے"۔ اس نے کہا "میں فروخت کروں گا"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے ایک بکری خرید لی اسے ذبح کیا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی کلیجی بھوننے کا حکم دیا۔ بخدا! ایک سوتیس افراد میں سے ہر فرد کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حصہ نکالا۔ جو وہاں حاضر تھا اسے اس کا حصہ دے دیا یا جو غائب تھا اس کا حصہ رکھ دیا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا گوشت دو پیالوں میں رکھنے کا حکم دیا۔ ہم نے وہ کھانا کھایا اور سیر ہو گئے۔ پھر بھی گوشت بچ گیا جسے ہم نے اونٹ پر رکھ دیا"۔

اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عیاں معجزہ اور واضح نشانی ہے کہ تھوڑا سا غلہ اور گوشت ایک سوتیس افراد کے لیے کافی ہو گیا۔ بلکہ زائد بچ گیا۔

امام احمد اور امام بیہقی نے حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب اس آیت طیبہ کا نزول ہوا۔

وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ ﴿۲۱۴﴾ (الشعراء)

"اور آپ ڈرایا کریں اپنے قریبی رشتہ داروں کو"۔

تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو عبدالمطلب کو جمع کیا۔ چالیس افراد حاضر ہوئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے ایک مد کھانا تیار کرایا۔ اس کھانے کو ان چالیس افراد نے سیر ہو کر کھایا۔ کھانا پھر بھی اسی طرح بچ گیا کہ گویا کہ اس میں سے کچھ کھایا ہی نہیں گیا۔ پھر آپ نے دودھ سے لبریز پیالہ منگوایا۔ سب نے خوب جی بھر کر پیا۔ مگر پیالے کو دیکھ کر یوں لگتا تھا کہ اس سے کچھ پیا ہی نہیں گیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گفتگو کرنے کا ارادہ کیا تو ابولہب نے کہا "محمد (مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے تم پر جادو کر دیا ہے"۔ یہ سن کر بنو عبدالمطلب اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ نے ان سے کلام نہ فرمائی۔ دوسرے روز بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو عبدالمطلب کی اسی طرح دعوت کی۔ ابولہب نے اسی طرح کیا۔ تیسرے روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی اسی طرح دعوت کی۔ انہیں اللہ رب العزت کی طرف بلایا۔ ابولہب نے کہا "تمہارے لیے ہلاکت ہو کیا تم نے ہمیں اس لیے جمع کیا تھا" (نعوذ باللہ منہ)

اس وقت سورت تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ...... نازل ہوئی۔

ابن ابی شیبہ، امام طبرانی اور امام ابونعیم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ میں اہل صفہ کو بلاؤں۔ تاکہ وہ کھانا کھائیں جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ میں نے اہل صفہ کی جستجو کی، انہیں جمع کیا۔ ہمارے سامنے ایک پیالہ رکھ دیا گیا جس میں کھانا تھا۔ ہم نے اس میں سے جی بھر کر کھایا۔ مگر وہ اسی طرح لبالب بھرا رہا۔ ان میں کچھ بھی کم نہ ہوا تھا۔ مگر اس میں انگلیوں کے نشانات تھے۔ ابونعیم نے "الحلیہ" میں لکھا ہے کہ اہل صفہ کی تعداد ایک سو اور کچھ تھی۔ عوارف المعارف میں ہے کہ ان کی تعداد تقریباً چار سو تھی۔

امام طبرانی اور امام بیہقی نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو انہوں نے ان کے لیے اتنا کھانا پکوایا جو صرف دو افراد کے لیے کافی تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "انصار کے تیس اشراف کو بلاؤ"۔ انہوں نے انہیں بلایا۔ ان سب نے جی بھر کر کھایا، کھانا پھر بھی بچ گیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اب ساٹھ افراد بلالاؤ"۔ انہوں نے بھی وہ کھانا سیر ہو کر کھایا۔ کھانا پھر بھی بچ گیا۔ پھر فرمایا "اب ستر افراد بلالاؤ"۔ اس کھانے کو اب ستر افراد نے بھی کھایا۔ کھانا پھر بھی بچ گیا۔ جو بھی کھانا کھا کر نکلا۔ وہ نعمت اسلام سے مالا مال ہو کر ضرور نکلا۔ جب انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ معجزہ دیکھا۔ یہ لطف و عنایت دیکھی۔ انہوں نے آپ کے ساتھ جہاد کرنے اور آپ کی نصرت کرنے پر آپ کی بیعت کی۔

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ اسی افراد نے وہ کھانا کھایا۔ گویا کہ یہ کھانا ان افراد نے بھی کھایا جنہیں پہلے دعوت نہ دی گئی تھی۔ حتیٰ کہ ان کی تعداد ایک سو اسی ہو گئی۔ ورنہ انہوں نے تو ایک سو ساٹھ کو دعوت دی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار کے سرداروں کو منتخب فرمایا تا کہ ان کی تالیف قلبی ہو سکے۔ وہ اس معجزہ کو دیکھ کر اسلام قبول کر لیں اور آپ کی نصرت کریں۔ آپ نے انہیں انصار کہا۔ کیونکہ آپ کو علم تھا کہ یہ عنقریب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصرت کریں گے۔

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت خاتون جنت، جگر گوشہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے کھانے کے لیے ہنڈیا پکائی۔ پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بارگاہ رسالت مآب میں بھیجا تا کہ آپ بھی ان کے ہمراہ کھانا تناول فرمائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدہ نساء العالمین رضی اللہ عنہا کو حکم دیا کہ وہ اس کھانے کا ایک ایک پیالہ ازواج مطہرات کے حجرات مقدسہ میں بھی بھیج دیں۔ پھر انہوں نے ایک پیالہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے نکالا۔ پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لیے پھر اپنے لیے ایک پیالہ نکالا۔ پھر ہنڈیا کا ڈھکن اٹھا کر دیکھا تو کھانے سے کناروں تک بھری ہوئی تھی۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے وہ کناروں سے بہہ رہی تھی۔ حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا نے بھی اس سے تناول فرمایا۔

حضرت امام ابوداؤد نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ وہ احمس کے چار سو سواروں کو ان کھجوروں میں سے بطور زادراہ دیں جو بالا خانے میں ہیں"۔ انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! وہ کھجوریں کم ہیں۔ وہ اس قوم کو پوری نہیں ہو سکیں گی"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جو میں حکم دیتا ہوں وہ کر گزرو اور کھجوروں کے کم ہو جانے کا اندیشہ نہ کرو"۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ وہیں تشریف لے گئے۔ ان سواروں کو ان کھجوروں سے زادراہ دیا۔ وہ کھجوروں کا ڈھیر اس طرح تھا گویا کہ وہ اونٹنی کا بچہ بیٹھا ہو۔ ان سواروں کو عطا کرنے کے بعد کھجوریں اسی طرح تھیں ان میں ذرہ بھر بھی کمی نہیں ہوئی تھی۔

امام بیہقی نے صحیح سند سے حضرت نعمان بن مقرن سے یہی روایت لکھی ہے۔ البتہ انہوں نے فرمایا "یہ مدینہ کے چار سو افراد تھے"۔ ممکن ہے کہ واقعہ دوبار رونما ہوا ہو یا بعض افراد احمس سے اور بعض مدینہ سے ہوں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کے قرض کی ادائیگی کا واقعہ رقم کیا ہے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ غزوۂ احد میں جام شہادت نوش کر گئے۔ انہوں نے اپنے والد کے قرض خواہوں سے وہ باغ دے کر صلح کرنے کی کوشش کی جس سے انہیں رزق حاصل ہوتا تھا۔ مگر قرض خواہ ان کی اس بات پر راضی نہ ہوئے۔ اگر اس باغ کا پھل کئی سال تک حاصل ہوتا رہتا

پھر بھی ان کا قرض ادا نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کے متعلق حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بات کی۔ آپ نے ان کے قرض خواہوں سے بات کی وہ یہودی تھے۔ اس لیے انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات نہیں مانی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو جلد از جلد کھجوریں اتار کر انہیں درختوں کے تنوں کے ساتھ رکھنے کا حکم دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے باغ میں چلنے لگے۔ ان میں برکت کی دعا کی۔ کھجوریں بڑھنے لگیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے سارے قرض خواہوں کا قرض ادا کیا۔ پھر بھی ابھی تک ان کے سال بھر کا خرچہ باقی تھا۔ دوسری روایت کے مطابق ابھی اتنی کھجوریں باقی تھیں جتنی انہوں نے قرض خواہوں کو ادا کیں تھیں۔ یہ معجزہ نمائی دیکھ کر یہودی تعجب کرنے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو فرمایا ''حضرات ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو بلا لاؤ۔ انہیں بھی اس معجزہ نمائی کے متعلق بتاؤ کہ وہ شاداں فرحاں ہو جائیں ان کی قوت ایمانی میں اضافہ ہو جائے''۔

امام بیہقی اور امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''کسی غزوہ (غزوۂ تبوک) میں صحابہ کرام کو بھوک نے آلیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے فرمایا ''کیا تمہارے پاس کچھ ہے'' میں نے عرض کی ''ہاں! توشہ دان میں کچھ کھجوریں ہیں''۔ پیکر جود و سخا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''انہیں میرے پاس لے آؤ''۔ آپ نے ان میں سے مٹھی بھر لی۔ دوسری روایت میں ہے کہ ان کی تعداد دس سے کچھ زائد تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں پھیلایا برکت کی دعا کی۔ پھر فرمایا ''میرے لیے دس صحابہ کرام کو بلاؤ''۔ میں نے انہیں بلایا۔ انہوں نے جی بھر کر کھایا۔ پھر مجھے دس مزید افراد کو بلانے کا حکم دیا۔ میں نے انہیں بلایا۔ انہوں نے خوب سیر ہو کر کھایا۔ پھر مزید دس افراد بلانے کا حکم دیا۔ میں نے انہیں بلایا۔ انہوں نے بھی خوب سیر ہو کر کھایا۔ حتیٰ کہ سارے لشکر نے خوب جی بھر کر کھایا۔ پھر مجھے فرمایا ''اتنی کھجوریں لے لو جتنی لے کر آئے تھے۔ اپنا ہاتھ داخل کرو اور انہیں حاصل کر لو''۔ میں نے ان کھجوروں سے زیادہ لے لیں جتنی پیش کی تھیں۔ ان میں سے خود بھی کھائیں۔ اپنے اہل خانہ کو بھی کھلاتا رہا۔ اس توشہ دان کی یہ برکات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ، حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے عہد خلافت تک رہی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت تک میں اسی توشہ دان سے کھجوریں کھاتا رہا۔ پھر وہ توشہ دان گم ہو گیا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ اس لیے فرمایا ''اتنی کھجوریں لے لو جتنی پیش کیں تھیں'' کیونکہ وہ کھجوریں ابھی تک اسی حالت میں تھیں۔ آپ نے انہیں اسی طرح توشہ دان میں ڈال لینے کا حکم دیا۔ نیز یہ کہ وہ حسب ضرورت اس سے کھجوریں نکالتے رہیں۔

امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''جب میں راہ خدا میں جہاد کے لیے نکلتا تو میں ان میں سے اتنی اتنی کھجوریں اپنے ہمراہ لے جاتا''۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بھوک نے آ لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اپنے پیچھے آنے کا حکم دیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے پیچھے آنے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے کاشانہ اقدس میں دودھ کا پیالہ پایا۔ کسی نے آپ کے لیے بطور ہدیہ بھیجا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو

ہریرہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اہل صفہ کو بلائیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں نے دل میں سوچا، یہ تھوڑا سا دودھ ان کے لیے کیسے کافی ہوگا۔ میں اس کا ان سے زیادہ مستحق ہوں۔ کیونکہ مجھے شدید بھوک نے آلیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم ماننے کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار نہ تھا۔ میں نے اہل صفہ کو بلایا۔ آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں انہیں اس میں سے دودھ پلاؤں میں ان میں سے ایک ایک صحابی کے پاس دودھ کا پیالہ لے کر جاتا رہا۔ وہ خوب سیر ہوکر پیتا رہا۔ پھر وہ پیالہ دوسرا صحابی پکڑ لیتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخر میں فرمایا "اب میں اور تم رہ گئے ہیں۔ بیٹھ جاؤ یہ دودھ پیو"۔ میں نے دودھ پیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "مزید پیو"۔ آپ مجھے بار بار یہی حکم دیتے رہے۔ حتیٰ کہ میں عرض پیرا ہوا۔ "مجھے اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ اب مزید کوئی گنجائش نہیں"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیالہ پکڑا۔ رب تعالیٰ کی ستائش بیان کی اور بقیہ دودھ نوش فرما گئے۔

امام بیہقی نے حضرت خالد بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ یہ ابتدا میں ہی دولت اسلام سے مالا مال ہو گئے تھے۔ حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ راستہ میں ہی ان کا وصال ہو گیا۔ یہ ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے اور حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے۔ ان کی رہائش جعرانہ کے پاس تھی۔ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس سے گزرے۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ضیافت کے لیے ایک بکری ذبح کی۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے اہل وعیال کثیر تھے۔ اگر وہ ایک بکری ذبح کرتے تو ان کی کثرت کی وجہ سے انہیں ایک ایک ہڈی بھی نہیں آتی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بکری کا گوشت تناول فرمایا۔ باقی حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے ڈول میں ڈال دیا۔ اس میں برکت کی دعا کی۔

ایک اور روایت میں ہے آپ نے یہ دعا مانگی "مولا! ابوخناش کے لیے برکت فرما۔ انہوں نے یہ گوشت اپنے اہل خانہ کے سامنے رکھ دیا انہوں نے خوب سیر ہو کر کھایا۔ گوشت پھر بھی بچ گیا۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے "الشفاء" میں لکھا ہے مذکورہ بالا منقول معجزات صحیح روایات سے ثابت ہیں۔ ان روایات کو دس سے زائد صحابہ کرام نے نقل کیا ہے۔ پھر ان سے دوگنا تابعین نے ان روایات کو نقل کیا ہے۔ پھر ان گنت اور بے شمار راویوں نے انہیں بیان کیا ہے۔ مگر مشہور قصص میں موجود ہیں۔ ان کے متعلق حق کے ساتھ ہی گفتگو کرنا ممکن ہے۔ یہ بھی ممکن نہیں کہ کوئی شخص ان روایات کا انکار کرتا ہو۔ پھر وہ خاموش رہا ہو۔ ان روایات کے ساتھ وہ روایت بھی ملا لو جسے امام بیہقی، ابن سعد، ابن عدی نے حضرت سعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غلام سے روایت کیا ہے کہ وہ کسی غزوہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں تھے۔ ان کی تعداد تین سے زائد تھی۔ جہاں وہ خیمہ زن ہوئے وہاں چشمہ نہ تھا۔ انہیں پیاس نے آلیا ایک بکری نمودار ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا دودھ نکالنے کا حکم دیا، پھر اس کا دودھ سارے لشکر کو پلایا۔ حتیٰ کہ ان کی پیاس ختم ہو گئی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے خادم حضرت رافع رضی اللہ عنہ سے فرمایا "اس کے مالک بن جاؤ۔ اگرچہ میں تمہیں اس کا مالک دیکھتا نہیں ہوں"۔ انہوں نے اسے باندھ دیا۔ پھر واپس آئے تو دیکھا کہ وہ بکری رسی کھول کر غائب ہو چکی تھی۔ دوسری روایت کے مطابق حضرت رافع نے فرمایا "رات کا کچھ حصہ گزرنے کے بعد میں نے دیکھا تو وہ بکری غائب تھی۔ میں نے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اس کے متعلق عرض کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "رافع اسے وہی ذات لے گئی ہے جو اسے لے کر آئی تھی"۔

مردوں کو حیات نو عطا کرنا اور ان کا ہم کلام ہونا

حضرت امام بیہقی نے "الدلائل" میں روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو اسلام کی طرف دعوت دی۔ اس نے کہا "میں اس وقت تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایمان پر نہیں لاؤں گا جب تک آپ میری بیٹی کو زندہ نہ کردیں"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "مجھے اس کی قبر دکھا" اس نے آپ کو اپنی نور نظر کی قبر دکھائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "فلانہ!" اس نے عرض کی "لبیک و سعدیک"۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "کیا تو پسند کرتی ہے کہ اس دنیا میں واپس آجائے"۔ اس نے عرض کی "نہیں یارسول اللہ! بخدا! میں نے رحمن و رحیم رب کو اپنے والدین سے بہترین پایا ہے"۔ میں نے آخرت کو دنیا سے بہتر پایا ہے۔ مذکورہ بالا روایت کے یہ الفاظ حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے الشفاء میں تحریر کیے ہیں۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ایک شخص بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حاضر ہوا۔ اس نے عرض کی "میں نے اپنی لخت جگر فلاں وادی میں پھینک دی تھی"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے ساتھ اس وادی میں تشریف لے گئے۔ اس بچی کا نام لے کر فرمایا "فلانۃ! اللہ کے اذن سے زندہ ہوجا"۔ وہ یہ عرض کرتی ہوئی قبر سے باہر نکل آئی "لبیک وسعدیک" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تمہارے والدین اسلام قبول کرچکے ہیں اگر تو پسند کرے تو میں تمہیں ان کی طرف لوٹا دوں"۔ اس نے عرض کی "اب مجھے ان کی ضرورت نہیں۔ میں نے رب غفور کو ان دونوں سے بہترین پایا ہے"۔

ابن عدی، ابن ابی الدنیا، امام بیہقی اور ابونعیم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "ہم صفہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر تھے۔ ایک نابینا بڑھیا ہجرت کرکے آئی۔ اس کے ہمراہ اس کا لڑکا بھی تھا جو بالغ ہوچکا تھا۔ اس لڑکے کو مدینہ طیبہ میں بخار ہوگیا۔ کچھ دن بیمار رہا۔ پھر اس کی روح عالم بالا کو پرواز کرگئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے ڈھانپ دیا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کو اس کی تکفین کی تیاری کا حکم دیا۔ جب ہم نے اسے غسل دینے کا ارادہ کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "انس! اس کی والدہ کے پاس جاؤ۔ اسے اس کی موت کے متعلق بتاؤ"۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں اس کی والدہ کے پاس گیا۔ اسے بتایا۔ وہ بڑھیا آئی اپنے بچے کے قدموں کی طرف بیٹھ گئی۔ دونوں قدم پکڑ لیے۔ پھر کہا "میرا نور نظر مرگیا"۔ ہم نے کہا "ہاں"۔ اس نے یہ التجاء کی "مولا! تو خوب جانتا ہے کہ میں برضا و رغبت تجھ پر ایمان لائی۔ بتوں کو چھوڑا۔ تیری طرف رغبت رکھتے ہوئے ہجرت کی۔ مولا! بتوں کے پجاریوں کو مجھ پر مت ہنسانا۔ مجھ پر وہ گراں مصیبت نہ ڈال جسے برداشت کرنے کی مجھ میں سکت نہیں"۔ بخدا! اس بڑھیا کی یہ التجا ابھی ختم ہوئی ہی تھی کہ اس لڑکے نے اپنے قدموں کو حرکت دی۔ اپنے چہرے سے کپڑا اتار پھینکا اس نے کھانا کھایا۔ ہم نے بھی اس کے ساتھ کھانا کھایا پھر وہ زندہ رہا حتیٰ کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوگیا۔ اس کی ماں انتقال کرگئی۔ یہ اگرچہ حضور حامی بےکساں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کی ایک عورت کی کرامت ہے۔ مگر اسے آپ ہی کی برکت سے یہ نصیب ہوئی۔ کیونکہ وہ آپ کے دین متین میں داخل ہوگئی۔ ہر ولی کی کرامت اس کے نبی کا معجزہ ہوتا ہے۔

امام طبری، خطیب بغدادی، ابن عساکر اور ابن شاہین نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔

انہوں نے فرمایا ''حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الحجون تشریف لے گئے تو آپ غمزدہ اور افسردہ خاطر تھے۔ آپ وہیں کافی دیر ٹھہرے رہے۔ پھر مسرور وشاداں واپس تشریف لائے۔ آپ نے فرمایا ''میں نے اپنے رب تعالیٰ سے التجا کی۔ اس نے میری امی جان کو زندہ کیا۔ وہ مجھ پر ایمان لائیں۔ پھر قبر انور میں تشریف لے گئیں۔ اسی طرح حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ بھی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین کو زندہ کیا گیا۔ حتیٰ کہ وہ ایمان لائے۔ اس امر کا تفصیلی تذکرہ پہلی جلد میں ہو چکا ہے۔

ابن ابی الدنیا، ابن مندہ، طبرانی اور ابو نعیم نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''حضرت خارجہ بن زید رضی اللہ عنہ انصار کے سرداروں میں سے تھے۔ وہ ظہر اور عصر کے مابین مدینہ طیبہ کی گلیوں میں سے گزر رہے تھے کہ اچانک وصال فرما گئے۔ انصار کو علم ہوا تو وہاں گئے اور انہیں اٹھا کر ان کے گھر لے آئے۔ انہیں دو چادروں سے ڈھانپ دیا۔ گھر میں انصار کی خواتین اور مرد رو رہے تھے۔ حضرت خارجہ رضی اللہ عنہ اسی حالت میں ڈھانپے ہوئے تھے کیونکہ ان کی اچانک موت کا انصار کو یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس غمناک صورت حال میں کفن و دفن میں تاخیر ہو گئی۔ نماز مغرب اور عشاء کے مابین انہوں نے اچانک آواز سنی۔ کوئی کہہ رہا تھا ''خاموش ہو جاؤ! خاموش ہو جاؤ''۔ انہوں نے غور کیا کہ یہ آواز اس کپڑے کے نیچے سے آ رہی تھی جس سے انہیں ڈھانپا گیا تھا۔ انہوں نے ان کے چہرے سے کپڑا ہٹا دیا وہ یوں کہہ رہے محمد رسول اللہ، النبی الامی، خاتم النبیین لا نبی بعد، کان ذالک فی الکتاب الاول۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رب تعالیٰ کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں وہ نبی امی اور خاتم النبیین ہیں۔ ان کے بعد کوئی نبی نہیں یہ پہلی کتاب میں مرقوم ہے۔ پھر انہوں نے کہا ''یہ سچ ہے۔ یہ سچ ہے''۔ پھر کہا ''یہ اللہ تعالیٰ کے رسول محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ السلام علیک یا رسول اللہ ورحمۃ وبرکاتہ پھر وہ پہلے کی طرح وصال فرما ہو گئے۔ گویا کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح مبارک دیکھی جو ان کے پاس تشریف لائی تھی۔

دوسری روایت کے مطابق حضرت خارجہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم کی بھی تعریف کی۔ وصال کے بعد اس طرح کی گفتگو کرامت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کی کرامات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات ہی ہیں۔ یا یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اگر آپ کی امت میں ایسے عظیم الشان ہستیاں موجود ہیں جن سے ایسی کرامات کا ظہور ہو سکتا ہے تو ایسا معجزہ آپ سے رونما کیوں نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح حضرت امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عبید اللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا میں ان حضرات میں موجود تھا جنہوں نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو دفن کیا تھا۔ یہ یمامہ کے روز شہید ہوئے تھے۔ یہ انصار کے خطیب تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے جنت کی بشارت دی تھی۔ جب ہم نے انہیں قبر میں اتارا تو وہ اس طرح کہہ رہے تھے ''محمد رسول اللہ! ابو بکر الصدیق، عمر الشہید، عثمان البر الرحیم''، جب ہم نے انہیں دیکھا تو وہ وصال کی حالت میں تھے۔

غزوۂ خیبر کے واقعات میں زہر آلود بکری کا واقعہ گزر چکا ہے۔ ایک یہودی عورت نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک زہر آلود بھونی ہوئی بکری پیش کی۔ آپ نے اس سے تناول فرمایا۔ صحابہ کرام بھی کھانے لگے۔ آپ نے فرمایا ''اپنے ہاتھ اٹھا لو اس نے مجھے

بتایا ہے کہ یہ زہر آلود ہے"۔

المواہب میں حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک انصاری شخص کا وصال ہو گیا جب اسے کفن دیا جا چکا اور صحابہ کرام اسے اٹھانے کے لیے آئے تو اس نے یوں کہا، "محمد رسول اللہ"۔

اس روایت کو ابو بکر الضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ ابو نعیم نے روایت کیا ہے کہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما نے ایک بکری ذبح کی۔ اسے پکایا۔ اسے پیالے میں ڈالا۔ پھر اسے بارگاہ رسالت مآب میں پیش کر دیا۔ صحابہ کرام نے بھی اسے کھایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں فرمایا "اسے کھاؤ لیکن اس کی ہڈیاں نہ توڑنا"۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی ہڈیاں جمع کیں۔ ان پر اپنا دست اقدس رکھا۔ پھر دہن مبارک سے کچھ پڑھا۔ اچانک وہ بکری بن کر کان جھاڑتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "جابر! لو اپنی بکری لے لو۔ اللہ تعالیٰ اسے تمہارے لیے بابرکت کرے"۔ میں نے اسے پکڑا اور گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ اپنے کان مجھ سے چھڑاتی رہی۔ میں اسے اپنے گھر لے آیا۔ زوجہ نے پوچھا "جابر! یہ کیا ہے؟ میں نے کہا "بخدا! یہ وہی بکری ہے جسے ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ذبح کیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا مانگی تو رب تعالیٰ نے اسے زندہ کر دیا" اس بلند اقبال زوجہ نے کہا "میں گواہی دیتی ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول برحق ہیں"۔

اس روایت کو حافظ محمد بن منذر رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب "العجائب والغرائب" میں بیان کیا ہے۔

شیر خوار بچوں کا شرف ہمکلامی اور آپ کی نبوت کی شہادت

امام بیہقی، دار قطنی، حاکم اور خطیب بغدادی علیہم الرحمۃ نے حضرت معرض معیقیت یمانی سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حجۃ الوداع میں شرکت کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ میں مکہ مکرمہ کے ایک گھر میں گیا۔ میں نے وہاں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چہرہ انور کی زیارت کی۔ وہ ماہ تمام کی طرح تاباں تھا۔ حضرت ابن قانع کی روایت ہے آپ کا چہرہ انور چاند کی طرح تھا۔ میں نے آپ کی موجودگی میں ایک عجیب امر کا مشاہدہ کیا۔ اہل یمامہ میں سے ایک شخص آپ کی خدمت میں اپنا وہ بچہ لے کر آیا جو اسی روز پیدا ہوا تھا۔ اس نے اسے ایک کپڑے میں لپیٹ رکھا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے پوچھا "بچے! میں کون ہوں؟ اس نے عرض کی "آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ رب العزت کے مکرم و معظم رسول ہیں"۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ تجھ میں برکت ڈالے تو نے سچ کہا ہے"۔ پھر اس بچے نے بات نہ کی حتیٰ کہ وہ باتیں کرنے کی عمر کو پہنچ گیا۔ ہم اسے مبارک الیمامہ کہا کرتے تھے۔ کیونکہ حضور تاجدار حرم شہریار ارم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے فرمایا بارک اللہ فیک۔

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے خصائص الکبریٰ میں لکھا ہے۔ یہ روایت کئی طرق سے مروی ہے۔ یہ درجہ حسن تک پہنچ گئی ہے۔ امام سیوطی نے ان بچوں کو ان اشعار میں نظم کیا ہے جنہوں نے کم عمر میں بات کی۔ انہوں نے اس میں مبارک الیمامہ کا بھی ذکر کیا ہے۔

تکلم فی المھد النبی محمد و یحیی و عیسی و الخلیل و مریم

پنگھوڑے میں حضرت سید الانبیاء محمد مصطفیٰ، حضرت یحییٰ، حضرت عیسیٰ، حضرت خلیل اور حضرت مریم علیہم الصلوٰۃ والسلام

نے گفتگو کی۔

و مبری جریج ثم شاهد یوسف　　و طفل لدی الاخدود یریه مسلم

جریج کو بری الذمہ قرار دینے والا، پھر حضرت یوسف علیہ السلام کی گواہی دینے والا، وہ بچہ جو خندق کے قریب بیٹھا تھا اور مسلمان جسے دیکھ رہے تھے۔

وطفل علیه مربالامة التی　　یقال لها تزنی ولا تتکلم

پھر وہ بچہ جو لونڈی کے پاس سے گزرا جسے لوگ کہہ رہے تھے کہ تو نے زنا کیا ہے مگر وہ بول نہیں رہی تھی۔

ما شطة فی عهد فرعون طفلها　　وفی زمن الهادی المبارك یختم

فرعون کے عہد میں کنگھی کرنے والی کا بچہ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد ہمایوں میں مبارک یمامہ نے کمسنی میں گفتگو کی تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے معصوم بچپن میں کس طرح گفتگو فرمائی۔ یہ تذکرہ سیرت طیبہ کی پہلی جلد میں ہو چکا ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی والدہ ماجدہ کے شکم مبارک سے باہر رونق افروز ہوئے تو آپ نے اللہ رب العزت کی حمد و ثناء بیان کی۔ آپ چاند سے گفتگو اور وہ آپ سے شرف ہمکلامی کرتا تھا۔ وہ بقیہ افراد جن کا ذکر خیر مذکورہ بالا اشعار میں ہے تو ان کی داستانیں مشہور ہیں۔ جن کے تذکرہ سے موضوع طویل ہو جائے گا۔

امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ حضور سرور مرسلاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک ایسا بچہ پیش کیا گیا جو جوان تھا۔ مگر گفتگو نہیں کرتا تھا۔ یعنی وہ گونگا ہی پیدا ہوا تھا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے پوچھا "میں کون ہوں؟ اس نے عرض کی "آپ اللہ تعالیٰ کے رسول محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں"۔ اس جوان کا محو تکلم ہونا بھی آپ کا معجزہ ہے کیونکہ پہلے وہ گونگا تھا۔ وہ میت اور جمادات کی طرح تھا۔ وہ بولنے پر قادر نہ تھا۔

امام احمد، امام بیہقی اور ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک خاتون اپنا بچہ لے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئی۔ اس نے عرض کی "یا رسول اللہ! میرے اس بچے کو مرض جنون لاحق ہے۔ ہمارے صبح وشام کے کھانے کے وقت اسے جنوں کا دورہ پڑتا ہے"۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے سینے پر اپنا دست اقدس پھیرا۔ اس نے قئے کی۔ اس کے سینے سے گندا مواد نکلا۔ رب تعالیٰ نے اسے شفایاب کر دیا۔

ابن ابی شیبہ نے حضرت ام جندب رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ بنوخشعم کی عورت اپنے ہمراہ ایسا بچہ لے کر آئی جو گفتگو نہیں کرتا تھا۔ حضور شافع محشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانی منگوایا۔ اس سے کلی کی۔ اپنے دست اقدس اس میں دھوئے۔ وہ بچے کو دیا اس عورت کو حکم دیا۔ کہ اسے پلاؤ اور اس کے جسم پر ملو بھی۔ چشم زدن میں وہ بچہ شفاء یاب ہو گیا۔ اسے ایسی عقل و دانائی نصیب ہوئی کہ اپنے زمانہ کے بڑے زیرک اور داناؤں سے گوئے سبقت لے گیا۔

شفا ملتی ہے پل بھر میں

غزوۂ احد کے تذکرہ میں گزر چکا ہے کہ حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کی آنکھ نکل آئی تو انہوں نے اسے اپنے ہاتھ پر رکھ لیا

اور اسے لے کر بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اگر پسند کرو تو صبر کرو تو تمہیں جنت ملے گی۔ اگر پسند کرو تو میں واپس لوٹا دیتا ہوں''۔ وہ عرض گزار ہوئے، ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنت ایک جلیل عطا اور جمیل جزا ہے۔ لیکن میں وہ شخص ہوں جو عورت کی محبت کی آزمائش میں مبتلا ہوں۔ مجھے خدشہ ہے کہ وہ مجھے کانا کہے گی۔ آپ اس آنکھ کو بھی لوٹا دیں اور رب تعالیٰ سے میرے لیے جنت کی بھی التجاء کریں''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی آنکھ اپنے دست اقدس پر اٹھائی اور اسے اس کی جگہ پر لگا دیا۔ پھر یہ دعا مانگی ''مولا! اسے حسن وزیبائی عطا فرما''۔ وہ آنکھ دوسری آنکھ سے حسین تر تھی۔ وہ نظر میں بھی تیز تر تھی۔ جب دوسری آنکھ خراب ہوتی تو وہ خراب نہیں ہوتی تھی۔

امام بیہقی نے روایت کیا ہے حضرت ابوقتادہ حارث بن ربعی رضی اللہ عنہ کے چہرہ پر تیر لگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس جگہ پر اپنا لعاب دہن لگایا۔ حضرت ابوقتادہ نے فرمایا ''لعاب دہن لگنے کی دیر تھی کہ نہ وہاں زخم تھا نہ درد اور نہ ہی اس سے پیپ یا خون نکلا''۔

امام نسائی، امام ترمذی، امام حاکم اور امام بیہقی نے یہ روایت لکھی بھی ہے اور اسے صحیح بھی کہا ہے۔ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک نابینا شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے لیے التجاء کریں کہ مجھے میری بصارت مل جائے''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے فرمایا جاؤ، وضو کرو پھر دو رکعت نماز پڑھو پھر یہ دعا مانگو۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ وَاَتَوَجَّہُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ نَّبِیِّ الرَّحْمَۃِ یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اَتَوَجَّہُ بِکَ اِلٰی رَبِّکَ اَنْ یَّکْشِفَ عَنْ بَصَرِیْ اَللّٰھُمَّ شَفِّعْہُ فِیَّ

''اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطہ سے جن کا نام نامی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے جو نبی رحمت ہیں۔ تیری جناب میں متوجہ ہوتا ہوں۔ یارسول اللہ! آپ کے وسیلہ سے آپ کے رب کی جناب میں متوجہ ہوتا ہوں کہ میری آنکھوں کو بینا کر دے۔ اے مولا کریم! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کو میرے حق میں قبول فرما''۔

صحابہ کرام ابھی تک اس محفل میں تھے کہ وہ شخص واپس آیا اسے بینائی مل چکی تھی۔ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ اور ان کے فرزندانِ جمند یہ دعا لوگوں کو سکھاتے تھے۔ حاجات وضروریات کے وقت لوگ اسے پڑھتے تھے تو ان کی حاجت روائی فوراً ہو جاتی، مرادیں بر آتیں۔ علامہ برہان الدین حلبی نے اس روایت کو متعدد طرق سے روایت کیا ہے۔ علامہ شہاب الخفاجی نے شرح الشفاء میں لکھا ہے اس روایت میں شبہ نہیں اسے خوب یاد کر لو۔

ابونعیم نے روایت کیا ہے کہ حضرت ملاعب الاسنۃ عامر بن مالک رضی اللہ عنہ کو مرض استسقاء لاحق ہو گیا۔ انہوں نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اپنا قاصد بھیجا تاکہ وہ آپ سے دعا کی التجا کرے۔ آپ کی دعا کے طفیل رب تعالیٰ انہیں شفاء یاب کرے۔ حضور سید مرسلاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست اقدس سے زمین سے مٹی اٹھائی اس پر لعاب دہن لگایا۔ پھر وہ ان کے قاصد کو عطا فرما دی۔ اس نے تعجب کرتے ہوئے اسے پکڑ لیا کہ شاید آپ اس سے مذاق کر رہے تھے۔ جب قاصد حضرت عامر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا تو وہ جان بلب تھے۔ انہوں نے وہ مٹی پانی میں ڈالی اور اسے نوش جاں کیا۔ اللہ رب العزت نے

انہیں اس کی برکت سے شفاء یاب کر دیا۔

امام ابن ابی شیبہ، امام بیہقی اور امام طبرانی نے روایت کیا ہے کہ حضرت فدیک بن عمرو السلامی رضی اللہ عنہ کو بارگاہ رسالت مآب میں پیش کیا گیا تو وہ آنکھوں سے نابینا تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عدم بصارت کی وجہ دریافت فرمائی تو انہوں نے عرض کی ''میں اپنے اونٹوں کو ہانکے جارہا تھا۔ اچانک میرا پاؤں سانپ کے انڈے پر پڑ گیا فوراً میری آنکھوں کی بینائی ختم ہو گئی۔ حضور طبیب رحمانی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی آنکھوں میں پھونک ماری تو انہیں قوت بصارت فوراً مل گئی پھر وہ اتنے باریک بین ہو گئے کہ اسی سال کی عمر میں سوئی میں دھاگہ ڈال لیا کرتے تھے۔

محبوب خدا و محبوب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفا یابی

غزوۂ خیبر کے تذکرہ میں یہ ذکر ہو چکا ہے کہ حضور سپہ سالار اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''کل میں علم اسلام اس شخص کو عطا کروں گا وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیار کرتا ہوگا۔ اللہ رب العزت اور اس کا رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے محبت کرتے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھوں فتح عطا فرمائے گا''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف پیغام بھیجا۔ اس وقت انہیں آشوب چشم تھا۔ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا سر اپنی مبارک آغوش میں رکھا۔ پھر ان کی آنکھوں میں لعاب دہن لگا دیا۔ دوسری روایت کے مطابق مبارک دست اقدس پر لعاب دہن رکھا۔ پھر ان کی آنکھوں میں لگا دیا۔ وہ اسی وقت صحت یاب ہو گئے گویا کہ انہیں کوئی درد نہ تھا۔

دست شفا مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیگر واقعات

امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت یزید بن ابی عبید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''میں نے حضرت سلمہ بن اکوع کی پنڈلی پر زخم کا نشان دیکھا۔ میں نے ان سے پوچھا ''ابو مسلم! یہ کیسا نشان ہے؟ انہوں نے فرمایا ''یہ تلوار کا زخم ہے جو مجھے غزوۂ خیبر میں لگا۔ یہ ضرب کاری دیکھ کر لوگوں نے کہا ''سلمہ جانبر نہ ہو سکے گا''۔ میں بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین بار پھونک ماری آج تک مجھے اس زخم کی تکلیف محسوس نہیں ہوئی''۔

الشفاء میں ہے غزوۂ احد میں حضرت کلثوم بن الحصین رضی اللہ عنہ کے گلے پر تیر لگا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس جگہ اپنا لعاب مبارک لگایا۔ وہ اسی وقت صحت یاب ہو گئے۔ امام طبرانی نے روایت کیا ہے حضور طبیب قلوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کے زخم پر لعاب دہن لگایا تو وہ فوراً مندمل ہو گیا۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''غزوۂ خندق میں ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں تھے۔ میرے بھائی حضرت علی بن حکم رضی اللہ عنہ نے خندق کو اپنے گھوڑے پر عبور کرنا چاہا۔ ان کی پنڈلی پر خندق کی دیوار لگی جس نے اسے توڑ کر رکھ دیا۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ اپنے گھوڑے سے نہیں اترے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''بسم اللہ'' انہیں کسی چیز نے اذیت نہ دی اور وہ فوراً ٹھیک ہو گئے۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے حضرت معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ غزوۂ بدر کے روز ان کا ہاتھ کٹ گیا۔ وہ اسے لے کر بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر اپنا لعاب دہن لگایا اور اسے چھوڑ دیا۔ وہ بازو پہلے کی طرح جڑ گیا۔

ابن اسحاق نے ہی روایت کیا ہے کہ حضرت خبیب بن اساف رضی اللہ عنہ کو غزوۂ بدر کے روز ان کی گردن پر ضرب کاری لگی۔ حتیٰ کہ ان کا ایک حصہ ایک طرف ڈھلک گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے سیدھا فرمایا ''اسے دم فرمایا تو وہ بالکل تندرست ہو گئے''۔

امام بیہقی، امام نسائی اور امام طیالسی نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے حضرت محمد بن حاطب الجمحی رضی اللہ عنہ کے بازوؤں پر ہنڈیا الٹ گئی۔ وہ بچے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی اس جگہ پر دست اقدس پھیرا۔ اس پر لعاب دہن لگایا تو فوراً صحت یاب ہو گئے۔

امام طبرانی اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ حضرت شرحبیل الجعفی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر گلٹی سی تھی جس کی وجہ سے وہ نہ تو تلوار مضبوطی سے پکڑ سکتے تھے اور نہ ہی گھوڑے کی لگام۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں تذکرہ کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زور سے اس پر اپنی مبارک ہتھیلی ملنے لگے جس طرح چکی چلائی جاتی ہے حتیٰ کہ وہ گلٹی نما چیز ختم ہو گئی اس کا نشان بھی باقی نہ رہا۔

امام طبرانی نے حضرت امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک لونڈی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کھانا مانگا۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تناول فرما رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اس کھانے میں سے عطا فرمایا جو آپ کے سامنے پڑا ہوا تھا۔ وہ لونڈی کم حیا تھی۔ اس نے عرض کی ''مجھے وہ کھانا چاہیے جو آپ کے منہ مبارک میں ہے''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دہن مبارک سے نکال کر اسے عطا فرما دیا۔ کبھی بھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی نے کچھ مانگا ہو اور آپ نے عطا نہ کیا ہو۔ جب وہ پاکیزہ لقمہ اس عورت کے پیٹ میں چلا گیا تو رب تعالیٰ نے اسے حیاء کی دولت ارزانی فرما دی۔ مدینہ طیبہ کی کوئی خاتون بھی حیاء میں اس سے مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مس کرنے سے امراض ختم، بیماریاں کافور اور صفات ذمیمہ کا صفات حمیدہ میں بدل جانا

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک دفعہ اہل مدینہ طیبہ گھبرا گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے پر سوار ہوئے۔ وہ گھوڑا پہلے سست رو تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس تشریف لائے تو حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''ہم نے تمہارے گھوڑے کو سمندر پایا ہے''۔ اب کوئی گھوڑا بھی اس کے ساتھ مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔

امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کے اونٹ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لکڑی کی ہلکی سی ضرب لگائی۔ وہ اونٹ پہلے تھک چکا تھا۔ اچانک اس میں اتنی برق رفتاری آ گئی کہ اس کی نکیل تھامنا مشکل تھا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غزوۂ ذات الرقاع میں وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ ان کا اونٹ سست رو ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس سے گزرے تو پوچھا کیا ہوا ہے؟ انہوں نے عرض کی ''میرا اونٹ سست رو ہو گیا ہے۔ وہ تھک گیا ہے۔ اس لیے میں

پیچھے رہ گیا ہوں"۔ حضور سپہ سالار اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نیچے تشریف لائے۔ اپنے مبارک عصا سے ہلکی سی ضرب لگائی۔ پھر حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا "اس پر سوار ہو جاؤ"۔ پھر وہ اونٹ اتنا تیز رفتار ہو گیا کہ انہوں نے بڑی مشکل سے اسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اونٹ سے آگے نکلنے سے روکا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے وہ اونٹ خرید لیا۔ مدینہ طیبہ پہنچ کر آپ نے انہیں اس کی قیمت ادا کی۔ پھر اونٹ بھی انہیں واپس کر دیا"۔

امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جعیل بن زیاد الاشجعی رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کے ساتھ بھی اسی طرح کیا۔ انہوں نے فرمایا "ایک غزوہ میں میں کمزور اور لاغر سی گھوڑی پر سوار تھا۔ جو لوگوں میں سے سب سے پیچھے تھی"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے فرمایا "تمہیں کیا ہوا ہے؟ میں نے عرض کی "میری گھوڑی کمزور اور لاغر ہے"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست اقدس میں عصا تھا۔ آپ نے اسی کے ساتھ اسے ایک ہلکی سی ضرب لگائی۔ پھر فرمایا "رب تعالیٰ اسے بابرکت کرے"۔ اب میں سارے لوگوں سے آگے نکل گیا۔ میرے لیے اس گھوڑی کو تھامنا مشکل ہو گیا۔ انہوں نے اس گھوڑی میں سے بہت سے بچھیڑے فروخت کیے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ انہوں نے اس گھوڑی کی اولاد پھر اولاد کی اولاد میں سے بارہ ہزار درہم کے بچھیڑے فروخت کیے۔

ابن اسحاق اور ابن سعد نے حضرت عبداللہ بن ابی طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے دراز گوش پر سوار ہوئے۔ وہ بہت سست رو تھا۔ بعد میں وہ اتنا سریع رفتار ہو گیا کہ کوئی دراز گوش اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔

امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ کی ٹوپی میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گیسوئے پاک میں سے چند بال مبارک تھے۔ وہ جس معرکہ میں بھی شرکت کرتے کامیابی ان کے قدم چوم لیتی۔

امام مسلم، امام ابو داؤد، امام نسائی اور امام ابن ماجہ علیہم الرحمۃ نے حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے ایک جبہ مبارک نکالا جس پر سبز نشانات تھے۔ انہوں نے فرمایا "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے زیب بدن فرماتے تھے۔ ہم اسے دھو کر اس کا دھون پیتے تو ہمیں شفاء نصیب ہوتی"۔

امام بیہقی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے وضو سے بچا ہوا پانی بئر قبا میں پھینک دیا۔ پھر اس کا پانی کبھی ختم نہ ہوا۔ دوسری روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس میں اپنا لعاب دہن پھینکا تھا۔

ابو نعیم نے روایت کیا ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے گھر میں ایک کنواں تھا۔ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا لعاب دہن پھینکا مدینہ منورہ کا کوئی کنواں اس سے زیادہ شیریں نہ تھا۔

ایک سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک کنویں کے پاس سے گزرے آپ سے عرض کی گئی "اس کا نام بیسان ہے اور اس کا پانی نمکین ہے"۔ حضور نور مجسم رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "نہیں! بلکہ اس کا نام نعمان ہے اور اس کا پانی عمدہ ہے"۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے اس کا پانی شیریں ہو گیا۔

امام ابن ماجہ اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ حضور تاجدار حرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آب زمزم کا ایک ڈول پیش کیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس میں کلی کی تو اس کی خوشبو مشک اذفر سے بھی زیادہ عمدہ ہوگئی۔

امام طبرانی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہزادگان حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کو اپنی زبان مبارک عطا فرمائی۔ وہ رو رہے تھے انہوں نے زبان وحی ترجمان کو چوسا تو پرسکون ہو گئے۔

امام بیہقی نے روایت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شیر خوار بچوں کے منہ میں لعاب دہن ڈالتے تھے جو شب بھر کے لیے انہیں کافی ہو جاتا۔ دوسری روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عاشورہ کے روز شیر خوار بچوں کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈالتے تھے۔

پہلے تذکرہ ہو چکا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو مرغی کے انڈے کے برابر سونا عطا فرمایا۔ فرمایا "اس سے اپنا قرض اتار لو"۔ ان پر چالیس اوقیہ قرض تھا۔ انہوں نے عرض کی "اس سونے کے انڈے کے ساتھ اتنا کثیر قرض کیسے ادا ہوگا؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے لیا۔ اسے اپنی زبان مبارک پر رکھا۔ پھر فرمایا "اسے لے جاؤ۔ اللہ تعالیٰ اس سے تمہارا سارا قرض اتار دے گا"۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں نے اس انڈے سے ان کے لیے چالیس اوقیہ وزن کیا۔ ابھی تک میرے پاس اتنا ہی سونا تھا جتنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عطا کیا تھا۔

امام قاسم بن ثابت نے الدلائل میں حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے حضرت حنش بن عقیل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "مجھے حضور ساقی کوثر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ستو کا شربت پلایا۔ پہلے خود نوش فرمایا میں نے آخر میں پیا۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے پہلے پیا تا کہ اس میں برکت شامل ہو جائے۔ پھر حضرت حنش رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا تو بقیہ انہوں نے پی لیا۔ انہوں نے فرمایا "بعد میں جب بھی مجھے پیاس لگتی تو اس شربت سے سیرابی محسوس ہوتی جب بھوک لگتی تو اس سے بھوک مٹ جاتی"۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ نے آپ کے ہمراہ نماز عشاء ادا کی۔ وہ رات تیرہ و تار تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں کھجور کی شاخ عطا فرمائی۔ فرمایا "اسے لے جاؤ۔ یہ دس گز تمہارے آگے اور دس گز تمہارے پیچھے نور فشاں ہوگی۔ گھر جاؤ گے تو تمہیں وہاں ایک تاریکی نظر آئے گی۔ اس کو مارنا حتیٰ کہ وہ نکل جائے۔ وہ شیطان ہے"۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ وہاں سے روانہ ہوئے۔ شاخ خرما ان کے لیے نور فشاں ہوگئی۔ حتیٰ کہ وہ اپنے گھر داخل ہو گئے۔ انہوں نے سیاہ چیز دیکھی۔ اسے مارا۔ حتیٰ کہ وہ گھر سے نکل گئی جس طرح کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا۔

امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ کو غزوۂ بدر کے روز ایک لکڑی عطا فرمائی۔ کیونکہ ان کی تلوار ٹوٹ گئی تھی۔ آپ نے فرمایا "اسی کے ساتھ شمشیر زنی کرو"۔ وہ ان کے ہاتھ میں جا کر لمبی شمشیر براں بن گئی۔ اس کی رنگت سفید تھی۔ اس کا لوہا سخت تھا۔ انہوں نے اسی کے ساتھ جہاد کیا پھر وہ تلوار انہی کے پاس رہی۔ وہ اسے لے کر جہاد میں شرکت کرتے رہے۔ حتیٰ کہ مرتدین کے خلاف معرکہ آرائی میں وہ جام شہادت نوش کر گئے۔ اس تلوار کو "العیون" کہا جاتا تھا۔

اہل سیر، امام بیہقی اور امام عبدالبر نے الاستیعاب میں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ احد کے روز حضرت عبداللہ بن

جحش رضی اللہ عنہ کو کھجور کی شاخ عطا فرمائی۔ ان کی تلوار ٹوٹ چکی تھی۔ وہ شاخ فوراً تلوار بن گئی۔ حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا کا قصہ بہت مشہور ہے اسے ''اصحاب السیر'' نے تحریر کیا ہے۔ حضرت حافظ علائی نے اسے علیحدہ تالیف کی صورت میں لکھا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ ہجرت فرماتے ہوتے وقت اس کے خیمہ کے پاس سے گزرے۔ وہیں فروکش ہو گئے۔ اس سے زاد راہ طلب فرمایا۔ اس نے عرض کی ''اس کمزور و ناتواں بکری کے علاوہ میرے پاس اور تو کچھ نہیں یہ بھی دودھ نہیں دیتی''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی کھیری کو دست اقدس لگایا تو وہ فوراً دودھ اتار آئی۔ اتنا کثیر دودھ نکلا کہ جو آپ کے لیے، آپ کے ساتھیوں کے لیے کافی ہو گیا اس کے خیمہ کے سارے برتن بھی دودھ سے لبریز ہو گئے۔ جب ام معبد کا شوہر آیا تو اس نے اسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس معجزہ کے متعلق بتایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مبارک حلیہ بیان کیا۔ اس نے فوراً پہچان لیا۔ پھر حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا اپنے ننھے سے بچے کے ساتھ مدینہ طیبہ حاضر ہوئیں اور اسلام قبول کر لیا۔

رضاعت مبارکہ میں تذکرہ ہو چکا ہے کہ جب حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا آپ کو رضاعت کے لیے لے گئیں ان کے خاوند اپنی اونٹنی کو لینے کے لیے گئے تو انہوں نے دیکھا کہ اس کی کھیری دودھ سے لبالب بھری ہوئی تھی۔ اس سے اس قدر دودھ نکلا جوان کے سارے خاندان کے لیے کافی ہو گیا۔ انہوں نے وہ شب خیر و برکت کے ساتھ گزاری۔ انہوں نے اپنی زوجہ سے کہا ''حلیمہ! یہ مبارک بچہ ہے۔ بخدا! مجھے اس سے برکت کی امید ہے''۔

امام بیہقی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بکری کا قصہ بھی رقم کیا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کی عمر ابھی چھوٹی تھی۔ وہ عقبہ بن ابی معیط کی بکریاں چراتے تھے۔ ان کے پاس سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا۔ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا ''کیا تمہارے پاس دودھ ہے؟ انہوں نے عرض کی ''ہاں۔ لیکن میں امین ہوں''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''میرے پاس ایک بکری لے کر آؤ جس کے ساتھ نر نے جفتی نہ کی ہو''۔ میں نے آپ کی خدمت میں ایسی بکری پیش کر دی۔ آپ نے اس کی کھیری کو دست اقدس لگایا۔ رب تعالیٰ سے دعا کی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک پیالہ لے کر آئے۔ آپ نے اس میں دودھ نکالا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا اسے پی لو''۔ پھر کھیری سے فرمایا ''سکڑ جا'' وہ پہلے کی مانند ہو گئی۔ یہی معجزہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا سبب بنا۔

امام مسلم اور امام بیہقی نے حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کی بکری کا واقعہ بھی لکھا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''مجھے اور میرے ساتھیوں کو بہت زیادہ بھوک نے آلیا۔ ہم نے اپنا آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر پیش کر دیا۔ لیکن انہوں نے ہمیں قبول نہ کیا۔ ہم بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے۔ آپ ہمیں اہل بیت کے پاس لے گئے۔ وہاں تین بکریاں تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''ان کا دودھ دوھ لو''۔ ہم ان کا دودھ نکالتے۔ خود پی لیتے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حصہ رکھ لیتے۔ رات کے وقت آپ جلوہ افروز ہوتے تو وہ دودھ نوش فرما لیتے۔ ایک رات میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ انصار آپ کی خدمت میں دودھ پیش کرتے ہیں۔ آپ کو اس دودھ کی کیا ضرورت ہے۔ میں وہ دودھ بھی پی گیا۔ پھر میں اس خدشہ سے نادم ہوا کہ آپ نے دودھ نہ پایا تو آپ میرے لیے بددعا کریں گے۔ میں ہلاک ہو جاؤں گا۔ اس اندیشہ کے پیش نظر میں سو بھی نہ سکا۔ میرے دونوں ساتھی سو

گئے۔ حضور ﷺ حسب معمول تشریف لائے۔ برتن دیکھا تو وہ خالی تھا۔ نظر مبارک آسمان کی طرف بلند ہوئی۔ میں نے کہا "آپ میرے لیے بددعا کر رہے ہیں"۔ آپ نے یہ دعا مانگی "مولا! جو مجھے کھلائے اسے کھلا جو مجھے پلائے اسے پلا"۔ میں نے چھری لی اور بکری کو ذبح کرنے کے لیے اس کی طرف گیا اچانک دیکھا تو ان سب کی کھیریاں دودھ سے لبالب بھری ہوئیں تھیں۔ میں نے برتن میں دودھ نکالا حتی کہ وہ بھر گیا۔ آپ کی خدمت میں برتن پیش کر دیا۔ آپ نے اسے نوش فرمایا۔ بقیہ مجھے عطا فرمایا۔ جب میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ نے جی بھر کر دودھ نوش کر لیا ہے آپ کی دعا قبول ہو گئی ہے تو میں بہت زیادہ ہنسا۔ آپ نے فرمایا سواد! اتنی زیادہ ہنسی؟ میں نے عرض کی "یا رسول اللہ! ﷺ میری طرف سے اس واقعہ کا ظہور ہوا"۔ آپ ﷺ نے فرمایا "یہ صرف رحمت خداوندی ہے۔ اگر تم اپنے دو ساتھیوں کو بھی جگا لیتے تو یہ دودھ انہیں بھی کافی ہو جاتا"۔ میں نے عرض کی "مجھے اس ذات کریمانہ کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔ مجھے کسی کی کوئی پرواہ نہیں۔ پھر آپ نے وہ دودھ نوش کر لیا اور آپ کا بقیہ مجھے پینے کی سعادت ابدی نصیب ہو گئی"۔

ابن سعد نے تحریر کیا ہے کہ آپ ﷺ کے چند صحابہ کرام سفر پر جانا چاہتے تھے۔ آپ ﷺ نے ایک مشکیزہ انہیں عنایت کیا اس کا منہ بند کیا اور برکت کی دعا کی۔ جب نماز کا وقت ہوا تو وہ صحابہ کرام ایک جگہ اترے۔ مشکیزہ کا منہ کھولا تو وہ دودھ سے لبریز تھا۔ اس کے منہ پر مکھن کی تہ جمی ہوئی تھی۔

الشفاء میں ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عمیر بن سعد یا عمر بن سعد رضی اللہ عنہ کے سر پر دست اقدس پھیرا ان کی عمر کے لیے دعا کی۔ انہوں نے اسی برس کی عمر میں وصال کیا۔ آپ کے دست شفا بخش کی برکت سے انہیں بڑھاپا نہیں پہنچا تھا۔ نہ ان کے سر کے بال سفید ہوئے تھے نہ ہی وہ کمزور ہوئے تھے۔

ابن حبان نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت مدلوک فزاری رضی اللہ عنہ کے سر کو مس کیا ان کا باقی سارا سر سفید ہو گیا لیکن جس جگہ دست حق نما پھرا تھا۔ وہ کالا ہی رہا۔

امام طبرانی اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ حضرت عتبہ بن فرقد رضی اللہ عنہ سے ایسی خوشبو آتی تھی جو ان کی بیویوں سے آنے والی خوشبوؤں پر غالب آ جاتی تھی۔ حتیٰ کہ ان کی زوجہ حضرت ام عاصم رضی اللہ عنہا نے فرمایا "ہم ان کی تین بیویاں تھیں۔ ہم میں سے ہر ایک اپنی ساتھی سے عمدہ خوشبو لگانے کی کوشش کرتی۔ مگر حضرت عتبہ خوشبو بھی نہیں لگاتے تھے۔ لیکن پھر بھی سب سے بہترین خوشبو ان سے آتی تھی۔ میں نے اس کا سبب پوچھا تو انہوں نے فرمایا۔ "حضور ﷺ کے عہد ہمایوں میں مجھے پھنسیاں نکل آئیں تھیں۔ حضور ﷺ نے مجھے اپنے ساتھ بٹھا لیا۔ میرے کپڑے اتارے۔ اپنے ایک دست اقدس پر اپنا لعاب دہن ڈالا دوسرے سے اسے میرے جسم پر ملا۔ جس سے فوراً ساری پھنسیاں ختم ہو گئیں"۔

امام طبرانی نے روایت کیا ہے کہ غزوۂ حنین میں حضرت عائذ بن عمرو المزنی رضی اللہ عنہ کا چہرہ زخمی ہو گیا اور اس سے خون بہنے لگا۔ حضور ﷺ نے ان کے چہرہ کو دست اقدس سے مس کیا۔ ان کے لیے برکت کی دعا کی۔ دست اقدس کی برکت سے ان کے چہرے پر روشن نشان پڑ گیا۔ جس طرح کہ گھوڑے کے چہرے پر نشان ہوتا ہے۔

ابن کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیس بن زید الجذامی رضی اللہ عنہ کے سر اقدس کو مس کیا ان کے لیے برکت کی دعا کی۔ جب حضرت قیس رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا تو ان کی عمر ایک سو سال تھی ان کا سارا سر سفید تھا۔ مگر جس جگہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دست عطا پھیرا تھا وہ کالی سیاہ تھی۔ وہ آپ کی برکت سے سفید نہیں ہوئی تھی۔ ان کی نور فشاں طلعت زیبا کی وجہ سے انہیں روشن جبیں کہا جاتا تھا۔

امام بیہقی نے اسی طرح کا معجزہ حضرت عمرو بن ثعلبہ الجہنی رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی تحریر کیا ہے۔ ممکن ہے یہ اعجاز نمائی کئی بار ہوئی ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خزیمہ بن سواد رضی اللہ عنہ کے چہرہ کو مس کیا۔ ان کے چہرہ پر بھی نور فشاں نشان پڑ گیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت طلحہ بن ام سلیم رضی اللہ عنہ کی پیشانی کو مس کیا۔ ان کے چہرہ پر بھی سفید نشان پڑ گیا۔ آپ کے انوار و تجلیات کے آثار میں سے ایک نور ان کے چہرہ پر بھی رہتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت قتادہ بن ملحان رضی اللہ عنہ کے چہرہ پر مس کیا تو ان کے چہرے کو اتنی چمک دمک نصیب ہوگئی کہ ان کے چہرے میں یوں دیکھا جا سکتا تھا جس طرح انسان آئینہ میں دیکھتا ہے۔ بالمقابل شخص ان کے چہرہ میں اپنا چہرہ دیکھ لیتا تھا۔ امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حنظلہ بن حذیم رضی اللہ عنہ کے سر پر اپنا دست اقدس رکھا۔ ان کے لیے برکت کی دعا کی۔

ایک شخص آپ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوتا جس کا چہرہ متورم ہوتا یا ایسی بکری پیش کی جاتی جس کی کھیری سوجھ گئی ہوتی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم متورم چہرہ یا متورم کھیری پر دست شفا بخش پھیرتے تو وہ بالکل درست ہو جاتے۔

ابن عبد البر نے الاستیعاب میں رقم کیا ہے کہ حضور تاجدار عرب و عجم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زینب بنت ام سلمہ رضی اللہ عنہا پر پانی کا چھینٹا پھینکا۔ رب تعالیٰ نے انہیں اتنا جمال عطا فرما دیا کہ کوئی خاتون زیبائی میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کاشانہ اقدس میں حاضر ہوئیں تو آپ اس وقت غسل فرما رہے تھے آپ نے پانی کا چھینٹا ان پر پھینکا۔ جوانی کی رونق و زیبائی ان کے چہرے پر رہی حتیٰ کہ عمر رسیدہ ہو گئیں۔ یہ حضرت عبد اللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں تھیں۔ ان کے ہاں اولاد بھی ہوئی۔ یہ اپنے زمانہ کی خواتین میں سے سب سے زیادہ فقیہ اور دانا تھیں۔

''الشفاء'' میں ہے کہ ایک بچہ کسی وباء میں مبتلا تھا۔ آپ نے اس کے سر پر دست شفقت پھیرا تو وہ فوراً شفاء یاب ہو گیا اس کے بال اگ آئے۔ آپ نے کئی بیمار بچوں اور مجنونوں کو مس کیا تو وہ فوراً صحت یاب ہو گئے۔ الشفاء میں ہے کہ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا جسے پیشاب کی مرض لاحق تھی۔ آپ نے اس کو اس چشمہ سے غسل کرنے کا حکم دیا جس میں آپ نے اپنا لعاب دہن پھینکا تھا تو وہ فوراً شفاء یاب ہو گیا۔

امام طبری نے روایت کیا ہے کہ حضرت مہلب بن یزید الطائی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں وفد کی صورت میں حاضر ہوئے۔ ان کے سر پر بال نہ تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سر کو مس کیا تو بال اگ آئے۔ طاؤس بن کیسان الیمانی نے لکھا ہے ''جو بھی مجنون حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا آپ نے اسے اس کے سینہ پر مارا تو جنون فوراً ختم ہو گیا''۔

امام احمد نے حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ڈول میں لعاب دہن پھینکا جسے کنویں

سے نکالا گیا تھا۔ پھر وہ پانی اسی کنویں میں پھینک دیا گیا تو اس سے مشک اذفر کی مہک آنے لگی۔ یہ بھی روایت صحیح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جابر بن عبد اللہ الجہنی کے سینہ پر مارا۔ ان کے لیے دعا کی۔ انہوں نے عرض کی تھی کہ وہ گھوڑے پر نہیں ٹھہر سکتے وہ سارے عرب سے بہترین شاہ سوار بن گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبد الرحمن بن زید بن خطاب رضی اللہ عنہ کے سر پر ہاتھ پھیرا وہ کم سن تھے۔ وہ صورت کے اچھے نہ تھے۔ آپ نے ان کے لیے انسانی خلقت اور سارے امور کے لیے دعا کی وہ سارے اعضاء میں دیگر انسانوں سے طویل ہو گئے آپ کی دعائے پاک کے طفیل رب تعالیٰ نے ان کی خلقت کی تکمیل فرما دی۔

صحیحین میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی خدمت میں نسیان کا تذکرہ کیا۔ آپ نے انہیں چادر پھیلانے کا حکم دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوں کیا کہ گویا کہ آپ کہیں سے کچھ اٹھا کر اس چادر پر ڈال رہے ہیں۔ پھر آپ نے انہیں وہ چادر اٹھا لینے کا حکم دیا۔ انہوں نے اسی طرح کیا اس کے بعد انہیں کبھی کچھ بھولا نہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا "مجھ سے بڑھ کر کسی اور کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث یاد نہ تھیں سوائے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے۔ کیونکہ انہوں نے مجھ سے پہلے اسلام قبول کیا تھا۔ نیز وہ لکھا کرتے تھے میں لکھا نہیں کرتا تھا"۔

اجابت نے بڑھ کر گلے سے لگایا

اس باب میں دعاؤں یا بددعاؤں کا تذکرہ کیا جائے گا جو آپ نے لوگوں کے لیے کیں۔ یہ باب بہت وسیع ہے حضرت قاضی عیاض نے الشفاء میں تحریر کیا ہے کسی گروہ کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا یا بددعا کی قبولیت متواتر اور علم ضروری سے ثابت ہے۔

امام احمد نے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی شخص کے لیے دعا فرماتے تو اس کا اثر اور برکات اس کی اولاد اور اولاد کی اولاد تک ہوتیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے عرض کی "میری امی جان نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ انس آپ کا خادم ہے۔ اس کے لیے رب غفور سے دعا مانگیں"۔ حضور اکرم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا مانگی "مولا! اس کے مال اور اولاد کو کثیر فرما۔ جو کچھ تو اسے عطا کرے اسے بابرکت بنا"۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرے پاس کثیر مال ہے، میری اولاد اور اولاد کی اولاد آج تک سو سے متجاوز ہے"۔ دوسری روایت میں ہے "میں کسی انسان کو نہیں جانتا جسے مجھ جیسی زندگی کی آسائشیں حاصل ہوئی ہوں۔ میں نے اپنے ان ہاتھوں سے ایک سو بچے دفن کیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان کے بارے دعا قبول کر لی۔ روایت ہے کہ طاعون جارف میں ان کی اولاد میں سے ستر افراد نے پیک اجل کو لبیک کہا۔ دوسری روایت میں ان کی زندگی کی طوالت کا بھی ذکر ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا "رب تعالیٰ نے مجھے کثیر مال سے نوازا۔ میرا انگور کا ایک باغ ہے جو سال میں دو بار پھل لاتا ہے میری صلب سے ایک سو چھ بچے پیدا ہوئے"۔

امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے گھر جلوہ افروز ہوئے۔ اس وقت گھر میں میں، امی جان اور میری خالہ ام حرام رضی اللہ عنہم موجود تھیں۔ امی جان نے عرض کی یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ آپ کا خویدم انس ہے۔ رب تعالیٰ سے اس کے لیے دعا مانگیں"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے لیے ہر قسم کی بھلائی کی دعا مانگی۔ آپ نے دعا کے آخر میں عرض کی۔ "مولا! اس کا مال اور اولاد کثیر فرما۔ اس کے لیے اس میں برکت فرما"۔ دوسری روایت میں ہے "اس کی عمر طویل فرما، اسے جنت میں میرا رفیق بنا"۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کو طویل عمر کثیر مال اور اولاد ملی۔ وہ فرماتے "مجھے آخری سعادت کی بھی قوی امید ہے"۔ یعنی وہ جنت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت ابدی میں ہوں گے۔

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے لیے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کی۔ یعنی رب تعالیٰ ان کے رزق میں برکت ڈالے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اگر میں پتھر کو بھی اپنے ہاتھ سے اٹھا دوں تو آپ کی دعا کی برکت سے مجھے امید ہے کہ نیچے سے مجھے سونا مل جائے گا۔ رب تعالیٰ نے ان کے لیے خیرات اور بھلائیوں کے دروازے کھول دیئے۔ جب وہ

مدینہ طیبہ آئے تو غریب تھے۔ پاس کچھ بھی نہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اور حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کو رشتہ اخوت میں پرو دیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ارادہ کیا کہ وہ اپنی ایک زوجہ کو طلاق دے دیں تا کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ ان سے نکاح کر لیں نیز اپنے مال میں بھی انہیں شریک کر لیں۔ انہوں نے فرمایا "مجھے اس کی ضرورت نہیں، رب تعالیٰ تمہاری بیویاں اور تمہارے مال میں برکت ڈالے۔ صرف میری راہ نمائی بازار کی طرف کر دو"۔ وہ تجارت میں مشغول ہو گئے۔ تھوڑی سی مدت میں رب تعالیٰ نے انہیں وافر مال عطا فرما دیا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائے خیر کی برکت ہی تھی۔ جب 31ھ یا 32ھ میں آپ نے مدینہ طیبہ میں وصال فرمایا تو آپ کی وراثت کے سونا کو کلہاڑے کے ذریعے تقسیم کیا گیا۔ حتیٰ کہ زیادہ کام کی وجہ سے لوگوں کے ہاتھ زخمی ہو گئے۔ آپ کی ازواج میں سے ہر زوجہ کو اسی ہزار دینار ملے۔ دوسری روایت میں ہر زوجہ کا حصہ ایک لاکھ دینار تھا۔ ایک اور روایت کے مطابق ان میں سے ایک کو اسی ہزار سے زائد دینار ملے۔

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے وصیت کی کہ ایک ہزار گھوڑے اور پچاس ہزار دینار راہ خدا میں بطور صدقہ دیئے جائیں۔ انہوں نے ایک باغ امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے لیے بھی وقف کیا۔ جسے بعد میں چار لاکھ میں فروخت کیا گیا۔ آپ نے ان تمام خوش نصیب بدری صحابہ کرام کو چار چار ہزار دینار دینے کا حکم دیا جو ابھی تک بحیات تھے ان کی تعداد ایک سو تھی۔ انہوں نے یہ دینار لے لیے۔ یہ دینار حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو بھی ملے۔ یہ صدقات ان صدقات کے علاوہ ہیں جو انہوں نے اپنی زندگی میں دیئے تھے۔ ایک روز انہوں نے تیس غلام آزاد کر دیئے۔ ایک سامان بھرا پورا کارواں صدقہ کر دیا۔ اس کارواں میں سات سو اونٹ تھے۔ انہوں نے یہ کارواں تجارت کے لیے بھیجا تھا۔ جب وہ واپس آیا تو اس کا سارا سامان صدقہ کر دیا اس کا کھانا، کجاوے اور دیگر سارا سامان راہ خدا میں صدقہ کر دیا۔ ایک دفعہ نصف مال راہ خدا میں صدقہ کر دیا وہ نصف چار سو دینار تھے۔ پھر ہزار دینار پھر چالیس ہزار دینار بطور صدقہ دیئے۔ پھر پانچ سو گھوڑے راہ خدا میں بطور صدقہ دیئے پھر پانچ سو سواریاں صدقہ کیں۔

روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کی ترغیب دی تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے چار ہزار درہم پیش کر دیئے۔ عرض کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میرے پاس آٹھ ہزار دراہم تھے میں نے چار ہزار اپنے رب کو بطور قرض حسنہ پیش کیے ہیں۔ اپنے اہل وعیال کے لیے چار ہزار رکھے ہیں"۔ حضور ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو کچھ تم نے دیا ہے اللہ تعالیٰ اس میں بھی برکت ڈالے اور جو کچھ تم نے روکا ہے رب تعالیٰ اسے بھی بابرکت کرے"۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے مال کو بابرکت کر دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے بھی شہروں میں تسلط کی دعا فرمائی۔ انہیں خلافت نصیب ہوئی۔ روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "معاویہ پر غلبہ نہیں پایا جا سکتا"۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تک یہ روایت پہنچی تو انہوں نے فرمایا "اگر مجھے اس روایت کا علم ہوتا تو میں ان کے ساتھ جنگ نہ کرتا"۔ (شرح شفاء از ملا علی قاری)

ابن سعد نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے یہ دعا کی۔ "مولا! انہیں علم کتاب عطا فرما انہیں شہروں میں تسلط عطا فرما، انہیں عذاب سے بچا"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ ان کے لیے یہ دعا فرمائی "مولا! انہیں

ہادی اور مہدی بنا دے''۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اجتہاد کے بارے عقیدہ

• حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں اور بھی بہت سی روایات مروی ہیں۔ سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں امیر بنایا۔ پھر حضرت عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہما نے انہیں منصب امارت پر برقرار رکھا۔ یہ بیس سال تک شام کے امیر رہے۔ جب حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ ان کے حق میں خلافت سے دستبردار ہو گئے تو ساری مملکت اسلامیہ ان کے زیر نگیں ہو گئی۔ لوگوں نے ان کی بیعت کر لی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین جو واقعات رونما ہوئے۔ ان سے رک جانا چاہیے کیونکہ مجتہد اگر کسی رائے کی صحت تک پہنچ جاتا ہے تو اسے دو اجر ملتے ہیں۔ اگر اس سے لغزش ہو جاتی ہے تو اسے ایک اجر ملتا ہے۔ احادیث طیبہ میں ان لوگوں کے متعلق شدید وعید ہے جس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی صحابی کو برے الفاظ سے یاد کیا یا اس کی شان میں تنقیص کی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ (التوبہ)

''اور سب سے آگے آگے سب سے پہلے پہلے ایمان لانے والے مہاجرین اور انصار سے اور جنہوں نے پیروی کی ان کی عمدگی سے۔ راضی ہو گیا اللہ تعالیٰ ان سے اور راضی ہو گئے وہ اس سے۔ اس نے تیار کر رکھے ہیں ان کے لیے باغات۔ بہتی ہیں ان کے نیچے ندیاں۔ ہمیشہ رہیں گے ان میں ابد تک یہی بہت بڑی کامیابی ہے''۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ (الحشر)

''(نیز وہ مال) نادار مہاجرین کے لیے ہے جنہیں (جبراً) نکال دیا گیا تھا ان کے گھروں سے اور جائیدادوں سے۔ یہ (نیک بخت) تلاش کرتے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی رضا اور ہر وقت مدد کرتے رہتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی۔ یہی راست باز لوگ ہیں''۔

اللہ رب العزت نے ان کے صدق کی خبر دی اس نے بتایا کہ وہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے ہیں۔ اس کے بعد کسی مومن کے لیے روا نہیں کہ وہ ان میں سے کسی ایک کے ساتھ تعرض کرے۔ بلکہ ان کے مابین ہونے واقعات کو اللہ رب العزت کے سپرد کرے۔ ان میں غور و فکر ترک کر دے۔ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق یہ عقیدہ رکھے کہ وہ مجتہد تھے اور انہیں اجر ملے گا۔

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَّنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَ ۚ أُولٰٓئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَ قٰتَلُوا ۚ وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى (الحدید: 10)

''تم میں سے کوئی برابری نہیں کر سکتا ان کی جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے (راہ خدا میں) مال خرچ کیا اور جنگ کی۔ ان کا درجہ بہت بڑا ہے ان سے جنہوں نے فتح مکہ کے بعد مال خرچ کیا اور جنگ کی (ویسے تو) سب کے ساتھ اللہ نے وعدہ کیا ہے بھلائی کا''۔

مزید ارشاد فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰى ۙ أُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ ﴿۱۰۱﴾ (الانبیاء)

''بلاشبہ وہ لوگ جن کیلئے مقدر ہو چکی ہے ہماری طرف سے بھلائی تو وہی اس جہنم سے دور رکھے جائیں گے''۔

مذکورہ بالا آیات بینات سے یہ امر آشکارا ہو جاتا ہے کہ سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنتی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''میرے صحابہ کرام کے متعلق خدا سے ڈرو، میرے بعد انہیں نشانہ نہ بنا لینا۔ جس نے انہیں برا بھلا کہا اس پر رب تعالیٰ، اس کے ملائکہ اور سارے لوگوں کی لعنت ہو''۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام کے متعلق اور بھی بہت سی روایات ہیں۔

دعا سلامتی ایمان بطفیل صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین

نَسْئَلُوْا اللّٰهَ أَنْ يُّحْيِيَنَا وَ يُمِيْتَنَا عَلٰى مَحَبَّتِهِمْ وَ أَنْ لَّا يَجْعَلَ لِأَحَدٍ مِّنْهُمْ فِي عُنُقِنَا ظَلَامَةً وَّ أَنْ يَّجْعَلَهُمْ شُفَعَاءَ لَنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ....آمین

دعا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اثرات

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رب تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ میری دعاؤں کو شرف قبولیت دے''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''سعد! اللہ رب العزت کسی شخص کی التجاؤں کو قبول نہیں فرماتا حتیٰ کہ اس کا کھانا پاکیزہ ہو جائے''۔ انہوں نے عرض کی ''رب تعالیٰ سے التجا کریں کہ وہ میرا کھانا پاکیزہ فرما دے۔ کیونکہ آپ کی کریمانہ دعا کے بغیر میرے لیے اور کوئی چارہ کار نہیں''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا مانگی ''یا اللہ! حضرت سعد کا کھانا پاکیزہ بنا دے اور ان کی دعائیں قبول کر لے''۔

اہل صحیح نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی بہت سے مستجاب دعاؤں کا ذکر کیا ہے۔ وہ مشہور ہیں ان روایات میں سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ابو سعدہ کے لیے یہ بد دعا کی ''مولا! اس کی زندگی طویل کر، اس کی غربت لمبی کر، اسے فتنوں کی آماجگاہ بنا دے''۔

راوی کہتے ہیں ''میں نے اس شخص کو دیکھا۔ وہ انتہائی عمر رسیدہ تھا، اس کی بھنویں اس کی آنکھوں پر گر چکی تھیں۔ وہ لڑکیوں سے چھیڑ چھاڑ کرتا تھا، اسے دیکھ کر کہا جاتا تھا ''یہ فتنہ میں مبتلا وہ بوڑھا ہے جسے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی بد دعا لگی ہے''۔

امام ترمذی نے روایت کیا ہے کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا مانگی، ''مولا! اسلام کو ان دو افراد میں سے کسی ایک کے ذریعہ تقویت عطا فرما۔ عمر بن خطاب یا ابو جہل''۔ آپ کی یہ دعا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حق میں قبول ہوئی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے قبل مسلمان مشرکین کے خوف سے خانہ کعبہ کے پاس نماز نہیں پڑھتے تھے۔ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ دولت اسلام سے مالا مال ہوئے تو انہوں نے اس کے ساتھ کعبہ معظمہ کے پاس نماز پڑھی۔ یہ روایت کئی اسناد سے مروی ہے۔ بعض میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ کو اس دعا کے لیے مختص فرمایا۔ آپ نے عرض کی ''مولا! اسلام کو عمر بن خطاب سے عزت عطا فرما۔ مولا! عمر کے ساتھ اسلام کی تائید فرما''۔ ان سب روایات کو یوں جمع کرنا ممکن ہے کہ پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ اسلام کی تقویت کے لیے دعا کی۔ جب اللہ رب العزت کے بتانے اور الہام سے علم ہو گیا کہ اس دعا کے مستحق صرف حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں تو پھر صرف انہیں ہی اس دعا کے ساتھ مختص فرما لیا۔ پھر بار بار دعا کرتے رہے کہ وہ در اجابت پر قبول ہو گئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے لیے یہ دعا فرمائی ''پروردگار! تمہارے چہرے کو کامیاب کرے۔ مولا! ان کے بالوں اور جلد میں برکت ڈال''۔ جب حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا تو ان کی عمر ستر سال تھی وہ اپنی قوت و طاقت سے پندرہ سال کے نوجوان معلوم ہوتے تھے۔ ان کے جسم میں کوئی تغیر رونما نہیں ہوا تھا۔ ان کے بال بھی سفید نہیں ہوئے تھے۔

حضرت نابغہ جعدی رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں قصیدہ پڑھا جب وہ ان اشعار پر پہنچے

لا خیر فی حلم اذ لم یکن له بوادر تحمی صفوه ان یکدرا

اس حلم میں کوئی خیر نہیں جب تک اس میں غصہ کی آمیزش نہ ہوتا کہ وہ اپنے صاف تالاب کو گندا کرنے والوں سے بچا سکے۔

ولا خیر فی جهل اذا لم یکن له حلم اذا ما اورد الامر اصدرا

ایسے غضب میں بھی کوئی بھلائی نہیں جب تک کہ اس میں حلم نہ ہو جو اسے اس چیز سے نکال سکے جو اس میں داخل ہوا ہے۔

تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''رب تعالیٰ تمہارا منہ شاداب رکھے''۔ ان کا ایک دانت بھی نہ گرا۔ دوسری روایت کے مطابق ان کے دانت سارے لوگوں سے بڑھ کر خوبصورت تھے۔ جب ان کا ایک دانت گر جاتا تو دوسرا اگ آتا۔ انہوں نے متفرق روایات کے مطابق 120 یا 140 یا 180 سال زندگی بسر کی۔

امام مسلم اور امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے لیے ان الفاظ میں دعا کی ''مولا! اسے دین کی سوجھ بوجھ عطا فرما، اسے معانی قرآن کا علم عطا فرما، اسے تاویل کا علم عطا فرما''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعائے پاک کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو ''البحر'' اور ترجمان القرآن کہا جاتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعائے پاک کی برکت سے وہ تفسیر، فقہ، فرائض، اشعار عرب اور ان کے ایام کے متعلق سارے لوگوں سے زیادہ عالم تھے۔

امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے لیے دعا فرمائی کہ رب

تعالیٰ ان کے سودے میں برکت ڈالے۔ وہ جو چیز بھی فروخت کرتے رب تعالیٰ انہیں نفع عطا فرماتا۔

ابو نعیم نے روایت کیا ہے کہ حضور ہادی عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کے لیے برکت کی دعا کی۔ ان کے پاس مال و دولت کی فراوانی ہوتی تھی۔ حضرت ضباعہ بنت زبیر رضی اللہ عنہا حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ فرماتی ہیں۔ ''ایک دن حضرت مقداد رضی اللہ عنہ قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے وہ ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک چوہا اپنی بل سے ایک دینار لے کر نکلا۔ اس نے اسے ان کے سامنے رکھ دیا۔ پھر وہ ایک ایک دینار نکالتا رہا حتیٰ کہ اس نے سترہ دینار باہر نکال دیئے۔ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ وہ دینار لے کر حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور سارا واقعہ گوش گزار کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں فرمایا ''کیا تم نے اس کی بل میں ہاتھ ڈالا تھا'' انہوں نے عرض کی ''مجھے اس ذات کریمانہ کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے! نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''یہ وہ پاکیزہ رزق ہے جو رب تعالیٰ نے تمہیں عنایت کیا ہے۔ رب تعالیٰ اس میں تمہارے لیے برکت ڈالے''۔ حضرت ضباعہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ''وہ آخری دینار ختم نہ ہوا حتیٰ کہ میں نے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کے گھر چاندی کی بوریاں دیکھیں۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کی برکت ہی تو تھی''۔

امام بخاری اور امام احمد کی روایت کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عروہ بن ابی جعد البارقی رضی اللہ عنہ کے لیے بھی اسی طرح برکت کی دعا کی تھی جس طرح آپ نے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کے لیے دعا کی تھی۔ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں کوفہ کے بازار کفالہ میں جاتا جب تک مجھے چالیس ہزار کا نفع نہ مل جاتا میں واپس نہ آتا''۔ امام بخاری کی روایت کے مطابق انہوں نے فرمایا ''اگر میں مٹی بھی خرید لوں مجھے اس میں بھی نفع ہوگا''۔

امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ کے لیے دعا کی کہ رب تعالیٰ انہیں اسلام قبول کرنے کا شرف عطا فرمادے۔ وہ اسلام لے آئیں اور صحابیت سے شرف کے بہرہ ور ہوئیں۔ اس سے قبل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ان کے اسلام کے متعلق بڑے حریص تھے۔ انہوں نے انہیں اسلام کے چشمہ شیریں کی طرف بلایا مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ بلکہ حضور اکرم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق نازیبا کلمات کہے۔ وہ گریہ بار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ عرض گزار ہوئے ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میں جب بھی انہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں وہ انکار کر دیتی ہیں۔ آج میں نے انہیں دعوت اسلام دی تو مجھے نازیبا کلمات سننے پڑے۔ رب تعالیٰ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت عطا فرمائے''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا مانگی ''مولا! ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی والدہ کو ہدایت نصیب فرما''۔ اس دعا کے بعد حضرت ابو ہریرہ شاداں و فرحاں باہر نکلے۔ جب اپنے گھر کی دہلیز تک پہنچے تو ان کی والدہ ماجدہ نے قدموں کی چاپ سنی تو کہا ''ابو ہریرہ! اسی جگہ ٹھہر جاؤ''۔ انہوں نے پانی انڈیلنے کی آواز سنی۔ ان کی والدہ نے غسل کیا اپنا لباس پہنا پھر ان کے لیے دروازہ کھولا۔ جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اندر داخل ہو گئے تو انہوں نے کہا ''ابو ہریرہ! میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ رب العزت کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے رسول ہیں''۔ وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ خوشی و مسرت کے ساتھ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو گئے۔ عرض کی ''یا رسول اللہ! آپ کو بشارت ہو۔ آپ کی دعا در اجابت پر قبول ہو گئی ہے۔ میری امی جان کو

رب تعالیٰ نے ہدایت عطا کی ہے"۔ آپ نے رب تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ عرض گزار ہوئے۔ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم رب تعالیٰ سے دعا کریں کہ رب تعالیٰ مجھے اور میری امی جان کو صالحین کے نزدیک اور ان صالحین کو ہمارے نزدیک محبوب بنادے"۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا فرمائی۔ "مولا! اپنے اس بندے کو اس کی امی جی کو صالحین کے نزدیک اور اپنے پاکباز بندوں کو ان کے نزدیک محبوب بنادے"۔ یہ اس دعائے پاک کی برکت تھی کہ جو بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے سنتا یا انہیں ایک نظر دیکھ لیتا وہ ان سے پیار کرنے لگتا۔ (امام بیہقی فی الدلائل)

امام بیہقی نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا "میں حضور اکرم رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں تھا جگر گوشہ رسول، سیدہ نساء العالمین حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اور آپ کے سامنے بیٹھ گئیں۔ آپ نے ان کی طرف دیکھا ان کا چہرہ مبارک بھوک کی وجہ سے زرد ہو چکا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سینہ اقدس پر اپنا دست اقدس رکھا۔ پھر یہ دعا کی "مولا اس جماعت کو سیر شکم فرما۔ اے سرنگوں کو سر بلند کرنے والے! حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو رفعتوں پر گامزن فرما"۔ حضرت عمران رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں نے حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کا چہرہ انور دیکھا۔ وہ سرخ ہو گیا تھا۔ ساری زردی کافور ہو گئی تھی۔ میں بعد میں آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا، "عمران! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاکیزہ دعا کے بعد مجھے کبھی بھی بھوک نہیں لگی"۔ امام بیہقی نے فرمایا ہے۔ یہ آیۂ حجاب کے نزول سے پہلے کا واقعہ ہے۔

امام ابن اسحاق، امام بیہقی اور امام ابن جریر نے لکھا ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ کے لیے دعا مانگی کہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کی قوم کے لیے نشانی بنادے۔ آپ نے یہ دعا مانگی "مولا! انہیں نور عطا فرما"۔ ان کی آنکھوں کے مابین نور ضوفشاں ہو گیا۔ انہوں نے عرض کی "مولا! مجھے اندیشہ ہے کہ میری قوم اسے مثلہ کہے گی۔ وہ نور ان کے عصا کے کنارے پر چلا گیا۔ یہ شب تاریک میں ضوفشاں ہوتا تھا۔ حضرت طفیل رضی اللہ عنہ کو "ذوالنور" کہا جاتا تھا۔

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ جب مضر نے اسلام قبول کرنے سے لیت ولعل سے کام لیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے یہ بد دعا کی، "مولا! ان پر اس طرح کا قحط مسلط فرما دے جس طرح کا قحط حضرت یوسف صدیق علیہ السلام کے زمانہ میں آیا تھا"۔ اس کے بعد انہیں قحط سالی نے آلیا حتیٰ کہ وہ لوگ چمڑے، خون اور ہڈیاں کھانے پر مجبور ہو گئے۔ ابوسفیان نے عرض کی "آپ تو صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں۔ یہ آپ کی قوم ہلاکت کے گرداب میں پھنس کر رہ گئی ہے۔ ان کے لیے رب تعالیٰ سے دعا مانگیں" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا مانگی: پروردگار! ہم پر ایسی بارش نازل فرما جو تروتازہ کرنے والی ہو، سارے علاقے پر برسنے والی ہو، بڑی کثیر ہو، جلدی ہو تاخیر سے نہ ہو، نفع بخش ہو، نقصان دہ نہ ہو۔ جمعۃ المبارک آنے سے پہلے ہی ان پر کثیر ابر کرم برسا۔

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت تحریر کی ہے کہ جب کسریٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نامہ مبارک پھاڑا تو آپ نے رب تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ اس کی سلطنت کو پارہ پارہ کردے۔ کسریٰ کی سلطنت ختم ہو گئی۔ دنیا کی اطراف میں کسی جگہ بھی اس کی حکومت برقرار نہ رہی۔

امام بیہقی نے روایت بیان کی ہے کہ حضور ﷺ نے اس لڑکے کے لیے بددعا کی جو آپ ﷺ کے اور آپ کے سترہ کے درمیان سے گزرا کہ رب تعالیٰ اسے چلنے پھرنے سے معذور کردے۔ ابن مہران کہتے ہیں میں نے تبوک میں معذور دیکھا اس کا نام یزید بن بہرام تھا۔ میں نے اس سے اس معذوری کے متعلق پوچھا اس نے کہا ''میں حضور اکرم ﷺ کے سامنے سے گزرا۔ جب کہ آپ ﷺ نماز ادا فرمارہے تھے آپ نے میرے لیے یہ بددعا کی ''مولا! اسے معذور کردے''۔ اس کے بعد میں کبھی نہ چل سکا۔

امام مسلم نے حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ ایک شخص اپنے بائیں ہاتھ سے کھا رہا تھا۔ حضور ﷺ نے اسے فرمایا ''اپنے دائیں ہاتھ سے کھا'' اس نے کہا ''میں دائیں ہاتھ سے نہیں کھا سکتا''۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''تو دائیں ہاتھ سے کھانے کی طاقت نہ رکھے''۔ اس کے بعد وہ اپنا دایاں ہاتھ اپنے منہ تک نہ لے جا سکا۔

امام حاکم، امام بیہقی اور امام ابن اسحاق نے صحیح اسناد سے روایت کیا ہے کہ حضور رحمت عالم ﷺ نے عتبہ بن ابی لہب کے لیے یہ بددعا کی ''مولا! اپنے کتوں میں سے ایک کتا اس پر مسلط فرمادے''۔ پھر اسے ایک شیر نے چیر دیا تھا۔

باب ''مراتب الوحی'' میں تذکرہ ہو چکا ہے کہ قریش مکہ نے آپ ﷺ کو اذیتیں دیں تو آپ نے ابوجہل، عقبہ بن ابی معیط وغیرہ کے لیے بددعا کی تھی۔ جب انہوں نے آپ پر اوجھڑی رکھ دی تھی جب کہ آپ حالت سجدہ میں تھے۔ اللہ رب العزت نے آپ کی یہ دعا قبول فرمائی اور غزوۂ بدر میں یہ سارے جہنم واصل ہو گئے۔

امام بیہقی نے صحیح سند سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے مروان کے باپ حکم بن ابی العاص بن امیہ کے لیے بددعا کی کیونکہ وہ اپنے چہرے، ابرو اور ہونٹوں کو حرکت دے کر حضور اکرم ﷺ کی نقلیں اتارتا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا ''اسی طرح ہو جا۔ تو وہ اسی طرح اپنا منہ بناتا رہا حتیٰ کہ مرگیا''۔ آپ کا مذاق اڑانے والوں کا انجام پہلے بیان ہو چکا ہے۔

امام بیہقی اور امام ابن جریر نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے محلم بن جثامہ کنانی اللیثی کے لیے بددعا کی۔ آپ کی اس بددعا کے سات روز بعد وہ جہنم واصل ہو گیا۔ جب لوگوں نے اسے دفن کیا تو زمین نے اسے باہر پھینک دیا۔ انہوں نے دوبارہ اسے دفن کیا۔ لیکن زمین نے پھر اسے پھینک دیا۔ کئی روز اسی طرح ہوا۔ لوگوں نے اسے ایک گھاٹی میں پھینک دیا اور اسے پتھروں سے ڈھانپ دیا۔ اس بددعا کا سبب یہ تھا کہ حضور ﷺ نے ایک سریہ بھیجا حضرت عامر بن الاضبط کو اس کا امیر مقرر کیا۔ جب یہ مجاہدین وادی کے دامن میں پہنچے محلم نے حضرت عامر کو دھوکے سے قتل کر دیا۔ جب یہ خبر حضور اکرم ﷺ تک پہنچی تو آپ نے محلم کے لیے بددعا کی جب آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ زمین نے اسے باہر پھینک دیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا ''زمین تو اس سے بھی شریر لوگوں کو قبول کر لیتی ہے لیکن رب تعالیٰ نے اسے تمہارے لیے عبرت بنایا ہے''۔

یہ باب بہت وسیع ہے کیونکہ آپ کی مستجاب دعائیں حدوشمار سے ماوراء ہیں۔ جن کا تذکرہ کیا گیا ہے یہ سمندر میں سے ایک قطرہ ہے۔

غیب کی خبریں

غیب کے متعلق آپ ﷺ کی خبریں ان گنت اور بے شمار ہیں ''الشفاء'' میں قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر کیا ہے ''یہ وہ بحر بے کراں ہے نہ جس کی گہرائیاں معلوم کی جاسکتی ہیں اور نہ ہی اس کا پانی نکالا جاسکتا ہے''۔ یہ معجزہ آپ ﷺ کے ان معجزات میں سے ہے جو علم قطعی سے ہم تک پہنچا ہے کثیر راویوں کی وجہ سے یہ خبر متواتر ہے۔ غیب پر مطلع ہونے پر ان کے معانی کا اتفاق ہے۔ یہ صرف اور صرف وحی الٰہی کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔ پہلے ایسے کثیر معجزات گزر چکے ہیں۔

امام ابوداؤد نے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''حضور ﷺ ہم میں کھڑے ہوئے تھے۔ خطبہ ارشاد فرمایا۔ آپ نے قیامت تک رونما ہونے والی ہر چیز کا تذکرہ کر دیا جس نے اسے یاد رکھا اس نے یاد رکھا جس نے بھلا دیا اس نے بھلا دیا''۔

امام بخاری نے بھی اس روایت کا تذکرہ کیا ہے۔ لیکن امام ابوداؤد نے اسے تفصیل سے روایت کیا ہے۔ اس میں ہے ''ان چیزوں میں سے جن کا تذکرہ آپ ﷺ نے ہم سے کیا تھا جسے میں فراموش کر چکا تھا۔ جب کوئی چیز رونما ہوتی ہے تو وہ چیز مجھے اس طرح یاد آجاتی ہے جس طرح آدمی کو اس شخص کا چہرہ یاد آتا ہے جو کہیں چلا گیا ہو پھر وہ اچانک سامنے آجائے'' پھر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھی اسے بھول چکے ہیں یا فتنے کے خوف سے نسیان کا اظہار کرتے ہیں۔ بخدا! حضور اکرم ﷺ نے اختتام دنیا تک کسی ایسے قائد کا تذکرہ ترک نہیں فرمایا جس کے ہمراہ تین سو یا زائد افراد ہوں بلکہ اس کا نام، اس کے باپ کا نام اور اس کے قبیلہ کا نام بتا دیا حتیٰ کہ اس میں کوئی شبہ باقی نہ رہا۔

امام احمد اور امام طبرانی نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''جب حضور اکرم ﷺ نے وصال فرمایا تو آپ ﷺ نے ہمیں یہ بھی بتایا تھا کہ ایک پرندہ اپنے پروں سے کیسے حرکت کرتا ہے اس کے علاوہ دیگر علوم کی کیفیت کیا ہو سکتی ہے؟''

امام بخاری اور امام مسلم اور دیگر اصحاب السنن نے ایسی روایات نقل کیں ہیں جن میں ایسی خبروں کا ذکر ہے جن سے صحابہ کرام کو معلوم ہو جاتا تھا کہ انہیں کس طرح اپنے دشمن پر غلبہ نصیب ہوگا۔ دشمن کی قوت ٹوٹ جائے گی جیسے کہ فتح مکہ کے بارے فرمایا تھا۔ آپ نے اپنے صحابہ کرام کو پہلے ہی بتا دیا تھا جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو فرمایا، ''میں تمہیں اس واقعہ کے متعلق بتاتا تھا''۔ آپ نے صحابہ کرام کو بیت المقدس فتح ہونے کے متعلق بتا دیا تھا۔ آپ ﷺ نے حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کو بتا دیا تھا جب وہ دولت ایمان سے مالا مال ہوئے کہ عنقریب بیت المقدس فتح ہو جائے گا۔ آپ نے انہیں وہاں ایک جاگیر بھی عطا کر دی تھی۔ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بیت المقدس فتح ہوا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کا وعدہ ایفاء کرتے ہوئے حضرت تمیم داری کو وہ جاگیر عطا کر دی۔ یہ واقعہ 16ھ کو رونما ہوا۔ حضور سپہ سالار اعظم ﷺ نے

شام، یمن اور عراق کی فتح کی بشارت دے دی تھی۔ آپ نے اسلامی ممالک میں اس طرح امن قائم ہونے کی بشارت دی تھی کہ ایک عورت حیرہ سے مکہ مکرمہ تک کا سفر تنہا کرے گی اسے رب تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کا خوف نہیں ہوگا۔ آپ کا یہ فرمان بھی حق ثابت ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتایا تھا کہ عنقریب مدینہ طیبہ پر لشکر کشی ہوگی۔ یہ خبر واقعہ حرہ کے متعلق تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ خیبر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دست اقدس سے فتح ہوگا۔ پھر اسی طرح ہوا جیسا کہ تذکرہ ہو چکا ہے۔ آپ نے بتا دیا تھا کہ کون کون سے شہر آپ کی امت فتح کرے گی ان کے لیے رب تعالیٰ دنیا کس طرح وسیع فرما دے گا۔ مسلمان دنیا میں مگن ہو جائیں گے۔ آپ نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ عنقریب صحابہ کرام کسریٰ اور قیصر کے خزانوں کو تقسیم کریں گے۔ یہ بشارتیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور دیگر خلفاء کے عہد میں پوری ہوئیں۔ آپ نے امت مصطفویہ میں رونما ہونے والے فتنوں اور اختلاف کے بارے میں بتایا تھا کہ آپ کی امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی۔ ان میں سے نجات پانے والا گروہ صرف ایک ہوگا۔ نجات یافتہ صرف وہ ہوگا جو اس راہ راست پر ہوگا جس پر میں اور میرے صحابہ کرام گامزن ہیں۔ یہ خبر بھی اسی طرح حق ثابت ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتا دیا تھا کہ آپ کی امت بھی سابقہ امتوں کی راہوں پر پورا پورا چلے گی۔ حتیٰ کہ وہ اگر گوہ کے سوراخ میں داخل ہوں گے تو یہ بھی اس میں ضرور داخل ہوں گے۔ آپ سے عرض کی گئی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ان اقوام سے مراد یہود اور نصاریٰ ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''ان کے علاوہ دوسرا کون مراد ہو سکتا ہے''۔

امام بخاری نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ عنقریب آپ کی امت قالین بچھائے گی۔ یعنی آپ کی امت کو دنیا میں اتنی آسائش ملے گی کہ وہ خوبصورت قالین بچھائیں گے۔ فقر اور تنگ دستی کے بعد رب تعالیٰ انہیں خوشحالی عطا فرمائے گا۔ وہ وقت صبح ایک پوشاک پہنیں گے جب کہ شام کے وقت دوسرا حلہ زیب بدن کریں گے۔ ان میں سے ایک کے سامنے کھانے کا ایک برتن رکھ کر دوسرا اٹھا لیا جائے گا۔ وہ اپنے گھروں کی دیواروں کو اس طرح ڈھانپیں گے جس طرح خانہ کعبہ کو ڈھانپا گیا ہے۔ امام ترمذی سے منقول روایت کے آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''لیکن آج تم اس روز سے بہتر ہو''۔ کیونکہ وہ رزق جو کافی ہو جائے وہ اس کثیر دولت سے کہیں بہتر ہے جو رب تعالیٰ کی عبادت سے روک دے۔ دل اور جسم کو تھکا دے۔ جس طرح کہ وہ شخص اس کا مشاہدہ کر سکتا ہے جسے اس آزمائش میں مبتلا کیا گیا ہے۔

امام ترمذی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ عنقریب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت نخوت سے چلے گی۔ فارس اور روم کی بیٹیاں ان کی خدمت کریں گی۔ اس وقت رب تعالیٰ ان میں باہمی انتشار پیدا فرما دے گا۔ اللہ تعالیٰ ان کے شریر لوگوں کو نیکوں پر مسلط فرما دے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اہل روم کی مملکت انتشار کا شکار ہو جائے گی۔ آخری زمانہ تک ان کی حکومت کسی نہ کسی کی صورت میں قائم رہے گی۔ مگر فارس کا معاملہ اس کے برعکس ہوگا۔ رب تعالیٰ نے ان کی سلطنت کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نامہ مبارکہ چاک کیا تھا۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''عمدہ عمدہ لوگ چلے جائیں گے۔ کھجور یا جو کی تلچھٹ کی طرح کی تلچھٹ باقی رہ جائے گی درگاہ ربانیہ میں ان کی کوئی قدر و منزلت نہ ہوگی''۔

امام ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی حتیٰ کہ زمانہ قریب ہو جائے

گا۔ سال مہینہ کی طرح لگے گا۔ مہینہ جمعہ کی طرح جلد گزر جائے گا۔ جمعۃ المبارک ایک دن کی طرح ہوگا۔ دن ایک لمحہ کی طرح گزرے گا۔ ایک گھڑی آگ کے شعلہ کی مانند گزر جائے گی۔ یعنی سالوں اور دنوں میں برکت اٹھ جائے گی۔ علم ختم ہو جائے گا اور فتنوں کا ظہور ہوگا۔

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ام المومنین زینب رضی اللہ عنہا سے روایت بیان کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''ہلاکت ہو اہل عرب کے لیے اس فتنہ سے جو قریب آ چکا ہے''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آپ کے لیے زمین کو سمیٹ دیا گیا۔ آپ نے زمین کے مشارق اور مغارب دیکھے۔ جہاں تک آپ کے لیے زمین سمیٹی گئی وہاں تک آپ کی امت کی حکومت ہوگی۔ آپ کی یہ خبر بھی سچ ثابت ہوئی کہ مسلمانوں کی سلطنت کس طرح مشارق و مغارب میں پھیل گئے۔ مشرق میں ہندوستان سے لے کر مغرب میں بحر طنجہ تک مسلمانوں کی حکومت تھی۔

امام مسلم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت لکھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اہل مغرب حق پر قائم رہیں گے حتیٰ کہ قیامت آ جائے گی''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت اور بنوامیہ کی حکومت کی خبر دی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو عدل اور نرمی کی وصیت کی۔ فرمایا ''جب تمہیں حکومت ملے تو نرمی اختیار کرنا''۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''جب سے میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ فرمان سنا۔ میں خلافت میں امید رکھتا تھا''۔

دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''معاویہ! جب مسند اقتدار پر بیٹھ جاؤ تو احسان کرنا''۔

امام ترمذی، امام بیہقی اور امام حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جب بنو ابی العاص چالیس یا تیس سال حکومت کر لیں گے تو وہ دین متین میں فتنہ پیدا کریں گے۔ لوگوں کے حقوق پامال کریں گے اور رب تعالیٰ کے اموال میں اسراف کریں گے''۔ تاریخ شاہد ہے کہ اسی طرح ہوا جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا۔

امام بیہقی اور امام احمد نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اولاد کے متعلق فرمایا کہ وہ سیاہ جھنڈے لے کر نکلیں گے۔ وہ شام میں اتریں گے۔ رب تعالیٰ ان کے ہاتھوں جابر کو ہلاک کرے گا۔

دوسری روایت میں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''خراسان سے سیاہ جھنڈے نکلیں گے۔ انہیں کوئی چیز واپس نہ کر سکے گی حتیٰ کہ انہیں بیت المقدس میں گاڑھ دیا جائے گا''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ خلافت ان کی اولاد میں ہوگی۔ بنوعباس اس کی توقع رکھتے تھے۔

امام حاکم نے روایت رقم کی ہے کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''عنقریب میرے بعد میرے اہل بیت کو میری امت کی طرف سے قتل و غارت کا سامنا کرنا پڑے گا''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر دی۔ جیسا کہ امام احمد اور امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اس امت کا بدبخت ترین انسان وہ ہوگا جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی مبارک ریش کو خون آلود کرے گا''۔ آپ نے اشارہ فرما دیا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے سر اقدس پر تلوار لگے

گی۔ اس سے خون نکلے گا جو آپ ﷺ کی ریش مبارک کو تر کر دے گا۔

امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کو اس حالت میں شہید کیا جائے گا کہ وہ قرآن پاک کی تلاوت کر رہے ہوں گے''۔ امام ترمذی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور سید المرسلین ﷺ نے فتنہ و فساد کا تذکرہ فرمایا۔ پھر فرمایا ''اس فتنہ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو مظلومی کی حالت میں قتل کیا جائے گا۔ رب تعالیٰ انہیں ایک قمیص عطا فرمائے گا۔ باغی وہ قمیص اتارنے کی کوشش کریں گے آپ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''وہ قمیص ہرگز نہ اتارنا''۔

امام حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ''اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا خون قرآن کریم کی اس آیت طیبہ پر گرے گا''۔

فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ (البقرہ: 137) تو کافی ہو جائے گا آپ کو ان کے مقابلے میں اللہ۔

بعض آئمہ حدیث نے اس روایت کے متعلق گفتگو کی ہے۔ لیکن امام طبری نے لکھا ہے کہ ان کی اکثریت نے روایت کیا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خون کا ایک قطرہ یا کئی قطرات رب تعالیٰ کے اسی فرمان پر گرے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''پہلا فتنہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت اور آخری فتنہ دجال کا خروج ہے۔ مجھے اس ذات کریمانہ کی قسم جس کے دست تصرف میں میری جان ہے ہر وہ شخص جس کے دل میں قاتلین عثمان کے لیے ذرہ بھر بھی محبت ہو گی وہ دجال کی ضرور اتباع کرے گا۔ اگر وہ اسے اس زندگی میں نہ پا سکا تو وہ اپنی قبر میں اس پر ایمان لے آئے گا''۔ اس روایت کو حافظ سلفی نے نقل کیا ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ''جب تک حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ زندہ ہیں۔ اس وقت تک میرے صحابہ کرام میں فتنہ کا ظہور نہیں ہو گا۔ ایک دن حضرت عمر فاروق، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہما سے ملے۔ انہوں نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور خوب دبایا۔ انہوں نے کہا ''اے فتنہ کے تالے! میرے ہاتھ چھوڑ دیں''۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا۔ ''ابوذر! یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا ''ایک دن آپ آئے۔ ہم بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر تھے۔ آپ نے لوگوں کی گردنیں پھلانگنا پسند نہ کیا۔ محفل کے پچھلے حصہ میں بیٹھ گئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ''جب تک عمر تم میں موجود ہیں۔ تمہیں کوئی فتنہ نہیں پہنچ سکتا''۔

امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ ایک دن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''تم میں سے کسے وہ بات یاد ہے جو حضور ﷺ نے اس فتنہ کے متعلق کہی تھی جو سمندر کی لہروں کی طرح موجزن ہو گا''۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا ''امیر المومنین اس کے متعلق آپ کو خدشہ نہیں ہونا چاہیے اس کے اور آپ کے مابین ایک مقفل دروازہ ہے''۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پوچھا ''کیا اسے کھولا جائے گا یا توڑا جائے گا؟ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا ''اسے توڑ دیا جائے گا''۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''پھر وہ کبھی بھی بند نہ ہو سکے گا''۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا ''وہ دروازہ کون ہے؟ انہوں نے فرمایا ''عمر فاروق رضی اللہ عنہ''۔ ان سے پوچھا گیا ''کیا عمر فاروق اس حقیقت سے آشنا ہیں؟ انہوں نے فرمایا ''ہاں۔ وہ اس سے اس طرح

آگاہ ہیں جس طرح ایک شخص کو یقین ہوتا ہے کہ کل کے بعد رات آئے گی''۔

ایک دفعہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے شام میں خطبہ ارشاد فرمایا۔ ایک شخص نے کہا، ''اے امیر محترم! ذرا صبر کریں۔ فتنے کا ظہور ہو چکا ہے''۔ انہوں نے فرمایا ''ابھی تو ابن خطاب زندہ ہیں اس فتنے کا ظہور ان کے بعد ہوگا''۔

امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے جنگ کے متعلق بتا دیا تھا جس میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ حق پر نہ ہوں گے۔ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کو دیکھا۔ ان میں سے ہر ایک مسکرا رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''کیا تم زبیر سے پیار کرتے ہو؟ انہوں نے عرض کی ''میں انہیں کیسے پیار نہ کروں، وہ میری پھوپھو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے لخت جگر اور میرے دین پر ہیں''۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے پوچھا ''کیا تم علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے محبت کرتے ہو؟ انہوں نے عرض کی ''میں ان سے کیسے پیار نہیں کروں گا وہ میرے ماموں کے نور نظر ہیں اور میرے دین پر ہیں''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''عنقریب تم ان سے جنگ کرو گے۔ حالانکہ اس وقت حق کا دامن تمہارے ہاتھ میں نہ ہوگا''۔ جنگ جمل کے روز حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے جنگ کی۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان کے سامنے آئے اور فرمایا ''میں تمہیں رب تعالیٰ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں۔ کیا تم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہیں سنا کہ تم مجھ سے جنگ کرو گے۔ اس وقت تم مجھ پر ظلم کرنے والے ہوں گے''۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''ہاں! میں نے آپ کا یہ فرمان عالی شان سنا تھا۔ لیکن میں بھول گیا تھا۔ اب مجھے یہ فرمان یاد آ گیا ہے۔ اب میں آپ سے جنگ نہیں کروں گا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ صفیں چیرتے ہوئے میدان کارزار سے باہر نکل آئے۔ راستہ میں لخت جگر حضرت عبداللہ ملے۔ انہوں نے پوچھا '' آپ کو کیا ہو گیا ہے؟ انہوں نے فرمایا ''مجھے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے وہ حدیث طیبہ یاد کرا دی ہے جسے میں فراموش کر چکا تھا۔ میں نے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سنا تھا آپ نے مجھے فرمایا تھا ''تم علی المرتضیٰ سے جنگ کرو گے۔ حالانکہ حق تمہاری طرف نہ ہوگا''۔ لخت جگر نے عرض کی ''آپ جنگ کرنے کے لیے نہیں بلکہ لوگوں کے مابین صلح کرانے کے لیے آئے ہیں''۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں نے قسم اٹھائی ہے کہ اب میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے جنگ نہیں کروں گا''۔ ان کے نور نظر نے عرض کی ''اپنا غلام آزاد کر دیں اور ٹھہر جائیں حتیٰ کہ ان میں صلح ہو جائے''۔ انہوں نے اسی طرح کیا۔ جب معاملہ میں اختلاف نے سر اٹھایا تو وہ چلے گئے۔ جب وہ ایک وادی میں پہنچے تو ابن جرموز نے ان پر حملہ کر دیا۔ وہ سو رہے تھے۔ زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے شہید ہو گئے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے حضور سید مرسلاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا قاتل آتش جہنم میں جائے گا''۔

اس جنگ کا سبب یہ تھا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قاتلین نے اس وقت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی جب لوگوں نے ان کی بیعت کی۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان کی بیعت سے راضی نہ تھے لیکن انہیں ان کی کثرت اور غلبہ کی وجہ سے خطرہ محسوس ہوا۔ آپ نے لوگوں کی تالیف کا ارادہ کیا۔ اس بیعت کی وجہ سے لوگوں کی آتش غضب بھڑک اٹھی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ایک جماعت نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بیعت سے انکار کر دیا حتیٰ کہ آپ قاتلین عثمان کو حوالے کر دیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ارادہ فرمایا کہ وہ حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت امیر معاویہ میں صلح کرا دیں۔ حتیٰ کہ خارجیوں سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لیا جا سکے۔ حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا اپنے ہودج میں ہی روانہ ہوئیں۔ ان کے ہمراہ کئی صحابہ کرام بھی تھے۔ جن میں حضرت طلحہ بن عبداللہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نمایاں شخصیات تھیں۔ انہوں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین صلح کرانے کا ارادہ کیا۔ یہ معاملہ مکمل ہوا ان کے مابین کسی قصد کے بغیر ہی جنگ ہو گئی۔ یہ سارے صحابہ کرام مجتہدین تھے۔ پھر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے لیے عیاں ہو گیا کہ حق کا دامن حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ہے۔ انہوں نے قاتلین عثمان کی کثرت اور غلبہ کی وجہ سے انہیں حوالے نہیں کیا۔ انہوں نے اس معاملہ کو موخر کرنے کا فیصلہ کیا تا کہ سارے مسلمان جمع ہو جائیں پھر قاتلین کا تعاقب کر کے ان سے قصاص لیا جائے حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی اور عزت و اکرام کے ساتھ مدینہ طیبہ لوٹ آئیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس جنگ کی طرف بھی اشارہ فرمایا تھا اور اس کے متعلق خبر دی تھی۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ایک دن حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ہمراہ تھیں۔ وہ محو گفتگو تھیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا "تم میں سے کس پر "الحواب" کے کتے بھونکیں گے؟"۔ دوسری روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اس کے ارد گرد قتل عام ہو گا۔ وہ بڑی مشکل سے نجات پا سکے گی"۔ جب جنگ جمل ہوئی تو حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس جگہ سے گزریں۔ وہاں کے کتے آپ پر بھونکے۔ آپ نے اس جگہ کا نام پوچھا تو بتایا گیا "الحواب"۔ انہوں نے واپس آنے کا ارادہ کیا تو لوگوں نے بتایا کہ یہ جگہ الحواب نہیں ہے۔ جب ان کے لیے معاملہ عیاں ہو گیا تو وہ صلح کے بعد واپس آ گئیں۔

امام حاکم اور امام بیہقی نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے خروج کا تذکرہ کیا تو حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تعجب کرتے ہوئے مسکرانے لگیں یعنی عورت خلیفہ کے خلاف خروج کیسے کر سکتی ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "حمیراء! ذرا دیکھنا یہ کہیں تم ہی نہ ہو"۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف نظر التفات فرمائی۔ اور فرمایا "اگر تم اس کے کسی امر کا والی بنو تو اس کے ساتھ نرمی کرنا"۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ حکم بجا لائے۔ انہوں نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ان کے بھائی حضرت محمد رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مدینہ طیبہ بھیجا اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بنفس نفیس کئی میلوں تک ان کے ہمراہ گئے۔ ایک دن کے لیے اپنے بیٹوں کو ان کے ہمراہ کیا۔

حضور، نبی غیب دان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غیب کی خبروں میں سے ایک خبر یہ بھی ہے کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو باغی گروہ قتل کرے گا۔ انہیں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے شہید کر دیا۔ یہ جنگ صفین میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف تھے۔ حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں مجتہد تھے لیکن حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اجتہادی رائے درست تھی کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قاتلین کا معاملہ موخر کیا جائے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی رائے میں خطا پر تھے۔ ان کا

موقف یہ تھا کہ مسلمانوں کے جمع ہونے اور ان کے استقرار سے قبل ان سے قصاص لیا جائے۔ کیونکہ یہ خطاء اجتہادی تھی لہٰذا ان پر ملامت نہیں کی جائے گی۔

کیونکہ مشہور حدیث پاک ہے کہ جب مجتہد کسی صحیح رائے تک پہنچتا ہے تو اس کے لیے دو اجر ہیں۔ اگر اس سے لغزش ہو جاتی ہے تو اس کے لیے ایک اجر ہے۔ ان دونوں صحابہ کرام میں سے کسی ایک کی تنقیص شان درست نہیں۔ یہی اہل السنت والجماعت کا موقف ہے۔ اس کے علاوہ ضلالت وگمراہی ہے۔ ہم رب تعالیٰ سے عافیت طلب کرتے ہیں۔

آپ کی بتائی ہوئی غیب کی خبروں میں سے ایک خبر یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''آپ کے لیے لوگوں کی طرف سے حسرت وتاسف ہے اور لوگوں کے لیے آپ کی طرف سے حسرت وتاسف ہے''۔ اس فرمان کا سبب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پچھنے لگوائے۔ خون مبارک حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا تا کہ وہ اسے دفن کر دیں۔ وہ ابھی کمسن تھے۔ انہوں نے خون پی لیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''تمہیں آگ نہیں چھوئے گی''۔ جب حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور عبدالملک بن مروان کے مابین اختلاف ہوا تو عبدالملک نے حجاج کو ان کی طرف بھیجا۔ اس نے ان کے ساتھ جنگ کی اور انہیں شہید کر دیا۔ حضرت عبداللہ تنہا ہی حجاج کے لشکر کی صفوں پر حملہ آور ہوتے اور انہیں درہم وبرہم کر دیتے۔ لوگ کہتے ہیں کہ ان کی یہ ساری قوت وشجاعت اس خون مبارک کی وجہ سے تھی۔

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قزمان کے متعلق فرمایا تھا کہ وہ جہنمی ہے۔ اس قزمان نے کسی غزوہ میں شدید قتال کیا۔ صحابہ کرام اس کی شجاعت پر تعجب کرنے لگے۔ یہ بہت جری تھا اور بعض انصار کا حلیف تھا۔ صحابہ کرام نے اس کی جرات وبہادری کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''یہ جہنمی ہے''۔ پھر یہ لگا تار قتال کرتا رہا حتیٰ کہ زخمی ہو گیا۔ اس نے اپنی تلوار اپنے سینے کے مابین رکھی۔ اس پر وزن ڈال کر خودکشی کر لی۔ دوسری روایت میں ہے کہ اس نے اپنے ترکش سے تیر نکالا اور اس کے ساتھ خودکشی کر لی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کے متعلق بتایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''رب تعالیٰ فاجر شخص کے ذریعے اس دین کی نصرت فرمائے گا''۔ آپ نے اعلان کرنے والے کو حکم دیا کہ وہ لوگوں میں اعلان کر دے کہ جنت میں صرف مومن ہی جائے گا وہ مرنے سے پہلے مرتد ہو گیا تھا۔ یا اس نے خودکشی کو حلال سمجھا تھا۔ یہ اس امر کے منافی نہیں کہ ''کسی شخص کی خودکشی اس کے کفر کا تقاضا نہیں کرتی''۔

امام طبرانی اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حاضر تھے۔ ان میں حضرت ابو ہریرہ، حضرت حذیفہ بن یمان اور حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہم بھی موجود تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں فرمایا ''تم میں سے سب سے آخر میں انتقال کرنے والا آگ سے مرے گا''۔ صحابہ کرام ایک دوسرے سے دریافت کرتے رہے۔ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کا وصال سب سے آخر میں ہوا۔ ان کی عمر زیادہ ہوئی۔ آخری عمر میں انہیں سردی کی وجہ سے کپکپی کا مرض لاحق ہو گیا۔ ان کے تاپنے کے لیے آگ جلائی گئی۔ اہل خانہ کے غفلت اور اپنی کمزوری کی وجہ سے اسی آگ میں جل گئے۔ اس سے آپ کی اس خبر کی تصدیق ہو گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لیے آگ کو مبہم رکھا اس کی وضاحت نہ

فرمائی کہ اس سے مراد دنیا کی آگ ہے تاکہ وہ اپنے اعمال میں خوب سعی کریں۔ خوف اور نگرانی کا راستہ اختیار کریں یا اس کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذن ہی نہیں دیا گیا تھا اس میں کوئی حکمت کارفرما تھی۔

حضرت ابن حکیم الضبی نے کہا ہے "میں جب بھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات کرتا تو وہ مجھے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کے متعلق پوچھتے۔ جب میں ان کی صحت کے بارے انہیں بتاتا تو وہ مسرور ہو جاتے میں نے اس کے متعلق ان سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا "ہم دس صحابہ کرام کسی کے گھر میں موجود تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تم میں سے سب سے آخر میں مرنے والا آگ میں ہوگا"۔ ان میں سے آٹھ صحابہ کرام کا وصال ہو چکا ہے۔ میرے اور حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ اور کوئی بحیات نہیں ہے۔ جب ان سے کہا جاتا کہ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کا وصال ہو گیا تو ان پر غشی طاری ہو جاتی۔ حتیٰ کہ یہ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے پہلے وصال کر گئے۔

امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ جب کوئی شخص حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ غصہ دلانا چاہتا تو وہ کہتا "سمرہ کا وصال ہو گیا ہے"۔ یہ سن کر فوراً حضرت ابوہریرہ کو کمزوری آلیتی اور ان پر بے ہوشی طاری ہو جاتی۔ پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے قبل وصال فرما گئے۔

ابن اسحاق نے عاصم بن عمر بن قتادہ رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حنظلہ بن ابی عامر انصاری غسیل ملائکہ کے متعلق فرمایا "میں نے دیکھا ملائکہ انہیں غسل دے رہے تھے۔ ان کی زوجہ سے ان کے متعلق پوچھو"۔ جب صحابہ کرام نے پوچھا تو ان کی زوجہ محترمہ نے فرمایا "یہ حالت جنابت میں باہر نکل گئے تھے۔ جلدی کی وجہ سے غسل نہ کر سکے تھے"۔ ان کی زوجہ محترمہ کا نام جمیلہ بنت عبداللہ بن ابی تھا، یہ ایک پاکباز خاتون تھیں۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا "ہم نے حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کے سر سے پانی کے قطرات گرتے ہوئے دیکھے"۔

آپ کی بتائی ہوئی خبروں میں سے ایک خبر وہ بھی ہے جسے امام احمد، امام ترمذی اور صحاح ستہ کے مصنفین نے روایت کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میرے بعد تیس سال تک خلافت رہے گی۔ پھر کاٹنے والی ملوکیت آجائے گی"۔ اگر حضرت امام حسن بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کی مدت خلافت شامل کی جائے تو یہ مدت تیس سال بن جاتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا خلافت قریش میں رہے گی۔ یہ معاملہ قریش میں ہی رہے گا۔ جب تک وہ دین پر قائم رہیں گے۔ پھر اسی طرح ہوا جس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا۔

امام مسلم اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "بنو ثقیف میں ایک کذاب اور ایک قتل عام کرنے والا ہوگا"۔ علمائے کرام نے لکھا ہے کہ ان سے مراد حجاج اور مختار بن ابی عبید ہے۔ امام نووی رقمطراز ہیں "علماء کرام کا اتفاق ہے کہ قتل عام کرنے والا الحجاج اور کذاب سے مراد مختار بن ابی عبید الثقفی ہے۔ یہ گمان کرتا تھا کہ اس کے پاس جبرئیل امین آتے ہیں یہ کہانت کرتا تھا اور گمان کرتا تھا کہ اس پر وحی نازل ہوئی ہے۔ اس کے پاس ایک کرسی تھی جس سے یہ تابوت بنی اسرائیل کی نقل اتارتا تھا۔ یہ خود گمراہ اور گمراہ کرنے والا تھا۔ سب سے پہلے اس نے صلاح اور تقویٰ کا اظہار کیا۔ اس نے اظہار کیا کہ

یہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا بدلہ لینا چاہتا ہے حتیٰ کہ یہ کوفہ پر غالب آ گیا بہت سی مخلوق کا قتل عام کیا۔ کافی مدت اس کا یہی وطیرہ رہا حتیٰ کہ حضرت مصعب بن زبیر نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ حجاج کا معاملہ انتہائی شہرت کا حامل ہے۔ ذکر کی ضرورت نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو غیب کی خبریں دیں ہیں ان میں سے ایک خبر وہ بھی ہے جسے شیخان نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''رب تعالیٰ مسیلمہ کذاب کی کونچیں کاٹ دے گا''۔ دوسری روایت کے مطابق رب تعالیٰ اسے قتل کر دے گا۔ اس تیرہ بخت نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ کے آخر میں نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کے لیے ایک لشکر تیار فرمایا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اس کا امیر مقرر کیا۔ انہوں نے مسیلمہ اور اس کی قوم کے ساتھ جہاد کیا۔ حتیٰ کہ رب تعالیٰ نے مسیلمہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ وحشی نے اپنے نیزے کے ساتھ اس کا کام تمام کر دیا۔ دیگر صحابہ کرام نے بھی اس کے قتل میں شرکت کی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''اس کی کونچیں رب تعالیٰ کاٹ دے گا''۔ آپ نے اشارہ دیا کہ وہ چوپاؤں میں سے ایک چوپایہ ہے وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔

اسی طرح امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت امیر المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آپ کی نور نظر لخت جگر حضرت سیدہ نساء العالمین فاطمۃ الزہراء آپ کے وصال کے بعد سب سے پہلے آپ سے ملاقات کریں گی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے چھ ماہ بعد سیدہ نساء العالمین رضی اللہ عنہا کا بھی وصال ہو گیا۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو بتادیا کہ بہت سے اہل عرب آپ کے وصال کے بعد مرتد ہو جائیں گے اور ان کے ساتھ جنگ بھی ہوگی۔ یہ خبر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں سچ ثابت ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد بہت سے لوگ مرتد ہو گئے۔ اہل حرمین اور اہل بحرین کے سوا۔ اللہ رب العزت نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مدد فرمائی تو وہ مرتدین کی سرکوبی کے لیے کافی ہو گئے۔ ان کے وصال سے پہلے سارے اہل عرب اسلام کی طرف لوٹ آئے۔

اسی طرح امام بزار نے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اور امام بیہقی نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''یہ امر (دین اسلام) نبوت و رحمت سے شروع ہوا۔ پھر رحمت و خلافت ہوگی۔ پھر کاٹنے والی ملوکیت ہوگی پھر سرکشی اور فساد ہوگا''۔

امام مسلم نے حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی عظمت و رفعت عیاں کرتے ہوئے روایت لکھی ہے۔ وہ اپنی والدہ کی خدمت میں مصروف رہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر نہ ہو سکے۔ ورنہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا زمانہ پالیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت کے مطابق وہ خیر التابعین ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا ''میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''تمہارے پاس اویس بن عمر یمن کے لوگوں کے ساتھ آئیں گے۔ ان کا تعلق قرن کے مراد قبیلہ کے ساتھ ہوگا۔ ان کا سارا جسم برص کی وجہ سے سفید ہو گیا۔ تھا پھر انہیں شفاء نصیب ہو گئی۔ انہوں نے رب تعالیٰ سے دعا مانگی ''مولا! مجھے اس مرض سے نجات عطا فرما۔ لیکن ایک درہم کے برابر نشان

باقی رہنے دے تاکہ اسے دیکھ کر تیری مہربانی کا شکر ادا کر سکوں"۔ جسے اس شخص کی زیارت نصیب ہو اور وہ اس سے اپنی مغفرت کی دعا کرا سکے وہ ضرور ایسا کرے"۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا حلیہ بیان کرتے ہوئے فرمایا "ان کی آنکھیں سرخی مائل ہوں گی۔ ان کا چہرہ بھی سرخی سیاہی مائل ہوگا ان کا رنگ گندم گوں ہوگا۔ ان کی تھوڑی سینے کے ساتھ لگی ہوگی۔ ان کی آنکھیں سجدہ گاہ پر مرکوز ہوں گی۔ وہ ہر وقت گریہ کناں نظر آئیں گے ان پر دو پرانی چادریں ہوں گی۔ ان کے علاقہ میں انہیں کوئی نہ جانتا ہوگا۔ البتہ آسمان پر فرشتے انہیں خوب جانتے ہوں گے۔ اگر وہ رب تعالیٰ کی ذات والا پر قسم اٹھالیں تو رب تعالیٰ ان کی قسم کو ضرور پورا کردے گا۔ ان کے بائیں کندھے کے نیچے ایک درہم کی برابر سفید نشان ہوگا۔ قیامت کے روز جب لوگوں سے کہا جائے گا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ تو وہ دوڑتے ہوئے جائیں گے۔ مگر اویس قرنی کو کہا جائے گا "یہاں ٹھہرو گناہ گاروں کی شفاعت کرو۔ چنانچہ وہ عرب کے قبیلوں مضر اور ربیعہ کی شفاعت کریں گے۔

آپ نے فرمایا "اے عمر، اے علی! اگر تم ان سے ملاقات کرو تو ان سے کہنا کہ وہ تمہارے لیے مغفرت کی دعا کریں۔ یہ دونوں حضرات لگاتار دس سال حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کو تلاش کرتے رہے۔ مگر ان سے ملاقات نہ ہو سکی۔ جس سال حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا اس سال وہ کوہ ابی قبیس پر کھڑے ہوئے۔ باآواز بلند کہا۔ "اے اہل یمن! کیا تم میں اویس نامی شخص ہے؟ ایک عمر رسیدہ شخص نے کہا "ہم نہیں جانتے کہ اویس کون ہے؟ البتہ میرا ایک گم نام سا بھائی ہے وہ اس قابل نہیں کہ اس کا تذکرہ آپ کے ہاں کیا جائے وہ ہمارے اونٹ چرا رہا ہے"۔ حضرت عمر فاروق نے لاپرواہی سے کہا گویا کہ آپ اس اویس کا ارادہ نہیں کر رہے "وہ کہاں ہے؟ اس بزرگ نے کہا "عرفات میں"۔ حضرت عمر فاروق اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما دونوں سوار ہو کر ان کی طرف گئے۔ وہ کھڑے نماز ادا کر رہے تھے۔ انہوں نے سلام کیا اور پوچھا "کون ہو؟ حضرت اویس نے کہا "اجرت پر اونٹ چرانے والا"۔ ان دونوں حضرات نے کہا "ہم تم سے اس کے متعلق سوال نہیں کر رہے۔ تمہارا نام کیا ہے؟ حضرت اویس رضی اللہ عنہ نے کہا عبد اللہ! یہ دونوں حضرات بولے "ہم سب اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں۔ تمہارا وہ نام کیا ہے جو تمہاری امی نے رکھا ہے"۔ حضرت اویس قرنی نے کہا "تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟ پھر حضرت عمر فاروق اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما نے انہیں وہ سب کچھ بتا دیا جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے متعلق بتایا تھا۔ انہوں نے انہیں کہا کہ وہ اپنے بائیں کندھے کے نیچے وہ نشان دکھائیں تاکہ نشانی پوری ہو سکے۔ انہوں نے کپڑا ہٹایا تو وہاں برص کا داغ موجود تھا۔ جس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں فرمایا تھا۔ حضرت اویس قرنی نے ان دونوں حضرات سے پوچھا کہ وہ کون ہیں۔ انہوں نے اپنا تعارف کرایا تو وہ ان کی تعظیم کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے ان کی تکریم کی۔ انہیں سلام کیا۔ انہیں کہا "اللہ تعالیٰ آپ کو امت محمدیہ کی طرف سے بہترین جزائے خیر دے"۔ انہوں نے ان دونوں حضرات کے لیے مغفرت طلب کی۔ جس طرح کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم فرمایا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا "رب تعالیٰ تم پر رحم فرمائے۔ اسی جگہ ٹھہرے رہو۔ حتیٰ کہ میں تمہارے پاس نفقہ اور کپڑے لے کر آجاؤں"۔ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ نے کہا "میرا کوئی وعدہ نہیں۔ آج کے بعد

آپ مجھے دیکھ بھی نہیں سکیں گے میں خرچہ اور کپڑوں کا کیا کروں گا؟ پھر وہ اپنی عبادت میں مصروف ہو گئے۔

صحیح حدیث میں ہے کہ خیر التابعین وہ شخص ہے جسے اویس قرنی کہا جاتا ہے۔ امام احمد نے لکھا ہے کہ حضرت سعید بن مسیب افضل التابعین ہیں۔ علامہ قرانی نے لکھا ہے کہ شاید امام احمد اس حدیث سے آگاہ نہیں ہوئے۔ یا ان کے نزدیک یہ صحیح نہیں۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی افضلیت ان کے زہد کی شدت اور خشیت الٰہیہ کی وجہ سے ہے اور حضرت سعید رضی اللہ عنہ کی افضلیت ان کے علم اور یادداشت کے اعتبار سے ہے۔ لہٰذا ان دونوں اقوال میں کوئی تناقض نہیں ہے۔ ایک اور قول یہ ہے کہ حضرت حسن بصری افضل التابعین ہیں۔ ایک اور قول کے مطابق حضرت حفصہ بنت سیرین رضی اللہ عنہا اس منصب رفیع پر فائز ہیں۔ بعض علماء کرام نے لکھا ہے کہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ علی الاطلاق افضل ہیں۔ علم نافع کے اعتبار سے حضرت سعید بن مسیب افضل ہیں۔

امام مسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''عنقریب ایسے امراء آئیں گے جو نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کر کے پڑھیں گے''۔ میں نے عرض کی ''آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''نماز کو اس کے وقت پر ادا کرو۔ اگر انہیں پالو تو ان کے ساتھ ہی نماز پڑھو یہ تمہارے لیے نفل بن جائیں گے''۔

امام بزار اور امام طبرانی نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''عنقریب تم میں عجمی بہ کثرت ہو جائیں گے وہ تمہارا مال فئے کھا جائیں گے تمہاری گردنیں اڑائیں گے''۔

امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''میری امت کا بہترین زمانہ میرا ہے۔ پھر اس کے ساتھ جو ملا ہو گا۔ پھر اس کے ساتھ جو ملا ہو گا۔ پھر ان کے بعد ایسی قوم آئے گی وہ گواہی دے گی۔ لیکن گواہی دینے کے لیے نہیں کہے گی۔ وہ امین نہیں ہو گی بلکہ بددیانت ہو گی۔ وہ نذر مانیں گے لیکن اسے پورا نہیں کریں گے۔ ان میں موٹاپا ظاہر ہو گا یعنی زیادہ کھانے پینے اور آسودگی کی وجہ سے اس کے جسم موٹے ہوں گے۔ انہیں رب تعالیٰ کا خوف نہ ہونے اور امور کے انجام میں غور و خوض نہ کرنے کی وجہ سے موٹاپا آ لے گا۔

امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''قریش کے نااہل لڑکوں کے ہاتھوں میری امت ہلاک ہو گی''۔ اس حدیث مبارک کے راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اگر میں چاہوں تو تمہیں نام بھی بتا سکتا ہوں کہ وہ بنوں فلاں بنو فلاں ہیں''۔ اس سے ان کی مراد یزید بنو مروان تھے۔ مگر انہوں نے فتنہ کے خوف سے ان کے نام نہ لیے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے تھے ''میں 60ھ کی ابتداء اور لڑکوں کی امارت سے پناہ مانگتا ہوں''۔ اس سے قبل ہی ان کا وصال ہو گیا۔ 60ھ کو ہی یزید تخت نشین ہوا۔ لوگوں کو علم ہو گیا کہ حضرت ابوہریرہ کی مراد یہی بدبخت تھا۔ یہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی نشانیوں میں سے ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قدریہ فرقہ کے ظہور کی خبر دی۔ اس روایت کو امام ترمذی، ابوداؤد اور حاکم نے روایت کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ اس امت کے مجوسی ہیں۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رافضیوں کے ظہور کی خبر دی۔ ان کے متعلق

بہت سی روایات امام بیہقی نے متعدد طرق سے نقل کیں ہیں۔ ان میں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک فرمان یہ بھی ہے "میری امت میں ایک گروہ ہوگا جنہیں رافضہ کہا جائے گا۔ تم ان کا انکار کردو۔ دوسری روایت میں ہے "انہیں قتل کردو وہ مشرک ہیں"۔

امام بغوی نے روایت کیا ہے کہ یہ امت اس وقت تک ختم نہ ہوگی حتیٰ کہ اس کے آخری لوگ اس کے پہلے لوگوں پر لعنت کریں گے۔ بہت سے اہل بدعت کا یہ وطیرہ ہے وہ صحابہ کرام اور اہل بیت پاک رضوان اللہ علیہم اجمعین کو برے الفاظ کے ساتھ یاد کرتے ہیں۔ بہت سے احمق بہت سے اولیاء کرام کو گندے الفاظ سے یاد کرتے ہیں جیسے کہ بعض احمق سیدی محی الدین ابن عربی اور سیدی عمر بن فارض رحمۃ اللہ علیہما کو برے الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔ ہم اس طرح کے رویوں سے رب تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔ یہ برے خاتمہ کے اسباب میں سے ہے۔ ہم رب تعالیٰ سے التجاء کرتے ہیں کہ وہ ہمیں صحابہ کرام اور اہل بیت کی برکات سے نفع مند کرے اور ان کے زمرہ میں ہمارا حشر کرے (آمین ثم آمین)

حضور نبی غیب دان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "انصار قلیل ہوتے جائیں گے۔ حتیٰ کہ وہ کھانے میں نمک کی طرح ہو جائیں گے۔ اگر تم میں سے کوئی ایسے امر کا والی بنے جس میں وہ ایک قوم کو نفع اور دوسری قوم کو نقصان دے سکتا ہو تو انصار کے پاکباز سے قبول کرلے اور ان کے گناہگار سے تجاوز کرے"۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میرے بعد تم اقرباء پروری دیکھو گے تو صبر کرنا حتیٰ کہ میرے ساتھ حوض پر ملاقات کرلو"۔ یہ سارے واقعات بعینہ اسی طرح ظہور پذیر ہوئے جس طرح اس صادق و مصدوق نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان خارجیوں کے بارے بھی بتا دیا تھا جنہوں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کیا تھا۔

اس شخص کا تذکرہ ایسی احادیث میں ہے جنہیں شیخین نے روایت کیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ان کے پاس ایک سیاہ شخص آئے گا جس کا ایک پستان عورت کے پستان کی طرح ہوگا"۔ جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے خوارج کے ساتھ قتال کیا۔ لوگوں کو خطبہ ارشاد فرمایا تو اس حدیث پاک کا بھی تذکرہ کیا۔ پھر فرمایا "اس پستان والے کو تلاش کرو"۔ لوگوں نے اسے تلاش کیا تو وہ مقتولوں میں سے مل گیا۔ وہ اسے آپ کی خدمت میں لے آئے۔ آپ نے فرمایا "اس کی قمیص پھاڑ ڈالو"۔ جب آپ نے اس کا ایک پستان عورت کے پستان کی مانند دیکھا جس پر بال تھے تو آپ رب تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے سجدہ ریز ہوگئے جس نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کی۔ آپ کے یقین میں اضافہ ہوگیا آپ حق پر اور خوارج باطل پر ہیں۔ حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی ایک اور نشانی بیان فرمائی کہ یہ لوگ سر منڈوائیں گے۔ حالانکہ زمانہ اول حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد ہمایوں میں صرف نسک میں ہی سر منڈوایا جاتا تھا۔

حضور تاجدار عرب و عجم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قیامت کی نشانیوں میں سے ایک علامت یہ بھی ہے کہ تم دیکھو گے کہ بکریاں چرانے والے لوگوں کے سردار بن جائیں گے۔ عریاں پاؤں اور ننگے جسم والے بلند عمارات بنائیں گے۔ یعنی دنیا اس شخص کے لیے بھی وسیع ہو جائے گی جس کے پاس پہلے طاقت و قدرت نہ ہوگی۔ دوسرے افراد پر اس کا غلبہ ہو جائے گا حتیٰ کہ وہ اپنے فقر اور ذلت کے بعد اس کا رئیس بن جائے گا۔

اسی طرح امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ سپہ سالار اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''قریش غزوۂ خندق کے بعد مسلمانوں پر لشکر کشی نہیں کر سکیں گے بلکہ مسلمان ہی ان پر حملہ آور ہوں گے''۔

امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''فتح بیت المقدس کے بعد دو دفعہ کثیر اموات ہوں گی''۔ یہ واقعات حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بیت المقدس فتح ہونے کے بعد رونما ہوئے۔ ایک دفعہ طاعون کی وباء پھیلی۔ جسے طاعون عمواس کہا جاتا ہے۔ عمواس بیت المقدس کے قریب ہی ایک بستی تھی۔ اسی جگہ مسلمانوں کا لشکر خیمہ زن تھا۔ یہ اسلام میں پہلی طاعون تھی۔ اس وباء میں تین دنوں میں ستر ہزار مسلمانوں نے انتقال کیا۔ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا غزوۂ تبوک میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ چمڑے کے خیمہ میں تشریف فرما تھے۔ آپ نے فرمایا ''قیامت سے قبل پانچ اشیاء کو شمار کر لو (۱) میرا وصال (۲) فتح بیت المقدس (۳) دو دفعہ کثیر اموات۔ لوگ ان میں اس طرح مریں گے جس طرح بکریاں قعاص (وباء) سے مرتی ہیں (۴) مال و دولت کی فراوانی اور اس کا فتنہ (۵) تمہارے اور بنو اصفر کے مابین مصالحت۔

امام ابوداؤد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''انس! لوگ شہر بسائیں گے۔ ایک شہر بسایا جائے گا جس کا نام بصرہ ہوگا۔ اگر اس کے پاس سے گزر و یا اس میں داخل ہو جاؤ تو اس کی بندرگاہوں، بازاروں اور امراء کے دروازوں کی طرف نہ جانا بلکہ اس کے گردونواح میں جو بستیاں ہوں وہاں ٹھہرنا، وہاں کے لوگوں کے فسق وفجور کی وجہ سے زمین دھنس جائے گی، اوپر سے پتھر پڑیں گے لوگوں کے چہرے مسخ ہو جائیں گے''۔ آپ کے دہن پاک سے نکلی ہوئی یہ خبر کسی پر بھی مخفی نہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں 17 ھ کو بصرہ شہر بسایا گیا حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ نے اس کی بنیاد رکھی۔ 18 ھ کو لوگوں نے اس شہر میں سکونت اختیار کی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بھی وہاں سکونت اختیار کی۔ اس شہر کا شرف یہ ہے کہ اس میں کبھی بھی کسی بت کی پوجا نہیں کی گئی۔

امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آپ کی امت سمندر میں جہاد کے لیے عازم سفر ہوگی۔ وہ کشتیوں پر اسی طرح بیٹھی ہوگی جس طرح بادشاہ اپنے تختوں پر بیٹھتے ہیں۔

امام ابن عدی اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید بن صوحان العبدی رضی اللہ عنہ کے بارے فرمایا کہ ان کا ایک عضو دیگر اعضاء سے پہلے جنت میں چلا جائے گا۔ جہاد میں ان کا ایک ہاتھ کٹ گیا۔

امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے چند صحابہ کرام حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان ذوالنورین، علی المرتضیٰ، طلحہ، زبیر رضی اللہ عنہم کے ہمراہ کوہ حراء پر تشریف لے گئے۔ وہ پہاڑ ان کی وجہ سے لرزنے لگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''ٹھہر جا، تیرے اوپر یا نبی ہے یا صدیق ہے یا شہید ہے''۔ حضرات علی المرتضیٰ، عمر فاروق، عثمان غنی، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم نے قبائے شہادت پہنی۔ بعض سیرت نگاروں نے ان صحابہ کرام میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو بھی شامل کیا ہے۔ انہوں نے طاعون کی وجہ سے وصال فرمایا۔ یہ بھی تو شہادت کی اقسام میں سے ایک قسم ہے۔

امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ کی راہ پر تھے اور سراقہ بن مالک نے آپ سے تعرض کیا تو آپ ﷺ نے اسے فرمایا "اس وقت تمہاری کیفیت کیا ہوگی جب تم کسریٰ کے کنگن پہنو گے"۔ یہ واقعہ اپنی پوری تفصیل کے ساتھ پہلے گزر چکا ہے۔ حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے سال اسلام لے آئے۔ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں کسریٰ سے اس کی سلطنت چھین لی گئی تو اس کے کنگن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیے گئے۔ انہوں نے وہ کنگن حضرت سراقہ کو پہنا دیئے تاکہ حضور ﷺ کے فرمان کی صداقت عیاں ہو جائے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یوں ستائش ربانی کی "ساری تعریفیں رب تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے یہ کنگن کسریٰ سے لے کر سراقہ کو پہنا دیئے"۔ یہ دونوں کنگن سونے کے تھے۔ یہ سونے کا وہ استعمال نہیں جو حرام ہو۔ کیونکہ انہوں نے یہ کنگن اس لیے پہنے تاکہ حضور سرور عالمیاں ﷺ کے فرمان حق ترجمان کی تحقیق اور تصدیق ہو سکے۔ انہوں نے یہ کنگن بعد میں اتار دیئے تھے۔ اس طرح کا استعمال حرام کے زمرہ میں نہیں آتا۔

امام ابونعیم نے الدلائل میں اور حضرت خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں یہ روایت لکھی ہے کہ حضور رحمت عالم ﷺ نے فرمایا "دجلہ اور فرات کے مابین ایک شہر بسایا جائے گا جس کی طرف زمین کے خزانے لائے جائیں گے"۔ یہ شہر بغداد ہے۔ اسے عباسی دور حکومت میں بنایا گیا۔ اطراف عالم سے اموال یہاں لائے گئے۔

امام احمد اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ حضور تاجدار انبیاء ﷺ نے فرمایا اس امت مرحومہ میں ایک شخص ہوگا جسے ولید کہا جائے گا وہ میری امت کے لیے اس سے کہیں بڑھ کر شریر ہوگا جتنا کہ فرعون اپنی قوم کے لیے تھا۔ امام اوزاعی نے فرمایا لوگ اس سے مراد ولید بن عبدالملک لیتے تھے پھر ان کے لیے عیاں ہو گیا کہ اس سے مراد اس کا بھتیجا ولید بن یزید ہے وہ اس امت کے لیے فتنوں کے دروازوں کی چابی تھا۔ وہ احمق تھا ہمہ وقت شراب میں دھت رہتا تھا ایک دن اس نے قرآن حکیم سے فال نکالی تو یہ آیت نکلی۔

وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۱۵﴾ (ابراہیم:15)

"اور رسولوں نے حق کی فتح کے لیے التجا کی (جو قبول ہوئی) اور نامراد ہو گیا ہر سرکش، منکر حق"۔

اس نے صحیفہ رشد و ہدایت پر تیر پھینکا اور اسے پھاڑ ڈالا اور یہ شعر پڑھنے لگا۔

اتوعد کل جبار عنید ۔۔۔ هانا ذالك جبار عنید

اے قرآن تو ہر جبار اور سرکش کو ڈرا رہا ہے ارے دیکھو میں ہی جبار اور باغی ہوں۔

اذا ما جئت ربك يوم حشر ۔۔۔ فقل يا رب مزقف الوليد

جب تو روز قیامت اپنے رب تعالیٰ کے پاس جائے تو اسے کہنا مجھے ولید نے پارہ پارہ کر دیا تھا۔

جب فتح مکہ کے روز حضور سید عالم ﷺ نے حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو اذان دینے کا حکم دیا تو حارث اور عتاب نے کہا کہ محمد عربی (ﷺ) کو اس سیاہ کوے (نعوذ باللہ منہ) کے علاوہ اور کوئی موذن نہ ملا۔ ابوسفیان نے کہا میں تو کچھ نہیں کہوں

گا۔ اگر میں نے بات کر دی تو یہ سنگریزے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتا دیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے فرمایا میں ان باتوں کو جان گیا ہوں جو تم نے کہیں ہیں۔ پھر آپ نے وہ سب کچھ بیان کر دیا جو کچھ انہوں نے ایک دوسرے سے کہا تھا۔ حارث اور عتاب علم مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی یہ بے کرانیاں دیکھ کر پکار اٹھے ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول برحق ہیں ہماری ان باتوں سے اور کوئی آگاہ ہی نہیں ہوا جس کے متعلق ہم کہتے ہیں کہ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا ہے۔

امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس جادو کے بارے بالکل اسی طرح بتا دیا جس طرح لبید بن اعصم یہودی نے آپ پر جادو کیا تھا۔ یہ جادو کنگھی اور بالوں سے کیا گیا تھا۔ وہ جادو کنگھی اور بالوں سے کیا گیا تھا۔ اسے کھجور کے خشک تنے کے اندر رکھا گیا تھا۔ اسے ذروان کے کنویں میں رکھ دیا گیا تھا۔ یہ سارا واقعہ اسی طرح تھا جس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا۔ آپ نے اپنے چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کنویں پر بھیجا۔ انہوں نے یہ ساری اشیاء کنویں سے باہر نکال لیں۔ کنویں کے پانی کی رنگت مہندی کے پانی کی طرح ہوگئی۔

امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ جب قریش مکہ نے بنو ہاشم کے ساتھ معاشرتی مقاطع کیا اور انہوں نے ایک عہد نامہ لکھا۔ اسے ایک صندوقچہ میں رکھا اور خانہ کعبہ میں لٹکا دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا ابو طالب کو یاد فرمایا اور فرمایا "اس عہد نامہ میں رب تعالیٰ کے نام کے علاوہ باقی سب کچھ دیمک کھا گئی ہے"۔ جب قریش مکہ نے وہ عہد نامہ دیکھا تو اس کی حالت بالکل اسی طرح تھی جس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا۔ یہ واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ پہلے گزر چکا ہے۔

قرب قیامت کی نشانیاں اور علم غیب مصطفیٰ

مذکورہ بالا واقعات وہ تھے جو پہلے اسی طرح گزر چکے ہیں جس طرح زبان حق ترجمان سے نکلا تھا۔ اب ان واقعات کا تذکرہ ہوگا جو ابھی تک رونما نہیں ہوئے بلکہ وہ عنقریب ظہور پذیر ہوں گے۔ امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اس وقت تک قیامت قائم نہ ہوگی حتیٰ کہ سرزمین حجاز سے ایک آگ نکلے گی جس میں بصرہ کے اونٹوں کی گردنیں نظر آئیں گی"۔

ابن عدی نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ کہ نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اس وقت تک قیامت قائم نہ ہوگی حتیٰ کہ حجاز کی وادیوں میں سے ایک وادی آگ سے بہہ پڑے گی۔ جس سے بصرہ کے اونٹوں کی گردنیں نظر آئیں گی"۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری کی شرح میں لکھا ہے اسی طرح امام قسطلانی نے بھی لکھا ہے اس آگ کا انطباق اس آگ پر ہوگا جو 700ھ میں مدینہ طیبہ میں ظاہر ہوئی۔ یہ زلزلہ سے شروع ہوئی اس کا آغاز بروز اتوار جمادی الاخر 659ھ میں ہوا۔ دوسرے قول کے مطابق اس کی ابتداء منگل سے ہوئی۔ دونوں روایتوں کی تطبیق یوں ممکن ہے کہ اس کی ابتداء آہستگی سے ہوئی جس کا علم بعض خاص لوگوں کو ہو سکا۔ پھر یہ خاص و عام کے لیے ظاہر ہوگئی۔ اس کی حرکت شدید اور لرزہ تیز ہو گیا زمین اپنے مکینوں سمیت لرز اٹھی۔ صدائیں بلند ہوئیں۔ چیخ و پکار ہونے لگی۔ ایک زلزلہ کے بعد دوسرا زلزلہ آیا اہل مدینہ کو اپنی ہلاکت کا

یقین ہو گیا۔ جمعۃ المبارک کے روز دو پہر کے وقت وسیع وعریض دھواں بلند ہوا۔ پھر آگ کی شعاع نکلی جس سے آنکھیں چندھیا گئیں۔

علامہ قسطلانی نے امام قرطبی سے نقل کیا ہے کہ 659ھ بروز بدھ ماہ جمادی الآخر کو بہت بڑا زلزلہ آیا۔ جمعۃ المبارک کے دن چاشت تک زلزلے کے جھٹکے برابر محسوس کیے جاتے رہے۔ پھر آگ کا ظہور ہوا۔ یہ آگ اس عظیم شہر کی مانند دکھائی دیتی تھی جس کو فصیل نے گھیر رکھا ہو جس کے کنگرے برج اور مینار دور سے نظر آتے ہوں۔ ایسے محسوس ہوتا تھا کہ کچھ آدمی اس آگ کو کھینچ رہے ہیں۔ وہ جس پہاڑ پر سے گزرتی اسے پیس کر رکھ دیتی۔ وہ پہاڑ اس کے سامنے پگھل جاتا۔ اس آگ سے نیلے اور سرخ انگارے نکلتے تھے۔ وہ بجلی کی طرح کڑکتی تھی۔ وہ چٹانوں کو نگلتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ پھر وہ ایک عظیم پہاڑ کی مانند ہو گئی۔ جب وہ آگ مدینہ طیبہ کے قریب پہنچی تو وہ رک گئی۔ لطف کی بات یہ ہے کہ مدینہ منورہ کی طرف ٹھنڈی ہوا آ رہی تھی۔ حالانکہ یہ آگ سمندر کی طرح موجزن تھی۔ یہ یمن کی بستیوں میں سے ایک بستی کے پاس جا کر اسے راکھ کر کے ختم ہو گئی۔

امام قرطبی نے لکھا ہے مجھے ایک دوست نے بتایا ہے کہ میں نے اس آگ کو دیکھا ہے۔ یہ آسمان کی طرف بلند ہو رہی تھی۔ حالانکہ میں مدینہ طیبہ سے پانچ روز کی مسافت پر تھا۔ میں نے سنا ہے کہ اسے مکہ مکرمہ اور بصرہ کے پہاڑوں سے بھی دیکھا گیا۔

ابو شامہ نے لکھا ہے ''بعض کتب میں مرقوم ہے کہ مدینہ طیبہ میں آگ کا ظہور ہوا۔ یہ زمین سے نکلی حتیٰ کہ اس سے آگ کی وادی بہہ نکلی۔ یہ احد پہاڑ کے سامنے آ گئی۔ بالآخر یہ ایسی وادی میں چلی گئی جس کی طوالت چار فرسخ اور عرض چار میل تھا۔ یہ سطح زمین پر چلتی تھی۔ اس سے پست زمین اور چھوٹے چھوٹے پہاڑ نکلتے تھے''۔

حضرت علامہ سید سمہودی نے تاریخ مدینہ میں لکھا ہے ''نفوس یہ آگ دیکھ کر خوف وخطرہ سے بے ہوش ہونے لگے۔ وہ موت کے نزول کی وجہ سے دہشت زدہ ہو گئے۔ وہ دوڑ کر روضہ انور کے پڑوس میں آنے لگے۔ اپنی لغزشوں سے توبہ و استغفار کرنے لے۔ انہوں نے راہ خدا میں مال صدقہ کیے۔ اتنے خوف اور خدشہ نے آ لیا جس کا تذکرہ حد بیان سے ماوراء ہے۔ پھر رب تعالیٰ نے اس آگ کو دائیں بائیں پھیر دیا۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی امت میں برکت عیاں ہو گئی۔ فراق کے بعد بھی اپنی امت کے لیے طلعت زیبا کی برکت ظاہر و باہر ہو گئی۔ المواہب میں ہے ''یہ آگ باون روز تک رہی۔ یہ شب معراج 27 رجب کو بجھی''۔

شرح بخاری میں علامہ قسطلانی رقم طراز ہیں ''اس مذکورہ آگ سے مراد وہ آگ ہے جو مدینہ منورہ کے گرد ونواح میں ظاہر ہوئی تھی جیسا کہ امام قرطبی نے اسے سمجھا ہے۔ اسی طرح امام نووی نے مسلم شریف کی شرح میں لکھا ہے یہ انہی کے ایام میں ظاہر ہوئی تھی اس حدیث پاک میں تین اشیاء کا تذکرہ ہے ① اس کا سرزمین حجاز سے ظہور ② پوری وادی کا آگ سے بہہ پڑنا۔ یہ دونوں علامات تو پوری ہو چکی ہیں ③ بصرہ میں موجود اونٹوں کی گردنیں نظر آنا۔ علامہ قسطلانی نے لکھا ہے بعض راویوں نے اس کا بھی تذکرہ کیا ہے اگر یہ بات صحیح ہے تو ساری علامات اور نشانیاں مکمل ہو گئیں۔ بعض روایوں نے کہا ہے کہ

انہوں نے تیماء اور بصرہ سے اس آگ کو اس طرح دیکھا جس طرح لوگوں نے اسے مدینہ طیبہ سے دیکھا اس سے یہ امر متعین ہو گیا کہ اس سے مراد یہی آگ ہے شک وشبہ نہ رہا البتہ وہ آگ جو لوگوں کو سرزمین محشر کی طرف لے جائے گی وہ دوسری آگ ہے۔ وہ ابھی تک ظاہر نہیں ہوئی۔ وہ قعر عدن سے ظاہر ہو گی۔

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک روز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی خالہ حضرت ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا کے گھر استراحت فرما تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیدار ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبسم ریز تھے۔ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا عرض پیرا ہوئیں، ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کس لیے تبسم کناں ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ابھی میری امت کے بعض افراد مجھ پر پیش کیے گئے۔ وہ سمندر کے وسط میں اس طرح سوار تھے جس طرح بادشاہ اپنے تختوں پر براجمان ہوتے ہیں''۔ انہوں نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا فرمائیں رب تعالیٰ مجھے ان لوگوں میں سے کر دے'' آپ نے دعا فرمائی۔ پھر آرام فرما ہو گئے۔ پھر آپ نے یہی خواب دیکھا۔ حضرت ام حرام نے اپنا پہلا سوال دہرایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں وہی جواب ارشاد فرمایا۔ انہوں نے عرض کی دعا فرمائیں رب تعالیٰ مجھے ان مجاہدین میں سے کر دے''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''تم بھی ان مجاہدین میں شامل ہو''۔

حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا اپنے شوہر نامدار حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے ہمراہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جہاد کے لیے نکلیں۔ یہ مسلمان حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں تھے۔ یہ کشتیوں میں سوار ہوئے۔ جب یہ واپس آئے ساحل سمندر کے قریب انہوں نے ایک سواری حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کے قریب کی تاکہ اس پر سوار ہو جائیں۔ مگر وہ نیچے گر پڑیں اور شہید ہو گئیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ لوگوں کو سمندری سفر سے منع کرتے تھے۔ انہوں نے جب یہ حدیث طیبہ سنی تو لوگوں کو اجازت مرحمت فرما دی۔ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کی قبر انور قبرص میں ہے۔ ان کی قبر انور معروف و مشہور ہے لوگ اس کی زیارت کرتے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اگر دین ثریا ستارے کے پاس بھی ہوگا تو فارس کے بیٹے اسے جا لیں گے''۔ اللہ رب العزت نے یہ بات حضرت سلمان فارسی، امام ابو حنیفہ اور امام بخاری رضی اللہ عنہم اور دیگر اہل علم حضرات کے حق میں ثابت کر دکھائی۔ ان میں ایسے بلند پایہ اولیاء کرام، جید علمائے عظام اور ایسی مایہ ناز تصانیف منصۂ شہود پر آئیں جو حد و شمار سے پرے ہیں۔

امام مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''تیز آندھی چلی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی غزوہ (غزوۂ تبوک یا غزوہ بنی مصطلق) میں تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''یہ آندھی کسی منافق کی موت کی وجہ سے آئی ہے''۔ اس وقت رفاعہ بن زید بن تابوت مرا تھا۔ یہ یہودیوں کا سردار اور منافقین کی پناہ گاہ تھا۔ یہ مدینہ منورہ میں تھا۔ جب صحابہ کرام سفر سے واپس آئے تو انہوں نے اسی طرح پایا جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا۔ یہ اسی وقت مرا تھا جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا یہ فرمان عالی شان سنایا تھا۔

امام طبرانی نے حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

سے فرمایا جو آپ کی خدمت عالیہ میں حاضر تھے۔ ''تم میں سے کسی ایک کی داڑھ آگ میں کوہ احد کی طرح ہوگی''۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اس موقع پر موجود سارے صحابہ کرام وفات پا گئے۔ میں اور ایک شخص رہ گیا۔ پھر وہ شخص مرتد ہو گیا۔ یمامہ کے روز اسے قتل کر دیا گیا۔ حضور نے ستر پوشی اور ناپسندیدگی کی وجہ سے کسی شخص کو متعین نہیں فرمایا۔

امام ابوداؤد اور امام نسائی نے حضرت زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کے متعلق بتا دیا جس نے خیبر کے یہودیوں کے چند موتی چرا لیے تھے۔ وہ مر گیا۔ آپ کو اطلاع دی گئی تاکہ آپ اس کی نماز جنازہ پڑھائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اپنے ساتھی کی نماز جنازہ پڑھ لو'' یہ جلال دیکھ کر صحابہ کرام کے چہرے متغیر ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''تمہارے اس ساتھی نے راہ خدا میں خیانت کی ہے۔ جب صحابہ کرام نے اس کے سامان کی تلاشی لی تو انہیں چند موتی مل گئے'' جو اس نے مال غنیمت سے لیے تھے۔

امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک اونٹنی گم ہو گئی۔ صحابہ کرام اس کی جستجو میں لگ گئے۔ ایک منافق نے کہا ''محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیسے گمان کرتے ہیں کہ وہ غیب جانتے ہیں۔ حالانکہ انہیں اپنی اونٹنی کا بھی علم نہیں''۔ حضرت جبرائیل امین آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے آپ کو اس منافق کی بات اور اس اونٹنی کے متعلق بتایا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''میں گمان نہیں کرتا کہ میں غیب جانتا ہوں۔ مگر رب تعالیٰ نے مجھے خبر دی ہے کہ منافق نے یہ کہا ہے اور وہ اونٹنی فلاں جگہ ہے۔ وہ فلاں گھاٹی میں ہے۔ اس کی زمام فلاں درخت کے ساتھ اٹکی ہوئی ہے۔ صحابہ کرام دوڑ کر اس گھاٹی کی طرف گئے۔ انہوں نے اونٹنی کو اسی طرح پایا جس طرح مصطفی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا۔ وہ اونٹنی لے کر آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو گئے اس زید بن لصیت کو بھی دولت ایمان نصیب ہو گئی۔

جب حضور سپہ سالار اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کی تیاری فرمائی تو پہلے کسی صحابی کو بھی اس کے متعلق نہ بتایا۔ آپ اپنا یہ معاملہ مخفی رکھنا چاہتے تھے حتیٰ کہ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے اہل مکہ کی طرف ایک خط لکھا۔ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روانگی کے متعلق بتایا وہ خط مخفی رکھا۔ وہ خط ایک عورت کے ہمراہ مکہ معظمہ بھیج دیا۔ اس عورت سے کہا ''حتی الاستطاعت اسے مخفی رکھنا''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرات علی المرتضیٰ، زبیر اور مقدار رضی اللہ عنہم سے فرمایا ''روضہ خاخ کی طرف جاؤ۔ وہاں ایک جاسوسہ ہوگی۔ اس کے پاس خط ہوگا۔ وہ خط میرے پاس لے آؤ'' یہ صحابہ کرام عازم سفر ہو گئے۔ وہ خط لے آئے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حاطب رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو انہوں نے معذرت کرتے ہوئے کہا ''ان سے یہ فعل نفاق کی وجہ سے سرزد نہیں ہوا۔ نہ ہی وہ مرتد ہوئے ہیں''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا عذر قبول فرما لیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو غیب کی خبریں دیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ عمیر بن وہب بن خلف مدینہ طیبہ آیا۔ اس نے ظاہر کیا کہ وہ اپنے بیٹے کو قید سے چھڑانے کے لیے آیا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ صفوان بن امیہ اور عمیر بن وہب نے حجر میں ملاقات کی۔ صفوان نے کہا ''وہ عمیر بن وہب کا سارا قرضہ اتار دے گا۔ وہ مدینہ منورہ جائے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کر دے'' نعوذ باللہ منہ۔ یہ جب مدینہ طیبہ پہنچا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے پوچھا ''کس لیے آئے ہو؟ اس نے کہا ''میں اس

قیدی کے لیے آیا ہوں۔ اسے آزادی دے کر مجھ پر احسان کرو"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "نہیں! تو اور صفوان حجر میں بیٹھے۔ تم نے مقتولان بدر کا تذکرہ کیا۔ تو نے کہا "اگر مجھ پر قرض اور اہل وعیال کا بار گراں نہ ہوتا تو میں محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس جا کر ان کا کام تمام کر دیتا۔ صفوان نے تیرے قرض اور اہل وعیال کی ذمہ داری اٹھائی اور تم مجھے قتل کرنے آئے ہو"۔ علم کی یہ کرانیاں اور وسعتیں دیکھ کر عمیر نے کہا "میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ ہم آپ کی تکذیب کرتے رہے ہیں۔ اس معاملہ سے میں یا صفوان ہی آگاہ تھا۔ بخدا! اس واقعہ سے صرف اور صرف رب تعالیٰ نے آپ کو آگاہ کیا ہے۔ ساری تعریفیں رب تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے مجھے اسلام کی طرف ہدایت دی۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ رب تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور آپ اس کے رسول برحق ہیں"۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اپنے اس بھائی کو دین سکھاؤ"۔

اسی طرح حضور اکرم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابی بن خلف کو اس وقت یہ فرمایا "میں تمہیں قتل کردوں گا ان شاء اللہ"۔ جب ابی نے آپ سے کہا تھا "میرے پاس ایک گھوڑا ہے جسے میں ہر روز ایک سیر دانے کھلاتا ہوں۔ میں اس پر چڑھ کر آپ کو قتل کروں گا"۔ اللہ رب العزت نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول کو سچ کر دکھایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ احد میں ابی کو واصل جہنم کر دیا۔

امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ غزوۂ بدر میں قتال شروع ہونے سے قبل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوئے۔ اپنا دست اقدس زمین پر رکھا اور فرمایا "یہ فلاں کی قتل گاہ ہے"۔ پھر فرمایا "فلاں اس جگہ قتل ہوگا"۔ پھر دست اقدس اس جگہ رکھ دیا۔ پھر ہر ایک کی قتل گاہ کے بارے بتا دیا۔ ان میں سے ہر مقتول بالکل اسی جگہ قتل ہوا جس کی سمت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ فرمایا تھا۔

امام مسلم اور امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت امام حسن المجتبیٰ بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کو فرمایا تھا۔ میرا یہ نور نظر سردار ہے۔ یہ مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں کے مابین صلح کرائے گا ان شاء اللہ"۔ آپ کا یہ فرمان بھی سچ ثابت ہوا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو لوگوں نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے دست اقدس پر موت پر بیعت کر لی۔ چالیس ہزار سے زائد لوگوں نے آپ کی بیعت کر لی۔ یہ سب آپ کے اطاعت گزار اور آپ کے والد گرامی سے محبت کرنے والے تھے۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ تقریباً سات ماہ تک عراق، خراسان اور ماوراء النہر کے خلفیہ رہے۔ پھر یہ حضرت معاویہ کی طرف اور حضرت امیر معاویہ ان کی طرف چل پڑے۔ جب الانبار کے گرد ونواح میں لشکر جرار دیکھے تو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو علم ہو گیا ابھی اتنا خونریز قتال ہوگا جس میں بہت سے مسلمان شہید ہو جائیں گے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی یہی سوچا۔ مسلمانوں کی ایک جماعت نے صلح کی کوشش کی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے امام حسن رضی اللہ عنہ کی طرف سفید کاغذ بھیجا۔ اور کہا "اس پر جو چاہیں شرائط رقم کر دیں۔ میں انہیں ماننے کے لیے تیار ہوں۔ اس شرط پر فریقین میں صلح ہوگئی کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ امر خلافت حضرت امیر معاویہ کو تفویض کرتے ہیں۔ بشرطیکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ، حجاز مقدس اور عراق کے لوگوں کو کچھ نہ کہیں"۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ شرط قبول کر لی۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے صلح میں یہ شرط بھی رکھی کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد خلیفہ وہ ہوں گے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ شرط بھی قبول کر

لی۔ اللہ رب العزت نے مسلمانوں کو خون ریزی سے بچالیا۔ اپنے نبی کریم، رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کی صداقت عیاں کردی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا ''میرا یہ فرزند دلبند سردار ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو گروہوں کے مابین صلح کرائے گا''۔

اس طرح آپ کی غیب کی خبروں میں سے ایک خبر وہ بھی ہے جسے امام بخاری اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہما نے روایت کیا ہے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''تم زندہ رہو گے حتیٰ کہ بعض لوگ تم سے نفع اور بعض نقصان اٹھائیں گے''۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں بیمار ہو گئے انہیں ناپسند تھا کہ اس زمین پر ان کا وصال ہو جہاں سے ہجرت کر کے آچکے تھے۔ آپ کی بیماری شدت اختیار کرتی گی حتی کہ انہیں موت قریب نظر آنے لگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی عیادت کے لیے تشریف لائے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی اس وقت صرف ایک نور نظر تھی۔ انہوں نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا میں اپنے سارے مال کو راہ خدا میں صدقہ کرنے کی وصیت کر جاؤں''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''نہیں ثلث کی وصیت کرو، ثلث بھی کثیر ہے...... یہ روایت مشہور ہے حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''تم زندہ رہو گے حتیٰ کہ بعض لوگوں کو تم سے فائدہ ہوگا اور بعض لوگ نقصان اٹھائیں گے''۔ رب تعالیٰ نے انہیں اس مرض سے شفاء یاب کیا۔ رب تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں عراق فتح فرمایا۔ ان کی وجہ سے رب غفور نے بہت سے لوگوں کو دولت ہدایت نصیب فرمائی۔ انہوں نے آپ کے ہاتھوں اسلام قبول کرلیا۔ مسلمانوں کو بہت سا مال غنیمت بھی ملا۔ کفار کو بہت زیادہ نقصان برداشت کرنا پڑا۔ بہت سے قتل ہوئے۔ بہت سے پابند سلاسل ہوئے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اس مرض کے بعد پچاس سال زندگی پائی۔ امام نووی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث مبارک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات میں سے ہے۔ آپ کا فرمان سچ ثابت ہوا۔

اسی طرح امام بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ موتہ کے شہداء کے متعلق اس روز بتا دیا تھا جس روز وہ شہید ہوئے تھے۔ حالانکہ ان کے مابین ایک ماہ یا اس سے زائد مدت کی مسافت تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شام کی طرف ایک لشکر بھیجا آپ نے وقت روانگی فرمایا ''تمہارے امیر زید بن حارثہ ہوں گے۔ اگر انہیں شہادت نصیب ہو جائے تو امیر جعفر بن ابی طالب ہوں گے۔ اگر وہ بھی جام شہادت نوش کر جائیں تو امیر عبداللہ بن رواحہ ہوں گے۔ اگر وہ بھی قبائے شہادت زیب تن کر جائیں تو مسلمان جسے چاہیں اپنا امیر بنالیں''۔ جب معرکہ شروع ہوا تو رب تعالیٰ نے میدان جنگ سے سارے پردے اٹھا دیئے۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''رب تعالیٰ نے میرے لیے زمین کو بلند فرمایا حتیٰ کہ میں نے ان کی معرکہ آزمائی کا مشاہدہ کرلیا۔ آپ نے اپنے صحابہ کرام کو ان کی جرأت و بسالت کی داستان سناتے ہوئے فرمایا ''اب حضرت زید نے علم اسلام اٹھالیا ہے۔ اب انہوں نے جام شہادت نوش کرلیا ہے۔ اب حضرت جعفر نے اسلام کا جھنڈا تھام لیا ہے۔ انہوں نے بھی شہادت کا جام رنگین پی لیا ہے۔ اب حضرت ابن رواحہ نے اسلام کا علم بلند کیا ہے۔ انہوں نے بھی شہادت پالی ہے''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چشمان مقدس سے چھم چھم آنسوؤں کے گوہر ہائے آبدار گر رہے تھے۔ پھر فرمایا ''اب علم اسلام اللہ تعالیٰ کی تلواروں میں سے ایک تلوار حضرت خالد بن ولید نے اٹھالیا

ہے۔ اب رب تعالیٰ نے انہیں فتح نصیب فرمائی ہے"۔ جب حضرت یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ لشکر کے قاصد بن کر آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اگر پسند کرو تو میدان کارزار کے حالات تم مجھے بتادو۔ اگر چاہو تو وہاں کے حالات میں تمہیں بتادیتا ہوں"۔ انہوں نے عرض کی "آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی بتادیں"۔ آپ نے انہیں میدان وغا کے سارے حالات بتادیئے۔ سننے کے بعد حضرت یعلیٰ نے عرض کی مجھے اس ذات والا کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ آپ نے اس داستان عزیمت کا ایک لفظ بھی نہیں چھوڑا۔

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نجاشی کی موت کے متعلق اسی روز بتادیا تھا جب انہوں نے جہان رنگ و بو کو الوداع کیا تھا۔ حالانکہ نجاشی اپنی سرزمین میں ہی تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام کو لے کر عید گاہ کی طرف نکلے۔ ان کی صف بندی فرمائی اور چار تکبیروں کے ساتھ نماز جنازہ پڑھی۔

امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسریٰ کے قاصد کو کسریٰ کی موت کے متعلق اسی دن بتادیا تھا جس دن وہ مرا تھا۔ جب اس کے نزدیک آپ کا فرمان پایہ تحقیق کو پہنچ گیا تو اس نے اسلام قبول کرلیا۔

علامہ ماوردی نے "اعلام النبوۃ" میں لکھا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بتادیا تھا کہ فیروز دیلمی اسود عنسی کو قتل کردیں گے۔ اس اسود نے صنعاء کے مقام پر نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ امام احمد نے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ وہ مدینہ طیبہ سے باہر نکل جائیں گے۔ وہ تنہا زندگی بسر کریں گے اور تنہا ہی وصال کریں گے انہوں نے اپنی عمر کے آخری سالوں میں الربذہ کو اپنا مسکن بنالیا تھا وہیں ان کا وصال ہوا۔

امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آپ کے وصال کے بعد سب سے پہلے ازواج مطہرات میں سے اس زوجہ محترمہ کا وصال ہوگا جس کے ہاتھ طویل ہوں گے یعنی وہ جود و سخاوت کی دھنی ہوگی۔ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ساری امہات المومنین سے زیادہ صدقہ دیتی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد امہات المومنین رضی اللہ عنہن میں سے سب سے پہلے ان کا ہی وصال ہوا۔

امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ مقام طف میں شہید ہوں گے۔ یہ جگہ کوفہ کے نواح میں تھی جو کربلاء کے نام سے معروف ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست اقدس پر مٹی اٹھائی اور فرمایا "اس میں ان کی شہادت گاہ ہے"۔ دوسری روایت کے مطابق حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے وہ مٹی لاکر دی تھی۔

امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "قیامت قائم نہ ہوگی حتی کہ دو گروہ باہم قتال کریں گے ان کا دعویٰ ایک ہی ہوگا"۔ یہ واقعہ جنگ صفین کی صورت میں رونما ہوچکا ہے یہ جنگ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین ہوئی تھی۔ ان کا دعویٰ، دین ایک ہی تھا ان میں سے ہر ایک مجتہد تھا۔

امام بیہقی اور امام حاکم نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو حضرت سہیل بن عمرو العامری رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا "عمر ممکن ہے یہ کسی روز اس جگہ کھڑا ہو جہاں تمہیں خوش کرے"۔ پھر ہوا بھی اسی طرح۔ جب اہل مکہ معظمہ کو

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کی خبر ملی تو یہی حضرت سہیل رضی اللہ عنہ ان میں کھڑے ہو گئے۔ انہیں خطبہ دیا اور انہیں ثابت قدم کیا۔ جس طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ کے لوگوں کو اس روز خطبہ دے کر ثابت قدم کیا تھا۔

ابن اسحاق اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے اس وقت فرمایا جب انہیں اکیدر کی طرف بھیجا ''تم اسے اس حالت میں پاؤ گے کہ وہ گائے کا شکار کر رہا ہو گا''۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ عازم سفر ہوئے۔ ان کے ساتھ چار سو بیس مجاہدین تھے۔ چاندنی رات تھی۔ انہوں نے پایا کہ اکیدر اپنے بھائی حسان کے ساتھ جنگلی گائے کا شکار کر رہا تھا۔ صحابہ کرام نے ان دونوں کو باندھ دیا۔ حسان کو قتل کر دیا۔ اکیدر کو قیدی بنا لیا۔ اسے بارگاہ رسالت مآب میں پیش کر دیا۔ اس نے جزیہ دینا منظور کر لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے چھوڑ دیا۔ یہ عیسائیت پر ہی مرا۔ دوسرے قول کے مطابق اس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ حضرت ابن مندہ اور حضرت ابونعیم نے اسے صحابہ کرام میں شمار کیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

اس طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیامت کی نشانیاں، امام مہدی کا ظہور، دجال کا خروج اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے متعلق بھی اپنی امت کو خبر دی۔ سورج کے مغرب سے طلوع ہونے، دابۃ کا خروج، حشر ونشر کے بارے، ابرار اور فجار، جنت و دوزخ اور قیامت کے متعلق آگاہ فرمایا۔ اس فصل میں تمہارے لیے یہی کافی ہے۔ واللہ اعلم

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعضائے مبارکہ کے کمالات

اس باب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان کمالات کا ذکر خیر ہوگا جن سے رب تعالیٰ نے آپ کو دیگر انبیائے کرام پر فضیلت بخشی ہے۔ مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تخلیق کا کمال، صورت پاک کا جمال، قوت وطاقت کی انتہا، فرط شجاعت، علم کی بے کرانیاں اور علم کی عظمت ورفعت نیز ہر وہ وصف جو رب تعالیٰ نے آپ کو عطا کیا ہے۔ اخلاق حسنہ اور اوصاف پاکیزہ میں آپ کو دیگر لوگوں سے ممتاز کیا ہے۔ ان سارے شمائل اور کمالات کی معرفت ایمان ہے۔ اس امر کی تصدیق بھی ایمان ہے کہ رب تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسد اطہر کو ایسی ہیئت پر تخلیق کیا ہے کہ نہ آپ سے قبل اور نہ ہی بعد میں آپ جیسی ہستی تخلیق ہوئی۔ جو بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم پاک کا مشاہدہ کرے گا اس کو اس میں نشانیوں اور معجزات کا ایک انبار نظر آئے گا۔ ظاہری حسن وجمال معنوی جمال وزیبائی پر دلالت کرتا ہے باطن کی زیبائی اور خوبصورتی دل میں علوم ومعارف کے سمندر کو آشکار کر رہی ہوتی ہے۔ امام بوصیری نے کتنی عمدہ بات کی ہے۔

فهو الذی تم معناه وصورته ثم اصطفاه حبيبا باری النسم

وہ وہی ذات بابرکات ہے جو صوری اور معنوی لحاظ سے درجہ کمال کو پہنچی ہوئی ہے۔ پھر تمام ارواح کو پیدا کرنے والے نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا محبوب بنانے کے لیے چن لیا۔

منزه عن شريك فی محاسنه فجوهر الحسن فيه غير منقسم

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے محاسن اور کمالات میں شریک سے پاک ہیں۔ آپ کے حسن کا جوہر منقسم نہیں ہے۔

یعنی حسن کامل کی حقیقت آپ میں پوری طرح موجود ہے۔ یہ آپ اور کسی اور کے مابین منقسم نہیں ہے۔ کیونکہ صرف اور صرف آپ ہی کی ذات معنی اور صورت کے اعتبار سے مکمل ہے۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہ اعلیٰ صفات دی گئیں ہیں جو ایک بشر کے مناسب ہیں جو صفات دیگر انبیاء کرام میں اس طرح پورے کمال کے ساتھ جلوہ نما نہ تھیں وہ بعض صفات میں شریک ہیں۔ بعض ان میں مشترک ہیں لیکن اس ذات پاک نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات والا کو ان صفات عالیہ سے ممتاز فرمایا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی اور کو عطا نہیں کی گئیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "حضرت یوسف صدیق علیہ السلام کو حسن کا نصف عطا کیا گیا" اس فرمان عالی شان سے مراد یہ ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جس حسن وجمال سے نوازا گیا ہے اس کا نصف حضرت یوسف علیہ السلام کو عطا کیا گیا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کسی جگہ جہاد کے لیے تشریف لے گئے۔ ایک قبیلے میں گئے اس قبیلے کے سردار نے آپ سے پوچھا "ہمارے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیہ بیان کریں"۔ انہوں نے فرمایا "مجھ سے یہ نہیں ہوسکتا"۔ کیونکہ آپ کی صفات عالیہ تو حد وشمار سے ماوراء ہیں۔ اس شخص نے پوچھا "کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باجمال ہیں؟"۔ انہوں نے جواب دیا "رسول (قاصد)

مرسل (بھیجنے والے) کی قدر و منزلت کے مطابق ہوتا ہے۔ وہ تو رب اعلیٰ و برتر کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے احکام کی تبلیغ کے لیے مبعوث کیا ہے۔ لازماً رب تعالیٰ نے انہیں ہر کمال پر فائز فرمایا ہے۔ ہر وہ چیز جس میں کمال متصور ہے۔ وہ کمال طریقہ سے آپ کو عنایت کی۔ بادشاہ جب اپنے قاصد کو کسی کام کے لیے بھیجتا ہے تو وہ اس شخص کو بھیجتا ہے جو اس کام کو نمٹانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ جسے مکمل تصرف حاصل ہو۔ وہ منصب رفیع پر فائز ہو۔ اس سے آپ کی دیگر رسل عظام علیہم السلام کے ساتھ مساوات لازم نہیں آتی کیونکہ آپ کی رسالت خاص و عام کو شامل ہے اور آپ نے سابقہ شریعتوں کو منسوخ کر دیا یہ دونوں امور اس چیز کے متقاضی ہیں کہ آپ منزلت و قدر میں دیگر رسل عظام علیہم السلام سے بڑھ کر ہوں وہ کون ہے جس میں ایسی قدرت و طاقت ہے جو اس کی پہچان کر سکے جو رب تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا ہے۔

المواہب میں امام قرطبی سے علماء کرام کا یہ قول نقل کیا گیا ہے "ہمارے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جمال جہاں افروز کی ساری تابانیاں آشکارا نہیں کیں گئیں۔ اگر آپ کے حسن و جمال کی ساری جلوہ آرائیاں عیاں کر دی جاتیں تو ہماری آنکھوں کو کیسے تاب ہوتی کہ آپ کے جمال وزیبائی کا مشاہدہ کر سکیں۔

امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے۔

اعیا الوریٰ فھم معناہ فلیس یری فی القرب والبعد منہ غیر منفحم

اس کے معنی کی سمجھ نے مخلوق کو تھکا دیا ہے اس کے قرب اور بعد میں عاجز ساکت کے علاوہ اور کوئی نظر نہیں آتا۔

کالشمس تظھر للعینین من بعد صغیرۃ و تکل الطرف من امم

جس طرح کہ سورج آنکھوں کے لیے دور سے چھوٹا نظر آتا ہے مگر قریب سے یہ نگاہوں کو تھکا دیتا ہے۔

اسی طرح حضرت امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قصیدہ الھمزیہ میں کیا خوب فرمایا ہے۔

انما مثلوا صفاتك للنا س کما مثل النجوم الماء

انہوں نے آپ کی صفات کی جلوہ گری کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ اس طرح ہے جس طرح ستاروں میں پانی کا عکس ہے جو ستاروں کی حقیقت ظاہر کرنے سے عاجز ہے۔

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف حمیدہ بیان کرنے والے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتے۔ کیونکہ وہ ان کا احاطہ نہیں کرتے۔ وہ انتہائی چیز جہاں تک پہنچ سکتے ہیں وہ ایک تصویر ہے جو کسی نے بنائی ہے جس طرح پانی صرف ستاروں کا عکس دیتا ہے ان کی حقیقت آشکارا نہیں کر سکتا۔ اب ہم حضور اکرم رحمت مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسد اطہر کی تابانیوں میں کچھ کا ذکر جمیل کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

چہرۂ والضحیٰ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روئے تاباں کے متعلق امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ انور سارے لوگوں سے زیادہ حسین تھا۔ آپ خلق کے اعتبار سے بھی سارے لوگوں سے

جمیل تھے۔

امام ترمذی، امام احمد اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہما نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''میں نے ایسی کوئی چیز نہیں دیکھی جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ زیباتر ہو گویا کہ آفتاب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور میں رواں تھا''۔

اس روایت کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ آفتاب کا اپنے فلک میں رواں ہونا آپ کے چہرہ والضحیٰ میں حسن کے رواں ہونے کی مانند ہے۔ نور، اجالا، روشنی اور تابانی آپ کے چہرۂ انور پر چھائی رہتی تھی۔ یہ زیبائی و جمال سارے چہرۂ پاک کو شامل تھا۔ بعض کو چھوڑ کر بعض کے ساتھ مختص نہیں تھا۔

کسی شاعر نے کیا عمدہ کہا ہے۔

لم لا یفیئ بك الوجود ولیله　　فیه صباح من جمالك مسعر

آپ کے انوار جمالیہ سے سارے عالم اور اسی کی رات کیوں نہ چمک اٹھے۔ کیونکہ اس میں آپ کے جمال دلنواز کی روشن صبح ہے۔

ولشمس حسنك كل یوم مشرق　　و ببدر وجهك كل لیل مزهر

آپ کے حسن کے آفتاب جہانتاب کے ساتھ ہر دن روشن ہوتا ہے اور آپ کے چہرۂ نورفشاں کے ماہ کامل کے ساتھ ہر رات کو حسن و زیبائی مل رہی ہے۔

امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا کہ کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور تلوار کی مانند تھا۔ انہوں نے فرمایا ''نہیں۔ بلکہ ماہ تمام کی طرح تھا''۔ گویا کہ سائل نے پوچھا کہ آپ کا رخ انور طوالت میں تلوار کی طرح تھا۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ نے اس کا بلیغ رد کرتے ہوئے فرمایا ''نہیں ماہ چہاردہم کی مانند تھا''۔ یعنی گول ہونے میں۔ یا سائل نے پوچھا کہ کیا رخ زیبا چمک و دمک میں تلوار کی طرح تھا تو حضرت براء رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''نہیں بلکہ اس روئے زیبا کی تابانیاں کہیں زیادہ تھیں''۔ انہوں نے چاند کے ساتھ تشبیہ دینے کی طرف عدول کیا۔ کیونکہ اس میں دو اوصاف تھے درخشانی بھی اور گولائی بھی۔ یہ سائل کا اس وہم کا رد تھا کہ روئے انور کی تابانیاں تلوار کی طرح تھیں۔ کیونکہ اگرچہ وہ چمک و دمک تو رکھتی ہے لیکن یہ روئے مبارک کی جلوہ آرائیوں کو کیسے پہنچ سکتی ہے۔ بعض علماء کرام نے فرمایا ہے ''ممکن ہے حضرت براء رضی اللہ عنہ نے اس تشبیہ کو ناپسند فرمایا ہو۔ کیونکہ سائل نے چہرۂ انور کو تلوار سے تشبیہ دی تھی۔ اگر وہ ماہ کامل سے تشبیہ دیتا تو زیادہ بہتر تھا۔ اسی طرح حضرت براء رضی اللہ عنہ نے اس کا رد فرمایا اور فرمایا ''نہیں، بلکہ روئے پاک بدر کامل کی طرح تھا۔ انہوں نے تشبیہ میں انتہائی خوش اسلوبی سے کام لیا۔ کیونکہ چاند روئے زمین کو اپنے نور سے بھر دیتا ہے۔ جو اسے دیکھتا ہے اس سے محبت کرنے لگتا ہے۔ اس کی نورانیت میں نہ تو گھبرا دینے والی گرمی ہوتی ہے۔ نہ ہی آنکھ میں کسی قسم کی گرانی محسوس ہوتی ہے۔ جب کہ ماہ کامل کی طرف دیکھنا ممکن ہوتا ہے۔ لیکن سورج کا معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے اس کو دیکھنے سے نگاہوں کو تھکاوٹ اور کمزوری محسوس ہوتی ہے۔

امام مسلم نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے ان سے پوچھا ''کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ انور تلوار کی مانند تھا؟ انہوں نے فرمایا ''نہیں۔ بلکہ وہ شمس و قمر کی طرح تھا''۔ اس سے مراد یہ ہے کہ روئے تاباں رونق و تابانی میں آفتاب کی طرح گولائی اور نورانیت میں ماہتاب کی طرح تھا۔ وہ گول تھا، لمبا نہ تھا، یعنی گول اور چوڑا تھا۔ جس طرح کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ کے رخسار مبارک چوڑے تھے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ کے چہرہ انور میں تھوڑی سی گولائی تھی یعنی بالکل گول نہ تھا بلکہ تھوڑی سی گولائی تھی نہ بہت زیادہ موٹا اور نہ کمزور و نحیف یعنی چہرۂ انور بالکل گول نہ تھا اس میں گوشت کم تھا۔ اہل عرب ہر ذوق سلیم اور طبع قویم کے نزدیک ایسا چہرہ بہت دلآویز، دلربا اور دلکش ہوتا ہے۔

امام ترمذی نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''میں نے چاندنی رات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سرخ حلہ زیب تن کیا ہوا تھا۔ میں کبھی آپ کی طرف اور کبھی ماہ کامل کی طرف دیکھتا۔ مجھے آپ چاند سے زیادہ حسین لگے''۔ دوسری روایت میں ہے۔ آپ نے سرخ حلہ زیب بدن کیا ہوا تھا۔ میں آپ کے حسن و جمال اور چاند کی خوبصورتی میں موازنہ کرنے لگا۔ آپ مجھے چاند سے زیادہ دلکش اور حسین نظر آئے''۔

امام بخاری نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسرور ہوتے تو آپ کا چہرۂ انور یوں چمک اٹھتا گویا کہ وہ چاند کا ٹکڑا ہو۔ ہم آپ کے چہرہ انور سے آپ کی مسرت و شادمانی پہچان لیتے تھے''۔

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ''ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوش خوش کاشانۂ اقدس میں تشریف لائے تو آپ کے چہرے کے سارے خدوخال بجلی کی طرح چمک رہے تھے''۔

اس لیے حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''چہرۂ انور گویا کہ چاند کا ٹکڑا تھا''۔ یہ آپ کی طلعت زیبا کی طرف اشارہ تھا۔ مسرت و شادمانی کے وقت اس جگہ سے نور نکلتا تھا۔ یہ پہلے سے موجود نور و شگفتگی سے زائد ہوتا تھا۔ اسی لیے اسے مہر منیر کی چمک اور چاند کی نورانیت سے تشبیہ دی گئی ہے۔

امام طبرانی نے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہماری طرف ایسے چہرہ انور کے ساتھ نظر التفات کی جو چاند کا ٹکڑا تھا''۔ یہ وصف اس وقت پر محمول کیا جائے گا جب آپ کسی طرف توجہ فرما ہوں۔ یہ روایت اس روایت کے منافی نہیں جس میں ہے کہ پورا چہرہ انور ہی ضوفشاں تھا۔ امام طبرانی نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے کئی اسناد سے روایت کیا ہے کہ چہرہ انور گویا کہ چاند کا ہالہ تھا۔

ابو نعیم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا ''حضور شفیع الامم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ پاک چاند کے ہالہ کی طرح تھا''۔

امام بیہقی نے بنو ہمدان کی ایک عورت سے روایت کیا ہے بعض راوی جس کا نام بھول گئے ہیں۔ اس نے کہا ''میں نے

حضور ﷺ کی معیت میں حج کرنے کی سعادت حاصل کی۔ آپ ﷺ اپنے اونٹ پر سوار تھے۔ خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے۔ آپ کے دست اقدس میں عصا تھا۔ آپ کے اوپر دو چادریں تھیں۔ آپ کے گیسوئے پاک کندھوں کو چھونے کے قریب تر تھے۔ جب آپ حجر اسود کے پاس سے گزرے تو عصا مبارک سے استلام کیا۔ پھر اپنے منہ مبارک کو اس کے پاس لے جا کر اس کا بوسہ لیا۔ امام بیہقی فرماتے ہیں "میں نے اس عورت سے کہا" ذرا سرور کائنات، فخر موجودات ﷺ کے خدوخال تو بیان کرو"۔ اس نے کہا "گویا کہ آپ چودھویں رات کے چاند تھے۔ میں نے آپ جیسا خوبرو نہ پہلے دیکھا نہ ہی بعد میں دیکھا"۔

امام دارمی، امام بیہقی، امام ابونعیم اور امام طبرانی نے حضرت ابوعبیدہ بن محمد بن عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں نے حضرت ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا سے کہا" ذرا ہمارے لیے حضور اکرم ﷺ کا حلیہ مبارک تو بیان کریں"۔ انہوں نے فرمایا "اگر تم محبوب مصطفیٰ ﷺ کی زیارت سے بہرہ ور ہو جاتے تو تم کہہ اٹھتے کہ آفتاب جہانتاب طلوع ہے"۔

امام مسلم نے حضرت ابوطفیل عامر بن واثلہ اللیثی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے سب سے آخر میں ان کا وصال ہوا تھا۔ یہ ہجرت کے سال پیدا ہوئے اور 100ھ میں ان کا وصال ہو گیا۔ ایک روز اپنی عمر کے اواخر میں انہوں نے کہا "میں نے حضور اکرم ﷺ کی زیارت کی۔ روئے زمین پر اب میرے علاوہ اور کوئی باقی نہیں رہا جو آپ کے دیدار سے بہرہ ور ہوا ہو"۔ ان سے عرض کی گئی "آپ ﷺ کا حلیہ بیان کرو"۔ انہوں نے فرمایا "آپ کا چہرۂ انور روشن تھا۔ اس میں ملاحت تھی"۔

امام ترمذی نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں نے اپنے ماموں حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ سے کہا (یہ حضرت سیدۃ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے والدۂ ماجدہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی طرف سے بھائی تھے۔ ان کے والد کا نام ابو ہالہ نباش تھا۔ دوسری روایت کے مطابق مالک یا زرارہ تھا۔ حضور نبی کریم ﷺ سے نکاح مبارک ہونے سے قبل حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اس کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک تھیں پھر یہ شوہر مر گیا۔ اس کے فرزند دلبند کو صحابی بننے کا شرف سرمدی نصیب ہوا۔ اسلام کی دولت سمیٹی مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت بھی کی۔ جنگ جمل میں 36ھ کو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف سے لڑتے ہوئے مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے) میرے ماموں حضور نبی کریم ﷺ کا حلیہ مبارک بیان کرنے میں مہارت رکھتے تھے۔ میں چاہتا تھا کہ وہ میرے لیے بھی حضور اکرم ﷺ کا حلیہ بیان کریں۔ ایک دن انہوں نے کہا "حضور ﷺ لوگوں کی نگاہوں میں عظیم الشان اور جلیل القدر دکھائی دیتے تھے۔ روئے تاباں اس طرح چمکتا تھا جس طرح چاند چودھویں رات کو چمکتا ہے"۔

حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا نے اپنے خاوند سے حضور ﷺ کا مبارک سراپا بیان کرتے ہوئے کہا "آپ کا چہرۂ انور روشن اور نور فشاں تھا۔ جب صبح روشن ہوتی تو وہ اپنی تابانیاں اسی منور چہرہ سے ہی لیتی تھی"۔

المواہب میں ہے سید علی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول کتنا حسین اور دلربا ہے۔

الا یا صاحب الوجه المليح　　سالتك لا تغيب فانت روحی

اے دلربا چہرے والے! میں آپ سے التجا کرتا ہوں کہ آپ مجھ سے غائب نہ ہوں۔ آپ تو میری روح ہیں۔

متی ما غاب شخصك عن عيانی　　رجعت فلا تری الا ضريحی

جب آپ کی ہستی والا میری نگاہوں سے اوجھل ہو جائے گی جب آپ واپس آئیں گے تو آپ میری قبر ہی دیکھیں گے۔

بحقك جد لرقك يا حبيبی　　فداو لوعة القلب الجريح

اے محبوب کریم! آپ کو اپنے حق کی قسم اپنے اس غلام پر کرم فرمائیں میرے زخمی دل کے سوز محبت کا علاج کریں۔

ورق لمغرم فی الحب امسی　　واصبح فی الهوی دنفا طريح

اس محب پر رحم فرمائیں جس کا دل آپ کی محبت میں جل رہا ہے وہ صبح و شام اس مرض کا دائمی مریض بن گیا ہے اور بے سدھ پڑا ہے۔

محب ضاق بالاشواق ذرعا　　و اوی منك للكرم الفسيح

وہ ایسا محب ہے کہ شوق سے اس کا سینہ تنگ ہو گیا ہے اور وسیع کرم کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہے۔

المواہب میں النہایہ از ابن الاثیر سے منقول ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسرور ہوتے تو آپ کا چہرۂ تاباں آئینہ کی طرح چمکتا کہ دیواریں آپ کے چہرۂ انور کی نورانیت میں نظر آتی تھیں۔ پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ مبارک چودھویں کے چاند کی طرح چمکتا تھا۔ یہ تشبیہ قمر کے ساتھ تشبیہ دینے سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ ماہ تمام کو بدر کہا جاتا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب بھی سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے بہرہ ور ہوتے تو یہ شعر پڑھتے ۔

لقد كنت من شیء سوی بشر　　كنت المنور ليلة البدر

اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بشر کے علاوہ کچھ اور ہوتے تو چودھویں کی رات کا بدر کامل ہوتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ماہ تمام "بدر" کے ساتھ تشبیہ حقیقی معنی کو بھی شامل ہے کیونکہ "البدر" آپ کے اسمائے گرامی میں سے بھی ہے۔ روایت ہے کہ اللہ رب العزت نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام سے فرمایا "محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تاباں بدر، درخشاں ستارہ اور موجزن سمندر ہیں"۔ اسی طرح انصار کی فرخندہ فال خواتین نے اس وقت یہ اشعار پڑھ کر آپ کا والہانہ استقبال کیا تھا جب آپ نے مدینہ طیبہ کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے نوازا اور غزوۂ تبوک سے واپس آئے۔

طلع البدر علينا　　من ثنيات الوداع

وجب الشكر علينا　　ما دعا لله داعی

حضرت ابن حلاوی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے اوصاف حمیدہ میں کتنے خوبصورت اشعار کہے ہیں۔

يقولون يحكی البدر فی الحسن وجهه　　و بدر الدجی عن ذالك الحسن ينحط

کما شبھوا غصن النقا بقوامه لقد بالغوا فی المدح للغصن واشتطعوا

لوگ کہتے ہیں کہ ماہ تمام حسن میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور کے مطابق بننے کی کوشش کرتا ہے مگر ماہ کامل اس حسن و زیبائی تک پہنچنے سے عاجز ہے۔ لیکن انہوں نے انصاف نہیں کیا جس طرح کہ انہوں نے آپ کی اقامت کو نقا کی شاخ سے تشبیہ دی ہے انہوں نے اس شاخ کی تعریف میں بہت زیادہ مبالغہ کیا ہے اور انہوں نے انصاف نہیں کیا بدر اور شاخ کو اس تشبیہ کے ساتھ بہت زیادہ فخر حاصل ہو گیا۔ کیونکہ تشبیہات حضور سراپا کرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات جمیلہ بیان کرنے کے لیے استعمال ہوئیں ہیں۔ یہ شعراء اور اہل عرب کی عادت کے مطابق ہے۔ ورنہ ان تشبیہات میں کوئی ایسی چیز نہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلقی اور خلقی اوصاف کا مقابلہ کر سکے۔

سیدی محمد وفی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا

کم فیه للابصار حسن مدهش کم فیه للارواح راح مسکر

کثیر نگاہوں کو آپ کے حسن و جمال نے مدہوش کر دیا ہے اور کثیر لوگوں کی ارواح کے لیے آپ میں سکون اور راحت ہے۔

سبحان من انشاہ من سبحاته بشرا باسرار الغیوب یبشر

پاک ہے وہ ذات جس نے آپ کی تخلیق اپنے نور سے کی آپ غیوب کے اسرار کی بشارت دیتے ہیں۔

قاسوہ جھلا بالغزال تغزلا هیهات یشبهه الغزال الاحور

لوگ نادانی کی وجہ سے آپ کو ہرن سے تشبیہ دیتے ہیں افسوس! خوبصورت آنکھوں والے ہرن سے آپ کو کیسے تشبیہ دی جا سکتی ہے۔

ھذا و حقك ماله من مشبه واری المشبه بالغزالة یکفر

لو! مجھے آپ کے حق کی قسم یہ تشبیہ درست نہیں۔ میرے نزدیک تو آپ کو سورج کے ساتھ تشبیہ دینا بھی کفران نعمت ہے۔

یاتی عظیم الذنب فی تشبیه لولا لرب جماله یستغفر

وہ شخص یہ تشبیہ دے کر بڑے گناہ کا ارتکاب کر رہا ہے وہ آپ کے جمال کو پیدا کرنے والے سے مغفرت طلب کیوں نہیں کرتا۔

فخر الملاح بحسنه و جماله و بحسنه کل المحاسن تفخر

حسین لوگ اپنے حسن و جمال پر فخر کرتے ہیں مگر ہر ہر خوبی آپ کے جمال و زیبائی پر فخر کرتی ہے۔

فجماله مجلی لکل جمیله وله منار کل وجه نیر

آپ کا حسن و جمال ہر بھلائی کا مظہر ہے آپ کے نور کے ظہور سے ہر چہرے کو حسن نصیب ہوا ہے۔

جنات عدن فی جنی و جناته و دلیله ان المراشف کوثر

جنت کی نعمتیں آپ کے علوم و معارف سے ہی فیض یافتہ ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ پیاس حوض کوثر کے جام سے ہی

بجھے گی۔

هيهات الهو عن هواه بغيره　والغير فى حشه الاجانب يحشه

میرے لیے افسوس ہے اگر میں آپ کے علاوہ کسی اور سے محبت کروں کیونکہ غیر تو غیر نافرمانوں کی جماعت سے اٹھایا جائے گا۔

كتب الغرام على فى استفاره　كتب تؤول بالهوى و تفسه

اہل محبت نے عشق و محبت پر بہت سی کتب رقم کیں ہیں جو محبت و میلان کی تفسیر و تشریح بیان کرتی ہے۔

فدع الدعى وما ادعاه فى الهوى　فدعيه بالهجر فيه تهجر

محبت کے داعی کو چھوڑ۔ محبت میں اس کے دعویٰ کو ترک کر۔ اس کے اس ہذیان کو چھوڑ جو ہلاکت کی طرف لے جاتا ہے۔

چشم مبارک

اللہ رب العزت نے کتاب عزیز میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چشم مبارک کی تعریف میں فرمایا ہے

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ﴿۱۷﴾ (النجم)

''نہ درماندہ ہوئی چشم (مصطفیٰ) اور نہ (حد ادب سے) آگے بڑھی''۔

یعنی جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شب معراج ملاحظہ فرمایا اس سے آپ کی چشم مازاغ نہ جھکی اور نہ ہی تجاوز کیا۔ بلکہ اس چیز کا صحیح اثبات کیا اس نے ان عجائب کو دیکھنے میں عدول نہ کیا جسے دیکھنے کا آپ نے حکم دیا اور نہ ہی اس نے تجاوز کیا۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا (بنی اسرائیل:1)

''تاکہ ہم دکھائیں اپنے بندے کو اپنی قدرت کی نشانیاں''۔

اللہ رب العزت کا یہ فرمان مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ﴿۱۷﴾ (النجم) اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ رب تعالیٰ نے آپ کو اس قدر قوت بصارت عطا فرمائی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی چیز کے متعلق یہ خیال نہیں آیا تھا جسے آپ نے دیکھا ہو کہ وہ خلاف واقعی ہو گی۔ بلکہ جب نگاہ ناز کسی چیز پر پڑتی تو اس کا ادراک اسی طرح کر لیتی جس طرح وہ چیز حقیقت میں ہوتی تھی خواہ وہ چیز کتنی ہی مخفی ہوتی۔

امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کی ظلمت میں بھی اسی طرح دیکھ لیتے تھے جس طرح دن کے اجالے میں مشاہدہ فرماتے تھے۔ یعنی روز روشن اور شب تار میں دیکھنا آپ کے لیے برابر ہوتا تھا۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو باطن کے علم سے نوازا تھا۔ قلوب کے مدرکات کے ادراک کا احاطہ بھی عنایت کیا تھا جس طرح کہ آپ کو اجسام کے مدرکات کا علم عطا فرمایا تھا۔

امام بیہقی اور امام ابن عدی نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضور سراپا نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تاریکی

میں بھی اسی طرح دیکھ لیتے تھے جس طرح روشنی میں دیکھتے تھے یہ روایت بھی صحیح ہے کہ آپ ﷺ اپنے پیچھے سے بھی محسوس چیزیں اسی طرح دیکھ لیتے تھے جس طرح اپنے سامنے سے مشاہدہ فرما سکتے تھے۔

امام مسلم اور امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ''کیا تم دیکھتے ہو کہ میرا قبلہ ادھر ہے بخدا! مجھ سے تمہارے رکوع اور تمہارے سجود مخفی نہیں ہیں''۔

دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''مجھ پر تمہارے رکوع اور خشوع مخفی نہیں ہیں۔ میں تمہیں اپنے پیچھے سے دیکھتا ہوں''۔ امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور رحمت عالم ﷺ نے فرمایا ''اے لوگو! میں مصلیٰ امامت پر ہوتا ہوں مجھ سے قبل رکوع اور سجود نہ کیا کرو۔ میں تمہیں اپنے آگے سے اور اپنے پیچھے سے دیکھ لیتا ہوں''۔

حضرت مجاہد سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ اپنے پیچھے صفیں اسی طرح دیکھ لیتے تھے جس طرح اپنے سامنے دیکھتے تھے۔ یہ دیکھنا اور ادراک کرنا حقیقی ہوتا تھا۔ یہ آپ ﷺ کی خصوصیت تھی جو کہ خلاف عادت تھی اور یہ آپ کا معجزہ تھا۔ اہل السنۃ کے نزدیک رؤیت کے لیے بالمقابل ہونا شرط نہیں، نہ ہی رائی سے ایسی شعاعیں جدا ہونا لازم ہیں جو مرئی کے ساتھ متصل ہوں۔ ہاں عادت میں تو یہ چیزیں شرط ہیں لیکن رب تعالیٰ نے اپنے حبیب لبیب ﷺ کے لیے یہ عادی چیز ختم کر دی جس طرح وہ اہل ایمان کے لیے روز حشر ختم کر دے گا۔ وہ دیکھیں گے ان میں ان شرائط میں سے کوئی شرط بھی نہ ہوگی۔

اس بات کی ایک اور دلیل بھی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ثریا میں بارہ ستارے دیکھے۔ حالانکہ لوگوں کو اس میں صرف چھ یا سات ستارے نظر آتے ہیں۔ وہ سب کے سب ستارے نہیں دیکھ سکتے۔ یہ بصارت کی اس قوت کی وجہ سے ہے جو رب تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم ﷺ کو عطا فرمائی ہے۔ یہ آپ ﷺ کی بصارت کی قوت ہی تھی کہ آپ ملائکہ اور شیاطین دیکھ لیتے تھے۔ آپ نے نجاشی کو دیکھا اور اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ بیت المقدس کو دیکھا تاکہ قریش کے لیے اس کے اوصاف بیان کر سکیں مسجد نبوی کی بنیاد رکھی تو مدینہ طیبہ سے کعبہ مقدسہ کو دیکھا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام کو ان کی اصلی شکل میں دیکھا ان کے چھ سو پر تھے۔

حضرت ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضور تاجدار عرب و عجم ﷺ جب کسی کی طرف توجہ فرما ہوتے تو پوری طرح توجہ فرما ہوتے۔ آپ کی نظر مبارک اکثر زمین کی طرف جھکی رہتی۔ بہت کم آسمان کی طرف بلند ہوتی۔ آپ ﷺ کسی بھی چیز کو پوری طرح ملاحظہ فرماتے تھے۔

''جب آپ توجہ فرماتے تو پوری طرح توجہ فرماتے'' اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نظر چرا کر نہیں دیکھتے تھے۔ مبارک گردن کو دائیں بائیں نہیں لے جاتے تھے۔ کیونکہ اس طرح کرنا خفت عقل کی علامت ہے۔ بلکہ آپ آگے اور پیچھے پوری طرح توجہ فرماتے۔ آپ کی نگاہ ناز جھکی رہتی۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ آپ ﷺ کسی چیز کو ملاحظہ فرما لیتے تو نگاہ ناز جھکا لیتے بلا وجہ اطراف اور جوانب میں نہ دیکھتے۔ ہمیشہ سر اقدس جھکا رہتا عالم غیب کی طرف مصروف رہتے۔ اپنے حال میں مشغول رہ کر آخرت کے امور میں غور و فکر کرتے۔ یہ ایسی متواضع ہستی کی شان والا ہے جو غور و فکر کر رہی ہو اپنے رب تعالیٰ کے

ساتھ مشغول ہو۔ بعض علماء کرام نے لکھا ہے کہ آپ کے نرم گوشہ اور شدت حیاء کی طرف اشارہ ہے یا کثرت سے سوال نہ کرنے اور کسی مسئلہ کی تہہ تک پہنچنے کی وجہ سے ہے۔

''آپ کی نظر مبارک زیادہ تر زمین پر رہتی آسمان کی سمت کم ہی بلند ہوتی تھی''۔ اس کا مفہوم یہ ہے آپ سکوت کی حالت میں رہتے۔ زیادہ گفتگو نہ کرتے کیونکہ یہ حالت غور وفکر کے اعتبار سے زیادہ جامع اور باطن کے ساتھ مشغول ہونے کے اعتبار سے زیادہ وسیع ہے۔ یا اس کی وجہ اپنے رب تعالیٰ سے حیاء اور ادب کی کثرت تھی یا اس لیے کہ آپ اہل زمین کی تربیت کے لیے تشریف لائے تھے نہ کہ اہل آسمان کی تربیت کے لیے۔ البتہ پہلا قول زیادہ عمدہ ہے۔

''آپ کی نظر مشاہدہ ہوتی تھی'' اس کا مفہوم یہ ہے کہ ملاحظہ سے مراد مراقبہ ہے یا اس کا مفہوم یہ ہے کہ آپ اشیاء کو اہل حرص کی طرح نہیں دیکھتے تھے جس طرح کہ اہل حرص دنیا کی آرائش اور زیبائش کو دیکھتے ہیں۔ کیونکہ اللہ رب العزت نے آپ سے فرمایا تھا۔

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ (طٰہٰ:131)

''اور آپ مشتاق نگاہوں سے نہ دیکھیں''۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف جمیلہ بیان فرماتے ہوئے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چشمان مبارک کشادہ اور بڑی تھیں۔ ان کے سفید حصے میں باریک باریک سرخ ڈورے تھے۔ مژگان مبارک لمبی تھی۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک آنکھوں کی سفیدی میں باریک باریک سرخ دوڑے تھے۔ یہ آنکھوں کے لیے دلکشی اور دلربائی کا ساماں ہے یہ آپ کی نبوت کی علامت بھی ہے۔ کیونکہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میسرہ کے ساتھ شام کا سفر کیا تو وہاں راہب نے میسرہ سے پوچھا ''کیا ان کی آنکھوں میں سرخی ہے''۔ میسرہ نے جواب دیا ''وہ سرخی تو کبھی آپ سے جدا نہیں ہوئی''۔ راہب نے کہا ''یہ وہی (نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں''۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سراپا کرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک آنکھیں کشادہ تھیں۔ ان میں باریک باریک سرخ ڈورے تھے۔ ابرو مبارک باریک تھے اور باہم ملے ہوئے نہ تھے۔ بعض روایات میں ہے کہ ابرو ملے ہوئے تھے۔ کہ ابرو طویل تھے۔ قریب تھا کہ مل جاتے۔ مگر ملے ہوئے نہ تھے۔ لہٰذا دونوں روایتوں میں کوئی تناقض نہیں۔ ایک روایت ہے کہ دو ابرو کے مابین ایک رگ تھی جو غصہ کے وقت حرکت کرتی اور پھول جاتی تھی۔

المواہب میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''حضور مبلغ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے یمن کی طرف بھیجا۔ ایک دن میں اہل یمن کو خطبہ دینے کے لیے اٹھا تا کہ مومن کا ایمان متمکن ہو اور جو ابھی تک ایمان نہیں لایا وہ ایمان لے آئے۔ میں نے خطبہ دیا۔ یہودیوں کا بہت بڑا عالم کھڑا ہو گیا اس کے ہاتھ میں بہت بڑی کتاب تھی۔ وہ اس میں دیکھ رہا تھا۔ اس نے مجھے دیکھا تو کہا ''میرے لیے ابو القاسم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا حلیہ بیان کرو''۔ میں نے کہا ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ تو بلند قامت نہ ہی کوتاہ قد ہیں .... ۔ پھر میں خاموش ہو گیا۔ اس نے پوچھا ''اور کچھ'' میں نے کہا ''اس وقت تو مجھے یہی کچھ

یاد ہے۔ اس عالم نے پوچھا ''کیا ان کی آنکھوں میں سرخی ہے اور ان کی داڑھی بہت خوبصورت ہے''۔ میں نے کہا ''ہاں! اللہ کی قسم! اس عالم نے کہا ''جو حلیہ آپ نے بیان کیا ہے وہ بھی اور جو میں نے بیان کیا ہے وہ بھی میں اپنے آباء کی اس کتاب میں پاتا ہوں میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ رب تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ جن کو اس نے سارے لوگوں کے لیے مبعوث کیا ہے''۔

سماعت مبارک

قوت سماعت کے متعلق تمہارے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان عالی شان ہی کافی ہے۔ ''میں وہ کچھ دیکھتا ہوں جسے تم نہیں دیکھ سکتے اور وہ کچھ سنتا ہوں جسے تم نہیں سن سکتے''۔ آسمان چیں چیں کر رہا ہے اور وہ اس امر کا مستحق ہے کہ چڑچڑائے۔ کیونکہ وہاں چار انگلیوں کی جگہ بھی نہیں مگر وہاں فرشتے اپنا سر رکھ کر رب تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہیں''۔ اس روایت کو امام ترمذی، امام احمد، امام ابن ماجہ، امام حاکم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور سارے محدثین نے اسے صحیح کہا ہے۔

ابونعیم نے حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام میں تشریف فرما تھے۔ آپ نے فرمایا ''کیا تم وہ کچھ سنتے ہو جو میں سن رہا ہوں''۔ صحابہ کرام عرض گزار ہوئے ''آپ کیا سن رہے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''میں آسمان کے چیں چیں کرنے کی آواز سن رہا ہوں۔ اگر وہ یوں کر رہا ہے تو اس کا کوئی قصور نہیں'' کیونکہ اس میں بالشت بھر بھی جگہ نہیں مگر یہ کہ اس میں کوئی فرشتہ سجدہ ریز ہے اور کوئی قیام کر رہا ہے''۔

طلعت زیبا

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طلعت زیبا کشادہ تھی۔ جبیں مبارک دونوں اطراف سے کشادہ اور وسیع تھی۔ ایسی طلعت زیبا ہر صاحب ذوق سلیم کو پسند ہوتی ہے۔ حضرت ابن ابی خیثمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روشن جبیں تھے۔ جب آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں جلوہ فگن ہوتے تو یوں لگتا گویا کہ مہر عالمتاب طلوع ہو گیا ہے۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے فرمایا

متی یبد فی اللیل البهیم جبینه   یلح مثل مصباح الدجا المتوقد

فمن کان او من قد یکون کاحمد   نظام لحق او نکاد لملحد

جب تاریک رات میں آپ کی طلعت زیبا عیاں ہوتی، وہ تاریکی میں ضوفشاں چراغ کی طرح ہوتی۔ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح کون تھا یا کون ہوگا۔ حق کے لیے موتیوں کی لڑی کا دھاگہ اور ملحد کے لیے عذاب۔

امام بیہقی نے ایک صحابی سے روایت کیا ہے صحابی کے ابہام میں کوئی حرج نہیں کیونکہ سارے صحابہ کرام عدول تھے۔ انہوں نے فرمایا ''میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی۔ آپ ایک ایسی ہستی پاک تھے جس کا جسد اطہر بہت حسین تھا۔ جبین زیبا کشادہ تھی۔ ابرو باریک تھے''۔

سیدی محمد وفی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے

جبینه مشرف من فوق طرته   یتلوا الضحی لتلہ واللیل کافرہ

آپ کی طلعت زیبا سے نور نکل کر جسم اطہر سے اوپر جاتا تھا چہرۂ والضحیٰ کے بعد زلف معنبر ہوتی یہ زلف معنبر چہرہ اقدس پر گری رہتی تھی۔

بالمسك خطت على كافور جبهته من فوق نوناتها سينا ضفائره

آپ کے گیسوئے پاک نے آپ کی طلعت زیبا کے کافور پر مشک کے ساتھ نونوں پر سین بنا رکھی تھی۔

مكمل الخلق ما تحصى خصائصه منفر الحسن قد قلت نظائره

آپ کی تخلیق مکمل تھی۔ آپ کے خصائص کو شمار کرنا ممکن ہی نہیں۔ آپ بہت زیادہ حسین تھے۔ آپ کی مثال لانا ممکن ہی نہیں۔

امام مقاتل سے روایت ہے کہ اللہ رب العزت نے حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی ''اے طاہرہ بتول کے فرزند دلبند! میں نے باپ کے بغیر تمہیں پیدا کیا۔ تمہیں سارے لوگوں کے لیے نشانی بنا دیا۔ صرف میری عبادت کرو۔ صرف مجھ پر توکل کرو۔ ان لوگوں کو بتا دو کہ معبود برحق میں ہی ہوں۔ میں حی و قیوم ہوں۔ مجھے زوال نہیں۔ وہ اس نبی امی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کریں جو اونٹ والے، زرہ والے اور عمامہ والے، نعلین والے، عصا والے اور گھنگھریالے بالوں والے، عمدہ رخساروں والے اور حسین کثیر داڑھی والے ہوں گے ان کے چہرۂ انور پر پسینے کے قطرات موتی لگیں گے۔ ان کی خوشبو مشک اذفر کی مانند ہوگی۔ ان کی گردن چاندی کی صراحی کی طرح ہوگی''۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی یہی روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گردن مبارک چاندی کی صراحی کی طرح تھی۔

حضرت ہند بن ہالہ رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی روایت میں بیان کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گردن مبارک اس طرح تھی جس طرح کسی چاندی کی گڑیا کی صاف گردن ہو۔ یعنی چمک، اعتدال، خوبصورتی، حسن ہیبت اور کمال میں وہ اس طرح تھی۔ وہ چمک اور دمک اور رنگت میں چاندی کی طرح تھی۔ ناک مبارک اونچی تھی۔ اس پر نور برس رہا ہوتا دیکھنے والا گمان کرتا یہ بہت اونچی ہے۔

سر اقدس

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سر اقدس بڑا تھا۔ امام بیہقی رضی اللہ عنہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سر اقدس بڑا یعنی افراط کے بغیر بڑا تھا۔ اس طرح کا سر محبوب اور پسندیدہ ہوتا ہے کیونکہ یہ ادراک اور کمالات کو پا لینے میں معاون و مددگار رہتا ہے۔ جب کہ افراط کے ساتھ سر کا بڑا ہونا کند ذہنی کی علامت ہوتا ہے۔

دہن مبارک

امام مسلم نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دہن مبارک کشادہ تھا۔ یعنی افراط کے بغیر کشادہ تھا۔ اہل عرب ایسے منہ کی تعریف کرتے ہیں۔ وہ چھوٹے منہ کی مذمت کرتے ہیں۔ کیونکہ کشادہ منہ فصاحت و بلاغت کی علامت ہوتا ہے۔ جب کہ چھوٹا منہ اس کے برعکس ہوتا ہے۔ مولدون شعراء چھوٹے منہ کی تعریف کرتے تھے یہ ان کی

خطاء تھی یا انہوں نے اس مفہوم کی طرف توجہ نہ کی تھی یا وہ عورتوں کے اعتبار سے ایسے منہ کی تعریف کرتے تھے۔

امام بزار اور امام بیہقی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دہن مبارک وسیع تھا۔ دانت مبارک موتیوں کی طرح چمکتے تھے۔ دندان مبارک آپس میں بھنچے ہوئے نہ تھے۔ بلکہ درمیان میں تھوڑا تھوڑا فاصلہ تھا۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے والے دانت بڑے چمک دار تھے''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دندان مبارک بھنچے ہوئے نہ تھے۔ بلکہ ان کے درمیان تھوڑا تھوڑا فاصلہ تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گفتگو فرماتے تو یوں محسوس ہوتا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دندان مبارک سے نور نکل رہا ہوتا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لب لعلیں سارے لوگوں سے حسین ترین تھے۔ آپ کے ٹخنوں اور کلائیوں کی ہڈیاں بڑی تھیں یہ وفور مادہ، قوت حواس، کثرت حرارت اور کمال تقویٰ کی علامت ہے۔

المواہب میں حضرت ابوقر صافہ جندرہ بن خیثنہ الکنانی اللیثی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''میں نے امی جان اور خالہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت کرنے کا شرف حاصل کیا۔ جب ہم واپس گئے تو مجھے میری امی جان اور خالہ نے کہا ''نور نظر! ہم نے آج تک خلق اور خلق میں ایسی ہستی نہیں دیکھی۔ نہ کسی میں اتنا حسن و جمال دیکھا ہے۔ نہ ہی کسی کے کپڑے اتنے صاف دیکھے ہیں۔ نہ ہی اتنا نرم گفتار کسی کو دیکھا ہے۔ ہم نے آپ کے منہ مبارک سے نکلتا ہوا نور دیکھا''۔

لعاب دہن

غزوۂ خیبر میں پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو آشوب چشم تھا۔ انہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش کیا گیا۔ آپ نے ان کی آنکھوں پر لعاب دہن لگایا تو گویا کہ انہیں درد نامی کوئی چیز نہ تھی۔

امام طبرانی نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمیر بنت مسعود انصاریہ رضی اللہ عنہا اور ان کی بہنیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں بیعت کی غرض سے حاضر ہوئیں اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قدید (سوکھا گوشت) تناول فرما رہے تھے۔ آپ نے قدید کے کچھ ٹکڑے دندان مبارک میں چبائے اور ان بلند اقبال خواتین کو عطا فرمائے۔ ان میں سے ہر ایک نے ایک ایک ٹکڑا کھایا تو ان کے منہ سے مشک و عنبر کی خوشبو آنے لگی۔

ابن عساکر نے روایت کیا ہے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو شدید پیاس لگی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں زبان حق ترجمان عطا فرمادی وہ اسے چوسنے لگے حتیٰ کہ وہ سیراب ہو گئے۔

امام طبرانی نے روایت کیا ہے کہ ایک فحش گو عورت بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت قدید تناول فرما رہے تھے۔ اس نے عرض کی ''کیا آپ مجھے عنایت نہیں فرمائیں گے؟ آپ نے اسے اپنے سامنے پڑے قدید میں سے کچھ عطا کرنا چاہا تو اس نے عرض کی ''نہیں، میں وہ قدید لوں گی جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منہ مبارک میں ہے''۔ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے منہ مبارک سے وہ قدید نکالا جسے آپ تناول فرما رہے تھے اور اس خاتون کو عنایت کر دیا۔ اس نے اسے کھالیا اس کے طفیل اس کی ساری فحش گوئی ختم ہو گئی۔

فصاحت و بلاغت

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان اقدس کی بلاغت، جوامع کلمات، بدیع بیان اور حکمت آموز باتیں نرالی شان رکھتی تھیں۔ آپ کلام پاک کے اعتبار سے ساری مخلوق سے زیادہ فصیح، نظام کے اعتبار سے سب سے عظیم اور ادائیگی کے اعتبار سے سب سے زیادہ سریع تھے۔ آپ کا کلام مقدس دل کی اتھاہ گہرائیوں میں اتر جاتا۔ آپ کے کلام مقدس کی انتہاؤں کو پالینا ناممکن ہے۔ بلکہ اس کی انتہا ہے ہی نہیں۔ اس طرح کیوں نہ ہو جب کہ رب تعالیٰ نے آپ کی زبان حق ترجمان کو اپنی تلواروں میں سے ایک تلوار بنایا ہے جو اس کی طرف سے اس کی مراد بیان کرتی اور اس کے بندوں کو اس کی طرف بلاتی تھی اس کا ذکر حقیقت کو بیان کر کے اس کی مراد کو عیاں کرتی تھی جب آپ محو کلام ہوتے تو ساری مخلوق سے سے زیادہ فصیح ہوتے۔ جب وعظ ارشاد فرماتے تو سب سے زیادہ نصیحت کرتے۔ آپ فحش گوئی اور بیہودہ کلام نہ فرماتے۔ آپ ایسی گفتگو ہرگز نہ فرماتے جسے آپ خود پسند نہ کرتے۔ کیونکہ آپ پردہ نشین دوشیزہ سے بھی بڑھ کر باحیاء تھے۔ آپ کا کلام پاک علم، شرع اور حکمت کے اعتبار سے ثمر آور تھا، کسی بشر کی زبان سے ایسا کلام نہ نکلتا جو آپ کے کلام معجز نظام سے زیادہ محکم یا زیادہ شیریں ہوتا۔ آپ نے اپنی زبان اقدس سے مراد حق تعالیٰ کو عیاں فرمایا۔ اپنے بیان کے ساتھ رب تعالیٰ کے بندوں پر اس کی حجت قائم کی۔ اس کے فرائض، اوامر، نواہی، زواجر، وعدہ، وعید اور ارشاد کے متعلق بیان فرمایا۔ آپ دل کے اعتبار سے ساری مخلوق سے زیادہ محکم، زبان کے اعتبار سے فصیح اور بیان کے اعتبار سے واضح تھے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محو کلام ہوتے تو بیہودہ کلام نہ فرماتے۔ بلکہ آہستہ آہستہ گفتگو فرماتے جسے شمار کرنے والا چاہتا تو شمار کر سکتا تھا۔ آپ اتنی تیزی سے گفتگو نہ فرماتے جسے یاد نہ کیا جا سکے۔

امام بخاری اور امام مسلم نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گفتگو کو اچھی طرح بیان فرماتے۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ کی گفتگو عام فہم ہوتی تھی۔ آپ کی گفتگو جدا جدا ہوتی تھی۔ اگر اسے شمار کرنے والا گننا چاہتا تو گن سکتا تھا۔

امام ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک بات کو تین بار فرماتے حتیٰ کہ وہ اچھی طرح سمجھ میں آجاتی۔

ابن عساکر اور ابونعیم نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ ہم سب سے زیادہ فصیح کیوں ہیں؟ حالانکہ آپ سفر کر کے کہیں (اس مقصد کے لیے) تشریف نہیں لے گئے''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''حضرت اسماعیل علیہ السلام کی لغت مٹ چکی تھی حضرت جبرائیل علیہ السلام اسے لے کر آئے اور مجھے یاد کرادی''۔

عسکری نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''جب بنو نہد کا وفد بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوا...... اس روایت کا ذکر خیر پہلے ہو چکا ہے جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطبہ کا ذکر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی معروف لغت میں ان کے ساتھ کلام فرمایا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے آباء ایک ہیں، ہم نے ایک ہی شہر میں نشوونما پائی ہے۔ آپ اہل عرب سے ایسی گفتگو فرماتے ہیں جس کا اکثر

حصہ ہم سمجھ نہیں پاتے''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''مجھے میرے رب نے ادب سکھایا۔ اور عمدہ ادب سکھایا میں نے بنوسعد بن بکر میں نشوونما پائی''۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکتوبات گرامی میں تذکرہ ہو چکا ہے کہ آپ نے عرب کے قبائل کو ان کی لغت میں مکتوبات لکھوائے۔ ہر قبیلہ کے ساتھ اسی زبان میں گفتگو فرمائی۔ آپ کی فصاحت، بلاغت، معرفت اور لغات عرب کے علم کی وسعت کی دلیل ہے۔

المواہب میں ہے آپ کی فصاحت و بلاغت کسی دلیل کی محتاج نہیں۔ کسی دوست اور دشمن نے اس کا انکار نہیں کیا ہے۔ علماء کرام نے آپ کے بدیع اور ایسے معجز کلام کے دواوین مرتب فرمائے ہیں جو پہلے کسی کی زبان سے نہیں نکلا۔ المواہب کے مصنف نے ان میں سے بعض کا تذکرہ بھی کیا ہے مثلاً

المرء مع من احب

''آدمی اس کے ساتھ ہوتا ہے جس سے محبت کرے''۔

الذنب لا ینسی و البر لا یبلی والدیان لا یموت فکن کما شئت

''گناہ فراموش نہیں ہوتا، نیکی بوسیدہ نہیں ہوتی اور حساب لینے والے کو موت نہیں اس طرح ہو جا جس طرح چاہتا ہے''۔

جمال الرجل فصاحۃ لسانہ

''ایک شخص کا جمال اس کی زبان کی فصاحت ہے''۔

انکم لا تسعوا الناس باموالکم فسعوھم باخلاقکم

''تم لوگوں کو اپنے اموال دینے پر قادر نہیں ہو۔ انہیں اپنے اخلاق حسنہ پیش کردو''۔

دوسری روایت میں ہے تم میں سے کوئی ایک لوگوں کے ساتھ خندہ پیشانی اور حسن خلق کے ساتھ ملاقات کرے۔

الخلق الحسن یذیب الخطایا کما یذیب الماء الجلید و الخلق السیئ یفسد العمل کما یفسد الخل العسل

''عمدہ اخلاق لغزشوں کو اس طرح پگھلا دیتا ہے جس طرح پانی برف کو پگھلا دیتا ہے۔ برا اخلاق عمل کو اس طرح فاسد کر دیتا ہے جس طرح سرکہ شہد کو خراب کر دیتا ہے''۔

الشتاء ربیع المومن قصر نھارہ فصامہ و طال لیلہ فقامہ

''موسم سرما مومن کے لیے بہار ہے۔ اس میں دن چھوٹے ہوتے ہیں۔ جن میں وہ روزے رکھتا ہے۔ راتیں طویل ہوتی ہیں جن میں وہ قیام کرتا ہے''۔

القناعۃ مال لا ینفد و کنز لا یفنی

''قناعت ایسا مال ہے جو ختم نہیں ہوتا اور ایسا خزانہ ہے جو فنا نہیں ہوتا''۔

الاقتصار فی النفقة نصف المعیشة والتودد الی الناس نصف العقل و حسن السوال نصف العلم وحسن الخلق نصف الدین

''خرچ کرنے میں میانہ روی نصف معیشت ہے۔ لوگوں کی دوستی چاہنا نصف عقل، عمدہ سوال کرنا نصف علم اور حسن خلق نصف دین ہے''۔

لا عقل کالتدبیر ولا ورع کالکف عن الحرام ولا حسب کحسن الخلق

''تدبیر کی مانند کوئی عقل نہیں۔ حرام سے بچ جانے کی طرح کوئی تقویٰ نہیں اور حسن خلق کی طرح کوئی شرافت نہیں''۔

المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده والمهاجر من هجر ما حرم الله

''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان سلامت رہیں اور مہاجر وہ ہے جس نے ان چیزوں کو چھوڑ دیا جسے رب تعالیٰ نے حرام قرار دیا''۔

التجاوز عن الذنب لا یزید العبد الا عزا وصنائع المعروف تقی مصارع السوٴ والتواضع لا یزید العبد الا رفعة وما نقص مال من صدقة

''گناہ سے دوری بندے کی عزت میں اضافہ کرتی ہے۔ نیکی کے کام برائی کی راہوں سے دور کرتے ہیں اور عاجزی انسان کی رفعت میں ہی اضافہ کرتی ہے اور صدقہ دینے سے مال کم نہیں ہوتا''۔

اخسر الناس صفقة من اذهب آخرته بدنیا غیره

''لوگوں میں سے سودابازی کے اعتبار سے سب سے گھاٹے میں وہ شخص ہے جس نے دوسرے شخص کی دنیا کے لیے اپنی آخرت برباد کر دی''۔

ان من کنوز کتمان المصائب

''مصیبتیں چھپانا نیکی کے خزانوں میں سے ہے''۔

لا تظهر الشماتة باخیك فیعافیه الله ویبتلیك وعیرا خابذنب لم یمت حتی یعمله

''اپنے بھائی کی مصیبت پر خوشی کا اظہار نہ کر۔ ورنہ رب تعالیٰ اسے عافیت دے دے گا اور تجھے آزمائش میں مبتلا کر دے گا۔ جس نے اپنے بھائی کو کسی گناہ کی عار دلائی وہ اس وقت تک نہ مرے گا جب تک خود اس میں مبتلا نہ ہو جائے گا''۔

من ضمن لی ما بین لخییه ورجلیة ضمنت له علی الله الجنة

''جو مجھے اس چیز کی ضمانت دے جو اس کے جبڑوں کے درمیان اور جو اس کی ٹانگوں کے درمیان ہے تو میں اسے رب تعالیٰ کی طرف سے جنت کی ضمانت دیتا ہوں''۔

لا یکمل ایمان المرء حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ

''آدمی کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہو''۔

السعید من وعظ بغیرہ

''سعادت مند وہ ہے جو دوسروں سے عبرت حاصل کرے''۔

انما الاعمال بالنیات

''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے''۔

نیت المومن خیر من عملہ و نیت الفاجر شر من عملہ

''مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے اور فاجر کی نیت اس کے عمل سے بری ہے''۔

یہ ایسی احادیث جوامع ہیں جن کے معانی اور احکام بیان کرنے کے لیے علماء نے ان کی طویل تشریح کی ہے۔

امام ترمذی نے حضرت عطیہ بن عروہ السعدی رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے۔ انہوں نے کہا ''مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ تجھے غنی کر دے تو لوگوں سے کسی چیز کا سوال نہ کرنا، اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمارے ساتھ ہماری زبان میں ہی گفتگو کی''۔

یہ امر حضور تاجدار انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزات اور خصائص میں سے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر شخص کے ساتھ اس کی زبان میں گفتگو فرماتے۔ حالانکہ اہل عرب کی باہمی زبان میں بھی کافی اختلاف تھا۔ ان کے الفاظ کی ترکیب اور کلمات کے اسالیب بھی مختلف تھے۔ ایک عام شخص تو اپنی زبان پر عبور حاصل نہیں کر سکتا۔ دوسرے شخص کی زبان اس کے لیے ایسی اجنبی ہوتی ہے جیسے کوئی عربی سن رہا ہو یہ صرف قوت الٰہیہ اور عنایات ربانیہ تھیں۔ کیونکہ آپ کو سارے لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا تھا۔ سیاہ اور سرخ کی طرف مبعوث کیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساری زبانوں کا علم عطا فرما دیا۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ (ابراہیم: 4)

''اور ہم نے نہیں بھیجا کسی رسول کو مگر اس قوم کی زبان کے ساتھ''۔

جب رب تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سارے لوگوں کی طرف مبعوث فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سارے لوگوں کی زبانیں سکھا دیں۔ آپ جس لغت میں بھی گفتگو فرماتے انتہائی بلیغ گفتگو فرماتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ اور کوئی شخص دوسری زبان میں گفتگو کرتے وقت اس کا حق ادا کرنے سے قاصر ہی رہتا ہے۔ اللہ رب العزت نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس عزت و شرف سے مشرف فرمایا کہ آپ جس زبان میں بھی گفتگو فرماتے اس میں اہل زبان سے فصیح ترین گفتگو فرماتے کیونکہ رب تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سارے کے سارے قوائے بشریہ میں دیگر انسانوں پر فضیلت عطا فرمائی تھی۔ اس میں قیاس اور اندازہ کا کوئی

عمل دخل نہیں۔ اس کی تحقیق میں کوئی حرج نہیں۔

حضور تاجدار عرب وعجم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حبشہ کی زبان میں گفتگو فرمائی۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ام خالد بنت خالد بن سعید سے فرمایا ''سناہ سناہ، یا سنہ ھسنہ''۔ حضرت ام خالد رضی اللہ عنہا سرزمین حبشہ میں پیدا ہوئیں۔ وہیں نشوونما پائی۔

وہ اہل حبشہ کی زبان سے آگاہ تھیں۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یکثر الھرج۔ حبشہ کی لغت کے مطابق اس کا معنی یہ ہے کہ قتل عام ہوگا۔ اسی طرح جب حضرت جابر رضی اللہ عنہ آپ کے لیے کھانا تیار کروایا تو آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا ان جابرا قد صنع لکم سورا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے تمہارے لیے کھانا تیار کیا ہے۔ سور فارسی کا لفظ ہے۔

امام ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوپہر میں سفر کیا میں نے بھی سفر کیا، میں نے نماز پڑھی پھر بیٹھ گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری طرف توجہ فرمائی اور فرمایا ''شکم درد (پیٹ کا درد ہے)'' میں نے عرض کی ''ہاں یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اٹھو نماز پڑھو بلاشبہ نماز میں شفاء ہے''۔

بعض راویوں نے یہ اضافہ بھی کیا ہے ''دردم'' علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے شرح شفاء میں لکھا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو اس طرح کیوں فرمایا؟ میرے لیے اس کی اور کوئی وجہ عیاں نہیں ہوئی سوائے اس کے آپ اظہار محبت اور مزاح کے لیے انہیں یوں فرمایا۔ جس طرح کہ تم کسی انسان کو دیکھو جو کسی چیز کا شکوہ کر رہا ہو تم بھی اسی طرح کا اظہار کرو جس طرح وہ کر رہا ہے یہ مخاطب سے محبت اور مزاح کے لیے ہوتا ہے۔ بعض علماء نے شکم درد کو اشکنب درد پڑھا ہے۔ انہوں نے الکرش کا معنی پیٹ کیا ہے۔ بعض اوقات اس کے بعد ھاء کا اضافہ کر دیتے ہیں مگر اس سے پیٹ کے درد کا معنی نکال لینا درست نہیں۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا'' حدیث پاک ہے۔ الغب دو دو۔ التمریک یک'' یعنی انگور دو دو اور کھجور ایک ایک۔ مگر خواص کے نزدیک اس روایت کی اصل نہیں ہے

آواز مبارک

ابن عساکر نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بیان کی ہے۔ انہوں نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے جو بھی پیغمبر مبعوث فرمایا اس کا چہرہ حسین اور آواز شیریں تھی۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے حبیب لبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو آپ بھی حسن و جمال کا پیکر اور آواز دلکش اور دلآویز تھی''۔ یہی روایت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔

صحیحین میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز عشاء میں والتین والزیتون سورت تلاوت کی میں نے کوئی آواز نہ سنی جو آپ کی آواز سے زیادہ خوبصورت ہو''۔

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز مبارک بہت خوبصورت تھی''۔

امام طبرانی اور امام ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

محو تکلم ہوتے تو دندان مبارک سے نور نکلتا ہوا دکھائی دیتا۔ آپ کی آواز مبارک اس جگہ پہنچ جاتی جہاں کسی دوسرے کی آواز نہیں پہنچ پاتی تھی''۔

امام بیہقی نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا جسے پردہ نشین عورتوں نے پردہ میں سنا''۔

ابو نعیم نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جمعۃ المبارک کے روز منبر پر جلوہ افروز ہوئے۔ لوگوں سے فرمایا ''بیٹھ جاؤ''۔ آپ کی یہ آواز مبارک حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے بنو غنم میں سنی۔ وہ اسی جگہ بیٹھ گئے''۔

ابن سعد نے حضرت عبدالرحمن بن معاذ التیمی سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہمیں منیٰ میں خطبہ دیا۔ ہم نے وہ خطبہ ہمہ تن گوش ہو کر سنا حتیٰ کہ ہم نے اپنے اپنے خیموں میں آپ کا خطبہ سن لیا''۔

ابن ماجہ نے حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا ''ہم نصف رات کے قریب خانہ کعبہ کے پاس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قراءت سن لیتے تھے حالانکہ میں اپنی چارپائی پر ہوتی تھی''۔

علامہ زرقانی نے کہا ہے کہ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کا اپنی چارپائی پر گھر کے اندر دور سے آپ کی آواز سن لینا آپ کی قوت کی دلیل بھی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا تبسم

امام بخاری نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''میں نے کبھی بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو قہقہہ لگا کر ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔ حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا پورا منہ مبارک کھل جائے اور حلق کا گوشت نظر آنے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم صرف تبسم فرماتے تھے۔

البتہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول حدیث مبارک میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مسکرائے حتیٰ کہ دندان مبارک نظر آنے لگے۔ یہ نادار ہی ہوا کرتا تھا۔ اس کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نہیں دیکھا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا تھا۔

حضرت ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ہنسنا تبسم ہوتا تھا۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے ان روایات کو جمع کرنے سے عیاں ہوتا ہے کہ اکثر اوقات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تبسم ہی فرمایا کرتے تھے بعض اوقات ہنستے بھی تھے لیکن قہقہہ نہیں لگاتے تھے۔ کثرت اور افراط سے ہنسنا مکروہ ہے۔ کیونکہ اس سے وقار ختم ہو جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ان افعال کی اقتداء کرنی چاہیے جن پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مداومت فرمائی ہے وہ تبسم ہو جس میں قہقہہ نہ ہو۔

امام بخاری نے ادب المفرد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ''زیادہ نہ ہنسا کرو کیونکہ زیادہ ہنسنا دل کو مردہ کر دیتا ہے''۔

امام بیہقی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکراتے تو در و دیوار روشن ہو جاتے۔ آپ کا نور مبارک ان پر اس طرح پڑتا جس طرح سورج کی دھوپ پڑتی۔

جب حضرت جبرائیل امین علیہ السلام وحی لے کر آئے تو آپ مسکرائے بھی نہ تھے حتیٰ کہ وہ چلے جاتے۔ اس میں ایک تو ان کی تعظیم تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی دوسری طرف مشغول نہ ہوتے تھے اور دوسرا جو وحی وہ لے کر حاضر خدمت ہوتے تھے آپ اس میں غور و فکر فرماتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب خطبہ ارشاد فرماتے تو آپ کا غصہ شدید ہو جاتا۔ آواز مبارک بلند ہو جاتی۔ گویا کہ آپ ''تمہاری صبح، تمہاری شام'' فرما کر پورے لشکر کو ڈرا رہے ہیں۔

گریہ و فغاں

جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی قہقہہ لگا کر ہنسے نہیں تھے اسی طرح روتے وقت بھی آپ اپنی آواز بلند نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ چشمان مقدس سے آنسو بہتے اور لگاتار بہتے رہتے سینہ اقدس سے آواز آتی، کبھی میت پر از روئے رحمت روتے۔ کبھی اپنی امت کے خوف سے روتے۔ جب خشیت الٰہیہ سے روتے۔ کبھی قرآن مجید سماعت کرتے وقت گریہ فرماتے، کبھی نماز میں آنسو گرنے لگتے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رب تعالیٰ نے جمائی سے محفوظ رکھا تھا۔ امام بخاری نے اپنی تاریخ میں اور ابن ابی شیبہ نے مصنف میں حضرت ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے حضرت یزید بن ام رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کبھی جمائی نہیں آئی۔

بخاری شریف میں مرفوعاً روایت ہے کہ اللہ رب العزت کو چھینک پسند اور جمائی ناپسند ہے۔

دست حق نما

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مبارک حلیہ بیان کرنے والے بیان کرتے ہیں کہ آپ کی ہتھیلیاں اور مبارک انگلیاں موٹی تھیں۔ انگلیاں نہ چھوٹی تھیں نہ کھردری۔ یہ وصف مردوں میں حسن و جمال اور عورت میں قابل مذمت ہے۔ آپ کی کلائیاں مضبوط تھیں، ہتھیلیاں مبارک وسیع تھیں جو آپ کے جود و سخاء سے کنایہ تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے از روئے شفقت و انس حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے رخساروں کو چھوا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں نے آپ کے دست اقدس کی ٹھنڈک اور خوشبو محسوس کی گویا کہ وہ ابھی عطار کی صندوقچی سے نکالا ہے''۔

ٹھنڈک سے مراد آپ کے دست شفاء بخش کی گدازی اور نرمی تھی۔ یا اس سے مراد راحت، لذت اور پاکیزگی ہے۔ ابن اثیر نے لکھا ہے اہل العرب ہر چیز کو ٹھنڈا کہتے تھے۔ ٹھنڈے سایہ سے مراد زندگی کی آسودگی ہوتی تھی۔ بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ حقیقت میں، ہی ہاتھوں کی ٹھنڈک اہل عرب پسند کرتے تھے خصوصاً گرمی کے ایام میں انہیں یہ چیز از حد مرغوب تھی۔ یہ آپ کی خاصیت تھی۔ امام طبرانی اور امام بیہقی نے حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مصافحہ کیا کرتا یا آپ کی پاکیزہ جلد میری جلد کو مس کرتی تو اس کے کئی روز تک اس کا اثر باقی

رہتا۔ مجھے مشک و عنبر سے بڑھ کر خوشبو آتی رہتی''۔

حضرت یزید بن اسود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مجھے اپنا دست اقدس پکڑایا وہ برف سے زیادہ ٹھنڈا اور مشک سے زیادہ خوشبو آور تھا''۔

امام طبرانی نے حضرت شداد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''میں بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوا۔ آپ کا دست اقدس پکڑا۔ وہ ریشم سے نرم تر اور برف سے زیادہ ٹھنڈا تھا''۔

امام احمد نے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے میری پیشانی پر اپنا دست اقدس رکھا۔ میرے چہرے اور سینے کو مس کیا میرا پیٹ چھوا۔ میں یوں محسوس کرتا ہوں کہ آج تک آپ کے دست اقدس کی ٹھنڈک میرے سینے میں موجود ہے''۔

امام بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''میں نے کسی ریشم یا دیباج کو نہیں چھوا جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہتھیلی سے زیادہ نرم ہو۔ میں نے کوئی ایسی خوشبو نہیں سونگھی جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے آنے والی خوشبو سے زیادہ عمدہ ہو''۔

یہ نرمی اور گدازی اس وصف کے منافی نہیں جسے حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے کہ آپ کی ہتھیلیاں پر از گوشت تھیں۔ کیونکہ اس سے مراد ان کی قوت وطاقت ہے مگر اس کے باوجود نرم تھیں۔

امام طبرانی اور امام بزار نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''کسی سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مجھے اپنے پیچھے بٹھایا۔ میں نے کسی ایسی چیز کو نہ مس کیا جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جلد سے زیادہ نرم ہو''۔

غزوۂ حنین میں حضرت عائذ بن عمرو المزنی رضی اللہ عنہ کے چہرے پر زخم آیا۔ ان کے چہرے اور سینے پر خون بہنے لگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے دست اقدس سے ان چہرے اور سینے سے خون صاف کیا پھر ان کے لیے دعا کی۔ جہاں تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا دست عطا پھرا تھا وہاں تک سفید نشان پڑ گیا۔ جس طرح گھوڑے کا نشان ہوتا ہے۔ (حاکم، ابونعیم)

آپ کے دست اقدس کے معجزات اور برکات کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔

مبارک بغلیں

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بہت سی روایات آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بغلوں کے بارے مروی ہیں۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں مفہوم میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مبارک بغلوں کا رنگ سارے جسم اطہر کے رنگ کی طرح تھا۔ آپ کی بغلوں میں بال نہ تھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ آپ بغلوں میں بال رہنے ہی نہیں دیتے تھے۔ امام مسلم کی روایت میں ہے ''حتیٰ کہ ہم نے آپ کی بغلیں دیکھیں (جو خاکستری تھیں) ان روایات میں تناقض نہیں کیونکہ ''اعفر'' اس سفیدی کو کہتے ہیں جو بہت زیادہ روشن نہ ہو۔ ممکن ہے بغلیں اسی طرح ہوں کہ ان کی سفیدی دوسرے جسم کی سفیدی سے ذرا کم ہو۔ امام طبری نے روایت کیا ہے کہ ہر آدمی کی بغلوں کی رنگت متغیر ہوتی ہے۔ سوائے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی

بغلوں کی رنگت کے۔

الولی العراقی لکھتے ہیں ''احتمال کے ساتھ خصائص ثابت نہیں ہوتے۔ کئی اسباب سے یہ چیز ثابت نہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ وغیرہ کی روایت ''کہ آپ کی بغلیں سفید تھیں'' سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ کی بغلوں میں بال نہ ہوں۔ ممکن ہے آپ بال اکھیڑ دیتے ہوں۔ بعد میں وہ جگہ سفید نظر آتی ہو اگرچہ اس میں بالوں کے آثار باقی رہیں۔ حضرت عبداللہ بن ارقم الخزاعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''میں آپ کی بغلوں کی عفرہ رنگت کو دیکھتا تھا۔ عفرہ سے مراد ایسی سفیدی ہے جو روشن نہ ہو۔ اس سے عیاں ہے کہ بالوں کے اثرات وہاں باقی رہتے تھے۔ اگر اس جگہ بال نہ ہوتے تو اسے اعفر نہیں کہا جا سکتا تھا۔

البتہ ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک بغلوں سے ناپسندیدہ بو نہیں آتی تھی۔

علامہ زرقانی نے لکھا ہے ''کبھی کبھی حافظ ابن حجر کے اس قول کی دلالت بھی درست نہیں ہوتی کہ بغلوں کی سفیدی جسم کی سفیدی سے کم ہوتی ہے''۔

امام بزار نے بنو حریش کے ایک شخص سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اپنے ساتھ چمٹا لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک بغلوں کا پسینہ مجھ پر گرا۔ جس سے مشک کی خوشبو آ رہی تھی''۔

بطن اقدس، کمر مبارک

روایات میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بطن اقدس سینۂ اقدس کے ساتھ برابر تھا۔ کندھوں کی ہڈیاں موٹی اور مضبوط تھیں۔

ایک صحابی بیان کرتے ہیں ''ایک رات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جعرانہ سے عمرہ ادا کیا۔ میں نے کمر انور دیکھی تو مجھے چاندی کی ڈھلی لگی''۔

امام بخاری نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آپ کے کندھوں کے درمیان سینہ وسیع تھا۔ حضرت ابن سعد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سینۂ اقدس کشادہ تھا۔

قلب مبارک

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قلب مبارک کمال کے اس عروج پر ہے جو کسی اور کے لیے ثابت نہیں۔ اللہ رب العزت نے دلوں کو اس راز اور اخلاص کا مقام بنایا ہے جو رب تعالیٰ کا سر نہاں ہے جسے وہ اپنے بندوں میں سے جس کے دل میں چاہے ڈال دیتا ہے سب سے پہلا قلب مبارک رب تعالیٰ نے راز جس کے سپرد کیے وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہی قلب مبارک ہے۔ کیونکہ سب سے پہلے آپ ہی کی ذات تھی۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حسین صورت سارے انبیائے کرام علیہم السلام کے آخر میں ظاہر ہوئی۔ آپ اس نوری صورت کے اعتبار سے سب سے اول ہیں جسے رب تعالیٰ نے سارے انبیاء کرام علیہم السلام سے پہلے بنایا اور اس عالم میں سب سے آخر میں ظاہر کیا۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں۔ اللہ رب العزت نے دلوں کے اخلاق کو دلوں کے اسرار کی علامت بنایا ہے۔ جس کے دل میں راز الٰہی پایا گیا اس کے اخلاق بھی وسیع ہو گئے۔ وہ ساری مخلوق کے ساتھ اس کے

حسب حال نرمی اور گداز ی سے پیش آتا ہے حتیٰ کہ وہ ہر انسان کے ساتھ اسی حالت کے ساتھ ملتا ہے جو اس کے موافق ہوتی ہے حتیٰ کہ وہ عصیاں شعاروں کو معصیت سے اس چیز کی وضاحت کر کے روکتا ہے کہ اس میں ان کے لیے کیا فائدہ اور کیا نقصان ہے جیسے کہ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ (آل عمران: 159)

''اور اگر ہوتے آپ تند مزاج سخت دل تو یہ لوگ منتشر ہو جاتے آپ کے آس پاس سے''۔

اگر گناہ کو صرف شدید جھڑک سے فائدہ ہو یا سختی سے فائدہ ہو تو وہ اس پر سختی بھی کرتا ہے حتی کہ وہ گناہ گاروں پر حدود بھی قائم کرتا ہے۔ تاکہ وہ گناہوں سے باز آ جائیں۔ یہ بھی آپ کے اخلاق کی وسعت ہے۔ کیونکہ گناہ گاروں کے لیے نفع رساں چیز یہی ہے بلکہ کفار کے ساتھ آپ کا جہاد بھی وسعت خلق کی دلیل ہے۔ اسی لیے اللہ رب العزت نے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جسمانی خصوصیت کے ساتھ مختص فرمایا تاکہ یہ آپ کے نفس مبارک اور عظیم خلق کی دلیل بن جائیں اور یہ عظیم احوال اور اخلاق آپ کے مقدس اور مطہر دل کے راز پر دلالت کریں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قلب مبارک سارے دلوں سے زیادہ وسیع تھا۔ اسی عبد کامل کے دل کے متعلق رب تعالیٰ نے فرمایا ''میں نہ زمین میں نہ آسمان میں سما سکتا ہوں۔ میں صرف اپنے مومن بندے کے دل میں سما سکتا ہوں''۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ آپ کے دل میں مجھ پر ایمان لانے کی وجہ سے میری محبت اور معرفت سما گئی۔ جس شخص نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں حلول کر گیا تو یہ تو ان عیسائیوں سے بھی زیادہ کفر ہے جو اس کے ساتھ صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مختص کرتے ہیں۔

امام طبرانی نے حضرت ابو عتبہ الخولانی سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''ساکنان زمین میں سے کچھ ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے برتن ہیں۔ تمہارے رب تعالیٰ کے برتن اس کے پاکباز بندوں کے قلوب ہیں۔ اسے ان میں سے سب سے زیادہ پسندیدہ وہ ہے جو سب سے زیادہ رقیق اور نرم ہو''۔

معراج سے قبل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کی طرح لوگوں کے شرک، قرآن پاک کے متعلق کفار کے طعنوں اور ان کے مذاق سے تنگ دل ہوتے تھے۔ جیسا کہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ۝ (الحجر: 97)

''اور ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ کا دل تنگ ہوتا ہے ان باتوں سے جو وہ کیا کرتے ہیں''۔

جب رب تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لامکان کی سیر کرائی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بے پایاں قوت عطا کی۔ دل مبارک وسعت اختیار کر گیا۔ سینۂ اقدس کشادہ ہو گیا۔ یہ روایت بھی صحیح ہے کہ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے آپ کے قلب انور کو شق کیا۔ اس سے علقہ (گوشت کا ٹکڑا) باہر نکالا۔ پھر کہا ''یہ شیطان کا حصہ ہے''۔ یعنی اس جگہ سے شیطان لوگوں سے وسوسہ سازی کرتا ہے۔ پھر قلب انور کو ایک طشت میں دھو دیا۔ اس علقہ کو اس لیے آپ کی ذات کریمہ میں تخلیق کیا گیا کیونکہ یہ ان انسانی اجزاء میں سے تھا حکمت جس کا تقاضا کرتی تھی کہ انسان میں یہ موجود ہو۔ پھر اسے باہر نکال دیا گیا۔ خلق انسانی کے تکملہ کے طور پر

اسے تخلیق کیا گیا۔ پھر امر ربانی سے اسے نکال دیا گیا۔ تخلیق کے بعد اس کا نکالنا آپ کی شان والا اور منزل وقدر پر زیادہ دلالت کرتا ہے۔ اگر آپ کو اس کے بغیر پیدا کیا جاتا تو لوگ اس کی حقیقت سے آگاہ نہ ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے حضرت جبرائیل کے ہاتھوں ظاہر کیا تاکہ آپ کے باطن کا کمال متحقق ہو سکے۔ جس طرح کہ آپ کا ظاہر مکمل تھا۔ شق صدر چار بار ہوا (۱) بنو سعد میں حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے پاس۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک چار سال تھی (۲) دس سال کی عمر مبارک میں (۳) بعثت کے وقت (۴) معراج کے وقت۔ بعض سیرت نگاروں نے پانچویں بار بھی شق صدر کا تذکرہ کیا ہے۔ مگر یہ ثابت نہیں ہے۔ پہلی اور دوسری بار شق صدر اس لیے ہوا تھا تاکہ آپ کو قوت نصیب ہو جائے۔ آپ ایمان اور رحمت کی قوت پر پروان چڑھیں۔ تیسری بار شق صدر کا مقصد یہ تھا کہ وحی الٰہی کا بار گراں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھا سکیں۔ جب کہ چوتھی بار شق صدر کا مدعا یہ تھا کہ رب العزت شب معراج آسمان اور زمین کے جن عجائب کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشاہدہ کرائے آپ ان امور کا مشاہدہ کر سکیں۔ اللہ رب العزت کے اس فرمان میں شق صدر کی ان تمام اقسام کی طرف اشارہ ہے۔

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝۱ (الانشراح:1)

''کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ کشادہ نہیں کر دیا''۔

اگر آپ کا شرح صدر نہ ہوتا تو آپ تنگ سینہ ہوتے۔ اس حالت میں دل کو نہ اطاعت کی لذت اور نہ ہی اسلام کی حلاوت نصیب ہو سکتی ہے۔ ابتداء میں آپ کو دشمن جتنا بھی ستاتا آپ امن کی حالت میں رہتے۔ تنگی دور ہو گئی۔ انشراح صدر ہو گیا۔ سینۂ اقدس وسیع ہو گیا۔ ادائیگی عبودیت کا قیام آپ کے لیے آسان ہو گیا۔ اطاعت میں لذت اور ایمان کی حلاوت بھی ملی۔

اس جگہ ایک اور دقیق اور لطیف نکتہ ہے۔ وہ یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کی حکایت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ۝۲۵ (طٰہٰ:25)

''اے میرے پروردگار! کشادہ فرما دے میرے لیے میرا سینہ''۔

جب کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے فرمایا:

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝۱ (الانشرح:1)

''کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ کشادہ نہیں کر دیا''۔

آپ کو یہ نعمت سوال کے بغیر عطا کی گئی۔

استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام مرید تھے۔ اسی لیے انہوں نے عرض کی رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ۝۲۵ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد تھے۔ اس لیے رب تعالیٰ نے ان سے فرمایا اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝۱، مرید اور مراد کے مابین فرق عیاں ہے۔

وظیفۂ زوجیت کی قوت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گیارہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن تھیں۔ آپ دن یا رات کی ایک ہی ساعت میں ان سب کے ساتھ وظیفہ زوجیت ادا فرماتے۔ حضرت قتادہ بن دعامۃ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہا ''کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اتنی طاقت دی گئی تھی؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''ہم بیان کرتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تیس مردوں کی قوت عطا کی گئی ہے یا چالیس مردوں کی قوت عطا کی گئی ہے''۔ ابونعیم نے حضرت مجاہد سے روایت کیا ہے کہ ان مردوں سے مراد جنتی مرد ہیں۔ ابونعیم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''مجھے (اہل جنت کے) چالیس مردوں کے مطابق گرفت اور مجامعت کی قوت دی گئی ہے''۔

امام احمد اور امام حاکم نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''ایک جنتی شخص کو کھانے، پینے، جماع اور شہوت کی قوت سو افراد کے قوت کے برابر عطا کی جائے گی''۔ اگر ہم چالیس کو ایک سو سے ضرب دیں تو یہ چار ہزار بنتے ہیں۔ اس سے یہ اشکال بھی ختم ہو جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صرف چالیس افراد کی قوت وطاقت عطا کی گئی جب کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو ایک سو یا ایک ہزار افراد کی قوت وطاقت عطا کی گئی۔ یہ اشکال اس وقت ہے جب کہ اس سے مراد دنیاوی مرد ہوں حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے جو کچھ وارد ہے اسے دنیاوی مردوں کی طاقت اور قوت سمجھا جائے گا۔ کیونکہ روایت میں کسی ایسی چیز کا تذکرہ نہیں جو اس کی مخالفت کرے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوت وطاقت چالیس جنتی آدمیوں کی طاقت وقوت کے برابر سمجھا جائے گا۔ جس طرح کہ اس کی وضاحت موجود ہے۔ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی طاقت و قوت سے بہت زیادہ ہے اس طرح یہ اشکال دور ہو گیا۔

ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ازواج مطہرات کے ساتھ وظیفہ زوجیت کی طاقت بہت زیادہ تھی۔ حالانکہ کھانے میں قناعت تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر اوقات بہت کم کھاتے تھے۔ تاکہ رب تعالیٰ آپ میں دونوں فضیلتیں امور عادیہ کے مطابق جمع کر دے۔ جس طرح کہ امور شرعیہ میں آپ کے لیے دونوں فضیلتیں جمع ہیں۔ بعض ایسے امور ہیں جن میں امت مرحومہ بھی آپ کے ساتھ مشارکت رکھتی ہے۔ بعض امور شرعیہ صرف آپ کے ساتھ مختص ہیں۔ ان دونوں سے آپ کے قرب الٰہی میں اضافہ ہوتا ہے۔

ابن سعد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ہی رات میں نو ازواج مطہرات سے وظیفہ زوجیت ادا فرماتے تھے۔ مرسل روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''حضرت جبرائیل امین علیہ السلام میرے پاس ایک ہنڈیا لے کر آئے۔ میں نے اس میں سے کھایا تو مجھے چالیس جنتی مردوں کی قوت عطا کر دی گئی''۔ اس روایت کو ابونعیم اور امام دیلمی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے متصلاً روایت کیا ہے۔ اس روایت میں یہ تذکرہ نہیں کہ اس ہنڈیا میں کیا تھا۔

ابن سعد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے جبرائیل امین علیہ السلام سے قلت جماع کا تذکرہ کیا۔ جسے سن کر حضرت جبرائیل امین علیہ السلام تبسم کناں ہوئے۔ حتی کہ ان کے دانتوں کی روشنی سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محفل جگمگا اٹھی۔ انہوں

نے عرض کی ”آپ ہریسہ کیوں نہیں کھاتے اس میں چالیس مردوں کی قوت ہے“۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہریسہ تناول فرمایا۔ کیونکہ آپ کے نکاح میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن تعداد میں کافی تھیں۔ اگر آپ انہیں طلاق دے دیتے یا آپ کا وصال ہو جاتا تو کسی دوسرے مرد کے ساتھ ان کا نکاح حرام تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طلب قوت اس مفہوم کے اعتبار سے ہے نہ کہ تمتع اور تلذذ کے لیے۔ آپ کا قلب انور تو ایک لمحہ کے لیے بھی رب تعالیٰ کے علاوہ کسی اور چیز میں مشغول نہیں ہوتا تھا۔ جو شخص اپنی شہوت کو زائد کرنے کے حیلے بہانے کرتا ہے وہ اسی طرح ہے جس طرح کہ کسی شخص کو خونخوار درندوں اور چیرنے والے جانوروں کی آزمائش میں مبتلا ہونا پڑے۔ وہ جانور کچھ دیر کے لیے سو جائیں۔ پھر اس شخص پر یکبارگی حملہ آور ہو جائیں۔ پھر ان کے علاج اور اصلاح میں مشغول ہو جائے۔ کھانے اور جماع کی شہوت ایسے مصائب ہیں جن سے نجات حاصل کر لینی چاہیے۔

امام دارقطنی نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ”حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے مجھے ہریسہ کھلایا جس سے مجھے قوت ملی اور پشت مبارک مضبوط ہوگئی“۔

اس طرح کی روایات حضرت جابر بن سمرہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہیں مگر وہ درست نہیں ہیں۔ ابن جوزی نے انہیں موضوعات میں شامل کیا ہے۔ بلکہ حافظ ابن ناصر الدین نے صراحت کی ہے کہ یہ روایات موضوع ہیں۔ انہوں نے ان کے متعلق باقاعدہ ایک جزء لکھا ہے جس کا نام ”رفع الدسیسہ بوضع حدیث الھریسہ“ رکھا ہے۔ اللہ رب العزت نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو احتلام سے بھی محفوظ فرمایا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ کبھی بھی کسی نبی کو احتلام نہیں ہوا کیونکہ احتلام شیطان کی وجہ سے ہوتا ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام پر شیطان کو تسلط نہیں ہوتا۔

قدم مبارک

حضرت علی المرتضیٰ، حضرت ہند بن ابی ہالہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدمین شریفین کی انگلیوں پر گوشت تھا۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک ایڑیوں پر گوشت کم تھا۔ حضرت میمونہ بنت کردم رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ”میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے بہرہ ور ہوئی۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سبابہ انگلی کی دیگر انگلیوں پر طوالت بھولی نہیں۔ اس روایت کو اس معنی پر محمول کیا جائے گا جو لوگوں میں مشہور ہے کہ آپ کی سبابہ انگلی مبارک وسطی سے طویل تھی۔ بعض لوگوں کو یہ وہم ہوا ہے کہ آپ کے ہاتھوں کی مبارک انگلیوں کی یہ کیفیت تھی۔ حافظ ابن حجر سے جب یہی سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا ”یہ غلط مشہور ہے۔ یہ صورت حال آپ کے پاؤں مبارک کی پاکیزہ انگلیوں میں تھی“۔

حضرت عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدمین شریفین نوع انسانی کے قدموں سے خوبصورت ترین تھے“۔

قد مبارک

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سراپا جمال و کرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ طویل قامت تھے نہ ہی دراز قد بلکہ طول قامت کے قریب تر تھے۔ امام بیہقی اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ طویل قامت تھے نہ ہی کوتاہ قد۔

حضرت عبداللہ بن امام احمد رحمۃ اللہ علیہما نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طویل القامت نہ تھے۔ درمیانہ قد سے قدرے طویل تھے۔ جب آپ کسی قوم کے ہمراہ تشریف لاتے تو طوالت میں ہر ایک سے بلند نظر آتے۔

امام بزار نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قد مبارک میانہ تھا، طوالت کے قریب تر تھا''۔ امام ترمذی نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ قد مبارک نہ بہت طویل اور نہ ہی کوتاہ تھا بلکہ درمیانہ تھا۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس دراز قد کے ساتھ چل رہے ہوتے تو آپ کا قد مبارک اس سے دراز نظر آتا۔ اگر آپ دو طویل قامت افراد کے ساتھ ہوتے تو آپ کی قامت زیبا دونوں سے طویل نظر آتی''۔ یہ رب تعالیٰ کا آپ پر کرم و فضل تھا۔ تاکہ ظاہری صورت میں بھی کوئی آپ سے زائد نہ ہو سکے جب وہ افراد جدا ہوتے تو قامت مبارکہ پھر میانہ ہو جاتی۔ اس طوالت کے بارے اختلاف ہے کہ کیا اس وقت رب تعالیٰ حقیقت میں طول پیدا فرما دیتا تھا۔ اس کا بھی کوئی مانع نہیں یا صرف دیکھنے والوں کو قد کی درازی نظر آتی تھی۔ جب کہ جسد اطہر اپنی اصل تخلیق میں رہتا تھا۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَ اِذْ یُرِیْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَیْتُمْ فِیْۤ اَعْیُنِكُمْ قَلِیْلًا وَّ یُقَلِّلُكُمْ فِیْۤ اَعْیُنِهِمْ (الانفال: 44)

''اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے دکھایا تمہیں لشکر کفار۔ جب تمہارا مقابلہ ہوا تمہاری نگاہوں میں قلیل اور قلیل کر دیا تمہیں ان کی نظروں میں''۔

امام زرقانی نے لکھا ہے۔ دوسرا موقف صحیح ہے۔ تاکہ کوئی شخص آپ سے صورت کے اعتبار سے بڑھ کر نہ ہو سکے۔ جس طرح کوئی معنی کے اعتبار سے آپ سے بڑھ کر نہیں۔ یہ دیکھنے والے کے لیے ارتفاع معنوی کی مثل تھا۔ وہ اسے رفعت حسیہ کی طرح دیکھتا یہ بھی آپ کے معجزات میں سے ہے۔

ابن سبع نے خصائص میں لکھا ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہیں تشریف فرما ہوتے تو آپ کے شانے مبارک پوری محفل سے بلند ہوتے۔ اس میں یہی حکمت کارفرما ہے تاکہ کوئی صورت میں بھی آپ سے نہ بڑھ سکے۔ حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا ہے کہ آپ کی تخلیق معتدل تھی۔ اعضاء مبارکہ ایک دوسرے کے ساتھ مضبوطی کے ساتھ پیوست تھے جسم اطہر ڈھیلا نہ تھا۔

گیسوئے پاک

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا ''میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

گیسوئے پاک کیسے تھے؟ انہوں نے فرمایا ''زلف معنبر نہ گھنگھریالی تھیں۔ نہ بالکل سیدھی۔ بلکہ ان کے مابین تھیں''۔ علامہ زمخشری نے لکھا ہے ''اہل عرب کے بال غالباً گھنگھریالے اور اہل عجم کے بال غالباً سیدھے ہوتے تھے۔ رب تعالیٰ نے مختلف لوگوں کے مختلف شمائل اور فضائل اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جمع کر دیئے۔ سر اقدس کی زلفیں مبارک شانوں تک ہوتی تھیں۔ دوسری روایت کے مطابق کانوں کے نصف تک ہوتی تھیں۔ دونوں روایتوں کو یوں جمع کرنا ممکن ہے کہ کبھی گیسوئے معنبر نصف کانوں تک اور کبھی مبارک شانوں تک ہوتے تھے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ کبھی بال مبارک کندھوں تک اور کبھی کانوں کی لو تک ہوتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گیسوئے پاک کو لٹکاتے تھے جب کہ مشرکین اپنے بالوں کی مانگ نکالتے تھے۔ اہل کتاب بھی اپنے بال لٹکاتے تھے۔ جس معاملہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم الٰہی نہ ہوتا تو آپ تالیف قلبی کے لیے اس میں اہل کتاب کی موافقت کرتے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مانگ نکالنے لگے۔ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے ''ابتدائے اسلام میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے امر میں اہل کتاب کی موافقت کرتے تھے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ بیت المقدس کی طرف رخ انور کر کے نماز پڑھتے تھے۔ تاکہ ان کی تالیف قلبی ہو اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیغام کو ہمہ تن گوش ہو کر سنیں۔ جب ان پر بدبختی غالب آگئی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت سے امور میں ان کی مخالفت کرنے لگے۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ یہود اور نصاریٰ (بالوں کو) رنگتے نہیں تم ان کی مخالفت کرو''۔

امام ابوداؤد نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گیسوئے معنبر میں کنگھی کیا کرتی تھی۔ علمائے کرام نے فرمایا ہے ''مانگ نکالنا سنت ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی طرف رجوع فرمایا تھا''۔ صحیح موقف یہ ہے کہ بال لٹکانا اور مانگ نکالنا دونوں جائز ہیں۔ لیکن مانگ نکالنا افضل ہے۔ امام ترمذی نے حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ فتح مکہ کے روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے ہاں جلوہ افروز ہوئے۔ آپ کے گیسوئے پاک کی چار مینڈیاں تھیں۔

شرح المصابیح میں ہے کہ ہجرت کے سالوں میں سوائے عام الحدیبیہ کے آپ نے اپنے بال منڈوائے نہیں۔ پھر قضائے عمرہ میں، پھر حجۃ الوداع میں اپنے بال مبارک منڈوائے۔ ان اوقات کے اعتبار سے ہی آپ کی مبارک زلفوں کے چھوٹے یا بڑے ہونے کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ سب سے چھوٹے بال حجۃ الوداع کے بعد تھے کیونکہ اس کے تین ماہ بعد آپ وصال فرما گئے۔

داڑھی مبارک کے بال سیاہ اور بہت حسین تھے۔ امام مسلم نے حضرت ابن سیرین رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا ''میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا ''کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خضاب استعمال فرماتے تھے؟ انہوں نے فرمایا ''ابھی خضاب لگانے کی نوبت آئی ہی نہیں تھی۔ آپ کی داڑھی مبارک میں چند بال مبارک ہی سفید تھے''۔ دوسری روایت کے مطابق انہوں نے فرمایا ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک زلفوں میں سے سفید بال بہت کم تھے۔ اگر تم چاہو تو میں تمہیں گن کر بتا

سکتا ہوں''۔ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کی ریش مبارک اور سر اقدس میں صرف سترہ یا اٹھارہ یا بیس بال مبارک سفید تھے۔

اللہ رب العزت نے آپ کی زلفوں کو سفید نہ ہونے دیا۔ کیونکہ عورتیں بڑھاپے کو ناپسند کرتی ہیں۔ جو نبی کریم ﷺ کی کسی چیز کو ناپسند کرے وہ کافر ہو جاتا ہے۔ اللہ رب العزت نے ان پر رحم فرمایا اور آپ ﷺ کے گیسوئے پاک کو سفید نہ ہونے دیا نیز اس میں عہد شباب کی رونق کا اختتام بھی ہوتا ہے۔ آدمی کو ان عمر رسیدہ افراد کے ساتھ ملانا جن میں بڑھاپا عیاں ہو اس کی قوت کی کمزوری پر دلالت کرتا ہے۔ اس سے عہد جوانی کی قوت اور چستی کے اختتام پر بھی اشارہ ملتا ہے۔ بڑھاپے پر عیب جوئی کا اطلاق انہیں اعتبارات پر محمول کیا جائے گا۔ یہ اس امر کے منافی نہیں کہ یہ وقار اور نور ہے۔

ابن عساکر نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ بڑھاپا نورانی پوشاک ہے۔ یہ پوشاک نور اسلام نے پہنائی ہے۔ امام دیلمی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے جو شخص جان بوجھ کر سفید بال اکھیڑے گا وہ روز حشر نیزہ بن کر اسے زخم لگائے گا۔

ابن سعد نے روایت کیا ہے کہ ایک نائی آپ ﷺ کی مبارک مونچھیں کاٹنے لگا تو اسے ریش مبارک میں سفید بال نظر آئے۔ اس نے ان کی طرف ہاتھ بڑھایا تو حضور سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے ہاتھ کو روک لیا۔ آپ نے فرمایا ''جو اسلام میں بڑھاپے کو پہنچا تو یہ روز حشر ان کے لیے نور ہوگا''۔

امام بیہقی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا ہے ''کہ بڑھاپا مومن کے لیے نور ہے۔ جو شخص بھی اسلام میں بوڑھا ہوگا اسے ہر سفید بال کے عوض نیکی ملے گی اس کا ایک درجہ بلند ہوگا''۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے اس فرمان کہ ابھی حضور اکرم ﷺ کو گیسوئے پاک پر خضاب لگانے کی نوبت نہیں آئی تھی کہ آپ کا وصال ہو گیا۔ اس سے عیاں ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی ریش مبارک کو بھی خضاب نہیں لگایا۔ صحیحین نے جو روایت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے لخت جگر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے وہ اس کے معارض نہیں۔ کہ انہوں نے حضور ﷺ کو زرد رنگ میں رنگتے دیکھا۔ اسے کپڑوں کو رنگنے پر محمول کیا جائے گا جیسا کہ سنن ابی داؤد میں ہے کہ حضور ﷺ ورس اور زعفران سے رنگتے تھے حتیٰ کہ اپنے مبارک عمامہ پر بھی رنگ چڑھاتے تھے۔ بعض علماء کرام نے اس روایت کو اپنے محمول پر رکھا ہے۔ اور کہا کہ آپ اپنے بالوں کو بھی خضاب لگاتے تھے انہوں نے اس روایت سے استدلال کیا ہے جو سنن میں ہے کہ حضور ﷺ مذکورہ دونوں چیزوں سے اپنی ریش مبارک بھی رنگتے تھے۔ اس روایت کا جواب دیا گیا ہے کہ ممکن ہے کہ آپ ﷺ خوشبو کے لیے انہیں استعمال فرماتے ہوں نہ کہ رنگنے کے لیے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ علماء کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ کیا آپ نے اپنے سفید بالوں کو خضاب لگایا یا نہیں۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اکثر علماء نے اس کا انکار کیا ہے جس طرح کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے انکار فرمایا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی نقطہ نظر ہے۔ انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی روایت کو کپڑے رنگنے پر محمول کیا ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ پسندیدہ موقف یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حقیقت میں زلف پاک کو خضاب لگایا۔ کیونکہ تاویل کرنا اصل کے خلاف ہے۔ لیکن شاید آپ نے ایسا کبھی کبھار ہی کیا ہو۔ اکثر اوقات اسے ترک فرمادیا ہو۔ ہر صحابی نے وہی کچھ بتایا جو اس نے دیکھا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تیل استعمال فرماتے تو آپ کے سفید بال نظر نہیں آتے تھے کیونکہ وہ جدا جدا تھے۔ آپ کی ریش مبارک کے بال کثیرہ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے سر اقدس میں تیل استعمال فرماتے تھے اور ریش مبارک کو پانی لگا کر کنگھی کرتے تھے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینۂ اقدس اور ناف کے مابین بالوں کا خط ملا ہوا تھا۔ حضرت ہند بن ابی ہالہ سے بھی اسی طرح روایت ہے۔ اس کے علاوہ کلائیوں، مبارک شانوں اور سینۂ اقدس کے اوپر والے حصہ پر بال تھے۔

امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی۔ حجام آپ کے بال کاٹ رہا تھا۔ صحابہ کرام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارد گرد سرگرداں تھے۔ وہ یمن و برکت حاصل کرنے کے لیے بال مبارک لے رہے تھے''۔ روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نسک کے علاوہ اپنے بال نہیں منڈھوائے۔ آپ کی اقتداء میں سر پر بال رکھنا اور انہیں نہ منڈوانا سنت ہے۔ المواہب میں ہے جو علم کے باوجود اس کا انکار کرے۔ اس کو تادیب سکھانا ضروری ہے۔ حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے کہا میں نے حضرت عبیدہ سلمانی سے کہا ''ہمارے پاس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موئے مبارک ہیں۔ جو ہمیں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی طرف سے ملے ہیں''۔ انہوں نے فرمایا ''اگر میرے پاس موئے مبارک ہوتا تو یہ مجھے دنیا و مافیہا سے محبوب ہوتا''۔

چال مبارک

حضرت علی المرتضیٰ، شیر خدا رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب چلتے تو آگے کی طرف ذرا جھک کر چلتے گویا کہ آپ بلند جگہ سے نیچے اتر رہے ہوں۔ یعنی آپ کی چال مبارک میں نہ تکبر تھا نہ تصنع۔ (ترمذی)

امام بزار نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قدم مبارک رکھتے تو پورا قدم مبارک رکھتے۔ امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا ''میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ حسین ہو۔ گویا کہ آفتاب آپ کے چہرۂ انور میں رواں تھا۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تیز رفتار کسی کو نہیں دیکھا۔ گویا کہ زمین آپ کے لیے لپٹی جارہی ہوتی۔ ہم بڑی کوشش سے چل رہے ہوتے۔ مگر آپ بغیر جدوجہد کے رواں ہوتے۔ آرام وسکون سے چل رہے ہوتے۔ آپ وہ مسافت بڑے سکون واطمینان سے طے کر لیتے جو ہم بڑی مشکل سے طے کر سکتے''۔

ابن سعد نے حضرت یزید بن مرثد سے روایت کیا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چلتے تو تیز رفتاری سے چلتے۔ اگر آدمی پیچھے سے دوڑ کر جاتا پھر بھی آپ کو پکڑ نہیں سکتا تھا۔

علامہ زمخشری نے لکھا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ رب العزت کے اس فرمان پر عمل کیا۔

وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ (لقمان:19)

''اور درمیانہ روی اختیار کر اپنی رفتار میں''۔

یعنی نہ تو کمزوروں اور ناتواں کی مانند آہستہ آہستہ چلتے اور نہ ہی متکبرین کی مانند چھلانگیں لگاتے۔ روایت ہے کہ جب آپ چلتے تو اعضاء کی قوت اور مضبوطی کے ساتھ چلتے۔ چال میں ڈھیلا پن یا لڑکھڑاہٹ نہ ہوتی تھی۔ ابن عساکر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسی چال چلتے جس سے علم ہو جاتا کہ آپ عاجز اور سست نہیں ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے آگے آگے چلتے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پیچھے ہوتے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ''میرے پیچھے ملائکہ کے لیے جگہ چھوڑ دو''۔

سورج کی دھوپ اور چاند کی چاندنی میں آپ کا سایہ نہیں ہوتا تھا۔ کیونکہ آپ نور تھے۔ یہ روایت حکیم ترمذی نے حضرت زکوان رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے۔

ابن مبارک اور ابن جوزی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور سراپا نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ نہ تھا۔ اگر آپ سورج کی دھوپ میں کھڑے ہوتے تو آپ کی نورانیت دھوپ سے زیادہ ہوتی۔ اگر چراغ کی روشنی میں کھڑے ہوتے تو آپ کی نورانیت چراغ کی روشنی پر غالب ہوتی۔

ابن سبع نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نور تھے۔ جب آپ دھوپ یا چاندنی میں چلتے تو آپ کا سایہ نہیں ہوتا تھا۔ کیونکہ نور کا سایہ نہیں ہوتا۔ اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ آپ اپنی دعا میں عرض کرتے ''اللھم اجعلنی نورا''، مولا! مجھے سراپا نور بنا دے۔

چہرۂ اقدس کی رنگت

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیہ مبارک بیان کرنے والے جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور کی رنگت سفید تھی۔ ان میں حضرات ابوبکر صدیق، عمر فاروق، علی المرتضیٰ، ابن عمر، ابن عباس، ابن ابی ہالہ، امام حسن بن علی، طفیل بن واثلہ، ابن مسعود، براء بن عازب، ام المومنین عائشہ صدیقہ اور انس رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ ان سے مروی روایات صحیحین میں مذکور ہیں۔

بعض روایات میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رنگت سفید تھی اور اس میں ملاحت تھی۔ بعض میں ہے کہ چہرۂ انور سفید اور اس میں ملاحت تھی۔ حضرت ابوالطفیل کی روایت میں ہے۔ انہوں نے کہا ''میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور کی سفید رنگت اور گیسوئے پاک کی شدید سیاہی بھولا تو نہیں''۔ حضرت ابوطالب کا شعر ہے

وابیض یستسقی الغمام بوجھہ ثمال الیتامی عصمۃ للا رامل

یہ سفید رنگت والے ہیں۔ ان کے چہرۂ انور کے طفیل بادل طلب کیے جاتے ہیں۔ یہ یتیموں کے نگہبان اور بیواؤں کی عصمت کے محافظ ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رنگت سفید تھی۔ جس میں سرخی کی آمیزش

تھی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رنگت سفید تھی۔ گویا کہ آپ کو چاندی سے ڈھالا گیا ہے۔ رنگت کی سفیدی انوار و تجلیات اور اجالے کی وجہ سے رنگت کو چاندی سے تشبیہ دی گئی ہے۔ یہ اس امر کے منافی نہیں کہ سفیدی میں سرخی کی آمیزش ہو۔

حضرت انس سے مروی روایت میں ہے ''ازھر اللون''، اس کا معنی بھی یہی ہے کہ سفید رنگ میں سرخی کی آمیزش تھی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ ''ازھر اللون'' تھے۔ چونے کی مانند سفید رنگت نہ تھی نہ ہی گندم گو تھے۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں ''متفرق احادیث کو جمع کرنے سے عیاں ہوتا ہے کہ رنگت نہ تو بہت زیادہ سفید تھی نہ ہی بہت زیادہ گندم گو، بلکہ سفیدی میں سرخی کی آمیزش تھی۔ اہل عرب گندم گو شخص پر بھی اس کا اطلاق کرتے تھے۔ اس لیے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی بعض روایات میں ہے کہ آپ کی رنگت گندم گو تھی۔ اس سے بھی یہی مراد ہے کہ ایسی سفیدی جس میں تھوڑی سی سرخی کی آمیزش ہو۔

شفاء شریف میں ہے کہ جس نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رنگت کالی تھی۔ اسے قتل کر دیا جائے گا۔

آپ کا پسینہ، خون اور فضلات کی پاکیزہ خوشبو

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصف یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہمہ وقت پاکیزہ اور عمدہ خوشبو آتی رہتی تھی۔ اگرچہ آپ نے خوشبو نہ لگائی ہوتی۔ ابن مردویہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معراج پر تشریف لے گئے تو آپ سے اس طرح خوشبو آتی تھی جس طرح دلہنوں سے خوشبو آتی ہے۔ بلکہ وہ خوشبو دلہنوں کی خوشبو سے بھی عمدہ تر اور بہتر تھی۔

اس سے مراد یہ ہے کہ معراج کے بعد آپ کی اس خوشبو میں اضافہ ہو گیا۔ یہ اس روایت کے منافی نہیں کہ آپ سے ولادت کے وقت سے لے کر ہی عمدہ خوشبو آتی تھی۔ جس طرح کہ ابونعیم اور خطیب نے روایت کیا ہے کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ''جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت ہوئی تو میں نے آپ کو دیکھا تو آپ ماہ کامل کی طرح تھے آپ سے مشک اذفر کی خوشبو آ رہی تھی''۔

امام احمد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''میں نے آج تک کوئی ایسا مشک اور عنبر نہیں سونگھا جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشبو سے زیادہ خوشگوار اور بہتر ہو۔

امام بخاری اور امام مسلم کی روایت میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں نے آج تک ایسا مشک اور عنبر نہیں سونگھا جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشبو سے عمدہ خوشبو رکھتا ہو۔ اللہ رب العزت نے بعض حیوانات کو بھی کچھ محاسن عطا فرمائے ہیں۔ جن میں سے بعض کا تعلق سونگھنے کے ساتھ ہے جس طرح ہرن میں مشک اور زباد کی خوشبو۔ لازم تھا کہ رب تعالیٰ اشرف الخلق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بھی ایسی خوشبو تخلیق کر دیتا جو ان خوشبوؤں سے فزوں تر ہوتی۔

امام ترمذی نے روایت کیا ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے کوئی مشک اور عطر نہیں سونگھا جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک پسینہ سے عمدہ خوشبو رکھتا ہو۔

ابویعلی اور طبرانی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوا۔ اس نے عرض کی یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے اپنی نور نظر کی شادی کرنی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ بھی کسی چیز کے ساتھ میری مدد کریں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اس وقت تو میرے پاس کچھ نہیں۔ البتہ کل میرے پاس کھلے منہ والی شیشی لے کر آ جانا اور درخت کی ٹہنی بھی لے کر آنا۔ میرے اور تیرے مابین نشانی یہ ہے کہ میں اس دروازہ کے پاس اپنے صحابہ کرام میں گھرا ہوا ہوں گا''۔ دوسرا روز آیا تو وہ شخص حاضر خدمت ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی مبارک کلائیوں سے پسینہ نکال نکال کر اس شیشی میں ڈالنے لگے۔ حتی کہ وہ شیشی بھر گئی۔ پھر اسے فرمایا ''یہ لے جاؤ۔ اپنی نور نظر سے کہنا کہ اس تنکے کو اس شیشی میں ڈال کر یہ پاکیزہ خوشبو استعمال کرے''۔ جب وہ بچی یہ مبارک خوشبو استعمال کرتی تو سارے اہل مدینہ اس خوشبو کو سونگھ لیتے۔ انہوں نے اس گھرانے کا نام بیت المطیبین رکھ دیا۔

امام دارمی، امام بیہقی اور امام ابونعیم نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کئی خصوصیات تھیں۔ ان میں ایک خصوصیت یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس راستہ سے گزرتے تو بعد میں آنے والے آپ کی خوشبو سے جان لیتا تھا کہ اس رستہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گزرے ہیں۔ آپ جس پتھر کے پاس سے گزرتے وہ آپ کو سجدہ کرتا۔ کسی شاعر نے کیا عمدہ کہا ہے۔

ولو ان رکبا یموک لعادھم نسیمک حتی یستدل به الرکب

اگر کوئی قافلہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارادہ کرے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشبو ہی اس کی قیادت کرے وہ کارواں اسی کو اپنا راہ نما بنا لے۔

ابویعلی اور بزار نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ کی کسی گلی سے گزرتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس گلی سے آپ کی خوشبو سونگھ لیتے۔ وہ کہتے ''حضور پاک اس راستے سے گزرے ہیں'' بعض عارفین نے کہا ''زندہ پاکیزہ دل سے عمدہ خوشبو آتی ہے۔ جس طرح کہ مردہ اور خبیث دل سے بدبو آتی ہے۔ کیونکہ قلب و روح کا تعلق جسم سے ظاہری حصہ سے زیادہ اس کے باطنی حصہ سے ہوتا ہے۔ پسینہ جسم کے اندر سے نکلتا ہے۔ پاکیزہ نفس اپنی خوشبو کو تقویت دیتا ہے۔ اپنے پسینے کی خوشبو پھیلاتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ سارے جسم پر پھیل جاتی ہے۔ خبیث نفس اس کے برعکس ہے''۔ شاعر کتنی عمدہ غمازی کی ہے۔

یروح علی غیر الطریق التی غدا علیها فلا ینهی علاۃ نهاته

تنفسه فی الوقت انفاس عطرۃ فمن طیبه طابت له طرقاته

تروح له الاروح حیث تنسمت له سحر من حبه نسماته

آپ شام کے وقت اس رستہ کے علاوہ کسی اور راہ پر تشریف لے گئے جہاں صبح تشریف لے گئے تھے۔ آپ کی رفعتوں کی تو کوئی حد ہے ہی نہیں۔ آپ کی مبارک سانسیں ہمہ وقت عطر بیز ہیں۔ آپ کی وجہ سے راستوں کے مشام جاں بھی معطر

ہیں۔ ارواح کو آپ کی وجہ سے سکون نصیب ہوتا ہے۔ آپ کی سانسیں آپ کی محبت کا اثر طاری کر دیتی ہیں۔

ابن عساکر، ابونعیم اور خطیب نے حسن سند کے ساتھ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا میں بیٹھی سوت کات رہی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے نعلین مبارک درست فرما رہے تھے۔ آپ کی جبین انور سے پسینے کے قطرات نکلنے لگے۔ پھر ان قطرات سے نور نکلنے لگا۔ جسے دیکھ کر میں ششدر رہ گئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے فرمایا ششدر کیوں ہوگئی ہو؟ میں نے عرض کی "آپ کی طلعت زیبا سے پسینے کے قطرات بہنے لگے۔ پھر ان سے نور نکلنے لگا۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابوبکر الہذلی دیکھ لیتا تو اسے یقین ہو جاتا کہ اس کے ان اشعار کے مستحق صرف آپ ہی ہیں۔

و مبرا من كل غبر حيضة و فساد مرضعة وداء مغيل

وہ حیض کے گرد و غبار والے کپڑے سے، دودھ پلانے والی کے فساد سے اور حاسد کی مرض سے پاک ہے۔

اذا نظرت الى اسرة وجهه برقت بروق العارض المتهلل

تو آپ کے چہرہ انور کی طرف دیکھے گا تو تجھے وہاں موسلا دھار برسنے والے بادل کی بجلیاں نظر آئیں گی۔

علامہ زرقانی نے شرح المواہب میں اتنا ہی تحریر کیا ہے۔ لیکن شفاء کی شرح الشہاب الخفاجی میں ہے کہ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ سماعت فرما کر کھڑے ہو گئے اور میری آنکھوں کے مابین بوسہ دیا اور فرمایا "میں اتنا کبھی مسرور نہیں ہوا جتنا اس سے مسرور ہوا ہوں"۔

ابونعیم نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ انور سارے لوگوں سے حسین تھا۔ نور و تجلیات کا عالم یہ تھا کہ ہر واصف اسے ماہ تمام کے ساتھ تشبیہ دیتا۔ روئے زیبا پر پسینے کے قطرات موتیوں کی طرح ہوتے اور ان سے مشک اذفر سے عمدہ تر خوشبو آتی"۔

امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے ہاں جلوہ افروز ہوئے۔ دوپہر کے وقت آپ استراحت فرما ہو گئے اور آپ کو پسینہ آنے لگا۔ میری امی جان حضرت ام سلیم بنت ملحان رضی اللہ عنہا ایک شیشی لے کر حاضر خدمت ہوئیں۔ وہ پسینہ اکٹھا کر کے اس شیشی میں ڈالنے لگیں"۔ حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے "یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے رضاعت کے اعتبار سے محرم تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیدار ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ام سلیم! کیا کر رہی ہو؟ انہوں نے عرض کی "یہ آپ کا مبارک پسینہ ہے۔ جسے ہم اپنی خوشبو میں ملا لیں گے۔ وہ ساری خوشبوؤں سے بہترین خوشبو بن جائے گی"۔

دوسری روایت کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے گھر جلوہ افروز ہوتے تھے۔ ایک دفعہ آپ وہاں تشریف لے گئے۔ مگر وہ گھر میں موجود نہ تھیں۔ آپ ان کی چٹائی پر محو استراحت ہو گئے۔ جب وہ گھر آئیں تو انہیں بتایا گیا کہ تمہارے گھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رونق افروز ہیں۔ آپ چٹائی پر محو استراحت ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پسینہ مبارک چٹائی پر جمع ہو چکا تھا۔ انہوں نے وہ پسینہ جمع کر کے ایک شیشی میں ڈالنا شروع کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیدار ہو گئے۔ آپ نے فرمایا "ام سلیم کیا

رہی ہو؟ انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم اسے اپنے بچوں کے حصول برکت کے لیے استعمال کریں گے" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تم نے عمدہ کام کیا ہے"۔ دوسری روایت کے مطابق وہ عرض گزار ہوئیں "میں اس مبارک پسینہ کو اپنی خوشبو میں ملاؤں گی"۔

امام ابونعیم نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دست اقدس ریشم سے بھی زیادہ نرم تھا۔ دست ہدایت بخش کسی عطار کا ہاتھ لگتا تھا۔ جس نے ہمہ وقت خوشبو آتی رہتی تھی۔ خواہ آپ خوشبو استعمال کرتے یا نہ کرتے۔ اگر کوئی مصافحہ کرنے والا آپ سے مصافحہ کرتا تو اسے سارا دن اپنے ہاتھوں سے خوشبو آتی رہتی۔ یہ آپ کا معجزہ ہے۔ رب تعالیٰ نے جس کے ساتھ آپ کو مختص فرمایا ہے۔ اگر آپ کسی بچے کے سر پر دست اقدس رکھ دیتے وہ اپنی خوشبو کی وجہ سے دوسرے بچوں سے ممتاز ہو جاتا۔

امام طبرانی نے حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "اگر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مصافحہ کرتا یا میری جلد آپ کی مبارک جلد کے ساتھ مس کرتی تو اس کے بعد میرے ہاتھوں سے خوشبو آتی رہتی۔ یہ خوشبو مشک اذفر سے زیادہ عمدہ ہوتی تھی"۔

الشفاء اور المواہب میں ہے کہ جب حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیشاب کرنے کا ارادہ فرماتے تو زمین پھٹ جاتی۔ وہ آپ کے پیشاب اور براز کو نگل جاتی۔ اس جگہ سے عمدہ خوشبو آنے لگتی۔ کوئی اس پر کبھی بھی آگاہ نہیں ہوسکا کہ آپ سے کیا نکلتا تھا۔ یہ روایت اس روایت کے منافی نہیں جسے حاکم، دارقطنی، طبرانی اور ابونعیم نے حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کے وقت اٹھے۔ اس برتن کی طرف گئے جسے کاشانہ اقدس کی ایک سمت رکھا ہوا تھا اس میں پیشاب کیا۔ میں رات کے وقت اٹھی۔ مجھے بہت پیاس لگی تھی۔ میں اس برتن میں جو کچھ تھا پی گئی۔ اس کی عمدہ خوشبو کی وجہ سے مجھے یہ محسوس نہ ہوا کہ یہ پیشاب ہے۔ صبح کے وقت ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ام ایمن! اٹھو اور اس برتن میں جو کچھ ہے باہر انڈیل دو"۔ میں نے عرض کیا "بخدا! جو کچھ اس برتن میں تھا۔ میں نے وہ پی لیا ہے"۔ یہ سن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرانے لگے حتیٰ کہ آپ کے دندان مبارک نظر آئے۔ پھر فرمایا "بخدا! آج کے بعد تمہیں پیٹ کا مرض لاحق نہ ہوگا"۔

عبدالرزاق، ابوداؤد نے حضرت امیمہ بنت بجاد بن عبداللہ التمیمی سے روایت کیا ہے ان کی والدہ کا نام رقیہ تھا یہ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں۔ حضرت خاتون جنت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خالہ تھیں۔ حضرت امیمہ رضی اللہ عنہا کا شمار صحابیات میں ہوتا ہے۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت کرنے کا شرف بھی حاصل کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے لکڑی کا ایک پیالہ ہوتا تھا۔ جسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چارپائی کے نیچے رکھا جاتا تھا۔ ایک دن آپ آئے تو پیالہ خالی تھا آپ نے حضرت برکتہ سے پوچھا۔ حضرت برکتہ حضرت ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی خدمت کرتی تھیں۔ یہ حبشہ سے ان کے ساتھ آئیں تھیں۔ آپ نے ان سے پوچھا "وہ پیشاب کہاں ہے جو اس پیالے میں تھا؟ انہوں نے عرض کی "میں نے اسے پی لیا ہے"۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ام یوسف! رب تعالیٰ نے اسے تمہارے لیے صحت بنا دیا ہے" اس کے بعد انہیں کوئی مرض لاحق نہ ہوا۔ انہیں

صرف وہی بیماری لگی جس میں ان کا وصال ہو گیا۔

حضرت ابن دحیہ نے فرمایا ہے یہ دونوں علیحدہ علیحدہ واقعات ہیں۔ ایک واقعہ حضرت ام ایمن کے ساتھ اور دوسرا واقعہ حضرت ام یوسف کے ساتھ پیش آیا۔ المواہب میں ہے یہ بات واضح ہے کہ حضرت ام یوسف اور تھیں اور حضرت ام ایمن اور تھیں۔ کیونکہ حضرت ام یوسف حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی خدمت پر مامور تھیں۔ ان کے ہمراہ حبشہ سے آئیں تھیں۔ جب کہ حضرت ام ایمن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لونڈی تھیں۔

علامہ قاضی عیاض اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہما نے لکھا ہے ''عورت نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیشاب پی لیا تھا'' یہ روایت صحیح ہے۔ اس میں اس امر پر دلالت ہے کہ آپ کا پیشاب پاک ہے۔ اس طرح آپ کے سارے فضلات پاک ہیں۔ یہ حدیث پاک اس قیاس کے لیے کافی ہے کہ آپ کے سارے فضلات پاک ہیں۔ اسی طرح وہ روایت بھی ہے جس میں یہ تذکرہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے آپ کا خون مبارک نوش جاں کیا تھا۔

ابن سعد نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ بیت الخلاء میں تشریف لے جاتے ہیں۔ ہمیں آپ کے اثرات (بول و براز) نظر نہیں آتے''۔ آپ نے فرمایا: عائشہ! کیا تمہیں علم نہیں کہ جو کچھ انبیائے کرام علیہم السلام کے اندر سے نکلتا ہے۔ زمین اسے نگل جاتی ہے۔ اس میں کسی کو کچھ نظر نہیں آتا۔

ابن سبع نے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''میں نے سفر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت اختیار کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قضائے حاجت فرمائی۔ میں نے جستجو کی۔ میں اس جگہ داخل ہوا جس جگہ آپ نے قضائے حاجت فرمائی تھی۔ میں نے وہاں پیشاب اور براز کے اثرات نہ دیکھے میں نے اس جگہ تین پتھر دیکھے۔ میں نے انہیں پکڑا ان سے عمدہ اور خوشگوار خوشبو مشام جاں کو معطر کر رہی تھی۔

بزار، الطبرانی، بیہقی اور ابو نعیم نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پچھنے لگوائے۔ پھر خون عطا فرمایا اور فرمایا ''عبداللہ! یہ لے جاؤ اور اسے کہیں غائب کر دو''۔ دوسری روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''یہ خون لے جاؤ اور اسے اس جگہ چھپا دو جس جگہ اسے کوئی نہ دیکھے''۔ میں چلا گیا۔ لہو مبارک نوش جاں کر لیا۔ پھر بارگاہ رسالت میں حاضر ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا ''خون مبارک کا کیا کیا؟ میں نے عرض کی ''میں نے اسے غائب کر دیا ہے''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''شاید تو نے اسے پی لیا ہے''۔ میں نے عرض کی ''میں نے پی لیا ہے''۔

دوسری روایت میں ہے ''میں نے عرض کی ''میں نے اسے پوشیدہ ترین جگہ پر رکھا ہے'' میرا گمان ہے کہ یہ لوگوں سے مخفی رہے گا''۔ آپ نے فرمایا ''شاید تو نے اسے پی لیا ہے''۔ میں نے عرض کی ''ہاں، میں نے پی لیا ہے''۔ آپ نے فرمایا ''لوگوں سے تمہارے لیے حسرت اور تم سے لوگوں کے لیے حسرت ہے''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ اشارہ اس محاصرہ، اذیت، قتل اور پھانسی کی طرف فرمایا تھا۔ یہ ساری تکالیف حجاج کے ہاتھوں انہیں برداشت کرنی پڑیں۔ لوگوں کے لیے تم سے حسرت ہے۔ اس فقرہ سے آپ ان جنگوں، مکہ مکرمہ کا محاصرہ اور وہاں قتل عام کی طرف اشارہ کیا۔ جو اذیتیں ان کی والدہ ماجدہ اور اہل خانہ کو

برداشت کرنی پڑیں۔ پھر ان کے قاتلوں کو جو گناہ عظیم ملا اور کعبہ مقدسہ کا جو نقصان ہوا یہ ان سارے امور کی طرف اشارہ تھا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خون مبارک ہی تھا جس نے ان کے دل کو تقویت دی حتیٰ کہ ان کی شجاعت میں اضافہ ہو گیا اور ہمت اتنی بلند ہوئی کہ غیر کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیا جو امارت کا بھی مستحق نہ تھا چہ جائیکہ خلافت کا مستحق ہو۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا "تم نے خون کیوں پیا؟ انہوں نے عرض کی "مجھے علم تھا کہ آپ کے خون مبارک کو آتش جہنم نہیں چھو سکتی۔ اس لیے میں نے خون مبارک پی لیا تھا"۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سر پر دست اقدس پھیرا اور فرمایا "اب تمہیں جہنم کی آگ نہیں چھو سکتی"۔

روایت ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے خون مبارک پی لیا تو ان کے منہ سے مشک کی خوشبو آنے لگی۔ وہ خوشبو ان کے منہ سے لگاتار آتی رہی۔ حتیٰ کہ انہیں شہید کرنے کے بعد تختہ دار پر لٹکا دیا گیا۔ یہ 73ھ کا واقعہ ہے۔ وہ مکہ مکرمہ کی مسند خلافت پر نو سال تشریف فرما رہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے "حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ عبدالملک اور مروان سے زیادہ خلافت کے مستحق تھے"۔

زبیر بن بکار نے روایت کیا ہے کہ جب حضرت عبداللہ کی ولادت باسعادت ہوئی تو انہوں نے فرمایا ھو ھو۔ ان کی آواز آپ کی والدہ ماجدہ نے بھی سن لی وہ شیر مبارک پلانے سے رک گئیں۔ آواز آئی انہیں اپنا شیر مبارک پلاؤ۔ خواہ اپنی آنکھوں کے پانی کے ساتھ، یہ دانا ہیں، زیرک ہیں، کپڑوں میں پوشیدہ بھیڑیے کے سامنے، یہ بیت اللہ سے روکیں گے اور اس کے پاس قتل کریں گے"۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ غیب کی خبر دی تھی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد 65ھ میں ان کی بیعت کی گئی۔ اہل حجاز، اہل یمن اور اہل عراق اور اہل خراسان نے ان کی اطاعت کی۔ یہ لوگوں کو آٹھ سال تک حج کراتے رہے حتیٰ کہ ان کے اور عبدالملک مروان کے مابین فتنہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے حجاج کو ان کی طرف بھیجا۔ اس نے چھ ماہ اور سترہ ایام ان کا محاصرہ کیے رکھا حتیٰ کہ ان کے ساتھ کوئی بھی باقی نہ رہا۔ یہ تنہا ہی لڑنے لگے حتیٰ کہ 73ھ میں شہید کر دیئے گئے اس وقت ان کی عمر بہتر سال اور کچھ دن تھی۔

امام شعبی نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے کہا گیا۔ "آپ نے خون مبارک کا ذائقہ کیسا پایا۔ انہوں نے فرمایا "ذائقہ شہد کے ذائقہ کی طرح اور خوشبو مشک کی خوشبو کی طرح تھی"۔ اس کا تعلق اجسام کی تبدیلی کے ساتھ ہے۔ یہ بھی آپ کا معجزہ ہے۔

ابن حبان نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قریش کے کسی غلام نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پچھنے لگائے جب وہ پچھنے لگانے سے فارغ ہوا تو اس نے خون مبارک لیا۔ پس وہ دیوار کے پیچھے چلا گیا، دائیں بائیں دیکھا، کسی کو نہ پایا تو خون مبارک پی گیا۔ پھر بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے چہرہ کی طرف دیکھ کر فرمایا: تو نے کیا کیا ہے؟ اس نے عرض کی میں نے خون مبارک کو اپنے پیٹ میں غائب کر دیا ہے"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "چلا جا تو نے اپنے

نفس کو آگ سے بچا لیا ہے''۔ ممکن ہے کہ اس طرح کا واقعہ کئی دفعہ ظہور پذیر ہوا ہو۔

سنن سعید بن منصور میں ہے۔ حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ جو حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ کے والد ماجد تھے۔ جب غزوۂ احد میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رخ انور زخمی ہوا تو انہوں نے زخم پر لب رکھ کر خون مبارک چوس لیا۔ پھر اسے نگل گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''جو کسی جنتی شخص کو دیکھنا چاہے تو اس بلند اقبال آدمی کو دیکھ لے''۔ یہ غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کی صداقت عیاں ہوگئی کہ وہ اہل جنت میں سے ہیں۔ دوسری روایت میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جسے اس شخص کی طرف دیکھنا خوش کر دے جس کے خون کے ساتھ میرا خون مل گیا ہو تو وہ مالک بن سنان کی طرف دیکھ لے''۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیشاب کرتے وقت پردہ کا خاص اہتمام فرماتے تھے۔ یہ آپ کی پردہ پوشی اور حسن ادب ہے۔ جس پر ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے ''میں نے کبھی بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شرم گاہ نہیں دیکھی''۔

(ابن ماجہ، ترمذی)

حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وصیت فرمائی کہ میرے علاوہ کوئی اور آپ کو غسل نہ دے۔ کیونکہ جو بھی آپ کی شرم گاہ دیکھے گا اس کی نظر جاتی رہے گی''۔

امام حاکم اور ابو عوانہ نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے۔ انہوں نے فرمایا ''جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نزول وحی کا سلسلہ شروع ہوا اس وقت سے آپ نے کھڑے ہو کر پیشاب نہیں کیا''۔ دوسری روایت کے مطابق انہوں نے فرمایا ''جو شخص تم سے یہ کہے کہ حضور اکرم کھڑے ہو کر پیشاب کرتے تھے اس کی تصدیق نہ کرو''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف بیٹھ کر پیشاب کرتے تھے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جو کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ عادت تھی۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے منقول صحیح روایت اس کے منافی نہیں۔ انہوں نے فرمایا ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قوم کے کوڑا کرکٹ پر تشریف لائے اور کھڑے ہو کر پیشاب کیا''۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے بیان جواز کے لیے تھا۔ یا اس کوڑا کرکٹ میں ایسی کوئی جگہ نہ تھی جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھ کر پیشاب کرتے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حالت کا مشاہدہ نہیں کیا''۔ میں نے وہی بیان کیا ہے جو آپ کے پوشیدہ احوال اور دائمی عادت کے متعلق جانتی تھی۔ امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہما نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا سبب بھی لکھا ہے کہ اہل عرب کھڑے ہو کر پیشاب اس لیے کرتے تھے تاکہ ان کی کمر کا درد ختم ہو جائے۔ شاید حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اس جگہ درد ہو۔

امام بیہقی اور امام حاکم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس لیے کھڑے ہو کر پیشاب کیا کیونکہ آپ کے زانو کے اندرونی حصہ میں درد تھا۔ اس درد کی وجہ سے آپ بیٹھ نہیں سکتے تھے۔ جب آپ بیت الخلاء جانے کا ارادہ کرتے تو یہ دعا مانگتے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ

''مولا! میں مذکر شیاطین اور مونث شیاطین کی تجھ سے پناہ مانگتا ہوں''۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اظہار بندگی کے لیے یہ پناہ مانگتے تھے ورنہ آپ دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کی طرح شیاطین سے محفوظ تھے۔ آپ امت کو سکھانے کے لیے یہ دعا باآواز بلند پڑھتے تھے۔ جب آپ قضائے حاجت کا ارادہ فرماتے۔ تو اس وقت تک کپڑا نہ اٹھاتے حتیٰ کہ آپ زمین کے قریب ہو جاتے۔ جب بیت الخلاء سے باہر نکلتے تو یہ دعا مانگتے۔

غُفْرَانَكَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنِّی الْاَذٰی وَعَافَانِیْ مِنْهُ

''مولا! میں تجھ سے مغفرت طلب کرتا ہوں۔ ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے مجھ سے اذیت دور کی اور مجھے اس سے عافیت بخشی''۔

آپ فرماتے تھے: جب تم میں سے کوئی پیشاب کرے تو قبلہ کی طرف منہ نہ کرے۔ نہ ہی اس کی طرف پشت کرے بیت الخلاء جانے کے دیگر آداب معروف و مشہور ہیں۔ ان کے تذکرہ کی ضرورت نہیں۔

اخلاق حسنہ، اوصاف زکیہ

اللہ رب العزت نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جن اخلاق زکیہ اور اوصاف مرضیہ سے نوازا ہے وہ بھی آپ کے معجزات ہی ہیں۔ مثلاً خلقت کا کمال، صورت طیبہ کا جمال، قوت عقل، صحت فہم، زبان کی فصاحت، حواس اور اعضاء کی قوت اور حرکات وسکنات کا اعتدال۔ اسی طرح اللہ رب العزت نے اپنے حبیب لبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کمال علم، حلم، صبر، شکر، زہد، عدل، تواضع، عضو، عفت، جود، شجاعت، حیا، مروت، خاموشی، محبت اور وقار سے آراستہ فرمایا۔ اسی طرح رحمت، حسن ادب اور معاشرت وغیرہ ان اخلاق حمیدہ سے مزین فرمایا جن کے مجموعہ کو حسن خلق کہا جاتا ہے۔ آپ کی ذات والا ان تمام اخلاق کریمانہ سے متصف تھی جب ہم کسی ایسے شخص کو پاتے ہیں جو ان میں سے کسی ایک یا دو صفتوں سے متصف ہو تو ہم پاتے ہیں کہ اس شخص کی قدر کی جاتی ہے۔ اس کی ضرب الامثال دی جاتی ہیں۔ وہ وصف دل میں عزت واحترام پیدا کر دیتا ہے۔ جس طرح کہ حاتم کی سخاوت، کسریٰ کا عدل، حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی فصاحت، عنتر کی شجاعت۔ لوگوں نے کہا'' حاتم سے زیادہ سخی، کسریٰ سے زیادہ انصاف کرنے والا، حضرت حسان سے زیادہ فصیح، عنتر سے زیادہ شجاع۔ اس عظیم ہستی پاک کے بارے تمہارا کیا گمان ہے جس میں یہ ساری صفات حمیدہ جمع ہوں۔ جن کا حد وشمار نہ ہو۔ جن کی تہ تک رسائی کسی کی ممکن نہ ہو انہیں نہ کسب سے اور نہ ہی کسی حیلہ سے حاصل کیا جا سکے۔ وہ صرف اور صرف کبیر متعال رب تعالیٰ کے فضل وکرم کی وجہ سے ہو جس نے بھی آپ کے اخلاق حمیدہ اور صفات زکیہ میں غور وفکر کیا اس کو اس حقیقت کا علم ہو گیا کہ آپ ساری صفات کمال کو محیط ہیں۔ سارے محاسن کا آپ نے گھیراؤ کر رکھا ہے۔ اس کے متعلق یہ اندیشہ نہیں کہ ان روایات کو ثقہ افراد نے ہی نقل کیا ہو بلکہ وہ روایات تو حد تواتر تک پہنچ چکی ہیں۔ جن میں وہی نامراد ہی شک کر سکتا ہے جو گمراہی اور ضلالت کے سمندر میں غرق ہو۔ تمہارے لیے رب تعالیٰ کے یہ فرامین کافی ہیں۔

وَاِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ۝ (القلم: 4)

''اور بے شک آپ عظیم الشان خلق کے مالک ہیں''۔

وَ عَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾ (النساء:113)

''اور سکھا دیا آپ کو جو کچھ بھی آپ نہیں جانتے تھے اور اللہ تعالیٰ کا آپ پر فضل عظیم ہے''۔

عقل، حلم اور ذکاء کی فراوانی

اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سارے لوگوں سے زیادہ دانا، زیرک اور عقل مند تھے۔ جو شخص اس امر میں غور وفکر کرے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخلوق کے باطن اور ظاہر کو کس طرح مزین فرمایا تو اسے آپ کی عقل و دانش کی قوت میں ذرہ بھر بھی شک نہیں رہے گا۔ اللہ رب العزت نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جس طرح مخلوق کے ظاہری احوال پر مطلع فرمایا تھا اس طرح اس کے مخفی حالات سے بھی آگاہ فرمایا تھا۔ حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ظاہر و باطن کی اصلاح کر دی۔ بہترین چیز کی طرف ان کی راہ نمائی فرمائی۔ آپ سارے انسانوں کو رب تعالیٰ کی طرف دعوت دینے کے لیے مبعوث ہوئے تھے۔ یہ ان کی ظاہری اور باطنی اصلاح سے ہی ممکن تھا۔ اس کا انحصار ان کے ظاہری اور باطنی احوال کے جاننے پر موقوف ہے۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام اپنی امت کے ظاہری احکام دیکھتے تھے۔ حضرت خضر علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے امر کے باطن کا علم عطا فرمایا تھا۔ وہ اسے دیکھتے تھے جب کہ ہمارے نبی کریم، رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کو رب عظیم نے ظاہر اور باطن کا علم عطا فرما دیا۔ آپ مخلوق کے ظاہر اور باطن کو یکساں طور پر دیکھ لیتے۔ ہر شخص کے ظاہر یا باطن کی رعایت کرتے ہوئے اس کے حال کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ فرماتے۔ آپ مخلوق کے احوال کے اختلاف کی بناء پر امور کی تدبیر فرماتے۔ اگر اکھڑ اور اجڈ اعرابی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ساتھ بھی نرمی فرماتے۔ اس کے امور کی بھی تدبیر فرماتے حتیٰ کہ وہ تھوڑے عرصہ میں حکمت سے لبریز گفتگو کرنے لگتا۔ اہل عرب منتشر جانوروں کی طرح تھے۔ آپ نے ان کے امور کی تدبیر فرمائی۔ ان کے ستم برداشت کیے۔ ان کی اذیتوں پر صبر کیا حتیٰ کہ انہوں نے آپ کے حضور سر تسلیم خم کر دیا۔ آپ کے پاس جمع ہو گئے آپ کے ساتھ مل کر اپنے اہل خانہ، آباء اور فرزندوں سے جنگ کی۔ آپ کو اپنے نفسوں پر ترجیح دی۔ آپ کی رضا کے حصول کے لیے انہوں نے اپنے وطن کو خیر آباد کہا۔ محبوب ہستیوں کو چھوڑا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر انسان کو اس کی عقل کے مطابق مخاطب فرماتے۔ اور اس کے حال کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ کرتے۔ یہ ساری دانشمندی اور دانائی اس لیے نہیں تھی کہ آپ نے کسی سے کچھ پڑھا تھا۔ یہ کسی مطالعہ یا کتب بینی کی وجہ سے نہیں تھا جو شخص ان سارے امور میں غور وخوض کرے گا اس کے لیے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سارے جہانوں سے زیادہ دانا اور زیرک تھے۔

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ''میں نے بہتر الہامی کتب کو پڑھا۔ ان سب میں میں نے یہی پڑھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عقل، دانائی میں سب سے بڑھ کر رائے و مشورہ میں سب سے افضل تھے''۔

دوسری روایت میں ہے میں نے ان سب کتب میں یہی پایا ہے کہ جب سے یہ دنیا بنی ہے اس وقت سے لے کر اختتام

دنیا تک رب تعالیٰ نے مخلوق کو جو بھی عقل و دانش دی وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عقل کے مقابلہ میں اس طرح ہے جس طرح دنیا کے سارے ریگستانوں کے مقابلہ میں ریت کا ایک ذرہ۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عقل و دانائی کا یہ عالم تھا تو اخلاق کریمہ کی وسعت کا عالم کیا ہوگا۔ اسی لیے حلم، قدرت کے باوجود عفو اور ناپسندہ امور پر آپ کا صبر آپ کے اخلاق کریمانہ سے ہی ہے۔

پیکر صبر جمیل

کفار حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ معرکہ آزما رہے۔ مگر آپ انہیں بھی معاف فرماتے رہے۔ حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان سے بہت زیادہ اذیتیں برداشت کرنا پڑی تھیں۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دندان مبارک شہید کیے۔ غزوۂ احد میں چہرۂ انور زخمی کیا۔ حتیٰ کہ خون مبارک روئے زیبا پر بہنے لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خون مبارک کو کپڑے سے جذب کرتے رہے اور فرمایا ''اگر خون مبارک زمین پر گر گیا تو مشرکین پر آسمان سے عذاب نازل ہو جائے گا۔ یہ منظر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بڑا شاق گزرا۔ انہوں نے عرض کی ''کاش! آپ ان کے لیے بددعا کریں''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''مجھے لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا بلکہ مجھے داعی اور سراپا رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے''۔ آپ نے یہ دعا مانگی۔

''مولا! میری قوم کو معاف کر دے وہ کچھ نہیں جانتے''۔ دوسری روایت کے مطابق یہ دعا کی ''مولا! میری قوم کو ہدایات عطا فرما''، پہلی دعا سے بھی مراد یہی ہے کیونکہ مغفرت ہدایت کے بعد ہی ہوتی ہے۔ مغفرت کے لیے دعا ان کے لیے ہدایت کی دعا کو متضمن ہے۔

''الشفاء'' میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت پناہ میں عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میرے ماں باپ آپ پر فدا! حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے لیے بددعا کی رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴿۲۶﴾ (نوح) اے میرے رب نہ چھوڑ روئے زمین پر کافروں میں سے کسی کو بستا ہوا۔

اگر آپ بھی ہمارے لیے بددعا فرما دیتے تو ہمارا آخری شخص بھی ہلاک ہو جاتا۔ آپ کی کمر انور کو روندھا گیا۔ آپ کے چہرۂ انور کو زخمی کیا گیا۔ دندان مبارک زخمی کیے گئے۔ مگر آپ نے منہ مبارک سے بھلائی کا کلمہ ہی نکالا۔ آپ نے عرض کی ''مولا! میری قوم کو ہدایت نصیب فرما۔ یہ کچھ نہیں جانتے''۔

یہاں ایک نکتہ کی بات بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلم اور عفو صرف ان امور میں اس طرح تھا جن کا تعلق آپ کی ذات کریمانہ کے ساتھ تھا۔ جب رب تعالیٰ کی حرمات کو چاک کیا جاتا تو آپ انتہائی غصہ میں آ جاتے۔ اس لیے جب مشرکین نے خندق کے روز آپ کو نماز پڑھنے سے روک دیا تو آپ نے یہ بددعا کی ''مولا! ان کے پیٹوں کو آگ سے بھر دے''۔ دوسری روایت میں ہے ''مولا! ان کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھر دے''۔ نماز دین کا ستون ہے۔ آپ نے اسے مخلوق پر ترجیح دی جس نے آپ کو نماز پڑھنے سے روکا اس کے لیے بددعا کی۔ لیکن چہرۂ انور کے زخمی ہونے کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ یہ آپ کا حق تھا اس لیے آپ نے معاف کر دیا۔ مصیبتوں پر صبر نفس کا جہاد اکبر ہے۔ اللہ رب العزت نے نفس کو تخلیق فرمایا۔ اس نے اس میں یہ خاصیت بھی تخلیق فرمائی کہ مصیبت میں اسے دکھ ہوتا ہے۔ کفار اور مشرکین آپ کو بہت زیادہ اذیتیں دیتے

تھے۔ مگر آپ صبر فرماتے، عفو و درگزر سے کام لیتے۔ جب کہ یہ آپ کی ذات کریمانہ کے متعلق ہوتا۔ کیونکہ آپ صبر کرنے والوں اور درگزر کرنے والوں کو ملنے والے ثواب سے آگاہ تھے۔ اگر یہ معاملہ رب تعالیٰ کے متعلق ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس میں شدت فرماتے۔ کیونکہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔

یَآ اَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِیْنَ وَ اغْلُظْ عَلَیْهِمْ (التحریم:9)

''اے نبی! کفار اور منافقین سے جہاد جاری رکھو اور ان پر سختی کرو''۔

حلم مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

قدرت ہوتے ہوئے معاف کر دینا۔ امام طبرانی، ابن حبان، حاکم اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ زید بن سعنہ ان یہودی علماء میں سے ایک تھے جنہیں اسلام کے آفتاب جہانتاب سے اجالا نصیب ہوا۔ زید نے کہا ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا روئے تاباں دیکھ کر میں وہ ساری علامات جان گیا جن کا تذکرہ تورات میں تھا سوائے دو صفات کے۔ مجھے ان پر آگہی نہ ہو سکی۔ ان اوصاف میں سے ایک یہ صفت تھی۔ ان کا حلم جہل سے سبقت لے جائے گا (۲) جہل کی شدت ان کے حلم میں اضافہ کرے گی۔ میں حیلہ کر کے یہ بھید معلوم کرنے کے لیے کوشاں ہو گیا۔ میں نے چاہا کہ آپ کے ساتھ ملوں اور آپ کے حلم اور جہل کا پتہ لگاؤں۔ میں نے مدت مقررہ تک آپ سے ادھار کھجوریں خریدیں۔ ابونعیم کی روایت میں ہے کہ زید نے حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی مثقال سونا دے کر مقررہ مقدار میں کھجوریں مقررہ مدت تک خرید لیں۔ زید نے کہا ''مقررہ مدت سے ایک یا دو دن قبل ہی میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ میں نے قمیص اور ردائے مبارک کو زور سے پکڑا اور غصیلے چہرے سے آپ کی طرف دیکھا''، پھر کہا ''محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیا آپ مجھے میرا حق ادا نہیں کریں گے۔ بنو عبد المطلب! بخدا! تم لین دین میں ٹال مٹول سے کام لیتے ہو''۔

ابونعیم کی روایت ہے ''حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے زید کو دیکھا۔ اس کی آنکھیں آپ کے چہرۂ انور پر اس طرح گھوم رہی تھیں جس طرح فلک گھومتا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''اے دشمن خدا! کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اس طرح گستاخانہ باتیں کرتا ہے اور یہ سفاکانہ سلوک کرتا ہے۔ اگر مجھے مسلمانوں اور تمہاری قوم کے مابین صلح کا پاس نہ ہوتا تو تمہارا سر اس تلوار سے قلم کر دیتا''۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عمر فاروق کی طرف سکون اور محبت سے دیکھ رہے تھے۔ آپ تبسم ریز ہوئے۔ پھر فرمایا ''عمر! میں اور زید تم سے کسی اور سلوک کے مستحق تھے۔ تم مجھے حسن ادائیگی کے لیے کہتے اور اسے حسن تقاضا کے لیے کہتے''۔ پھر فرمایا ''مدت مقررہ میں تین ایام باقی ہیں''۔ فرمایا ''عمر! اسے لے جاؤ اس کا حق اسے دو۔ اور تم نے جو اسے ڈرایا ہے اس کے عوض بیس صاع کھجوریں مزید دے دینا''۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسی طرح کیا۔ زید نے کہا ''عمر! میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روئے تاباں کو دیکھ کر آپ کی نبوت کی ساری علامات جان چکا تھا۔ سوائے دو کے۔ مجھے ان سے آگاہی نہ ہو سکی۔ وہ دونوں صفات یہ تھیں ❶ ان کا حلم جہل سے سبقت لے جائے گا ❷ جہل کی شدت ان کے حلم میں اضافہ ہی کرے گی۔ میں نے یہ دونوں صفات دیکھ لیں ہیں۔ عمر! گواہ بن جاؤ۔ میں اللہ تعالیٰ کے رب ہونے اسلام کے دین برحق ہونے اور محمد مصطفیٰ

علیہ التحیۃ والثناء کے نبی برحق ہونے پر راضی ہوں"۔

دوسری روایت میں ہے حضرت زید نے کہا "عمر! جو رویہ تم نے میری طرف سے دیکھا ہے مجھے صرف اس امر نے ابھارا کہ میں آپ کی حلم کی صفت کا مشاہدہ کرنا چاہتا تھا جس کا تذکرہ تورات میں ہے۔ میں نے آج اس کا مشاہدہ کرلیا ہے۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح تورات میں مذکور ہے۔ میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ یہ کھجوریں اور میرے مال کا نصف فقراء مسلمانوں کے لیے وقف ہے"۔ حضرت زید اور ان کے سارے اہل خانہ ایمان لے آئے سوائے ایک بوڑھے کے جس پر بدبختی غالب تھی۔

امام ابوداؤد اور امام بیہقی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا "ایک روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے ساتھ محو گفتگو تھے۔ پھر آپ اٹھ کھڑے ہوئے۔ ہم بھی آپ کے ساتھ اٹھے۔ ہم نے ایک بدو دیکھا۔ اس نے آپ کو پکڑ لیا۔ چادر مبارک اتنی کھینچی کہ مبارک گردن سرخ ہوگئی۔ وہ چادر کھردری تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس اعرابی کی طرف توجہ فرما ہوئے۔ اس نے کہا "جو مال آپ کے پاس ہے۔ اس میں سے کچھ میرے ان دو اونٹوں پر لاد دو۔ آپ نہ اپنا مال مجھے دے رہے ہیں نہ اپنے والد کا مال" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "نہیں! استغفر اللہ۔ نہیں استغفر اللہ! نہیں استغفر اللہ!"۔

دوسری روایت میں ہے "یہ مال اللہ تعالیٰ کا مال ہے۔ میں اس کا بندہ ہوں۔ میں اس کے حکم کے مطابق اس میں تصرف کرتا ہوں۔ وہ مجھے جسے دینے کا حکم دیتا ہے میں اسے دے دیتا ہوں"۔ پھر فرمایا "میں یہ مال اس وقت تک تمہیں نہیں دوں گا جب تک تم مجھے اس تکلیف کا بدلہ نہ دو جو مجھے پہنچائی ہے"۔ اعرابی نے کہا "نہیں! بخدا ہرگز نہیں۔ میں اس کا بدلہ نہیں دوں گا"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا "کیوں؟ اس بدو نے عرض کی "اس لیے کہ آپ برائی کا بدلہ برائی کے ساتھ نہیں دیتے"۔ یہ جواب سن کر آپ مسکرانے لگے۔

آپ اس کے اطمینان قلب کے لیے اور اس کا حسن ظن دیکھ کر مسکرائے تھے۔ اس کی تنقیص شان کے لیے نہیں مسکرائے تھے۔ اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ وہ شخص مسلمان تھا منافق نہیں تھا۔ مگر اس میں جنگلی جفا تھی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو بلایا۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو یاد فرمایا اور فرمایا "اس شخص کے ایک اونٹ پر کھجور اور دوسرے پر جو لاد دو"۔

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رواں دواں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نجرانی چادر زیب بدن کررکھی تھی۔ جس کا حاشیہ بڑا سخت تھا۔ ایک اعرابی نے وہ چادر پکڑی اور اسے زور سے کھینچا۔ میں نے آپ کی گردن مبارک کی جلد کو دیکھا اس میں چادر کے حاشیہ کے نشانات پڑ چکے تھے۔

امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ وہ ردائے مبارک پھٹ گئی۔ اس کا کنارہ گردن مبارک میں لگ گیا۔ اس نے کہا "محمد (عربی فداہ روحی وابی وامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جو مال آپ کے پاس ہے اس میں میرے لیے بھی حکم دیں"۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بدو کی طرف توجہ کی۔ تبسم فرمایا۔ پھر اسے کچھ عطا کرنے کا حکم دے دیا۔ ممکن یہ واقعہ وہی ہو جو اوپر مذکور ہے یا اس کے علاوہ کوئی اور واقعہ ہو۔

امام ترمذی نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ ان سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلق کے متعلق سوال کیا گیا۔ انہوں نے فرمایا ''آپ نہ طبعاً فحش گو تھے نہ تکلفاً فحش گوئی کرتے تھے برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے تھے۔ بلکہ معاف اور درگزر فرماتے''۔ اسی طرح کی روایت حضرت انس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔

امام حاکم وغیرہ نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی مسلمان کا نام لے کر لعنت نہیں کی۔ اپنے ہاتھ سے کسی کو نہیں مارا۔ سوائے جہاد کرنے کے۔ کسی سوال کے جواب میں ''نہیں'' نہیں فرمایا۔ مگر یہ کہ وہ سوال کسی گناہ کے متعلق ہو۔ اپنے نفس کے لیے کسی سے کبھی انتقام نہیں لیا۔ مگر جب حرمات الٰہیہ کی خلاف ورزی کی جاتی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ضرور انتقام لیتے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حرمات الٰہیہ کی خلاف ورزی کی جاتی تو غصہ میں سارے لوگوں سے زیادہ شدید ہو جاتے اللہ رب العزت نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق فرمایا ہے۔

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِیْمٍ ﴿۴﴾ (القلم)

''اور بے شک آپ عظیم الشان خلق کے مالک ہیں''۔

بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۲۸﴾ (توبہ)

''مومنوں کے ساتھ بڑی مہربانی فرمانے والا بہت رحم فرمانے والا ہے''۔

لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ (آل عمران: 159)

''اگر ہوتے آپ تند مزاج سخت دل تو یہ لوگ منتشر ہو جاتے آپ کے آس پاس سے''۔

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ (حم السجدہ: 34)

''برائی کا تدارک اس (نیکی) سے کرو جو بہتر ہے''۔

ایک اعرابی بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوا۔ وہ فصاحت کا دھنی تھا دل کا بھی قوی تھا۔ اس نے حکمت آموز اشعار کہے تھے۔ اس کا گمان تھا کہ اس طرح کی حکمت سے بھرپور اشعار اور کوئی نہیں کہہ سکتا۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی، غور سے سنیں میں آپ کو وصیت کرتا ہوں پھر یہ اشعار پڑھے:

فحی ذوی الاضغان تسلی نفو سھم   تحیتك الحسنی فقد ترفع الثقل

فان ھتفوا بالقول فاعف تکرما   وان خنسوا عنك الکلام فلا تسل

فان الذی یوذیك منه استماعه   کان الذی قالوا راءك لم یقل

جو تم سے کینہ رکھتے ہیں انہیں سلام کہو۔ ان کے نفوس مطمئن ہو جائیں گے۔ تمہارا مبارک سلام ان کا بوجھ اٹھا دے گا اگر وہ طعنہ زنی کریں تو کرم کرتے ہوئے انہیں معاف کر دو۔ اگر وہ تم سے نازیبا بات کریں تو انہیں نہ پوچھو۔ بلاشبہ وہ بات جس کا سننا تجھے ناگوار گزرتا ہے گویا کہ وہ بات جو انہوں نے تمہارے پیچھے کی ہے وہ کی ہی نہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں یہ آیت طیبہ پڑھی:

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَ بَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ﴿۳۴﴾ وَ مَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا ۚ وَ مَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ﴿۳۵﴾ (حم السجدہ)

"برائی کا تدارک اس (نیکی) سے کرو جو بہتر ہے۔ پس ناگہاں وہ شخص تیرے درمیان اور اس کے درمیان عداوت ہے یوں بن جائے گا گویا تمہارا انجانی دوست ہے اور نہیں توفیق دی جاتی (خصائل حمیدہ) کی بجز ان کے جو صبر کرتے ہیں اور نہیں توفیق دی جاتی ان کی مگر بڑے خوش نصیب کو"۔

یہ دلنشین کلام سن کر اعرابی نے کہا "یہ کسی بشر کا کلام تو نہیں"۔ یہی آیت طیبہ اس کے اسلام لانے کا سبب بن گئی۔ اس سے آپ کے حلم، عفو اور صبر کا کمال عیاں ہوتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ منافق مرد تعداد میں تین سو اور منافق عورتیں ایک سو ستر تھیں۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عدم موجودگی میں اذیت ناک باتیں کرتے اور جب آپ موجود ہوتے تو وہ چاپلوسی کرتے۔ نفوس بشریہ اس چیز سے نفرت کرتے ہیں حتیٰ کہ عنایت ربانیہ اس کی نصرت فرمادے۔ جب بھی منافقین پر سختی کرنے کی اجازت مانگی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے رحمت کے دروازے کھول دیے کیونکہ آپ رحمۃ للعالمین تھے۔ آپ ان کے لیے مغفرت طلب کرتے۔ ان کے لیے دعائیں مانگتے۔ حتی کہ رب تعالیٰ نے اس آیت طیبہ کا نزول فرمایا۔

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ (التوبہ:80)

"آپ بخشش طلب کریں ان کے لیے یا نہ کریں"۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "مجھے میرے رب نے اختیار دیا ہے۔ اس نے مجھے فرمایا ہے کہ میں اگر ستر دفعہ بھی ان کے لیے استغفار کروں گا وہ پھر بھی انہیں معاف نہیں کرے گا۔ میں ان کے لیے ستر سے زائد مرتبہ مغفرت طلب کروں گا"۔ دوسری روایت میں ہے میں ان کے لیے ستر، ستر اور ستر دفعہ مغفرت طلب کروں گا۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت طیبہ نازل کردی۔

سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ لَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ (المنافقون:6)

"یکساں ہے ان کے لیے کہ آپ طلب مغفرت کریں ان کے لیے یا طلب مغفرت نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ہرگز نہ بخشے گا انہیں"۔

پھر آپ نے منافقین کے لیے استغفار ترک فرمادیا۔

ابن مندہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت حباب بن عبداللہ بن ابی رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے تاکہ آپ سے اپنے والد کو قتل کرنے کی اجازت طلب کریں۔ کیونکہ اس نے اپنے نفاق کی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں نازیبا باتیں کیں تھیں۔ یہ پاکباز صحابی تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اجازت دینے سے انکار کردیا۔ اس کے ساتھ عمدہ اور حسن سلوک کرنے کا حکم دیا۔

طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے "جب ابن ابی بیمار ہوا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ اس سے گفتگو فرمائی اس نے کہا "اب میں سمجھ گیا جو کچھ آپ کہتے ہیں۔ آپ مجھ پر احسان کریں۔ مجھے کفن کے لیے اپنی قمیص مبارک عطا کریں اور میرا نماز جنازہ پڑھیں"۔ اس نے یہ درخواست از روئے نفاق کی۔ نہ کہ حقیقی ایمان کی وجہ سے۔ جب ابن ابی مر گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے کفن کے لیے اپنی قمیص مبارک دی اور اس کی نماز جنازہ پڑھی تا کہ اس کے فرزند دلبند کا دل خوش ہو جائے اور بقیہ منافقوں کی تالیف قلبی ہو جائے۔ جب اس کے متعلق آپ سے التجاء کی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میری قمیص اسے کوئی فائدہ نہیں دے گی۔ لیکن مجھے امید ہے کہ اس وجہ سے اس کی قوم کے ایک ہزار افراد حلقہ بگوش اسلام ہو جائیں گے۔ جب ابن ابی کی قوم کے افراد نے دیکھا کہ یہ تو خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قمیص مبارک لے کر شفاعت کا طلب گار ہے اور اس کے طفیل عذاب نہ ہونے کی توقع رکھتا ہے تو اس کی قوم کے ایک ہزار افراد نے اسلام قبول کر لیا۔

روایت ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابن ابی کی نماز جنازہ پڑھنے کا حکم دیا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آپ کو روکنے لگے اور قمیص مبارک سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے۔ عرض کرنے لگے "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا آپ ایک منافق کی نماز جنازہ پڑھیں گے؟ آپ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے قمیص مبارک چھڑائی اور فرمایا "عمر! دور ہو جاؤ"۔ آپ نے ابن ابی کی نماز جنازہ پڑھائی۔ آپ نے ایک منافق کے حق میں ایک پکے سچے مومن کی مخالفت کی۔ یہ آپ کی امت پر شفقت ہی تو تھی۔ تا کہ اس کے بیٹے پاکباز صحابی کی دلداری بھی ہو جائے اور بنوخزرج کی تالیف قلبی بھی تھی اگر آپ ابن ابی کے نور نظر کی درخواست قبول نہ کرتے اور نہی صریح کے نزول سے قبل ان کے والد کی نماز جنازہ نہ پڑھتے تو یہ اس کے نور نظر کے لیے اور اس کی قوم کے لیے عار ہوتا آپ نے امور کی تدبیر کے لیے دو امروں میں سے احسن پر عمل فرمایا حتیٰ کہ رب تعالیٰ نے اس آیت طیبہ کا نزول کر دیا۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ (التوبہ:84)

"اور نہ پڑھیے نماز جنازہ کسی پر ان میں سے جو مر جائے کبھی۔ اور نہ کھڑے ہوں اس کی قبر پر"۔

اس آیت طیبہ کے نزول کے بعد آپ نے نہ تو کسی منافق کی نماز جنازہ پڑھی نہ ہی اس کی قبر پر کھڑے ہوئے۔

یہ آیت طیبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق نازل ہوئی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے کفن کے لیے قمیص مبارک اس لیے عطا فرمائی کیونکہ اس نے آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اس وقت قمیص دی تھی جب غزوۂ بدر میں وہ قیدی بن کر آئے تھے۔ تا کہ آپ کے چچا جان پر کسی کا احسان نہ رہے۔ یہ بھی آپ کے مکارم اخلاق میں سے ہے۔

آپ جانتے تھے کہ یہ منافق کیا کہتا تھا مثلاً یہ اس نے ہی کہا تھا۔

لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ (المنافقون:8)

"تو نکال دیں گے عزت والے وہاں سے ذلیلوں کو"۔

یہ بھی اسی نے کہا تھا:

لَا تُنْفِقُوْا عَلٰی مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ حَتّٰی یَنْفَضُّوْا (المنافقون: 7)

''نہ خرچ کرو ان (درویشوں) پر جو اللہ کے رسول کے پاس ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ (بھوک سے تنگ آ کر) تتر بتر ہو جائیں''۔

اس کے باوجود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے ساتھ عمدہ سلوک کیا۔ اپنی قمیص مبارک اس کے کفن کے لیے عطا کی۔ اس کی نماز جنازہ پڑھی اور اس کے لیے مغفرت کی دعا کی۔

حضرت مجمع بن جاریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں دیکھا کہ آپ نے کسی کی اتنی طویل نماز جنازہ پڑھائی ہو جتنی لمبی ابن ابی کی نماز جنازہ پڑھی تھی۔ آپ اس کی میت کے ساتھ چلے۔ اس کی قبر پر کھڑے رہے۔ حتیٰ کہ لوگ اس کو دفن کرنے سے فارغ ہو گئے۔ امام بخاری نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا جب حضور رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابن ابی کی نماز جنازہ پڑھی تو ہم نے بھی آپ کے ساتھ اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ ابونعیم نے لکھا ہے اس میں اس بات کا تذکرہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی رائے ترک کر دی اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کی۔

یہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکارم اخلاق میں سے ہی ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لبید بن اعصم یہودی کو اس وقت معاف کر دیا تھا جب اس نے آپ پر جادو کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس جادو سے آگاہ کر دیا تھا۔ آپ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھیجا۔ انہوں نے بئر ذروان سے وہ ساری اشیاء باہر نکال لیں جن پر جادو ہوا تھا۔ آپ نے لبید کو سزا نہ دی۔ آپ نے فرمایا ''مجھے رب تعالیٰ نے شفاء دی ہے۔ میں اس شر کو مزید پھیلانا ناپسند کرتا ہوں''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس یہودی عورت کو بھی معاف کر دیا جس نے آپ کے لیے بکری کے گوشت میں زہر ملایا تھا۔ اگرچہ جب حضرت بشر بن براء رضی اللہ عنہ زہر کی وجہ سے شہید ہو گئے تو آپ نے اس عورت کو بھی قصاص میں قتل کرا دیا۔ یہ واقعہ غزوۂ خیبر میں تفصیل سے گزر چکا ہے۔

جس شاعر نے یہ شعر کہا ہے رب تعالیٰ اس پر رحم کرے۔

وما الفضل الا خاتم انت فصه　و عفوك نقش الفص فاختم به عذری

فضل کچھ بھی نہیں مگر انگوٹھی ہے جس کا نگینہ آپ کی ذات ہے۔ آپ کا درگزر اس نگینہ کا نقش و نگار ہے۔ اس کے ساتھ میرا عذر ختم فرمائیں۔

تمہارے لیے وہ روایات کافی ہیں جو سیرت کی کتب میں متواتر نقل ہیں اور علم یقینی کا فائدہ دیتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کے ظلم وستم اور مصائب اور اذیتوں پر کس طرح صبر کیا۔ حتیٰ کہ رب تعالیٰ نے آپ کو ان پر فتح عطا فرما دی۔ فتح مکہ کے روز مشرکین مکہ کو کوئی شک نہ رہا تھا کہ آپ انہیں جڑ سے اکھاڑ پھینکیں گے۔ ان کی پشتوں کو کاٹ کر رکھ دیں گے۔ مگر آپ کے عفو و درگزر میں اضافہ ہی ہوا۔ آپ نے ان سے پوچھا ''تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تم سے کیسا سلوک کرنے لگا ہوں''۔ ان سب

نے بیک زبان کہا "کریم بھائی اور کریم بھائی کے فرزند دلبند! بھلائی کا! آپ نے فرمایا میں تمہیں اس طرح کہتا ہوں جس طرح میرے بھائی یوسف علیہ السلام نے کہا تھا۔

لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ (یوسف: 92)

"نہیں کوئی گرفت تم پر آج کے دن"۔

سارے مشرکین مکہ اس طرح چلے گئے کہ گویا وہ ابھی قبروں سے باہر نکلے ہوں۔

امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا "صلح حدیبیہ کے سال نماز صبح کے وقت بنو تنعیم کے اسی افراد پہاڑ سے نیچے اترے۔ وہ اچانک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کرنا چاہتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انہیں گرفتار کر لیا اور انہیں بارگاہ رسالت مآب میں پیش کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں چھوڑ دیا۔ خالق کائنات نے یہ آیت طیبہ نازل کی۔

وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ

"اور اللہ وہی ہے جس نے روک دیا تھا ان کے ہاتھوں کو تم سے اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے وادی مکہ میں۔ باوجودیکہ تمہیں ان پر قابو دے دیا تھا"۔ (الفتح: 26)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوسفیان کے ساتھ انتہائی لطف و کرم فرمایا۔ آپ نے اسے فرمایا "ابوسفیان! تیرے لیے ہلاکت! کیا اب وہ وقت نہیں آیا کہ تو جان لے اور یہ گواہی دے کہ رب تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں"۔ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میرے والدین آپ پر نثار آپ کتنے حلیم ہیں؟ آپ کتنی صلہ رحمی کرنے والے ہیں؟ ابوسفیان نے جنگ وجدل کرنے میں کون سی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ مگر پھر بھی اس کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ لطف و کرم دیکھو۔ ان سے درگزر کیا قول و فعل کے ساتھ ان سے عمدہ سلوک کیا۔

محبوب کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت کا ایک اور جلوہ دیکھیں۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلی کے لیے برتن جھکاتے وہ پانی پی لیتی۔ پھر اس کے بقیہ پانی سے وضو فرما لیتے آپ نے اپنی امت کے اہل کبائر کے ساتھ شفقت فرمائی۔ ان کی پردہ پوشی کا حکم دیا۔ فرمایا "جو ایسی گندگیوں میں مبتلا ہو جائے اسے پردہ پوشی کرنا چاہیے"۔ آپ نے امت مرحومہ کو ان لوگوں کے لیے بخشش کی دعا کرنے کا حکم دیا جن پر حد جاری کی گئی۔ ان پر رحم کھایا آپ نے انہیں یہ حکم اس وقت فرمایا "جب صحابہ کرام ایسے شخص کو دیکھ کر غصہ سے لبریز ہو کر اسے برے الفاظ سے یاد کرنے لگتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "یوں کہو مولا! اسے بخش دے، مولا! اس پر رحم فرما"۔

تواضع اور حسن معاشرت

اللہ رب العزت نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رفیع مقام اور بلند منصب پر فائز فرمایا تھا لیکن اس کے باوجود آپ اپنے اہل خانہ، خدام اور صحابہ کرام سے تواضع اور حسن معاشرت سے پیش آتے تھے۔ یہ ایک ایسا وصف ہے جس کی انتہا معلوم نہیں ہو سکتی۔ ایک عارف کامل نے لکھا ہے۔ "بندہ تواضع کی حقیقت تک صرف اس وقت پہنچ سکتا ہے جب اس کے دل میں مشاہدہ کا نور

ہو۔ یہ مقام نفس کے ساتھ ریاضت اور مجاہدہ کرنے رب تعالیٰ کے احکام بجالانے اور مناہی سے اجتناب کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اس وقت نفس پگھل جاتا ہے۔ شہوات کی طرف اس کا میلان ختم ہو جاتا ہے۔ ہمہ وقت قوی اور اعضاء کو اطاعت الٰہی میں استعمال کرنا اس کے لیے آسان ہو جاتا ہے۔ وہ تکبر کی گندگی سے صاف ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر پاک سے اطمینان پاتا ہے۔ پوری طرح اس کی طرف توجہ کرتا ہے۔ کسی اور چیز کے ساتھ اس کا تعلق باقی نہیں رہتا۔ وہ اس کے آثار محسوس کرنے کے لیے حق اور خلق کے لیے نرم ہو جاتا ہے۔ وہ اس آگ اور تپش سے سکون حاصل کرنے کے لیے خالق اور مخلوق کے لیے نرم ہو جاتا ہے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تواضع سے بہت زیادہ حصہ ملا تھا۔ جوں جوں قرب الٰہی میں اضافہ ہوتا جاتا توں توں تواضع اور عاجزی بھی بڑھتی جاتی۔ تمہارے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ عاجزی ہی کافی ہے کہ رب تعالیٰ نے آپ کو بادشاہ نبی اور عبد نبی بننے کا اختیار دیا آپ نے رب تعالیٰ سے عاجزی کرتے ہوئے عبد نبی بننا پسند کیا۔ اگر آپ بادشاہ نبی بن جاتے تو آپ کو کوئی نقصان نہ ہوتا۔ لیکن آپ نے عاجزی دیکھی کہ اس سے قرب خداوندی میں اضافہ ہوتا ہے۔ آپ کی تواضع کی وجہ سے رب تعالیٰ نے آپ کو اس مقام پر فائز کر دیا کہ روز حشر سب سے پہلے آپ کی قبر انور کھلے گی۔ سب سے پہلے آپ شفاعت کریں گے۔ سب سے پہلے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ اس اختیار کے بعد آپ نے ٹیک لگا کر کبھی نہیں کھایا حتیٰ کہ آپ کا وصال ہو گیا۔ آپ فرماتے تھے "میں اس طرح کھاتا ہوں جس طرح بندہ کھاتا ہے۔ میں اس طرح بیٹھتا ہوں جس طرح بندہ بیٹھتا ہے"۔

امام بخاری اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے کہ حضور سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "میرا رتبہ اس طرح نہ بڑھانا جس طرح عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کا رتبہ بڑھا دیا ہے۔ میں بندہ ہوں۔ یوں کہنا عبداللہ ورسولہ"۔ یہ بھی آپ کی تواضع اور عاجزی ہی تھی کہ اپنے خادم کو کبھی نہیں جھڑکا۔

امام بخاری، امام مسلم اور امام ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں دس سال تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کی آپ نے مجھے کبھی بھی اف تک نہیں کہا"۔

ابو نعیم کی روایت میں ہے "آپ نے نہ مجھے کبھی گالی دی، نہ مجھے کبھی مارا۔ نہ مجھے کبھی جھڑکا۔ نہ کبھی ترش روئی سے پیش آئے۔ اگر مجھے کسی کام کا حکم فرماتے اس میں مجھ سے سستی ہو جاتی تو آپ مجھے ہرگز نہ جھڑکتے۔ اگر کوئی دوسرا مجھے جھڑکنے لگتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے اسے چھوڑ دو۔ اگر مقدر میں ہوتا تو ہو جاتا"۔

امام بخاری نے روایت کیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا "جو میں کام کر دیتا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی یہ نہیں فرمایا "تو نے یہ کام کیوں کیا ہے؟ اگر کسی کام کو چھوڑ دیتا تو کبھی یہ نہیں فرمایا کہ تو نے یہ کام کیوں چھوڑا ہے۔؟ بلکہ آپ فرماتے "جو مقدر میں ہو اوہ ہو جائے گا۔ اگر رب تعالیٰ نے تقدیر میں لکھ دیا ہے تو ضرور ہو گا"۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے غلاموں اور لونڈیوں سے بھی یہی سلوک تھا۔ آپ نے کبھی کسی غلام یا لونڈی کو نہیں مارا۔ جب تک تائید ربانیہ نہ ہو یہ امر کسی بشری طبیعت میں نہیں ہو سکتا۔ نہ اس میں اتنی طاقت اور قدرت ہو سکتی ہے۔ یہ آپ کے کمال

عرفان کی وجہ سے تھا کہ رب تعالیٰ کے علاوہ کوئی حقیقی فاعل ومعطی اور مانع نہیں ہے۔ مخلوق تو آلات اور اسباب ہے مخلوق پر کسی شی کے لیے ناراضگی شرک کی طرح ہے۔ جو توحید کے منافی ہے۔ ایک اور قول یہ بھی ہے کہ اس کا سبب یہ ہے کہ آپ اس چیز میں اپنے محبوب کا تصرف دیکھتے تھے۔ محبوب کے محب میں تصرف کی علت اور سبب بیان نہیں کیا جاتا۔ بلکہ سر تسلیم خم کیا جاتا ہے۔ محبوب حبیب کے ساتھ جو کچھ کرتا ہے وہ اس سے لذت اٹھاتا ہے۔

امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ اپنے اہل خانہ پر رحم کرنے والا ہو''۔

امام مسلم نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی بھی کسی کو نہیں مارا، کسی عورت یا خادم کو کبھی نہیں مارا۔ سوائے راہ خدا میں جہاد کے۔ آپ سے کوئی چیز نہیں لی گئی اور آپ نے اس سے انتقام لیا ہو۔ مگر جب محارم الٰہیہ کی حدود توڑی جاتیں تو آپ انتقام لیتے۔ البتہ اس سے وہ واقعات مستثنیٰ ہیں جنہیں امام نسائی نے حضرت طفیل الاشجعی سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اس گھوڑی کو مارا جو لوگوں سے پیچھے رہ گئی تھی۔ پھر عرض کی ''مولا! اس میں برکت فرما'' حضرت طفیل فرماتے ہیں ''وہ گھوڑا اتنی صبا رفتار ہو گئی کہ میں اس کی لگام نہیں تھام سکتا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس دعا ''مولا اس میں برکت ڈال''۔ کی وجہ سے میں نے اس کے پیٹ سے بارہ ہزار کے بچے فروخت کیے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا اونٹ بھی پیچھے رہ گیا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے کچوکہ لگایا جس کی برکت سے وہ سارے لوگوں سے آگے نکل گیا۔ یہ معجزات ہیں اور یہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کے مذکورہ بالا فرمان کے منافی نہیں ہیں۔

ابن سعد نے حضرت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ ان سے پوچھا کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے کاشانۂ اقدس میں رونق افروز ہوتے تھے تو آپ کی کیفیت کیا ہوتی تھی؟ انہوں نے فرمایا ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سارے لوگوں سے زیادہ نرم، تبسم ریز اور تبسم کناں ہوتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے کبھی ٹانگیں نہیں پھیلائیں''۔

ابونعیم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ حسن خلق رکھنے والا کوئی نہ تھا۔ کسی بھی صحابی نے آپ کو پکارا تو آپ نے جواب میں لبیک ہی کہا''۔

امام ابوداؤد، امام ترمذی اور امام بزار نے حضرت انس اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اگر کوئی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سرگوشی کرنے لگتا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا سر اقدس پیچھے نہ ہٹاتے۔ حتیٰ کہ وہ شخص اپنا سر خود ہی پیچھے ہٹا لیتا۔ اگر کسی کا ہاتھ تھام لیتے تو اس کا ہاتھ نہ چھوڑتے حتیٰ کہ وہ شخص ہی ہاتھ چھڑا لیتا۔

امام احمد اور ابن حبان نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضور تاجدار ختم نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود ہی اپنے کپڑے سی لیتے، آپ اپنے جوتے خود ہی گانٹھ لیتے، خود ہی اپنا ڈول درست کر لیتے، اپنی بکری کا دودھ دوہ لیتے، اپنی خدمت خود ہی کیا کرتے تھے، گھر کے امور بجالاتے، اپنا اونٹ رسی سے باندھتے، اپنے جانور کو چارہ ڈالتے، خادم کے ساتھ کھا لیتے، اس کے ساتھ آٹا گوندھ لیتے، اپنا سامان بازار سے اٹھا کر لے آتے، آپ سب کچھ تواضع اور ترک تکبر کے لیے

کرتے تھے۔ حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی الٰہی کا نزول ہوتا تھا، تاجدار انبیاء تھے۔ رسالت اور معجزات کے ساتھ مشرف تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خود اپنی خدمت کرنا یہ آپ کے کمال تواضع کی علامت ہے۔ یہ اس امر کے منافی نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خدام تھے جو آپ کی خدمت کرتے تھے۔ آپ کبھی خود اپنی خدمت کرتے۔ کبھی خادم خدمت بجالاتا اور کبھی آپ خود بھی اور خادم بھی اس کام میں شریک ہو جاتے۔ یہ سب کچھ ملت بیضاء کی تعلیم کے لیے تھا۔ یہ بتانا مقصود تھا کہ آدمی کا اپنے آپ کی خدمت کرنا مستحب ہے اس سے منصب میں فرق نہیں پڑتا۔ خواہ مقام و منصب کتنا ہی بلند ہو۔ آپ دراز گوش پر سوار ہو جاتے۔ کبھی اس پر پالان ہوتا کبھی پالان نہ ہوتا۔ یہ آپ کی انتہائی عاجزی کے لیے اور امت کے لیے ایک درس تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرد اور عورت (زوجہ محترمہ) کو اپنے پیچھے بٹھا لیتے۔ غزوۂ خیبر سے واپس آتے وقت سپہ سالار اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پیچھے حضرت ام المومنین صفیہ رضی اللہ عنہا کو بٹھایا ہوا تھا۔ بچے اور بڑے آپ کے پیچھے سوار ہو جاتے۔ جب کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ سے واپس آتے تو بچے آپ کا استقبال کرتے۔ آپ انہیں اپنے پیچھے بٹھا لیتے۔ جو رہ جاتا اپنے صحابہ کرام کو حکم فرماتے کہ وہ انہیں اپنے پیچھے بٹھالیں۔

غزوۂ بنو قریظہ، غزوۂ بنو نضیر اور غزوۂ خیبر کے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دراز گوش پر سوار تھے جس کی لگام کھجور کے پتوں کو بٹ کر بنائی گئی تھی۔ یہ عاجزی کی انتہا ہے۔ اس سے بڑی تواضع اور کیا ہو سکتی ہے حالانکہ ان پر نصرت و فتحیابی کے بعد جو مال غنیمت ملا تھا وہ مشہور ہے۔

امام ابوداؤد نے حضرت قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے گھر رونق افروز ہوئے۔ جب واپس تشریف لے جانے لگے تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے دراز گوش پیش کیا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر سوار ہو جائیں۔ اس پر ایک کپڑا بھی ڈالا گیا تھا۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر سوار ہو گئے۔ حضرت سعد نے اپنے نور نظر حضرت قیس رضی اللہ عنہ سے فرمایا قیس! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ ہو جاؤ"۔ حضرت قیس رضی اللہ عنہ نے فرمایا "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے فرمایا سوار ہو جاؤ۔ مگر میں نے انکار کر دیا (ادب کی وجہ سے نہ کہ آپ کے حکم کی مخالفت کی وجہ سے) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "یا تو سوار ہو جاؤ یا واپس چلے جاؤ، میرے ہمراہ نہ چلو"۔ وہ سوار ہونے کے لیے تیار ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میرے آگے بیٹھو۔ سواری کا مالک اس کے آگے بیٹھنے کا زیادہ مستحق ہوتا ہے"۔

ابن مندہ کی روایت میں ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اپنا فرزند دلبند بھیجا۔ تاکہ وہ گدھا واپس لے آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میرے آگے سوار ہو جاؤ"۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کی "کیا یہ آپ کے آگے سوار ہو جائے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ہاں وہ گدھے کے سینہ کا زیادہ حق دار ہے"۔ انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ آپ کے لیے ہے"۔ آپ نے فرمایا "پھر اسے میرے پیچھے سوار کر دو"۔

بعض روایات میں ہے کہ اس گدھے پر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیچھے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سوار تھے۔ اس اعتبار سے حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اپنا گدھا اس لیے پیش کیا ہو گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تنہا اس پر بیٹھ کر واپس تشریف لے چلیں اور حضرت اسامہ اس

گدھے پر سوار رہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ جس پر سوار تھے۔

امام بخاری نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں خیبر سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے بیٹھی ہوئی تھیں۔ اونٹنی کا پاؤں پھسلا تو وہ نیچے گر گئیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "یہ تمہاری ماں ہیں"۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ان کی تعظیم و توقیر یاد کرائی۔ سواری باندھی گئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر سوار ہوئے۔ پھر حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا آپ کے پیچھے سوار ہو گئیں"۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ میرے اور آپ کے مابین کجاوے کا پچھلا حصہ ہی تھا"۔

امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ تشریف لائے۔ آپ نے حضرت قثم کو اپنے سامنے اور حضرت فضل کو اپنے پیچھے سوار کر لیا یا حضرت قثم کو پیچھے اور حضرت فضل کو آگے سوار کر لیا"۔ راوی کو شک گزرا ہے۔

حضرت محب الطبری نے "مختصر السیرۃ النبویہ" میں روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ننگی پشت والے گدھے پر سوار ہو کر قباء کی طرف تشریف لے گئے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آپ کے ہمراہ تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ابو ہریرہ! کیا میں تمہیں سوار کر لوں؟ انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسے آپ کی مرضی"۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "سوار ہو جاؤ"۔ حضرت ابو ہریرہ سوار ہونے کے لیے اچھلے مگر سوار نہ ہو سکے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پکڑا۔ حتیٰ کہ دونوں زمین پر آ گئے۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوار ہوئے۔ فرمایا "ابو ہریرہ! کیا میں تمہیں سوار نہ کر لوں"۔ انہوں نے عرض کی "جیسے حضور کی منشاء یا رسول اللہ!"۔ آپ نے فرمایا "سوار ہو جاؤ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس بار بھی سوار نہ ہو سکے"۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پکڑ لیا۔ دونوں زمین پر آ گئے۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوار ہو گئے۔ فرمایا "ابو ہریرہ! میں تمہیں سوار کر لوں"۔ انہوں نے عرض کی "نہیں! اب میں آپ کو تیسری بار نیچے نہیں گراؤں گا۔ مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے"۔

حضرت محب الطبری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اسی کتاب میں تحریر کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک سفر میں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ایک بکری بھوننے کا حکم دیا۔ ایک صحابی نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میں اسے ذبح کروں گا" دوسرے نے عرض کیا "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میں اس کی کھال اتاروں گا" تیسرے نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میں اسے پکاؤں گا" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میں ایندھن کے لئے لکڑیاں جمع کروں گا" صحابہ کرام عرض گزار ہوئے "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم اس کام کے لئے کافی ہیں" حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میں جانتا ہوں کہ تم کافی ہو لیکن مجھے تم سے ممتاز ہو کر بیٹھنا ناپسند ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے کو ناپسند کرتا ہے جو اپنے ساتھیوں سے ممتاز ہو کر بیٹھ جائے"۔

ابن اسحاق اور امام بیہقی نے حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت تحریر کی ہے۔ انہوں نے فرمایا "نجاشی کا وفد بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوا۔ حضور ان کی خدمت کرنے کے لئے بنفس نفیس اٹھ کر کھڑے ہوئے"۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ہم کافی ہیں" حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "انہوں نے میرے صحابہ کی عزت افزائی کی۔ میں چاہتا ہوں کہ میں ان کا بدلہ چکا دوں"۔

حضرت عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں ابھی بچہ تھا۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے مقام جعرانہ پر بہرہ ور ہوا۔ ایک خاتون آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئیں۔ جب وہ قریب پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لئے چادر مبارک بچھا دی۔ وہ اس پر بیٹھ گئیں۔ میں نے اپنے قریبی ساتھی سے پوچھا "یہ عظیم خاتون کون ہیں؟" اس نے بتایا "یہ حضور شفیع عاصیاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضاعی امی جان ہیں" (امام ابوداؤد)۔

روایت ہے کہ حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دن تشریف فرما تھے۔ آپ کے رضاعی باپ حاضر خدمت ہوئے۔ آپ نے ان کے لئے اپنی ردائے پاک کا کچھ حصہ بچھا دیا۔ وہ اس پر بیٹھ گئے۔ پھر آپ کی رضاعی امی حاضر خدمت ہوئیں آپ نے چادر مبارک کا دوسرا حصہ بھی بچھا دیا۔ وہ اس پر بیٹھ گئیں۔ پھر رضاعی بھائی حاضر خدمت ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہو گئے اور اسے اپنے سامنے بیٹھا دیا۔

صحیحین میں روایت ہے کہ ایک عورت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی جس کا دماغی توازن درست نہ تھا۔ اس نے عرض کی "مجھے آپ سے ایک ضروری کام ہے" حضور سید مرسلاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "مدینہ طیبہ کی جس گلی میں چاہے بیٹھ جا۔ میں تیرے ساتھ بیٹھوں گا" امام مسلم کی روایت میں یہ اضافہ ہے "حتیٰ کہ میں تیری حاجت پوری کروں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک راستے میں ہی اس کے ساتھ تشریف فرما ہو گئے۔ حتیٰ کہ وہ اپنے کام سے فارغ ہو گئی۔ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیواؤں اور مساکین کے ساتھ چلنے کو عار نہیں سمجھتے تھے۔ ان کی ضروریات آپ پوری فرماتے تھے۔

امام بخاری کی روایت میں ہے کہ لونڈی آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دست اقدس تھام لیتی اور جہاں چاہتی لے جاتی۔

امام احمد نے روایت کیا ہے کہ مدینہ طیبہ کی ایک لونڈی حاضر خدمت ہوئی۔ اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دست شفقت تھام لیا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے ضروری کام کے لئے لے گئی۔ آپ نے اپنا دست ہدایت بخش نہ کھینچا حتیٰ کہ وہ جہاں چاہتی تھی آپ کو لے گئی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تواضع اور عاجزی کے ان گنت ایسے واقعات ہیں جو مرد و خواتین اور آزاد اور غلام دونوں کو محیط ہیں۔ آپ کے دست حق نما تھام لینے سے مراد انتہائی تصرف کی طرف اشارہ ہے حتیٰ کہ اگر اس لونڈی کا کام مدینہ طیبہ سے باہر بھی ہوتا اور اس حالت میں وہ آپ سے مدد کی طلب گار ہوتی تو آپ اس کے کام کے لئے مدینہ طیبہ سے باہر جانے کے لئے بھی تیار تھے۔ اس سے آپ کی مزید تواضع عیاں ہوتی ہے نیز یہ کہ آپ تکبر کی جملہ اقسام سے بری تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے اپنی اطراف سے کچھ نہیں نکالتے تھے۔ مثلاً ناخن کاٹنا وغیرہ حضور

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت زیادہ خاموش رہتے تھے۔ ضرورت کے علاوہ محو تکلم نہ ہوتے تھے۔ جسے ملتے پہلے آپ سلام کرتے۔ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مصافحہ کی ابتداء آپ ہی کرتے۔ جو بھی حاضر خدمت ہوتا آپ اس کی تکریم کرتے۔ بعض اوقات اس کے لئے اپنی ردائے مبارک بھی بچھادیتے۔ اپنے نیچے سے تکیہ نکال کر اسے عطا فرما دیتے۔ اگر وہ کسی ہچکچاہٹ کا اظہار کرتا تو آپ اصرار فرماتے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کی کنیتوں سے یاد فرماتے۔ انہیں ان کے پسندیدہ ناموں سے پکارتے۔ کسی کی بات نہ کاٹتے۔ اگر دوران نماز کوئی سائل حاضر خدمت ہوجاتا تو اپنی نماز مختصر فرما دیتے۔ اس کی ضرورت کے بارے پوچھتے۔ فارغ ہوکر دوبارہ نماز پڑھنے لگ جاتے۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے۔ آپ مصروف نماز تھے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز تھے۔ وہ آپ کی کمر انور پر سوار ہوگئے۔ آپ نے سجدہ طویل کر دیا حتیٰ کہ وہ نیچے اتر آئے۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو ایک صحابی نے عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ نے سجدہ طویل کیوں کر دیا تھا؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''میرا یہ فرزند دلبند مجھ پر سوار ہوگیا تھا۔ اس لئے میں نے جلدی کرنا پسند نہ کیا''۔ ایک دفعہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما حاضر خدمت ہوئے۔ اس وقت حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما آپ کی کمر انور پر سوار تھے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے انہیں مخاطب کر کے فرمایا ''تمہاری سواری بہترین سواری ہے'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''سوار بھی تو کتنے بہترین ہیں'' یہ تذکرہ بھی پہلے ہو چکا ہے کہ حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی صاحبزادی کو آپ نماز میں اٹھا لیتے تھے۔

اس قسم کے حالات صاحبان کمال کو ان کیف آور حالات سے منحرف نہیں کرتے۔ کیونکہ وہ جمع الجمع کے مرتبہ پر فائز ہوتے ہیں۔ فراق ان کے اردگرد نہیں آسکتا۔ انہیں وحدت کثرت سے اور کثرت وحدت سے نہیں روک سکتی۔ یہ متحد بھی ہوتے ہیں اور جدا بھی، قریب بھی ہوتے ہیں اور دور بھی۔ ارواح لطیفہ اور اشباح شریفہ کے اعتبار سے عرشی بھی ہوتے ہیں اور فرشی بھی۔ آپ کی ذات والا تو وہ ہستی پاک ہے جس کی نگاہیں اپنے رب تعالیٰ کی آیت کبریٰ کا مشاہدہ کرتے وقت نہ چندھائیں اور نہ حد ادب سے آگے بڑھیں یہ معمولی اشیاء آپ کو اپنے رب کریم سے کیسے دور کر سکتی ہیں۔

حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عاجزی اور تواضع کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ آپ مریضوں کی عیادت فرماتے۔ خواہ مریض شریف ہوتا یا وضیع ہوتا۔ آزاد ہوتا یا غلام۔ ایک یہودی لڑکا آپ کی خدمت کرتا تھا۔ وہ بیمار ہوگیا آپ اس کی بیمار پرسی کے لئے تشریف لے گئے۔ اس کے سر کے پاس جلوہ افروز ہوئے۔ اسے فرمایا ''اسلام قبول کرلے'' اس نے اپنے والد کی طرف دیکھا تو انہوں نے کہا ''ابوالقاسم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اطاعت کرو'' اس نوجوان نے دولت اسلام سمیٹ لی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر نکلے تو آپ کے لب لعلیں پر یہ حمدیہ کلمات تھے ''ساری تعریفیں اللہ رب العزت کے لئے ہیں۔ جس نے اسے آگ سے بچالیا''

(امام بخاری عن انس رضی اللہ عنہ)

عیادت کرنے میں بہت زیادہ تواضع، رب تعالیٰ کی رضا اور اجر وثواب ہے۔

امام ترمذی نے روایت کیا ہے کہ جو شخص کسی مریض کی عیادت کرتا ہے تو ایک اعلان کرنے والا اسے صدا دیتا ہے'' تو

پاک ہو گیا۔ تیرا چلنا بھی پاک ہو گیا۔ تجھے جنت میں ایک بلند منزل پر فائز کر دیا گیا"۔

امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے "جس شخص نے عمدہ وضوء کیا اور حصول ثواب کے لئے اپنے مسلمان بھائی کی عیاوت کی تو اسے جہنم سے ستر سال کی مسافت سے دور کر دیا جائے گا" یہ مقام ومنصب صرف تواضع کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ اس میں انسان کو اپنے بلند مقام ومنصب کے نیچے آنا پڑتا ہے۔ آپ نماز جنازہ میں شرکت فرماتے۔

امام بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب مکہ مکرمہ فتح ہوا اور مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ آپ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا سر کجاوے پر اتنا جھکائے ہوئے تھے کہ قریب تھا کہ سر اقدس کجاوے کو چھو لیتا۔ یہ سب کچھ تواضع کے لئے تھا۔

امام ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بوسیدہ کجاوے پر حج فرمایا۔ جس پر ایک چادر تھی۔ جس کی قیمت چار دراہم کے برابر بھی نہ تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حج تواضع کے اظہار کے لئے سب سے بڑی جگہ ہے۔ کیونکہ حج کوشش وسعی کی جگہ ہے۔ یہ اپنے وطنوں کو خیرآباد کہہ کر رب تعالیٰ کی طرف سفر کرنا ہے۔ کیا تم اس میں احرام کے متعلق غور وفکر نہیں کرتے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ انسان نفیس اور عمدہ ملبوسات کو ترک کر دے۔ تاکہ اسے رب تعالیٰ کی طرف بھاگنے والوں کے ساتھ تنبیہ ہو جائے۔ اور اسے حقیقت میں رب تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونا یاد آ جائے۔ حضور سید ابرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے تلبیہ میں عرض کیا "مولا! اسے ایسا حج بنا دے جس میں نہ ریاء ہو اور نہ شہرت ہو" آپ نے یہ خشوع وخضوع اور عاجزی اور انکساری کے لئے فرمایا۔ خود کو ان میں سے ایک شمار فرمایا۔ یہ آپ کی عظیم تواضع پر دلالت کر رہا ہے کیونکہ جو بوسیدہ کجاوے پر حج کرے اس میں ریاء نہیں ہو سکتی۔ ریاء تو اس میں ہوتی ہے جو نفیس سواریوں پر سوار ہو۔ جس نے عمدہ لباس پہنے ہوں، نقش ونگار والی چادریں پہن رکھی ہوں۔ اس مبارک حج میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک سو اونٹ بھی راہ خدا میں قربان کئے۔ اپنے صحابہ کرام کو مال ودولت عطا کی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک اونٹ پیش کیا جس کی قیمت تین سو دینار تھی مگر آپ نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تواضع کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز صبح ادا فرما لیتے تو مدینہ طیبہ کے بچے پانی کے برتن لے کر حاضر خدمت ہو جاتے۔ وہ چاہتے کہ آپ ان میں اپنا دست اقدس ڈالیں تاکہ انہیں برکت نصیب ہو جائے۔ پانی کا جو برتن بھی پیش کیا جاتا۔ آپ اس میں اپنا دست اقدس ڈالتے۔ کبھی وہ سخت ٹھنڈی صبح میں برتن لے کر حاضر ہوتے آپ سخت سردی میں بھی اپنا دست شفا بخش اس میں ڈالتے۔ یہ آپ کا لطف وکرم، حسن خلق اور کمال تواضع ہی تو تھی۔

اس میں یہ دلیل بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں پر کتنے شفیق، رحیم اور قریب تھے تاکہ ہر حق دار کو اس کا حق ملے۔ تاکہ جاہل کو بھی کچھ علم ہو جائے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء کرے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اماماں امت کو بھی اس طرح کا رویہ اختیار کرنا چاہئے۔

امام ابونعیم نے دلائل میں روایت کیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں پر بہت

زیادہ لطیف تھے۔ جو غلام یا لونڈی ٹھنڈی صبح میں پانی کا برتن لے کر حاضر خدمت ہوتی۔ آپ اسے منع نہ کرتے۔ بلکہ اس پانی میں چہرۂ انور اور مبارک کہنیاں دھو لیتے۔ جو بھی آپ سے بات چیت کرنا چاہتا آپ اس کی طرف سر اقدس جھکا لیتے۔ جب تک وہ خود پیچھے نہ ہٹتا آپ اسے پیچھے نہ کرتے۔ اگر کوئی آپ کا دست حق نما تھام لیتا تو اسے اس وقت تک نہ چھڑاتے حتیٰ کہ وہ ہاتھ چھڑا لیتا۔

آپ اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ بھی انتہائی عمدہ سلوک کرتے۔ آپ ان کے ایک ہی بستر میں محو استراحت ہو جاتے۔ اگرچہ وہ حالت حیض میں ہوتیں۔ اس کے باوجود آپ ہمیشہ رات کا قیام فرماتے۔ آپ کسی زوجہ محترمہ کے ساتھ آرام فرما ہوتے جب آپ قیام فرمانے کا ارادہ فرماتے تو اسے وہیں چھوڑ کر بارگاہ ربوبیت میں کھڑے ہو جاتے۔ آپ نہ تو کسی زوجہ محترمہ کو اس کے حق سے محروم کرتے۔ نہ ہی رات کا قیام ترک فرماتے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ خاوند کا اپنی زوجہ کے ساتھ ایک ہی بستر میں سونا ان کے علیحدہ علیحدہ بستر پر سونے سے افضل ہے۔ جبکہ مقصد انس و محبت ہو۔ جماع نہ ہو۔ خصوصاً جبکہ اسے معلوم ہو جائے کہ اس کی زوجہ اس کے ساتھ سونے میں رغبت رکھتی ہے۔ اس کے ساتھ سونا مستحب اور اسے ترک کرنا مکروہ ہوگا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تواضع میں سے یہ بھی ہے کہ حضور سید عرب و عجم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انصار کی بچیوں کو حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجتے تھے تاکہ وہ ان کے ساتھ کھیلیں۔ کیونکہ رخصتی کے وقت ان کی عمر چھوٹی تھی۔ امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ اگر ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کسی برتن میں پانی پی لیتیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ برتن لیتے اور اس جگہ سے پانی نوش فرماتے جہاں سے ام المومنین رضی اللہ عنہا نے پانی پیا تھا۔ یہ نہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ام المومنین رضی اللہ عنہا سے محبت کی طرف اشارہ ہے بلکہ اس سے آپ کی تواضع بھی عیاں ہوتی ہے۔ جب حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا ہڈی سے گوشت اتارتی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس ہڈی کو پکڑ لیتے تو اپنا منہ مبارک اس جگہ رکھ دیتے جہاں ام المومنین رضی اللہ عنہا نے اپنا منہ رکھا ہوتا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی مبارک گود میں سر اقدس رکھ لیتے اور ان کا بوسہ لے لیتے حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روزہ کی حالت میں ہوتے تھے۔

محدثین نے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا بوسہ لے لیتے تھے حالانکہ آپ روزہ کی حالت میں ہوتے تھے۔ یہ سب کچھ ان کے ساتھ لطف و مہربانی کا اظہار کرنے اور حسن معاشرت کے لئے تھا۔ یہ وہ ہستی کر سکتی ہے جس کے اخلاق عالیہ عمدہ ہوں اور وہ تواضع کی رفعتوں پر فائز ہو۔ روایت ہے کہ ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پردہ کر کے کھڑے ہو گئے اور حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا نے حبشیوں کو نیزوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے دیکھ لیا۔ وہ آپ کے شانہ اقدس کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے تھیں"۔ حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے فرمایا "کیا جی بھر گیا ہے۔ کیا سیر ہو گئی ہو" میں نے عرض کی "ابھی نہیں ابھی نہیں"۔

امام احمد نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھی۔ میں اس وقت نو عمر اور دبلی پتلی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا "آگے نکل چلو" پھر مجھے فرمایا

"آؤ دوڑ لگائیں"، ہم نے دوڑ لگائی تو میں آگے نکل گئی۔ آپ خاموش ہو گئے حتیٰ کہ میں موٹی ہو گئی۔ ایک سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا "آگے چلے جاؤ" پھر مجھے فرمایا "آؤ دوڑ لگائیں" اس بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ سے آگے نکل گئے"۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرانے لگے۔ فرمایا "یہ اس کا بدلہ ہے" یہ آپ نے ان کی تسلی خاطر اور لطف و کرم کرتے ہوئے فرمایا۔

امام طبرانی نے "الصغیر اور الاوسط" میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک روز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر تھے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ مقدسہ تھا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مقدسہ میں سے ایک پیالہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا وہ پیالہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے رکھ دیا گیا۔ آپ نے فرمایا "ہاتھ آگے بڑھاؤ اور کھاؤ" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دست اقدس آگے بڑھایا۔ ہم نے بھی ہاتھ آگے کیے اور کھانے لگے۔ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی کھانا تیار کر رہی تھیں۔ جب انہوں نے حضرت ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مقدسہ سے پیالہ آتے دیکھا تو انہوں نے جلدی کی۔ جب کھانا تیار ہو گیا تو وہ کھانا اٹھا کر لے آئیں۔ اسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے رکھا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا پیالہ اٹھا کر اسے توڑ دیا۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ کا نام لے کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے برتن سے کھاؤ۔ تمہاری ماں کو غیرت آگئی ہے"۔ پھر ان کا پیالہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو عطا فرمایا اور فرمایا "کھانے کے بدلے کھانا اور برتن کے بدلے برتن"۔

امام بخاری نے اس روایت کو اس طرح نقل کیا ہے "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی زوجہ محترمہ کے ہاں رونق افروز تھے کسی دوسری زوجہ محترمہ نے کھانے سے بھرا ہوا پیالہ بھیج دیا۔ جس زوجہ محترمہ کے ہاں آپ جلوہ افروز تھے انہوں نے ہاتھ مار کر خادم کے ہاتھ سے وہ پیالہ گرا دیا۔ وہ پیالہ نیچے گر کر ٹوٹ گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے ٹکڑے جمع کیے پھر اس میں وہ کھانا ڈالنے لگے جو اس میں موجود تھا۔ پھر فرمایا "تمہاری ماں کو غیرت آگئی ہے" پھر اس خادم کو روکے رکھا حتیٰ کہ وہ زوجہ محترمہ بھی کھانے سے بھرا پیالہ لے کر حاضر خدمت ہو گئیں۔ جس کے گھر آپ تشریف فرما تھے۔ آپ نے وہ پیالہ اس پیالہ کے عوض دے دیا جو ٹوٹا تھا" علمائے کرام کا اتفاق ہے کہ جس زوجہ محترمہ کے حجرہ مقدسہ میں آپ تشریف فرما تھے وہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تھیں البتہ دوسری زوجہ مکرمہ جن کے حجرہ مقدسہ سے پیالہ آیا تھا اس میں اختلاف ہے بعض نے انہیں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور بعض نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بتایا ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ دو دفعہ ظہور پذیر ہوا۔ ایک اور روایت میں ہے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ انہوں نے فرمایا "پھر مجھے ندامت نے آلیا"۔ میں نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم اس کا کفارہ کیا ہے؟" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "برتن کے بدلے برتن اور کھانے کے بدلے کھانا"۔

بعض روایات میں ہے کہ جب حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے وہ برتن توڑ دیا تو آپ نے نہ تو انہیں ملامت کی نہ ان پر عیب لگایا۔ آپ نے اخلاق کریمانہ کا مظاہرہ فرمایا۔ اپنی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں ایسے فعل پر انہیں سرزنش بھی نہ فرمائی بلکہ حلم اور علم کے ساتھ رب تعالیٰ کے حکم کے مطابق ان دونوں کے مابین فیصلہ بھی کر دیا کہ ٹوٹا ہوا پیالہ انہی کے پاس اور

دوسرا پیالہ دوسری زوجہ محترمہ کو بھیج دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ اسی طرح کا سلوک کرتے تھے۔ آپ ان کا مؤاخذہ نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ ان کا عذر قبول فرمالیتے تھے۔ انہیں کسی قسم کی ملامت نہیں فرماتے تھے۔ اگر آپ ان کے درمیان میزان عدل بغیر کسی غصہ اور غضب کے قائم فرماتے تو آپ ان کے لئے بھی اسی طرح رؤف رحیم تھے جس طرح دوسروں کے لئے تھے۔ اس حدیث پاک میں یہ ارشارہ بھی ہے کہ اگر عورت سے کسی غیرت کی وجہ سے کسی فعل کا صدور ہو جائے تو اس کا مؤاخذہ نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اس حالت میں اس کا عقل شدت غضب کی وجہ سے محجوب ہو جاتا ہے۔

ابو یعلی نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضور شاہ والا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''غیرت کھانے والی عورت وادی کے اوپر سے وادی کے نچلے حصہ کو نہیں دیکھ سکتی''۔

اخلاقِ کریمانہ میں مزاح کا پہلو

''المواہب'' میں ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ''خزیرہ'' (ایک کھانا) لے کر حاضر ہوئی۔ میرے اور حضرت ام المؤمنین سودہ رضی اللہ عنہا کے مابین حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے۔ میں نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے کہا ''کھاؤ'' مگر انہوں نے کھانے سے انکار کر دیا۔ میں نے انہیں دوسری بار کھانے کے لئے کہا۔ مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ میں نے انہیں کہا ''کھاؤ ورنہ میں یہ کھانا تمہارے چہرے پر مل دوں گی'' مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ میں نے خزیرہ لیا اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے چہرے پر مل دیا۔ یہ دیکھ کر حضور سید مرسلاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرانے لگے۔ آپ نے میرا سرا اپنی ران پر رکھا اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا ''بدلہ لیتے ہوئے ان کے چہرے پر بھی یہ کھانا مل دو'' انہوں نے وہ کھانا میرے چہرے پر مل دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دیکھ کر مسکرانے لگے۔

المختصر جو شخص بھی آپ کا اپنے اہل خانہ، صحابہ کرام، فقراء، یتامیٰ، بیواؤں، مہمانوں اور مساکین کے ساتھ آپ کا روح پرور سلوک دیکھے گا تو اسے علم ہو جائے گا کہ آپ نرمی اور رقت کی ان انتہاؤں پر فائز تھے جس کے بعد تک جانا مخلوق کے لئے متصور ہی نہیں ہو سکتا۔ اگر چہ آپ حدود اللہ کے متعلق بڑے شدید تھے۔ اس کے حقوق اور دین متین کے بارے بڑے شدید تھے۔ حتیٰ کہ آپ نے چور کے ہاتھ بھی کاٹے۔ زانی پر حد بھی جاری کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام کے ساتھ بڑے لطف و کرم سے پیش آتے تھے۔ فعل اور قول کے ساتھ ان سے عمدہ سلوک کرتے۔ جس سے انہیں اطمینان قلبی نصیب ہوتا۔ ان کے ایمان کو تقویت ملتی۔ انہیں یہ تعلیم بھی ملتی کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں۔ کیونکہ جب انہوں نے آپ کا اکمل اور افضل خلق دیکھا تو رب تعالیٰ کے اس فرمان کا یقین ہو گیا۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب: 21)

''بے شک تمہاری رہنمائی کے لئے اللہ کے رسول (کی زندگی) میں خوب صورت نمونہ ہے''۔

ان کے دل بھی مطمئن ہو گئے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ اسی طرح حسن سلوک سے پیش آئیں گے۔

امام عبدالرزاق اور امام ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک دیہاتی شخص تھا جسے زہیر کہا جاتا تھا۔

دوسری روایت میں اس کا نام زاہر بن حرام الاشجعی تھا۔ یہ دیہات کے تحائف بارگاہ رسالت مآب میں پیش کرتے تھے۔ حضور ﷺ انہیں شہر کے تحائف سے نوازتے تھے۔ آپ ﷺ فرماتے تھے "زہیر ہمارے لئے گاؤں اور ہم اس کے لئے شہر ہیں"، حضور اکرم ﷺ اس صحابی سے محبت فرماتے تھے۔ ایک دفعہ حضور کریم ﷺ بازار تشریف لے گئے۔ آپ نے حضرت زہیر رضی اللہ عنہ کو دیکھا جو کھڑے ہو کر کچھ بیچ رہے تھے۔ حضور ﷺ ان کے پیچھے سے آئے اور انہیں پیچھے سے اپنے سینہ اقدس کے ساتھ لگا لیا۔ حضرت زہیر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہو گیا کہ یہ ذات گرامی حضور اکرم ﷺ کی ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں اپنی کمر حضور اکرم ﷺ کے سینہ اقدس کے ساتھ ملانے لگا تاکہ مجھے برکت حاصل ہو جائے"۔

دوسری روایت کے مطابق حضور اکرم ﷺ نے انہیں پیچھے سے پکڑ لیا۔ حضرت زہیر پیچھے دیکھ نہیں سکتے تھے۔ انہوں نے کہا "کون ہے مجھے چھوڑ دو"، انہیں پتہ چل گیا کہ یہ تو حضور اکرم ﷺ کی ہستی والا ہے وہ اپنی کمر حضور ﷺ کے سینہ اقدس کے ساتھ ملانے لگے۔ تاکہ برکت اور لذت حاصل ہو جائے۔ حضور اکرم ﷺ ان کے بارے فرمانے لگے "اس غلام کو کون خریدے گا؟" حضرت زہیر نے عرض کی "یا رسول اللہ! پھر تو آپ مجھے کھوٹا (ارزاں) پائیں گے"، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ کی جناب میں تم بڑے گراں قدر ہو" دوسری روایت کے مطابق حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "لیکن بارگاہ ربوبیت میں تم کھوٹے نہیں ہو" یہ سب آپ ﷺ کی تواضع اور صحابہ کرام کے ساتھ لطف و کرم ہی تو تھا۔

ابو یعلی نے حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص تھا جو عبد اللہ الحمار کے لقب سے معروف تھا۔ وہ بارگاہ رسالت میں کبھی گھی کی پیالی اور کبھی شہد کی پیالی پیش کرتا تھا۔ جب اس کا مالک رقم کا تقاضا کرنے کے لئے آتا تو وہ اسے لے کر بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو جاتا اور کہتا "میں نے وہ چیز انہیں بطور تحفہ پیش کی تھی"، پھر عرض کرتا "اسے اس چیز کی قیمت ادا فرما دیں"۔ اس کے جواب میں حضور اکرم ﷺ صرف تبسم فرماتے اور اس کی قیمت ادا کرنے کا حکم دے دیتے"۔

دوسری روایت میں ہے کہ وہ شخص جب بھی مدینہ طیبہ میں آتا تو کچھ چیز خرید کر بارگاہ رسالت مآب میں پیش کر دیتا۔ جب اس کی قیمت مانگنے والا آتا تو اسے لے کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہو جاتا اور عرض کرتا "یا رسول اللہ! اسے اس چیز کی قیمت ادا فرما دیں"، حضور اکرم ﷺ فرماتے "کیا وہ چیز تم نے مجھے بطور تحفہ نہیں دی تھی؟" وہ عرض کرتا "میرے پاس کچھ نہیں جو میں اسے دوں"، حضور اکرم تبسم ریز ہوتے اور صحابہ کرام کو وہ رقم ادا کرنے کا حکم دے دیتے۔ حضرت نعیمان بن عمرو الانصاری رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی اسی طرح کا واقعہ روایت ہے۔ زبیر بن بکار نے اپنی کتاب "الفکاھۃ والمزاح" میں لکھا ہے کہ یہ جب بھی مدینہ طیبہ آتے کچھ نہ کچھ خرید کر بارگاہ رسالت مآب میں ضرور پیش کرتے۔ عرض کرتے "میں نے یہ بطور تحفہ پیش کیا ہے۔ جب اس چیز کا مالک رقم مانگنے کے لئے آتا تو حضرت نعیمان رضی اللہ عنہ اسے بارگاہ رسالت مآب میں لے آتے اور عرض کرتے "اسے اس کے سامان کی قیمت ادا کریں"، حضور ﷺ فرماتے "کیا وہ چیز تم نے مجھے بطور تحفہ نہیں دی تھی"، وہ عرض کرتے "اللہ کی قسم! میرے پاس اس کی قیمت کے پیسے نہ تھے۔ لیکن میں نے پسند کیا کہ آپ وہ چیز تناول فرمائیں"، اس کے جواب میں حضور اکرم ﷺ مسکرا پڑتے اور صحابہ کرام کو اس کی قیمت ادا کرنے کا حکم دے دیتے۔

حضور ﷺ مزاح بھی فرماتے تھے۔ آپ ﷺ صرف حق بات ہی کہتے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کو حضور اکرم ﷺ کی اقتداء کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر آپ خندہ پیشانی اور بشاشت کو ترک فرما دیتے تو ترش روئی آ جاتی۔ لوگ اس پر عمل پیرا ہونے لگتے۔ آپ نے مزاح کیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی مزاح کرتے تھے۔ ایک عارف کامل نے لکھا ہے "حضور ﷺ بہت زیادہ پر جلال تھے اگر آپ صحابہ کرام کے ساتھ مزاح نہ کرتے تو ان میں آپ کے ساتھ بات کرنے کا بھی حوصلہ نہ ہوتا۔ شدت ہیبت اور جلال کی وجہ سے وہ آپ کے ساتھ کھڑے بھی نہ ہو پاتے"۔ امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ ہمارے ساتھ مزاح بھی تو کرتے ہیں" حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "میں صرف حق کہتا ہوں"۔

امام ترمذی اور امام داؤد وغیرہما نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص تھا۔ جو امور دنیا سے غافل رہتا تھا۔ اس نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم مجھے اونٹ پر سوار کرائیں تا کہ میں بھی آپ کے ساتھ جہاد کر سکوں" حضور ﷺ نے فرمایا "میں تمہیں اونٹنی کے بچے پر سوار کروں گا"۔ اس کے دل میں آیا کہ اونٹنی کا بچہ تو چھوٹا ہوتا ہے اس نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم مجھے اونٹنی کا بچہ کیا فائدہ دے گا؟" حضور ﷺ نے فرمایا "تجھ پر حسرت! اونٹ کو اونٹنی ہی جنم دیتی ہے" ایک اور خاتون بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئی۔ عرض گزار ہوئی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم مجھے اونٹ پر سوار کریں" آپ نے فرمایا "اسے اونٹ کے بچے پر سوار کر دو" اس خاتون نے عرض کی "میں اسے کیا کروں گی۔ وہ مجھے کیسے اٹھا سکے گا؟" آپ ﷺ نے فرمایا "ہر اونٹ، اونٹ کا ہی تو بچہ ہوتا ہے"۔

امام ترمذی نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی پھوپھی حضرت صفیہ بنت عبد المطلب رضی اللہ عنہا سے بھی خوش کلامی فرمائی۔ انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم دعا کریں رب تعالیٰ مجھے جنت میں داخل کر دے" آپ نے فرمایا "ام فلاں! جنت میں کوئی بوڑھی نہیں جائے گی" یہ سن کر وہ گھبرا گئیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا "تمہیں جنت میں عہد شباب نصیب ہوگا"۔ ارشاد ربانی ہے۔

اِنَّآ اَنۡشَاۡنٰهُنَّ اِنۡشَآءً ۙ﴿۳۵﴾ فَجَعَلۡنٰهُنَّ اَبۡكَارًا ﴿۳۶﴾ (الواقعہ)

"ہم نے پیدا کیا ان کی بیویوں کو حیرت انگیز طور سے۔ پس ہم نے بنا دیا انہیں کنواریاں"

آپ ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ شفقت کرتے ہوئے خوش کلامی فرماتے تھے۔ ان کے ساتھ مل بیٹھتے تھے۔ ان کے ساتھ انس ومحبت کرتے تھے اور ان کی دلداری کے لئے ان کے ساتھ گفتگو فرماتے تھے۔ آپ ان کے بچوں کے ساتھ کھیلتے۔ انہیں اپنی گود میں بٹھا لیتے۔ حضرت ام قیس رضی اللہ عنہا اپنے چھوٹے بچے کو لے کر حاضر خدمت ہوئیں جو کھانا نہیں کھاتا تھا۔ حضور ﷺ نے اسے اپنی گود میں بٹھا لیا۔ اس نے آپ کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا۔ آپ نے پانی منگوایا اور اس جگہ چھڑک دیا اور اسے کچھ نہ کہا۔ آپ اپنے قلب انور کے ساتھ ملکوت میں گھومتے رہتے جہاں اللہ رب العزت چاہتا تھا۔

جو روایات ایسی ہیں جن میں آپ نے مزاح سے منع فرمایا ہے انہیں افراط مزاح پر محمول کیا جائے گا۔ کیونکہ کثرت

مزاح سے دل ذکر الٰہی اور دینی امور میں غور وفکر کرنے سے غافل ہو جاتا ہے۔ اس طرح کثرت مزاح سے دل کی قسوت، زیادہ ہنسی، چہرے کی شادابی ختم ہو جانے جیسے امراض لگ جاتے ہیں۔ اس سے ایذاء، کینہ، عداوت اور چھوٹے کی بڑے پر جرأت کرنا جنم لیتا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''جو زیادہ ہنستا ہے اس کی ہیبت کم ہو جاتی ہے۔ جو مزاح کرتا ہے اس کی ہیبت کم ہو جاتی ہے''۔ یہ ساری روایات افراط پر محمول کی جائیں گی۔ اس لئے کہا گیا ہے۔

فَاِیَّاکَ اِیَّاکَ الْمِزَاحَ فَاِنَّہٗ یُجْرِیْ عَلَیْکَ الطِّفْلَ وَ الرَّجُلَ النَّذلَا

وَ یُذْھِبُ مَاءَ الْوَجْہِ مِنْ کُلِّ سَیِّدٍ وَیُوْرِثُہٗ مِنْ بَعْدِ عِزَّتِہٖ ذُلًّا

بچو! مزاح کرنے سے بچو! یہ ہر بچے اور خسیس شخص کو تم پر طاری کر دے گا۔ یہ ہر سردار کی ہیبت کو ختم کر دیتا ہے عزت کی رفعتوں کے بعد اسے ذلت کی گہرائیوں میں پھینک دیتا ہے۔

اس بحث سے جو کچھ سمجھا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ مباح مذاق وہ ہے جو حرام اور مکروہ کی طرف نہ لے جائے۔ اگر اس میں کوئی مصلحت کارگر ہو جیسے مخاطب کی دلداری جس طرح کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کرتے تھے تو مستحب ہے۔

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے زیادہ اخلاق حسنہ کے مالک تھے۔ میرا ایک چھوٹا بھائی تھا جسے ابو عمیر کہتے تھے۔ اس کی ایک چڑیا تھی جس کے ساتھ وہ کھیلتا تھا۔ وہ چڑیا مر گئی۔ یہ بارگاہ رسالت مآب میں غمزدہ ہو کر گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا ''اسے کیا ہوا ہے؟'' صحابہ کرام نے عرض کی ''اس کی چڑیا مر گئی ہے۔ آپ نے اس پر شفقت وملاطفت کرتے ہوئے فرمایا ''یا اَبَا عُمَیْرُ! مَا فَعَلَ النُّغَیْرُ'' ابو عمیر، نغیر نے کیا کیا۔ آپ نے چڑیا کو نُغَیر فرمایا یہ آپ کا حسن خلق، کرم الشمائل اور تواضع ہی تھی۔

امام ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم میں گھل مل کر بیٹھتے تھے''۔ آپ میرے چھوٹے بھائی سے فرماتے ''یا عمیر ما فعل النغیر'' اس کے باوجود رب تعالیٰ نے بعثت سے قبل اور بعد میں بھی لوگوں کے دلوں میں آپ کا جلال، رعب، ہیبت اور دبدبہ پیدا فرما دیا تھا۔ حتیٰ کہ بعثت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ قوم جو آپ کو جھٹلاتی تھی وہ جب آپ سے ملتی تو آپ کی تعظیم بجا لاتی۔ جلال اور ہیبت کی وجہ سے وہ آپ کا کام بھی کر دیتی۔ وہ جلال اور رعب جو دلوں کو مرعوب کر دیتا تھا۔ جو آپ کو دیکھتا تھا وہ ہیبت زدہ ہو جاتا تھا۔

امام بوصیری نے خوب فرمایا ہے۔

کَاَنَّہٗ وَ ھُوَ فَرْدٌ مِنْ جَلَالَتِہٖ فِی عَسْکَرٍ حِیْنَ تَلْقَاہُ وَ فِی حَشَمٍ

آپ کو دیکھتے وقت آپ کا رعب اور جلال منفرد تھا۔ یہ ہیبت وحشمت اس بادشاہ کو دیکھنے سے بھی زیادہ تھی جو اپنے لشکر اور جاہ وجلال میں ہو۔

ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ضروری کام کے لئے آیا۔ وہ آپ کے سامنے کھڑا ہوا تو اسے شدید لرزہ اور رعب

نے آلیا۔ آپ ﷺ نے اسے فرمایا "پرواہ نہ کر میں نہ تو بادشاہ ہوں اور نہ ہی سرکش ہوں۔ میں تو قریش کی ایک خاتون (محترمہ) کا فرزند دلبند ہوں۔ جو مکہ مکرمہ میں گوشت کے خشک ٹکڑے کھاتی تھی"۔ اس شخص نے اپنا ضروری کام عرض کیا۔ آپ ﷺ کھڑے ہو گئے اور فرمایا "اے لوگو! مجھ پر وحی کی گئی ہے کہ تواضع کروں۔ تم بھی عاجزی کرو۔ کوئی کسی کے خلاف سرکشی نہ کرے کوئی کسی پر فخر نہ کرے۔ اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ"۔ جب آپ ﷺ نے دیکھا کہ تواضع اس شخص کی تسکین کا باعث بنا ہے تو لوگوں کو بھی عاجزی اور انکساری کی ترغیب دی۔ تاکہ لوگوں کی ضروریات پوری کی جاسکیں۔ تواضع دل کی انکساری اور مخلوق کے لئے نرمی اور رحمت کے پروں کو نیچا کرنے کا نام ہے تاکہ کوئی نہ دیکھے کہ حق اس کے پاس ہے۔ بلکہ یہی سمجھے کہ حق اس کے علاوہ کسی دوسرے شخص کے پاس ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "میں بادشاہ نہیں ہوں"، اس سے آپ نے ظاہر کرنا چاہا کہ آپ میں بادشاہوں کا وصف نہیں جس سے جبر، تکبر اور فخر پیدا ہوتے ہیں"۔ آپ نے فرمایا "میں اس (عظیم) خاتون کا نور نظر ہوں جو خشک گوشت کھاتی تھیں" کیونکہ قدید (خشک گوشت) یہ مساکین کا کھانا ہے گویا کہ آپ ﷺ نے فرمایا "میں ایک مسکینہ خاتون کا فرزند دلبند ہوں۔ جو وہ کھانا کھاتیں تھیں جو بچ جاتا تھا۔ مجھ سے کیسے ڈرا جا سکتا ہے"۔

ابوداؤد نے روایت کیا ہے کہ حضرت قیلہ بنت مخرمہ التمیمیہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو مسجد نبوی میں جلوہ افروز دیکھا۔ ان پر خوف کی وجہ سے لرزی طاری ہو گیا۔ آپ نے فرمایا "مسکینہ! پرسکون ہو جا" آپ کا اتنا ہی فرمانا تھا کہ اس کا سارا خوف و ڈر ختم ہو گیا۔

حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "مجھے حضور اکرم ﷺ کی رفاقت نصیب ہوئی۔ میں نے از روئے حیاء اور تعظیم آپ ﷺ کو نظر بھر کر کبھی نہیں دیکھا۔ اگر مجھے آپ کا مکمل مبارک حلیہ بیان کرنے کے لئے کہا جائے تو مجھ سے یہ نہ ہو سکے گا"۔

یہ اس ہستی کا قول ہے جسے عظیم صحابہ کرام میں شمار کیا جاتا ہے۔ دیگر لوگوں کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔ اس کی وضاحت اور صراحت اس روایت میں مزید نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ جب آپ عشاء کی نماز سے فارغ ہوتے تو حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اگر جاگ رہی ہوتیں تو ان سے محو تکلم ہوتے۔ ورنہ زمین پر ہی لیٹ جاتے۔ پھر نماز تہجد میں مصروف ہو جاتے۔ یہ صرف اس لئے تھا کہ آپ رات کو نماز تہجد ادا فرماتے۔ اور ایسے ذکر و اوراد میں مشغول رہتے جس سے آپ کے قرب الٰہی میں اضافہ ہوتا۔ حال کی کیفیت یوں طاری ہو جاتی کہ گمان ہونے لگتا کہ آپ بشر نہیں ہیں۔ اگر آپ قرب الٰہی، مناجات اور اپنے رب تعالیٰ کا کلام سننے کی کیفیت سے باہر تشریف لاتے جس کا وصف بیان کرنے سے زبانیں قاصر ہیں تو کوئی بشر بھی آپ سے ملاقات کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا۔ حضور ﷺ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ محو تکلم ہو جاتے۔ زمین پر لیٹ جاتے۔ تاکہ ان کی جنس سے آپ کو انس حاصل ہو جائے۔ یعنی یا تو ام المومنین سے انس حاصل ہو جائے کیونکہ آپ رضی اللہ عنہا تو بشر ہی تھیں یا اصل خلقت زمین سے انس حاصل ہو جائے۔ پھر لوگوں کے ساتھ

ملاقات کرنے اور گفتگو کرنے کے لئے تشریف لے جاتے۔ آپ یہ صرف اور صرف صحابہ کرام کے ساتھ شفقت اور رقت کے لئے کرتے کیونکہ آپ مؤمنین کے ساتھ رؤف رحیم تھے۔

حدیث مبارک میں ہے کہ حضرت اسرافیل علیہ السلام کے ذریعہ آپ کو اختیار دیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بادشاہ نبی یا عبد نبی بنیں۔ آپ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کی طرف دیکھا گویا کہ مشورہ طلب فرما رہے ہیں۔ حضرت جبرائیل نے تواضع کی طرف اشارہ کرتے ہوئے زمین کی طرف دیکھا۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے اشارہ کیا کہ تواضع اختیار فرمائیں آپ نے فرمایا "میں نے کہا" "میں عبد نبی بننا چاہتا ہوں" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تواضع اور عاجزی کرتے ہوئے عبودیت کو پسند فرمایا۔ اسی لئے رب تعالیٰ نے آپ کو اتنی رفعت عطا فرمائی کہ آسمان کی سیر کرائی اور ملکوت اعلیٰ سے آگاہ فرمایا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت محمود بن ربیع انصاری رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے۔ اس وقت ان کی عمر پانچ سال تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزاح کرتے ہوئے ان کے گھر میں موجود کنویں سے پانی لیا اور ان پر کلی کر دی۔ یہ کلی بھی یمن و برکت سے لبریز تھی۔ جب وہ بڑے ہوئے تو ان کے ذہن میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار کا ذکر باقی نہ رہا سوائے اس کلی کے۔ اسی وجہ سے انہیں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں شامل کیا جاتا ہے۔

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام، اہل خانہ، قریب و بعید کے ساتھ انتہائی شفقت، خندہ پیشانی، حسن خلق اور نرمی سے پیش آتے کہ ہر صحابی یہی سمجھتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے ساتھ سب سے بڑھ کر شفقت کرتے ہیں۔ آپ سے جو ملتا آپ اسے سلام کرنے میں پہل کرتے۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی کسی حاجت کے لیے کھڑا ہونے کے لیے عرض کرتا تو آپ اس کے لئے قیام فرما ہو جاتے اور مقام و محل کے مطابق چھوٹے اور بڑے کے ساتھ مزاح بھی فرما لیتے۔ دعوت دینے والے کی دعوت بھی قبول فرماتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مخلوق کی دلداری بھی فرماتے تھے۔ ان کے ساتھ حسن معاشرت کے ساتھ پیش آتے تھے تاکہ جہالت کے دبیز پردوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے وہ آپ کے نور ہدایت سے اجالا حاصل کر سکیں۔ آپ کی ہدایت کی اقتداء کریں۔ عام طور پر جب آپ اپنے صحابہ کرام کے ساتھ تشریف فرما ہوتے تو رب تعالیٰ کے ذکر کا تذکرہ ہوتا۔ آپ ترغیب و ترہیب فرماتے یا تو قرآن مجید کی تلاوت فرما کر یا حکمت اور مواعظہ حسنہ سے صحابہ کرام کو تلقین فرماتے۔ ایسی تعلیم دیتے جو ان کے دین حق میں انہیں نفع دیتی۔ جیسا کہ رب تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا تھا کہ آپ ذکر فرمائیں۔ وعظ و تلقین کریں اور سبق آموز قصص بیان فرمائیں۔ اپنے رب کی طرف حکمت اور مواعظ حسنہ سے بلائیں۔ آپ بشارت بھی دیں۔ انہیں ڈرائیں بھی۔ ان مجالس کا اثر یہ ہوتا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں رقت پیدا ہو جاتی۔ دنیا سے بے رغبتی اور آخرت میں رغبت پیدا ہو جاتی۔ حتیٰ کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں گمان بھی نہیں کرتا تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بھی کوئی دنیا کا ارادہ رکھتا ہے حتیٰ کہ یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔

مِنۡكُمۡ مَّنۡ يُّرِيۡدُ الدُّنۡيَا وَمِنۡكُمۡ مَّنۡ يُّرِيۡدُ الۡاٰخِرَةَ (آل عمران: 152)

"بعض تم میں سے طلب گار ہیں دنیا کے اور بعض تم میں سے طالب گار ہیں آخرت کے"۔

حضور امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی کسی کھانے میں عیب نہیں نکالا۔ اگر پسند فرمایا تو کھالیا ورنہ اسے چھوڑ دیا اور معذرت کر دی۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب گوہ کھانے سے معذرت کی تو فرمایا کہ یہ آپ کی قوم کی زمین میں نہیں ہوتی۔ اس فرمان میں کتنا حسن ادب ہے۔ کیونکہ بعض اوقات ایسے ہوتا ہے کہ ایک شخص ایک چیز کو پسند نہیں کرتا دوسرا اسے پسند کرتا ہے جبکہ شریعت بیضاء نے اسے حلال قرار دیا ہو۔ اس میں عیب بھی نہ ہو۔ اگر وہ چیز حرام ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس میں عیب نکالتے۔ اس کی مذمت بیان فرماتے اور از روئے شرع اسے کھانے سے منع فرماتے۔ نہ کہ از روئے اس کی ذات کے۔ بعض اوقات کوئی چیز عمدہ ذوق اور کاریگری کا مظہر ہوتی ہے۔ اگر عیب لوگوں کی کاریگری کی طرف سے ہو تو اسے بیان کرنا ضروری ہے اور اگر وہ رب تعالیٰ کی طرف سے ہو تو اسے بیان کرنا جائز نہیں۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے" کھانے کے مؤکدہ آداب میں سے ہے کہ اس کا عیب نہ نکالا جائے۔ جیسا کہ نمکین ہے کڑوا ہے۔ نمک کم ہے۔ گندا ہے۔ صحیح پکا ہوا نہیں ہے"۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عاجزی اور انکساری کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ نئے اور پرانے زمانہ میں لوگ اس دنیا کو گالی دیتے رہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" دنیا کو گالی نہ دو۔ یہ مؤمن کی سواری ہے۔ وہ اس پر سوار ہو کر بھلائی تک پہنچتا ہے۔ اور اس سے شر سے نجات پاتا ہے"۔ وہ لوگ جو اس دنیا کو گالی دیتے تھے۔ وہ اس سے استغناء کا اظہار کرتے تھے۔ اس پر اعتبار نہیں کرتے تھے۔ مگر یہ بات حقیقت کے برعکس ہے۔ کیونکہ اسے رب تعالیٰ نے بھلائی کے حصول کا وسیلہ بنایا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس کی ستائش فرمانا اور اسے گالی دینے سے روکنا اس میں اس حقیقت کا اظہار ہے کہ اس میں جو ہے وہ اس کا محتاج ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" دہر (زمانہ) کو گالی نہ دو" دوسری روایت میں ہے کہ زمانہ کے نقصانات کے متعلق بات نہ کرو اللہ تعالیٰ ہی زمانہ ہے۔ یعنی جو کچھ زمانہ میں رونما ہوتا ہے وہی اس کا فاعل ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ جب تم زمانہ کو گالی دیتے ہو تو وہ رب تعالیٰ کی طرف جاتی ہے۔ کیونکہ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے نہ کہ زمانہ۔ حوادثات کو پیدا کرنے والا زمانہ نہیں بلکہ رب تعالیٰ کی ذات والا ہے۔

دوسری روایت میں ہے" میں زمانہ ہوں۔ لیل ونہار میرے دست اقدس میں ہیں۔ میں انہیں جیسے چاہتا ہوں بدل دیتا ہوں۔ جیسے چاہتا ہوں ان میں تدبیر کرتا ہوں"۔ گویا کہ یہ اس فرمان کی تفسیر ہے" زمانہ میں ہوں"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حسن خلق اور تواضع یہ بھی ہے کہ جب بھی آپ کو دو امور کا اختیار دیا گیا تو آپ نے ان میں سے آسان کو منتخب فرمایا۔ بشرطیکہ اس میں گناہ نہ ہوتا۔ اگر اس میں گناہ ہوتا تو آپ اس سے سارے لوگوں سے دور ہوتے ہیں۔ یہ بھی آپ کی تواضع ہے کہ آپ کے در اقدس پر دربان نہ تھا۔

امام مسلم اور امام بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا" ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک عورت کے پاس سے گزرے۔ وہ ایک قبر کے پاس بیٹھے رو رہی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے فرمایا" اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور صبر کرو" اس عورت نے کہا" آپ مجھ سے دور ہو جائیں۔ آپ کو تو کسی مصیبت سے واسطہ نہیں پڑا"۔

دوسری روایت میں ہے کہ اس عورت نے کہا ''آپ کو مجھ جیسی گراں مصیبت کا سامنا نہیں کرنا پڑا''۔ اس عورت نے آپ سے اسی طرح گفتگو کی۔ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہچانا نہ تھا۔ آپ نے اس سے درگزر کیا اور آگے تشریف لے گئے۔ اس عورت کے پاس سے حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما گزرے۔ اسے پوچھا ''تمہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا فرمایا ہے؟ اس عورت نے جواب دیا ''میں نے تو آپ کو پہچانا ہی نہیں'' یہ بھی آپ کی تواضع تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کی ٹوہ میں نہیں لگ جاتے تھے جس طرح سرداروں اور بادشاہوں کی عادت ہوتی ہے۔ وہ عورت بہت زیادہ افسردہ اور غمناک تھی۔ حضرت فضل رضی اللہ عنہ نے اسے فرمایا ''وہ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے''۔

امام مسلم نے یہ اضافہ فرمایا ''جب اسے پتہ چلا کہ وہ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے تو وہ کرب وغم سے گویا کہ مرنے لگی۔ وہ کاشانہ اقدس کے دروازہ پر آئی۔ اس نے وہاں دربان نہ دیکھا۔ تو اس نے تعجب کیا۔ جب اسے بتایا گیا کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں تو وہ خوف اور ہیبت سے کپکپا اٹھی۔ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بادشاہوں کی مانند سمجھا جن کے دروازوں پر حاجب اور دربان ہوتے ہیں۔ لوگوں کو اس بادشاہ تک جانے سے روکتے ہیں۔ اس نے یہاں سب کچھ اپنے تصور کے برعکس پایا۔ معذرت کرتے ہوئے آپ سے عرض کی ''میں نے آپ کو پہچانا نہ تھا'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے فرمایا ''پہلے صدمہ کے وقت صبر ہوتا ہے''۔ ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دربان نہ تھا''۔ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ اکثر اوقات دربان نہیں رکھتے تھے۔ یہ بات اس روایت کے منافی نہیں کہ جب آپ اریس کے کنوئیں پر تشریف فرما ہوئے تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ باغ کے دروازہ پر دربان کی طرح بیٹھ گئے۔ تاکہ آپ کے پاس کوئی بغیر اجازت نہ جاسکے۔ بعض علماء نے ان روایات کو اس طرح جمع کیا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہل خانہ کے کسی کام کاج میں مصروف نہ ہوتے یا اپنے کسی معاملہ میں خلوت میں نہ ہوتے تو اپنے اور لوگوں کے درمیان سے دربان اٹھا دیتے۔ صحابہ کرام آپ کے پاس اپنی معروضات پیش کر لیتے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے کسی کام میں مصروف ہوتے تو دربان مقرر فرما دیتے۔

حیاء، شرم

آپ کے شرم وحیاء کو عیاں کرنے کے لئے وہی روایت کافی ہے جسے امام بخاری نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ''حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پردہ نشین کنواری دوشیزہ سے بھی زیادہ باحیاء تھے۔ جب آپ کسی چیز کو ناپسند فرماتے تو اس کے اثرات رخ زیبا سے عیاں ہو جاتے''۔

اس روایت میں یہ اشارہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر کسی چیز کو ناپسند فرماتے تو کسی کے سامنے اس کا تذکرہ نہ فرماتے بلکہ چہرہ انور کی رنگت تبدیل ہو جاتی۔ جس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کی ناپسندیدگی کو سمجھ جاتے۔ امام بزار نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجرات مقدسہ کے پیچھے غسل فرماتے تھے اور کسی نے کبھی بھی آپ کی شرم گاہ نہیں دیکھی تھی۔ یہ آپ کی شدت حیاء کی وجہ سے تھا۔

امام ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کے سامنے ناپسندیدہ چیز کا تذکرہ کر کے

اسے شرمندہ نہیں کرتے تھے۔ بلکہ ناپسندیدگی کے اثرات چہرۂ انور سے عیاں ہو جاتے تھے۔ ایک دفعہ ایک شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس پر زردی کے نشانات تھے۔ جب وہ شخص اٹھ کر چلا گیا تو آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا "یہ رنگ بدل دے یا اپنا وصف تبدیل کر دے" دوسری روایت میں ہے "کاش! تم اسے حکم دو کہ وہ اس زردی کو ختم کر دے"۔

کسی دل میں حیاء کی قوت اس میں زندگی، بیداری اور اس چیز کی معرفت کے مطابق ہوگی کہ کون سی چیز اس کے لئے نفع اور کون سی چیز اس کے لئے نقصان کا سبب بنتی ہے۔ حیاء کا کم ہونا دل کی موت کی علامت ہے یعنی دل میں وہ صفات مفقود ہوتی ہیں جو کمال کا تقاضا کرتی ہیں دل جتنا زندہ ہوگا اتنا حیاء زیادہ ہوگا۔ اسی لئے حضور ﷺ کا حیاء سب سے اکمل تھا کیونکہ کوئی دل آپ ﷺ کے قلب انور سے بڑھ کر زندہ نہیں ہے۔ شرع میں حیاء اس خلق کو کہتے ہیں جو قبیح چیز سے اجتناب کرنے پر ابھارے اور کسی حقدار کے حق میں کوتاہی کرنے سے منع کرے۔ اس لئے احادیث طیبہ میں آیا ہے۔ "حیاء ایمان میں سے ہے" "حیاء سارے کا سارا بھلائی ہے" "اگر حیاء نہیں تو جو چاہے کر"۔

حیاء کی کئی اقسام ہیں۔ ❶ حیاء کرم۔ جس طرح کہ حضور اکرم ﷺ نے ان لوگوں سے حیاء فرمایا تھا جنہیں آپ ﷺ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے ولیمہ پر دعوت دی تھی۔ کھانے کے بعد وہ کافی دیر وہیں رکے رہے۔ حضور ﷺ کو حیاء آئی کہ آپ ﷺ انہیں جانے کے لئے کہیں۔ آپ ﷺ اٹھے۔ آپ کے ہمراہ دو یا تین افراد کے علاوہ باقی اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ ٹھہرے رہے حتیٰ کہ حضور اکرم ﷺ اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے پاس تشریف لے گئے۔ آپ نے انہیں سلام فرمایا۔ وہ لوگ پھر بھی ٹھہرے رہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو ان کے قیام سے متعلق بتایا حضور اکرم ﷺ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے۔ اس وقت اللہ رب العزت نے یہ آیت طیبہ نازل کی۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّاۤ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ ۙ وَ لٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَ لَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ۫ وَ اللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ (الاحزاب:53)

"اے ایمان والو! نہ داخل ہوا کرو نبی کریم کے گھروں میں بجز اس (صورت) کے کہ تم کو کھانے کے لئے آنے کی اجازت دی جائے (اور) نہ کھانا پکنے کا انتظار کیا کرو۔ لیکن جب تمہیں بلایا جائے تو اندر چلے آؤ۔ پس جب کھانا کھا چکو تو فوراً منتشر ہو جاؤ اور نہ وہاں جا کر دل بہلانے کے لئے باتیں شروع کر دیا کرو۔ تمہاری یہ حرکتیں (میرے) نبی کے لئے تکلیف کا باعث بنتی ہیں۔ پس وہ تم سے حیاء کرتے ہیں (اور چپ رہتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ کسی کی شرم نہیں کرتا حق بیان کرنے میں"۔

❷ حیاء العبودیت۔ یہ وہ حیاء ہے جس میں محبت، خوف، مشاہدہ اور عبادت کو کما حقہ ادا نہ کرنے کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے۔ کیونکہ معبود برحق کی شان اعلیٰ اور برتر ہے۔ اس کی بندگی لازماً اس سے حیاء کا سبب بنتی ہے۔

③ اپنے آپ سے حیاء۔ یہ اس پاکیزہ اور بلند نفس کی حیاء ہے جو نقص اور کمی کی وجہ سے اپنے آپ سے حیاء کرتا ہے۔ اس کا نفس ہی اس کے نفس سے حیاء کرتا ہے گویا کہ اس کے دو نفس ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے سے حیاء کرتا ہے۔ یا حیاء کی اکمل صورت ہے جب بندہ اپنے نفس سے حیاء کرتا ہے تو وہ دوسرے سے زیادہ حیاء کرے گا۔ حیاء صرف بھلائی لے کر آتا ہے جو شخص لوگوں کے سامنے حیاء کی وجہ سے کسی کام سے رک جاتا ہے تو وہ اپنے رب سے کہیں بڑھ کر حیاء کرتا ہے۔ وہ کسی فریضہ کو ضائع نہیں کرتا کسی خطاء کا ارتکاب نہیں کرتا۔ یہ ایمان سے ہے کیونکہ یہ اپنے صاحب کو گناہوں کے ارتکاب سے روک لیتا ہے۔ رب تعالیٰ سے حیاء کرنے کا اکمل اور اتم درجہ یہ ہے کہ وہ تجھے اس جگہ نہ دیکھے جہاں سے اس نے منع کیا ہے اور اس جگہ سے تجھے غائب نہ پائے جہاں کا اس نے حکم دیا ہے۔ اس میں کمال معرفت اور دائمی مراقبہ سے پیدا ہوتا ہے۔

ایک طبعی حیاء ہوتا ہے۔ دوسرا بعد میں حاصل کیا ہوا۔ اس حاصل کئے ہوئے کو ہی حضرت شارع علیہ السلام نے ایمان کا حصہ قرار دیا ہے۔ انسان اسی کا مکلف ہے۔ البتہ طبعی حیاء انسان کے اس حیاء پر اعانت کرتا ہے حتیٰ کہ یہ بھی طبعی بن جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں یہ دونوں اقسام پائی جاتی تھیں۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پردہ نشین دوشیزہ سے بھی زیادہ باحیاء تھے۔ روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شرم وحیاء کا عالم یہ تھا کہ کسی شخص کے چہرہ کی طرف لگاتار نہیں دیکھتے تھے نہ اس کے بارے غور وفکر کرتے تھے۔

خوف، خشیت الٰہیہ

آپ خوف خدا اور خشیت الٰہیہ کے اس رفیع مقام پر تھے کہ کوئی برابری کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب لوگوں سے زیادہ متقی اور رب تعالیٰ سے سب سے زیادہ ڈرنے والے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھتے تو سینۂ اقدس سے غلبۂ خشیت کی وجہ سے ہنڈیا کے ابلنے کی سی آواز آتی تھی۔ آپ نماز ادا کرتے۔ گریہ بار ہوتے اور بغیر آواز کے لگاتار آنسوؤں کے موتی گرتے رہتے۔ آپ کے شکم مبارک سے ہلکی ہلکی آواز آتی تھی۔ دوسری روایت میں ہے کہ اس طرح آواز آتی تھی جس طرح چکی چلنے کی آواز آتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ''اگر تم وہ جان لیتے جو میں جانتا ہوں تو تھوڑا ہنستے اور زیادہ روتے''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ خوف ہیبت، تعظیم اور اجلال کا خوف تھا۔ یہ معرفت اور محبت کے کمال کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے یہ وہ تعظیم ہے جو محبت کے ساتھ ملی ہوتی ہے۔

بعض علماء کرام نے فرمایا ہے ''خوف عام مؤمنین، خشیت باعمل علماء کرام، ہیبت اہل محبت کے لئے اور اجلال مقربین کے ساتھ مخصوص ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سارے محبین اور مقربین سے اکمل تھے۔ آپ کا خوف ہیبت اور جلال کا خوف تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ میں علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین کو جمع کر دیا تھا۔ آپ قلبی خشیت کے ساتھ ہر چیز کا عیاں مشاہدہ فرماتے تھے۔ عظمت الٰہیہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے اس طرح آشکارا ہو جاتی کہ کسی اور کے لئے عیاں نہ ہوتی۔ اسی لئے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ''تم میں سے سب سے زیادہ متقی اور سب سے زیادہ رب تعالیٰ کا عرفان رکھنے والا میں ہوں''۔

شجاعت

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب لوگوں سے زیادہ جری اور بہادر تھے۔ اس کے بارے روایات اور احادیث تواتر سے منقول ہیں۔ امام بخاری، امام مسلم اور امام ترمذی وغیرہم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سارے لوگوں سے حسین، سارے لوگوں سے سخی اور سارے لوگوں سے بہادر تھے۔ ایک رات اہل مدینہ گھبرا گئے۔ لوگ آواز کی سمت جانے لگے۔ انہوں نے پایا کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ آپ گھوڑے پر بیٹھ کر اس آواز کی جانب سب سے پہلے تشریف لے گئے تھے۔ یہ گھوڑا حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا تھا۔ آپ نے گردن اقدس کے ساتھ تلوار حمائل کی ہوتی تھی۔ آپ فرما رہے تھے ''نہ ڈرو''۔

دوسری روایت میں ہے کہ یہ گھبراہٹ دشمن کی وجہ سے تھی۔ حضور پیکر جرأت و بسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے گھوڑا لیا۔ جسے ''المندوب'' کہا جاتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر سوار ہو کر گئے۔ جب واپس تشریف لائے تو فرمایا ''ہم نے کچھ نہیں دیکھا۔ اور ہم نے اس گھوڑے کو سمندر پایا ہے''۔

راوی کہتے ہیں ''وہ گھوڑا سست رو تھا''۔ دوسری روایت میں ہے کہ ایک دفعہ اہل مدینہ ڈر گئے۔ رات کا سماں تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ وہ سست رو تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''ہم نے تمہارے اس گھوڑے کو سمندر پایا ہے'' بعد میں کوئی گھوڑا اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔

دوسری روایت میں ہے ''بعد میں کوئی گھوڑا اس سے آگے نہ بڑھ سکا'' اس حدیث مبارک میں آپ کی شجاعت کا تذکرہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سارے لوگوں سے پہلے تشریف لے گئے۔ صورت حال معلوم فرمائی اور لوگوں سے پہنچنے سے قبل واپس بھی تشریف لے آئے۔ اس روایت میں آپ کے معجزہ اور عظیم برکت کا بھی ذکر ہے کہ وہ گھوڑا سست روی سے صبا رفتار ہو گیا۔

علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھوڑوں میں سے ایک گھوڑے کا نام ''مندوب'' تھا۔ شاید بعد میں یہ گھوڑا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس چلا گیا ہو۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر کیا ہے ''ممکن ہے دو گھوڑے ہوں جن میں سے ہر ایک کا نام ''مندوب'' ہو۔ علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ توجیہہ بہتر ہے''۔

امام احمد، امام نسائی وغیرہما نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ بہادر اور شجاع نہیں دیکھا'' دوسری روایت میں ہے ''آپ سے زیادہ سخی اور جلد راضی ہو جانے والا نہیں دیکھا''۔

امام ابن اسحاق اور امام حاکم وغیرہما نے روایت کیا ہے کہ مکہ معظمہ میں ایک شخص تھا جسے ''رکانہ'' کہا جاتا تھا۔ وہ پہلوان تھا۔ کشتی کرنے کا ماہر تھا۔ لوگ اس کے ساتھ زور آزمائی کے لئے آتے وہ انہیں پچھاڑ دیتا تھا۔ ایک دن وہ مکہ مکرمہ کی ایک گھاٹی میں تھا کہ حضور داعی اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے ساتھ ملاقات کی۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ''رکانہ! کیا تو رب تعالیٰ سے نہیں ڈرتا اور میں جو دعوت دیتا ہوں اسے قبول نہیں کر لیتا اور رب تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان نہیں لے

آتا"۔ رکانہ نے کہا "محمد (مصطفیٰ ﷺ) کیا آپ کے پاس کوئی دلیل ہے جو آپ کی صداقت پر دلالت کرے"۔ آپ ﷺ نے فرمایا "تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر میں تمہیں پچھاڑ دوں تو کیا تو رب تعالیٰ اور اس کے رسول محترم پر ایمان لے آئے گا"۔ اس نے کہا "ہاں" حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "پھر تیاری کرلو" اس نے کہا "میں نے تیاری کر لی ہے"۔ حضور ﷺ اس کے قریب گئے اسے پکڑا اور زمین پر پٹخ دیا۔ اس قوت و طاقت پر رکانہ نے تعجب کا اظہار کیا۔ اس نے دوبارہ کشتی لڑنے کے لئے کہا۔ حضور ﷺ نے اسے دوسری اور پھر تیسری بار بھی پچھاڑ دیا۔ رکانہ پیکر تعجب بنا دیکھتا رہا۔ اس نے کہا "آپ کی یہ شان و قدر بڑی عجیب ہے"۔

حافظ ابن حجر نے "الاصابہ" میں رکانہ کا نسب اس طرح لکھا ہے "رکانہ بن عبد یزید بن ہاشم بن مطلب بن عبد مناف۔ علامہ بلاذری نے روایت کیا ہے کہ رکانہ سفر سے واپس آیا۔ اسے حضور اکرم ﷺ کے دعویٰ نبوت کے بارے بتایا گیا۔ رکانہ بہت طاقتور تھا۔ یہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوا اور عرض کی "محمد! (ﷺ) اگر آپ مجھے پچھاڑ دیں تو میں آپ پر ایمان لے آؤں گا"۔ حضور ﷺ نے اسے پچھاڑ دیا۔ رکانہ نے کہا "میں گواہی دیتا ہوں کہ تم جادوگر ہو" پھر بعد میں اس نے اسلام قبول کر لیا۔ حضور ﷺ نے اسے پچاس وسق عطا فرمائے۔ دوسری روایت میں ہے کہ رکانہ آپ سے مکہ مکرمہ کی ایک گھاٹی میں ملا۔ اس نے کہا "میرے بھتیجے! مجھے آپ کی طرف سے ایک چیز پہنچی ہے۔ اگر آپ نے مجھے پچھاڑ دیا تو میں جان جاؤں گا کہ آپ سچے ہیں"۔ اس نے آپ کے ساتھ زور آزمائی کی آپ نے اسے زمین پر پٹخ دیا۔ رکانہ نے فتح مکہ کے سال اسلام قبول کیا۔ دوسری روایت کے بعد زور آزمائی میں ناکام ہونے کے فوراً بعد اسلام لے آئے۔ رکانہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں یا 41ھ کو انتقال کیا۔

بعض روایات میں ہے کہ زور آزمائی کا یہ واقعہ یزید بن رکانہ کے ساتھ پیش آیا تھا۔ شاید یہ زور آزمائی کئی بار ہوئی ہو۔ ایک دفعہ رکانہ اور دوسری دفعہ اس کے بیٹے یزید کے ساتھ۔ ان دونوں کو صحابیت کا شرف نصیب ہوا۔

خطیب بغدادی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا ہے۔ یزید بن رکانہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا۔ اس کے پاس تین سو بکریاں تھیں۔ اس نے کہا "محمد (عربی ﷺ) کیا آپ مجھے پچھاڑ سکتے ہیں؟" حضور ﷺ نے فرمایا "اگر میں نے تمہیں پچھاڑ دیا تو تم مجھے کیا دو گے؟" یزید نے کہا "ایک سو بکریاں" حضور ﷺ نے اس کے ساتھ کشتی فرمائی اور اسے زمین پر پٹخ دیا"۔ یزید نے کہا "کیا دوبارہ آپ مجھے پچھاڑ سکتے ہیں؟" حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "تم مجھے کیا دو گے؟" اس نے کہا "ایک سو بکریاں" آپ نے اسے زمین پر گرا دیا" اس نے تیسری بار کہا تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے تیسری مرتبہ بھی پچھاڑ دیا"۔ اس نے کہا "محمد عربی! ﷺ آپ سے پہلے آج تک کسی نے میرا پہلو زمین پر نہیں لگایا۔ پہلے میرے نزدیک آپ سے بڑھ کر اور کوئی مبغوض نہ تھا۔ اب میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں"۔ حضور اکرم ﷺ نے اس کی بکریاں واپس کر دیں"۔ اس روایت سے عیاں ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے رکانہ اور اس کے بیٹے یزید کو پچھاڑ دیا تھا۔ ان دونوں کے علاوہ ابو الاسود الجمحی کو بھی آپ نے پچھاڑا تھا۔ جیسا کہ

امام سہیلی نے لکھا ہے۔اس روایت کو امام بیہقی نے نقل کیا ہے۔ابوالاسود بہت طاقتور تھا۔یہ گائے کی جلد پر کھڑا ہوتا۔دس افراد مل کر اسے کھینچنے کی کوشش کرتے۔گائے کی جلد تو پارہ پارہ ہو جاتی مگر وہ اپنی جگہ سے ذرہ بھر بھی نہ ہلتا۔ابوالاسود نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کشتی کی دعوت دی۔اس نے کہا ''اگر آپ نے مجھے پچھاڑ دیا تو میں آپ پر ایمان لے آؤں گا''۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے کئی دفعہ پچھاڑا لیکن وہ ایمان نہ لایا۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑے بڑے زہرہ گداز حالات اور مقامات مثلاً غزوۂ بدر، غزوۂ احد اور غزوۂ حنین میں ثابت قدم رہے کسی جگہ بھی پسپائی اختیار نہ کی۔ہر بہادر اور شجاع شخص کو کہیں نہ کہیں ضرور شکست ہوتی ہے۔لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی بھی پسپائی اختیار نہ کی۔

امام بخاری نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے ان سے سوال کیا ''کیا تم غزوۂ حنین میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے'' انہوں نے فرمایا ''لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے راہ فرار اختیار نہ کی۔بنو ہوازن ماہر تیر انداز تھے۔ہم نے جب ان پر حملہ کیا تو وہ شکست کھا گئے''۔دوسری روایت میں ہے ''وہ ہزیمت اٹھا کر پیچھے بھاگ گئے تو ہم مال غنیمت اکٹھا کرنے میں مصروف ہو گئے تو بنو ہوازن نے اچانک ہم پر تیروں سے حملہ کر دیا۔میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفید خچر پر سوار تھے۔حضرت ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ خچر کی لگام تھامے ہوئے تھے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے تھے''۔

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

''میں اللہ تعالیٰ کا نبی برحق ہوں۔اس میں ذرہ بھر شک نہیں۔میں عبدالمطلب کا فرزند دلبند ہوں''۔

اس واقعہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شجاعت کاملہ عیاں ہو رہی ہے۔کیونکہ آپ میدان کارزار میں تھے۔لشکر اسلامی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دور جا چکا تھا۔مگر آپ خچر پر سوار تھے۔جو نہ دشمن پر تیزی سے حملہ کر سکتی ہے اور نہ تیز رفتاری سے بھاگ سکتی ہے۔یہ جنگ کی سواریوں میں سے نہیں۔بلکہ اسے اطمینان و تسلی کی جگہ پر استعمال کرتے ہیں۔ایسے مقام پر اس پر سوار ہونا انتہائی شجاعت اور ثبات کی دلیل ہے۔جنگ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک امن کی طرح تھی۔اس کے ساتھ ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خچر کو دشمن کی طرف لے گئے۔اپنا نام مبارک بلند آواز پکارا تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہ بھی پہچان لے جو نہیں جانتا۔اس سے عیاں ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شجاعت میں کس بلند مقام پر تھے۔نیز یہ کہ آپ کو دشمن کی کوئی پرواہ نہ تھی۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔انہوں نے فرمایا ''جب میدان کارزار خوب گرم ہوتا تو ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دامنِ کرم میں آ کر پناہ لیتے تھے۔جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیادہ قریب ہوتا تھا ہم اسے زیادہ بہادر کہتے تھے۔

امام احمد، امام نسائی نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔انہوں نے فرمایا ''جب جنگ کی بھٹی خوب گرم ہو جاتی تو آنکھیں غضب سے سرخ ہو جاتیں اور ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دامن کرم میں پناہ کے خواہاں ہوتے۔کوئی بھی آپ سے زیادہ دشمن کے قریب نہیں ہوتا تھا۔ہم نے غزوۂ بدر میں دیکھا ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دامن پناہ میں تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے زیادہ دشمن کے قریب ہوتے تھے۔آپ سب سے زیادہ جنگ آزما ہوتے تھے۔ابوالشیخ نے ''اخلاق'' میں حضرت

عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بھی کسی لشکر سے نبرد آزما ہوئے تو سب سے پہلے دشمن کی طرف جاتے" مختصر یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سارے لوگوں سے زیادہ بہادر تھے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ (التحریم: 9)

"اے نبی! کفار اور منافقین سے جہاد جاری رکھو اور ان پر سختی کرو"۔

اللہ رب العزت نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چالیس مردوں کی قوت عطا فرمائی تھی۔ بلکہ آپ کو ایسی قوت الٰہیہ عطا کی گئی تھی جس سے بشریہ اور ملکیہ قوی عاجز تھے۔

واہ کیا جود و کرم ہے شاہ بطحا تیرا

اس وصف میں بھی آپ بے مثل اور یکتا تھے۔ یہ وصف اتنا مشہور ہو گیا ہے کہ حتی کہ تواتر کی حد تک پہنچ گیا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سارے لوگوں سے زیادہ سخی اور جواد تھے" اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نفس نفیس سارے لوگوں سے افضل تھا۔ مزاج مبارک سارے لوگوں کے مزاجوں سے اعدل تھا۔ صورت مبارکہ سارے لوگوں سے حسین تھی۔ خلق، اخلاق حسنہ ہی تھا بلکہ آپ کا ہر فعل مبارک بھی احسن الافعال تھا۔ بلاشبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سارے لوگوں سے زیادہ سخی اور فیاض تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باقیات صالحات کے ساتھ فانی اشیاء سے مستغنی تھے۔ حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جس چیز کے بارے سوال کیا گیا۔ آپ نے وہ چیز ضرور عطا فرمائی۔ ایک شخص آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بکریوں سے بھری ہوئی وادی اسے عطا فرما دی۔ وہ اپنی قوم کے پاس گیا اس نے کہا "اے میری قوم! ایمان لے آؤ۔ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنے زیادہ عطا کرتے ہیں کہ فقر و فاقہ کا خدشہ نہیں رہتا" یہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی علامت ہے۔ وہ شخص جسے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بکریوں سے بھری ہوئی وادی عطا کر دی تھی وہ حضرت صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ تھے۔ امام مسلم اور امام ترمذی نے حضرت صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "حضور سراپا جود و سخا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے جو عنایت کرنا تھا عطا فرمایا۔ آپ میرے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض تھے۔ آپ مجھے لگاتار عطا فرماتے رہے حتیٰ کہ آپ مجھے سارے لوگوں سے زیادہ محبوب ہو گئے"۔

علامہ ابن شہاب الزہری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ غزوۂ حنین کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ایک سو، پھر ایک سو، پھر ایک سو بکریاں عطا فرمائیں۔ روایت ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ مال غنیمت دیکھ رہے تھے۔ یہ ابھی تک اپنے پہلے دین پر ہی تھے۔ وہ ایک وادی سے گزرے جو اونٹوں اور بکریوں سے بھری ہوئی تھی۔ وہ اسے تعجب خیز نظروں سے دیکھنے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا "ابو وہب! کیا اس وادی نے تجھے تعجب میں ڈالا ہے"۔ انہوں نے عرض کی "ہاں"! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جو کچھ اس وادی میں ہے وہ سب کچھ تیرا ہے" حضرت صفوان نے عرض کی "میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ اتنی فیاضی اور سخاوت ایک نبی ہی کر سکتا ہے"۔ پھر انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اپنا اسلام عمدہ کیا۔

وہ 42ھ تک زندہ رہے۔ دوسری روایت کے مطابق انہوں نے 35ھ میں وصال کیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت صفوان کو یکبار عطا نہیں فرمایا، بلکہ تدریجاً عطا فرمایا۔ کیونکہ یہ عطا ان کے مرض کا علاج تھا۔ حکیم دوا ایک بار نہیں دے دیتا۔ بلکہ وہ تدریجاً دوا دیتا ہے۔ تا کہ مریض شفاء کے قریب ہو جائے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم تھا کہ یہ مرض صرف احسان سے ختم ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا علاج فرمایا حتیٰ کہ وہ کفر کی مرض سے شفاء یاب ہو گئے اور دولت اسلام سے مالا مال ہو گئے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کمال شفقت، رحمت اور رأفت تھی کہ ان پر کمال احسان فرمایا اور انہیں آتش جہنم کی گرمی سے بچا کر جنت کی سرمدی بہاروں میں پہنچا دیا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سارے لوگوں سے زیادہ سخی اور سارے لوگوں سے زیادہ سچے تھے''۔

ابو یعلیٰ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''کیا میں تمہیں سب سے زیادہ فیاض کے بارے نہ بتاؤں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات والا سب سے زیادہ اجود ہے۔ پھر اولاد آدم میں سے میں سب سے زیادہ سخی ہوں۔ میرے بعد وہ شخص سب سے زیادہ سخی ہے جس نے علم سیکھا پھر اپنے علم کو پھیلایا وہ روز حشر پوری ایک امت کے طور پر اٹھے گا۔ جس شخص نے راہ خدا میں جہاد کیا حتیٰ کہ شہید ہو گیا۔ وہ بلاشبہ بنو آدم سے علی الاطلاق سخی ہے''۔ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات والا سب انسانوں سے افضل، عالم، بہادر اور اکمل تھی۔ اسی طرح آپ سارے اوصاف حمیدہ میں اکمل تھے۔ آپ سخاوت کی ساری اقسام کے فیاض تھے۔ آپ علم پھیلا کر، مال خرچ فرما کر۔ اللہ رب العزت کے دین اور اس کے بندوں کی ہدایت کے لئے اپنی ذات والا پیش فرما کر اور بھوکے کو کھانا کھلا کر، جاہل کو وعظ فرما کر، ان کی ضروریات کو پورا فرما کر اور ان کے بوجھ اٹھا کر آپ سخاوت کی ساری اقسام پر عمل پیرا تھے۔

''المواہب'' میں ہے ''اللہ رب العزت ابن جابر پر رحم کرے انہوں نے آپ کے جود و کرم کے بارے کیا خوب فرمایا ہے''۔

هٰذَا الَّذِی لَا یَتَّقِی فَقْرًا اِذَا اَعْطٰی وَلَوْ کَثُرَ الْاَنَامُ وَ دَامُوْا

یہ وہ ذات بابرکات ہیں جنہیں فقر و غربت کا کوئی اندیشہ نہیں۔ جب آپ عطا کرتے ہیں خواہ فقراء کی کتنی ہی بھیڑ ہو اور وہ ہمیشہ دامن طلب پھیلائے رکھیں۔

وَادٍ مِنَ الْاِنْعَامِ اَعْطٰی آمِلاً فَتَحَیَّرَتْ لِعَطَائِهِ الْاَوْهَامُ

آپ امید رکھے ہوئے کو جانوروں سے بھری ہوئی وادی عطا کر دیتے، آپ کی عطاء کی وجہ سے عقل ششدر ہو جاتی ہے۔

حضرت ابن جابر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف حمیدہ کے متعلق مزید فرمایا:

یُرْوٰی حَدِیْثُ النَّدٰی وَ الْبِشْرُ عَنْ یَدِهٖ وَ وَجْهُهٗ بَیْنَ مُنْهَلٍ وَ مُنْسَجِمِ

روایت ہے کہ آپ اپنے دست اقدس سے بہت زیادہ سخاوت کرتے ہر ایک سے خندہ پیشانی سے ملتے آپ ہر وقت

سخاوت کرتے اور خندہ پیشانی سے ملتے تھے۔

وَ مِنْ وَجْهِ اَحْمَدَلِی بَدْرٌ وَمِنْ یَدِهٖ بَحْرٌ وَ مِنْ فِيهِ دُرٌّ الْمُنْتَظِم

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رخ انور میرے لئے ماہ تمام بن کر چمکا۔ آپ کے دست اقدس سے سمندر کی سی عطا ظاہر ہوئی اور آپ کے منہ مبارک سے موتیوں کی لڑی ظاہر ہوئی۔

يَمِّمْ نَبِيًّا تَبَارِي الرِّيحُ اَنْمُلَهٗ وَالْمُزْنَ مِنْ كُلِّ هَامِي الْوَدْقِ مُرْتَكِمِ

اس نبیٔ دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارادہ کرو، ہوا جن کے مبارک پوروں کا مقابلہ کرتی ہے اور بادل اس حال میں مقابلہ کرتا ہے کہ بارش سے بھر جاتا ہے۔

لَوْ عَامَتِ الْفَلَكُ فِيمَا فَاضَ مِنْ يَدِهٖ لَمْ تَلْقَ اَعْظَمَ بَحْرًا مِنْهُ اِنْ تَعُمِ

اگر کشتیاں اس محیط بے کراں میں رواں ہوں جو آپ کے دست اقدس سے جاری ہیں تو وہ اس سے بڑا سمندر کبھی نہ پا سکیں۔

تُحِيطُ كَفَّاهُ بِالْبَحْرِ الْمُحِيطِ فَكُذْ بِهٖ وَدَعْ كُلَّ طَامِي الْمَوْجِ مُلْتَطِمِ

آپ کا دست اقدس بحر بے کراں کو بھی محیط ہے تم اس پیچ در پیچ سمندر کو چھوڑ کر اس بحر ناپیدا کنار کی پناہ لو۔

لَوْ لَمْ تَحُطَّ كَفُّهُ بِالْبَحْرِ مَا شَمِلَتْ كُلُّ الْاَنَامِ وَرَوَّتْ قَلْبَ كُلِّ ظَمِي

اگر آپ کا دست اقدس سمندر کو محیط نہ ہوتا تو پھر نہ تو سارے لوگ اس سے فیض یاب ہو سکتے اور نہ ہی ساروں کے دل اس سے سیراب ہو سکتے۔

فَسُبْحَانَ مَنْ اَطْلَعَ انوار الجمال مِنَ افق جَبِينِهٖ
وَاَنْشَأَ اَمْطَارَ السَّحَائِبِ مِنْ غَمَائِمِ جَبِينِهٖ

امام ترمذی نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں نوے ہزار دراہم پیش کئے گئے۔

بعض شارحین نے لکھا ہے کہ یہ دراہم بحرین سے آئے تھے۔ بعض نے لکھا ہے کہ یہ ان کے علاوہ کچھ اور تھے۔ ان دراہم کو چٹائی پر رکھ دیا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان دراہم کے پاس تشریف لے گئے۔ انہیں تقسیم فرمانے لگے۔ آپ نے کسی سائل کو بھی واپس نہ لوٹایا حتیٰ کہ ان سے فارغ ہو گئے۔

امام ترمذی نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوا اور عطا کا سوال کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اب میرے پاس تو کچھ نہیں۔ جاؤ میرے نام پر کسی سے ادھار لے لو۔ جب ہمارے پاس درہم و دینار آئے تو ہم وہ قرض ادا کر دیں گے''۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''جس چیز پر آپ قادر نہیں رب تعالیٰ نے اس کا آپ کو مکلف نہیں بنایا'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اس گزارش کو ناپسند فرمایا۔ کیونکہ اس سے سائل محروم ہو جاتا تھا۔ چہرۂ انور پر ناپسندیدگی کے اثرات دیکھ کر ایک انصاری صحابی نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خرچ

فرمائیں اور عرش معلیٰ کے مالک سے کمی کا اندیشہ نہ کریں"۔ یہ سن کر چہرۂ تاباں کھل اٹھا اور تبسم ریز ہو کر فرمایا "مجھے یہی حکم دیا گیا ہے"۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے وہ عرض شفقت کے جذبات کو پیش نظر رکھتے ہوئے کی تھی۔ کیونکہ انہیں علم تھا کہ در مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء پر سائلین کا اژدہام رہتا ہے اور وہ آپ پر جمگھٹا بنائے رہتے ہیں۔ اور اس انصاری صحابی نے آپ کے حال کی رعایت کرتے ہوئے وہ گزارش کی تھی۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی عرض سے بہت مسرور ہوئے۔ "مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے" اس فرمان عالی شان میں اس امر کی طرف اشارہ ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مختص ہے اور اس کے ساتھ بھی مخصوص ہے جو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نقش قدم پر چلے۔

ابن فالیس نے لکھا ہے کہ غزوۂ حنین کے روز ایک خاتون بارگاہ رسالت پناہ میں حاضر ہوئی۔ اس نے ایسے اشعار پڑھے جن میں بنو ہوازن میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضاعت کا ذکر پاک تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے قیدی واپس فرما دیئے۔ یہ کثیر عطا تھی۔ حتیٰ کہ اس روز دی جانے والی عطاء کی قیمت لگائی جائے تو یہ پانچ لاکھ بنتی ہے۔ اس لئے ابن دحیہ نے لکھا ہے "یہ جود و سخا کی انتہاء ہے اس طرح کی سخاوت و فیاضی آج تک سننے میں نہیں آئی۔

امام بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ بحرین کے خراج کا مال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت عالیہ میں پیش کیا گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے وہ مال مسجد نبوی میں ڈھیر کر دیا۔ یہ دراہم یا خراج کے اعتبار سے سب سے زیادہ مال تھا۔ یہ روایت اس کے منافی نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو ہوازن سے اس سے زیادہ مال بطور غنیمت لیا۔ جسے تقسیم فرمایا لیکن ان کے قیدی واپس کر دیئے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد نبوی میں جلوہ افروز ہوئے۔ مال کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ نماز ادا فرمانے کے بعد اس مال کے پاس بیٹھ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو آدمی بھی نظر آتا اسے عطا فرما دیتے" آپ کے چچا جان حضرت عباس رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے۔ عرض پیرا ہوئے "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم مجھے بھی عنایت فرمائیں۔ میں نے یوم بدر میں اپنا فدیہ بھی ادا کیا عقیل کا فدیہ بھی ادا کیا"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "لے لو" انہوں نے اپنا کپڑا بچھایا اور اسے مال سے بھر لیا مگر اسے اٹھانے سے عاجز آ گئے۔ عرض کی "یا رسول اللہ! کسی کو حکم فرمائیں کہ وہ یہ مال اٹھانے میں میری مدد کرے"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "نہیں" انہوں نے عرض کی "آپ ہی میری مدد کریں" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ہرگز نہیں" یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انہیں تنبیہ تھی کہ وہ میانہ روی اختیار کریں اور کثیر مال جمع نہ کریں"۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اس میں سے کچھ مال نکال دیا۔ پھر اٹھانے لگے تو اسے نہ اٹھا سکے۔ عرض کی "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم کسی صحابی کو حکم فرمائیں کہ وہ یہ مال اٹھانے میں میری مدد کرے"۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "نہیں" انہوں نے عرض کی "آپ مدد فرمائیں" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "نہیں" پھر انہوں نے مزید مال باہر نکالا اور بقیہ اپنے کندھے پر اٹھا کر لے گئے۔

حضرت علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے "حضرت عباس رضی اللہ عنہ طویل القامت اور طاقت ور شخصیت تھے۔ انہوں نے

تقریباً چالیس ہزار دراہم کے لگ بھگ اٹھائے۔ جب وہ چلنے لگے تو ان کی زبان پر یہ تھا "میں نے وہ لیا ہے جو رب تعالیٰ نے میرے ساتھ وعدہ کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے پورا کر دیا ہے"۔ وہ اللہ رب العزت کے اس فرمان کی طرف اشارہ کر رہے تھے۔

اِنْ یَّعْلَمِ اللّٰهُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ خَیْرًا یُّؤْتِكُمْ خَیْرًا مِّمَّاۤ اُخِذَ مِنْكُمْ (الانفال: 70)

"اگر جان لی اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں کوئی خوبی تو عطا فرمائے گا تمہیں بہتر اس سے جو لیا ہے تم سے"۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا "جب تک اس جگہ ایک درہم بھی پڑا رہا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس جگہ سے نہیں اٹھے"۔ حضور پیکر جود و کرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ایک اونٹ خریدا۔ پھر اس کی قیمت انہیں ادا کی بلکہ کچھ زائد بھی عطا فرمایا۔ پھر فرمایا "یہ اونٹ بھی اور اس کی قیمت بھی لے جاؤ۔ اللہ تعالیٰ ان میں تمہارے لئے برکت ڈالے"۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ساری جود و سخا رضائے الٰہی کے لئے تھی۔ کبھی فقیر اور محتاج کے لئے رقم خرچ فرماتے تھے اور کبھی راہ خدا میں خرچ فرماتے تھے۔ کبھی تالیف قلبی کے لئے نومسلموں کے اسلام کو قوی کرنے کے لئے رقم خرچ فرماتے۔ کبھی فقیر کو اپنے اہل بیت کرام پر ترجیح دیتے تھے اور سب کچھ محتاجوں کو عطا فرما دیتے تھے۔ آپ خود بنفس نفیس اور اہل بیت کرام مشقت اٹھاتے۔ ایک ایک دو دو ماہ گزر جاتے لیکن کاشانہ اقدس میں آگ نہ جلتی تھی۔ بعض اوقات شدت بھوک کی وجہ سے اپنے پیٹ پر پتھر بھی باندھ لیتے۔ حتیٰ کہ سیدۂ نساء العالمین لخت جگر مصطفی فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئیں۔ چکی چلانے اور گھر کی خدمت بجالانے سے جو اذیت اور تکلیف ہو رہی تھی وہ عرض کی۔ انہوں نے سنا تھا کہ کچھ قیدی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک خادم کے لئے عرض کی" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میں تمہیں خادم نہیں دوں گا۔ جبکہ اہل صفہ کے پیٹ بھوک کی وجہ سے سکڑ گئے ہیں"۔ آپ نے انہیں حکم دیا کہ وہ تسبیح، تکبیر اور تحمید سے مدد لیں۔

اس واقعہ کی تفصیلات حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت میں ذکر کیں ہیں۔ انہوں نے حضرت سیدہ نساء العالمین رضی اللہ عنہا سے کہا "میں نے اتنا پانی بھرا ہے کہ اب میرے سینے میں درد ہونے لگا ہے آپ کے والد گرامی کے پاس قیدی آئے ہیں۔ آپ حضور کی بارگاہ میں جائیں اور عرض کریں"۔ انہوں نے فرمایا "بخدا! میں نے اتنی چکی چلائی ہے کہ میرے ہاتھوں پر آبلے پڑ گئے ہیں" وہ بارگاہ رسالت پناہ میں حاضر ہوئیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "نور نظر! کس لئے آئی ہو؟ انہوں نے عرض کی "صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام عرض کرنے آئی ہوں" انہیں سوال کرنے سے شرم آئی۔ وہ واپس آ گئیں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما نے پوچھا "آپ نے کیا کیا ہے؟" انہوں نے فرمایا "مجھے تو مانگتے ہوئے شرم آئی ہے"۔ یہ دونوں بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میں نے اتنا پانی بھرا ہے کہ میرے سینے میں درد ہونے لگا ہے" حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا عرض گزار ہوئیں "میں نے اتنی چکی چلائی ہے کہ میرے ہاتھوں پر آبلے نکل آئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جنگی قیدی اور گنجائش آ گئی ہے۔ آپ ہمیں خادم عطا فرمائیں" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "بخدا! میں تمہیں نہیں دوں گا۔ میں اہل صفہ کو کیسے چھوڑ دوں۔ ان کے پیٹ بھوک کی وجہ سے سکڑ گئے

ہیں۔ میرے پاس ان پر خرچ کرنے کے لئے کچھ نہیں میں ان قیدیوں کو فروخت کروں گا۔ اور ان کی قیمت اہل صفہ پر خرچ کروں گا"۔ یہ دونوں پاکیزہ ہستیاں واپس آ گئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے۔ یہ دونوں ہستیاں ایک چادر میں تھیں۔ جب چہروں کو ڈھانپتے تو مبارک قدم ننگے ہو جاتے اور جب پاؤں مبارک کو ڈھانپتے تو سر اقدس ننگے ہو جاتے تھے۔ یہ دونوں اٹھنے لگے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اسی جگہ ٹھہرے رہو۔ کیا میں تمہیں اس کے متعلق کچھ بتا نہ دوں جو تم نے ابھی ابھی مجھ سے مانگا ہے"۔ انہوں نے عرض کی "ضرور! یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم"۔ آپ نے فرمایا "یہ ایسے دلآویز کلمات ہیں جو مجھے حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے سکھائے ہیں۔ تم ہر نماز کے بعد دس بار سبحان اللہ، دس بار الحمد للہ اور دس بار اللہ اکبر کہا کرو۔ جب اپنے بستر پر جانے لگو تو تینتیس بار سبحان اللہ، تینتیس بار الحمد للہ اور تینتیس بار اللہ اکبر کہا کرو" امام بخاری اور امام مسلم نے بھی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے۔

"شرح زرقانی علی المواہب" میں ہے "جو سوتے وقت اس ذکر پاک پر مداومت اختیار کرے گا اسے تھکاوٹ نہیں ہو گی کیونکہ حضرت سیدہ نساء العالمین نے کام سے تھکاوٹ کے متعلق عرض کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں یہ وظیفہ عطا فرمایا"۔

صحیحین میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "جب سے میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان سنا ہے میں نے یہ وظیفہ ترک نہیں کیا" ان سے عرض کی گئی "یہ وظیفہ یوم صفین کو بھی ترک نہیں کیا؟" انہوں نے فرمایا "جنگ صفین میں بھی اسے ترک نہیں کیا"۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ ایک خاتون ایک چادر لے کر بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئی۔ اس نے عرض کی "یا رسول اللہ! میں نے اسے اپنے ہاتھوں سے بنا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے قبول فرمائیں"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے شرف قبولیت سے نوازا اور اسے اپنے اوپر اوڑھ لیا۔ ایک صحابی نے وہ ردائے مبارک دیکھ لی۔ اس نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ چادر کتنی خوبصورت ہے۔ یہ مجھے عطا فرما دیں" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ٹھیک ہے" کچھ دیر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس محفل میں رونق افروز رہے پھر کاشانۂ اقدس میں تشریف لے گئے۔ ردائے پاک تہ کی اور اسے اس صحابی کی طرف بھیج دیا۔ صحابہ کرام نے اس صحابی سے کہا "تم نے اچھا نہیں کیا۔ تم نے دیکھ لیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ چادر قبول فرما کر زیب بدن فرمالی ہے تم نے پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ مانگ لی۔ تمہیں معلوم تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو کچھ مانگا جائے آپ ضرور عطا فرماتے ہیں۔ آپ کسی سائل کو خالی ہاتھ واپس نہیں کرتے"۔ اس صحابی نے جواب دیا "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے زیب تن فرما لیا ہے۔ اب یہ سراپا برکت بن گئی ہے۔ میں اسے اپنے کفن کے طور پر استعمال کروں گا۔ اللہ کی قسم! میں نے اس ردائے پاک کے لئے صرف اس لئے گزارش کی کہ یہ اس روز میرا کفن بنے جب میرا انتقال ہو جائے" حضور سہل بن سعد الساعدی نے فرمایا ہے "وہ چادر مبارک اس بلند اقبال شخص کا کفن بنی"۔

امام طبرانی نے روایت کیا ہے کہ حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم فرمایا کہ اس شخص کے لئے کسی اور کفن کا انتظام کیا جائے جو شخص دوسرے کفن کی تیاری سے قبل ہی عالم بالا کو سدھار گیا۔ وہ صحابی جنہوں نے یہ ردائے مبارک مانگی اسے ان کے

لئے بطور کفن استعمال کیا گیا۔ وہ حضرت عبدالرحمن بن عوف یا حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما تھے۔ ممکن ہے کہ یہ دونوں حضرات ہوں۔ اور یہ واقعہ کئی بار رونما ہوا ہو۔ بعض سیرت نگاروں نے کئی بار اس واقعہ کے ظہور کو بعید از وقوع سمجھا ہے۔ اس واقعہ سے صوفیاء کرام نے استدلال کیا ہے کہ مرید مشائخ سے خرقۂ تصوف حصول برکت کے لئے حاصل کر سکتا ہے۔ جس طرح کہ انہوں نے یہ استدلال کیا ہے کہ شیخ مرید کو لباس پہنچا سکتا ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ام خالد بنت سعید بن العاص رضی اللہ عنہا کو ایسی سیاہ قمیص عطا فرمائی تھی جس پر نقش و نگاری کی گئی تھی۔

''الشفاء'' میں ہے ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں یہ اوصاف حمیدہ اور شمائل ذکیہ بعثت سے قبل بھی موجود تھے۔ یہ چیزیں آپ کی طبیعت مبارکہ اور فطرت سلیمہ میں رکھ دی گئی تھیں۔ بلکہ یہ اوصاف پاکیزہ تو آپ کو ولادت سے قبل بھی حاصل تھے۔ جیسا کہ روایت میں ہے ''میں اس وقت بھی نبی تھا جب حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے مابین تھے''۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اور ورقہ بن نوفل نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا تھا'' آپ لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں اور غریبوں اور محتاجوں کو عطا کرتے ہیں''۔

امام ترمذی نے حضرت مسعود بن عفراء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''میں ایک بڑے طشت میں کھجوریں لے کر بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے مٹھی بھر کر سونا اور چاندی عطا فرمائی'' مسند امام احمد میں حضرت بنت ربیع رضی اللہ عنہا سے روایت کیا گیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''حضرت مسعود بن عفراء رضی اللہ عنہ نے کھجوروں کا طشت بھر کر اور اوپر ککڑی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ڈال کر مجھے بارگاہ رسالت مآب میں بھیجا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ککڑی بہت پسند تھی۔ آپ نے مجھے مٹھی بھر کر سونا عطا فرمایا''۔

امام ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کل کے لئے چیز ذخیرہ نہیں کرتے تھے'' یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نفس پاک کی سخاوت، دست اقدس کی فیاضی اور اپنے رب تعالیٰ پر اعتماد تھا یہ ذخیرہ نہ کرنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اپنی ذات والا کے اعتبار سے تھا۔ یہ اس روایت کے منافی نہیں ہے کہ آپ اپنے اہل بیت کرام کے لئے ایک سال کی خوراک جمع فرما لیتے تھے۔ یہ خوراک بھی بعض سالوں کو چھوڑ کر بعض سالوں میں جمع فرمائی۔ ''الشفاء'' میں ہے کہ ایک شخص بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوا اور کچھ مانگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے نصف وسق غلہ ادھار لے کر دیا۔ جب ادھار دینے والا حاضر خدمت ہوا اور اس نے اپنے غلہ کی قیمت مانگی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے پورا وسق عطا فرمایا۔ نصف اس کے قرض کی ادائیگی اور نصف بطور ہدیہ عطا کیا۔

شیخ ابوعلی دقاق کہتے ہیں ''لطف و کرم اور جود و ایثار کی ان رفعتوں پر مخلوق میں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ اور کوئی فائز نہیں ہو سکتا۔ روز حشر ہر کوئی ''نفسی نفسی'' کہے گا جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''امتی امتی'' فرمائیں گے''۔

امانت، عدل، عفت اور سچائی

حضور صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سارے لوگوں سے زیادہ امین عادل، عفیف اور راست باز تھے۔ آپ کے دشمنوں نے بھی یہ اعتراف کیا ہے۔ وہ بعثت سے قبل بھی آپ کو الامین کہتے تھے۔ امام احمد، امام حاکم اور امام طبرانی نے روایت کیا ہے

کہ جب خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت حجر اسود رکھتے وقت اکابر قریش میں اختلاف ہو گیا تو انہوں نے اس ہستی کو اپنا ثالث بنانے کی شرط رکھی جو سب سے پہلے کعبہ معظمہ میں داخل ہوگی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے پہلے خانہ کعبہ میں داخل ہوئے۔ قریش پکار اٹھے "یہ محمد الامین (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں۔ ہم ان کے فیصلہ پر راضی ہیں"۔ حضور اکرم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی مبارک چادر بچھائی۔ حجر اسود کو اس پر رکھا۔ ہر سردار کو چادر مبارک کا ایک کونہ پکڑنے کا حکم دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجر اسود کو نیچے سے اٹھائے ہوئے تھے۔ پھر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے پکڑ کر اس کی جگہ پر نصب فرما دیا۔ بعثت سے قبل اہل مکہ بہت سے امور میں آپ سے فیصلے کراتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اللہ کی قسم! میں آسمان میں بھی امین ہوں۔ زمین پر بھی امین ہوں"۔

امام ترمذی نے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت کیا ہے کہ ابوجہل نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا "ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں جھٹلاتے۔ بلکہ اس پیغام کو جھٹلاتے ہیں جو آپ لے کر آئے ہیں" اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ وَلَٰكِنَّ الظَّالِمِينَ بِآيَاتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ ﴿٣٣﴾ (الانعام)

"تو وہ نہیں جھٹلاتے آپ کو بلکہ یہ ظالم (دراصل) اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں"۔

امام بیہقی اور امام طبرانی نے روایت کیا ہے کہ اخنس بن شریق یوم بدر کو ابوجہل سے ملا۔ اس نے کہا "ابوالحکم! اس جگہ میرے اور تیرے علاوہ کوئی تیسرا فرد موجود نہیں جو ہماری اس گفتگو کو سن رہا ہو۔ مجھے محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے متعلق بتائیں کیا وہ سچے ہیں یا جھوٹے؟ ابوجہل نے کہا "بخدا! محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سچے ہیں۔ آپ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ لیکن اگر بنو قصی لواء، سقایہ، حجابہ، ندوہ اور نبوت لے گئے تو باقی قریش کے لئے کیا بچے گا" اس روایت سے یہ بھی عیاں ہو رہا ہے کہ ابوجہل نے طلب جاہ کی وجہ سے توحید کو ماننے سے انکار کر دیا۔ جاہ و منصب کی حرص بہت بڑا حجاب بن جاتی ہے۔ اخنس بن شریق کے بارے اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ اس نے اسلام قبول کر لیا تھا اور صحابیت کا شرف بھی پایا تھا۔ بعض نے کہا کہ یہ غزوۂ بدر کے روز حالت کفر میں قتل ہوا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس روز شریق قتل ہوا تھا اخنس نہیں۔

روایت ہے کہ ہرقل روم نے ابوسفیان سے پوچھا "کیا تم محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف جھوٹ منسوب کرتے ہو" انہوں نے کہا "نہیں"۔

امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نضر بن حارث نے قریش مکہ سے کہا "محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم میں نوخیز جوان تھے۔ وہ ایسے افعال بجا لاتے تھے جن سے تم خوش ہوتے تھے۔ وہ گفتگو کے اعتبار سے سب سے زیادہ سچے تھے۔ سب سے بڑھ کر امین تھے۔ جب تم نے ان کی کنپٹیوں کی سفیدی دیکھی اور تمہارے پاس روح پرور پیغام لے کر آئے تو تم نے کہا کہ وہ جادوگر ہیں۔ خدا کی قسم! وہ جادوگر نہیں ہیں" نضر نے یہ بات اس لئے کی تھی کیونکہ ابوجہل نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سر اقدس پتھر سے کچلنے کی نازیبا حرکت کی تھی۔ آپ کعبہ معظمہ کے سایہ میں نماز ادا کر رہے تھے۔ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نر اونٹ کی شکل میں اس کے سامنے آ گئے۔ جسے دیکھ کر ابوجہل بھاگ گیا۔ اس پتھر پر ہی اس کا ہاتھ خشک ہو گیا۔ جب نضر نے یہ سنا تو اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ اوصاف بیان کئے جن کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔

دوسری روایت میں یہ اضافہ ہے۔نضر نے کہا ’’بخدا! ہم نے جادوگروں ان کی پھونکوں اور گرہوں کا مشاہدہ کیا ہے‘‘ تم نے کہا ’’یہ کاہن ہیں‘‘ اللہ کی قسم! یہ کاہن بھی نہیں ہیں۔ہم نے کہانت کو بھی دیکھا ہے اور ان کی مسجع و مقفع عبارات بھی سنیں ہیں۔تم نے کہا ’’یہ شاعر ہیں‘‘ اللہ کی قسم! یہ شاعر بھی نہیں ہیں۔ہم شعر کو جانتے ہیں۔ہم اس کی ساری اقسام ہزج اور رجز سے آگاہ ہیں‘‘۔تم نے کہا ’’یہ مجنون ہیں‘‘ بخدا! یہ مجنون بھی نہیں ہیں۔نہ تو پاگلوں کی طرح گلا گھٹتا ہے۔نہ تخلیط ہے اور نہ ہی وسوسہ ہے۔تم اپنے معاملہ میں خوب غور وفکر کرلو۔اللہ رب العزت نے تم پر ایک امر عظیم نازل فرمایا ہے‘‘۔

نضر نے انتہائی انصاف کی بات کی ہے۔یہ شیاطین میں سے تھا۔حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شدید عداوت رکھتا تھا۔یہ قرآن مجید کو اساطیر الاولین (اگلے لوگوں کے افسانے) کہتا تھا۔یہ غزوۂ بدر میں گرفتار ہوا۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اسے صفراء کے مقام پر جہنم واصل کردیا۔البتہ اس کے بھائی نضیر نے اسلام قبول کرلیا۔اس نے فتح مکہ کے سال اسلام قبول کیا۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تالیف قلبی بھی فرمائی تھی۔یوم حنین اسے بھی ایک سو اونٹ عطا فرمائے تھے۔یہ دونوں بھائی تھے اور نام بھی ملتے جلتے تھے۔لہٰذا خوب ذہن میں بٹھالو۔یہ امر تم پر ملتبس نہ ہوجائے۔

امام بخاری اور امام مسلم نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضور سید ابرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی ایسی عورت کو کبھی ہاتھ نہیں لگایا تھا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح یا ملکیت میں نہ تھی۔یہ فرمان عالی شان بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عدل گستر ہونے پر شاہد عادل ہے ’’جو شخص مجھ تک اپنی ضروریات نہیں پہنچا سکتا تم اس کی ضرورت مجھ تک پہنچاؤ۔جس نے ایسے شخص کی ضروریات مجھ تک پہنچائیں جو خود نہیں پہنچا سکتا تھا تو بڑے گھبراہٹ والے دن (روز حشر) کو رب تعالیٰ اسے امن عطا فرمائے گا‘‘ دوسری روایت میں ہے کہ رب تعالیٰ روز قیامت اس کے قدموں کو پل صراط پر محکم فرمائے گا۔

جب بھی شہنشاہ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دو امور میں سے کسی ایک کو منتخب کرنے کا حکم دیا جاتا تو آپ ان میں سے آسان کو منتخب فرماتے بشرطیکہ اس میں گناہ نہ ہوتا۔اگر اس میں گناہ ہوتا تو آپ اس سے سارے لوگوں سے زیادہ دور رہنے والے ہوتے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی اور کے گناہ پر کسی دوسرے کی گرفت نہیں فرماتے تھے نہ ہی کسی کی کسی پر تصدیق کرتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عفت کے بارے امام بیہقی نے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ’’جاہلیت کے امور میں سے میں نے کسی امر کا ارادہ بھی نہیں کیا۔سوائے دو بار کے۔ان دو بار بھی رب تعالیٰ میرے اور اس کے مابین حائل ہوگیا جو میں ارادہ رکھتا تھا۔پھر کبھی ایسی چیز کا ارادہ بھی نہیں فرمایا حتیٰ کہ رب تعالیٰ نے میرے سر پر رسالت کا تاج زرنگار سجادیا۔ایک دفعہ میں نے اس غلام سے کہا جو میرے ساتھ بکریاں چراتا تھا ’’تم میری بکریوں کی بھی دیکھ بھال کروتا کہ میں مکہ معظمہ جاؤں اور داستانیں سنوں جس طرح جوان داستانیں سنتے ہیں‘‘ میں اس مقصد کے لئے نکلا جب مکہ مکرمہ کے پہلے گھر کے قریب پہنچا تو میں نے موسیقی کی آواز سنی۔کسی کی شادی تھی۔میں دیکھنے لگا۔رب تعالیٰ نے مجھ پر نیند طاری کردی۔مجھے سورج کی حرارت نے بیدار کیا میں واپس آگیا میں کچھ بھی نہ دیکھ سکا۔پھر دوسری بار بھی اسی طرح کا ارادہ کیا دوسری بار بھی رب تعالیٰ نے مجھے محفوظ رکھا، اس کے بعد کبھی ایسا ارادہ ہی نہیں کیا۔

جو بھی نازیبا گفتگو کرتا حضور ﷺ اس سے اعراض فرماتے۔ آپ کی محفل حکمت، علم، حیاء، بھلائی اور امانت کی محفل ہوتی تھی۔ نہ تو اس میں آوازیں بلند ہوتی تھیں۔ نہ ہی ردائے حرمت چاک ہوتی تھی۔ جب آپ ﷺ محو کلام ہوتے تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس طرح سر جھکائے ہوتے گویا کہ ان کے سروں پر پرندے ہوں۔

زہد و قناعت

وہ واقعات جو پہلے گزر چکے ہیں آپ کی شان زہد کو عیاں کرنے کے لئے کافی ہیں کہ حضور ﷺ کی نگاہ ناز میں یہ دنیا کس طرح قلیل تھی آپ نے کس طرح اس کی زیبائش و آرائش سے اعراض فرمایا تھا۔ دنیا تمام تر آسائشوں کے ساتھ آپ کے در اقدس پر حاضر ہوئی۔ مگر آپ نے اس سے اعراض فرمایا۔ جب آپ ﷺ نے وصال فرمایا تو آپ ﷺ کی زرہ اہل بیت کے نفقہ کے عوض ایک یہودی کے ہاں رہن رکھی گئی تھی۔ اس سے امت مرحومہ کو سبق دینا مقصود تھا تا کہ وہ دنیا میں رغبت نہ رکھیں اور وہ چیز انہیں ذکر الٰہی سے روک نہ دے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی التجاء میں عرض کرتے ''مولا! آلِ محمد کو دنیا میں بقدر کفایت رزق عطا فرما''۔

امام مسلم نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضور سید عالم ﷺ نے کبھی بھی تین ایام لگا تار سیر ہو کر نہیں کھایا حتیٰ کہ آپ ﷺ کا وصال ہو گیا۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے لگا تار دو روز جو کی روٹی سیر ہو کر نہیں کھائی۔ ایک اور روایت میں ہے ''آل رسول ﷺ نے گندم کی روٹی سیر ہو کر نہیں کھائی حتیٰ کہ آپ ﷺ وصال فرما گئے''۔ امام مسلم نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ترکہ میں دینار و دراہم، بکری اور اونٹ نہیں چھوڑا''۔ امام بخاری نے ام المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ہتھیار، خچر اور زمین ترکہ میں چھوڑی جسے صدقہ کر دیا گیا۔

امام بخاری اور امام مسلم نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ جب حضور سرور کائنات ﷺ کا وصال ہوا تو کاشانہ اقدس میں کچھ بھی نہ تھا جسے ہم کھا سکتے۔ سوائے ان جو کے جو میری انگری میں تھے۔ میں اسی میں سے ہی کھاتی رہی حتیٰ کہ طویل مدت گزر گئی۔ ایک روز میں نے انہیں ماپ لیا تو وہ ختم ہو گئے۔ کاش! میں انہیں نہ ماپتی'' حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ''مجھے کہا گیا کہ میرے لئے وادیٔ بطحاء کو سونے کا بنا دیا جائے۔ مگر میں نے کہا ''مولا! ایک دن میں بھوکا رہوں تا کہ صبر کروں ایک دن سیر شکم ہوں تا کہ تیرا شکر ادا کروں۔ جس روز میں بھوکا ہوں گا اس روز میں تیرے دربار میں آہ و زاری کروں گا۔ اور جس روز میں نے کھایا ہو گا اس روز میں تیری حمد و ثناء بیان کروں گا''۔

دوسری روایت میں ہے حضرت جبرائیل امین علیہ السلام حاضر خدمت ہوئے۔ انہوں نے کہا ''اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کہتا ہے اور آپ سے فرماتا ہے کہ اگر آپ پسند کریں تو یہ پہاڑ سونے کے بنا دیئے جائیں۔ یہ جہاں آپ چاہیں گے وہیں ہوں گے''۔ حضور ﷺ نے تھوڑی دیر کے لئے سر اقدس کو جھکایا پھر فرمایا ''اے جبرائیل! دنیا اس کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہ ہو۔ یہ اس کا مال ہے جس کا مال نہ ہو۔ اسے وہ جمع کرتا ہے جس کی عقل نہ ہو''۔ یعنی جو دنیا کی حقیقت کی پہچان نہ کر سکتا ہو کہ اس نے جلد

فنا ہو جانا ہے۔ اس کی غناء قلیل ہے۔ اس کے شرکاء خسیس ہیں۔ یہ آخرت کے اعتبار سے کچھ بھی نہیں تو حضرت جبرائیل امین نے عرض کی "محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رب تعالیٰ نے آپ کو ثابت قول کے ساتھ محکم فرمایا ہے"۔

امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ ایک روز حضرت جبرائیل امین بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں فرمایا "آج رات کے لئے آل محمد کے پاس مٹھی بھر آٹا یا جو میں سے بھی نہیں ہیں، حضرت اسرافیل آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ عرض گزار ہوئے کہ رب تعالیٰ نے آپ کی بات سن لی ہے۔ مجھے آپ کے پاس زمین کی چابیاں دے کر بھیجا ہے مجھے حکم دیا ہے کہ میں انہیں آپ کی خدمت میں پیش کر دوں۔ اگر آپ پسند فرمائیں تو تہامہ کے پہاڑ زمرد، یاقوت اور سونے اور چاندی کے بن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چلیں"۔ امام احمد کی روایت میں ہے "اگر میں پسند فرماؤں تو رب تعالیٰ میرے ساتھ سونے اور چاندی کے پہاڑوں کو رواں فرما دے"۔ ابن عساکر کی روایت میں یوں ہے "اگر میں پسند کروں تو سونے کے پہاڑ میرے ساتھ چلیں"۔ الطبرانی کی روایت میں ہے "اگر میں رب تعالیٰ سے سوال کروں کہ وہ میرے لیے سارے تہامہ کو سونے کا بنا دے تو وہ اس طرح ضرور کر دے گا"۔

امام بخاری اور امام مسلم نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "ہم آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پورا مہینہ گزر جاتا لیکن چولہے میں آگ نہ جلتی صرف کھجور اور پانی پر گزر ا ہوتا"۔

امام ترمذی نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وصال فرمایا تو آپ نے اور آپ کے اہل بیت نے جو کی روٹی بھی سیر ہو کر نہیں کھائی تھی"۔

امام ابن ماجہ اور امام ترمذی نے حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ، حضرت ابو امامہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اہل بیت لگا تار کئی راتیں کچھ کھائے بغیر گزار دیتے تھے۔ ان کے پاس رات کا کھانا نہیں ہوتا تھا۔

امام بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوان (کرسی نما چیز) پر بیٹھ کر کبھی بھی کھانا تناول نہیں فرمایا تھا۔ نہ ہی کبھی پیالی میں کھایا تھا۔ نہ سفید نرم روٹی کھائی تھی۔ اور نہ ہی جلد سمیت بھونا ہوا بکری کا بچہ کھایا تھا۔

امام بخاری اور امام مسلم نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا "وہ بستر جس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آرام فرما ہوتے تھے وہ (رنگی ہوئی) چمڑے کا تھا"۔

امام ترمذی نے ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "میرے حجرہ مقدسہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بستر بالوں کا کمبل تھا۔ جسے ہم دوہرا کر کے بچھاتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر استراحت فرما ہو جاتے تھے ایک دفعہ ہم نے اسے چار تہیں لگا کر بچھایا۔ وقت صبح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "آج رات تم نے میرے لئے کیا بچھایا تھا؟ ہم نے عرض کی تو فرمایا "یہ بستر پہلے کی طرح ہی بچھایا کرو۔ اس بستر نے مجھے (اطاعت میں کمال حضور یا رات کے قیام اور نماز) سے روک دیا تھا"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رات کے آغاز کے وقت یہ سوال اس لئے نہیں کیا تھا کیونکہ اس وقت آپ نور و حضور کے

مشاہدہ میں مستغرق تھے۔

امام بخاری، امام مسلم اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ کبھی کبھی پوست خرما کی بٹی ہوئی رسی کی بنی ہوئی چارپائی پر آرام فرماتے تھے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے کبھی سیر شکم ہو کر نہیں کھایا تھا۔ کبھی کسی سے شکوہ بھی نہیں کیا تھا۔ فاقہ حضور اکرم ﷺ کو غنا سے زیادہ پسند تھا۔ اگر آپ ساری رات بھی کچھ کھائے بغیر گزار دیتے پھر بھی آپ دن کے وقت روزہ رکھ لیتے۔ یہ امر آپ ﷺ کے زہد کے کمال پر دلالت کرتا ہے نیز یہ کہ حضور ﷺ کا قلب مبارک رب تعالیٰ کی طرف پوری طرح متوجہ تھا۔ اگر آپ چاہتے تو رب تعالیٰ سے التجاء کرتے تو وہ آپ کے لئے زمین کے سارے خزانے جمع کر دیتا۔ زمین کے پھل اکٹھے کر دیتا۔ اور آپ امیرانہ زندگی بسر فرماتے۔

حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ''میں آپ کی بھوک دیکھ کر رونے لگتی۔ آپ کے بطن اقدس کو ہاتھ لگاتی'' اور عرض کرتی ''میری جان آپ پر فدا! کاش! آپ دنیا سے اتنا تو لے لیتے جو آپ کے لئے اس فاقہ کشی کی نوبت نہ آنے دیتا''۔ حضور اکرم ﷺ فرماتے ''عائشہ! مجھے دنیا سے کیا سروکار! میرے بھائیوں اولوالعزم رسل عظام نے اس سے سخت مصائب پر صبر کیا۔ اسی حالت میں انہوں نے اپنے رب تعالیٰ سے ملاقات کر لی۔ رب تعالیٰ نے انہیں عزت و اکرام سے نوازا۔ ان کے ثواب کو عظیم کیا۔ مجھے حیاء آتی ہے کہ میں اس زندگی کی عیش و عشرت میں کھو جاؤں اور کل ان سے پیچھے رہ جاؤں۔ مجھے اس سے بڑھ کر اور کوئی چیز محبوب نہیں کہ میں اپنے بھائیوں اور دوستوں سے ملاقات کروں''۔ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا ''اس فرمان عالی شان کے بعد ایک ماہ بھی نہیں گزرا تھا کہ آپ خالق حقیقی سے جا ملے''۔

ابن ابی حاتم نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''ایک دفعہ حضور ﷺ نے دن کو روزہ رکھا۔ رات کو کچھ نہ کھایا۔ دوسرے روز پھر روزہ رکھا اور رات کو کچھ نہ کھایا۔ تیسرے روز بھی آپ نے روزہ رکھا اور رات کو کچھ بھی تناول نہ فرمایا۔ پھر فرمایا ''عائشہ! اللہ رب العزت اولوالعزم رسل عظام علیہم السلام پر راضی نہیں ہوا مگر جبکہ انہوں نے ناپسندیدہ اور پسندیدہ امور پر صبر کیا۔ وہ مجھ سے بھی اس وقت تک راضی نہ ہوا جب تک اس نے مجھے بھی اس طرح مکلف نہ بنا لیا جس طرح انہیں مکلف بنایا تھا۔ اس نے ارشاد فرمایا:

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ (الاحقاف:35)

بخدا! میں اس طرح صبر کروں گا جس طرح انہوں نے صبر کیا وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ۔

علماء کرام نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص وصیت کرے کہ میرا مال لوگوں میں سے سب سے زیادہ عقلمندوں کو دیا جائے تو وہ زاہدوں کو دیا جائے گا کیونکہ دانا وہ ہوتا ہے جو دنیا کو طلاق دے دے جیسے کہ کہا گیا ہے۔

طَلِّقِ الدُّنْيَا ثَلَاثًا وَ اطْلُبَنَّ زَوْجًا سِوَاهَا   اِنَّهَا زَوْجَةُ سُوْءٍ لَا تُبَالِي مَنْ اَتَاهَا

دنیا کو تین طلاقیں دے دے اور اس کے علاوہ کسی اور زوجہ کو تلاش کر۔ یہ بہت بری بیوی ہے یہ پرواہ نہیں کرتی کہ اس کے پاس کون آیا ہے۔

اَنْتَ تُعْطِيْهَا مُنَاهَا وهِيَ تُعْطِيْكَ قَفَاهَا فَاِذَا نَالَتْ مُنَاهَا مِنْكَ وَلَّتْكَ وَرَاهَا

تم اس کی آرزو پورا کرتے ہو اور یہ اپنی گدی تمہیں دے جاتی ہے۔ جب تم سے اس کی تمنا بر آتی ہے تو یہ پیٹھ پھیر کر چلی جاتی ہے۔

امام الطبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''دنیا میں پیٹ بھر کر کھانے والے کل یعنی آخرت میں بھوکے ہوں گے''۔ کیونکہ جو شخص پیٹ بھر کر کھاتا ہے اور اس میں رغبت رکھتا ہے تو بعض اوقات ایسی چیز کھا جاتا ہے جو اس کے لئے روا نہیں ہوتی۔ آخرت میں اسے بھوکا رکھ کر اسے سزا دی جائے گی۔ یہ سزا یا تو موقف میں ہوگی یا آگ میں۔ اسے تطہیر کے لئے اس میں داخل کیا جائے گا۔ دخول جنت کے بعد اسے کوئی عذاب نہیں ہوگا کیونکہ جنت میں کوئی عذاب نہیں جبکہ بھوک عذاب ہے۔

ابن ماجہ اور حاکم نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''دنیا میں زیادہ کھانے والے آخرت میں زیادہ بھوکے ہوں گے''۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مومن کامل کی شان یہ ہے کہ اس کا خوف شدید ہو۔ اس کا غور وفکر کثیر ہو۔ وہ اپنی شہوت کو کم کر کے اپنے نفس پر شفقت کرے۔ اس طرح اس کا کھانا کم ہوگا۔ جس طرح کہ روایت میں حضرت ابوامامہ باھلی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جس کا غور وفکر زیادہ ہو گیا اس کا کھانا کم ہو گیا۔ جس کا غور وفکر کم ہو گیا اس کا کھانا زیادہ ہو گیا۔ اور اس کا دل سخت ہو گیا''۔ کیونکہ کثرت طعام سے دل کی سختی پیدا ہوتی ہے۔

بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بھی ہیں نے فرمایا ہے ''پیٹ بھر کر کھانا فطانت ختم کر دیتا ہے جس نے کم کھایا اس کا شر اس کے لئے کم ہو گیا اس کی نیند کم ہو گئی جس کی نیند کم ہو گئی۔ اس کی عمر کی برکت عیاں ہو گئی۔ جس نے پیٹ بھر کر کھایا اس نے زیادہ پانی پیا جس نے زیادہ پانی پیا اس کی نیند زیادہ ہو گئی۔ جس کی نیند زیادہ ہو گئی اس کی عمر کی برکت ختم ہو گئی۔ حکمت ایسے معدے میں داخل نہیں ہوتی جو کھانے سے بھرا ہوا ہو۔ جس نے پیٹ بھر کر کھانے سے کم پر اکتفاء کر لیا اس کا جسم عمدہ ہو گیا اس کے نفس کی حالت درست ہو گئی۔ جس نے پیٹ بھر کر کھایا اس کا جسم بیمار ہو گیا۔ اس کا نفس سرکش ہو گیا۔ اس کا دل سخت ہو گیا۔ نہ اسے نصیحت کوئی فائدہ دیتی ہے نہ اس میں حکمت داخل ہو سکتی ہے''۔

ابونعیم نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی بھی سیر شکم ہو کر نہیں کھایا تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح کھا لیتے تو شام کو نہ کھاتے۔ جب شام کو کھا لیتے تو صبح نہ کھاتے۔ آپ اپنے اہل بیت سے نہ کھانا مانگتے اور نہ ہی مطالبہ کرتے۔ اگر وہ پیش کر دیتے تو تناول فرما لیتے۔ اگر کھانے سے قبل دودھ وغیرہ پیش کیا جاتا تو وہ بھی نوش فرما لیتے''۔ اسی طرح کی روایت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے۔ جی بھر کر کھانے سے مراد ایسی سیر شکمی ہے جو معدہ کو ثقیل کر دے۔ عبادت کے لئے قیام کرنے سے پست ہمت کر دے۔ جو نیند، سستی، کاہلی، تکبر اور رعونت کی طرف لے جائے۔ اس پر رونما ہونے والے مفسدات کے پیش نظر کبھی یہ کراہت سے حرمت کی طرف بھی چلی جاتی ہے۔

امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے

فرماتیں "میرے بھانجے! ہم ہلال نو کو دیکھتے تھے۔ پھر نیا چاند اور پھر نیا چاند دیکھ لیتے تھے دو ماہ میں تین چاند دیکھتے تھے مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حجرات مقدسہ میں آگ نہیں جلتی تھی"۔ حضرت عروہ فرماتے ہیں میں نے عرض کی "خالہ! پھر گزر اوقات کس پر تھی؟" انہوں نے فرمایا "کھجور اور پانی پر"۔

امام مسلم نے حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تادم وصال ایک دن میں دوبار روٹی اور تیل سیر ہو کر نہیں کھایا تھا"۔ انہوں نے زیتون کا تیل اس لئے مختص کیا کیونکہ اس وقت اسے اکثر بطور سالن استعمال کیا جاتا تھا۔ دنیا سے زہد اختیار کرتے ہوئے آپ اسے بھی ایک مرتبہ تناول فرماتے تھے۔

حضرت ابو حازم سلمہ بن دینار رضی اللہ عنہ نے حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے پوچھا "کیا تم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد ہمایوں میں سفید روٹی دیکھی؟" انہوں نے فرمایا "نہیں" میں نے پوچھا "کیا تم جو کے آٹے کو چھانتے تھے؟" انہوں نے فرمایا "نہیں! بلکہ ہم اسے پھونک مار لیتے تھے" دوسری روایت میں ہے "کیا حضور سید موجودات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سفید روٹی کھائی؟" انہوں نے فرمایا "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعثت سے لے کر تادم وصال سفید روٹی نہیں دیکھی"۔ میں نے پوچھا "کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں چھاننی ہوتی تھی؟" انہوں نے فرمایا "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعثت مبارکہ سے لے کر تادم وصال چھاننی نہیں دیکھی" میں نے پوچھا "تم جو کو چھانے بغیر کیسے کھا لیتے تھے؟" انہوں نے فرمایا "ہم انہیں پیستے۔ ان میں پھونک مارتے جو کچھ اڑنا ہوتا وہ اڑ جاتا جو باقی بچ جاتا ہم اسے بھگوتے، گوندھتے اور روٹیاں پکا کر کھا لیتے"۔

امام مسلم اور امام ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "ایک روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت کاشانہ اقدس سے باہر تشریف لائے جس وقت عموماً کوئی نہیں باہر نکلتا۔ اچانک حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے ملاقات ہوگئی۔ ان سے فرمایا "اس وقت گھر سے باہر کیوں نکلے ہو؟" انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! ہمیں بھوک باہر نکال لائی ہے" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "مجھے اس ذات والا کی قسم جس کے دست تصرف میں میری جان ہے مجھے بھی اسی چیز نے باہر نکالا ہے جس نے تمہیں باہر نکالا ہے" یہ بات آپ نے انہیں تسلی دیتے ہوئے اور ان سے محبت کرتے ہوئے فرمائی۔ یہ تینوں حضرات قدسیہ حضرت ابوالہیثم بن التیہان انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر کی طرف گئے۔ یہ بہت زیادہ باغات اور بکریوں کے مالک تھے۔ وہ گھر میں موجود نہیں تھے۔ جب ان کی زوجہ محترمہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی تو اس نے "مَرْحَبًا وَ اَهْلًا" کہا۔ دوسری روایت میں ہے کہ اس فرخندہ فال خاتون نے اس طرح استقبال کیا "اللہ تعالیٰ کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جوان کے ساتھ ہیں انہیں خوش آمدید! حضور سید الانبیاء علیہ التحیۃ والثناء نے پوچھا "فلاں (ابوالہیثم) کہاں ہیں؟ خاتون خانہ نے عرض کی "وہ فلاں کنویں سے ہمارے لئے ٹھنڈا اور میٹھا پانی لینے گئے ہیں"۔ کیونکہ مدینہ طیبہ کے اکثر کنویں نمکین تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی اسی حالت میں تھے کہ حضرت ابوالہیثم آ گئے۔ انہوں نے مشکیزہ رکھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چمٹ گئے۔ آپ پر اپنے والدین نثار کرنے لگے"۔ دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے حضور سید عالم اور آپ کے ساتھیوں کی طرف دیکھا تو الحمد للہ کہا۔ گویا انہوں نے اس نعمت کبریٰ پر رب تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جیسے معزز و مکرم مہمانان ذیشان کسی اور کو نصیب نہیں ہوئے تھے۔ وہ اپنے باغ کی طرف گئے اور وہاں سے عمدہ اور تازہ کھجوریں پیش کیں۔ عرض کی ''انہیں کھائیں'' پھر چھری لی اور بکری ذبح کرنے کے لئے جانے لگے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ''شیر دار بکری سے دور رہنا'' یعنی اسے ذبح نہ کرنا۔ انہوں نے ایک بکری ذبح کی آدھا گوشت بھون لیا۔ آدھا پکا لیا۔ پھر وہ بارگاہ رسالت پناہ میں پیش کر دیا۔ حضور ﷺ نے اس میں سے کچھ گوشت لیا۔ اسے روٹی میں لپیٹا اور ایک صحابی سے فرمایا ''یہ میری نور نظر، لخت جگر سیدہ نساء العالمین فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا تک پہنچا دو۔ انہوں نے اتنے دنوں سے کچھ نہیں کھایا۔ وہ صحابی وہ روٹی لے کر حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کی خدمت اقدس میں حاضر ہو گئے۔ حضور ﷺ اور رفیقان باوفاء نے وہ گوشت کھایا۔ وہ شیریں پانی نوش جان فرمایا۔ جب وہ سیر ہو گئے تو حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے فرمایا'' مجھے اس ذات کریمانہ کی قسم! جس کے دست تصرف میں میری جان ہے! روز حشر تم سے ان نعمتوں کے متعلق ضرور پوچھا جائے گا۔ گھر سے تمہیں بھوک نے نکالا۔ پھر تم واپس نہ لوٹے حتیٰ کہ یہ نعمتیں تمہیں مل گئیں''۔

دوسری روایت میں ہے حضور سید الانبیاء ﷺ نے فرمایا'' مجھے اس ذات کریمانہ کی قسم جس کے دست تصرف میں میری جان ہے۔ تم سے روز حشر ان نعمتوں ٹھنڈے سائے، عمدہ کھجوروں اور شیریں پانی کے متعلق پوچھا جائے گا''۔ پھر حضرت ابوالہیثم نے ان حضرات قدسیہ کے لئے کھانا تیار کروایا۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے یہ فرمان انہیں کھانا کھانے سے پہلے فرمایا تھا۔

ایک اور روایت میں ہے'' اس فرمان حق ترجمان پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تکبیر کہی۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا'' جب اس طرح کی نعمتیں تمہارے پاس پہنچیں تو بسم اللہ پڑھا کرو۔ جب پیٹ بھر کر کھا لو تو یوں رب تعالیٰ کی تعریف بیان کیا کرو ''الحمد للہ الذی اَشْبَعَنَا وَ اَنْعَمَ عَلَیْنَا وَ اَفْضَلَ'' ساری تعریفیں اللہ رب العزت کے لئے ہیں جس نے ہمیں سیر کیا ہم پر انعام فرمایا اور ہم پر مہربانی کی۔ یہ کافی ہو جائے گا''۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی'' یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم کیا ہم سے روز حشر ان نعمتوں کے متعلق پوچھا جائے گا؟'' آپ ﷺ نے فرمایا'' ہاں! مگر ایسا ٹکڑا جس سے آدمی اپنی بھوک مٹائے'' یا ایسا کپڑا جس سے انسان اپنی شرم گاہ ڈھانپے یا ایسا کمرہ (حجرہ) جس میں وہ گرمی یا سردی میں پناہ حاصل کرے۔

فرائد

اس واقعہ سے کئی فوائد سمجھے جا سکتے ہیں (ا) حضور ﷺ اور شیخین کریمین کا حضرت ابوالہیثم رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لانا ان کے شرف کے منافی نہیں۔ ان سے قبل حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام نے بھی کھانا مانگا تھا۔ تاکہ مخلوق کو ان سے سکون ملے۔ انہوں نے یہ فعل امت کے لئے سنت قائم کرنے کے لئے کیا تھا۔ حضرت ابوالہیثم کی زوجہ محترمہ نے عرض کی تھی'' وہ ہمارے لئے شیریں پانی لینے گئے ہیں'' اس میں یہ دلیل ہے کہ میٹھا پانی طلب کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ یہ زہد کے منافی بھی نہیں۔ سبب توکل کے منافی نہیں ہوتا۔ کیونکہ دل کا رب تعالیٰ پر اعتماد توکل کہلاتا ہے۔ نیز یہ کہ بندے کو اپنے رب تعالیٰ کے علاوہ کسی اور پر وثوق نہ ہو۔

امام مسلم نے حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا اور کاشانہ اقدس کی طرف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت عالیہ میں نصف روٹی پیش کی گئی"۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے استفسار فرمایا "کیا سالن ہے؟" اہل خانہ نے عرض کی "کچھ سرکہ ہے" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "سرکہ بہترین سالن ہے" حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "جب سے میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ سنا ہے اس وقت سے میں سرکہ پسند کرتا ہوں"۔

ابن ابی الدنیا نے حضرت ابن بجیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "ایک روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھوک لگی۔ آپ ایک پتھر کے پاس گئے اور اسے اپنے شکم اطہر پر باندھ لیا پھر فرمایا "ارے! کتنے نرم اور گداز نفس روز حشر بھوکے اور عریاں ہوں گے۔ کتنے نفس کو عزت دینے والے اس روز اسے ذلت دیں گے۔ کتنے نفس کو ذلت دینے والے اس روز اسے سچی عزت دیں گے"۔

امام ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "ہم نے بارگاہ رسالت مآب میں بھوک کا شکوہ کیا۔ ہم نے اپنے اپنے پیٹ پر ایک ایک پتھر باندھ رکھا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے شکم اطہر پر دو پتھر باندھ رکھے تھے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں یہ پتھر اس لئے دکھائے تا کہ انہیں علم ہو جائے کہ آپ کے پاس کھانے کے لئے کچھ نہیں جس پر آپ انہیں ترجیح دیں، نیز ان کی تسلئ خاطر کے لئے آپ نے یوں کیا کہ آپ کی بھوک ان سے زیادہ ہے اسی لئے آپ نے دو پتھر باندھے ہیں۔

خندق کی کھدائی والی روایت میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سپہ سالار اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چٹان کی طرف تشریف لے گئے آپ کے بطن اقدس پر ایک پتھر باندھا ہوا تھا۔ امام بوصیری نے کیا خوب فرمایا ہے۔

وَ شَدَّ مِنْ سَغَبٍ اَحْشَائَهُ وَ طَوٰى　تَحْتَ الْحِجَارَةِ كَشْحًا مُتْرَفَ الْاَدَمِ

اور باندھا بھوک کی وجہ سے اس نفس قدسی نے اپنے شکم مبارک کو اپنے ناز پروردہ پہلوؤں کو پتھر سے کسا۔

بعض اوقات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھوک لگنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کے منافی نہیں کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ سے صوم وصال (لگاتار روزے رکھنے) کے متعلق عرض کی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میں تمہاری مثل نہیں ہوں۔" "مجھے میرا رب کھلاتا ہے اور وہ ہی مجھے پلاتا ہے" کیونکہ یہ دونوں کیفیات مختلف اوقات میں آپ کو حاصل تھیں۔ یوم وصال کی روایت سے عیاں ہوتا ہے کہ آپ بعض اوقات کھانے پینے سے مستغنی ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو کھانے اور پینے والے کی قوت عطا فرما دیتا تھا۔ بعض اوقات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھوک بھی لگتی تھی۔ حتیٰ کہ بعض صحابہ کرام کے لئے اس کا اظہار بھی ہو جاتا تھا۔ اس اظہار میں حکمت یہ تھی کہ صحابہ کرام کو اجر و ثواب ملے۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء کریں اور صبر کا مظاہرہ کریں تا کہ وہ اور ان کے بعد میں آنے والے دنیا میں زہد اور بے رغبتی اختیار کریں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ بطن اقدس پر پتھر باندھنا یہ بھوک کی وجہ سے نہیں تھا۔ بلکہ اہل عرب کی عادت یہ تھی کہ وہ اس طرح کرتے تھے۔ جبکہ ان کے پیٹ خالی ہوتے تھے۔ آپ نے ان سے تطبیق کرتے ہوئے اس طرح کیا۔ تا کہ صحابہ کرام جان لیں آپ کے پاس کھلانے کے لئے اس وقت کچھ نہیں جس کی بناء پر

آپ انہیں ترجیح دیں۔

حضور اکرم، شاہ والا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زمین کے خزانوں کی چابیاں دی گئیں مگر آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے ان سے اعراض فرمایا۔ حیات طیبہ میں ہی بہت سے شہر فتح ہو گئے تھے۔ ان کے اموال مدینہ طیبہ آ گئے تھے۔ مگر آپ نے انہیں اپنے صحابہ کرام کے مابین تقسیم فرما دیا۔ آپ نے اس میں سے کسی چیز کو بھی اپنے لئے منتخب نہ فرمایا۔ نہ دینار لیا نہ درہم۔ بلکہ انہیں ان کے مصارف میں خرچ کر دیا۔ مختصر یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر خلق کریم کے بلند اور اعلیٰ منصب پر فائز تھے۔

''الشفاء'' میں ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ کی سنت (طریقہ) کے متعلق پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ کی معرفت، میرا اصل سرمایہ ہے۔ عقل میرے دین کی بنیاد ہے۔ اللہ تعالیٰ سے محبت میری اساس ہے۔ شوق میری سواری ہے۔ ذکر الٰہی میرا انس ہے۔ رب تعالیٰ پر بھروسہ میرا خزانہ ہے۔ غم واندوہ میرا رفیق راہ ہے، علم میرا ہتھیار ہے، صبر میری چادر ہے، رضائے الٰہی میرے لئے غنیمت ہے۔ بارگاہ الٰہیہ میں میرا عجز میرا فخر ہے۔ زہد میرا پیشہ ہے۔ یقین میری قوت ہے۔ صدق میری سفارش کرنے والا ہے۔ اطاعت الٰہیہ میرا سرمایہ ہے۔ جہاد میرا خلق ہے۔ نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ میرے دل کا ثمر اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ میرا غم واندوہ اپنی امت کے لئے ہے۔ میرا شوق میرے رب کی طرف ہے''۔

ملائکہ کی حاضری

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ملائکہ کے ساتھ آپ کی مدد کی گئی۔ آپ کے صحابہ کرام نے ملائکہ دیکھے۔ انہوں نے غزوۂ بدر میں آپ کے ساتھ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام کے ساتھ قتال کیا، حتیٰ کہ مشرکین کو شکست ہو گئی۔ ان کی تعداد ایک ہزار تھی جبکہ مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ تھی۔

بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ملائکہ کو سنا وہ اپنے گھوڑوں کو جھڑک رہے تھے۔ بعض نے مشرکین کے سروں کو اڑتے ہوئے دیکھا جبکہ انہیں شمشیر زن نظر نہیں آ رہا تھا۔ ابوسفیان بن حارث نے دیکھا۔ یہ ابھی تک اپنے شرک پر ہی تھے۔ انہوں نے سفید مرد دیکھے جو زمین اور آسمان کے مابین ابلق گھوڑوں پر سوار تھے۔ ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو حضرت جبرائیل دکھائے۔ وہ ان کی عظمت اور ہیبت دیکھ کر بے ہوش ہو گئے (امام بیہقی)۔ امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما کو ملائکہ سلام کرتے تھے۔ ابن سعد کی روایت کے مطابق ملائکہ ان سے مصافحہ کرتے تھے۔

علماء اہل کتاب، راہبوں، کاہنوں اور جنات کی زبانوں سے بشارت

اہل کتاب کے علماء سے آپ کا حلیہ مبارک آپ کی امت کی علامات اور آپ کا اسم گرامی اور نشانیاں روایت ہیں۔ جیسا کہ اس کتاب کے آغاز میں گزر چکا ہے حضرت کعب الاحبار نے فرمایا ''ہم تورات میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف اس طرح پاتے ہیں ''محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے پسندیدہ بندے ہیں۔ مکہ مکرمہ میں ان کی ولادت ہو گی۔ مدینہ طیبہ کی طرف وہ

ہجرت کریں گے۔ شام ان کا ملک ہوگا۔ ان کی امت مرحومہ رب تعالیٰ کی حمد کرنے والی ہوگی۔ وہ ہر آسائش اور تنگ حالات میں رب تعالیٰ کی حمد بیان کریں گے"۔

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ زبور شریف میں یوں مرقوم ہے "اے داؤد! تمہارے بعد ایک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آئیں گے۔ ان کا نام نامی احمد اور محمد (فداہ روحی وابی وامی) ہوگا، وہ سچے اور سردار ہوں گے، میں ان پر کبھی ناراض نہیں ہوگا، میں نے ان کے طفیل اگلے پچھلے لوگوں کے گناہ معاف کر دیئے ہیں۔ ان کی امت مرحومہ ہوگی، میں نوافل کا انہیں اس طرح ثواب دوں گا جس طرح انبیائے کرام کو دیا ہے میں ان پر وہ فرائض فرض کروں گا جو میں نے انبیاء اور رسل پر فرض کئے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ روز حشر اس طرح آئیں گے کہ ان کا نور انبیائے کرام کے نور کی طرح ہوگا۔

امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ جلارود بن علاء عیسائیوں کے پادری تھے۔ یہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے۔ آپ کی زیارت سے بہرہ ور ہوئے اور آپ کی ساری نشانیاں آپ میں پالیں، انہوں نے عرض کی "اللہ کی قسم! آپ حق کے ساتھ مبعوث ہوئے ہیں۔ سچ کے ساتھ گفتگو کی ہے۔ مجھے اس ذات والا کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے میں نے آپ کے اوصاف حمیدہ انجیل میں پائے ہیں۔ حضرت عیسیٰ بن مریم (ابن بتول) علیہما السلام نے آپ کی بشارت دی ہے آپ کے لئے طویل سلام بھیجا ہے۔ جو آپ کی تعظیم بجالائے اسے شکر ادا کرنا چاہئے۔ معاینہ کے بعد کوئی اثر اور یقین کے بعد کوئی شک نہیں ہوتا۔ اپنا دست اقدس آگے بڑھائیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور آپ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

دلائل النبوۃ از امام البیہقی میں ہے کہ خیبر کے مقام پر تین یہودیوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست اقدس پر اسلام قبول کیا۔ انہوں نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی "شام کے یہودیوں کا ایک بہت بڑا عالم جسے ابن الہیبان کہا جاتا تھا۔ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے دو سال قبل مدینہ طیبہ آیا وہ یہودیوں کے پاس ٹھہرا۔ یہود اس کے وسیلہ سے بادل مانگتے تھے۔ اس کی وفات کا وقت آ گیا۔ یہودی اس کے پاس آئے تو اس نے کہا "اے گروہ یہود! کیا تم جانتے ہو میں شادابی و آسائش کی زمین سے نکل کر اس سنگلاخ زمین کی طرف کیوں آیا ہوں"۔ یہودیوں نے کہا "تو سب سے بہتر جانتا ہے" اس عالم نے کہا "میں اس لئے یہاں آیا ہوں کیونکہ مجھے ایک نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی بعثت کی توقع تھی۔ ان کے ظہور کا وقت قریب آ گیا ہے۔ یہ شہر ان کی ہجرت گاہ ہے۔ ان کا اتباع ضرور کرنا۔ ان کی پیروی کرنے میں تم سے کوئی سبقت نہ لے جائے۔ وہ ان لوگوں کا خون بہانے کے لئے مبعوث ہوں گے جو ان کی مخالفت کرے گا۔ وہ ان کی اولادوں کو قیدی بنا لیں گے"۔ پھر وہ مر گیا جب خیبر فتح ہو گیا تو ان تین نوخیز جوانوں نے کہا "اے گروہ یہود! یہ وہی ہستی پاک ہیں جن کا تذکرہ ابن الہیبان تم سے کرتا تھا"۔ یہودیوں نے کہا "یہ وہ نہیں ہیں"۔ ان نوجوانوں نے کہا "یہ وہی ہیں" وہ اپنے قلعوں سے نیچے اتر آئے۔ اسلام قبول کر لیا۔ اپنے اموال، اولاد اور اہل خانہ کو قلعوں میں ہی چھوڑ دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے اموال، اولاد انہیں لوٹا دیئے۔

تورات میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امت مرحومہ کے اوصاف مرقوم تھے۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے عرض کی "مولا! میں نے تورات میں ایسی امت کا تذکرہ پایا ہے جو ساری امم سے بہترین ہے۔ جسے لوگوں کے لئے ظاہر کیا گیا ہے۔ وہ لوگوں کو نیکی کا حکم دے گی۔ برائی سے انہیں روکے گی۔ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے گی۔ مولا! اسے میری امت بنا دے" اللہ رب العزت نے فرمایا "وہ امت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت ہے" حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے عرض کی "میں نے اس مقدس کتاب میں ایسی امت کا ذکر خیر پایا ہے جو سب سے آخر میں آئے گی۔ لیکن روز حشر سب سے آگے ہوگی۔ مولا! اسے میری امت بنا دے" اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وہ تو محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت ہے"۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے عرض کی "مولا! میں نے ایسی امت کا تذکرہ پڑھا ہے جن کے صحیفے ان کے دلوں میں ہوں گے۔ وہ انہیں پڑھیں گے۔ اسے میری امت بنا دے" رب تعالیٰ نے فرمایا "وہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت ہے"۔

زبور شریف میں ہے "اے داؤد! تمہارے بعد ایک نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام جلوہ افروز ہوں گے جو احمد، محمد اور صادق ہوں گے۔ ان کی امت مرحومہ ہوگی۔ میں ان پر فرض کروں گا کہ وہ ہر نماز کے لئے طہارت (وضو) کیا کریں جس طرح کہ میں نے انبیاء علیہم السلام پر فرض کیا ہے۔ میں انہیں جنابت سے غسل کرنے کا حکم دوں گا جس طرح کہ میں نے انبیائے کرام علیہم السلام کو حکم دیا ہے۔ میں انہیں حج اور جہاد کا حکم دوں گا۔ داؤد! میں نے محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فضیلت بخشی ہے۔ آپ کی امت کو ساری امم پر فضیلت دی ہے۔ میں انہیں وہ فضیلت دوں گا جو ان کے علاوہ کسی اور کو نہ دوں گا۔ میں خطاء اور نسیان پر ان کا مؤاخذہ نہیں کروں گا۔ اگر وہ عمداً گناہ کر کے مجھ سے مغفرت طلب کریں گے تو میں انہیں معاف کر دوں گا۔ جو کچھ وہ اپنے نفوس کے لئے آگے بھیجیں گے وہ ان کے لئے عمدہ ہوگا۔ میں انہیں دوگنا چوگنا عطا کروں گا۔ جب وہ مصائب پر صبر کریں گے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ پڑھیں گے تو میں انہیں رحمت، برکت اور جنات النعیم کی طرف ہدایت دوں گا۔ اگر وہ مجھ سے دعا مانگیں گے تو میں ان کی دعاؤں کو شرف قبولیت عطا کروں گا۔ یا تو میں ان کی دعاؤں کو جلدی قبول کر کے برائیوں کو ان سے پھیر دوں گا یا آخرت میں ان کے لئے ذخیرہ کر دوں گا"۔

اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں بتایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف حمیدہ تورات اور انجیل میں موجود تھے۔ ارشاد ربانی ہے:

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۫ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ (الاعراف)

"(یہ وہ ہیں) جو پیروی کرتے ہیں اس رسول کی جو نبی امی ہے جس (کے ذکر) کو وہ پاتے ہیں لکھا ہوا اپنے پاس تورات میں اور انجیل میں۔ وہ نبی حکم دیتا ہے انہیں نیکی کا اور روکتا ہے انہیں برائی سے اور حلال کرتا ہے ان کے

لئے پاک چیزیں اور حرام کرتا ہے ان پر ناپاک چیزیں اور اتارتا ہے ان سے ان کا بوجھ اور (کاٹتا ہے) وہ زنجیریں جو جکڑے ہوئے تھیں انہیں۔ پس جو لوگ ایمان لائے اس (نبی امی) پر اور تعظیم کی آپ کی اور امداد کی آپ کی اور پیروی کی اس نور کی جو اتارا گیا آپ کے ساتھ وہی (خوش نصیب) کامیاب و کامران ہیں''۔

اگر یہ ذکر خیر تورات میں موجود نہ ہوتا تو پھر خلاف واقع خبر یہود و نصاریٰ کے لئے بہت بڑی دلیل ہوتیں۔ کیونکہ کذب اور بہتان بہت بڑے قابل نفرت امور میں سے ہیں عاقل کو ایسے امور کے لئے کوشاں نہیں ہونا چاہئے جو اس کے حال میں نقصان کا سبب بنے یا لوگ اس کی بات قبول کرنے سے نفرت کریں۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اس طرح فرمایا تو امر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ تعریف تورات اور انجیل میں موجود تھی۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی بہت بڑی دلیل ہے۔ لیکن اہل کتاب اس طرح ہیں جس طرح رب تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا ہے۔

وَ اِنَّ فَرِیْقًا مِّنْهُمْ لَیَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَ هُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۶﴾ (البقرہ)

''اور بے شک ایک گروہ ان میں سے چھپاتا ہے حق کو جان بوجھ کر''۔

امام بخاری نے حضرت عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے کہا ''عبداللہ آپ رضی اللہ عنہ تورات پڑھتے تھے'' مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف بتائیں'' انہوں نے فرمایا ہاں! تورات میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض اوصاف یوں تھے''۔

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا ﴿۴۵﴾ (الاحزاب)

''اے نبی (مکرم!) ہم نے بھیجا ہے آپ کو (سب سچائیوں کا) گواہ بنا کر اور خوش خبری سنانے والا اور بروقت ڈرانے والا''۔

آپ میرے بندے اور رسول ہیں۔ میں نے آپ کا نام متوکل رکھا ہے۔ آپ نہ فحش گو ہیں۔ نہ غلیظ ہیں۔ نہ بازاروں میں شور و غل کرنے والے ہیں۔ آپ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیں گے بلکہ معاف کر دیں گے اور درگزر کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کا وصال نہیں فرمائے گا حتیٰ کہ رب تعالیٰ ان کے ذریعہ ٹیڑھی ملت کو سیدھا فرمائے وہ یہ کہنے لگیں لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے اندھی آنکھوں کو بینا، بہرے کانوں کو سننے والا اور غلاف میں لپٹے ہوئے دلوں کو کھول دے گا''۔

ابن اسحاق کی روایت میں ہے ''وہ بازار میں شور و غل کرنے والے نہیں ہوں گے۔ وہ فحش گوئی نہیں کریں گے وہ نازیبا باتیں نہیں کریں گے۔ میں ہر نیکی کی طرف ان کی راہ نمائی کروں گا۔ ہر خلق کریم انہیں عطا کروں گا۔ پھر میں سکینہ کو ان کا لباس، نیکی کو ان کا شعار، تقویٰ کو ان کا ضمیر، حکمت کو ان کی دانشمندی، صدق و وفاء کو ان کی فطرت، عفو و درگزر کو ان کا خلق، عدل کو ان کی سیرت، حق کو ان کی شریعت، ہدایت کو ان کا پیشرو، اسلام کو ان کی ملت بنا دوں گا۔ ان کا اسم گرامی احمد ہوگا۔ میں ضلالت کے بعد ان کے ذریعے ہدایت دوں گا۔ ان کے ذریعے جہالت کے بعد علم دوں گا۔ گمنامی کے بعد ان کے ذریعے بلند نامی دوں گا۔ غربت کے بعد ان کے ذریعے غناء دوں گا۔ تفرقہ کے بعد ان کے ذریعہ شیرازہ بندی کروں گا۔ ان کے

ذریعے مختلف دلوں کو جوڑ دوں گا۔ متفرق خواہشات جمع اور متفرق گروہ اکٹھے ہو جائیں گے۔ میں ان کی امت کو بہترین امت بنا دوں گا جسے لوگوں کے لئے ظاہر کیا جائے گا۔

ابن سعد نے تحریر کیا ہے کہ بعض الہامی کتب میں ہے ''جب حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو چھوڑنے کا حکم دیا گیا تو انہیں براق پر سوار کرایا گیا۔ وہ جس بھی شاداب، سرسبز اور ہموار میدان میں سے گزرتے تو فرماتے ''جبرائیل! یہاں اترو''۔ وہ کہتے ''نہیں'' حتیٰ کہ مکہ مکرمہ آ گیا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا ''خلیل اللہ! نیچے تشریف لائیں'' انہوں نے کہا ''اس جگہ جہاں نہ دودھ ہے نہ کھیتی'' حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا ''ہاں! اس مبارک مقام سے اس نبی مکرم علیہ السلام کا ظہور ہوگا جو آپ کے بیٹے کی نسل سے ہوں گے ان کے ذریعے رب تعالیٰ کلمہ علیا کو مکمل فرمائے گا''۔

تورات میں اتنی تحریف اور تبدیلی کے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر خیر ابھی باقی ہے۔ ابن ظفر اور ابن قتیبہ نے ''اعلام النبوۃ'' میں تحریر کیا ہے ''اللہ رب العزت سیناء سے تجلی فرمائے گا ساعیر سے چمکے گا وہ فاران کے پہاڑوں سے آشکارا ہوگا''۔ سیناء وہ پہاڑ ہے جس پر رب دو جہاں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا۔ ساعیر وہ پہاڑ ہے جس پر رب تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا۔ اس میں آپ کی نبوت کو ظاہر کیا تھا۔ فاران کے پہاڑ مکہ مکرمہ میں بنو ہاشم کے پہاڑ ہیں۔ ان میں سے ہی ایک پہاڑ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خلوت گزیں ہوئے تھے۔ اسی میں غار حراء ہے جہاں وحی الٰہی کا آغاز ہوا تھا۔ ابن قتیبہ نے کہا ہے ''اس عبارت میں کوئی اشکال نہیں ہے کیونکہ ''سینا میں رب تعالیٰ کی تجلی'' سے مراد طور سیناء پر حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام پر تورات نازل کرنا ہے۔ ساعیر سے ''ان کا چمکنا'' اس سے مراد حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام پر انجیل نازل کرنا ہے۔ فاران کے پہاڑوں سے عیاں ہونے سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن پاک نازل کرنا ہے۔ فاران مکہ مکرمہ کے پہاڑوں کا نام ہے۔ اس میں اہل کتاب اور مسلمانوں کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اگر ان میں سے کوئی اعتراض کرے کہ فاران کے پہاڑ مکہ مکرمہ میں نہیں ہیں تو ہم اسے کہیں گے کہ کیا تورات میں یہ عبارت موجود نہیں ''اللہ تعالیٰ نے ہاجرہ اور اسماعیل علیہما السلام کو فاران میں سکونت دی'' ذرا ہمیں اس پہاڑ کے بارے بتاؤ جس سے رب تعالیٰ کی ذات آشکارا ہوئی ہو اور اس کا نام فاران ہو۔ اور نبی جس پر کتاب نازل ہوئی ہو وہ حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام کے بعد ہوں''۔ کیا تم کسی ایسے دین کو جانتے ہو جو اسلام کی طرح ظاہر ہوا ہو اور پھر وہ زمین کے مشارق و مغارب میں جا پہنچا ہو۔

''المواہب'' میں ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چالیس افراد کو منتخب کیا تو رب تعالیٰ نے فرمایا ''میں تمہاری مثل ان کے لئے نبی بھیجوں گا۔ جو ان کے بھائیوں میں سے ہوگا۔ میں اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا۔ میں اسے جس چیز کا حکم دوں گا وہ انہیں کہے گا۔ جو شخص بھی اس کی بات نہیں مانے گا جس نے مجھے میرے نام سے یاد کیا ہوگا میں اس سے انتقام لوں گا''۔

اس عبارت میں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت پر واضح دلیل ہے ''ان کے بھائیوں میں سے وہ نبی ہوگا'' حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کا تعلق بنو اسحاق کے ساتھ ہے جبکہ ان کے بھائیوں کا تعلق بنو اسماعیل کے ساتھ ہے۔ اگر وہ نبی جن کا وعدہ کیا ہے بنو اسحاق میں سے ہوتا تو وہ ان کے نفوس میں سے ہوتے نہ کہ بھائیوں میں سے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''تمہاری مثل

ایک نبی بھیجوں گا'' تورات میں ہے ''بنو اسرائیل میں سے موسیٰ کی طرح اور کوئی نہیں آئے گا'' دوسری جگہ ہے ''موسیٰ کی طرح کا کوئی اور نبی اسرائیل میں کبھی کھڑا نہیں ہوگا'' یہودی کہتے ہیں کہ اس نبی موعود سے مراد حضرت یوشع بن نون علیہ السلام ہیں۔ مگر یہ نظریہ درست نہیں ہے کیونکہ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کفو نہیں تھے بلکہ ان کی حیات طیبہ میں ان کے خادم تھے اور ان کے وصال کے بعد ان کی دعوت کے مؤکد تھے۔ تو یہ خود بخود تعین ہو گیا کہ اس سے مراد محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہیں۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کفو ہیں۔ کیونکہ آپ کی دعوت، معجزہ کے ساتھ چیلنج اور احکام کی شرح اور سابقہ شرائع کو منسوخ کرنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح ہی تھے۔ ''میں اپنا کلام ان کے منہ میں ڈالوں گا'' یہ بات بڑی عیاں ہے کہ اس سے مراد حضرت سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہیں۔ کیونکہ اس کا معنی یہ ہے ''میں ان پر اپنا کلام وحی کروں گا''۔ جو کچھ وہ سنیں گے اس کے مطابق کلام فرمائیں گے۔ اللہ رب العزت نے آپ پر نہ صحف نازل کئے نہ الواح اتاریں کیونکہ آپ امی تھے مکتوب کو پڑھ نہیں سکتے تھے۔

انجیل میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ''میں رب تعالیٰ سے التجاء کروں گا کہ وہ فارقلیط کو بھیجے وہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے گا'' اس میں ہے ''فارقلیط وہ روح القدس ہیں جنہیں رب تعالیٰ میرے اسم (نبوت) کے ساتھ مبعوث فرمائے گا۔ وہ تمہیں ساری اشیاء کا علم سکھائے گا۔ میں جو کچھ تمہیں کہتا ہوں وہ یہ بھی تمہیں یاد کرائے گا۔ میں نے ان کے آنے سے قبل ہی تمہیں ان کے متعلق بتا دیا ہے۔ تاکہ جب وہ تشریف لائیں تو تم سب ان پر ایمان لے آؤ۔

اس کتاب مقدس میں ہے ''میں تمہیں کہتا ہوں کہ اب میرا چلے جانا ہی تمہارے لئے بہتر ہے۔ اگر میں تمہاری طرف سے تمہارے رب تعالیٰ کی طرف نہ گیا تو تمہارے پاس فارقلیط نہ آ سکے گا۔ اگر میں چلا گیا تو میں انہیں تمہاری طرف بھیج دوں گا۔ جب وہ تشریف لائیں گے تو پورے عالم کو فائدہ ہوگا۔ وہ انہیں جھڑکیں گے۔ انہیں ڈانٹیں گے۔ وہ انہیں غلطی اور نیکی سے روح الیقین کے ساتھ آگاہ کریں گے۔ وہ تمہاری راہ نمائی کریں گے۔ تمہیں تعلیم دیں گے۔ ساری مخلوق کی تدبیر کریں گے۔ کیونکہ وہ اپنی طرف سے گفتگو نہیں کریں گے۔

اس کتاب مقدس میں ہے کہ حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام نے فرمایا ''میں رب تعالیٰ سے التجاء کروں گا کہ وہ تمہیں ایک اور فارقلیط عطا کرے۔ وہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے گا۔ وہ حق کی روح ہوگا۔ عالم انہیں شہید کرنے کی طاقت نہیں رکھے گا''۔ اس میں یہ امر بڑی وضاحت سے موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ عنقریب ان میں ایسی ہستی بھیجے گا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قائم مقام ہوگی۔ اپنے رب کے پیغامات پہنچانے میں ان کی نائب ہوگی۔ ان کی شریعت مطہرہ ہمیشہ کے لئے باقی رہے گی۔ یہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی تو ہیں۔

عیسائیوں نے فارقلیط کی تفسیر میں اختلاف کیا ہے۔ بعض نے اس کی تفسیر ''احمد'' سے اور بعض نے ''مخلص'' سے کی ہے۔ اگر ہم ان کے ساتھ موافقت کریں کہ اس سے مراد ''مخلص'' ہے تو اس سے یہ عیاں ہوگا کہ مخلص سے مراد وہ رسول ہوگا جو عالم کو نجات دینے والا ہوگا۔ ہمارا مدعا یہی ہے کیونکہ ہر نبی اپنی امت کو کفر سے رستگاری دینے کے لئے آتا ہے۔ انجیل میں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ فرمان بھی اس کی تائید کرتا ہے "میں دنیا کو نجات دینے کے لئے آیا ہوں" جب یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی تعریف اس طرح کر رہے ہیں کہ وہ عالم کو نجات دلانے کے لئے آئے ہیں۔ انہوں نے ہی التجاء کی ہے کہ وہ تمہیں ایک اور فارقلیط عطا کرے۔ الفاظ کی دلالت کا تقاضا یہ ہے کہ ایک فارقلیط پہلے گزر چکا ہے پھر دوسرا فارقلیط آئے گا۔ اگر ہم ان کی اس تفسیر سے موافقت کر لیں کہ اس سے مراد "حامد" ہے تو پھر کون سا اور لفظ ہے جو اس لفظ سے بڑھ کر احمد اور محمد کے قریب ہوگا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔

انجیل کی ایک تفسیر میں ہے "فارقلیط وہ رسول ہوگا جسے رب تعالیٰ مبعوث کرے گا۔ وہ روح القدس ہوگا۔ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کی تصدیق کریگا۔ مخلوق کو ہر چیز سکھائے گا اور انہیں یاد دلائے گا" انجیل میں ہے "جب فارقلیط آئے گا تو عالم کو اس کی خطاء پر سرزنش کرے گا۔ وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں بولے گا جو سنے گا وہ منہ سے کہے گا۔ وہ حق کے ساتھ امور کی تدبیر کرے گا اور حوادثات زمانہ کی لوگوں کو خبر دے گا" اس میں یہ عبارت بھی موجود ہے "جب روح القدس آئے گا تو وہ اپنی طرف سے کلام نہیں کرے گا۔ بلکہ وہ اس ذات کا کلام سماعت کر کے گفتگو کرے گا جس نے اسے بھیجا ہوگا"۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۞ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۞ (النجم)

"اور وہ تو بولتا ہی نہیں اپنی خواہش سے۔ نہیں ہے یہ مگر وحی جو ان کی طرف کی جاتی ہے"۔

ابن ظفر رقم کرتے ہیں "حق کو چھپانے کی وجہ سے کلمات کو ردوبدل کرنے اور دین کو حقیر پونجی کے عوض فروخت کرنے پر کس نے عالم کو جھڑکا۔ حوادثات زمانہ سے کس نے ڈرایا اور محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے علاوہ غیوب کی خبریں کس نے دیں۔

تَوْرَاةُ مُوْسٰى اَتَتْ عَنْهُ فَصَدَّقَهَا اِنْجِيْلُ عِيْسٰى بِحَقٍّ غَيْرَ مُفْتَعِلِ

اَخْبَارُ اَحْبَارِ اَهْلِ الْكِتَابِ قَدْ وُرِدَتْ عَمَّا رَاَوْا وَرَوَوْا فِي الْاَعْصُرِ الْاُوَلِ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تورات میں آپ کا تذکرہ جمیل آیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی انجیل نے بھی حق کے ساتھ آپ کی تصدیق کی پہلے زمانہ کے علماء کی وہ بشارت بھی ان کتب میں موجود ہیں جو انہوں نے دیکھیں یا روایت کیں۔

حضرت عارف ربانی ابو عبد اللہ بن نعمان رحمۃ اللہ علیہ کے یہ اشعار کتنے تعجب خیز ہیں۔

هٰذَا النَّبِيُّ مُحَمَّدٌ جَاءَتْ بِهِ تَوْرَاةُ مُوْسٰى لِلْاِمَامِ تَبَشُّرُ

وَكَذَالِكَ اِنْجِيْلُ المسيح مُوَافِقٌ ذِكْرٌ لِاَحْمَدَ مُعَرَّبٌ وَ مُذَكَّرُ

یہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جن کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تورات لوگوں کے لئے بشارت دینے کے لئے آئی۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی انجیل بھی احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر پاک کو سمیٹے ہوئے آئی۔

دلائل بیہقی میں امام حاکم نے ایسی سند سے روایت کیا ہے جس میں کوئی حرج نہیں۔ حضرت ابو امامہ الباہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے حضرت ہشام بن العاص الاموی سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا "مجھے اور ایک اور شخص کو ہرقل صاحب الروم کی طرف بھیجا گیا تا کہ ہم اسے اسلام کی طرف دعوت دیں ....

ہرقل روم نے رات کے وقت ان کی طرف پیغام بھیجا۔ حضرت ہشام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "ہم اس کے پاس گئے۔ اس نے ڈبے کی طرح کا صندوق باہر نکالا۔ جس پر سونے کا کام ہوا تھا۔ اس کے اندر چھوٹے چھوٹے کمرے بنائے گئے تھے۔ جن کے دروازے تھے۔ اس نے ایک دروازہ کھولا۔ اور ریشم کا سیاہ کپڑا باہر نکالا۔ اسے کھولا۔ اس پر ایک سرخ تصویر بنی ہوئی تھی۔ وہ ایسے شخص کی تصویر تھی جس کی آنکھیں بڑی بڑی تھیں اور گردن طویل تھی۔ اس کی دو مینڈھیاں لٹکی ہوئی تھیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے بہت حسین شکل تھی۔ ہرقل نے کہا "کیا تم اسے جانتے ہو؟ ہم نے کہا "نہیں!" ہرقل نے کہا "یہ حضرت آدم علیہ السلام کی تصویر ہے"۔ پھر اس نے ایک اور دروازہ کھولا اس نے سیاہ ریشم کا ایک ٹکڑا نکالا۔ وہاں ایک سفید تصویر تھی۔ وہ ایک ایسے شخص کی تصویر تھی جس کی آنکھیں سرخ اور سر بڑا تھا۔ داڑھی بہت خوبصورت تھی۔ ہرقل نے کہا "کیا تم اسے جانتے ہو؟" ہم نے کہا "نہیں" ہرقل نے کہا "یہ حضرت نوح علیہ السلام کی تصویر ہے" پھر اس نے ایک اور دروازہ کھولا۔ ریشم کا ٹکڑا باہر نکالا۔ اس پر بھی سفید تصویر بنی ہوئی تھی۔ اللہ کی قسم! وہ حضور سید الانبیاء علیہ التحیۃ والثناء کی تصویر تھی۔ ہرقل نے پوچھا "کیا انہیں جانتے ہو؟ ہم نے کہا "ہاں! یہ ہمارے رسول محترم محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصویر ہے"۔ ہرقل نے کہا "بخدا! یہ انہی کی تصویر ہے۔ وہ کھڑا ہوا۔ پھر بیٹھ گیا۔ اس نے پوچھا "کیا یہ ان کی تصویر ہے؟" ہم نے کہا "ہاں" وہ کچھ دیر اس تصویر کو دیکھتا رہا۔ پھر کہا "بخدا! یہ تصویر آخری خانہ میں تھی۔ لیکن میں نے اسے جلدی نکال لیا تا کہ دیکھوں کہ تمہارے پاس اس کے متعلق کیا معلومات ہیں۔ ان میں حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور حضرت سلیمان وغیرھم کی تصاویر ہیں" ہم نے ہرقل سے پوچھا "یہ تصاویر تمہیں کیسے ملیں؟ اس نے کہا "حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے رب تعالیٰ سے التجاء کی کہ وہ انہیں ان کی اولاد میں سے انبیائے کرام دکھائے تو رب تعالیٰ نے ان کی تصاویر نازل کیں۔ یہ مغرب الشمس کے پاس حضرت آدم علیہ السلام کے خزانہ میں تھیں۔ ذوالقرنین نے انہیں وہاں سے نکالا اور انہیں حضرت دانیال علیہ السلام کے پاس رکھ دیا۔

زبور شریف کے مزبور نمبر 44 میں ہے "اسی وجہ سے اس کے لبوں سے نعمت رواں ہوئی۔ رب تعالیٰ تا ابد تجھے بابرکت کرے۔ اے جبار! تلوار اپنے گلے میں حمائل کر لو بلاشبہ تمہاری شریعت اور سنت تمہارے دائیں ہاتھ کی ہیبت کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ تمہارا حصہ مسنونہ ہے۔ ساری امم تمہاری محبت کی خبر دیں گیں"۔

اس مزبور میں واضح اور صراحۃ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر خیر ہے۔ وہ نعمت جو آپ کے لبوں سے روانہ ہونا تھی وہ آپ کا فرمان عالی شان ہے۔ وہ کتاب زندہ ہے جسے رب تعالیٰ نے آپ پر نازل کیا۔ "اے جبار! اپنی تلوار لٹکا لے" یہ امر پر واضح دلالت ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عربی ہوں گے۔ کیونکہ عربوں کے علاوہ دیگر اقوام اس طرح تلواریں حمائل نہیں کرتی تھیں۔ دیگر اقوام انہیں اپنے کندھے پر رکھتے تھے۔ "شرائع اور سنن" کا اس طرح واضح اشارہ ہے کہ وہ صاحب شریعت وسنت نبی ہوں گے۔ اور تلوار کے ساتھ جہاد کریں گے۔ جبار سے مراد وہ ذات ہے جو لوگوں کو تلوار کے ساتھ حق کی راہ پر گامزن کرے اور انہیں کفر سے روکے۔

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے "میں نے بعض کتب قدیمہ میں پڑھا ہے کہ اللہ رب العزت نے فرمایا

''مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم! میں عرب کے پہاڑوں پر نور اتاروں گا جو مشرق ومغرب کو بھر دے گا۔ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے نبی عربی امی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظاہر کروں گا جن پر آسمان کے ستاروں کے برابر اور زمین کی نباتات کے برابر لوگ ایمان لائیں گے۔ سارے اللہ تعالیٰ پر رب ہونے اور ان کے رسول ہونے کے لحاظ سے راضی ہوں گے۔ وہ اپنے آباء کی ملتوں سے انکار کریں گے اور ان سے راہ فرار اختیار کریں گے''۔

حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے عرض کی ''مولا! تو پاک ہے تیرے نام پاکیزہ ہیں تو نے اس نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر اقدس پر کرامت وشرافت کا تاج سجایا ہے'' رب تعالیٰ نے فرمایا ''موسیٰ! میں دنیا اور آخرت میں ان کے دشمنوں سے انتقام لوں گا۔ ہر دعوت پر ان کی دعوت کو غلبہ دوں گا۔ ان کی شریعت بیضاء کی مخالفت کرنے والے کو ذلیل کروں گا۔ میں عدل کے ساتھ اس کی تربیت کروں گا۔ انصاف کے لئے ان کا ظہور کروں گا۔ مجھے اپنی عزت کی قسم! میں ان کے ذریعہ کئی اقوام کو آگ سے بچا لوں گا۔ میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ دنیا کھولی اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اسے اختتام پذیر کر دوں گا۔ جس نے ان کا عہد ہمایوں پالیا اور ان پر ایمان لانے کی سعادت سے بہرہ اندوز نہ ہوا اللہ تعالیٰ اس سے بری ہے۔

ورقہ بن نوفل کی محبت

حضرت ورقہ نے راہبوں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے بارے آگاہی حاصل کی۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے انہیں علامات نبوت میں سے ان کے بارے بتایا جو انہوں نے دیکھی تھیں راہب کا وہ قول بھی بتایا جو ان کے غلام میسرہ نے سنا تھا۔ اس نے دیکھا کہ دو فرشتے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر سایہ فگن تھے۔ حضرت ورقہ نے کہا ''اگر یہ ساری باتیں سچی ہیں تو محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس امت کے نبی ہیں مجھے علم ہے کہ اس امت کا نبی (کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) باقی ہے۔ اس کا انتظار ہے یہ زمانہ اسی کا ہے''۔
جب اس معاملہ میں تاخیر ہوئی تو انہوں نے یہ اشعار کہے۔

تبکر ام أنت العشية رَائِحٌ وَ فِي الصَّدْرِ مِنْ اضْمَارِكَ الحُزْنَ فَادِحُ

کیا تو صبح کے وقت عازم سفر ہونے والا ہے یا وقت شام سفر پر روانہ ہونے والا ہے تیرا سینہ غم چھپانے کی وجہ سے زخمی نظر آرہا ہے۔

لفرقة قوم لَا احب فراقهم كانك عَنْهُمْ بعد يومين نازح

یہ غم واندوہ اس قوم کے فراق میں ہے جس کا فراق میں پسند نہیں کرتا ایسے لگتا ہے کہ دو روز بعد تو ان سے جدا ہونے والا ہے۔

فَاخبار صدق خبرت عن محمد يخبرها عند اِذَا غاب ناصح

حضرت خدیجہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے ان سچی خبروں کے متعلق بتایا ہے جن کے متعلق ناصح نے اس وقت بتایا جب حضور ابھی کائنات میں جلوہ گر نہ ہوئے تھے۔

فَذَاكَ الَّذِیْ يَعْتَامُ يا خَيْرَ حُرَّةٍ بغورهٖ بِالنَّجْدَيْنَ حيث المسامع

اے بہترین آزاد خاتون! وہ بہادر جسے آپ نے غور اور نجدین کی طرف اس مقام پر بھیجا تھا جہاں بے آب و گیاہ میدان ہیں۔

ای سوق بصری و الرکاب التی غدت وھن من الاحمال قعص ذوابح

آپ نے اس جوان کو ان اونٹوں کے قافلہ کے ہمراہ بصریٰ کی طرف بھیجا تھا جو زیادہ بوجھ کی وجہ سے گردن توڑ بیماری میں مبتلا ہو چکے تھے۔

فخبرنا عن کل خبر یعلمه و للحق ابواب لھن مفاتح

اس نے اپنے علم سے ہمیں ہر بھلائی کی خبر دی اور حق کے لئے ایسے دروازے ہیں جن کی چابیاں بھی ہیں۔

بان ابن عبدالله احمد مرسل الی کل من ضمت علیه الاباطح

اس نے ہمیں بتایا کہ ابن عبداللہ حضرت احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہر اس شخص کی طرف مبعوث ہوں گے جس کو وادیوں نے گھیر رکھا ہے۔

وظنی به ان سوف یبعث صادقا کما بعث العبدان ھو دو صالح

میرا آپ کے متعلق گمان یہ ہے کہ آپ عنقریب سچائی کے ساتھ اس طرح مبعوث ہوں گے جس طرح اللہ کے دو بندے حضرت داؤد اور حضرت صالح مبعوث ہوئے۔

موسی و ابراھیم حتی یری له بھاء و میسور من الذکر واضح

جس طرح حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام مبعوث ہوئے حتیٰ کہ آپ کے لئے حسن و جمال عیاں ہوگا آپ ذکر کی رفعتوں پر فائز ہو جائیں گے۔

و تتبعھا حبا لؤی جماعة شبابھم والاشیبون والحجاحج

بنو لؤی آپ کی اتباع کریں گے۔ ان کے بوڑھے اور عظیم سردار آپ کی پیروی کریں گے۔

فان ابق حتی یدرك الناس دھرہ فانی به مستبشر الود فارح

اگر میں اس وقت زندہ رہا حتیٰ کہ اس زمانہ کے لوگوں کو پالیا تو میں آپ کی بعثت کی وجہ سے خوش و خرم ہوں گا۔

وَ الاَّ فَانی یا خدیجه فاعلمی من ارضك فی الارضِ العریضه سائح

ورنہ اے خدیجہ! جان لیں میں تمہاری سرزمین سے کسی اور جگہ چلا جاؤں گا یہ زمین بڑی وسیع ہے۔

یہ سارے شواہد ورقہ کے ایمان کی گواہی دے رہے ہیں۔ بعض علماء نے انہیں صحابہ کرام میں شمار کیا ہے بلکہ انہیں اول الصحابہ کہا ہے اگر یہ صحیح ہے کہ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام کے پہلی دفعہ وحی لے کر آنے کے بعد آپ ورقہ کے پاس آئے۔ جبرائیل امین کے متعلق بتایا ورقہ نے کہا ''آپ اس امت کے رسول ہیں'' اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیات بینات نازل ہوئیں تھیں۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝۱ (الاقراء)

ورقہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی تھی ''آپ کو بشارت ہو میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ وہی ہیں جن کی بشارت حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام نے دی تھی۔ آپ ناموس عیسیٰ پر ہیں۔ آپ نبی مرسل ہیں۔ روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ورقہ کو جنت میں دیکھا اس نے سبز کپڑے زیب تن کر رکھے تھے۔

مستدرک الحاکم میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''ورقہ کو گالی نہ دیا کرو۔ میں نے اسے جنت میں دیکھا ہے اس نے ایک یا دو جبے پہن رکھے تھے''۔ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ''الشفاء'' میں لکھا ہے کہ امام ذہبی نے جو ابن مندہ سے روایت کیا ہے کہ ظاہر بات یہی ہے کہ ورقہ نبوت کے بعد رسالت سے پہلے وفات پا گئے''۔ لیکن اسے وہ روایت رد کر دیتی ہے جسے امام بخاری نے صراحۃً روایت کیا ہے۔

مختصر یہ کہ علمائے یہود اور راہبوں کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے بشارت اور ان کی یہ شہادت کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی موعود ہیں ان گنت اور بے شمار ہیں۔ لیکن ان کے باوجود ان میں سے جو اسلام میں داخل نہ ہوا اس کی وجہ صرف حسد، عناد اور بدبختی ہے۔ انہیں جھنجوڑا گیا کہ آپ کا ذکر خیر ان کی کتب میں موجود ہے۔ آپ کے یہ یہ اوصاف حمیدہ ان کے ہاں مکتوب ہیں۔ آپ کے صحابہ کرام کے یہ یہ اوصاف حمیدہ مرقوم ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا٘ سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ ۛۚ وَ مَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ ۛ۫ كَزَرْعٍ (الفتح:29)

''(جان عالم) محمد اللہ کے رسول ہیں اور وہ (سعادت مند) جو آپ کے ساتھی ہیں کفار کے مقابلہ میں بہادر اور طاقتور ہیں۔ آپس میں بڑے رحمدل ہیں تو دیکھتا ہے انہیں کبھی رکوع کرتے ہوئے کبھی سجدہ کرتے ہوئے۔ طلبگار ہیں اللہ کے فضل کے ان (کے ایمان وعبادت) کی علامت ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے نمایاں ہیں۔ یہ ان کے اوصاف تورات میں (مذکور) ہیں۔ نیز ان کی صفات انجیل میں بھی (مرقوم) ہیں۔ (یہ صحابہ) ایک کھیت کی مانند ہیں''۔

ان کے صحف میں جو کچھ مذکور تھا اس کے ساتھ ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے خلاف حجت دی۔ انہوں نے جو تحریف کی تھی۔ کتمان حق کیا تھا۔ آپ کے محاسن کو بیان کرنے سے ان کی زبانیں جو رک رک جاتی تھیں اس پر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی مذمت فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں مباہلہ کی دعوت دی۔ ان میں سے ہر ایک نے راہ فرار اختیار کی۔ انہوں نے اپنی کتب کی بعض آیات چھپانے کی کوشش بھی کی جیسا کہ ''آیۃ الرجم'' وغیرھا۔ اگر وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرامین حق ترجمان اپنی کتب کے خلاف پاتے تو اس کا اظہار قتل ہونے، شہر غیر آباد کرنے اور جانیں لوٹانے سے آسان تھا۔

پتھر کے بتوں سے سننے والی شہادتیں

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کے دلائل میں سے وہ گواہیاں اور شہادتیں بھی ہیں جو بتوں کے پیٹوں سے سنی گئیں۔ پتھروں، قبروں میں خط قدیم کے ساتھ لکھی ہوئی آپ کی رسالت کی گواہی اور شہادت ملی۔ ایسے واقعات کی کثیر تعداد مشہور و معروف ہے جن کا تذکرہ اس کتاب کی پہلی جلد میں ہو گیا ہے۔ اور اس کی وجہ سے بہت سے لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔

اسی طرح آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت باسعادت کے وقت رونما ہونے والے واقعات اور رضاعت مبارکہ کے عہد ہمایوں میں ظہور پذیر ہونے والے واقعات، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک حمل اور ولادت مبارکہ کے وقت رونما ہونے والے واقعات بھی آپ کی نبوت کے دلائل ہیں جیسا کہ اس تصنیف کی پہلی جلد میں گزر چکا ہے۔ سورج کی دھوپ اور چاند کی چاندنی میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ نہ تھا۔ کیونکہ آپ نور تھے۔ آپ کے جسد اطہر اور ملبوسات پاکیزہ پر مکھی نہیں بیٹھتی تھی۔ حضرت علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے "ہم نے اس تصنیف لطیف میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کچھ معجزات اور نبوت کی علامات تحریر کیں ہیں۔ بہت سے معجزات کو ہم نے جان کر نہیں لکھا۔ اگر ہم سارے معجزات کا ذکر کرتے تو یہ ایک بہت بڑی کتاب بن جاتی جو کئی جلدوں پر مشتمل ہوتی۔ حضور سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزات دیگر انبیائے کرام کے معجزات سے دو اعتبار سے واضح ہیں۔ ❶ ان کی تعداد کثیر ہے، ❷ کوئی نبی بھی جو معجزہ بھی لے کر آیا ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے معجزہ جیسا معجزہ یا اس سے بلیغ معجزہ لے کر آئے۔

جہاں تک معجزات کی کثرت کا ذکر ہے تو یہ قرآن کریم سارے کا سارا معجزہ ہے۔ اس کی چھوٹی سے چھوٹی سورت معجزہ ہے۔ اس کی ہر ہر آیت طیبہ معجزہ ہے۔ اس کا ہر ہر جملہ معجزہ ہے۔ یہ اپنی بلاغت، الفاظ اور نظم کے اعتبار سے معجزہ ہے۔ اس طرح ہر ہر جزو میں معجزے ہوئے۔ یہ تعداد دو گنا ہو گئی۔ پھر اس میں اعجاز کی اور بھی بہت سی وجوہات ہیں۔ مثلاً غیب کی خبریں دینا۔ ایک ہی سورت میں بعض اوقات غیب کی کئی خبریں بیان کر دی گئی ہیں۔ ان میں سے ہر خبر معجزہ ہے۔ اس طرح یہ تعداد کئی گنا ہو گئی۔ اگر اعجاز کے دیگر اسباب کو دیکھو جن کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے تو معجزات کی تعداد بے حد و بے شمار ہو جائے گی۔ اس طرح آپ کے معجزات کی تعداد نہ کوئی گن سکتا ہے نہ شمار کر سکتا ہے۔

سید الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دیگر انبیاء علیہم السلام پر فضیلت

پھر خوارق العادات اور غیب کی خبروں کے متعلق آپ سے کثیر احادیث اور روایات منقول ہیں۔ اس طرح معجزات کی تعداد کئی گنا ہو گئی۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ کے معجزات واضح اور شہرت کے حامل ہیں۔ پھر رسل عظام کے معجزات ان کے زمانہ کے حسب حال ہوتے تھے۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے زمانہ میں جادو کا زور تھا۔ آپ علیہ السلام ایسا معجزہ لے کر آئے جو اس کے ساتھ مشابہت رکھتا تھا۔ اس کا توڑ ان کے بس کی بات نہ تھا۔ آپ نے ان کے جادو کو باطل کر دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عہد ہمایوں میں طب کا دور دورہ تھا۔ آپ علیہ السلام ایسا امر لے کر آئے جس پر وہ قادر نہ تھے۔ آپ ایسے معجزات لے کر آئے

جن کے متعلق وہ گمان بھی نہیں کر سکتے تھے۔ مثلاً مردے زندہ کرنا اور مادرزاد اندھوں اور کوڑھیوں کو طب کے علاج کے بغیر ہی تندرست کر دینا۔ اسی طرح سارے انبیاء کرام کے معجزات ان کے زمانہ کے لوگوں کے حسب حال ہوتے تھے۔ جب امام الانبیاء سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وعلی الہ وعلی اصحابہ اجمعین اس عالم رنگ وبو میں جلوہ نما ہوئے تو اہل عرب کے پاس چار قسم کے علوم تھے (۱) فصاحت و بلاغت (۲) شعر (۳) کہانت (۴) عرب کے انساب، ایام اور واقعات کے بارے خبریں۔ اللہ رب العزت نے ان چاروں کے لئے مقتضائے عادت کے خلاف قرآن پاک اتارا۔ اس میں وہ فصاحت اور بلاغت ہے جو اس کے کلام کی روش سے باہر ہے۔ اس میں وہ عجیب وغریب اسلوب ہے جس کے طریق تک اہل عرب نہ پہنچ سکے۔ وہ اوزان کے اسالیب میں اس کا منہج معلوم نہ کر سکے۔ پھر وہ حوادثات اسرار اور پوشیدہ چیزوں کے متعلق وہ خبریں جو بالکل اسی طرح تھیں جس طرح کہ قرآن پاک نے بتایا۔ اس نے کہانت کو باطل کر دیا۔ جو ایک بار سچ بتاتی تو دس بار غلط بتاتی۔ پھر شیاطین کو انگارے اور شہاب مار کر اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جڑ سے اکھیڑ پھینکا۔

اس میں سابقہ انبیاء کرام اور ان کی امتوں کا تذکرہ ہے۔ ان گزشتہ واقعات کا تذکرہ ہے جن سے وہ شخص بھی عاجز ہے جو دوسروں سے فائق ہے۔ پھر یہ کتاب حکیم اس اعتبار سے بھی معجزہ ہے کہ جو کچھ اس میں ہے وہ قیام قیامت تک ثابت ہے ہر آنے والی نسل کے لئے اس کے دلائل عیاں ہیں۔ کسی پر مخفی نہیں۔ جس نے بھی اس میں غور وفکر کیا اس کے لئے یہ بات اظہر من الشمس ہوگئی کہ قرآن پاک کی بتائی ہوئی غیب کی خبروں کی ہر زمانہ اور ہر عصر میں اسی طرح صداقت عیاں ہوتی ہے جس طرح اس نے بیان کیا ہے جنہیں دیکھ کر ایمان کو تازگی نصیب ہوتی ہے دلیل اور برہان کا غلبہ ہوتا ہے۔ صرف خبر معاینہ کی طرح نہیں ہے۔ مشاہدہ سے یقین میں اضافہ ہوتا ہے۔ نفس کو علم الیقین سے عین الیقین کی طرف طمانیت نصیب ہوتی ہے دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے معجزات ان کے تشریف لے جانے کے بعد ختم ہو گئے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ مبارک معجزہ نہ ختم ہوگا۔ نہ منقطع ہو گا۔ بلکہ آیات بینات کو ہر زمان نئی جدت نصیب ہوگی یہ کبھی بھی نیست ونابود نہ ہوگا۔

اسی چیز کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اس فرمان سے اشارہ فرمایا ہے جسے حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "انبیاء کرام میں سے ہر نبی کو معجزات عطا کئے گئے انسان ان ہی پر ایمان لائے۔ مگر مجھے جو کچھ عطا کیا گیا ہے وہ وحی ہے جو رب تعالیٰ نے مجھ پر کی ہے مجھے امید ہے کہ روز حشر میرے پیروکاران سب سے زیادہ ہوں گے"۔

اس حدیث پاک کا مفہوم یہ ہے کہ ہر نبی کو اللہ تعالیٰ نے معجزات میں سے کچھ معجزات ضرور عطا فرمائے جس نے ان میں سے کوئی معجزہ دیکھا تو ایمان لے آیا۔ ہر نبی کو وہ معجزہ دیا گیا جس نے اس کے دعویٰ کی صداقت کو عیاں کر دیا۔ وہ معجزہ اس نبی کے عہد مبارک کے ساتھ ہی مختص تھا وہ وقت گزرنے کے بعد ختم ہو گیا۔ جس طرح حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے عصا مبارک کا سانپ بن جانا۔ لیکن جو کچھ مجھے عنایت کیا گیا ہے وہ وحی ہے جو بلاغت کے اعلیٰ طبقات اور فصاحت کی انتہائی بلندیوں پر ہے جس کا فائدہ اس امت کے اگلے پچھلے لوگوں کو یکساں ہوگا۔ نسل در نسل لوگ گزرتے جائیں گے لیکن اس کی نفع رسانی میں فرق

نہیں آئے گا۔ اس کی بقاء اور اس کی روشنی کے ظہور کی وجہ سے میں امید کرتا ہوں کہ میرے تابعین دیگر انبیائے کرام سے زیادہ ہوں گے۔

دوسرے قول کے مطابق اس مبارک حدیث کا مفہوم اس طرح بیان کیا گیا ہے "اس سے مراد یہ ہے کہ یہ وحی اور کلام ہے۔ اس میں کمزوری اور ناتوانی کا عمل دخل نہیں ہے۔ حضور ﷺ کے اس معجزہ کے علاوہ دیگر انبیائے کرام کے معجزات کو دشمن نے ایسی چیزوں کے ساتھ باطل کرنے کی سعی لا حاصل کی جس سے کمزور لوگوں کو کچھ شبہ سا ہو سکتا تھا۔ جس طرح جادوگروں کا اپنی رسیاں اور لاٹھیاں پھینکنا۔

لیکن قرآن پاک میں حیلہ اور تخیل کا عمل دخل نہیں۔ اس اعتبار سے یہ معجزہ ان کے نزدیک دیگر معجزات سے زیادہ ظاہر ہے جس طرح کہ کوئی شاعر جھوٹ اور حیلے سے مکمل شاعر نہیں ہو سکتا۔ اہل عرب کا اس جیسا کلام لانے سے عاجز ہونا اس کی صداقت کی سب سے بڑی دلیل ہے وہ مصائب، تکالیف، قید، ذلت، انسانوں اور اموال کی بربادی، زجر و توبیخ اور تہدید و وعید، برداشت کرنے پر تو راضی ہو گئے لیکن اس کلام معجز نظام جیسا کلام پیش نہ کر سکے۔ حالانکہ وہ لوگ بہت زیادہ فصیح و بلیغ تھے اس طرح قرآن پاک ایک بین معجزہ اور علامت ظاہرہ بن گیا۔ یہ ان معجزات سے بھی عظیم معجزہ ہو گیا جن کا تعلق افعال بدیعہ کے ساتھ ہے۔ مثلاً عصا کا سانپ بن جانا۔ بعض اوقات مناظر غور و فکر سے قبل جلد ہی یہ سمجھ جاتا ہے کہ یہ امر اس شخص کے ساتھ مختص ہے جو اس فن کا سب سے زیادہ ماہر ہے۔ جیسا کہ فرعون نے وہم کیا تھا اور کہا تھا۔

اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ (الشعراء:49)

"یہ تو تمہارا بڑا (گرو) ہے جس نے تمہیں سحر کا فن سکھایا ہے"۔

لیکن وہ معجزہ جس کا اعجاز غور و فکر کے بعد عیاں ہو وہ اس کے برعکس ہے۔ یہ فہم و ادراک اور اس شخص کے لئے عیاں ہوتا ہے کہ عصاء کا سانپ بن جانا یہ بشری طاقت کے دائرہ سے باہر ہے اسے کسی قوی، قادر ذات والا نے صادر کیا ہے۔ کئی صدیوں سے قرآن پاک نے لوگوں کو چیلنج کر رکھا ہے کہ وہ اس جیسا کلام پیش کریں۔ معارضہ کے بہت زیادہ دواعی ہونے کے باوجود اس جیسا مقدس کلام نہ لا سکے اس طرح یہ دیگر معجزات سے زیادہ اظہر اور بلیغ معجزہ بن گیا۔ جب اہل عرب نے گہری نظروں سے اور وفور عقل سے اس کا مشاہدہ کیا تو انہیں وہ ادراک نصیب ہوا جو کسی اور کو حاصل نہ ہو سکا ان کے پاس ایسی آیات بینات آئیں جو دقت نظر اور حسن معرفت کی محتاج تھیں۔ اہل عرب کے علاوہ دیگر اقوام مثلاً قبطی اور بنی اسرائیل کا طریقہ یہ نہ تھا۔ بلکہ وہ پرلے درجے کے احمق اور غبی لوگ تھے حتیٰ کہ فرعون ان کے سامنے ان کا رب بن گیا۔ اس نے اپنی قوم کو جاہل بنایا۔ اس کی قوم نے اس کی اطاعت کر لی۔

وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ﴿ (طٰہٰ)

"اور گمراہ کر دیا فرعون نے اپنی قوم کو اور نہ دکھائی انہیں سیدھی راہ"۔

سامری نے بنی اسرائیل کو بچھڑے کی پوجا کی طرف بلایا تو وہ ایمان لانے کے بعد اس کی پرستش میں مگن ہو گئے۔ بنی

اسرائیل میں سے ایک گروہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بھی پوجا کی۔ ان کے پاس بین اور واضح نشانیاں آئیں جو ان کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی تھیں۔ اس کے باوجود انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا

لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً (البقرہ:55)

''ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے تجھ پر جب تک ہم نہ دیکھ لیں اللہ کو ظاہر''۔

وہ من وسلویٰ پر صبر نہ کر سکے۔ انہوں نے خیر کے مقابلہ میں ادنی چیز قبول کر لی۔ اہل عرب شریعت کے امور اور دریافت سے نا آشنا ہوتے ہوئے بھی ان کی اکثریت صانع کے وجود کی معترف تھی۔ وہ دوسروں کو اس کا شریک بناتے تھے۔ ان میں سے بعض حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے ہی رب تعالیٰ کی واحدانیت پر ایمان لے آئے تھے۔ جیسا کہ زید بن عمرو اور قیس بن ساعدہ۔ ان میں سے بعض نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کو پالیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کتاب الٰہی لے کر تشریف لائے تو وہ اپنی فطانت کی وجہ سے اس کی حکمت سمجھ گئے۔ وہ اس کلام مجید کو پہلی بار سنتے ہی سمجھ گئے کہ یہ حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ ہے وہ اس پر ایمان لے آئے۔ ہر روز ان کے ایمان میں اضافہ ہوتا رہا۔ انہیں ایمان ویقین حاصل ہو گیا۔ انہوں نے آپ کی صحبت اور برکت کی وجہ سے دنیا کو خیر آباد کہہ دیا۔ آپ کی نصرت کرتے ہوئے انہوں نے وطن چھوڑے۔ اموال ترک کئے اپنے آباء اور فرزندوں کو تہ تیغ کیا۔

یہ ساری اشیاء قرآن پاک کے علاوہ آپ کے دیگر معجزات میں نہیں پائی جاتیں۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی اور نبی کو ایسا معجزہ عطا نہیں کیا گیا۔ البتہ جو معجزات دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کو دیئے گئے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یا تو ان جیسا معجزہ دیا گیا یا ان سے بلیغ معجزہ دیا گیا۔ علماء کرام نے یہ فصاحت بیان فرمائی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہ معجزات عطا کئے گئے جو دیگر انبیائے کرام کو عنایت کیے گئے البتہ کچھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیات بھی ہیں۔ بعض ایسے معجزات بھی ہیں جو آپ کی ذات کریمانہ کے ساتھ ہی مختص ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جوامع الکلم عطا کیا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت بھی نبی تھے جب حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام روح اور جسم کے مابین تھے۔ جبکہ دیگر انبیائے کرام میں سے ہر نبی اپنی بعثت کے بعد اور زمانہ رسالت میں نبی تھا۔ جب آپ اس منصب رفیع پر فائز ہیں تو عیاں ہوا کہ آپ نے ہر اس انسان کامل کی مدد فرمائی جسے مبعوث کیا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ رب تعالیٰ نے آپ کو نہ صرف وہ کمالات عطا فرمائے جو سابقہ انبیاء میں تھے بلکہ ان سے بڑھ کر کثیر فضائل بھی بخشے۔ اللہ تعالیٰ امام بوصیری پر رحم فرمائے انہوں نے کیا خوب فرمایا ہے۔

و کل آی الرسل الکرام بها فانما اتصلت من نورہ بهم

فانه شمس فضل هم کو اکبها یظهرن انوارها للناس فی الظلم

یعنی ہر وہ معجزہ جسے رسل عظام میں سے جو بھی لے کر آیا وہ معجزہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور مبارک سے ہی فیض یافتہ تھا۔ جنہیں رب تعالیٰ نے اس عالم کے وجود سے قبل تخلیق فرمایا۔ حضرت امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مصرعہ کتنا حسین ہے ''فانما اتصلت من نورہ بهم''، یعنی آپ عطا فرماتے رہے مگر آپ کا نور مبارک اسی طرح قائم رہا۔ اس میں ذرہ بھر بھی کمی نہ ہوئی۔ اگر وہ اس

طرح کہتے ''فانما ھی من نورہٖ'' تو یہ وہم ہو سکتا تھا کہ آپ ﷺ نے سب کچھ تقسیم فرما دیا ہے۔ اب آپ ﷺ کے پاس کچھ نہیں رہا۔ بلکہ ہر ایک کا ہر معجزہ آپ کے نور مبارک سے تھا۔ کیونکہ آپ آفتاب فضل ہیں اور انبیاء کرام اس سورج کے ستارے ہیں۔ یہ ستارے اس سورج کے انوار سے تاریکی میں لوگوں کے لئے عیاں ہو رہے ہیں۔ ستارے بذات خود روشن نہیں ہوتے۔ بلکہ وہ سورج کی وجہ سے روشن ہوتے ہیں۔ سورج موجود نہ ہو تو یہ ستارے شمس کے نور کو عیاں کرتے ہیں۔ اسی طرح آپ ﷺ کے ظہور سے قبل انبیاء کرام علیہم السلام آپ کے انوار تقسیم فرماتے رہے۔ وہ ان اوصاف کے ساتھ آپ کا فضل آشکارہ کرتے رہے جو انہیں دیئے گئے تھے۔ وہ اوصاف حمیدہ انہوں نے اپنی امتوں تک پہنچائے۔ یہ اوصاف زکیہ آپ کے نور کے طفیل سے ہی انہیں حاصل ہوئے تھے۔ خلاصہ یہ ہے کہ سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام سے جن انوار کا بھی ظہور ہوا۔ انہوں نے آپ کے نور مبارک سے ہی فیضان لیا تھا۔ جو مشارق و مغارب کو شامل ہے۔ وہ آپ کی مدد سے ہی مستفید ہوئے تھے۔ اس کے باوجود آپ میں کسی قسم کی کمی نہیں ہوئی تھی۔ آپ چراغ کے نور کی مانند ہیں۔ جب اس سے شمع روشن کی جاتی ہے تو چراغ کے نور میں ذرہ بھر کمی نہیں ہوتی۔ بلکہ اس چراغ کا نور بھی اپنی جگہ پر برقرار رہتا ہے۔ سب سے پہلے یہ نور حضرت آدم علیہ السلام میں ظاہر ہوا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا خلیفہ بنایا ہے۔ ان جوامع الکلام سے ان اسماء کے ساتھ ان کی مدد کی گئی تھی جو محمد مصطفی ﷺ کو عطا کئے گئے تھے۔ انہوں نے ان اسماء کے علم کے ساتھ ملائکہ کو خاموش کرا دیا جنہوں نے کہا تھا۔

اَتَجۡعَلُ فِیۡهَا مَنۡ یُّفۡسِدُ فِیۡهَا وَ یَسۡفِکُ الدِّمَآءَ (البقرہ:30)

''کیا تو مقرر کرتا ہے زمین میں جو فساد برپا کرے گا اس میں اور خون ریزیاں کرے گا اس میں''۔

پھر حضرت آدم علیہ السلام کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک لگاتار انبیائے کرام آتے رہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کے جسم اقدس کو ظاہر کرے تاکہ درگاہ ربانیہ میں آپ کی عزت اور مقام و منصب عیاں ہو سکے اور یہ آشکارہ ہو سکے کہ ہر نور آپ کے نور سے ہی مستفیض ہے۔ آپ کے معجزات بینات میں ہر وہ معجزہ شامل کیا گیا جو دیگر انبیائے کرام کو فرداً فرداً عطا کئے گئے۔ آپ کی نبوت عظمیٰ کے تحت ساری رسالت اور آپ کی رسالت کے جھنڈے کے نیچے ساری نبوات آگئیں۔ دیگر انبیائے کرام کو جو کرامت اور فضیلت ملی اس کی مثل حضور ﷺ کو بھی عطا کی گئی۔ جو کمالات ان میں متفرق طور پر جمع تھے وہ سب آپ میں جمع کر دیئے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنے دست اقدس سے بنایا۔ حضور ﷺ کو شرح صدر عطا فرمایا۔ خود ذات باری تعالیٰ نے آپ کا شرح صدر فرمایا۔ اس میں ایمان اور حکمت کو بھرا۔ یہ وہی خلق نبوی ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَکَ صَدۡرَکَ ﴿۱﴾ (الانشراح)

''کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ کشادہ نہیں کر دیا''۔

حضرت آدم علیہ السلام کو خلق وجودی جبکہ حضور سید آدم و اولاد آدم ﷺ کو خلق نبوی عطا کیا گیا۔ جبکہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا مقصد ہی یہ تھا کہ ان کی پشت مبارک میں آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نور مبارک رکھا جائے حضور سید عالم ﷺ مقصود ہیں جبکہ

حضرت آدم علیہ السلام وسیلہ ہیں۔ مقصود وسیلہ سے افضل ہوتا ہے۔ جہاں تک حضرت آدم علیہ السلام کے مسجود ملائکہ ہونے کا تعلق ہے تو اس کے متعلق امام فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں ''حضرت آدم علیہ السلام کو ملائکہ نے اس لئے سجدہ کیا کیونکہ ہمارے نبی کریم کا نور مبارک ان کی طلعت زیبا میں ظاہر تھا۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

تجلیت جل اللہ فی وجہ آدم　فصلی لہ الاملاک حین توسل

''اللہ کی شان! آپ حضرت آدم علیہ السلام کے چہرہ پر عیاں تھے۔ جب انہوں نے آپ کے وسیلہ سے دعا مانگی تو ملائکہ نے بھی ان کے لیے دعا کی''۔

المواہب میں امام سہل بن محمد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: جس شرف کا تذکرہ اس آیت طیبہ میں ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ...... الخ۔ یہ حضرت آدم علیہ السلام کے اس شرف سے زیادہ اتم واکمل ہے کہ وہ مسجود ملائکہ تھے۔ کیونکہ رب تعالیٰ کی ذات حضرت آدم کو سجدہ کرنے میں ملائکہ کے ساتھ شامل نہیں تھی کیونکہ سجدہ کرنا اجسام کی صفات میں ہے۔ لیکن درود شریف ایسی فضیلت ہے کہ رب تعالیٰ کی ذات اقدس بھی پڑھ رہی ہے، ملائکہ بھی اور اہل ایمان بھی درود شریف کا ہدیہ بارگاہ رسالت مآب میں بھیج رہے ہیں۔ یہ مسجود ملائکہ ہونے سے زیادہ شرف ہے۔

جہاں تک اس شرف کا تعلق ہے کہ رب تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اسماء کا علم سکھا دیا تو امام دیلمی نے مسند فردوس میں حضرت ابو رافع سے اور امام حاکم نے حضرت ام المؤمنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''میرے حضور میری امت کو اس وقت پیش کیا گیا جب وہ پانی اور مٹی کے درمیان تھی۔ مجھے بھی اسی طرح اسماء کا علم سکھایا گیا جس طرح حضرت آدم علیہ السلام کو ان کی تعلیم دی گئی''۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات والا کو اسماء، مسمیات، ان کے حقائق، خواص، اسرار، منافع اور نقصانات کی بھی تعلیم دے دی گئی۔ علوم کی ذات اور حقائق آپ کے لئے تھے۔ جبکہ حضرت آدم علیہ السلام کے لئے تو فقط اسماء ہی تھے۔ جیسا کہ امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔

لكَ ذَاتُ الْعُلُوْمِ مِنْ عَالِمِ الْغَيْبِ مِنْهَا لِاٰدَمَ الْاَسْمَاءُ وَ لَا رَيْبَ

عالم غیب کے علوم کی ذات آپ کے لئے ہے جبکہ حضرت آدم علیہ السلام کے لئے صرف اسماء تھے۔ اس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔

مسمیات اسماء سے اعلیٰ ہوتے ہیں۔ کیونکہ اسماء اس لئے ہوتے ہیں تاکہ مسمیات کو بیان کیا جا سکے۔ مسمیات ہی مقصود بالذات ہوتے ہیں۔ عالم کی فضیلت معلوم کی فضیلت کے اعتبار سے ہوتی ہے اس سے یہی واضح ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت آدم علیہ السلام سے افضل ہیں۔

حضرت ادریس علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے مقام رفیع کی طرف بلند فرمایا۔ جبکہ اس ذات بے ہمتا نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج کرائی۔ اس بلند مقام تک لے گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کوئی رسول یا فرشتہ اس مقام پر فائز نہ ہو سکا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے اہل ایمان ساتھیوں کو طوفان سے نجات عطا فرمائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فضیلت دی کہ آپ کی ملت مرحومہ

آسمانی عذاب سے ہلاک نہیں ہوگی۔ارشاد ربانی ہے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ (الانفال:33)

''اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ کہ عذاب دے انہیں حالانکہ آپ تشریف فرما ہیں ان میں''۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے آتش نمرود گلزار بن گئی۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اس کی مثل معجزہ عطا فرمایا۔آپ کے لئے رب تعالیٰ نے جنگ کی آگ کو بجھا دیا۔وہ آگ جسے کفار جلاتے تھے۔تلواریں جس کا ایندھن اور نیزے جس کی گرمی ہوتے تھے۔وہ جسم پر جلتی تھی روح اور جسم جس کا مدعا ہوتا تھا۔ارشاد ربانی ہے۔

كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ (المائدہ:64)

''جب کبھی وہ بھڑکاتے ہیں آگ لڑائی کی بجھا دیتا ہے اللہ تعالیٰ''۔

انہوں نے رب تعالیٰ کے نور کو آگ سے بجھانے کی کتنی بار کوشش کی مگر اس ذات والا نے انکار کر دیا الا یہ کہ وہ اپنے نور کو مکمل کرے گا۔ان کے شرارے بجھا دے گا۔وہ حبیب لبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کرے گا۔''المواہب'' میں ہے کہ شب معراج حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگ کے اس سمندر میں سے گزرے جو آسمان دنیا کے نیچے ہے۔آپ سلامتی کے ساتھ اس میں سے گزر گئے۔

دیگر معجزات و کمالات

امام نسائی نے روایت کیا ہے کہ حضرت محمد بن حاطب رضی اللہ عنہ نے فرمایا''میں ابھی بچہ تھا۔مجھ پر ہنڈیا الٹ گئی۔اس نے میری ساری جلد جلا ڈالی۔مجھے میرے والد یا والدہ اٹھا کر بارگاہ رسالت مآب میں لے گئے۔آپ نے میری جلد پر لعاب دہن لگایا۔جلے ہوئے حصہ پر دست اقدس پھیرا۔یہ دعا مانگی۔

اَذْهِبِ الْبَاسَ رَبَّ النَّاسِ۔اے لوگوں کے پروردگار اس تکلیف کو ختم فرما۔

میں بالکل تندرست ہو گیا گویا کہ مجھے کوئی تکلیف تھی ہی نہیں''۔

امام احمد اور امام بخاری نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے''حضور سید الانبیاء علیہ السلام کے لئے ایران کی آگ بجھ گئی حالانکہ وہ ایک ہزار سال سے نہیں بجھی تھی۔

ابن سعد نے حضرت عمرو بن میمون رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ مشرکین حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو آگ سے اذیت دے رہے تھے۔حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس سے گزرے۔ان کے سر پر دست اقدس پھیرا۔اور فرمایا''اے آگ! عمار پر اس طرح ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ہوئی تھی''۔

ابو نعیم نے حضرت عباد بن عبد الصمد سے روایت کیا ہے۔انہوں نے فرمایا''ہم حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئے۔انہوں نے فرمایا''لونڈی! دستر خوان لے کر آؤ ہم کھانا کھائیں''وہ دستر خوان لے کر آئی۔حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا''میرے پاس رومال بھی لے کر آؤ''۔وہ ایک گندا رومال لے کر آئی۔انہوں نے فرمایا''اس رومال کو تنور میں پھینک

دو"۔ لونڈی نے وہ رومال تنور میں پھینک دیا۔ جب باہر نکالا تو وہ دودھ کی طرح سفید تھا۔ ہم نے پوچھا "یہ کیا؟" انہوں نے فرمایا "یہ وہ مبارک رومال ہے جس کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا چہرۂ انور صاف کرتے تھے۔ جب یہ گندا ہو جاتا ہے تو ہم اس کے ساتھ اس طرح کرتے ہیں کیونکہ آگ اس چیز کو نہیں جلاتی جو انبیائے کرام کے چہروں پر پھری ہو"۔ آپ کی امت کے کئی افراد کو آگ میں پھینکا گیا لیکن آگ نے ان پر کوئی اثر نہ کیا۔

ابن وہب نے حضرت ابن لہیعہ سے روایت کیا ہے کہ جب اسود العنسی نے نبوت کا دعویٰ کیا اور وہ صنعاء پر غالب آ گیا تو اس نے حضرت ذؤیب بن کلیب کو پکڑا اور انہیں آگ میں پھینک دیا۔ مگر آگ نے انہیں کوئی نقصان نہ دیا۔ حضور سید موجودات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بات اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بتائی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے پروردگار کی یوں ستائش بیان کی "ساری تعریفیں رب تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ہماری امت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مثل پیدا کیا"۔

ابن عساکر نے روایت کیا ہے کہ اسود نے حضرت ابو مسلم الخولانی رضی اللہ عنہ کی طرف پیغام بھیجا۔ وہ اس کے پاس آئے تو اس نے ان سے پوچھا "کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں"۔ انہوں نے فرمایا "میں نے نہیں سنا" اسود نے کہا "کیا گواہی دیتے ہو کہ محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں" انہوں نے کہا "ہاں" اسود نے بہت بڑی آگ روشن کی۔ حضرت ابو مسلم الخولانی رضی اللہ عنہ کو اس میں پھینک دیا۔ مگر آگ نے ان کا بال بھی بیکا نہ کیا۔ اسود سے کہا گیا "اگر تو نے اس شخص کو جلاوطن نہ کیا تو یہ تیرے پیروکاروں کو خراب کر دے گا"۔ اس نے انہیں چلے جانے کا حکم دیا۔ وہ مدینہ طیبہ پہنچے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہو چکا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بن چکے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں دیکھ کر رب تعالیٰ کی یوں تعریف بیان کی "ساری تعریفیں اس ذات کے لئے ہیں جس نے مجھے زندگی دی مجھے امت محمدیہ میں سے ایسا شخص دیکھنے کی سعادت بخشی جس کے ساتھ اس طرح کیا گیا جس طرح حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے ساتھ کیا گیا"۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مقام خلت عطا کیا گیا۔ یہ مقام ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی عطا کیا گیا۔ بلکہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام مقام محبت پر بھی فائز تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام زمین میں عبادت الٰہیہ توحید اور بت شکنی میں منفرد تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی فتح مکہ کے روز بتوں کو منہ کے بل اوندھا گرا دیا تھا۔ مشرکین مکہ ذلیل و رسواء تھے۔ وہ اپنے بتوں کی نصرت کرنے کی بھی استطاعت نہیں رکھتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان بتوں کو صرف ایک شاخ سے گرا دیا۔ اس میں صرف قوت ربانیہ ہی کارفرما تھی۔ ان کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ کلہاڑا استعمال فرمایا نہ ہی کدال۔ بلکہ بآواز بلند یہ آیت طیبہ پڑھی۔

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿٨١﴾ (بنی اسرائیل)

"آ گیا ہے حق اور مٹ گیا ہے باطل بے شک باطل تھا ہی مٹنے والا"۔

حضور سپہ سالار اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتح مکہ کے روز مکہ مکرمہ میں رونق افروز ہوئے۔ بیت اللہ الحرام کے اردگرد تین سو ساٹھ بت نصب تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست حق نما میں شاخ تھی۔ آپ اس سے ان بتوں کی طرف اشارہ کر رہے تھے۔ آپ اس آیت طیبہ کی تلاوت کر رہے تھے حتیٰ کہ بت منہ کے بل اوندھے گر پڑے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بیت اللہ الحرام بنوایا۔ اس میں کوئی اخفاء نہیں ہے کہ بیت اللہ جسم ہے اور حجر اسود اس کی روح ہے بلکہ یہ دل کا سیاہ نکتہ ہے۔ روایت ہے کہ یہ رب تعالیٰ کا دایاں (ہاتھ) ہے۔ یہ تمثیل کے اعتبار سے ہے بلند و برتر مثال رب تعالیٰ کے لئے ہی ہے۔ امام دیلمی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور تاجدار حرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''حجر اسود رب تعالیٰ کا دایاں (ہاتھ) ہے۔ جس نے اسے مس کیا اس نے رب تعالیٰ کی بیعت کر لی''۔ اسے مس کرنے سے مراد اسے استلام کرنا ہے۔ جس طرح کہ معاہدہ کرتے وقت ایک دوسرے سے دایاں ہاتھ ملایا جاتا ہے۔ اہل عرب اس طرح ایک دوسرے کے ساتھ معاہدہ کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حجر اسود کو اپنی جگہ پر نصب فرمایا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ معجزہ عطا کیا گیا کہ ان کا عصا سانپ بن گیا۔ جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عشق اور فراق میں کھجور کا تنا رویا۔ درخت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے چلے۔ آپ سے گفتگو کی۔ یہ عصا کے معجزہ سے زیادہ تعجب خیز معجزات ہیں۔ جب ابوجہل نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پتھر مارنے کی جسارت کی تو اس نے آپ کے کندھے کے پاس دو سانپ دیکھے تو وہ اس طرح مرعوب ہو کر واپس پلٹا جس طرح فرعون عصا سے مرعوب ہو کر واپس لوٹا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت کلیم اللہ علیہ السلام کو ید بیضا کا معجزہ عطا فرمایا تھا۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان والا یہ ہے کہ آپ سراپا نور تھے۔ آپ لگاتار پاکیزہ پشتوں سے پاکیزہ ارحام کی طرف منتقل ہوتے رہے۔ حتیٰ کہ اپنے والد گرامی قدر کی پشت مبارک سے حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی صدف شکم میں جلوہ افروز ہو گئے۔ آپ کا نور مبارک ان کی زیبا طلعتوں میں واضح اور آشکارا تھا۔ یہ تفصیلات پہلے گزر چکی ہیں۔ ایک دفعہ تیرہ و تار شب تھی۔ حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ نے آپ کے ساتھ نماز عشاء پڑھنے کی سعادت عظمیٰ حاصل کی۔ مطلع ابر آلود تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں کھجور کی شاخ عطا فرمائی۔ پھر فرمایا ''یہ شاخ خرما لے جاؤ یہ تمہارے آگے اور تمہارے پیچھے دس دس گز روشنی کرے گی۔ جب اپنے گھر جاؤ تو تم تاریکی دیکھو گے۔ اسے مارنا حتیٰ کہ وہ گھر سے نکل جائے وہ شیطان ہے''۔

امام بیہقی اور امام حاکم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''حضرت عباد بن بشر اور حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہما بارگاہ رسالت مآب میں تھے انہیں کوئی ضروری کام تھا وہ آپ سے ہمکلام ہونے کا شرف حاصل کرتے رہے۔ حتیٰ کہ کافی رات گزر گئی۔ رات تاریک تھی۔ پھر وہ کاشانۂ نبوی سے باہر نکلے۔ ان میں سے ہر ایک کے پاس عصا تھا۔ ان کے لئے ایک عصا روشن ہو گیا۔ وہ اس کی نورانیت میں چلتے رہے یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت ہی تھی۔ جب ان کے راستے جدا ہونے لگے تو دوسرا عصا بھی روشن ہو گیا۔ حتیٰ کہ ان میں سے ہر ایک اپنے عصا کے اجالے میں چلتا ہوا اپنے گھر پہنچ گیا''۔

امام بخاری نے اپنی تاریخ میں، امام بیہقی اور ابونعیم نے حضرت حمزہ بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''ایک سفر میں ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت کا شرف حاصل تھا۔ تاریک رات تھی۔ اچانک میری انگلی ضوفشاں ہو گئی۔ اس کے اجالے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنا سامان اکٹھا کر لیا۔ اسی دوران میری انگلی نور فشاں رہی''۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ معجزہ بھی عطا کیا کہ ان کے عصا کی ضرب سے سمندر شق ہو گیا۔ جبکہ حضور سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کو انشقاق قمر کا معجزہ عنایت کیا گیا۔ یہ سمندر کے شق ہونے کی طرح کا ہی معجزہ ہے بلکہ اس میں زیادہ عظیم معجزہ نمائی

ہے۔ حضرت کلیم اللہ علیہ السلام نے عصا مار کر زمین پر تصرف فرمایا۔ جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عالم آسمان میں تصرف فرمایا۔ جب مشرکین مکہ نے یہ معجزہ طلب کیا تو آپ نے رب تعالیٰ سے یہ التجاء کی۔ ان دونوں معجزات کے مابین فرق واضح ہے اگر دونوں معجزات میں از روئے عقل موازنہ کیا جائے تو آسمانی معجزہ زمینی معجزہ سے فائق ہوگا۔

حضرت ابن حبیب نے ذکر کیا ہے کہ آسمان اور زمین کے مابین ایک سمندر ہے جسے مکفوف کہا جاتا ہے۔ روئے زمین کے سارے سمندر اس کی نسبت سے قطرہ کی طرح ہیں۔ یہ سمندر شب معراج حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے شق ہوا حتیٰ کہ آپ نے اسے عبور کیا۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس معجزہ سے عظیم تر معجزہ ہے کیونکہ زمین کے سمندر سے کبھی کبھی خشکی نظر آ جاتی ہے۔ لیکن وہ سمندر جو آسمان اور زمین کے مابین ہے اس میں چلنا ناممکن ہے۔ اس کے اوصاف سے رب تعالیٰ ہی واقف ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے کلیم اللہ علیہ السلام کی دعا کو شرف قبولیت عطا فرمایا۔ انہوں نے التجاء کی۔

رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ﴿٢٥﴾ وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي ﴿٢٦﴾ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي ﴿٢٧﴾ يَفْقَهُوا قَوْلِي ﴿٢٨﴾

"اے میرے پروردگار! کشادہ فرما دے میرے لئے میرا سینہ اور آسان فرما دے میرے لئے میرا یہ (کٹھن) کام اور کھول دے گرہ میری تاکہ اچھی طرح سمجھ سکیں وہ لوگ میری بات"۔ (طٰہٰ)

اللہ رب العزت نے فرمایا:

قَدْ أُوتِيتَ سُؤْلَكَ يَا مُوسَىٰ ﴿٣٦﴾ (طٰہٰ)

"منظور کر لی گئی آپ کی درخواست اے موسیٰ"۔

حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام عرض گزار ہوئے۔

رَبَّنَا اطْمِسْ عَلَىٰ أَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ (سورۃ یونس: 88)

"اے ہمارے پروردگار! برباد کر دے ان کے مالوں کو اور سخت کر دے ان کے دلوں کو"۔

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

قَدْ أُجِيبَت دَّعْوَتُكُمَا (یونس: 89)

"قبول کر لی گئی تمہاری دعا"۔

اللہ تعالیٰ نے ان گنت اور بے شمار بار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی التجائیں قبول فرمائیں۔ حضرت کلیم اللہ علیہ السلام نے چٹان پر ضرب لگائی تو وہاں سے چشمے رواں ہو گئے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

وَإِذِ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِب بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۖ فَانفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا

"اور یاد کرو جب پانی کی دعا مانگی موسیٰ نے اپنی قوم کے لئے تو ہم نے فرمایا مارو اپنا عصا فلاں چٹان پر تو فوراً بہہ نکلے اس چٹان سے بارہ چشمے"۔ (بقرہ: 60)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ معجزہ عطا کیا گیا کہ پانی آپ کی مبارک انگلیوں سے رواں ہو گیا۔ یہ بلیغ معجزہ نمائی ہے کیونکہ پتھر

زمین کی جنس میں سے ہے جس سے پانی رواں ہوتا رہتا ہے۔ بلکہ ارشاد ربانی ہے۔

وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ۭ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاۗءُ (بقرہ:74)

''(کیونکہ) کئی پتھر ایسے بھی ہیں جن سے بہہ نکلتی ہیں نہریں اور کئی ایسے بھی ہیں کہ جو پھٹتے ہیں تو ان سے پانی نکلنے لگتا ہے''۔

لیکن گوشت سے پانی رواں نہیں ہوتا۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی اور کے لئے ایسا معجزہ ظہور پذیر نہیں ہوا۔

شاعر نے کیا عمدہ بات کی ہے۔

وَ كُلُّ مَعْجِزَةٍ لِلرُّسُلِ قَدْ سَلَفَتْ وَاَتٰى بِاَعْجَبَ مِنْهَا عِنْدَ اِظْهَارِ

رسل عظام علیہم السلام کا ہر ہر معجزہ جو گزر چکا ہے وہ معجزہ آپ کو بھی ملا مگر وہ اظہار کے وقت زیادہ تعجب خیز تھا۔

فَمَا الْعَصَا حَيَّةٌ تَسْعٰى بِاَعْجَبَ مِنْ شِكْوَى الْبَعِيْرِ وَلَا مِنْ مَشْيِ الْاَشْجَارِ

عصا کا سانپ بن کر دوڑنے لگنا۔ یہ معجزہ اونٹ کے شکایت کرنے یا درختوں کے چل کر بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہونے سے زیادہ تعجب خیز تو نہ تھا۔

وَلَا انْفِجَارُ مُعِيْنِ الْمَاءِ مِنْ حَجَرٍ اَشَدُّ مِنْ سَلْسَلٍ مِنْ كَفِّ جَارِ

چٹان سے پانی رواں ہونا (یہ معجزہ) انگلیوں سے پانی جاری ہونے سے زیادہ تعجب خیز تو نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کو ہم کلام ہونے کا شرف بخشا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ وہ ذات کریمانہ شب معراج بھی ہم کلام ہوئی۔ اس کے ساتھ اپنا خاص قرب اور نور عطا فرمایا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ دیدار بھی تھا جس سے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کو روک دیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ہارون علیہ السلام کو زبان کی فصاحت بھی عطا فرمائی تھی۔ جبکہ حضور سید العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فصاحت و بلاغت کے اس بلند اور رفیع مقام پر فائز فرمایا جو کسی پر مخفی نہیں۔ یہ تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف صدیق علیہ السلام کو حسن کا حصہ عطا فرمایا جب کہ حضور شاہ حسینانِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حسن کامل عطا کیا۔ جو شخص بھی آپ کے محامد اور شمائل میں غور و فکر کرے گا اس پر عیاں ہوگا کہ رب تعالیٰ نے آپ کو ہر قسم کے حسن پر فضیلت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف صدیق علیہ السلام کو خوابوں کی تعبیر کا علم عطا فرمایا۔ مگر یہ حصہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم بے کراں کی نسبت سے بہت کم ہے کیونکہ آپ کے علم کا کنارہ کسی کو معلوم نہیں ہے جو شخص احادیث کو دیکھے اور روایات پر کھے اس کے لئے عجیب و غریب امور ظاہر ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو یہ معجزہ عطا کیا کہ ان کے ہاتھ میں لوہا نرم ہو جاتا تھا۔ لوہا ان کے ہاتھوں میں آتے ہی موم کی طرح ہو جاتا تھا۔ وہ اسے گرم کئے بغیر، آلہ اور قوت کے بغیر جیسے چاہتے مروڑ دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ معجزہ عطا فرمایا کہ آپ کے دست حق نما میں خشک لکڑی سبز ہوگئی۔ اس پر پتے بھی لگ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ام معبد کی کمزور اور ناتواں بکری پر دست اقدس پھیرا تو وہ دودھ اتار آئی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان کو یہ معجزہ عطا فرمایا کہ وہ پرندوں کی بولیاں سمجھ لیتے تھے۔ شیاطین، ہوا اور سلطنت ان کے لئے مسخر تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اس کی مثل بلکہ کچھ زیادہ ہی دیا گیا جہاں تک پرندوں سلطنت اور وحشی جانوروں کا آپ کے ساتھ کلام کرنے کا تعلق ہے تو آپ کے ساتھ پتھر نے کلام کیا۔ دست اقدس میں سنگریزوں نے تسبیح بیان کی۔ حتیٰ کہ اسے حاضرین نے سنا۔ جمادات کا کلام کرنا حیوانات کے کلام کرنے سے زیادہ عجیب بات ہے۔ زہر آلود بکری کے بازو نے آپ کے ساتھ کلام کیا۔ یہ اعجاز میں زیادہ قوی اور انسان کو زندہ کرنے سے زیادہ بلیغ ہے۔ کیونکہ یہ حیوان کا جزء ہے جو اس کے باقی حصہ سے کٹا ہوا ہے۔ یہ معجزہ ہے۔ اگر یہ بازو بقیہ جسم کے ساتھ ملا ہوتا تو کیفیت کیا ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بقیہ جسم سے الگ زندہ کر دیا حالانکہ باقی جسم الگ پڑا ہوا تھا۔ وہ حصہ زندہ اور گفتگو پر قادر ہو گیا جبکہ وہ حیوان گفتگو نہیں کر رہا تھا۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مردے زندہ کرنے سے بھی بلیغ معجزہ ہے۔ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے لئے پرندے زندہ کرنے سے بھی قوی معجزہ ہے۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہرن اور گوہ نے گفتگو کی۔ اونٹ نے آپ کے حضور شکایت کی۔ روایت ہے کہ ایک پرندے کو اس کا بچہ اٹھا کر تکلیف دی گئی وہ آپ کے سر اقدس پر پھڑ پھڑانے لگا۔ وہ آپ کے ساتھ ہم کلام ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا ''اس پرندے کا بچہ اٹھا کر اسے کس نے تکلیف دی ہے؟ ایک شخص عرض گزار ہوا ''میں نے'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اس کا بچہ اسے لوٹا دو'' (ابوداؤد)۔ آپ کے ساتھ بھیڑیئے کا ہم کلام ہونے کا قصہ بہت معروف ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے ہوا مسخر فرما دی تھی۔ وہ صبح کے وقت ایک ماہ کی مسافت اور رات کے وقت ایک ماہ کی مسافت طے کرتی تھی۔ وہ آپ کو اٹھا کر زمین کے دور دراز اطراف تک پہنچا دیتی تھی۔ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رب تعالیٰ نے براق عطا کر دی جو ہوا سے بھی تیز تر تھی۔ بلکہ وہ بجلی سے بھی تیز رفتار تھی۔ وہ آپ کو فرش سے عرش تک لے گیا۔ اس کی کم از کم مسافت سات ہزار سال کا سفر ہے۔ یہ آسمان کی مسافت ہے البتہ مستوی اور رفرف کی مسافت کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب کہ آپ کا آسمانوں کی طرف سفر براق پر ہو۔ وہ مؤقف جسے امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے کہ یہ سفر اس سیڑھی (معراج) کے ذریعے تھا جس پر بنو آدم کی ارواح چڑھتی ہیں۔ صرف اسراء براق پر تھا اسراء سے مراد بیت المقدس تک کا سفر ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے ہوا مسخر کر دی گئی تھی تا کہ وہ آپ کو اطراف عالم میں پہنچا دے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے زمین سمیٹ دی گئی حتیٰ کہ آپ نے اس کے مشارق و مغارب کو دیکھا۔ ایک ہستی جو زمین کی طرف چلے اور دوسری ہستی زمین جس کی طرف چلے ان دونوں میں کتنا فرق ہے۔ تسخیر الشیاطین کے حوالے سے عرض ہے کہ روایت ہے کہ ابو الشیطان ابلیس لعین حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اس وقت آیا جبکہ آپ نماز ادا کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر آپ کو تسلط عطا فرمایا۔ آپ نے اس کو مسجد کے ستون کے ساتھ باندھ دیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت یہ بھی ہے کہ جنات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے حضرت سلیمان علیہ السلام نے انہیں خدمت پر مامور کر دیا لیکن وہ آپ پر ایمان نہیں لائے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنات کو بھی دولت اسلام بخشی۔ اسلام سے بڑھ کر گراں قدر دولت کون سی ہے۔ جنات اور پرندے حضرت

سلیمان علیہ السلام کے لشکر میں شامل تھے۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَ حُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ وَ الطَّيْرِ (النمل: 17)

''اور فراہم کیے گئے سلیمان کے لیے لشکر جنوں، انسانوں اور پرندوں سے''۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے غزوۂ بدر میں حضرت جبرائیل امین علیہ السلام اور دیگر ملائکہ نے جہاد میں شرکت کی۔ دیگر غزوات میں دشمن کو مرعوب و مرہوب کرنے کے لئے شرکت کی۔ غار ثور کے دہانے پر ایک لمحہ میں کبوتر نے گھونسلہ بنادیا دشمن سے آپ کا دفاع کیا۔ کثرت لشکر کا مقصد بھی دشمن سے دفاع ہی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ مقصد ایک گھونسلا سے مل گیا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو سلطنت عطا فرمادی تھی۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اختیار دیا گیا کہ آپ بادشاہ نبی یا عبد نبی بن جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبد نبی بننا پسند فرمایا۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

يَا خَيْرَ عَبْدٍ عَلٰى كُلِّ الْمُلُوْكِ وُلِّيْ۔

''اے وہ انسانوں میں سے بہترین ذات جسے سارے بادشاہوں کا والی بنادیا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ معجزات عطا کئے۔ آپ اذن الٰہی سے مادر زاد اندھوں کو بینا، کوڑھیوں کو شفاء یاب اور مردوں کو زندہ کر دیتے تھے۔ یہ معجزات حضور سید موجودات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی عطا کئے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی آنکھ اس کی جگہ پر لوٹا دی وہ پہلے سے زیادہ خوبصورت ہوگئی۔

روایت ہے کہ حضرت معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ نے بارگاہ رسالت مآب میں برص کی شکایت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں عصا سے مس کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں برص سے شفاء یاب فرمایا۔ آپ نے انہیں دست اقدس نہ لگایا کیونکہ وہ اجنبیہ تھیں۔ پہلے تذکرہ ہو چکا ہے کہ آپ کے دست اقدس میں کنکریوں نے تسبیح بیان کی۔ پتھر نے آپ کو سلام عرض کیا۔ کھجور کا خشک تنا آپ کے فراق میں رویا۔ یہ معجزہ مردوں کو زندہ کرنے سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ یہ ان چیزوں میں سے تھا جو کلام نہیں کرتیں۔ اس پتھر میں زندگی، ادراک اور عقل آجانا جو آپ سے شرف ہمکلامی کرتا تھا وہ حیوان کی زندگی سے زیادہ بلیغ معجزہ تھا۔ کیونکہ حیوان میں کسی وقت تو زندگی موجود تھی۔ لیکن پتھر اس کے برعکس ہے کیونکہ اس سے قبل اس میں زندگی بالکل مفقود تھی۔

ابو نعیم نے لکھا ہے ''کھجور کی شاخ کا تلوار بن جانا مٹی سے پرندہ بن جانے کی مثل ہے۔ ''دلائل النبوۃ'' از امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ میں ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی ''میں آپ پر ایمان نہیں لاؤں گا حتیٰ کہ آپ میری بچی کو زندہ کر دیں''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے فرمایا ''مجھے اس کی قبر دکھاؤ'' اس نے آپ کو اس کی قبر دکھائی۔ آپ اس کے پاس تشریف لے گئے۔ فرمایا ''اے فلانة! اس نے عرض کی ''لبیک وسعدیک'' خلاصۂ کلام یہ ہے کہ حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مادر زاد اندھوں کو بینا کرنے، کوڑھیوں کو تندرست کرنے اور مردوں کو زندہ کرنے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ شریک ہیں۔ البتہ اضافہ یہ ہے کہ جمادات نے آپ کے لئے گفتگو کی۔ بکری کا ایک حصہ اس کے جسم سے علیحدہ ہو کر آپ کے ساتھ ہمکلام ہوا۔ ایسے معجزات کسی اور نبی کے لئے ظہور پذیر نہیں ہوئے۔ البتہ مائدہ کا نزول بنی اسرائیل کے لئے آزمائش تھا۔ وہ نعمت نہیں تھا۔ اس

لئے اس سے کفر کرنے پر وہ ملعون ہوئے۔ اگر اسے کرامت وعزت سمجھا بھی جائے تو یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا کی قبولیت تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات میں اس کی نظیر یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا زادراہ ختم ہوگیا۔ کچھ زادراہ جمع کیا گیا جو بکری سے کم وزن تھا۔ دس سے کم آدمی اسے بآسانی کھا سکتے تھے۔ آپ نے اس میں برکت کی دعا کی لوگوں نے اپنے اپنے توشہ دان بھر لئے۔ کھانا ابھی اسی طرح پڑا ہوا تھا۔ صحابہ کرام کی تعداد ایک ہزار سے زائد تھی۔ یہ مائدہ آسمان سے نازل ہوا تھا۔ یہ مبارک کھانا تھا جسے رب تعالیٰ نے کلمہ ''کن'' سے پیدا کیا تھا۔ اس میں نہ جھڑک نہ وعید، نہ شدت، نہ آزمائش، نہ فتنہ اور نہ ہی اس سے توبہ کا دروازہ بند کیا گیا تھا۔ بلکہ یہ سراپا نعمت تھا۔

امام بیہقی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص اپنے اہل خانہ کے پاس گیا۔ اس نے ان کی ضروریات دیکھیں پھر کسی چیز کی تلاش میں جنگل کی طرف نکل گیا۔ اس کی زوجہ نے درگاہ ربوبیت میں التجاء کی ''مولا! ہمیں وہ روزق عطا فرما ہم جسے گوندھیں اور روٹیاں پکائیں''۔ اچانک بڑا پیالہ خمیرے آٹے سے بھر گیا۔ چکی چلنے لگی اور تنور بھونے ہوئے گوشت سے بھر گیا۔ اس کا خاوند آیا۔ اس نے چکی چلنے کی آواز سنی۔ وہ عورت اس کے لئے دروازہ کھولنے کے لئے اٹھی اس آدمی نے پوچھا ''تو کیا پیس رہی تھی؟ اس عورت نے سارا تعجب خیز واقعہ بیان کردیا۔ ان کی چکی چلتی رہتی۔ آٹا پیستی رہی گھر کے سارے برتن آٹے سے لبریز ہوگئے۔ انہوں نے چکی کو اٹھا دیا اور اس کے اردگرد جھاڑو دے دیا۔ اس واقعہ کا تذکرہ بارگاہ رسالت مآب میں کیا۔ آپ نے فرمایا ''تم نے اس چکی کے ساتھ کیا کیا؟ انہوں نے عرض کی ''ہم نے اسے اٹھا دیا اور اس کے اردگرد صفائی کردی''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اگر تم اسے اس طرح چھوڑ دیتے تو یہ تمہاری ساری زندگی تک اسی طرح چلتی رہتی''۔ دوسری روایت میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اگر تم اسے چھوڑ دیتے تو یہ روز حشر تک اسی طرح گھومتی رہتی''۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے یہ معجزہ عطا فرمایا تھا کہ انہیں علم ہو جاتا تھا کہ لوگوں نے اپنے گھروں میں کیا چھپایا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَأُنَبِّئُكُم بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ (آل عمران: 49)

''اور بتلاتا ہوں تمہیں جو کچھ کھاتے ہو اور جو کچھ تم جمع کرتے ہو اپنے گھروں میں''۔

وہ لوگوں کو بتا دیتے تھے کہ انہوں نے کیا کھایا ہے اور وہ کیا کھائیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم بالمغیبات اتنا زیادہ تھا کہ وہ بحر بے کراں تھا۔ ان میں سے بہت سے واقعات گزر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام کو زندہ آسمان کی طرف اٹھا لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی شب معراج آسمان کی سیر کرائی گئی۔ بلکہ درجات کی رفعت کے لئے آپ نے عرش معلیٰ تک سیر کی۔ رب تعالیٰ سے مناجات کیں حریم قدس میں مشاہدات کر کے محبت اور مقام ومنصب میں رفعت پائی۔ یہ ان معجزات کی تفصیل تھی جو رب تعالیٰ نے اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کو عطا کئے اور ان کی نظیر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب لبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسے خصائص سے بھی نوازا ہے جو دیگر انبیاء کرام میں سے کسی کو بھی عطا نہیں فرمائے ان کی تفصیل بیان کرنا مشکل ہے۔

امام احمد اور امام بخاری وغیر ہما نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''مجھے پانچ اشیاء ایسی دی گئی ہیں جو میرے سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں کی گئیں۔ ہر نبی کو صرف اس کی قوم کی طرف ہی مبعوث کیا گیا۔ مجھے ہر سرخ اور سیاہ کی طرف مبعوث کیا گیا۔ میرے لئے مال غنیمت حلال کر دیا گیا۔ مجھ سے پہلے یہ کسی پر بھی حلال نہ تھا۔ میرے لئے زمین کو مسجد اور پاکیزہ بنا دیا گیا۔ میری امت میں سے جو شخص بھی نماز کا وقت پالے وہ جہاں چاہے نماز پڑھ لے۔ مجھ سے پہلے لوگ صرف اپنے کنائس میں ہی نماز پڑھتے تھے''۔ ایک اور روایت میں ہے ''مجھ سے پہلے انبیاء کرام میں سے کوئی نماز نہ پڑھتا حتیٰ کہ وہ اپنے محراب میں پہنچ جاتا۔ ایک ماہ کی مسافت سے رعب کے ساتھ میری مدد کی گئی ہے''۔ (یہ خصوصیت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مطلقاً حاصل تھی خواہ آپ تنہا لشکر کے بغیر ہی ہوتے) مجھے شفاعت عظمیٰ عطا کی گئی ہے۔ دوسری روایت میں ہے ''مجھے شفاعت عطا کی گئی۔ میں نے اسے اپنی امت کے لئے پسند کر لیا ہے یہ ہر اس شخص کے لئے ہے جس نے کسی کو رب تعالیٰ کے ساتھ شریک نہ ٹھہرایا''۔ اس روایت سے مراد یہ نہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص صرف یہ پانچ ہی ہیں۔ بلکہ بعض روایات میں پانچ سے زائد کا بھی تذکرہ ہے۔ امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''مجھے چھ اعتبار سے انبیاء کرام پر فضیلت دی گئی ہے۔ مجھے جوامع الکلم دیا گیا ہے۔ رعب کے ساتھ میری نصرت کی گئی ہے۔ زمین کو میرے لئے مسجد اور پاکیزہ بنا دیا گیا ہے۔ مجھے ساری مخلوق کے لئے مبعوث کیا گیا ہے۔ مجھ پر نبوت ختم کی گئی ہے''۔ ایک اور روایت میں ہے ''مجھے ''سورۃ البقرہ'' عرش کے نیچے خزانے سے دی گئی ہے۔ مجھے زمین کی چابیاں عطا کی گئی ہیں۔ میری امت کو بہترین امت بنایا گیا ہے۔ میرے لئے میرے اگلے اور پچھلوں کی خطائیں معاف کر دی گئی ہیں۔ مجھے کوثر عطا کی گئی ہے''۔ ایک اور روایت میں ہے ''تمہارے یہ ساتھی (فداہ روحی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) روز حشر لواء حمد کے مالک ہوں گے۔ حضرت آدم اور بنی آدم سارے اس جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص بہت سے ہیں۔ جب بھی رب تعالیٰ نے آپ کو ان میں سے کسی کے بارے بتایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کو اس کے متعلق بتا دیا۔ میں نے خصائص مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء پر ایک علیحدہ تالیف لکھی ہے جس میں میں نے کافی خصائص کا تذکرہ کیا ہے۔

عشق مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء اور اس کے تقاضے

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (الانفال: 20)

''اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی''۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ (آل عمران)

''اور اطاعت کرو اللہ کی اور رسول (کریم) کی تاکہ تم پر رحم کیا جائے''۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَ مَنْ تَوَلّٰى فَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿۸۰﴾ (النساء)

''جس نے اطاعت کی رسول کی تو یقیناً اس نے اطاعت کی اللہ کی اور جس نے منہ پھیرا تو نہیں بھیجا ہم نے آپ کو ان کا پاسبان بنا کر''۔

یعنی جس نے رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس لئے اطاعت کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رسول برحق ہیں اور آپ نے مخلوق کی طرف احکام الٰہیہ پہنچائے ہیں۔ حقیقت میں اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔ درحقیقت یہ سعادت توفیق الٰہی سے ہی مل سکتی ہے جسے رب تعالیٰ ہدایت سے نابینا کردے اور صراط مستقیم سے بھٹکا دے تو کوئی شخص اسے راہ راست پر گامزن نہیں کرسکتا۔ یہ آیت طیبہ اس امر کی بہت بڑی دلیل ہے کہ رسول ہر امر اور نہی میں معصوم ہوتا ہے۔ رب تعالیٰ کی طرف سے پہنچانے والے ہر حکم میں وہ معصوم ہوتا ہے کیونکہ اس کی طرف سے اگر غلطی کا امکان ہو تو اس کی اطاعت رب تعالیٰ کی اطاعت نہیں بن سکتی۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ (النساء:69)

''اور جو اطاعت کرتے ہیں اللہ کی اور (اس کے) رسول کی تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین''۔

اس آیت طیبہ میں اطاعت شعاروں کے لئے عام انعام کا تذکرہ ہے خواہ ان کا تعلق صحابہ کرام کے فرخندہ فال گروہ کے ساتھ ہو یا وہ ان کے بعد آنے والے ہوں۔ وہ دار آخرت میں ایک دوسرے کی معیت میں ہوں گے۔ اگرچہ وہ دار دنیا میں ایک دوسرے کے ساتھ ملاقات نہ بھی کر سکے ہوں۔ اس آیت طیبہ کا شان نزول اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت زیادہ پیار کرتے تھے۔ جدائی اور فراق کا ایک لمحہ بھی صبر آزما ہوتا تھا۔ ایک روز بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے چہرہ کا رنگ متغیر تھا۔ جسم کمزور و ناتواں تھا۔ چہرہ سے رنج والم کے تاثرات عیاں تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حالت کے متعلق پوچھا تو انہوں نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم مجھے کوئی درد والم اس کے علاوہ نہیں اگر میں آپ کو چند گھڑیاں نہ دیکھ سکوں تو یہ لمحات مجھ پر بڑے شاق گزرتے ہیں۔ مجھے درد جدائی آلیتا ہے۔ حتیٰ کہ میں آپ سے ملاقات کرلوں۔ پھر مجھے دار آخرت یاد آ گیا۔ وہاں مجھے آپ کی زیارت کب نصیب ہو سکے گی۔ اگر میں جنت میں داخل ہو بھی گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو انبیائے کرام کے درجات عالیہ پر فائز ہوں گے''۔ اس وقت اس آیت طیبہ کا نزول ہوا۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے مرسل روایت ہے کہ ایک نوجوان بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ اس نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم اس عالم رنگ و بو میں تو ہم آپ کی زیارت سے بہرہ مند ہوجاتے ہیں۔ روز حشر ہم آپ کا دیدار کیسے کرسکیں گے۔ آپ جنت میں بلند درجات پر فائز ہوں گے''۔ اس وقت رب تعالیٰ نے یہ آیت طیبہ نازل فرمائی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے اس نوجوان سے فرمایا "جنت میں تم میرے ساتھ ہو گے"۔

اس آیت طیبہ میں الفاظ کی عمومیت کا اعتبار ہے نہ کہ اس کا تعلق مخصوص سبب کے ساتھ ہے۔ اس آیت طیبہ میں اطاعت پر ابھارنا اور ترغیب دلانا بھی مقصود ہے۔ اس کا حکم سارے مکلفین کے لئے عام ہے۔ یعنی جس نے بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی وہ رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت بجالایا۔ وہ بلند درجات اور ذوشرف مراتب پر فائز ہوگا۔ اس اطاعت سے مراد صرف ایک یا دو چیزوں میں اطاعت نہیں ہے۔ ورنہ فاسق اور کفار بھی اس میں شامل ہو جائیں گے۔ بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ امور جن کا حکم دیا گیا ہے ان پر عمل پیرا ہوا جائے اور جن امور سے روکا گیا ہے ان کو ترک کر دیا جائے۔ اس آیت طیبہ سے مراد یہ بھی نہیں کہ یہ سب ایک ہی درجہ میں ہوں گے۔ کیونکہ فاضل اور مفضول کے مابین مساوات درست نہیں۔ بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ جنت میں اس طرح ہوں گے کہ ان کے لئے دیدار اور زیارت ممکن ہوگی۔ اگرچہ مقام و منصب بلند بھی ہو گا۔ کیونکہ جب حجاب زائل ہو جائے گا تو بعض بعض کا مشاہدہ کر سکیں گے۔ جب وہ دیدار کرنے اور ملاقات کرنے کا ارادہ کریں گے تو وہ اس پر قادر ہوں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ۔

آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اس نے محبت کی ہوگی۔

معیت اور حقیقی صحبت روح کے ساتھ ہوتی ہے نہ کہ صرف اجسام کے ساتھ۔ یہ قلب کے ساتھ ہوتی ہے نہ کہ قالب کے ساتھ۔ اسی لئے حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ کو آپ کی معیت حاصل تھی۔ لوگوں میں سے قریب ترین تھے۔ حالانکہ وہ سرزمین حبشہ میں تھے۔ لیکن عبداللہ بن ابی لوگوں میں سے آپ سے دور ترین تھا۔ حالانکہ وہ مدینہ طیبہ میں تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب بندہ اطاعت یا معصیت کا یا کسی شخص کا اپنے دل کے ساتھ ارادہ کرتا ہے تو وہ اپنے ارادہ اور محبت کے ساتھ اس کے ہمراہ ہوتا ہے دور نہیں ہوتا۔ ارواح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ہوتی ہیں۔ خواہ ان کے مابین مسافت زمانیہ اور مکانیہ بہت زیادہ ہو۔

بعض اسلاف نے فرمایا ہے "ایک قوم نے اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ (آل عمران: 31)

"(اے محبوب!) آپ فرمائیے (انہیں کہ) اگر تم (واقعی) محبت کرتے ہو اللہ سے تو میری پیروی کرو (تب) محبت فرمانے لگے گا تم سے اللہ اور بخش دے گا تمہارے لئے تمہارے گناہ"۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی محبت اپنے لئے اور اپنی محبت ان کے لئے اتباع رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مشروط کر دی۔ اگر شرط کا وجود نہ ہو تو مشروط کا وجود بھی ممتنع ہو جاتا ہے۔ اتباع نہ رہی تو محبت بھی نہ رہی۔ اگر ان کی رب تعالیٰ کے ساتھ محبت کی نفی ہو گئی تو ان کے لئے بھی رب تعالیٰ کی محبت کی نفی ہو گئی۔ عبودیت میں اصل محبت کا وجود کافی نہیں ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر چیز سے محبوب ہو جائیں اگر کوئی چیز بھی کسی کو اللہ تعالیٰ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیاری ہو گئی تو یہ وہ شرک ہے۔

محبت کے اسباب

اس تعریف میں اسباب محبت کا تذکرہ ہے۔ دل اس ذات سے محبت کرتا ہے جس نے اس پر احسان کیا ہو۔ جب انسان اس شخص سے محبت کرتا ہے جس نے اسے اس فانی دنیا میں سے کوئی ایک یا دو چیزیں دی ہو یا عارضی ہلاکت یا نقصان سے بچایا ہو۔ اس ذات والا کے ساتھ محبت کرنے کے بارے تمہارا کیا خیال ہے جس نے ابدی اور سرمدی نعمتوں سے نوازا ہے۔ انسان کو عذاب الیم سے بچایا ہو۔ وہ عذاب جو نہ فنا ہونے والا تھا اور نہ ختم ہونے والا تھا۔ بعض اوقات انسان کسی حسن صورت اور حسین سیرت سے محبت کرتا ہے۔ اس نبی کریم اور رسول عظیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے تمہارا کیا خیال ہے جو سارے محاسن اخلاق کو جامع ہے جو جوامع المکارم اور فضل عمیم کی شان والا سے متصف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے طفیل ہمیں کفر کی ظلمتوں سے نکال کر نور ایمان تک پہنچا دیا۔ ہمیں جہالت کی آگ سے نکال کر معارف اور ایقان کے باغات تک پہنچا دیا۔ وہی بقاء ابدی کے لئے نعمت سرمدی میں رہنے کا سبب بنے۔ اس احسان سے بڑھ کر اور فزوں تر کیا احسان ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بعد اس طرح کسی اور کا کوئی احسان نہیں۔ جس طرح آپ کا احسان ہے۔ کسی بشر کا اتنا فضل نہیں جتنا فضل آپ نے ہم پر فرمایا ہے۔ ہم آپ کا کچھ شکریہ بھی کیسے ادا کر سکتے ہیں۔ آپ کے حق کے دسویں کا دسویں حصہ بھی کیسے ادا کر سکتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل رب تعالیٰ نے ہمیں دنیا اور آخرت کی نعمتوں سے نوازا۔ ظاہری اور باطنی نعمتیں مکمل کیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس امر کے مستحق ہیں کہ ہم آپ سے اپنے نفوس، اولاد، اہل، اموال اور سارے لوگوں سے بڑھ کر محبت کریں۔ بلکہ اگر ہمارے ہر ہر بال کے نیچے آپ کی محبت کا سرچشمہ پھوٹ نکلے پھر بھی آپ کی محبت کا کچھ حق ہی ادا ہو گا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرامین

امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''تم میں سے کوئی ایمان دار نہیں ہو سکتا حتیٰ کہ میں اسے اس کے والدین اور اولاد سے محبوب ہو جاؤں'' حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے ''اور سارے لوگوں سے بڑھ کر محبوب بن جاؤں'' ایک اور روایت میں ہے ''تم میں سے کوئی بھی ایمان دار نہیں ہو سکتا حتیٰ کہ میں اس کے نفس سے بڑھ کر محبوب ہو جاؤں''۔

امام قرطبی نے لکھا ہے ''جو شخص بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صحیح ایمان لایا۔ وہ آپ کی محبت میں کچھ نہ کچھ پا لینے سے رہ نہیں سکتا۔ البتہ اہل محبت کے درجات متفرق ہیں۔ بعض محبت میں بلند درجہ پر فائز ہوتے ہیں۔ بعض ایسے فرخندہ فال ہوتے ہیں کہ جب بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر خیر ہو وہ آپ کے دیدار کے مشتاق ہوتے ہیں۔ وہ اسے اپنے اہل خانہ، اولاد اور مال پر ترجیح دیتے ہیں۔ وہ امور عظیمہ میں اپنے نفوس خرچ کر ڈالتے ہیں۔ وہ اپنے نفس میں ایسا وجدان پاتے ہیں جس میں انہیں کوئی تردد نہیں ہوتا۔ اس مرتبہ کے بعض لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ انور کی زیارت کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ وہ آپ کے آثار کے مقامات مقدسہ کی زیارت سے بہرہ ور ہونا چاہتے ہیں۔ البتہ غفلت کی وجہ سے یہ درجہ سریع الزوال ہوتا ہے۔ دونوں عالم کی

بھلائی کے لئے جو فائدہ آپ کی بارگاہ والا سے ملتا ہے اس کے اعتبار سے محبت کے درجات میں بھی فرق ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس اعتبار سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اتم اور اکمل حصہ ملا۔ کیونکہ یہ معرفت کا ثمرہ ہے اس لئے ان میں یہ اتم پایا جاتا تھا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ابن اسحاق نے روایت کیا ہے کہ ایک انصاری خاتون کا والد، بھائی اور خاوند غزوۂ احد میں شہید ہو گئے۔ اسے ان سب کے بارے بتایا گیا۔ اس نے پوچھا ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس حالت میں ہیں''۔ اسے بتایا کہ آپ الحمد للہ بخیر و عافیت ہیں۔ اس خاتون نے کہا ''میں آپ کی زیارت کرنا چاہتی ہوں۔ مجھے آپ کا دیدار کراؤ''۔ جب اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تو عرض گزار ہوئی ''آپ کی زیارت کے بعد ہر مصیبت چھوٹی ہے''۔

دوسری روایت میں ہے ''جب مدینہ طیبہ میں آہ و بکا زیادہ ہو گئی تو ایک انصاری خاتون باہر نکل آئی۔ اس کے سامنے سے شہداء گزارے جانے لگے۔ جب بھی اس کے سامنے سے کسی شہید کو گزارا جاتا تو وہ پوچھتی یہ کون ہے۔ جس کے سر پر شہادت کا تاج سجایا گیا ہے؟ صحابہ کرام نے بتایا ''یہ تمہارا بھائی، یہ تمہارا والد یہ تمہارا بیٹا اور یہ تمہارا خاوند ہے'' اس نے پوچھا ''حضور سیدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا حال ہے؟'' صحابہ کرام نے فرمایا ''وہ تمہارے آگے ہیں'' وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب چلی گئی۔ آپ کے دامن کرم کو تھاما۔ پھر کہا ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے والدین آپ پر فدا! آپ کو سلامت دیکھ کر مجھے کسی مصیبت کی کوئی پرواہ نہیں رہی''۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''کوئی ذات مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر محبوب نہیں ہے''۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں اپنے اموال، اولاد، آباء، ماؤں اور ٹھنڈے پانی سے بڑھ کر محبوب ہیں''۔

جب اہل مکہ حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کے لئے حرم شریف سے باہر لے گئے تو ابو سفیان نے ان سے پوچھا ''زید! میں تمہیں اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کیا تمہیں پسند ہے کہ محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس وقت تمہاری جگہ ہوتے۔ ہم ان کا سر تن سے جدا کر رہے ہوتے اور تم اپنے اہل خانہ میں ہوتے؟ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''بخدا! میں تو یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس جگہ تشریف فرما ہیں جہاں جلوہ افروز ہیں اور آپ کے پاؤں مبارک میں کانٹا بھی چبھے۔ جبکہ میں اپنے اہل خانہ کے پاس رہوں'' عشق سے لبریز یہ جواب سن کر ابو سفیان نے کہا ''میں نے کسی کو کسی کے ساتھ اس طرح محبت کرتے نہیں دیکھا جس طرح محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے صحابہ آپ سے محبت کرتے ہیں''۔

''المواہب'' میں ہے کہ حضرت عبد اللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ اپنے باغ میں کام کر رہے تھے۔ ان کا لخت جگر ان کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کی خبر لے کر آیا۔ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے یہ دعا مانگی ''مولا! میری بینائی چھین لے تاکہ میں اپنے محبوب کریم محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی اور کو نہ دیکھ سکوں'' اس کے بعد ان کی بینائی ختم ہو گئی۔

صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جن میں تین خصلتیں ہوں گی وہ ایمان کی

حلاوت پالے گا۔ (۱) اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے ہر چیز سے محبوب ہوں۔ (۲) وہ جس شخص سے بھی پیار کرے اللہ تعالیٰ کے لئے پیار کرے۔ (۳) وہ کفر میں لوٹنا اس طرح ناپسند کرے جس طرح کہ وہ آگ میں پھینکا جانا ناپسند کرتا ہے۔

حضور سید موجودات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اس شخص نے ایمان کا ذائقہ چکھ لیا جو اللہ تعالیٰ پر رب ہونے، اسلام پر دین ہونے اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر رسول ہونے سے راضی ہو گیا''۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایمان کے ذوق کو اللہ تعالیٰ سے رب ہونے پر راضی ہونے سے معلق فرمایا۔ اس کی حلاوت کے وجدان کو اس کے ساتھ معلق کیا جس پر یہ موقوف ہے اور جس کے ساتھ اس کی تکمیل ہوتی ہے۔ یعنی بندے کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساری چیزوں سے بڑھ کر محبوب ہوں۔ ایمان کی حلاوت کا معنی اطاعات سے لذت پانا، دین میں مشقتیں برداشت کرنا اور اسے دنیاوی اغراض سے مقدم کرنا ہے۔ بندے کی اللہ تعالیٰ کے لئے محبت اس وقت حاصل ہوتی ہے جب وہ اس کی اطاعت بجالائے اور اس کی مخالفت ترک کر دے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان عالی شان میں حلاوۃ الایمان استعارہ تخیلیہ ہے۔ ایمان میں مؤمن کی رغبت کو شیریں چیز کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور اسے اس کے لئے لازم قرار دیا گیا ہے۔

حضرت عارف باللہ ابن ابی جمرہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ''اس مذکورہ حلاوت میں اختلاف ہے کہ کیا یہ محسوسہ ہے یا معنویہ۔ فقہاء نے اسے معنی پر محمول کیا ہے جبکہ صوفیاء نے اسے اس کے ظاہری معنی پر محمول کرتے ہوئے اس کی تاویل کئے بغیر اسے محسوس قرار دیا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے احوال اسلاف صالحین اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملات کرنے والوں کے حالات صوفیاء کرام کے مؤقف کی تائید کرتے ہیں۔ ان سے روایت ہے کہ انہوں نے اس حلاوت کو محسوس کیا تھا۔ ان میں سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی حکایت دلنشین بھی ہے۔ جب مکہ مکرمہ کی دہکتی ریت پر انہیں لٹایا جاتا تو وہ ''احد احد'' کے نعرے لگاتے۔ وہ تکلیف کی سختی کو ایمان کی حلاوت کے ساتھ ملاتے تھے۔ اس طرح جب ان کے وصال کا وقت قریب آیا تو ان کے اہل خانہ ''واکرباہ'' ہائے مصیبت پکار رہے تھے تو وہ ''واطرباہ'' کا نعرہ لگا رہے تھے۔ ہائے مژدہ! میں محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کے ساتھ ملاقات کروں گا'' انہوں نے موت کی تلخی کو ملاقات کی حلاوت کے ساتھ ملایا۔

اسی طرح اس صحابی کا واقعہ بھی ہے جن کا رات کے وقت گھوڑا چوری کر لیا گیا۔ جبکہ وہ نماز ادا کر رہے تھے۔ انہوں نے چور کو دیکھا وہ گھوڑا کھول رہا تھا۔ مگر انہوں نے اس کے لئے اپنی نماز منقطع نہ کی۔ جب ان سے اس کے متعلق عرض کی گئی تو انہوں نے فرمایا ''میں جس کام میں مصروف تھا وہ اس سے کہیں بڑھ کر لذیذ تھا'' اس سے مراد ایمان کی وہ حلاوت ہے جس کو انہوں نے اس وقت محسوس کیا تھا۔ اس طرح کی اور کئی امثال ہیں۔

عارف باللہ حضرت تاج الدین بن عطاء اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے ''وہ دل جو غفلت کی امراض سے سلامت ہوں۔ جو خواہشات سے پاکیزہ ہوں وہ معنوی لذتوں سے بھی اسی طرح شادکام ہوتے ہیں جس طرح ہم کھانے کی اشیاء سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اس نے ایمان کا ذائقہ چکھ لیا جو رب تعالیٰ سے اپنا رب ہونے پر راضی ہو گیا۔ اس نے اس کے سامنے سر

اطاعت خم کیا۔ اپنا اختیار اسی کے سپرد کیا۔ وہ زندگی کی لذت اور خود سپردگی کی راحت پالے گا۔ جب وہ رب تعالیٰ سے راضی ہو گیا تو رب تعالیٰ بھی اس سے راضی ہو گیا۔ رب تعالیٰ نے اسے اس کی حلاوت بھی چکھادی تاکہ وہ اس احسان کو جان لے جو رب تعالیٰ نے اس پر کیا ہے جس بندے پر یہ عنایت ربانی ہو جاتی ہے وہ دل کی مرض سے عافیت پا جاتا ہے۔ وہ دل کے ادراک کی صحت اور اس کے ذوق کی سلامتی کی وجہ سے ایمان کی لذت اور حلاوت کو پا جاتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان عالی شان ''وہ شخص اسلام پر دین ہونے کے اعتبار سے راضی ہو'' کا مفہوم یہ ہے کہ جب آدمی اس امر پر راضی ہو جائے جس پر اس کا اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے تو اسلام کے بطور دین ہونے پر بھی راضی ہو جاتا ہے یہ امر ناگزیر ہے۔ کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنا نبی ہونے کے حوالہ سے راضی ہو جاتا ہے آپ اس کے لئے مددگار رہوں۔ وہ آپ کے آداب اپنائے۔ آپ کے اخلاق کریمانہ سے خود کو آراستہ کرے۔ دنیا کو ترک کرے۔ اسے خیر آباد کہے۔ جو اس پر زیادتی کرے اسے معاف کر دے۔ جو اس سے برا کرے اس سے درگزر سے کام لے۔ قول، فعل، اخذ، ترک، محبت اور بغض الغرض ہر اعتبار سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کرے۔ جو رب تعالیٰ پر اپنے رب ہونے کے اعتبار سے راضی ہو گیا اس نے اس کے سامنے سر تسلیم خم کر لیا جو اس پر اپنا دین ہونے کے اعتبار سے راضی ہو گیا اس نے اس پر عمل کیا جو حضور فخر موجودات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نبی ہونے کے اعتبار سے راضی ہو گیا۔ اس نے آپ کی اتباع کر لی۔ ان امور میں سے ایک کا ہونا اور بقیہ کا نہ ہونا ممکن نہیں۔ کیونکہ یہ محال ہے کہ ایک شخص اللہ تعالیٰ پر تو رب ہونے کے اعتبار سے راضی ہو لیکن اسلام پر دین ہونے کے اعتبار سے راضی نہ ہو۔ یا وہ اسلام پر تو دین ہونے کے اعتبار سے راضی ہو لیکن حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نبی ہونے کے اعتبار سے راضی نہ ہو۔ یہ تین امور آپس میں اس طرح لازم وملزوم ہیں کہ کوئی اخفاء نہیں ہے۔

اللہ رب العزت کی محبت کی دو اقسام ہیں۔ (۱) فرض (۲) مستحب۔

فرض محبت وہ ہے جو اوامر پر ابھارتی ہے اور گناہوں سے کنارہ کشی پر برانگیختہ کرتی ہے۔ جو کسی حرام فعل میں مشغول ہو کر یا واجب کو ترک کر کے معصیت میں گر پڑا تو اس کی محبت الٰہیہ میں کمی ہے۔ اس نے اپنے نفس کی خواہش کو مقدم کیا۔ اگر یہ کوتاہی لگاتار اور کثیر ہو تو یہ غفلت کا سبب بن جاتی ہے۔ مستحب محبت وہ ہے کہ آدمی نوافل ادا کرنے پر مداومت اختیار کرے، شبہات سے بچے۔ عمومی اوقات اور احوال میں ایسے اوصاف سے متصف لوگ بہت کم ہیں۔

امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ حدیث قدسی روایت کی ہے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا ''جس طرح بندہ فرائض کی ادائیگی کر کے میرا قرب حاصل کرتا ہے اس طرح وہ کسی اور طریقہ سے میرا قرب حاصل نہیں کر سکتا۔ بندہ نوافل ادا کرتے کرتے میرے اتنے قریب ہو جاتا ہے کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کی قوت سماعت بن جاتا ہوں جس کے ذریعے وہ سنتا ہے۔ میں اس کی قوت بصارت بن جاتا ہوں جس کے ذریعے وہ دیکھتا ہے۔ میں اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس کے ذریعے وہ پکڑتا ہے۔ اس کی وہ ٹانگ بن جاتا ہوں جس کے ذریعے وہ چلتا ہے۔ مجھ سے سنتا ہے۔ مجھ سے دیکھتا ہے۔ مجھ سے پکڑتا ہے۔ مجھ سے چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے مانگے تو میں

اسے ضرور عطا کرتا ہوں۔ اگر وہ مجھ سے پناہ مانگے تو اسے ضرور پناہ دیتا ہوں۔ مجھے جتنا تردد اپنے مومن بندے کی روح قبض کرتے ہوئے ہوتا ہے اتنا تردد کبھی نہیں ہوتا وہ موت کو نا پسند کرتا ہے۔

حدیث پاک میں اس بات پر دلالت ہے کہ جب بندہ فرائض کی ادائیگی کرتا ہے۔ وہ نوافل ادا کرتا ہے۔ روزہ رکھتا ہے تو یہ عبادت اسے محبت الٰہیہ تک پہنچا دیتی ہے۔ البتہ اس فرمان عالی شان کو سمجھنا مشکل ہے''۔ میں اس کی قوت سماعت بن جاتا ہوں...... یعنی رب تعالیٰ کی ذات والا کس طرح بندے کی قوت سماعت اور قوت بصارت بن جاتی ہے۔ اس مشکل کے کئی جوابات دیئے گئے ہیں۔ ❶ یہ از روئے تمثیل بیان کیا گیا ہے کہ معنی یہ ہے کہ میں اس طرح ہو جاتا ہوں جس طرح اس کی قوت سماعت اور قوت بصارت میرے امر پر عمل کرنے میں تھی۔ وہ میری خدمت سے محبت کرتا ہے اور میری اطاعت کو اس طرح ترجیح دیتا ہے جس طرح وہ ان اعضاء سے محبت کرتا ہے۔ ❷ اس حدیث پاک کا دوسرا مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اس شخص کے سارے اعضاء میرے ساتھ مشغول ہوتے ہیں وہ قوت سماعت سے وہی کچھ سنتا ہے جو مجھے راضی کر دے۔ وہ اپنی آنکھوں سے وہی کچھ دیکھتا ہے جن کا میں نے حکم دیا ہے۔ ❸ یا میں نصرت میں اس کی سماعت، بصارت، ہاتھ اور ٹانگوں کی طرح ہو جاتا ہوں جس طرح اس کے یہ اعضاء دشمن کے خلاف اس کی معاونت کرتے ہیں۔ ❹ ایک معنی یہ بھی ہے کہ اس مضاف کو حذف کر دیا گیا ہے یعنی اس کی سماعت کا محافظ بن جاتا ہوں۔ وہ صرف وہی بات سنتا ہے جس کا سننا حلال ہے۔ اسی طرح میں اس کی بصارت کی حفاظت کرتا ہوں۔ ❺ میں اس کا مسموع (جسے سنا جائے) بن جاتا ہوں۔ ❻ یا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ بندہ صرف میرا ذکر سنتا ہے۔ صرف میری کتاب حکیم کی تلاوت سے لذت پاتا ہے۔ میرے ساتھ مناجات کرنے سے انس رکھتا ہے۔ وہ صرف میرے ملکوت کے عجائب میں دیکھتا ہے وہ اس چیز کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے جس میں میری رضا ہوتی ہے۔ وہ اس چیز کی طرف چلتا ہے جس میں میری رحمت ہوتی ہے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ یہ مبارک روایت رب تعالیٰ کی بندے کی نصرت، تائید اور اعانت سے کنایہ ہے حتیٰ کہ وہ ذات باری تعالیٰ ان آلات کی جگہ آ جاتی ہے جن کے ساتھ وہ بندہ مدد لیتا ہے۔ وہ اس کی التجاء کو جلد قبول کر لیتا ہے اور اسے مقصد جلد عطا فرما دیتا ہے۔ حضرت ابو عثمان الحریری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے ''اس حدیث مبارک کا معنی یہ ہے کہ میں اس بندے کی ضروریات کو پورا کرنے میں اس کے کانوں کی قوت سماعت، آنکھوں کی قوت بصارت، ہاتھوں کے لمس، پاؤں کے چلنے سے بھی زیادہ تیز ہو جاتا ہوں۔

اس حدیث پاک میں اللہ تعالیٰ سے محبت کے دو اسباب بیان کیے گئے ہیں۔ ❶ فرائض کی ادائیگی۔ ❷ نوافل سے قرب الٰہی۔ محبت کرنے والا نوافل کثرت سے پڑھتا ہے حتیٰ کہ وہ رب تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے جب وہ محبوب خدا کی منزل پر پہنچ جاتا ہے تو یہ مقام اسے ایک اور محبت کا شیدائی بنا دیتی ہے جو مرتبہ میں پہلی محبت سے فائق ہوتی ہے۔ یہ محبت اسکے سارے دل پر غلبہ پا لیتی ہے وہ اپنے محبوب کے علاوہ کسی اور کے متعلق سوچتا بھی نہیں۔ اس کی روح اس پر غلبہ پا لیتی ہے۔ دل میں محبوب کے علاوہ اور کوئی باقی نہیں رہتا۔ محبوب کا ذکر پاک اس کے دل کی زمام بن جاتا ہے۔ اس کی روح پر غالب آ جاتا ہے جس طرح کہ محبوب اپنے محب صادق پر غالب آ جاتا ہے۔ اس کے دل کی ساری توانائیاں اس کے لئے وقف

ہو جاتی ہیں۔ بلاشبہ ایسا محب اگر سنتا ہے تو اپنے محبوب کے ساتھ ہی سنتا ہے۔ اگر دیکھتا ہے تو اپنے محبوب کے ساتھ ہی دیکھتا ہے۔ اگر چلتا ہے تو اپنے محبوب کے ساتھ ہی چلتا ہے۔ وہ اس کا دل، نفس، انیس اور ساتھی بن جاتا ہے "بِیْ یَسْمَعُ" میں باء مصاحبت کے لئے ہے اس مصاحبت کی کوئی مثال نہیں۔ صرف علم اور اخبار سے اس کا ادراک ممکن نہیں۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کا تعلق حال کے ساتھ ہے۔ یہ صرف علمی مسئلہ نہیں۔ جب بندہ اپنے مولیٰ سے محبت کرنے لگتا ہے تو رب تعالیٰ بھی اس کی احتیاجات اور ضروریات کو پورا کرتا ہے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا "اگر وہ مجھ سے مانگے تو میں اسے ضرور عطا کروں گا۔ اگر اس نے مجھ سے پناہ طلب کی تو میں اسے ضرور پناہ دوں گا۔ یعنی جس طرح میرا حکم بجالا کر میری محبت میں میرا قرب حاصل کرتا ہے میں بھی اس کی رغبت کے ساتھ موافقت کرتا ہوں۔ اس موافقت کا یہ امر اتنا قوی ہو جاتا ہے کہ یہ اس بندے کی موت میں رب تعالیٰ کے تردد کا تقاضا کرتا ہے۔ کیونکہ وہ بندہ موت کو ناپسند کرتا ہے رب تعالیٰ بھی اس چیز کو ناپسند کرتا ہے جسے اس کا بندہ ناپسند کرتا ہے۔ اس جہت سے اس کا تقاضا ہوتا ہے کہ وہ اس پر موت طاری نہ کرے۔ لیکن مصلحت اس کی موت میں ہی پنہاں ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ اس پر موت صرف اس لئے طاری کرتا ہے تاکہ اسے نئی زندگی عطا کرے۔ وہ اسے مرض میں صرف اس لئے مبتلا کرتا ہے تاکہ اس کی اصلاح کرے۔ اس نے اسے اس کے باپ کی صلب میں اسے جنت سے صرف اس لئے نکالا تھا تاکہ اسے اس کے احسن احوال کے ساتھ دوبارہ جنت میں داخل کر دے۔ حقیقت میں وہی ذات اس کی حبیب ہے اور کوئی نہیں۔ اس جملہ میں رب تعالیٰ کی بندے پر شفقت، لطف اور رحمت کا تذکرہ ہے۔

مختصر یہ کہ دلوں کو زندگی صرف محبت الٰہیہ اور عشق مصطفیٰ ﷺ سے ہی نصیب ہوتی ہے۔ زندگی صرف اور صرف ان محبین کی ہے جنہوں نے محبت سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر لیں۔ ان کے نفوس کو محبت میں سکون نصیب ہوا۔ دلوں کو محبت میں طمانیت ملی۔ اللہ تعالیٰ کے قرب سے انس نصیب ہوا۔ اس کی محبت کی نعمت سے مالا مال ہوئے۔ دل میں ایک ایسی طاقت ہے جسے محبت الٰہیہ اور عشق رسول ﷺ سے ہی روکا جا سکتا ہے۔ جو شخص اس پر فتحیابی نہیں پا سکتا اس کی ساری زندگی غموں، ہموں، دردوں اور حسرتوں سے لبریز ہوتی ہے۔ بندہ اس بلند مقام اور رفیع منصب پر اس وقت ہی پہنچتا ہے جب وہ رب تعالیٰ کو پہچان لیتا ہے۔ اس راستہ پر گامزن ہوتا ہے جو اسے اس تک پہنچا دیتا ہے۔ وہ بصیرت کی شعاعوں سے ظلمات کے دبیز پردے چاک کر دیتا ہے۔ اس کے دل میں آخرت کے شواہد میں سے ایک شاہد اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ وہ اسے پوری طرح قبول کر لیتا ہے۔ وہ پکی توبہ کرنے اور ظاہری اور باطنی طور پر سارے احکام الٰہیہ پر عمل پیرا ہونے لگتا ہے۔ پھر اپنے دل پر ایک نگہبان مقرر کر دیتا ہے۔ وہ اسے ایک فعل پر بھی معاف نہیں کرتا۔ جسے رب تعالیٰ ناپسند کرتا ہو۔ اس طرح ذکر الٰہی، اس کی محبت اور اس کی طرف میلان کی وجہ سے اس کا دل پاک اور صاف ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی طبیعت اور نفس کے گھروں سے نکلتا ہے اپنے رب کے ساتھ اور اس کے ذکر کے ساتھ خلوت گزیں ہو جاتا ہے۔ اس طرح اس کا دل، خاطر اور حدیث نفس اس کے رب تعالیٰ کے ارادہ، اس کی جستجو اور اس کی طرف شوق کے ساتھ جمع ہو جاتے ہیں۔ اگر وہ اس بات میں سچا ہو تو اسے محبت رسول اللہ ﷺ کی لازوال نعمت سے سرفراز کر دیا جاتا ہے۔ روحانیت اس کے دل پر غلبہ پا لیتی ہے۔ وہ حضور ﷺ کی

ذات والا کو اپنا پیشوا، استاذ، معلم اور شیخ بنا لیتا ہے۔ جس طرح کہ رب تعالیٰ نے آپ کو اس کا نبی، رسول اور ہادی بنایا تھا۔ وہ امور کے مبادی اور نزول وحی کی کیفیت سے آگاہ ہو جاتا ہے۔ وہ آپ کی صفات حمیدہ، اخلاق عالیہ، آداب اور آپ کے اہل بیت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ آپ کی معاشرت سے آگاہ ہو جاتا ہے۔ جب یہ امر اس کے دل میں راسخ ہو جاتا ہے تو اس پر اس وحی الٰہی کو سمجھنے کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ جو آپ کی ذات والا پر رب تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی۔ جب وہ کسی سورت کو پڑھتا ہے تو اس کا دل مشاہدہ کرتا ہے کہ آپ پر کیا نازل ہوا۔ یا اس کا ارادہ کیا ہے۔ وہ گندی صفات، برے اخلاق اور مذموم اخلاق سے اس طرح نجات حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے جس طرح وہ امراض سے شفاء حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی علامات (تقاضے)

آپ کی اقتداء اور اتباع

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور عشق کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ وہ بندہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع، اقتداء، آپ کی ہدایت، سیرت اور سنن پر عمل پیرا ہونے لگتا ہے۔ وہ شریعت مطہرہ کی حدود سے باہر قدم نہیں رکھتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران: 31)

"(اے محبوب!) آپ فرمائیے (انہیں کہ) اگر تم (واقعی) محبت کرتے ہو اللہ سے تو میری پیروی کرو (تب) محبت فرمانے لگے گا تم سے اللہ"۔

اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کو بندے کے لئے اپنے مولیٰ کی محبت کی نشانی قرار دیا ہے اور اس کی اس اتباع کی جزاء اللہ تعالیٰ کی محبت کی صورت میں دی ہے۔ شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

تَعْصِى الْاِلٰهَ وَاَنْتَ تَظْهَرُ حُبَّهٗ هٰذَا لَعَمْرِى فِى الْقِيَاسِ بَدِيْعٌ

تو رب تعالیٰ کی محبت کا اظہار بھی کرتا ہے پھر اس کی نافرمانی بھی کرتا ہے۔ یہ امر (زندگی کی قسم) قیاس میں بہت عجیب و غریب ہے۔

لَوْ كَانَ حُبُّكَ صَادِقاً لَاَطَعْتَهٗ اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُحِبُّ مُطِيْعٌ

اگر تیری محبت سچی ہوتی تو تو اس کی اطاعت بھی ضرور کرتا۔ کیونکہ محب اس کی اطاعت کرتا ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے۔

یہ محبت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب بندہ رب تعالیٰ کی ظاہری اور باطنی نعمتوں سے آگاہ ہو جاتا ہے۔ اس آگہی کے لحاظ سے محبت کو تقویت نصیب ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احسانات میں سے بندے پر سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے اسے اپنی محبت اور معرفت کا اہل بنایا ہے۔ اپنے حبیب لبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کا اہل بنایا ہے۔ یہ درحقیقت وہ نور ہے جو رب تعالیٰ

اپنے بندے کے دل میں ڈال دیتا ہے۔ جب یہ نور مداومت اختیار کر لیتا ہے تو اس کی ذات ضوفشاں ہو جاتی ہے۔ اسے وہ کمالات اور محاسن نظر آنے لگتے ہیں جن کا اسے اہل بنایا گیا ہے۔ اس کی ہمت کو رفعت نصیب ہوتی ہے۔ عزیمت قوی ہوتی ہے۔ اس کے دل اور نفس سے ظلمات کافور ہونے لگتیں ہیں۔ کیونکہ نور اور تاریکی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ بلکہ ایک دوسرے کو بھگا دیتے ہیں۔ اس وقت روح ہیبت اور پہلے حبیب کے ساتھ انس کے مابین ہوتی ہے۔

نَقِّلْ فُؤَادَکَ حَیْثُ شِئْتَ مِنَ الْهَوٰی مَا الْحُبُّ اِلَّا لِلْحَبِیْبِ الْاَوَّلِ

کَمْ مَنْزِلٍ فِی الْاَرْضِ یَاْلِفُهٗ الْفَتٰی وَحَنِیْنُهٗ اَبَدًا لِاَوَّلِ مَنْزِلِ

محبت کے اعتبار سے اپنے دل کو کہیں بھی لے جاؤ۔ محبت تو صرف پہلے محبوب کے ساتھ ہوتی ہے۔ زمین میں کتنے ہی گھروں میں جوان رہتا ہے لیکن اس کا دل ہمیشہ پہلے گھر کے لئے مچلتا رہتا ہے۔

اس اتباع کے اعتبار سے ہی محبت اور محبوبیت پائی جاتی ہے۔ امر محبت اور محبوبیت کے ساتھ ہی مکمل ہوتا ہے۔ شان یہ نہیں کہ تو رب تعالیٰ سے محبت کرے بلکہ شان یہ ہے کہ وہ ذات تجھ سے محبت کرے۔ وہ صرف اس وقت تجھ سے محبت کرے گی جب تو ظاہری اور باطنی طور پر اس کے حبیب کی اتباع کرے گا۔ جب ان کی تصدیق کرے گا۔ ان کے امر کی اطاعت کرے گا اور برضا و رغبت ان کی دعوت کو قبول کرے گا۔ ان کے حکم کی وجہ سے ہر ایک حکم اور ان کی محبت میں ہر ایک کی محبت سے اور ان کی اطاعت میں ہر ایک کی اطاعت سے فنا حاصل کر لے گا۔

علامہ محاسبی نے کہا ہے ''اللہ تعالیٰ کی محبت کی علامت یہ ہے کہ بندہ رب تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت مطہرہ پر عمل پیرا ہوتا ہے۔ جب بندہ ایمان کی حلاوت کو چکھتا ہے اور اس کا ذائقہ پا لیتا ہے تو اس کے اثرات اس کے اعضاء اور زبان پر بھی ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ اس کی زبان ذکر الٰہی کو شیریں سمجھتی ہے۔ اس کے اعضاء اطاعت الٰہیہ میں جلدی کرتے ہیں۔ اس وقت ایمان کی محبت اس کے دل میں اس طرح داخل ہو جاتی ہے جس طرح پانی کی محبت شدید پیاسے شخص کی رگ و پے میں سما جاتی ہے۔ اطاعت سے اسے لذت نصیب ہوتی ہے۔ اطاعت کی تھکاوٹ ختم ہو جاتی ہے بلکہ یہ اطاعت اس کے دل کی غذا، سرور اور اس کی آنکھوں کے لئے ٹھنڈک بن جاتی ہے۔ اس کی روح کے لئے نعمت بن جاتی ہے۔ اسے سب سے بڑی جسمانی لذت نصیب ہوتی ہے۔ وہ اوراد، اذکار اور باقی اعمال میں تکلیف محسوس نہیں کرتا۔

امام ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جس نے میری سنت مطہرہ کو زندہ کیا اس نے مجھ سے محبت کی۔ جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا''۔ حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے ''جو شخص اپنے آپ کو سنت مطہرہ کا پابند بنا لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے دل کو نور معرفت کے ساتھ منور فرما دیتا ہے۔ اس سے بلند تر اور کوئی مقام نہیں کہ ایک شخص اوامر، افعال اور اخلاق میں اپنے حبیب لبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کرے''۔

حضرت ابو اسحاق الرقی نے کہا ہے ''اللہ تعالیٰ کی محبت کی علامت یہ ہے کہ بندہ اس کی اطاعت اور اس کے محبوب کریم

ﷺ کی اتباع کرنے لگتا ہے'' کسی اور عارف باللہ نے کہا ہے کہ کسی شخص پر نور ایمان کا اظہار ہو نہیں سکتا جب تک کہ وہ سنت مطہرہ کی اتباع نہ کرے اور بدعت سے کنارہ کشی نہ کرے۔ البتہ جو قرآن و سنت سے اعراض کرتا ہے وہ حضور ﷺ کے سینہ اقدس سے علم کا فیض حاصل نہیں کر سکتا۔ اگر چہ وہ علم لدنی کا دعویٰ بھی کرے۔ وہ علم نفس اور شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔ علم لدنی روحانی اس وقت ہوتا ہے جب اس کی حضور ﷺ کے روح پرور پیغام کے ساتھ مکمل موافقت ہو۔ ورنہ وہ شیطان اور نفس کی طرف سے علم ہوتا ہے۔ اس نبی کریم ﷺ کی اتباع دلوں کی زندگی، نگاہوں کی رونق، سینوں کی شفاء، نفوس کے لئے سدا بہار چمن، ارواح کی لذت وحشت زدوں کے لئے انس اور حیرت زدوں کے لئے دلیل ہوتی ہے۔

آپ ﷺ کی محبت کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو شرعی احکام عطا فرمائے ہیں ان سے ذرہ بھر بھی تنگدل نہ ہو۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿٦٥﴾ (النساء)

''پس (اے مصطفیٰ) تیرے رب کی قسم یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ حاکم بنائیں آپ کو ہر اس جھگڑے میں جو پھوٹ پڑا ان کے درمیان پھر نہ پائیں اپنے نفسوں میں تنگی اس سے جو فیصلہ آپ نے کیا اور تسلیم کر لیں دل و جان سے''۔

جو آپ ﷺ کے فیصلہ سے تنگدل ہو اور اسے قبول نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے ایمان کا اسم بھی چھین لیا ہے۔ عارف باللہ تاج الدین بن عطاء اللہ الشاذلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے ''اس آیت طیبہ سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ ایمان حقیقی صرف اس شخص کو عطا ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب کریم ﷺ کو خود پر قول، فعل، اخذ، ترک، محبت اور بغض کے اعتبار سے اپنا حاکم تصور کر لے۔ یہ حکم تکلیف، تعریف، تسلیم اور انقیاد ہر اعتبار سے ہو۔ احکام التکلیف سے مراد وہ اوامر اور نواہی ہیں جو بندے کے اکتساب سے تعلق رکھتے ہیں۔ احکام التعریف وہ ہیں جو معنی مراد کی سمجھ بوجھ کے لئے رب تعالیٰ نے تجھ پر وارد کئے ہیں اس سے یہ امر تمہارے لئے عیاں ہو گیا کہ مجھ پر صرف دو چیزوں سے حقیقت ایمان عیاں ہو گی۔ (1) اس کا حکم بجا لانے اور اس کے قہر کے سامنے سر تسلیم خم کرنا۔ پھر رب تعالیٰ نے اس شخص کے لئے صرف ایمان کی نفی نہیں کی جو آپ کا فیصلہ تسلیم نہ کرے یا آپ کے فیصلہ سے تنگدل ہو جائے۔ حتیٰ کہ رب تعالیٰ نے اس پر اپنی اس خاص ربوبیت کی قسم اٹھائی جس کا تعلق حضور ﷺ کے ساتھ ہے یہ صرف رأفت، عنایت، تخصیص اور رعایت ہے کہ رب تعالیٰ نے ''فَلَا الرَّبِّ'' نہیں فرمایا۔ بلکہ فرمایا ''فَلَا وَرَبِّكَ'' اس میں ایک تو قسم کے ساتھ مؤکد کرنا مقصود ہے۔ دوسرا حضور ﷺ پر شفقت و عنایت کا اظہار بھی مقصود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کا حکم اپنا حکم اور آپ ﷺ کا فیصلہ اپنا فیصلہ بنایا ہے۔ بندوں پر لازم قرار دیا ہے کہ وہ آپ ﷺ کے ہر حکم کے سامنے سر تسلیم خم کریں۔ آپ کے امر کے سامنے جھک جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا ایمان قبول نہیں کیا حتیٰ کہ وہ اس کے رسول محترم ﷺ کے احکام کے سامنے سر اطاعت خم کر دیں۔ پھر صرف ظاہری طور پر حکم مان لینے پر

اکتفاء نہیں کیا بلکہ شرط عائد کی ہے کہ وہ آپ کے فیصلہ سے تنگدل نہ ہوں۔ خواہ حکم ان کی خواہشات کے موافق ہو یا مخالف ہو۔ انوار کے فقدان اور اغیار کے وجود کی وجہ سے نفوس تنگدل ہوتے ہیں۔ لیکن اہل ایمان اس طرح نہیں ہوتے۔ کیونکہ ایمان کے نور نے ان کے دلوں کو بھر دیا ہوتا ہے۔ وہ وسیع ہو جاتے ہیں انہیں انشراح صدر نصیب ہوتا ہے یہ واسع اور علیم کے نور کے ساتھ وسیع ہوتے ہیں۔ اس کے فضل عظیم کی مدد انہیں شامل حال ہوتی ہے۔ حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "جو سارے احوال میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولایت (ملکیت) نہ دیکھے۔ اور اپنے نفس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملکیت میں نہ سمجھے۔ اس نے سنت مطہرہ کی حلاوت کو نہیں چکھا" کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "کوئی آدمی وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک میں اسے اس کے نفس سے بھی محبوب نہ ہو جاؤں"۔

عارف باللہ حضرت ابوعبداللہ القرشی نے فرمایا "محبت کی حقیقت یہ کہ تیرا سب کچھ اس ہستی کے لئے جل اٹھے جس سے تو محبت کرتا ہے۔ تجھ میں تیرے لئے کچھ بھی باقی نہ بچے"۔ جس بلند اقبال شخص نے اس نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے نفس پر ترجیح دی اس کے لئے رب تعالیٰ نے آپ کے حریم ناز سے پردے اٹھا دیئے۔ جسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت حاصل ہو گئی اس کے لئے انس کے اسرار کے پوشیدہ حقائق عیاں ہو گئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین مبین کی نصرت

آپ کی محبت کا دم بھرنے والے کے لئے لازم ہے وہ قول و فعل کے ساتھ آپ کے دین متین کی نصرت کرے۔ آپ کی شریعت مطہرہ کی حمایت کرے، جود و کرم، ایثار، حلم اور صبر اور تواضع جیسے اخلاق عالیہ اپنائے۔ جس نے اس اعتبار سے اپنے نفس کے ساتھ جہاد کیا اس نے ایمان کی حلاوت پالی۔ جس نے ایمان کی حلاوت پالی اسے اطاعت میں لذت ملنے لگی۔ وہ دین میں مصائب برداشت کرنے لگا۔ اس نے اسے دنیاوی مقاصد پر ترجیح دی۔

مصائب پر صبر

مصائب پر دامن صبر نہ چھوڑنا بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کی علامات میں سے ہے۔ حتیٰ کہ صبر اس کی طبیعت ثانیہ بن جاتا ہے۔ محبت کا سلطان اس کی اس فطرت کو تقویت دیتا ہے حتیٰ کہ اسے اپنی خواہشات پورا ہونے سے مصائب پر صبر کرنے میں زیادہ راحت نصیب ہوتی ہے۔ محبت کی مصیبت حلاوت کے ساتھ ملی ہوتی ہے۔ جب اس کے لئے وہ حلاوت مفقود ہوتی ہے وہ اس مصیبت کا مشتاق ہوتا ہے۔

تَشْكِي الْمُحِبُّوْنَ الْمَصَائِبَ لَيْتَنِي　نُحِلْتُ بِمَا يَلْقَوْنَ مِنْ بَيْنِهِمْ وَحْدِي

فَكَانَتْ لِقَلْبِي لَذَّةُ الْحُبِّ كُلُّهَا　فَلَمْ يَلْقِهَا قَبْلِي مُحِبٌّ وَلَا يَعْدِي

محبت کرنے والے مصائب کا شکوہ کرتے ہیں۔ کاش! مجھے تنہا سارے وہ مصائب دے دیئے جاتے جن میں وہ مبتلا ہیں۔ میرے دل کو محبت کی ساری لذت نصیب ہو جاتی۔ جو مجھ سے پہلے یا مجھ سے بعد کسی محب کو نصیب نہ ہوتی۔

کثیر ذکر، کثیر درود شریف

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ محب آپ کا ذکر خیر کثرت سے کرے۔ آپ کی ذات والا پر کثرت سے درود پڑھے۔ کیونکہ جو کسی چیز سے محبت کرتا ہے اس کا ذکر کثرت سے کرتا ہے۔ بعض محبین نے فرمایا ہے "ہمیشہ محبوب کو یاد کرنے کا نام محبت ہے"۔ ایک عاشق صادق نے کہا "محبوب کا ذکر سانسوں کی تعداد کے برابر ہو" ایک اور محب صادق نے کہا "محبت کی تین علامات ہوتی ہیں۔ ❶ اس کی گفتگو ذکر محبوب پر مشتمل ہوتی ہے۔ ❷ اس کی خاموشی اپنے محبوب میں غور وفکر ہوتی ہے۔ ❸ اس کا عمل اپنے محبوب کی اطاعت ہوتا ہے"۔

حضرت محاسبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے "محبت کرنے والوں کی علامت یہ ہوتی ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے محبوب کا ذکر کرتے ہیں۔ وہ نہ اسے منقطع کرتے ہیں۔ نہ اس سے اکتاتے ہیں اور نہ ہی سستی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ حکماء نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ جو کسی چیز سے محبت کرتا ہے وہ اس کا کثرت سے ذکر کرتا ہے۔ محبوب کا ذکر محبین کے دلوں پر غالب ہوتا ہے۔ وہ نہ اس کے عوض مانگتے ہیں۔ نہ اس سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہیں۔ اگر وہ ذکر محبوب کو منقطع کر دیں۔ ان کی زندگی مکدر ہو کر رہ جاتی ہے۔ انہیں ذکر محبوب کے علاوہ کسی اور چیز میں لذت نصیب نہیں ہوتی۔ لذت حاصل کرنے والوں کو سب سے زیادہ لذت ذکر محبوب میں نصیب ہوتی ہے۔ محبین کے دل ذکر محبوب کو لازم پکڑ کر لذتوں سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔ ان کے اوہام شہوات کے دواعی سے منقطع ہو جاتے ہیں۔ وہ ذخائر کے معاون اور تمنائے دل کے حصول کی طرف توجہ دیتے ہیں۔ بعض اوقات محب کا وجد بڑھ جاتا ہے۔ آہ وفغاں اور گریہ وزاری شروع ہو جاتی ہے۔ رنگت متغیر ہو جاتی ہے۔ جسم نرم پڑ جاتا ہے۔ جلد پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات محب چیختا ہے۔ کبھی روتا ہے، کبھی زار وزار چلاتا ہے۔ کبھی محبت کا اظہار کرتا ہے۔ کبھی گرتا ہے کبھی اٹھتا ہے۔ بعض اوقات وجد محب پر غالب آجاتا ہے اور اسے شہید محبت کے مقام رفیع پر فائز کر دیتا ہے۔

تعظیم وتوقیر

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر پاک کے وقت تعظیم کا اظہار کرنا اور نام مبارک سنتے وقت خضوع وخشوع کا اظہار کرنا بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کی علامت ہے۔ آدمی کی فطرت ہے کہ وہ جس سے محبت کرتا ہے اس کے لئے عاجزی کا اظہار کرتا ہے جیسا کہ اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جونہی ذکر پاک مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء سنتے تو خشوع کا اظہار کرتے۔ ان کی جلدوں پر کپکپی طاری ہو جاتی وہ رونے لگتے۔ اکثر تابعین کی بھی یہی حالت تھی۔ پھر بعد والے لوگ آپ کی محبت وشوق اور ہیبت اور توقیر کی وجہ سے اس طرح کرنے لگے۔

بعض اسلاف نے فرمایا ہے کہ ہر مومن پر واجب ہے کہ وہ جب بھی حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر پاک کرے یا سنے تو عاجزی، انکساری کا اظہار کرے۔ عظمت وتوقیر کا مظاہرہ کرے۔ حرکت کرنے سے رک جائے۔ اسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہیبت اور جلال آلے۔ گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات والا اس کے سامنے تشریف فرما ہے۔ آپ کا اس طرح ادب کرے جس

طرح رب تعالیٰ نے ہمیں آپ کا ادب سکھایا ہے۔ حضرت ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر خیر کرتے تو اتنا روتے کہ ہمیں ان پر رحم آنے لگتا۔ حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ بہت مزاح فرماتے تھے۔ ان کے پاس جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر خیر کیا جاتا تو ان کی رنگت زرد ہو جاتی۔ حضرت عبدالرحمن بن قاسم بن محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہم کے سامنے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر خیر کیا جاتا تو ان کا رنگ یوں لگتا گویا کہ اس سے خون نچوڑ لیا گیا ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہیبت کی وجہ سے ان کے منہ میں ان کی زبان خشک ہو جاتی۔ جب حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر خیر کیا جاتا تو اتنا روتے کہ ان کی آنکھوں میں آنسو باقی نہ رہتے۔ جب امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر خیر کیا جاتا تو ان کا رنگ متغیر ہو جاتا۔ گویا تم انہیں نہیں جانتے اور وہ تمہیں نہیں جانتے۔ حضرت صفوان بن حکیم رحمۃ اللہ علیہ بہت زیادہ عبادت گزار تھے جب ان کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر خیر کیا جاتا تو وہ روتے رہتے حتیٰ کہ لوگ اٹھ کر چلے جاتے اور انہیں یونہی چھوڑ جاتے۔

آپ سے ملاقات کا شوق

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کا شوق رکھنا بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کی علامت ہے۔ کیونکہ ہر محب اپنے محبوب سے ملنے کا مشتاق ہوتا ہے۔ بعض اہل محبت نے فرمایا ہے "محبوب سے ملاقات کرنے کا شوق رکھنا ہی محبت ہے" حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "محبت محبوب کی صفات کا مشاہدہ کرنے اور ان صفات کے اسرار کو دیکھنے کا نام ہے۔ پھر نعمتوں کے حصول کا مشاہدہ کیا جائے۔ خواہ یہ زیارت حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہو۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا شوق زیارت زیادہ ہو جاتا اور آتش محبت تیز تر ہو جاتی تو بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو جاتے آپ کے مشاہدہ سے سکون پاتے۔ آپ کی محفل میں بیٹھ کر لذت حاصل کرتے۔ آپ کی زیارت سے روح کو تسکین دیتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے برکت حاصل کرتے۔ حضرت عبیدہ بن خالد بن معدان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ بستر پر نہیں جاتے تھے۔ بلکہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ملنے کا اشتیاق آلیتا وہ کہتے "وہ سب سے زیادہ نمازیں پڑھتے تھے" وہ نماز میں مصروف ہو جاتے۔ پھر کہتے "میرا دل ان کی طرف مشتاق ہوتا ہے۔ ان سے ملاقات کرنے کا شوق طویل ہو گیا ہے۔ مولا! مجھے جلدی اپنی طرف اٹھا لے"۔ جب محبت کا ذائقہ دل چکھ لیتا ہے تو وہ مشتاق ہو جاتا ہے۔ اس میں محبت اور طلب کی آگ بھڑک اٹھتی ہے۔ وہ محبوب پر صبر اپنے کبائر میں سے سب سے بڑا سمجھتا ہے۔ جیسا کہ کہا گیا۔

اَلصَّبْرُ يُحْمَدُ فِي الْمَوَاطِنِ كُلِّهَا اِلَّا عَلَيْكَ فَاِنَّهٗ لَا يُحْمَدُ

صبر ہر مقام پر قابل ستائش ہے مگر (اے محبوب) تجھ پر یہ قابل تعریف نہیں ہے۔

حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک رات حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ رات کو گشت کے لئے تشریف لے گئے۔ انہوں نے کسی خیمہ میں چراغ جلتا ہوا دیکھا۔ ایک بڑھیا اون دھن رہی تھی۔ ساتھ ساتھ یہ اشعار پڑھ رہی تھی۔

عَلٰى مُحَمَّدٍ صَلَاةُ الْاَبْرَارِ صَلّٰى عَلَيْهِ الطَّيِّبُوْنَ الْاَخْيَارِ

قَدْ كُنْتُ قَوَّامًا بَكَاءً بِالْاَسْحَارِ يَا لَيْتَ شِعْرِي وَالْمَنَايَا اَطْوَارُ

هَلْ تَجْمَعُنِي وَ حَبِيبِي الدَّارِ

پاکباز افراد کے درود وسلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہوں۔ پاک طینت اور صالحین آپ پر درود وسلام کے گلدستے بھیجتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساری رات قیام کرنے والے اور وقت سحر گریہ فرمانے والے تھے۔ کاش! مجھے معلوم ہو جائے جبکہ اموات تو کئی طرح سے آتی ہیں۔ کیا تو مجھے اور میرے محبوب کو ایک گھر میں جمع کرے گا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ وہیں بیٹھ کر رونے لگے۔ پھر خیمہ کے دروازہ کے پاس تشریف لے گئے اور تین بار فرمایا "السلام علیکم"، پھر اس بڑھیا سے فرمایا "یہ اشعار دوبارہ پڑھو" اس نے غمزدہ اور حزین آواز میں یہ اشعار پڑھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ رونے لگے اور فرمایا "عمر کو فراموش نہ کرو" اس بڑھیا نے کہا "وَعُمَرُ فَاغْفِرْ لَهُ يَا غَفَّارُ" "اے مغفرت کرنے والے! عمر کی خطائیں بھی بخش دے۔

روایت ہے کہ ایک عورت کو بعد از وصال دیکھا گیا۔ وہ اپنے نفس پر ظلم کرنے والی تھی۔ اس سے پوچھا گیا "رب تعالیٰ نے تیرے ساتھ کیا سلوک کیا ہے؟ اس نے کہا "اس نے مجھے بخش دیا ہے" پوچھا گیا "کس لئے؟" اس نے کہا "میری محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی زیارت کی شوق کی وجہ سے" آواز دی گئی "جو ہمارے محبوب کی زیارت کا مشتاق ہو ہمیں اپنے عذاب سے اسے ذلیل کرنے سے شرم آتی ہے۔ بلکہ ہم اسے اور اس کے محبوب کو ایک جگہ جمع کر دیتے ہیں"۔

محبت قرآن

اس کتاب زندہ سے محبت بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کی علامت ہے۔ جسے لے کر آپ تشریف لائے جس کے بیان کردہ اخلاق عالیہ اور اوصاف حمیدہ سے خود کو آراستہ کیا۔ اگر تم یہ دیکھنا چاہو کہ تم میں اور کسی دوسرے میں محبت الٰہی اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس میں زیادہ ہے تو اس کے دل میں محبت قرآن حکیم دیکھ لو۔ کیونکہ یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ جو کسی سے محبت کرتا ہے تو پھر اس کا کلام اور باتیں اسے ساری چیزوں سے محبوب ہوتی ہیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "اگر ہمارے دل پاک ہو جائیں تو کلام الٰہی سے کبھی بھی نہ بھریں" ایک محب کا دل اپنے محبوب کے کلام سے کیسے بھر سکتا ہے۔ کیونکہ وہ اس کا انتہائی مطلوب ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دفعہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا "مجھے قرآن حکیم پڑھ کر سناؤ" انہوں نے عرض کی "کیا میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن مجید پڑھ کر سناؤں۔ جبکہ یہ کتاب لاریب آپ پر نازل ہوئی ہے"۔ حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میں پسند کرتا ہوں کہ میں اپنے علاوہ کسی اور سے سنوں۔ تم مجھے سناؤ" انہوں نے سورۃ النساء پڑھنا شروع کی۔ جب وہ اس آیت طیبہ پر پہنچے۔

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِيْدًا ﴿۴۱﴾ (النساء)

"تو کیا حال ہوگا (ان نافرمانوں کا) جب ہم لے آئیں گے ہر امت سے گواہ اور (اے حبیب!) ہم لے آئیں گے آپ کو ان سب پر گواہ"۔

تو حضور ﷺ نے فرمایا "کافی ہے" انہوں نے سر اٹھایا تو دیکھا کہ حضور ﷺ کی چشمان مقدس سے لگاتار آنسوؤں کے گوہر ہائے آبدار گر رہے تھے۔

یہ نایاب لذت اس شخص کو نصیب ہوتی ہے جس کا دل نور الٰہی سے منور ہو گیا ہو اور کتاب عزیز کو سنتے وقت اس کے دل میں رقت پیدا ہو جاتی ہو۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَ اِذَا سَمِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰۤى اَعْیُنَهُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ

"اور جب سنتے ہیں (قرآن) جو اتارا گیا رسول کی طرف تو تو دیکھے گا ان کی آنکھوں کو کہ چھلک رہی ہوتی ہیں آنسوؤں سے اس لئے کہ پہچان لیا انہوں نے حق کو"۔ (المائدہ: 83)

عوارف المعارف کے عظیم مصنف رحمۃ اللہ علیہ (رب تعالیٰ ہمیں ان کے مشرب کی حلاوت چکھائے) نے لکھا ہے "یہ سماع، وہ سماع حق ہے جس میں اہل ایمان کے دو افراد کے مابین بھی اختلاف نہیں ہے۔ ایسی سماعت کرنے والے کو سب نے ہدایت یافتہ ہی کہا ہے یہ سماع اپنی حرارت یقین کی ٹھنڈک پر اتارتی ہے تو آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں۔ کیونکہ یہ سماع کبھی غم کے اعتبار سے طوفان لاتا ہے۔ غم کی تاثیر گرم ہوتی ہے۔ کبھی شوق و محبت کے اعتبار سے سیلاب امڈتا ہے۔ شوق و محبت کی تاثیر بھی گرم ہوتی ہے۔ کبھی ندامت و خجالت کی وجہ سے سیل بے پناہ آتا ہے ندامت کی تاثیر بھی گرم ہوتی ہے۔ جب سماع اس شخص کے دل سے ان صفات کو ہیجان بخشتی ہے جس کا دل برد یقین سے لبریز ہوتا ہے تو وہ رونے لگتا ہے۔ آنسو بہاتا ہے کیونکہ حرارت اور برودت جب سماع کے وقت دل میں جمع ہونے لگتی ہیں تو ان کا اثر جسم پر ظاہر ہوتا ہے اور جلد لرز جاتی ہے۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ (الزمر: 23)

"اور کانپنے لگتے ہیں اس کے (پڑھنے) سے بدن ان کے جو ڈرتے ہیں اپنے پروردگار سے"۔

بعض اوقات اس کا وقوع عظیم ہوتا ہے۔ اس کا اثر دماغ تک جاتا ہے۔ آنکھ سے آنسو ٹپکنے لگتے ہیں۔ بعض اوقات اس کا اثر روح تک جاتا ہے۔ روح اس میں موجزن ہو جاتی ہے۔ ممکن ہے کہ اس سے وہ تنگ سینہ ہو جائے اور سننے والا مضطرب اور چیخ و پکار کرنے لگے۔ یہ سارے وہ احوال ہیں جنہیں اصحاب احوال پاتے ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تلاوت کے وقت کوئی آیت طیبہ پڑھتے تو رونے کی وجہ سے ان کا گلا بند ہو جاتا تو وہ گر پڑتے۔ اس کی وجہ سے ایک یا دو روز تک گھر ہی رہتے۔ حتیٰ کہ لوگ انہیں مریض سمجھ کر ان کی عیادت کرنے آتے۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اکٹھے ہوتے تو وہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے کہتے "ہمیں اپنے رب کی یاد دلائیں" وہ کتاب زندہ کی تلاوت کرتے۔ صحابہ کرام اسے سنتے۔ وہ سماع قرآنی میں اتنا وجد، لذت، حلاوت اور سرور پاتے جو شیطانی سماع سننے والوں سے کئی گنا زائد ہوتا۔ جب تم کسی ایسے شخص کو دیکھو جسے اشعار سن کر تو ذوق و طرب آتا ہو لیکن آیات طیبہ کے وقت اس پر یہ کیفیت طاری نہ ہوتی ہو۔ دیگر آواز سن کر تو اسے ذوق آتا ہو لیکن قرآن پاک سنتے وقت اس پر یہ کیفیت طاری نہ ہوتی ہو اور جب اس

کے سامنے اشعار پڑھے جائیں تو وہ مخمور شخص کی طرح جھکنے لگے تو جان لو کہ یہ اس امر کی قوی دلیل ہے کہ اس کا دل محبت الٰہی اور عشق مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء سے خالی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کی حلاوت عطا فرمائے۔ آپ کی سنت مطہرہ اور رحمت کے علاوہ کسی اور رستے پر نہ چلائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت مطہرہ اور حدیث پاک سے محبت

جس شخص کے دل میں ایمان کی حلاوت اتر جاتی ہے جب وہ کلام الٰہی میں سے ایک کلمہ یا حدیث پاک سنتا ہے تو اس سے اس کی روح، اس کا دل اور نفس خوش ہو جاتے ہیں۔ اسے اس کلمہ سے راحت محسوس ہوتی ہے۔ اس کا ہر موئے تن سراپا گوش بن جاتا ہے۔ ذرہ ذرہ سراپا چشم بن جاتا ہے۔ وہ کل کو کل کے ساتھ سماعت کرتا ہے۔ کل کو کل کے ساتھ دیکھتا ہے۔ وہ یوں پکارتا ہے۔

لِیَ حَبِیْبٌ خَیَالُهٗ نَصْبُ عَیْنِی وَ سِرُّهٗ فِی ضَمَائِرِی مَدْفُوْنٌ

میرا ایک محبوب ہے جس کا تصور ہمہ وقت میری نگاہوں کے سامنے رہتا ہے۔ اس کا راز میرے جسم کی گہرائیوں میں مدفون ہے۔

اِنْ تَذَكَّرْتُهٗ فَكُلِّی قُلُوْبٌ اَوْ تَاَمَّلْتُهٗ فَكُلِّی عُیُوْنٌ

اگر میں اس کا ذکر کرتا ہوں تو سارے دل کے ساتھ اور اگر اس میں غور و فکر کرتا ہوں تو ساری آنکھوں کے ساتھ کرتا ہوں۔

اس وقت اس کے دل کو نورانیت حاصل ہوتی ہے۔ دلائل کے ظہور کے وقت تحقیق کی امواج اس پر موجزن ہوتی ہیں۔ محبوب کی شفقت وعنایت اسے سیراب کر جاتی ہے۔ محبوب کی عنایت سے بڑھ کر اس کے دل کے لئے اور کوئی چیز زیادہ سیراب کرنے والی نہیں ہوتی۔ محبوب کے اعراض سے بڑھ کر اس کے لئے کوئی عذاب اور مصیبت تکلیف دہ نہیں ہوتی۔ جس طرح کہ اہل نار کو جسمانی عذاب سے اتنی تکلیف نہیں ہوگی جتنی اذیت انہیں اس وقت ہوگی جب انہیں اللہ تعالیٰ کے دیدار سے روک دیا جائے گا جس طرح کہ اہل جنت کے لئے اللہ تعالیٰ کا دیدار اس کے خطاب کی سماعت اور رضا اور اس کی توجہ جسمانی نعمتوں سے فزوں تر ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس مشرب کی حلاوت کے ذوق سے محروم نہ کرے۔ آمین

محب محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر شریف اور اسم منیف کے وقت لذت محسوس کرے

محب کے لئے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر پاک ایسے نشے کی مانند ہو جس میں اس کا دل، سماعت اور بصارت مستغرق ہو جائے۔ اس ذوق وشوق اور گدازی کا سبب وہ لذت ہوتی ہے جو عقل پر غالب ہوتی ہے۔ جبکہ اس لذت کا سبب محبوب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادراک ہے۔ جب محبت قوی ہوتی ہے محبوب کا ادراک قوی ہوتا ہے تو آپ کے ادراک کی لذت ان دونوں امور کی قوت کے تابع ہوگی۔ ذرا دل میں اس کنگال اور مفلس کا تصور کرو جو دنیا سے بہت زیادہ محبت کرتا ہو۔ اسے ایک عظیم خزانہ مل جائے۔ وہ امن وآشتی کے ساتھ اس پر غلبہ پالے۔ خوشی سے اس کی حالت کیا ہوگی۔ یا اس شخص کو ذہن میں لاؤ جس کا غلام

کثیر رقم لے کر مدت مدید تک غائب رہے۔ اسے اس کی موت کا یقین ہو چکا ہو کہ اچانک غلام سارا مال لے کر اس کے پاس آ جائے۔ اسے کئی گناہ نفع بھی ملا ہو۔ اگر کسی دلکش اور دلربا آواز سے یہ سماع سنی جائے جو آواز صفات نبویہ سے متصف ہو تو یہ لذت اور قوی ہو جاتی ہے۔ اگر اسے مناسب موقع اور مقام نصیب ہو جائے تو پھر سامع کی لذت کے متعلق نہ پوچھو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ الحان کی لذت اور غم واندوہ کی لذت جمع ہو جاتی ہے۔ پھر روح کو ایک عجیب سی لذت اور ذوق نصیب ہوتا ہے جو شراب کے نشے سے کہیں بڑھ کر ہوتا ہے۔

حدیث پاک میں ہے کہ روز حشر حضرت داؤد علیہ السلام عرش کے پایہ کے پاس کھڑے ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہو جائیں گے۔ جب اہل جنت ان کی شیریں آواز سنیں گے تو ان کی نعمتوں کی لذت سماع کی لذت میں مستغرق ہو جائے گی۔ اس سے بھی بڑی نعمت انہیں اس وقت نصیب ہو گی۔ جب وہ رب تعالیٰ کا کلام اور خطاب سنیں گے۔ مگر جب وہ رب تعالیٰ کے دیدار کی لذت سے شادکام ہوں گے تو پھر وہ جنت کی نعمتوں سے مستغنی ہو جائیں گے۔ اس وقت کا منظر نہ الفاظ بیان کرنے کی قوت رکھتے ہیں۔ نہ ہی اشارات اس روح پرور منظر کا احاطہ کر سکتے ہیں۔ یہ وصف ہر کان کے نصیب میں نہیں۔ اس ابر کرم سے ہر زمین اور چشمہ کو حیات نو نصیب نہیں ہو سکتی۔ ہرایرے غیرے کو اس سے سیراب نہیں کیا جا سکتا۔ ہر سننے والا اس سے بہرہ ور نہیں ہو سکتا۔ یہ وہ دستر خوان ہے جس پر کوئی طفیلی نہیں بیٹھ سکتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت پاک، صحابہ کرام، اولاد اطہار اور قرابت داروں سے محبت

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساری مخلوق سے ممتاز فرمایا ہے۔ فضائل اور شمائل میں بے مثال بنایا ہے۔ آپ کے ساتھ کسی کی اگر نسبت ہو گئی یا نسب پاک کا تعلق قائم ہو گیا اسے بھی رفعت عطا فرما دی۔ جس بلند اقبال شخص نے آپ کی اطاعت کی، آپ کی نصرت کی یا شرف صحابیت حاصل ہو گیا اللہ تعالیٰ نے اس کی محبت کو بھی لازم قرار دے دیا۔ اس ذات کریمانہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد اطہار اور اہل بیت پاک کی محبت کو فرض قرار دیا ہے۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔

قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى (الشوریٰ:23)

"آپ فرمایئے میں نہیں مانگتا اس (دعوت حق) پر کوئی معاوضہ بجز قرابت کی محبت کے"۔

ارشاد ربانی ہے۔

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴿۳۳﴾ (الاحزاب)

"اللہ تعالیٰ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے دور کر دے پلیدی کو۔ اے نبی کے گھر والو! اور تم کو پوری طرح پاک صاف کر دے"۔

یہ آیت طیبہ اپنے ماقبل اور مابعد کے سیاق کے حوالے سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے متعلق نازل ہوئی۔ مگر یہ سارے اہل بیت کی تطہیر پر بھی دلالت کر رہی ہے۔ روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ حضرت علی المرتضیٰ، حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء، حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہم تھے۔ آپ ان میں سے ہر ایک

کو اپنے دست حق نما سے پکڑے ہوئے تھے حتیٰ کہ آپ کاشانۂ اقدس میں داخل ہوئے۔ آپ ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو اپنے قریب کیا۔ انہیں اپنے سامنے بٹھالیا۔ حضرات حسنین کریمین کو اپنی مبارک ران پر بٹھالیا۔ پھر ان پر اپنی چادر مبارک پھیلا دی۔ پھر مذکورہ بالا آیت طیبہ کی تلاوت کی۔ پھر یہ دعا مانگی۔

''پروردگار! یہ میرے اہل بیت ہیں۔ میرے اہل بیت سب سے زیادہ مستحق ہیں''۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم کیا میں بھی آپ کے اہل بیت میں سے ہوں'' آپ ﷺ نے فرمایا ''تم بھی میرے اہل بیت میں سے ہو'' حضرت واثلہ فرماتے ہیں ''مجھے سب سے زیادہ امید افزاء آپ ﷺ کا یہی فرمان ہے''۔

امام احمد نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضور سید کائنات ﷺ اپنے کاشانۂ اقدس میں موجود تھے کہ حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا ایک ہنڈیا لے کر حاضر خدمت ہوئیں جس میں خزیرہ تھا۔ انہوں نے یہ کھانا پیش کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''اپنے شوہر نامدار اور نوران نظر کو بلا لاؤ'' حضرت علی المرتضیٰ، حضرت حسنین کریمین رضی اللہ عنہم حاضر خدمت ہوئے۔ یہ سارے حضرات قدسیہ بیٹھ کر وہ کھانا تناول فرمانے لگے۔ آپ ﷺ کے پاس چادر مبارک تھی۔ حضرت فاطمۃ الزہراء فرماتی ہیں کہ میں میں اپنے حجرہ مقدسہ میں نماز پڑھ رہی تھی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت طیبہ نازل کی۔ حضور اکرم ﷺ نے اپنی چادر مبارک کا کچھ حصہ اٹھایا اور اسے ان حضرات قدسیہ پر پھیلا دیا۔ پھر اپنا دست حق نما باہر نکالا اور اس کے ساتھ آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ پھر یہ دعا مانگی ''یہ میرے اہل بیت اور خاصان میں سے ہیں۔ پروردگار ان سے ناپاکی دور فرما اور انہیں خوب پاک صاف فرما''۔ حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں ''میں نے اپنا سر حجرہ مقدسہ سے باہر نکالا اور عرض کی ''یارسول اللہ! ﷺ میں بھی آپ کے ساتھ ہوں''۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''تم بھلائی کی طرف ہو۔ تم بھلائی کی طرف ہو''۔

امام مسلم نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''حضور اکرم ﷺ ہم میں خطبہ ارشاد فرمانے کے لئے اٹھے۔ پہلے آپ نے رب تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کی۔ پھر فرمایا ''امابعد! اے لوگو! میں تمہاری مثل بشر ہوں۔ ممکن ہے کہ عنقریب میرے پاس میرے رب کا قاصد آجائے۔ میں اسے لبیک کہہ دوں۔ میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ ان میں سے پہلی کتاب اللہ ہے۔ اس میں ہدایت اور نور ہے۔ اس کتاب زندہ کو مضبوطی سے تھام لو۔ اسے مضبوطی سے پکڑ لو''۔ آپ ﷺ نے اس پر ابھارا اور ترغیب دی۔ پھر فرمایا ''دوسری چیز میرے اہل بیت ہیں۔ ان کے متعلق میں تمہیں رب تعالیٰ کی یاد دلاتا ہوں۔ آپ ﷺ نے تین بار اسی طرح فرمایا''۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ سے عرض کی گئی ''کیا آپ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن آپ کے اہل بیت میں شامل نہیں ہیں''۔ انہوں نے فرمایا ''کیوں نہیں؟ آپ کی ازواج مطہرات آپ کے اہل بیت میں شامل ہیں۔ البتہ آپ کے اہل بیت میں وہ خاندان شامل ہیں جن پر صدقہ حرام ہے، ان سے پوچھا گیا ''وہ کون سے خاندان ہیں؟ انہوں نے فرمایا ''وہ آل علی، آل جعفر، آل عقیل اور آل عباس رضی اللہ عنہم ہیں''۔ ان سے عرض کی گئی ''کیا ان سب پر صدقہ حرام ہے؟'' انہوں نے فرمایا ''ہاں!'' حضرت زید رضی اللہ عنہ کے فرمان کا مفہوم یہ کہ یہ آیت طیبہ صرف

امہات المومنین رضی اللہ عنہن تک محدود نہیں۔ بلکہ وہ بھی آپ کی آل کے ساتھ شامل ہیں۔ جو شخص قرآن کریم میں غور وفکر کرتا ہے اس پر یہ امر مخفی نہیں رہتا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اس آیت کریمہ میں شامل ہیں کیونکہ سیاق کلام میں ان کا تذکرہ ہے۔ اس کے بعد اللہ رب العزت نے فرمایا:

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ (الاحزاب: 34)

''اور یاد رکھو اللہ کی آیتوں اور حکمت کی باتوں کو جو پڑھی جاتی ہیں تمہارے گھروں میں''۔

امام احمد نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''عنقریب مجھے بلایا جائے گا۔ میں پیک اجل کو لبیک کہوں گا۔ میں تم میں دو نفیس چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ وہ کتاب اللہ اور میرے اہل بیت ہیں۔ کتاب اللہ وہ رسی ہے جو آسمان سے زمین کی سمت لٹکائی گئی ہے۔ اور میری عترت میرے اہل بیت ہیں۔ اس لطیف وخبیر ذات نے مجھے بتایا ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے حتیٰ کہ وہ میرے ساتھ حوض پر ملاقات کر لیں گے''۔

امام بخاری نے حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''اے لوگو! محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت کے متعلق آپ کا خیال رکھو اور انہیں اذیت نہ دو''۔

امام بخاری نے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرابت داروں سے صلہ رحمی کرنا مجھے اپنے قرابت داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنے سے زیادہ پسندیدہ ہے''۔ امام ترمذی نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ سے محبت کرو کیونکہ صبح وشام اس کی طرف سے تم پر نعمتوں کا ابر کرم برستا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے میرے ساتھ محبت کرو۔ اور میری محبت کی وجہ سے میرے اہل بیت سے محبت کرو''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جس نے میرے اہل بیت سے محبت کی اس نے ان کے ساتھ میری وجہ سے محبت کی۔ جس نے ان کے ساتھ بغض رکھا۔ اس نے میرے ساتھ بغض رکھنے کی وجہ سے ان کے ساتھ بغض رکھا''۔

امام احمد نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جس نے میرے اہل بیت سے بغض رکھا وہ منافق ہے'' ابن سعد نے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جس نے میرے اہل بیت میں سے کسی کے ساتھ نیکی کی وہ دنیا میں اس کا بدلہ چکانے سے عاجز آ گیا۔ میں روز حشر اس کا بدلہ چکا دوں گا''۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

يا آل بيت رسول الله حبكمو فرض من الله فی القرآن انزله
يكفيكم من عظيم الفخر انكمو من لم يصل عليكم لا صلاة له

اے اہل بیت اطہار! آپ کی محبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس قرآن پاک میں فرض ہے جو اس نے اتارا۔ تمہارے لئے یہی فخر کافی ہے کہ جس نے تم پر درود وسلام نہ پڑھا اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔

ایک اور شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

رائيت ولائی آل طه فريضته على رغم اهل البعد يورثنی القربا

فما طلب المبعوث اجرا علی الھدی　　بتبلیغہ الا المودۃ فی القربی

میرے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت کے ساتھ محبت کرنا فرض ہے۔ اہل بعد کی ذلت کے باوجود وہ محبت قرب عطا کرتی ہے ہدایت کی تبلیغ کرنے پر آپ نے اہل بیت کی محبت کے علاوہ اور کوئی اجر طلب نہیں کیا۔

امام ترمذی نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے متعلق یہ دعا مانگی ''مولا! میں ان شہزادوں سے پیار کرتا ہوں تو بھی ان سے پیار کر اور ان کے ساتھ پیار کرنے والے کے ساتھ بھی پیار کر''۔

امام ترمذی نے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دو شہزادوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا ''جس نے میرے ساتھ محبت کی۔ ان دو شہزادوں کے ساتھ محبت کی۔ ان کے والد گرامی اور والدہ محترمہ کے ساتھ محبت کی وہ روز حشر میرے ساتھ میرے درجہ پر ہوگا''۔

امام احمد نے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جس نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اذیت دی۔ اس نے مجھے اذیت دی''۔

امام ذہبی نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جس نے حضرت علی المرتضیٰ سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی''۔ آپ نے فرمایا ''عباس بن عبدالمطلب مجھ سے اور میں ان سے ہوں۔ تم حضرت عباس کو اذیت نہ دیا کرو ورنہ تم مجھے اذیت دو گے۔ جس نے حضرت عباس کو برا بھلا کہا اس نے مجھے برا بھلا کہا'' امام ترمذی نے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عباس سے فرمایا ''مجھے اس ذات کی قسم جس کے دست تصرف میں میری جان ہے کہ ایمان کسی شخص کے دل میں داخل نہیں ہوتا حتیٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرے''۔

امام بغوی نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''میں تم سے دو اعتبار سے محبت کرتا ہوں۔ ایک تو قرابت داری کی محبت اور دوسری محبت اس لئے کرتا ہوں کیونکہ مجھے علم ہے کہ میرے چچا تم سے محبت کرتے تھے''۔

امام دارقطنی نے روایت کیا ہے کہ حضور شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''ابوسفیان بن حارث میرے اہل میں سے بہترین ہیں'' امام حاکم نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اہل بیت کے ساتھ جو شخص بھی بغض رکھتا ہے رب تعالیٰ اسے آگ میں داخل فرمائے گا''۔

جہاں تک صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی محبت کا تعلق ہے تو ان سے محبت بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ ان کی توقیر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توقیر کی عکاس اور ان کی عزت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت کی غماز ہوتی ہے۔ کامل مؤمن وہی ہوتا ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کرتا ہے۔ ان کی عزت و تکریم کرتا ہے۔ ان کے اقوال اور افعال کی اقتداء کرتا ہے۔ ان کی عمدہ تعریف کرتا ہے۔ وہ اس اختلاف سے رک جاتا ہے جو ان کے مابین رونما ہوتا تھا۔ وہ ان کے ساتھ عداوت رکھنے والے

کے ساتھ دشمنی رکھتا ہے۔ وہ مؤرخین جاہل راویوں کی روایات کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ نہ ہی ان روایات کی طرف التفات کرتا ہے جسے رافضیوں اور بدعتیوں نے نقل کیا ہو، جس میں کسی بھی صحابی کی شان والا کے متعلق گستاخی کا پہلو نکلتا ہو۔ بلکہ چاہئے کہ وہ ان کے مابین ہونے والے اختلافات کی عمدہ تاویل کرے۔ اور اس کو حسن نیت پر محمول کرے۔ کیونکہ وہ اسی کے متعلق تھے۔ کسی صحابی کا ذکر خیر بھی برائی کے ساتھ نہ کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بہت سی آیات طیبات میں ان کی توصیف بیان کی ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ (سورۃ الفتح: 29)

''(جان عالم) محمد اللہ کے رسول ہیں اور وہ (سعادتمند) جو آپ کے ساتھی ہیں کفار کے مقابلہ میں بہادر اور طاقتور ہیں آپس میں بڑے رحمدل ہیں''۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''مجھ تک یہ خبر پہنچی ہے کہ نصاریٰ جب ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھتے تھے جنہوں نے شام فتح کیا تھا تو وہ کہتے تھے ''بخدا! یہ حواریوں سے بہتر ہیں''۔ امام مالک نے رب تعالیٰ کے اس فرمان

لِیَغِیْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ (الفتح: 29)

''تاکہ (آتش) غیض میں جلتے رہیں انہیں دیکھ کر کفار''۔ سے یہ استدلال کیا ہے کہ رافضی کافر ہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض رکھتے ہیں۔ انہوں نے کہا کیونکہ وہ انہیں غیظ دلاتے ہیں اور جسے صحابہ کرام غیظ دلائیں وہ کافر ہوتا ہے'' امام مالک کے اس موقف پر اسلاف کی ایک جماعت نے موافقت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۱۰۰﴾

''اور سب سے آگے آگے سب سے پہلے ایمان لانے والے مہاجرین اور انصار سے اور جنہوں نے پیروی کی ان کی عمدگی سے۔ راضی ہو گیا اللہ تعالیٰ ان سے اور راضی ہو گئے وہ اس سے۔ اور اس نے تیار کر رکھے ہیں ان کیلئے باغات۔ بہتی ہیں ان کے نیچے ندیاں۔ ہمیشہ رہیں گے ان میں ابد تک۔ یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔ (التوبہ)

ارشاد ربانی ہے۔

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِیْنَ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا وَّ یَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۚ﴿۸﴾ وَ الَّذِیْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَ الْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ یُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَیْهِمْ وَ لَا یَجِدُوْنَ فِیْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّاۤ اُوْتُوْا وَ یُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕ۫ وَ مَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۚ﴿۹﴾ (الحشر)

''(نیز وہ مال) نادار مہاجرین کے لئے ہے جنہیں (جبراً) نکال دیا گیا تھا ان کے گھروں سے اور جائیدادوں سے یہ (نیک بخت) تلاش کرتے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی رضا (ہر وقت) مدد کرتے رہتے ہیں اللہ اور اس کے

رسول کی۔ یہی راست باز لوگ ہیں اور (اس مال میں) ان کا بھی حق ہے جو دار ہجرت میں مقیم ہیں اور ایمان میں (ثابت قدم) ہیں۔ مہاجرین (کی آمد) سے پہلے محبت کرتے ہیں ان سے جو ہجرت کر کے ان کے پاس آتے ہیں اور نہیں پاتے اپنے سینوں میں کوئی خلش اس چیز کے بارے میں جو مہاجرین کو دے دی جائے اور ترجیح دیتے ہیں انہیں اپنے آپ پر اگرچہ خود انہیں اس چیز کی شدید حاجت ہو۔ اور جس کو بچا لیا گیا اپنے نفس کی حرص سے تو وہی لوگ بامراد ہیں''۔

ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی تعریف ہی کافی ہے۔ وہ ان سے راضی ہو گیا ہے اس نے ان کے ساتھ مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے۔ وہ اپنے وعدہ کی خلاف نہیں کرتا۔ نہ ہی کوئی اس کے کلمات کو بدلنے والا ہے۔ وہ سمیع و علیم ہے۔ ارشاد پاک ہے۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ (الفتح: 18)

''یقیناً راضی ہو گیا اللہ تعالیٰ ان مومنوں سے جب وہ بیعت کر رہے تھے آپ کی اس درخت کے نیچے''۔

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾ (الاحزاب)

''اہل ایمان میں ایسے جوانمرد ہیں جنہوں نے سچا کر دکھایا جو وعدہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا تھا ان جوانمردوں سے کچھ تو اپنی نذر پوری کر چکے اور بعض (اس ساعت سعید کا) انتظار کر رہے ہیں۔ (جنگ کے مہیب خطرات کے باوجود) ان کے رویہ میں ذرا تبدیلی نہیں ہوئی''۔

عبد بن حمید نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، ان میں جس کی اقتداء کرو گے ہدایت پا جاؤ گے'' امام ترمذی، ابن ماجہ، ابن حبان اور حاکم نے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''میرے بعد ابوبکر اور عمر کی اقتداء کرنا'' امام حاکم نے یہ روایت حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی نقل کی ہے۔

امام بزار اور امام ابویعلی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''میرے صحابہ کی مثال کھانے میں نمک کی سی ہے۔ کھانے کا ذائقہ تو نمک سے ہی بنتا ہے'' آپ نے فرمایا ''میرے صحابہ کے بارے رب تعالیٰ سے ڈرنا۔ میرے بعد انہیں نشانہ نہ بنا لینا۔ جو ان سے محبت کرتا ہے تو وہ میری محبت کی وجہ سے ہی ان سے محبت کرتا ہے۔ جو ان کے ساتھ بغض رکھتا ہے تو میرے ساتھ بغض رکھنے کی وجہ سے ان کے ساتھ بغض رکھتا ہے۔ جس نے ان کو تکلیف دی اس نے مجھے اذیت دی جس نے مجھے اذیت دی اس نے اللہ رب العزت کو اذیت دی اور جس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت دی تو عنقریب رب تعالیٰ اس کی گرفت فرمائے گا''۔

امام مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''میرے صحابہ کرام کو برا بھلا نہ کہا کرو۔ اگر تم میں

سے کوئی ایک احد کے برابر سونا بھی صدقہ کردے تو پھر بھی ان میں سے کسی ایک کے مد یا اس کے نصف تک نہیں پہنچ سکتا''۔

ابونعیم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جس نے میرے صحابہ کو گالی دی اس پر اللہ تعالیٰ، ملائکہ اور لوگوں کی لعنت ہو۔ اللہ تعالیٰ اس سے کوئی معاوضہ یا بدل قبول نہیں فرمائے گا''۔

امام طبرانی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جب میرے صحابہ کا ذکر ہو تو ٹھہر جایا کرو''۔ امام دیلمی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے سارے عالمین میں سے انبیاء و مرسلین کو چھوڑ کر میرے صحابہ کو منتخب فرمایا۔ ان میں سے خصوصاً یہ چار حضرات میرے لئے منتخب کئے۔ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم''۔

امام طبرانی نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جس نے عمر سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی''۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ''جس نے صحابہ کرام سے بغض رکھا انہیں برا بھلا کہا اس کا مسلمانوں کے مال فئے میں کوئی حصہ نہیں''۔

حضرت عبداللہ بن مبارک نے فرمایا ''جس میں دو خصلتیں ہوں گی وہ نجات پا جائے گا۔ صدق اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام سے محبت''۔

حضرت ایوب السختیانی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''جس نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے محبت کی اس نے دین کو قائم کیا۔ جس نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے محبت کی اس نے راستہ کو واضح کیا۔ جس نے حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ سے محبت کی اس نے اللہ تعالیٰ کے نور سے اجالا پالیا۔ جس نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے محبت کی اس نے عروۃ الوثقیٰ کو پکڑ لیا۔ جس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام کی تعریف کی وہ نفاق سے بری ہو گیا۔ جس نے ان میں سے کسی ایک کے ساتھ بغض رکھا وہ بدعتی، سنت مطہرہ اور سلف صالحین کا مخالف ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اس کا عمل آسمان کی طرف بلند نہیں ہو گا حتیٰ کہ وہ سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کرنے لگے اور اس کا قلب سلیم بن جائے''۔

امام طبرانی نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے بھتیجے حضرت سہل بن یوسف بن سہل سے وہ اپنے والد گرامی سے اور وہ اپنے پدر بزرگوار سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا ''جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجۃ الوداع کی ادائیگی کے بعد مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ منبر پر جلوہ افروز ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی۔ پھر فرمایا ''اے لوگو! میں ابوبکر سے راضی ہوں۔ ان کا حق پہچانو۔ اے لوگو! میں عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، سعد، سعید، عبدالرحمن بن عوف اور ابوعبیدہ (رضی اللہ عنہم) سے راضی ہوں۔ ان کے حقوق کی پاسداری کرو۔ اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے اہل بدر اور اہل حدیبیہ کو معاف کر دیا ہے۔ میرے صحابہ، سسرالی رشتہ داروں اور میرے دامادوں کے بارے میرے حقوق کی پاسداری کرو۔ تم میں سے کوئی ان سے اپنے حق کا مطالبہ نہ کرے۔ ورنہ روز حشر یہ اس کے لئے تاریکی بن جائے گی''۔ آپ کے سسرالی رشتہ داروں سے مراد آپ کی ازواج مطہرات کے والد حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہم ہیں۔ اور آپ کے دامادوں سے مراد آپ

کی نوران نظر کے خاوند جیسے حضرت عثمان، حضرت علی اور حضرت ابو العاص بن ربیع رضی اللہ عنہم ہیں۔

ابو نعیم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا "میرے صحابہ کرام اور سسرالی رشتہ داروں کے متعلق میرے حقوق کی حفاظت کرو۔ جس نے میرے حقوق کی پاسداری کی اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی حفاظت کرے گا جس نے ان کے متعلق میرے حقوق کی پرواہ نہ کی۔ اللہ تعالیٰ اس کو چھوڑ دے گا اور جسے اس نے چھوڑ دیا تو عنقریب وہ اس کی گرفت کرے گا۔

سعید بن منصور نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا "جس نے میرے صحابہ کرام کے بارے میرے حقوق کی نگہبانی کی میں روز حشر اس کی حفاظت کروں گا"۔

الطبرانی نے روایت کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جس نے میرے صحابہ کرام کے بارے میرے حقوق کی نگرانی کی وہ میرے حوض کوثر پر میرے پاس آئے گا۔ جس نے ان کے بارے میرے حقوق کی نگرانی نہ کی وہ میرے حوض پر میرے پاس نہ آسکے گا۔ وہ صرف دور سے ہی میری زیارت کر سکے گا"۔

حضرت کعب الاحبار سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام میں سے ہر ہر صحابی کو روز حشر شفاعت کرنے کا اختیار ملے گا۔ حضرت سہل بن عبداللہ تستری نے فرمایا "جس نے حضور کے صحابہ کرام کی توقیر نہ کی وہ اللہ تعالیٰ کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان نہ لایا۔ ہم رب تعالیٰ سے التجاء کرتے ہیں کہ وہ ہمیں صحابہ کرام کی صحبت میں دوام عطا فرمائے۔ ان کے راستہ پر چلنے کی توفیق دے اور ان کی شفاعت کے ساتھ کامیاب ہونے کی توفیق دے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

وصال مبارک

یہ ایک ایسا باب ہے جس کا مضمون آنکھوں سے آنسو رواں کر دیتا ہے۔ غم واندوہ کی وجہ سے مصائب دو چند ہو جاتے ہیں۔ اہل ایمان کے جگروں پر دکھوں کی آگ شعلہ بار ہو جاتی ہے۔ موت اپنی شدت اور سختی کی وجہ سے بالطبع ناپسند کی جاتی ہے۔ انبیاء کرام میں سے کسی نبی کا بھی وصال نہیں ہوا مگر انہیں اختیار دیا جاتا۔ جب سورۃ النصر کا نزول ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتا دیا کہ آپ کے وصال کا وقت قریب آ گیا ہے۔ اس سورت سے مراد یہ ہے "اے محمد عربی! جب اللہ تعالیٰ نے آپ پر شہروں کی فتوحات کے دروازے کھول دیئے ہیں لوگ گروہ در گروہ آپ کے دین حق میں داخل ہونے لگیں تو آپ کے وصال کا وقت قریب آ گیا ہے۔ حمد اور استغفار کے ساتھ ہماری ملاقات کی تیاری کریں۔ فریضۂ رسالت و تبلیغ جس کا آپ کو حکم دیا گیا تھا وہ پورا ہو چکا ہے جو کچھ ہمارے پاس آپ کے لئے ہے وہ دنیا سے بہتر ہے۔ آپ ہمارے پاس آنے کی تیاری کریں۔ امام طبرانی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ سورت طیبہ نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبرائیل امین سے فرمایا "تم نے مجھے وصال کا پیغام سنایا ہے" حضرت جبرائیل امین نے کہا۔

وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ ۝ (الضحیٰ)

''اور یقیناً ہر آنے والی گھڑی آپ کے لئے پہلی سے (بدرجہا) بہتر ہے''۔

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر جلوہ افروز ہوئے۔ فرمایا ''بندہ (خاص) کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا کہ یا تو اس کے پاس دنیا کی زیب و زینت آ جائے یا وہ پسند کرے جو اس کے لئے حریم ناز میں ہے۔ اس بندہ (خاص) نے وہ پسند کر لیا ہے جو اس کے لئے درگاہ ربوبیت میں ہے'' یہ سن کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ انہوں نے عرض کی ''یا رسول اللہ! ہمارے باپ اور ہماری مائیں آپ پر نثار!'' ہم نے تعجب کیا۔ لوگوں نے کہا ''اس بوڑھے کو دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم کو اختیار دیا ہے کہ یا تو وہ دنیا کی زیب و آرائش پسند کر لیں یا وہ کچھ اختیار کر لیں جو ان کے لئے حریم ناز میں ہے۔ یہ کہہ رہے ہیں ''ہمارے باپ اور مائیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فدا! راوی کہتے ہیں ''اس وقت حضور سراپا رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اختیار دیا گیا تھا اور حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس کا سب سے زیادہ علم تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''رفاقت اور مال کے اعتبار سے مجھ پر سب سے زیادہ احسان حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہے۔ اگر میں اہل زمین میں سے کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابو بکر کو اپنا خلیل بنا لیتا۔ لیکن اسلامی اخوت ہی کافی ہے۔ مسجد میں کھلنے والے سارے روشن دان بند کر دیئے جائیں سوائے حضرت ابو بکر کے روشن دان کے''۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے وصال کے متعلق بتاتے رہے حتیٰ کہ آپ علیل ہو گئے۔ مرض کا آغاز ماہ صفر کے آواخر میں ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تیرہ روز علیل رہے۔ ہفتہ کے روز مرض کا آغاز ہوا۔ ایک اور روایت کے مطابق سوموار یا منگل کے روز مرض کا آغاز ہوا۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ مقدسہ میں تھے۔ دوسرے قول کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت زینب بن جحش رضی اللہ عنہا کے حجرۂ مقدسہ میں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نوبت کے مطابق ہر ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے حجرۂ مقدسہ میں تشریف لے جاتے رہے۔ جس طرح کہ آپ کا صحت کی حالت میں معمول تھا۔ جب درد شدت اختیار کر گیا تو آپ نے حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مقدسہ میں جانے کی خواہش کا اظہار کیا۔ تمام امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن نے رضامندی ظاہر کی۔ آپ حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے ساتھ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مقدسہ میں آ گئے۔

امام بخاری نے حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''جب آپ میرے حجرہ مبارکہ میں رونق افروز ہوئے تو آپ کا درد شدت اختیار کر گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''مجھ پر سات کنوؤں کا پانی انڈیلو۔ جن کے مشکیزوں کے بندھن نہ کھولے گئے ہوں۔ تاکہ میں لوگوں سے کچھ عہد لے سکوں۔ ہم نے آپ کو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے آنگن میں بٹھایا پھر ان مشکیزوں کا پانی آپ پر انڈیلا۔ حتیٰ کہ آپ نے دست اقدس کا اشارہ کیا کہ کیا تم نے یہ کام مکمل کر لیا ہے.........اس روایت میں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''میں اس کھانے کا درد محسوس کر رہا ہوں جو میں نے خیبر میں کھایا تھا۔ اب اس زہر نے میری گردن کی شہ رگ کاٹ دی ہے پھر آپ کو شدید بخار نے آ لیا۔

ابن ماجہ اور حاکم نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایک چادر تھی۔ اس چادر پر جو

ہاتھ رکھتا تھا اس کے نیچے سے بخار محسوس ہوتا تھا۔ جب آپ ﷺ سے گزارش کی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا ”ہم گروہ انبیاء پر مصائب اسی طرح شدت سے آتے ہیں پھر ہمارے لئے اجر وثواب کئی گناہ کر دیا جاتا ہے“۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ”میں حضور اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا آپ کو تیز بخار تھا۔ میں نے عرض کی ”یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ کو شدید بخار ہے“۔ آپ نے فرمایا ”ہاں! مجھے اتنا بخار ہے جتنا تم میں سے دو افراد کو ہوتا ہے“ میں نے عرض کی ”آپ کے لئے اجر بھی دوگنا ہوگا“۔ آپ نے فرمایا ”ہاں! اسی طرح ہے“ امام بخاری نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ”حضور اکرم ﷺ نے مرض وصال میں حضرت سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا کو یاد فرمایا۔ ان سے کچھ سرگوشی کی وہ گریہ بار ہو گئیں پھر اپنے پاس بلایا اور سرگوشی کی تو وہ مسرور ہو گئیں۔ جب بعد میں ہم نے ان سے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا ”پہلے حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس مرض میں آپ کا وصال ہو جائے گا“ میں یہ سن کر رونے لگی۔ پھر آپ نے مجھے بتایا کہ آپ کے اہل بیت میں سے سب سے پہلے میں آپ سے ملاقات کروں گی تو میں مسکرانے لگی“۔

جب آپ کا مرض شدت اختیار کر گیا تو نماز کے لئے تشریف لے جانا آپ کے لئے مشکل ہو گیا۔ آپ ﷺ نے حکم دیا ”حضرت ابوبکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں“۔ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی ”یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ابوبکر نرم دل انسان ہیں جب وہ آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو لوگوں کو گریہ کی شدت کی وجہ سے کچھ نہ سنا سکیں گے“۔ آپ نے فرمایا ”حضرت ابوبکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں“۔ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے اس طرح عرض کی۔ آپ نے فرمایا ”تم حضرت یوسف علیہ السلام کی ساتھی عورتوں کی طرح ہو۔ حضرت ابوبکر صدیق کو حکم دو وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں“۔ بعض روایات میں ہے کہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے عرض کی ”میں نے بار بار اپنی بات عرض کی۔ میں نے اپنی بات بار بار اس لئے عرض کی کیونکہ میرے دل میں خیال آیا تھا کہ لوگ آپ کے بعد جسے پسند کریں آپ کا خلیفہ بنا دیں“۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضور کی ظاہری حیات طیبہ میں صحابہ کرام کو سترہ نمازیں پڑھائیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مصلی امامت پر کھڑا کرنے میں یہ اشارہ تھا کہ آپ کے بعد خلیفہ وہی ہوں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا ”آپ نے انہیں ہمارے دین کے لئے پسند کیا۔ کیا ہم اپنی دنیا کے لئے انہیں منتخب نہ کریں؟“

جب انصار رضی اللہ عنہم نے حضور ﷺ کے درد کی شدت دیکھی تو پروانہ وار مسجد نبوی کے گرد چکر لگانے لگے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے انصار کی فریفتگی اور محبت کا ذکر کیا پھر حضرت فضل رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے بھی انصار کے عشق وعقیدت کے متعلق عرض کی۔ پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے تو انہوں نے بھی انصار کی محبت اور عقیدت کے متعلق بتایا۔ حضور اکرم ﷺ حضرت علی اور حضرت فضل رضی اللہ عنہما کے ساتھ ٹیک لگا کر باہر تشریف لائے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ آگے آگے تھے۔ حضور ﷺ نے سر اقدس پر کپڑا باندھا ہوا تھا۔ مبارک ٹانگیں زمین پر لگ رہی تھیں۔ حتیٰ کہ آپ منبر کی نچلی سیڑھی پر تشریف فرما ہو گئے۔ لوگ پروانہ وار اٹھ کر آپ کی طرف

تشریف لے گئے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کی پھر فرمایا "اے لوگو! مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تمہارے نبی کریم ﷺ کے وصال نے تمہیں خوفزدہ کر دیا ہے کیا مجھ سے قبل مبعوث ہونے والے انبیاء روئے زمین پر باقی رہے ہیں کہ میں تم میں ہمیشہ رہوں گا۔ میں اپنے رب تعالیٰ سے ملنے والا ہوں تم مجھ سے ملو گے۔ میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ تم مہاجرین اولین کے ساتھ بھلائی کرو۔ میں مہاجرین کو آپس میں صلح وصفائی کے ساتھ رہنے کی وصیت کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَالْعَصْرِ ۙ﴿۱﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۙ﴿۲﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ۬ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴿۳﴾ (العصر)

"قسم ہے زمانہ کی یقیناً ہر انسان خسارہ میں ہے بجز ان (خوش نصیبوں) کے جو ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے۔ نیز ایک دوسرے کو حق کی تلقین کرتے رہے اور ایک دوسرے کو صبر کی تاکید کرتے رہے"۔

امور اللہ تعالیٰ کے اذن سے جاری ہوتے ہیں کسی امر کی سست روی تمہیں اس کے جلدی آجانے پر نہ ابھارے۔ اللہ تعالیٰ کسی شخص کی عجلت کی وجہ سے عجلت نہیں کرتا۔ جو اللہ تعالیٰ سے لڑتا ہے۔ رب تعالیٰ اس پر غالب آجاتا ہے جو رب تعالیٰ کو دھوکا دینے کی کوشش کرتا ہے۔ رب تعالیٰ اسے اس کے مکر کی سزا دیتا ہے۔ اگر تم نے روگردانی کی تو تم زمین میں فساد برپا کرنے لگو گے۔ اور قطع رحمی کرو گے۔ میں تمہیں انصار کے ساتھ بھلائی کرنے کا حکم دیتا ہوں۔ انہوں نے ہی تمہیں اپنے گھروں میں پناہ دی۔ تم ان پر احسان کرو۔ کیا انہوں نے تمہیں پھلوں میں شامل نہیں کیا؟ کیا انہوں نے تمہارے لئے اپنے گھروں کے دروازے کھول نہیں دیئے۔ کیا انہوں نے تمہیں اپنی ذات پر ترجیح نہیں دی۔ تم میں سے جو ان کے دو افراد کے مابین فیصلہ کرنے کا والی بنے تو وہ ان کے محسن سے قبول کرلے اور ان کے گناہ گار سے درگزر کرے۔ ارے! ارے! انہیں چھوڑ کر کسی اور کو مخصوص نہ کرو۔ ارے! میں تمہارا پیش رو ہوں اور مجھ سے بعد میں ملو گے تمہارے ساتھ ملاقات کی جگہ حوض کوثر ہے۔ جو مجھ سے کل ملاقات کرنے کا خواہاں ہے اسے چاہئے کہ وہ اپنا ہاتھ اور اپنی زبان روک لے سوائے لازمی امر کے۔

امام بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ وہ انصار کی ایک محفل کے متعلق بیان کرتے ہیں "ایک محفل میں انصار گریہ بار تھے۔ جب عرض کی گئی کہ وہ کیوں رو رہے ہیں تو انہوں نے فرمایا "ہمیں حضور اکرم ﷺ کی محفل پاک یاد آ گئی" ان میں سے ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کے متعلق بتایا۔ حضور اکرم ﷺ حجرہ مقدسہ سے باہر تشریف لائے۔ سر اقدس چادر مبارک سے باندھ رکھا تھا۔ منبر پر جلوہ افروز ہوئے۔ اس کے بعد منبر پر جلوہ افروز نہ ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کی پھر فرمایا "میں تمہیں انصار کے بارے وصیت کرتا ہوں۔ وہ میری جماعت اور صحابی ہیں۔ انہوں نے اپنے فرائض ادا کر دیئے ہیں۔ ان کے حقوق ابھی باقی ہیں۔ ان کے نیکوکار سے قبول کرلو۔ ان کے خطا کار سے درگزر کرو"۔

"المواہب" میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "حضور ﷺ نے ہمیں ایک ماہ قبل ہی اپنے وصال سے آگاہ فرما دیا تھا۔ جب آپ کے وصال کا وقت قریب آیا تو ہم ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

کے حجرہ مقدسہ میں جمع ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "رب تعالیٰ نے تمہیں اسلام لانے کی توفیق بخشی۔ اس نے تم پر رحم فرمایا۔ اس نے تمہیں درست کیا۔ تمہیں رزق عطا فرمایا۔ تمہاری مدد کی۔ تمہیں رفعت بخشی اور تمہیں پناہ دی۔ میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ اسے ہی تم پر جانشین بناتا ہوں۔ میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈراتا ہوں۔ میں تمہارے لئے کھلا ڈرانے والا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے شہروں اور اس کے بندوں پر سرکشی نہ کرو۔ اسی نے مجھے اور تمہیں فرمایا ہے۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ (القصص)

"یہ آخرت کا گھر ہم مخصوص کردیں گے اس (کی نعمتوں) کو ان لوگوں کے لیے جو خواہش نہیں رکھتے زمین میں بڑا بننے کی اور نہ فساد برپا کرنے کی اور اچھا انجام پرہیزگاروں کے لیے ہے"۔

ارشاد ربانی ہے۔

اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝ (الزمر:60)

"کیا نہیں ہے جہنم میں ٹھکانہ تکبر کرنے والوں کا؟"۔

ہم نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ کا وصال مبارک کب ہوگا؟" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "فراق کی گھڑیاں قریب آگئیں ہیں۔ لوٹ کر اللہ تعالیٰ کی طرف جانا ہے۔ جنت الماویٰ کی طرف جانا ہے" ہم نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو غسل کون دے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میرے اہل بیت کے افراد درجہ بہ درجہ" ہم نے عرض کی "یا رسول اللہ! ہم آپ کو کن کپڑوں میں کفن دیں گے؟" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "انہی کپڑوں میں اگر پسند کرو تو مصر کپڑوں میں یا یمنی حلہ میں"، ہم عرض پیرا ہوئے "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کی نماز جنازہ کون پڑھائے گا؟" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جب تم مجھے غسل دے چکو۔ مجھے کفن پہنا چکو تو میری یہ چارپائی میری قبر انور کے کنارے پر رکھ دینا۔ پھر باہر نکل جانا۔ پہلے حضرت جبرائیل امین پھر حضرت میکائیل، پھر حضرت اسرافیل پھر حضرت ملک الموت میری نماز جنازہ پڑھیں گے۔ ان کے ہمراہ ملائکہ کے لشکر ہوں گے۔ پھر گروہ در گروہ میرے پاس آنا۔ مجھ پر صلوٰۃ وسلام پڑھنا۔ پہلے میرے اہل بیت کے مرد حضرات پھر ان کی پاکدامن خواتین نماز جنازہ پڑھیں۔ پھر تم میری نماز جنازہ پڑھنا۔ میرے جو صحابہ یہاں موجود نہ ہوں۔ انہیں میرا اسلام دینا اور آج کے بعد جو بھی روز حشر تک میرے دین پر میری اتباع کرے اسے میرا اسلام دینا"۔ ہم عرض گزار ہوئے "یا رسول اللہ! آپ کو قبر انور میں کون داخل کرے گا؟" آپ نے فرمایا "میرے اہل بیت میرے رب کے ملائکہ کے ہمراہ"۔ (الطبرانی)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علالت سے قبل فرمایا "کبھی بھی کسی نبی نے وصال نہیں فرمایا حتیٰ کہ وہ جنت میں اپنا مقام دیکھ لیتا ہے۔ پھر اسے اختیار دیا جاتا ہے"۔ جب آپ کو مرض لاحق ہوا اور وصال کا وقت قریب آیا تو آپ کا سر مبارک میری ران پر تھا۔ آپ پر غشی طاری ہوگئی۔ جب افاقہ ہوا تو نگاہ مبارک آسمان کی طرف اٹھائی اور یہ دعا مانگی "اللھم الرفیق الاعلی" میں نے کہا "اب آپ ہمیں اختیار نہیں فرمائیں گے" میں سمجھ

گئی کہ جو حدیث مبارک آپ ہم سے بیان فرماتے تھے وہ بالکل صحیح ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے وصال سے قبل آپ کو غور سے سنا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ آپ یہ دعا مانگ رہے تھے اللھم اغفرلی وارحمنی والحقنی بالرفیق الاعلی۔

امام عبدالرزاق نے حضرت طاؤس سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "مجھے اختیار دیا گیا کہ میں اس دنیا میں رہوں حتیٰ کہ میں دیکھ لوں کہ میری امت کے ہاتھوں کیا کچھ فتح ہوتا ہے یا میں جلدی بارگاہ والا میں چلا جاؤں۔ میں نے جلدی جانا پسند کیا"۔

حضرت ابن حبان نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میں نے اللہ تعالیٰ سے رفیق اعلیٰ اسعد حضرت جبرائیل، حضرت میکائیل اور حضرت اسرافیل کے ہمراہ مانگا" ظاہر ہے کہ رفیق اعلیٰ سے مراد وہ مقام ہے جہاں مذکورہ ملائکہ کی موافقت نصیب ہو"۔

ابن الاثیر نے لکھا ہے کہ آپ نے انبیائے کرام کی وہ جماعت مراد لی جن کی سکونت اعلیٰ علیین میں ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے مراد رب تعالیٰ کی ذات ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب سے بڑا رفیق (رحیم) ہے۔ اس وقت اس سے مراد رحمت ورأفت ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے مراد "حضرۃ القدس" ہے۔

"المواہب" میں ہے "آپ کے لئے جب حق تعالیٰ کی تجلیات اور انوار ظہور پذیر ہوئے تو آپ کے اور محسوسات اور حظوظ ضروریہ کے مابین تعلق کمزور ہوتا گیا۔ آپ کے احوال مبارکہ میں رفعت پیدا ہوئی۔ اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے۔ آپ نے فرمایا "ہر وہ دن جس میں قرب الٰہی میں اضافہ نہ ہو تو اس روز کے طلوع آفتاب میں میرے لئے برکت نہ ڈالی گئی ہو"۔ جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مقام سے جدا ہوئے اور اس سے بلند تر منصب پر فائز ہوئے تو پہلے مقام کو آپ ناقص سمجھتے۔ آپ محبت کے مرکب پر سوار ہو جاتے۔ یہ مراحل اور مقامات واحوال کو طے کرنے کے لئے اور حضرت ذی جلال میں جانے کے لئے یہ کتنی عمدہ سواری ہے جس ذات والا کے علاوہ ہر چیز فنا ہونے والی ہے"۔

امام سہیلی رقمطراز ہیں "آپ کا وصال ان کلمات طیبات پر ہوا۔ اس میں یہ حکمت کارفرما نظر آتی ہے کہ یہ کلمات طیبات توحید اور ذکر بالقلب کو شامل ہیں حتیٰ کہ اس سے آپ کے علاوہ دیگر افراد کے لئے رخصت بھی سمجھی جاسکتی ہے کہ اس وقت زبان سے ذکر کرنا شرط نہیں کیونکہ بعض افراد اس وقت بولنے پر قدرت نہیں رکھتے۔ اگر دل ذکر الٰہی سے آباد ہو تو کوئی حرج نہیں"۔

حافظ ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں "ایک روایت اس امر پر بھی دلالت کرتی ہے کہ آپ کی روح قبض کر لی گئی۔ آپ نے جنت میں اپنا مقام ملاحظہ فرمایا۔ پھر آپ کی روح واپس لوٹا دی گئی پھر آپ کو اختیار دیا گیا"۔ مسند میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے فرمایا "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے "ہر نبی کی روح قبض کر لی جاتی ہے وہ اپنا ثواب ملاحظہ کرتا ہے پھر اس کی روح لوٹا دی جاتی ہے اور اسے اختیار دیا جاتا ہے" مجھے آپ کا یہ فرمان حق یاد تھا۔ میں نے حضو

اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے سینہ سے لگا رکھا تھا جب آپ نے اوپر دیکھا تو میں نے کہا ''بخدا! آپ اب ہمیں اختیار نہیں فرمائیں گے''۔ پھر آپ نے فرمایا ''مع الرفیق الاعلیٰ فی الجنتہ''

فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیْنَ ۚ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِیْقًا ﴿۶۹﴾ (النساء)

''تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین اور کیا ہی اچھے ہیں ساتھی''۔

صحیح ابن حبان میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر غشی طاری ہوگئی۔ آپ کا سر اقدس میری گود میں تھا۔ میں اسے چھونے لگی اور آپ کے لئے شفاء کی دعا مانگنے لگی۔ جب آپ کو افاقہ ہوا تو فرمایا ''میں اللہ تعالیٰ سے حضرت جبرائیل، حضرت میکائیل اور حضرت اسرافیل کے ہمراہ رفیق الاعلیٰ کا سوال کرتا ہوں۔ جب آخری لمحات آئے اور درد شدت اختیار کر گیا۔ حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا ''میں نے اتنا شدید درد کسی کو ہوتے نہ دیکھا تھا جتنا شدید درد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک پیالہ پڑا ہوا تھا۔ آپ اپنا دست اقدس اس میں ڈالتے پھر وہ ہاتھ اپنے چہرۂ انور پر مل لیتے۔ آپ یہ دعا مانگتے۔

''اللھم اعنی علی سکرات الموت''۔

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ اس وقت لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھنے لگے۔ بلاشبہ موت کے لئے سکرات ہیں۔ علماء کرام نے فرمایا ہے'' یہ سکرات درد کی وجہ سے تھے اور یہ آپ کے بلند مقام ومنصب کی وجہ سے تھے۔ تاکہ صبر میں امت مرحومہ آپ کی اقتداء کرے''۔

حافظ ابن رجب نے لکھا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''مولا! تو ہڈیوں، پٹھوں اور پورے کے درمیان سے روح نکالتا ہے۔ اس پر میری اعانت فرما اور اسے مجھ پر آسان فرما''۔ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا درد شدت اختیار کر گیا تو حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہا نے کہا ''والد گرامی مرتبت! آپ کا درد کتنا شدید ہو گیا ہے'' تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''آج کے بعد آپ کے والد گرامی مرتبت کو درد نہ ہوگا''۔

امام بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''سوموار کے روز صحابہ کرام نماز فجر میں مصروف تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ انہیں امامت کرا رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اچانک ملاحظہ فرمایا۔ آپ نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مقدسہ کا پردہ سرکایا اور صحابہ کرام کو دیکھا۔ وہ نماز کے لئے صف باندھے کھڑے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبسم فرمایا۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پیچھے ہٹے تاکہ حضور صف تک پہنچ سکیں۔ انہوں نے گمان کیا کہ شاید حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے لئے تشریف لانا چاہتے ہیں حضرت انس نے فرمایا ''قریب تھا کہ مسلمانوں کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے یارائے ضبط نہ رہتا اور فرحت وانبساط کی وجہ سے نماز توڑ دیتے''۔ حضور اکرم نے انہیں ہاتھ سے اشارہ کیا کہ اپنی نماز

مکمل کرو۔ پھر آپ حجرہ مقدسہ کے اندر تشریف لے گئے اور پردہ لٹکا دیا"۔ دوسری روایت میں ہے کہ اسی روز آپ ﷺ کا وصال ہو گیا۔ ایک اور روایت میں ہے "تین روز تک حضور ﷺ ہمارے پاس تشریف نہ لائے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ امامت کراتے رہے۔ حضور اکرم ﷺ نے پردہ اٹھانے کا حکم دیا۔ حجرہ مقدسہ کا پردہ اٹھا دیا گیا جب حضور ﷺ کا چہرۂ والضحیٰ باہر نکلا تو ہم نے اس قدر دلآویز اور دلکش منظر پہلے نہیں دیکھا تھا۔ آپ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو امامت کروانے کا اشارہ کیا اور پردہ دوبارہ نیچے لٹکا دیا۔

امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ کا درد شدت اختیار کر گیا تو حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی صحابہ کرام کو امامت کراتے رہے۔ حتیٰ کہ پیر کے روز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز کی صفوں میں موجود تھے حضور اکرم ﷺ نے حجرہ مبارکہ کا پردہ اٹھایا۔ ہم نے آپ کی سمت دیکھا۔ آپ کھڑے تھے۔ آپ کا چہرہ مبارک گویا کہ مصحف کا ورق تھا پھر آپ تبسم ریز ہوئے"۔

امام بیہقی نے حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ کے وصال مبارک کو تین دن رہ گئے تو حضرت جبرائیل امین حاضر خدمت ہوئے۔ انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! آپ کی عزت وفضیلت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ یہ آپ ہی کی خصوصیت ہے۔ وہ آپ سے پوچھتا ہے۔ حالانکہ وہ آپ سے زیادہ جانتا ہے کہ آپ کیسے ہیں؟ آپ نے فرمایا "جبرائیل! مجھے درد کی سخت تکلیف ہے" پھر دوسرے اور پھر تیسرے روز حضرت جبرائیل امین حاضر خدمت ہوئے اور یہی عرض کی۔ پھر ملک الموت نے اجازت طلب کی۔ حضرت جبرائیل امین نے عرض کی "احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیک وسلم یہ موت کا فرشتہ ہے۔ اس نے نہ تو آپ سے قبل کسی سے اجازت طلب کی ہے۔ نہ ہی آپ کے بعد کسی سے اجازت طلب کرے گا"۔ آپ ﷺ نے فرمایا "اسے اجازت دو" فرشتۂ اجل اندر حاضر ہوا وہ آپ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اس نے عرض کی "یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔ اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ آپ کے ہر حکم کی تعمیل کروں۔ اگر آپ مجھے حکم دیتے ہیں تو آپ کی روح کو قبض کرتا ہوں۔ اگر آپ مجھے اسے چھوڑنے کا حکم دیں گے تو میں روح مبارک کو چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔ حضرت جبرائیل امین نے عرض کی "یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ آپ کے لئے بڑا مشتاق ہے" حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "اے ملک الموت! جس کام کا تمہیں حکم دیا گیا ہے اسے کرو"۔ حضرت جبرائیل امین نے عرض کی "یا رسول اللہ! آج میں آخری بار دنیا میں آیا ہوں۔ میں یہاں صرف آپ کے لئے آتا تھا۔ فرشتۂ اجل نے آپ کی پاکیزہ روح نکال لی"۔

جب سید المرسلین ﷺ کا وصال ہو گیا تو اہل بیت نے گھر کے ایک کونے سے ایک صدا سنی کسی نے کہا "السلام علیکم اہل البیت ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!"

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (آل عمران: 185)

"ہر نفس موت کا ذائقہ چکھنے والا ہے اور پوری مل کر رہے گی تمہیں تمہاری مزدوری قیامت کے دن"۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر تلف ہونے والے کا عوض ہے۔ ہر ہلاک ہونے والے کا نائب ہے، ہر مصیبت سے صبر ہے اللہ تعالیٰ پر ہی اعتماد کرو۔ اسی کے ساتھ ہی امید وابستہ رکھو۔ مصیبت زدہ وہ ہوتا ہے جو ثواب سے محروم ہوتا ہے"۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ!

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "کیا تم جانتے ہو کہ یہ کون ہے؟ یہ حضرت خضر علیہ السلام ہیں"۔

امام بیہقی نے علاوہ دیگر ائمہ مثلاً امام حاکم اور ابن ابی الدنیا سے روایت کیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا "جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوا تو صحابہ کرام آپ کے اردگرد جمع ہو گئے۔ وہ گریہ بار تھے۔ ان کے پاس ایک ایسا شخص آیا جس کا قد طویل تھا۔ کندھے کے بال کثیر تھے۔ وہ ازار اور چادر میں تھا۔ وہ صحابہ کرام میں سے گزرتا ہوا آیا۔ اس نے کاشانہ اقدس کے دروازہ کو پکڑا اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر زار و زار رونے لگا۔ پھر اس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف توجہ کی اور کہا "اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر مصیبت کا صبر ہے اور ہر ہلاک ہونے والی چیز کا عوض ہے......" پھر وہ شخص چلا گیا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اس شخص کو میرے پاس لے کر آؤ" صحابہ کرام نے دائیں بائیں دیکھا۔ مگر انہیں کوئی نظر نہ آیا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "شاید یہ حضرت خضر علیہ السلام تھے" ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے حجرہ مقدسہ میں، میری نوبت میں وصال فرمایا۔ اس وقت آپ کا سر اقدس میرے سینہ پر تھا"۔

امام سہیلی نے فرمایا "جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے ہاں جلوہ افروز تھے تو سب سے پہلے آپ نے "اللہ اکبر" کہا تھا۔ اور آخری مبارک کلمات "الرفیق الاعلیٰ" تھے۔ دوسری روایت میں ہے "جلال ربی الرفیع" فرمایا تھا۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوا تو اس وقت سیدنا صدیق اکبر "السنح" کے مقام پر تھے۔ یہیں بنو حارث بن خزرج آباد تھے۔ آپ اپنی زوجہ محترمہ حبیبہ بنت خارجہ بن زید رضی اللہ عنہا کے پاس تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں وہاں چلے جانے کی اجازت مرحمت فرمادی تھی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تلوار سونت لی اور اس شخص کو دھمکانے لگے جو کہتا "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہو گیا ہے" انہوں نے کہا "آپ کی طرف اسی طرح پیغام بھیجا گیا ہے جس طرح حضرت موسیٰ کی طرف پیغام بھیجا گیا تھا اور وہ اپنی قوم سے چالیس روز تک جدا رہے۔ بخدا! مجھے امید ہے کہ لوگوں کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیئے جائیں گے"۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تک بھی آپ کے وصال کی خبر پہنچ گئی۔ وہ حجرہ مقدسہ میں آئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور سے کپڑا اٹھایا اور چومنے لگے۔ وہ زار و زار رو رہے تھے اور کہہ رہے تھے "یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ کا وصال ہو گیا ہے۔ مجھے اس ذات والا کی قسم جس کے دست تصرف میں میری جان ہے۔ آپ حالت حیات اور حالت وصال میں کتنے پاکیزہ ہیں۔ میرے والدین آپ پر فدا! اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں جمع نہیں کرے گا"۔

انہوں نے اپنے اس قول سے ان لوگوں کا رد کیا تھا جو یہ گمان کرتے تھے کہ عنقریب آپ آجائیں گے اور لوگوں کے ہاتھوں کو کاٹیں گے۔ کیونکہ اگر اس طرح ہوتا تو لازم آتا کہ آپ کا ایک اور وصال ہوتا۔ انہوں نے بتا دیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام و منصب اس سے بالاتر ہے کہ آپ پر دو موتیں جمع ہوں۔ بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ

تعالیٰ آپ کے وصال کو اور آپ کی شریعت کی موت (اختتام) کو جمع نہیں کرے گا۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہوئے کھڑے ہو گئے "اللہ تعالیٰ کی قسم! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وصال نہیں ہوا" سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چہرۂ انور سے کپڑا ہٹایا۔ اسے بوسہ دیا پھر عرض کی "میرے والدین آپ پر نثار! آپ حالت حیات اور حالت وصال میں کتنے پاکیزہ ہیں۔ مجھے اس ذات کریمانہ کی قسم جس کے تصرف میں میری جان ہے کہ وہ آپ کو دو موتوں کا مزہ نہیں چکھائے گا۔ پھر وہ کاشانہ اقدس سے باہر نکل آئے انہوں نے فرمایا "اے قسم اٹھانے والے! ذرا ٹھہر جا! جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ محو گفتگو ہوئے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیٹھ گئے۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی پھر فرمایا "ارے! جو محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عبادت کرتا تھا تو بلاشبہ آپ کا تو وصال ہو گیا ہے جو رب تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے تو وہ ہستی پاک زندہ جاوید ہے۔ اسے موت نہیں۔

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ﴿۳۰﴾ (الزمر)

"بے شک آپ نے بھی (دنیا سے) انتقال فرمانا ہے اور انہوں نے بھی مرنا ہے"۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (آل عمران: 144)

"اور نہیں محمد (مصطفیٰ) مگر (اللہ کے) رسول۔ گزر چکے ہیں آپ سے پہلے بھی رسول"۔

یہ سن کر صحابہ کرام پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔

حضرت سالم بن عبید الاشجعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وصال ہوا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سارے لوگوں سے زیادہ گھبرائے ہوئے تھے۔ انہوں نے تلوار کو دستہ سے پکڑ لیا اور کہا "میں کسی کو یوں کہتے ہوئے نہ سنوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وصال ہو گیا ہے۔ ورنہ میں اس تلوار سے اس کا سر قلم کر دوں گا" لوگوں نے مجھے کہا "اے سالم! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے یار غار کو تلاش کرو"۔ میں مسجد کی طرف نکلا تو میں نے وہاں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو دیکھا وہ زار و زار رو رہے تھے۔ انہوں نے فرمایا "سالم! کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وصال ہو گیا ہے؟ میں نے کہا "حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کہہ رہے ہیں کہ میں نے جسے یوں کہتے ہوئے سن لیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وصال ہو گیا ہے میں اس کا سر قلم کر دوں گا"۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر وہاں سے آئے۔ حتیٰ کہ حجرہ مقدسہ میں داخل ہو گئے آپ کو کپڑے میں لپیٹ دیا گیا تھا۔ چہرۂ پاک سے کپڑا ہٹایا۔ آپ کے منہ مبارک پر اپنا منہ رکھا۔ ہوا واپس آ گئی۔ پھر آپ کو ڈھانپ دیا۔ انہوں نے ہماری طرف توجہ کی اور یہ آیت طیبہ پڑھی

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۗ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ ۗ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ۗ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾

"اور نہیں محمد (مصطفیٰ) مگر (اللہ کے) رسول گزر چکے ہیں آپ سے پہلے کئی رسول تو کیا اگر وہ انتقال فرمائیں یا شہید کر دیئے جائیں پھر جاؤ گے تم الٹے پاؤں (دین اسلام سے) اور جو پھرتا ہے الٹے پاؤں تو نہیں بگاڑ سکے گا

اللہ کا کچھ بھی اور جلدی اجر دے گا اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں کو"۔ (آل عمران)

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ۝ (الزمر)

"بے شک آپ نے بھی (دنیا سے) انتقال فرمانا ہے اور انہوں نے بھی مرنا ہے"۔

اے لوگوں جو محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادت کرتا تھا تو وہ سن لے کہ آپ کا وصال ہو چکا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے اسے جان لینا چاہئے کہ وہ زندہ وجاوید ہے اسے موت نہیں"۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا "بخدا! گویا کہ میں نے اس آیت طیبہ کی تلاوت کبھی کی ہی نہیں تھی"۔

امام احمد نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کپڑے سے ڈھانپ دیا۔ حضرت عمر فاروق اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما آئے۔ انہوں نے اجازت طلب کی۔ میں نے انہیں اجازت دے دی۔ خود پردہ میں چلی گئی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آپ کی زیارت کی"۔ پھر دونوں چلے گئے۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے کہا "عمر! حضور کا وصال ہو چکا ہے" حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا "تم جھوٹ بول رہے ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال نہیں ہو گا حتیٰ کہ آپ منافقوں کو ہلاک کر دیں گے" پھر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آئے۔ میں نے کپڑا اٹھایا انہوں نے آپ کی زیارت کی۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ کہا پھر کہا "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہو چکا ہے"۔

امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حجرہ مقدسہ سے باہر نکلے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ لوگوں سے باتیں کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا "عمر! بیٹھ جاؤ" حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بیٹھنے سے انکار کر دیا۔ صحابہ کرام سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہو گئے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا

اما بعد! جو محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادت کرتا تھا تو ان کا وصال ہو چکا ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا تو وہ زندہ وجاوید ہے اسے موت نہیں۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (آل عمران: 144)

"اور نہیں محمد (مصطفیٰ) مگر (اللہ کے) رسول گزر چکے ہیں آپ سے پہلے بھی رسول"۔

بخدا! یوں لگتا تھا کہ ان لوگوں کو علم ہی نہیں تھا کہ یہ آیت طیبہ بھی نازل ہوئی تھی حتیٰ کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے تلاوت فرمایا۔ سارے لوگوں نے اسے قبول کر لیا۔ اور اسے پڑھنے لگے۔

ابن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے وہ کہہ رہے تھے "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال نہیں ہوا آپ کا وصال ہرگز نہ ہو گا حتیٰ کہ آپ سارے منافقین کو قتل کر دیں گے۔ منافقین خوشی کا اظہار کر رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے سر بلند کر لئے ہیں" حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا "ارے شخص! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہو گیا ہے۔ کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا۔

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ۝ (الزمر)

''بے شک آپ نے بھی (دنیا سے) انتقال فرمانا ہے اور انہوں نے بھی مرنا ہے''۔

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّن قَبْلِكَ الْخُلْدَ (انبیاء:34)

''اور نہیں مقدر کیا ہم نے کسی انسان کے لئے جو آپ سے پہلے گزرا (اس دنیا میں) ہمیشہ رہنا''۔

پھر وہ منبر کی طرف آ گئے۔

امام الطبرانی نے روایت کیا ہے کہ جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو یوں کہتے ہوئے سنا ''جس نے کہا کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وصال ہو گیا ہے میں تلوار سے اس کا سر تن سے جدا کر دوں گا'' حضرت عباس نے پوچھا ''کیا تمہارے پاس حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کوئی عہد ہے؟ انہوں نے کہا ''نہیں'' انہوں نے کہا ''تو پھر آپ کا وصال ہو چکا ہے۔ آپ کا وصال نہیں ہوا حتیٰ کہ آپ نے جنگ کی۔ صلح کی، نکاح کیے۔ اور تمہیں چھوڑ دیا''۔ اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عباس اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہما کی رائے یکساں تھی۔

''المواہب'' میں ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وصال ہوا تو صحابہ کرام حیران و ششدر ہو گئے۔ یوں لگتا تھا کہ ان کی عقلیں سلب ہو گئیں۔ ان میں بعض ایسے تھے کہ جو بیٹھے ہوئے تھے مگر ان میں اٹھنے کی سکت نہ رہی۔ بعض کی قوت گویائی سلب ہو گئی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی عقل کی صلاحیتیں بھی سلب ہوتی نظر آتی تھیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تھے جن کی قوت گویائی سلب ہو گئی تھی۔ وہ بات کرنے پر قادر نہ تھے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان صحابہ کرام میں سے تھے جو بیٹھ گئے تھے مگر ان میں حرکت کرنے کی طاقت نہ تھی۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سارے صحابہ کرام سے زیادہ ثابت قدم تھے۔ جب وہ آ گئے تو دونوں آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے۔ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حجرۂ مقدسہ میں داخل ہوئے۔ آپ پر جھکے۔ چہرۂ انور سے کپڑا ہٹایا اور کہا ''آپ کی حیات طیبہ اور وصال مبارک کتنا پاکیزہ ہے! آپ کے وصال سے وہ چیز (وحی الٰہی) منقطع ہو گئی جو آپ سے پہلے انبیاء کرام کے وصال سے منقطع نہ ہوئی آپ کے اوصاف عیب تناہی سے بری ہیں۔ آپ رونے اور آہ و فغاں سے بالاتر ہیں۔ اگر آپ کا وصال ہمارے اختیار میں ہوتا تو ہم اپنی جانیں قربان کر دیتے۔ اے محمد عربی صلی اللہ علیک وسلم! ہمیں اپنے رب کے حضور یاد کرنا''۔

دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے حضور کے چہرۂ انور کو بوسہ دیا اور یوں کہا ''اے میری جان سے پیارے محبوب! اے میرے خلیل'' ایک اور روایت کے مطابق وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بار بار بوسہ لینے لگے اور ساتھ ہی زار و زار رونے لگے۔ انہوں نے عرض کی ''میرے والدین آپ پر فدا! آپ کی حیات طیبہ اور وصال مبارک کتنا پاکیزہ ہے'' پھر وہ باہر لوگوں کی طرف نکل آئے۔

امام قرطبی لکھتے ہیں ''یہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے کمال شجاعت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ مصائب کے وقت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا قلب انور کتنا محکم رہتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات سے بڑھ کر بڑی مصیبت اور کیا ہو سکتی ہے۔ اس

وقت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شجاعت پوری طرح عیاں ہوئی"۔

الوائلی ابوعبد نے کتاب الانابۃ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو سنا۔ اس وقت مسجد نبوی میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیعت ہو رہی تھی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ منبر پر چڑھے اور کلمۂ شہادت پڑھا پھر فرمایا۔

اما بعد! میں نے کل تم سے ایسی بات کی تھی وہ اس طرح نہ تھی جس طرح میں نے کہی تھی۔ بخدا! میں نے وہ بات نہ تو کتاب الٰہی میں پائی ہے نہ ہی اس کے بارے میرے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی عہد تھا۔ لیکن مجھے امید تو یہ تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال اس وقت ہوگا جب ہم سب دار فانی کو الوداع کہہ جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے وہ کچھ پسند کیا جو اس کے پاس تھا۔ یہ وہ کتاب زندہ ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہدایت دی۔ اس کو مضبوطی سے تھام لو ہدایت پا جاؤ گے"۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جو بات پہلے کی تھی۔ وہ یہ تھی "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال نہیں ہوا۔ آپ کا وصال نہیں ہوگا حتیٰ کہ آپ منافقین کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ ڈالیں گے"۔ پھر انہوں نے رجوع کر لیا۔ یہ اس مصیبت کی گرانی کی وجہ سے تھا جس کا انہیں سامنا کرنا پڑا انہیں فتنہ کا اندیشہ اور منافقین کے ظہور کا خدشہ تھا۔ جب انہوں نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے یقین کی قوت ملاحظہ کی۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے یہ فرمان عالی شان سنے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ (آل عمران:185)

"ہر نفس موت کو چکھنے والا ہے"۔

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ۝ (الزمر)

"بے شک آپ نے بھی (دنیا سے) انتقال فرمانا ہے اور انہوں نے بھی مرنا ہے"۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدینہ طیبہ کی گلیوں میں اس آیت طیبہ کی تلاوت کرنے لگے۔ گویا کہ یہ آیت طیبہ اسی دن ہی اتری تھی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے اس قول سے رجوع کر لیا۔

امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ جب حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوا تو سیدہ کائنات خاتون جنت رضی اللہ عنہا نے کہا "میرے پیارے ابا جان! اللہ تعالیٰ نے آپ کو بلایا تو آپ نے اس کی دعوت قبول کر لی۔ والد گرامی مرتبت! آپ نے جنت الفردوس میں اپنا ٹھکانہ بنا لیا۔ والد ذی قدر! جبرائیل کو آپ کے وصال کی خبر کون دے گا"۔ امام الطبری نے یہ اضافہ کیا ہے "والد محترم! آپ نے اپنے رب تعالیٰ کا کتنا قرب حاصل کر لیا ہے"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہا صرف چھ ماہ بحیات رہیں۔ ان چھ ماہ میں کبھی ان کے چہرۂ انور پر مسکراہٹ نہیں آئی۔ ان کا حق بھی یہی تھا۔

ابونعیم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوا تو فرشتۂ اجل روتا ہوا آسمان کی طرف چلا گیا۔ مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے میں نے آسمان کی

طرف سے آواز سنی ''وا محمداہ'' یہ مصیبت جو مسلمانوں کو پہنچی۔ اس جیسی مصیبت کبھی کسی کو نہیں پہنچی۔ اس کے سامنے ہر مصیبت ہیچ نظر آتی ہے۔

ابن ماجہ نے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مرض وصال میں فرمایا ''اگر کسی شخص (یا کسی مؤمن) کو کسی مصیبت کا سامنا کرنا پڑے تو وہ اس مصیبت کو یاد کرے جس کا میرے وصال کے بعد میری امت کو سامنا کرنا پڑا۔ میرے کسی امتی کو بھی میرے بعد کسی ایسی بڑی مصیبت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا جس کا سامنا اس نے میرے وصال کے وقت کیا''۔

ابن جوزی لکھتے ہیں ''جب اہل مدینہ میں سے کسی شخص کو کسی مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا تو اس کا بھائی اس کے پاس آتا۔ اس کے ساتھ مصافحہ کرتا اسے کہتا ''عبداللہ! اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ بلاشبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیات طیبہ میں بہترین نمونہ ہے'' اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے جس نے یہ اشعار کہے ہیں۔

و اصبر لکل مصیبة و تجلد و اعلم بان المرء غیر مخلد

و اصبر کما صبر الکرام فانها نوب تنوب الیوم و تکشف فی غد

واذا اتتك مصیبة تشجی بها فا ذکر مصابك بالنبی محمد

ہر مصیبت کے لئے صبر کر اور استقلال کا مظاہرہ کر۔ جان لے کہ انسان نے ہمیشہ نہیں رہنا۔ اس طرح صبر کر جس طرح کریم لوگوں نے صبر کیا ہے۔ یہ ایک مصیبت ہے۔ آج آگئی ہے تو کل ختم ہو جائے گی۔ اگر تم پر ایسی مصیبت آجائے جو تمہیں غمزدہ کر دے تو اس مصیبت کو یاد کر لو جو تمہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وصال سے پہنچی۔

دوسرے شاعر نے کہا ہے۔

تذکرت لما فرق الدهر بیننا فعزیت نفسی بالنبی محمد

وقلت لها ان المنایا سبیلنا فمن لم یمت فی الیوم مات فی غد

جب زمانہ نے ہمارے مابین جدائی ڈالی تو مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وصال یاد آ گیا۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ہی اپنے نفس کو تسلی دی۔ میں نے نفس سے کہا ''بلاشبہ ہمارا راستہ اموات کی طرف ہی ہے۔ جو آج نہیں مرا وہ کل مر جائے گا''۔

قریب تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فراق کے غم میں جمادات بھی پھٹ جاتیں۔ اہل ایمان کے دلوں کی حالت کیا ہوئی ہو گی۔ جب اس تنے نے آپ کو نہ پایا جس پر ٹیک لگا کر آپ منبر بننے سے قبل خطبہ ارشاد فرماتے تھے تو وہ بھی آپ کے فراق میں زار زار رونے لگا۔ جب حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ یہ حدیث مبارک بیان کرتے تو رونے لگ جاتے اور فرماتے ''یہ خشک لکڑی تھی جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ اتنی محبت کرتی ہے تو تم اس بات کے زیادہ مستحق ہو کہ آپ سے عشق کرو''۔

روایت ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وصال کے بعد اور دفن سے قبل اذان دیتے۔ جب ان کلمات تک پہنچتے ''اشهد ان محمد رسول الله'' تو مسجد آہ و فغاں سے لرز جاتی۔ جب آپ کو دفن کر دیا گیا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان کہنا چھوڑ دی۔

ما امر عیش من فارق الاحباب خصوصا من کانت رؤیتہٗ حیاۃ الالباب

لوذاق طعم الفراق رضوی لکان من وجدہ یمید

قد جملونی عذاب شوق یعجز عن حملہ الحدید

اس شخص کی زندگی کتنی تلخ ہو جاتی ہے جو اپنے دوستوں سے جدا ہو جائے بالخصوص ایسے شخص کی جدائی جس کا دیدار دلوں کے لئے زندگی ہو۔ اگر رضوی پہاڑ فراق کا ذائقہ چکھ لیتا ہے تو وہ درد سے حرکت کرنے لگتا۔ انہوں نے مجھ پر شوق کا ایسا درد مسلط کیا ہے جس کو برداشت کرنے سے لوہا بھی عاجز ہے۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وصال ہوا تو سورج ڈھل چکا تھا۔ یہی وہ وقت تھا جب آپ ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ رونق افروز ہوئے تھے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں اس روز پیر کا دن تھا۔ آپ کو منگل کے روز یا بدھ کی رات کو دفن کیا گیا۔ دوسری روایت کے مطابق آپ کو بدھ کے روز دفن کیا گیا آپ کی پھوپھو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے بہت سے مرثیے لکھے ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔

الا یا رسول اللہ کنت رجاء نا و کنت بنا برا ولم تک جافیا

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آپ تو ہماری امید تھے۔ آپ ہمارے ساتھ حسن سلوک کرتے تھے۔ آپ ہم سے اعراض نہیں کرتے تھے۔

و کنت رحیما ھادیا و معلما لیبك علیك الیوم من کان باکیا

آپ مخلوق کے ساتھ رحیم اس کے ہادی اور معلم تھے۔ جو بھی رونے والا ہو وہ آج آپ پر رولے۔

لعمرك ما ابکی النبی لفقدہ و لکننی اخشی من الھجر آتیا

مجھے تیری زندگی کی قسم میں آپ کے وصال پر نہیں رو رہی۔ بلکہ مجھے تو آنے والے فراق سے خوف آرہا ہے۔

کان علی قلبی لذکر محمد علی حدث امسی بیثرب ثاویا

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یاد کرتے ہوئے میرے دل کو لو ہے کے داغ لگ رہے ہیں وہ حضور جو مدینہ طیبہ میں آرام فرما ہو گئے ہیں۔

فدی لرسول اللہ امی و خالتی و عمی و خالی ثم نفس و ما لیا

میری امی، خالہ، چچا اور ماموں، میرا نفس اور میرا مال حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر فدا۔

فلوان رب الناس ابقی نبینا سعدنا لکن امرہ کان ما فیا

اگر اللہ تعالیٰ ہمارے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو باقی رکھتا تو یہ ہمارے لئے سعادت تھی لیکن رب کا امر پورا ہو کر رہتا ہے۔

علیك من اللہ السلام تحیۃ و ادخلت جنات من العدن راضیا

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے درود و سلام ہو آپ کو جنات العدن میں رضا کے ساتھ داخل کر دیا جائے۔

أری حسنا ایتمته و ترکة یبکی و دعو جده الیوم و نائیا

میں نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے۔ آپ نے انہیں یتیم کر دیا ہے۔ وہ رو رہے ہیں اور اپنے جدامجد کو پکار رہے ہیں۔

حضرت ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے آپ کا مرثیہ یوں لکھا۔

ارقت فبت لیلی لا یزول و لیل اخی المصیبة فی طول

میں بیدار رہا۔ میری رات ختم ہونے کا نام ہی نہ لیتی تھی۔ مصیبت زدہ کی رات بڑی طویل تھی۔

واسعدنی البکاء و ذاک فیما اصیب المسلمون به قلیل

رونے نے میری مدد کی مسلمانوں کو اس وجہ سے جو مصیبت پہنچی تھی اس کے مقابلہ میں یہ کم تھی۔

لقد عظمت مصیبتنا و جلت عشیة قیل قد قبض الرسول

ہماری مصیبت بہت بڑی ہوگئی۔ وہ رات ہمارے لئے بہت بھاری ہوگئی۔ جب یہ کہا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پردہ فرما گئے ہیں۔

واضحت ارضنا مما عراها تکاد بنا جوانبها تمیل

ہماری یہ زمین اس کے سبب جس سے یہ محروم ہوگئی تھی قریب تھا کہ اس کی اطراف ہمارے ساتھ ایک طرف جھک جاتیں۔

فقدنا الوحی والتنزیل فینا یروح به و یغدو جبرائیل

ہم وحی اور قرآن کے نزول کو گم کر بیٹھے جسے صبح وشام حضرت جبرائیل امین علیہ السلام لاتے تھے۔

و ذاک احق ما سالت علیه نفوس الناس او کادت تسیل

آپ اس کے حق دار تھے جس کا لوگوں کے نفوس نے سوال کیا یا قریب تھا کہ وہ بہہ پڑتے۔

نبی کان یجلو الشك عنا بما یوحی الیه و ما یقول

آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو ہم سے شک دور کرتے تھے۔ اس چیز کے ساتھ جو آپ پر وحی کی جاتی اور اس کے ساتھ جو آپ خود ارشاد فرماتے تھے۔

و یهدینا فلا نخشی ضلالاً علینا والرسول لنا دلیل

آپ ہمیں ہدایت دیتے تھے۔ اب ہمیں گمراہی کا کوئی ڈر نہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے راہ نما ہیں۔

افاطم ان جزعت فذاك عذر وان لم تجزعنی ذاك السبیل

اے خاتون جنت! اگر آپ جزع کریں تو یہ آپ کا عذر ہے اور آپ جزع وفزع نہ کریں تو وہ بھی ایک رستہ ہے۔

فقبر ابیك سید کل قبر وفیه سید الناس الرسول

آپ کے والد گرامی کی قبر انور تمام قبروں کی سردار ہے اور اس میں سارے لوگوں کے سردار حضور والا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف

فرماہیں۔

حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آپ کا مرثیہ اس طرح لکھا۔

ودعنا الوحی اذا ولیت عنا فود عنا من الله الکلام

جب آپ تشریف لے گئے تو وحی آنا بھی رک گئی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے کلام آنا بھی رک گیا۔

سوی ما قد ترکت لنا رهینا تضمه القراطیس الکرام

سوائے اس کلام مجید کے جو آپ نے ہمارے لئے قرآن پاک کی صورت میں چھوڑا ہے جسے مبارک اوراق اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں۔

انہوں نے دوسرا مرثیہ اس طرح لکھا۔

لما رائیت نبینا متجندلاً ضاقت علی بعرضهن الدور

جب میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں لیٹے ہوئے دیکھا تو گھر اپنی وسعتوں کے باوجود مجھ پر تنگ ہو گئے۔

فارتاع قلبی عند ذاك لهلكه والعظم منی ما حییت کسیر

آپ کے وصال کی وجہ سے میرا دل گھبرا اٹھا۔ جب تک میں زندہ رہوں گا میری ہڈیاں ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہی رہیں گی۔

اعتیق و یحك ان حبك قد ثوی فالصبر عنك لما نعیت یسیر

اے عتیق! تمہارے لئے ہلاکت! تمہارا محبوب تم سے جدا ہو گیا ہے۔ تیرے محبوب کے وصال کی وجہ سے تیرا صبر کم ہو گیا ہے۔

یالیتنی من قبل یهلك صاحبی غیبت فی جدث علی صخور

کاش! میں اپنے محبوب کے وصال سے پہلے ہی چٹانوں پر کسی قبر میں مدفون ہو جاتا۔

فتلحدثن بدائع من بعده تعییٰ بهن جوانح و صدور

ہم ان بدعتوں کے بارے ضرور گفتگو کریں گے جو آپ کے بعد سر اٹھائیں گی جن سے سینے اور پہلو تھک جائیں گے۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اپنے جذبات کا اس طرح اظہار کیا۔

کنت السواد لناظری فعمی علیك الناظر
من شاء بعدك فلیمت فعلیك کنت احاذر

آپ ہی میری آنکھ کا سیاہ حصہ تھے۔ آپ کے چلے جانے سے دیکھنے والا اندھا ہو گیا آپ کے وصال کے بعد جو چاہے مرجائے مجھے آپ کے وصال کا ہی ڈر تھا۔

جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فرمان کے بعد حضور کا وصال پایۂ تحقیق کو پہنچ گیا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنی قوم کے پاس واپس آ گئے۔ وہ روتے ہوئے عرض کر رہے تھے "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم میرے

والدین آپ پر فدا! آپ کے لئے ایک کھجور کا خشک تنا تھا۔ جس کے ساتھ ٹیک لگا کر آپ لوگوں کو خطبہ دیتے تھے۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کثرت ہوگئی تو آپ کے لئے منبر بنا دیا گیا۔ تنا آپ کے فراق میں رونے لگا۔ حتیٰ کہ آپ نے اپنا دست اقدس اس پر رکھا تو وہ پرسکون ہو گیا۔ آپ کی امت مرحومہ آپ پر اس تنے سے زیادہ رونے کی مستحق ہے۔ میرے والدین آپ پر فدا! آپ کی فضیلت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے۔ اس نے فرمایا:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء:80)

''جس نے اطاعت کی رسول کی تو یقیناً اس نے اطاعت کی اللہ کی''۔

میرے والدین آپ پر فدا! آپ کی فضیلت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سارے انبیاء کے بعد مبعوث کیا۔ مگر آپ کا ذکر سب سے پہلے کیا۔

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَ مِنْكَ وَ مِنْ نُّوْحٍ (الاحزاب:7)

''اور (اے حبیب) یاد کرو جب ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا اور آپ سے بھی اور نوح سے بھی''۔

میرے والدین آپ پر فدا! آپ کی فضیلت یہ ہے کہ اہل آتش خواہش کریں گے کہ کاش انہوں نے آپ کی اطاعت کر لی ہوتی حالانکہ وہ درجہ بہ درجہ عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

يٰلَيْتَنَاۤ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَ اَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ﴿۶۶﴾ (الاحزاب)

''اے کاش! ہم نے اطاعت کی ہوتی اللہ کی اور ہم نے اطاعت کی ہوتی رسول اکرم کی''۔

میرے والدین آپ پر فدا! آپ کی قلیل عمر میں آپ کے پیروکاروں کی تعداد اتنی کثیر ہوگئی کہ حضرت نوح علیہ السلام کی عمر کی طوالت کے بعد ان کے متبعین کی تعداد اتنی کثیر نہ ہو سکی۔ آپ پر کثیر لوگ ایمان لے کر آئے جبکہ ان پر قلیل سی تعداد ایمان لائی۔

ابن عساکر نے حضرت ابو ذویب الہذلی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علیل تھے۔ قبیلہ کو خدشہ لاحق ہونے لگا۔ میں ساری رات بیدار رہا۔ وقت سحر مجھے نیند نے آلیا۔ مجھے کسی ہاتف کی آواز اس طرح سنائی دی۔

خطب اجل اناخ بالاسلام بین النخیل و مقعد الآطام

قبض النبی محمد فعیوننا تذری الدموع علیہ بالسحام

اسلام پر گراں مصیبت آپڑی ہے۔ کھجوروں اور قلعوں کے درمیان یعنی مدینہ طیبہ میں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہو گیا ہے جبکہ ہماری آنکھیں آپ کے وصال پر لگا تار آنسو بہا رہی ہیں۔

میں فوراً بیدار ہوا۔ آسمان کی سمت دیکھا۔ میں نے صرف سعد الذابح کو دیکھا۔ مجھے علم ہو گیا کہ یا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہو گیا ہے یا آپ قریب الوصال ہیں۔ میں مدینہ طیبہ حاضر ہو گیا میں نے اہل مدینہ کی طرف سے آہ و بکا سنی۔ گویا کہ حاجی حالت احرام میں تلبیہ کہہ رہے ہوں۔ میں نے کہا'' مجھے بتایا گیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہو گیا ہے''۔

عجیب امر یہ ہے کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غسل دینے کا ارادہ کیا تو انہوں نے کہا'' ہمیں علم نہیں

کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس طرح کپڑے اتاریں جس طرح ہم اپنے مردوں کے کپڑے اتارتے ہیں یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کپڑوں سمیت غسل دیں''۔ صحابہ کرام کا باہم اختلاف ہوا تو رب تعالیٰ نے ان سب پر نیند طاری کر دی۔ ان میں سے ہر شخص اپنے سینے پر سر جھکائے ہوئے تھا۔ پھر کسی نے کاشانہ اقدس کے گوشہ سے آواز دی۔ صحابہ کرام کو علم نہ ہو سکا کہ وہ کون تھا۔ اس نے کہا ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کے ملبوسات مبارکہ سمیت غسل دو''۔ صحابہ کرام بیدار ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسی طرح غسل دیا۔ آپ کی مبارک قمیص کے اوپر سے ہی انہوں نے غسل دیا۔ وہ اس پر ہی پانی ڈالتے جاتے اور اوپر سے ہی ملتے رہے۔ امام بیہقی نے اس روایت کو ''دلائل النبوۃ'' میں جید سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے آپ کو غسل دینے کی سعادت عظمیٰ حاصل کی۔ حضرت عباس اور ان کے لخت جگر حضرت فضل رضی اللہ عنہما حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی مدد کر رہے تھے۔ حضرات قثم بن عباس، اسامہ بن زید اور شقران مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پانی ڈال رہے تھے۔ ان سب نے اپنی آنکھوں پر پٹیاں باندھ رکھی تھیں تاکہ وہ آپ کے جسد اطہر کو نہ دیکھ سکیں انہیں خدشہ تھا کہ آپ کا کوئی ایسا عضو پاک ظاہر نہ ہو جائے جسے دیکھنے کی اجازت نہ ہو۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی چشم مبارک پر پٹی نہ تھی۔ وہ آپ کو غسل دیتے ہوئے یوں عرض کر رہے تھے ''میرے والدین آپ پر فدا! آپ حالت حیات اور حالت وصال میں کتنے پاکیزہ ہیں''۔

روایت ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس وقت صدائے غیبی سنی جب وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غسل دے رہے تھے۔ ''آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی'' تاکہ وہ کہیں لگاتار آپ کو نہ دیکھتے رہیں۔

امام بیہقی نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا ''میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غسل دے رہا تھا اور میں وہ چیزیں (فضلات وغیرہ) دیکھنے لگا جو میت کے اندر سے عموماً نکلتی ہیں۔ مجھے کچھ بھی نظر نہ آیا۔ آپ حالت حیات اور حالت وصال میں پاکیزہ تھے۔ آپ سے عمدہ مہک اٹھ رہی تھی۔ لوگوں نے آج تک اتنی عمدہ خوشبو نہیں سونگھی۔

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک پلکوں پر پانی جمع تھا اور وہ مبارک پانی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے نوش جان کیا تھا'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تین سفید کپڑوں میں کفن دیا گیا جن میں نہ قمیص تھی نہ ہی عمامہ'' اس روایت کے مفہوم میں علماء کرام کا اختلاف ہے۔ جمہور کا مؤقف یہ ہے کہ کفن میں قمیص اور عمامہ بالکل نہ تھے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ آپ کو قمیص اور عمامہ کے علاوہ تین کپڑوں میں کفن دیا گیا۔ جب صحابہ کرام غسل اور کفن دینے سے فارغ ہوئے تو آپ کی چارپائی آپ کے کاشانہ اقدس میں رکھ دی گئی۔ صحابہ کرام گروہ در گروہ کاشانہ اقدس میں داخل ہونے لگے۔ وہ آپ کے حضور صلوٰۃ وسلام کا نذرانہ پیش کر رہے تھے۔ آپ کی نماز جنازہ کی امامت کسی نے نہیں کرائی۔

ایک اور روایت میں ہے کہ سب سے پہلے ملائکہ نے گروہ در گروہ صلوٰۃ وسلام عرض کیا۔ پھر آپ کے اہل بیت حاضر ہوئے۔ پھر لوگ گروہ در گروہ صلوٰۃ وسلام عرض کرنے لگے۔ پھر خواتین حاضر خدمت ہوئیں۔

اس بات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اختلاف ہو گیا ہے کہ آپ کو کس جگہ دفن کیا جائے۔ قبر انور کہاں بنائی جائے۔ بعض صحابہ کرام نے کہا ''منبر کے پاس''، بعض نے کہا ''جنت البقیع میں'' حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا'' آپ نے فرمایا'' کسی نبی کا وصال نہیں ہوا مگر اسے اسی جگہ دفن کیا گیا جہاں اس کا وصال ہوا'' حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں نے بھی یہ فرمان عالی شان سنا ہے (ترمذی، ابن ماجہ)

''المؤطا'' کی روایت ہے ''کسی بھی نبی کو صرف اور صرف اس جگہ دفن کیا جاتا ہے جہاں اس کا وصال ہوتا ہے'' اس جگہ آپ کی قبر انور کھودی گئی جہاں آپ کا وصال ہوا۔ حضرت ابو طلحہ زید بن سہل انصاری رضی اللہ عنہ نے قبر انور کھودنے کی سعادت ابدی حاصل کی۔ صحابہ کرام میں اختلاف ہو گیا کہ آپ کو قبر انور میں کون داخل کرے۔ صحیح روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا جان عباس رضی اللہ عنہ، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت فضل اور حضرت قثم رضی اللہ عنہم قبر انور میں اترے۔ ایک اور روایت کے مطابق حضرت اوس بن خولی انصاری رضی اللہ عنہ بھی ان کے ساتھ قبر انور میں اترے۔ حضرت قثم بن عباس رضی اللہ عنہما سب سے بعد میں قبر انور سے نکلے کیونکہ وہ وہیں ٹھہرے رہے حتیٰ کہ سارے حضرات باہر نکل آئے۔

روایت ہے کہ آپ کی قبر انور میں سات کچی اینٹیں بنائی گئیں۔ آپ کے نیچے نجرانی کپڑا بچھایا گیا۔ آپ یہی مبارک کپڑا اوڑھتے بھی تھے۔ حضرت شقران رضی اللہ عنہ نے اسے آپ کے نیچے بچھایا۔ پھر کہا ''بخدا! آپ کے بعد اسے کوئی اور استعمال نہیں کرے گا'' آپ کے نیچے اس طرح کپڑا بچھانا آپ کی خصوصیت ہے۔ دوسرے افراد کے متعلق جمہور علماء کرام نے مکروہ لکھا ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دفن کر دیا گیا تو حضرت سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا نے فرمایا ''کیا تمہارے دلوں نے قبول کر لیا کہ تم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مٹی ڈالو''۔ انہوں نے قبر انور کی مبارک مٹی لی اور اپنی چشمان مقدس پر رکھ لی۔ پھر یہ اشعار پڑھے۔

ماذا علی من شم تربت احمد ان لا یشم مدی الزمان غوالیا

صبت علی مصائب لوانها صب علی الایام عدن لیا لیا

جس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر انور کی خوشبو سونگھ لی اگر وہ تادیر خوشبو نہ سونگھے تو اسے کوئی حرج نہیں۔

مجھ پر اتنے مصائب آئے ہیں اگر وہ مصائب دنوں پر آتے تو وہ رات بن جاتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق انہوں نے یہ اشعار بھی کہے۔

اغبر آفاق السماء و کورت شمس النهار و اظلم العصران

والارض من بعد النبی کئیبة اسفا علیه کثیرة الرجفان

فلیبکه مشارق البلاد وغربها و لیبکیه مصر و کل یمان

آسمان کے آفاق غبار آلود ہو گئے ہیں۔ دن کا سورج بے نور ہو گیا ہے اور دن اور رات تاریک ہو گئے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پردہ فرما ہو جانے کے بعد زمین دکھی ہے۔ افسوس کی وجہ سے اس پر سخت زلزلہ بپا ہے۔ مناسب یہ ہے کہ مشرق و

مغرب کے شہر آپ پر روئیں اور مصر اور یمن والے روئیں۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے قبر انور پر پانی چھڑکنے کی سعادت حاصل کی۔ آپ کے سر اقدس کی طرف سے پانی چھڑکنا شروع کیا۔ سرخ و سفید سنگریزے اوپر ڈال دیئے۔ آپ کی قبر انور کو زمین سے بالشت بھر اونچا رکھا گیا۔ جب آپ کی روح مبارک کو قبض کیا گیا تو روح مقدسہ کے استقبال کے لئے جنتیں سج گئیں۔ دنیا تاریک ہوگئی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''جس روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ جلوہ افروز ہوئے میں نے اس سے زیادہ حسین اور روشن دن کبھی نہ دیکھا اور جس روز آپ کا وصال ہوا اس سے تاریک ترین دن کبھی نہ دیکھا''۔

ایک اور روایت میں ہے کہ جس مبارک دن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ رونق افروز ہوئے تو وہاں کی ہر چیز نور فشاں ہوگئی۔ جس روز آپ کا وصال ہوا تو وہاں کی ہر چیز پر تاریکی چھا گئی۔ ہم نے ابھی تک اپنے ہاتھوں سے مٹی بھی نہ جھاڑی تھی کہ ہم نے اپنے دلوں کو متغیر پایا''۔ یعنی ان کے دل اس حالت سے متغیر ہو چکے تھے جو حالت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ میں تھی۔ مثلاً الفت، صفا، رقت وغیرہ کیونکہ ان کو آپ کی تعلیم اور تائید سے مدد نصیب ہوتی تھی۔

عجیب معجزات

آپ کے وصال کے بعد آپ کے یعفور نامی دراز گوش پر غم و حزن کا کوہ گراں ٹوٹ پڑا۔ حتیٰ کہ اس نے اپنے آپ کو کنویں میں گرالیا۔ آپ کی مبارک ناقہ کی بھی یہی غمناک حالت تھی اس نے نہ کھایا۔ نہ پیا۔ حتیٰ کہ دار فانی سے سدھار گئی۔ ان کے علاوہ وہ کثیر معجزات ظاہر ہوئے جن کے بارے آپ نے فرمایا تھا کہ وہ آپ کے وصال کے بعد ظاہر ہوں گے۔ وہ ان گنت اور بے شمار ہیں۔

امام مسلم نے حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ جب کسی امت کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اس سے پہلے اس کے نبی کی روح قبض کر لیتا ہے۔ وہ اسے اس کے لئے پیش رو بنا دیتا ہے۔ جب وہ کسی امت کی ہلاکت کا ارادہ کرتا ہے وہ اسے عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے۔ جب کہ اس کا نبی ابھی تک بحیات ہوتا ہے وہ انہیں دیکھ رہا ہوتا ہے۔ ان کی ہلاکت سے اس کی آنکھوں کو ٹھنڈک نصیب ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ اس کی تکذیب کرتی ہے۔ اس کے حکم کی نافرمانی کرتی ہے۔ جس طرح کہ حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح اور حضرت لوط علیہم السلام کی امتوں کے ساتھ ہوا۔ کسی بھی امت کے نبی کا اس سے قبل وصال ہو جانا اس کے لئے بہتر ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر امتی پہلے مر جائیں تو ان کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو انہیں باقی رکھ کر ان کی بھلائی کو باقی رکھتا ہے۔ وہ نسل در نسل ان عبادات اور حسن معاملات کی حفاظت کرتے ہیں جن کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔

هذا ما يسره الله من سير النبي و نسأل الله ان يجعلنا من التابعين له المتمسكين بشريعته المقتفين لآثره المقتدين به وان يحشرنا في زمرته و زمرة اصحابه و اهل بيته و ان يمنحنا من المدد المحمدي ما منحه عباده الصالحين وان يمتعنا بلذة النظر الى وجهه الكريم من غير عذاب يسبق و صلى الله على سيدنا محمد و على آله و صحبه و سلم۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ ناز کے طفیل آج میں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عظیم تالیف ''السیرۃ النبویہ'' از حضرت علامہ سید احمد بن زینی دحلان رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ مکمل کرنے کی سعادت سے بہرہ ور ہوا۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور اسے میرے لئے توشۂ آخرت بنائے۔ آمین

غبار راہ طیبہ

ذوالفقار علی ساقی

مدرس دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ

03-12-2009

ضیاء القرآن پبلی کیشنز کے تفاسیری کارنامے

تفسیر ضیاء القرآن ۵ جلد
فہم قرآن کا بہترین ذریعہ
اہل دل کے لیے ایک نایاب تحفہ

جمال القرآن فی ترجمۃ القرآن
قرآن پاک کا انتہائی خوبصورت ترجمہ جس کے
ہر لفظ سے اعجاز قرآن کا حسن نظر آتا ہے

تفسیرات احمدیہ
ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ

تفسیر ابن کثیر ۴ جلد
علامہ ابو الفداء عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ

تفسیر نور العرفان
حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

تفسیر خزائن العرفان
صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ

تفسیر احکام القرآن ۳ جلد
مولانا جلال الدین قادری رحمۃ اللہ علیہ

تفسیر الحسنات ۳ جلد
ابو الحسنات سید محمد احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ

تفسیر دُرِ منثور ۶ جلد
علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ

تفسیر مظہری ۱۰ جلد
عارف باللہ حضرت قاضی
ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ

تفسیر قرطبی ۱۰ جلد
امام ابو عبد اللہ
محمد بن احمد
بن ابو بکر قرطبی رحمۃ اللہ علیہ

تفسیر اشرفی ۱۰ جلد
شیخ الاسلام والمسلمین
حضرت علامہ سید
محمد مدنی اشرفی جیلانی
مدظلہ العالی

تفسیر سورۃ النساء
پروفیسر مفتی
منیب الرحمٰن

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۲ جلد
مفتی سعادت علی قادری رحمۃ اللہ علیہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

محمد رسول اللہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور کراچی پاکستان